جلد اوّل

علّامہ سیّد محمّد رضی مجتہد

ادارۂ نشرِ علومِ دینیّہ

شہادتِ کبریٰ

جلد اوّل

علامہ سیّد محمّد رضی مُجتہد

ادارۂ نشرِ عُلوم دینیّہ

طبع اول ——— ۱۹۷۹ء

تعداد ——— دو ہزار

ناشر ——— ادارۂ نشرِ علومِ دینیہ کراچی

مطبع ——— اشتیاق پرنٹنگ پریس کراچی

پتہ

ادارۂ نشرِ علومِ دینیہ

سی ۹۶ بلاک نمبر ۱

فیڈرل بی ایریا کراچی

فون نمبر ۶۸۱۹۶۱

فہرست مضامین

حضرت حجۃ الاسلام علامہ سید محمد رضی مجتہد العصر

ہندوستان کے مشہور و معروف علمی مرکز لکھنؤ میں ۱۹۱۳ء ماہ دسمبر مطابق ۱۳۳۲ھ ماہ صفر سرکار محترم حضرت علامہ کی ولادت ہوئی جبکہ آپ کے اجداد کا وطن امروہہ ضلع مراد آباد تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت موسیٰ مبرقع فرزند امام محمد تقی علیہ السلام کے واسطہ سے حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ کے سلسلۂ نسب میں زیادہ تر علماء گزرے ہیں یا ایسے بزرگ جو بلند ترین روحانی ریاضت یا پھر عسکری اعلیٰ منصبوں پر فائز تھے آپ کے والد حضرت حجۃ الاسلام مولانا سید محمد صاحب قبلہ مجتہد تھے۔ آپ کے دادا حضرت حجۃ الاسلام آیۃ اللہ العظمیٰ سرکار صدر الشریعۃ مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مجتہد اعظم تھے جن کا نام اسلامی دنیا میں سورج کی طرح روشن ہے۔ علامہ کی دادی مرحومہ کے والد سرکار حجۃ الاسلام آیۃ اللہ العظمیٰ مفتی سید محمد عباس موسوی شوستری مفتی اعظم سلطنتِ اودھ تھے۔ نیز علامہ کے نانا برّ صغیر کے عظیم ترین مجتہد سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ حجۃ الاسلام جناب سید مصطفےٰ عرف میر آغا صاحب قبلہ امام جمعہ جامع مسجد آصفی لکھنو تھے جو حضرت غفرآنماب علیہ الرحمتہ کے پرپوتے تھے۔ علامہ نے ابتدائی تعلیم لکھنؤ کے مشہور مرکزِ علم ناظمیہ عربی کالج میں حاصل کی اور انیس ۱۹ سال کی عمر میں آپ کو کالج کی آخری سند " ممتاز الافاضل" نمایاں نمبروں سے ملی۔ علامہ نے ۱۹۳۹ء سے قبل دس سال تک ناظمیہ عربی کالج میں بحیثیت وائس پرنسپل اور کبھی پرنسپل کی حیثیت سے تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیئے متحدہ ہندوستان کے طول و عرض میں کوئی اہم جگہ ایسی نہ تھی جہاں آپ کو دعوتِ تقریر نہ دی گئی ہو اور آپ کی معرکہ آراء تقریروں سے لوگ فیضیاب نہ ہوئے ہوں۔ رنگون (برما) سے لے کر ڈیرہ اسمٰعیل خاں تک آپ کی تحریر و تقریر کا شہرہ تھا۔ اور باوجود کمسنی کے آپ اسی وقت سے صفِ اوّل کے خطیب شمار کئے جاتے تھے۔ اسی زمانہ میں حیدر آباد (دکن) بھی تشریف لے گئے۔ اور اعلیٰحضرت نظام طاب ثراہ کی خصوصی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ حیدر آباد (دکن) کا پہلا سفر مجالسِ محرم کے سلسلہ میں ہوا تھا ۔اور آخری مجلس کو سننے کے لئے نظامِ دکن خاص طور پر تشریف لائے تھے اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک مجلس میں شریک رہے۔ اور بار بار بلند آواز اور انتہائی والہانہ انداز میں علامہ کے زورِ بیان کی تعریف کرتے رہے اور اصرار کرتے رہے کہ وہ تقریر کو جلد ختم نہ کریں پھر حیدر آباد کے ایک مشہور سرکاری اخبار میں علامہ کے متعلق اپنے تعریفی الفاظ بھی شائع کرائے۔ اسی زمانہ میں علامہ نے لکھنؤ ہی میں

استاذ الکل فی الکل اعلم العلماء سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ حجۃ الاسلام مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ مجتہد اعظم سے درس اجتہاد حاصل کرنا شروع کر دیا۔ آقائے مرحوم خاندان اجتہاد کے عظیم ترین علماء میں سے تھے جنھوں نے اٹھارہ ۱۸ سال تک نجف اشرف (عراق) میں علماء و فقہا کو درسِ اجتہاد دیا تھا اور اپنے دور کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ سرکار مرحوم سے علامہ نے درسِ اجتہاد کی تکمیل کی مرحوم نے علامہ کو خصوصی اجازۂ اجتہاد عطا فرمایا اور "عماد العلماء" کا خطاب دیا۔

علامہ سید محمد رضی مدظلہ تفسیر فقہ، کلام، فلسفہ و منطق، ہیئت اور دیگر اسلامی علوم کی مثالی مہارت کے ساتھ ہی ایک بلند پایہ ادیب اور شاعر بھی ہیں۔ علامہ کی نثر نگاری اور زورِ تحریر اُن کی تقریروں اور خطابت ہی کی طرح اپنی آپ ہی مثال ہے۔ جس کا اندازہ اُن کے مقالات اور مضامین سے ہر صاحبِ بصیرت آسانی سے لگا سکتا ہے

علامہ ابتدا ہی سے اتحاد اسلامی کے زبردست حامی رہے ہیں چنانچہ لکھنؤ میں آپ "مرکزِ تبلیغ اسلام" اور "مرکزِ اتحاد اسلام" جیسی مشہور تنظیموں کے صدر تھے۔

۱۹۳۹ء میں علامہ نجف اشرف (عراق) مزید تکمیلِ علم کے لئے گئے جہاں آپ کا قیام تقریباً دو ۲ سال رہا۔ آپ کے اساتذہ میں ایک عظیم شخصیت آقائے آیۃ اللہ العظمیٰ میرزا حسین بجنوردی مرحوم کی ہے جنھوں نے سرکار نجم العلماء کو اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ میں نجف میں چالیس سال سے درسِ اجتہاد دے رہا ہوں مگر میں نے ایسا لائق و فائق طالب علم آج تک نہ ایرانیوں میں دیکھا ہے اور نہ ہندوستانیوں میں نجف اشرف میں آپ کے اساتذہ میں مراجعِ تقلید اور حجج اسلام آقائے السید ابوالحسن الاصفہانی، آقائے ضیاء الدین العراقی اور آقائے عبدالحسین رشتی بھی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور ان سب علماء نے علامہ کو بہترین اجازہائے اجتہاد عطا کئے ہیں اکتوبر ۱۹۴۸ء میں علامہ پاکستان تشریف لائے۔

پھر مشرقی افریقہ اور جزیرہ مڈگاسکر کا سفر کیا جہاں شاہانہ طریقہ پر ہر جگہ آپ کا استقبال کیا گیا اور آپ کی اپیل پر اہل مڈگاسکر نے ایک لاکھ روپیہ کے قریب فنڈ جمع کیا جو حکومتِ فرانس کی خصوصی اجازت سے کراچی منتقل ہوا اور آپ نے اس رقم سے "حسینی ہائی اسکول" برائے طلبہ و طالبات علیحدہ علیحدہ قائم کئے جو اب تک قائم ہیں۔ کراچی میں علامہ عرصہ تک جمعیۃ العربیۃ پاکستان کے جنرل سکریٹری رہے۔ اس جمعیت کی ورکنگ کمیٹی میں تمام ممالک اسلامیہ کے سفراء بحیثیت ممبر شامل تھے۔ کراچی میں آپ نے مشہور عرب سفیروں کو اردو زبان کی تعلیم بھی دی چنانچہ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام مرحوم سفیر مصر اور جناب عمر بہاء الامیری سابق سفیر شام وغیرہ آپ کے شاگرد رہ چکے

سابق سر آغا خان بھی اس جمعیۃ العترۃ کے خاص سرپرستوں میں سے تھے۔ علامہ نے انگریزی زبان کی تحصیل میں بھی کافی وقت صرف کیا اور سنہ ۱۹۵۷ء میں پٹ مین کالج لندن سے فرسٹ کلاس ڈپلوما حاصل کیا۔ موصوف نے کبھی سیاسی دوڑ دھوپ میں حصّہ نہیں لیا اور ہمیشہ گوشہ میں علمی اور مذہبی خدمات کے لئے اپنی ذات کو وقف رکھا۔ علامہ کی پچاس سے زیادہ کتابیں اور رسالے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

اِن تمام علمی قابلِ قدر خدمات کے ساتھ ہی علامہ نے اب تک ریڈیو پاکستان اور ٹیلیویژن پر سیکڑوں تقریریں نشر کی ہیں جن سے پورے کرۂ زمین کے کروڑوں تشنگانِ علم سیراب ہوتے رہے ہیں اور جن کی افادیت اور مقبولیت کا سکّہ پوری دُنیا پر جم چکا ہے۔

سرکار نجم العلماء اعلیٰ اللہ مقامہ نے علامہ سیّد محمد رضی صاحب قبلہ مجتہد کو اپنی ایک خصوصی وصیّت کے ذریعہ بحیثیت مجتہد اپنا شرعی وصی و جانشین بھی مقرر کیا تھا۔

ابھی حال ہی میں علامہ نے امریکہ، کنیڈا اور یورپ کا تبلیغی کامیاب دورہ کیا ہے۔ سنہ ۱۹۷۸ء میں حکومت پاکستان نے علامہ کو ملک کے بلند ترین قانونی ادارہ "اسلامی نظریاتی کونسل آف پاکستان کا ممبر منتخب کیا۔

(ادارہ)

اطلاع

اِدارہ نشرِ علومِ دینیہ نے علامہ سید محمّد رضی صاحب قبلہ مجتہد کی جو تصنیفات شائع کی ہیں اُنکی مکمل فہرست دفتر ادارہ سے طلب کیجئے۔

(ادارہ)

واقعۂ کربلا انسانی تاریخ کا عظیم ترین سانحہ ہے۔ تقریباً چودہ سو ۱۴۰۰ سال سے دنیا کے تمام مفکر اس کے اسباب و نتائج پر غور کرتے رہے ہیں یہ حیرت انگیز واقعہ ایک طرف انسانیت کے بلند ترین مقام اور حق و صداقت کا مظہر ہے تو دوسری طرف اسلام کی عظمت اور سچائی کا بھی نمونہ ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ سرورِ کائنات کی مقدس تعلیمات اور اسلامی اقدار کو کرۂ ارض پر پھیلانے میں اسی اہم ترین سانحہ نے سب سے زیادہ مضبوط اور بنیادی کردار پیش کیا ہے اسی جانگداز واقعہ سے امام حسینؑ کی شخصیت بھی ابھر کر بنی نوع انسان کے سامنے آئی ہے اور اب ہر قوم اس پر مجبور ہوگئی ہے کہ وہ حضرت سید الشہداءؑ کی حیاتِ پاک اور اس سانحہ کے اسباب و علل اور نتائج و اثرات کی تفصیلات کا علم حاصل کرے۔ اور آپ کی زندگی اور شہادت کو سامنے رکھ کر زندہ رہنے اور مر جانے کے کامیاب اور یادگار بن جانے والے طریقوں سے آگاہی پیدا کرے۔

ابھی تک میرے علم میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں امام عالی مقام کی شخصیت اور اس عدیم المثال کارنامے کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی بحث کی گئی ہو اس لئے میں نے کئی برس کی سخت کاوش اور عرق ریزی کے بعد مضامین اور واقعات کو اکٹھا کیا۔ ان پر تبصرے بھی کئے اور مختلف گوشوں سے بحث و تحقیق بھی کی۔ مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ بیرونی اور داخلی جنگوں اور افراتفری سے بھری ہوئی ہے اس لئے احادیث و روایات اور واقعات و حوادث کا صحیح شکل میں مل جانا بے حد مشکل کام ہوتا ہے۔ اور اسی بنا پر ہمیں ان واقعات کو تحریر کرتے وقت ہر قسم کی روایات کو اخذ کرنا پڑتا ہے بشرطیکہ وہ ہمارے بنیادی عقائد و مسلمات سے متضاد نہ ہوں۔ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ بھی لکھا جائے وہ معتمد و معتبر روایات پر مبنی ہو۔ اور کوئی بات ایسی نہ ہو جو ہمارے اصول و فروع کے منافی ہو۔ اس کتاب میں بعض روایات کو لکھ کر بغیر تبصرہ کئے ہوئے بھی چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ ناظرین ان پر اپنی آزاد رائے کے مطابق خود ہی تبصرہ کر لیں اس میں امام حسینؑ کی شخصیت پر مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ادبی، تاریخی، جغرافیائی اور دیگر گوشوں پر پوری طرح نظر رکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا نام "شہادتِ کبریٰ" ہے جس کی یہ پہلی جلد محترم ناظرین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے اس کے بعد انشاء اللہ دو جلدیں مزید شائع کی جائیں گی جن میں کربلا کی جنگ، شہدائے کرام کے تفصیلی حالات، کوفہ و شام کے تمام واقعات نیز مدینہ میں قافلۂ حسینی کی واپسی کی تفصیلات درج ہوں گی۔ مسودات تیار ہیں صرف آفسٹ کی کتابت اور مضامین کی ترتیب کا کام باقی رہ گیا ہے جس میں کافی وقت لگے گا لیکن اگر قوم نے میری ہمت افزائی کی تو یہ کام بھی جلد انجام دے دیا جائے گا۔

اس کتاب کی طباعت کو بعض لوگوں کے مشورہ کی بنا پر دو قسم کے معیاروں پر تقسیم کر دیا گیا ہے اور اسی لئے اس کے ایک معیارِ طبع کی قیمت زیادہ ہے اور دوسرے کی کم رکھی گئی ہے۔

آخر میں ان تمام لوگوں کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کی طباعت میں میری مدد فرمائی ہے اللہ ان سب کو جزائے خیر اور ثوابِ عظیم عطا فرمائے۔

(علامہ) سید محمد رضی مجتہد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام حسین علیہ السلام کی حیات پاک پر مختصر تبصرہ اور اسکے اہم گوشے

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

سب سے پہلے ہم حضرت سید الشہدار امام حسین علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت، آپ کے ذاتی فضائل وکمالات اور آپ کے عام حالات زندگی پر تبصرہ کرتے ہیں پھر ان خصوصیات اور شخصی کردار کو لکھیں گے جس کی روشنی میں آپ کی شخصیت انسانی تاریخ کے ایک ایسے بلند مقام پر آگئی جس کو نہ اب فنا ہے اور نہ زوال ہی ممکن ہے۔

اس سلسلے میں ہم آپ کی سیرتِ طیبہ کے تمام گوشوں سے بحث کریں گے اور آپ کے عام سوانح زندگی کے ساتھ آپ کی شہادتِ عظمیٰ اور اُس کے اسباب ونتائج کی تشریح بھی کریں گے۔ اس طرح یہ کتاب متعدد جلدوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچ سکے گی۔

تاریخِ ولادت سیرت کی کتابوں میں زیادہ تر آپ کی تاریخ ولادت ۳ر شعبان المعظم ۴ھ درج ہے۔ جائے ولادت مدینۂ منورہ ہے۔

آپ اپنی مادر گرامی حضرت فاطمۂ زہراؑ کے شکم اقدس میں صرف چھ ماہ رہے۔ یہ مدتِ حمل صرف چند شخصیتوں کو حاصل ہوئی تھی۔ ایک حضرت عیسیٰ بن مریم دوسرے حضرت یحییٰ بن زکریاؑ تیسرے امام حسین علیہ السلام۔ اس مشہور روایت کے علاوہ کچھ ایسی بھی روایات موجود ہیں جن میں آپ کی مدتِ حمل کو بجائے چھ ماہ کے نو ماہ بتایا

گیا ہے۔ اسی طرح تاریخ اور روزِ ولادت نیز سالِ ولادت میں بھی سیرت نگاروں نے اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ مگر شہرت اسی قول کی ہے جسے ہم نے ابھی نقل کیا ہے البتہ اس قول کی بنا پر امام حسن علیہ السلام کا سال ولادت ہمیں ۳ھ ہی ماننا پڑیگا کیونکہ اگر ہم ان لوگوں کی تائید کریں گے جو ان کا سال ولادت ۲ھ بتاتے ہیں تو پھر امام حسین علیہ السلام کی ولادت قطعی طور پر ۳ھ میں ہونا طے پائے گی۔ اس بحث کی پوری تشریح ناسخ التواریخ جلد ۶ صـ ۲۴۲ پر اور سیرت کی دیگر کتابوں میں موجود ہے۔

اب ایسی صورت میں جبکہ امام حسین کی ولادت ہجرت کے چوتھے سال میں مانی جائے اور تاریخ ۳ شعبان سمجھی جائے اور دوسری طرف امام حسن کی ولادت ۱۵ رمضان ۳ھ ہے تو یقیناً امام حسین کی مدت حمل نو ماہ قرار پائے گی جبکہ قیام حمل پچاس روز بعد ہوا ہو یعنی ۵ ذیقعدہ ۳ھ کو۔ جیسا کہ بعض سیرت نگاروں نے تصریح کی ہے، اس طرح رویتِ ہلال کے فرق اور کمی و زیادتی کو زیر نظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ۳ شعبان ۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی تھی بشرطیکہ مدت حمل نو ماہ قرار دی جائے ورنہ اگر مدت حمل چھ ماہ تھی تو پھر کسی طرح بھی ۳ شعبان ۴ھ کا قول درست نہیں ہو سکے گا۔ ان اقوال کے علاوہ بعض علماء نے ربیع الاول اور جمادی الاولیٰ میں بھی آپ کی ولادت کی روایات لکھی ہیں۔

بہرحال شہرت اسی قول کی ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ۳ شعبان ۴ھ میں ہوئی تھی اور مدت حمل چھ ماہ تھی اور یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا جبکہ اس بات کو بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آپ شکم مادر میں ماہ صفر ۴ھ کی ابتدا میں آئے تھے۔ اسی مشہور قول کی طرف آیت کریمہ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا۔ میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ (پارہ ۲۶ سورۂ احقاف آیت ۱۵) دیکھو تفسیر صافی وغیرہ۔

جب امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو جبرئیل امین ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تہنیت دینے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ (ناسخ وغیرہ)

علامہ ابن بابویہ الصدوق اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ امام حسین کی ولادت کے وقت صفیہ بنت عبدالمطلب موجود تھیں اور وہی ضروری خدمات انجام دے رہی تھیں:

قالت فلمّا سقط الحسین من فاطمة کنتُ بین یدیها فقال لی النبیّ صلی الله علیه و آله وسلّم هلمّی الیّ بابنی فقلت یا رسول الله انا لم ننظفه بعدُ فقال لی النبیّ انتِ تنظّفینه؟ انّ الله قد نظّفه وطهّره و روی ان رسول الله قام الیه و اخذه فکان یُسبّح و یُهلّل و یُمجّد۔

صفیہ کہتی ہیں جب امام حسین کی ولادت ہوئی تو میں حضرت فاطمہ کے پاس موجود تھی اس وقت آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے فرزند کو میرے پاس لے آؤ میں نے عرض کی ابھی میں نے اسے پاک صاف نہیں کیا ہے تو آپ نے فرمایا: صفیہ! کیا تم اس بچہ کو پاک کروگی! بیشک اللہ نے اسے پاک اور صاف کر دیا ہے۔ یہ بھی ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ انور خود ہی بچہ کے پاس تشریف لے گئے اور اسے گود میں اٹھا لیا اُس وقت بچہ اللہ کی تسبیح اور حمد و ثنا کر رہا تھا۔

" و ہم سند بہ صفیہ منتہی می شود کہ فرمود چون حسین متولد شد و او را بہ نزد پیغمبرؐ بردم آنحضرت او را بگرفت و زبان مبارک در دہان او گذاشت و حسین آغاز مکیدن فرمود و من چنان گمان کردم کہ پیغمبرؐ او را غذا می دہد از شیر د عسل پس رسول خدا پیشانی او را بوسہ زد و بمن سپرد و ہمی بگریست دسہ کرت فرمود لعن الله قوماً ہم قاتلوک یا بنیّ "

حضرت صفیہ بیان کرتی ہیں کہ جب امام حسین کی ولادت ہوئی تو میں انھیں آنحضرتؐ کے پاس لے گئی۔ آپ نے ان کو گود میں لیا اور اپنی زبان مبارک ان کے دہن میں دیدی۔ بچہ نے اسے چوسنا شروع کر دیا اور میں نے ایسا خیال کیا کہ سرور دو عالم حسین کو دودھ یا شہد دے رہے ہیں پھر رسول اللہ نے بچہ کی پیشانی کو بوسہ دے کر مجھے دوبارہ دے دیا اور خود رونے لگے اس کے ساتھ ہی تین مرتبہ فرمایا "اے فرزند اللہ تیرے قاتلوں پر

لعنت کرے (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۷)

دوسری کتابوں میں اس طرح لکھا ہے۔ ولادت کے بعد جب امام حسینؑ کو آنحضرتؐ نے گود میں لیا تو اپنے لعاب دہن سے ان کی تحنیک فرمائی اور انھیں غذا دی۔ "تحنیک" سے مراد یہ ہوتی ہے کہ پیدائش کے بعد نومولود بچہ کو شیرینی چٹا دی جائے۔ یہ عمل سنت ہے۔ (ثمرات الاسواد جلد ا صفحہ ۲) اور دیگر کتابوں میں ہے:۔

روی عن الصادق انہ قال لم یرضع الحسین من ثدی فاطمۃ الخ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام حسینؑ نے بعد ولادت کسی عورت کا شیر نہیں پیا نہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کا اور نہ کسی اور کا بلکہ خود سرورؐ کائنات تشریف لا کر بچہ کے منہ میں اپنا انگوٹھا دے دیتے تھے اور وہ اسے چوستا رہتا تھا پھر دو تین روز تک امام حسین کو غذا کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی اس طرح ان کا گوشت رسول اللہؐ کے گوشت سے روئیدہ ہوا اور بچہ کا خون آنحضرتؐ کے خونِ اقدس سے پیدا ہوا۔ دوسری حدیث میں ہے:۔ وعن ابی الحسن الرضا علیہ السلام ان النبی صلی اللہ علیہ والہ کان یوتی بالحسین الخ امام حسینؑ کو ولادت کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں لایا جاتا تھا تو آپ اُن کے دہن میں اپنی زبان مبارک دیا کرتے تھے اور وہ اس کو چوستے تھے اور غذا کے بجائے یہی چیز ان کے لیے کافی ہو جاتی تھی اور انھوں نے کسی عورت کا دودھ نہیں پیا۔ علامہ ابن شہر آشوبؒ نے بھی یہی تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام امام حسین کی ولادت کے وقت سے برابر مریض رہیں اور آپ کا شیر خشک ہو گیا تھا۔ پھر مرضعہ تلاش کی گئی مگر وہ نہ مل سکی اس لیے آنحضرتؐ خود تشریف لا کر اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں دیا کرتے تھے جسے وہ چوستے تھے اور اسی سے انھیں غذا حاصل ہوتی تھی پھر ولادت کے ساتویں روز حضورؐ انور نے امام حسین کا عقیقہ کیا۔

امام کی عمر مبارک وقت وفات سرورؐ دو عالم تقریباً سات سال کی تھی۔ اور جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت ہوئی تھی تو آپ کی عمر ۳۶ برس سے

کچھ زیادہ تھی۔ نیز آپ اپنے بھائی حضرت امام حسنؑ کے ساتھ ۴۵ سال سات ماہ رہے تھے۔

امام حسین علیہ السّلام کے فضائل و مناقب بے حد ہیں اور آپ کے ساتھ آنحضرتؐ کو جو شدید محبت و الفت تھی اس کے متعلق بھی احادیث بڑی کثرت کے ساتھ منقول ہیں۔

بعض حدیثوں میں ہے: قال ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یحبّہ ویحملہ علی کتفہ ویقبّل شفتیہ وثنایاہ "حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ امام حسین سے محبت فرماتے تھے، انھیں اپنے کاندھے پر اٹھاتے تھے اور اُن کے لب و دندانِ مبارک کے بوسے لیا کرتے تھے۔

ابن عساکر فی التاریخ عن امّ الفضل بنت الحارث زوجۃ عبّاس بن عبد المطّلب قالت رایتُ فیما یری النائم کان عضوًا من اعضاء رسول اللہ سقط فی حجری فلمّا انتبہتُ اتیتُ الی النبیؐ وقلت یا رسول اللہ رایتُ فی منامی کذا و کذا فقال خیرًا رایتِ یا امّ الفضل ستلدُ ابنتی فاطمۃ ولدًا فترضعینہ بلبن ابنکِ قثم قالت فولدت فاطمۃ الحسینؑ فکفلتہ قالت وترکتہ یومًا عند جدّہ النبیؐ ومضیتُ لاٰتیہ بماءٍ فلمّا رجعت وجدت النبیؐ یبکی فقلت لہ بابی انت وامّی مِمّ بکاءک فقال یا امّ الفضل ھذا جبرئیل یخبرنی انّ ولدی ھذا یُقتل وتقتلہ امّتی لا انالھم اللہ شفاعتی یوم القیمۃ ولمّا اتت علی الحسینؑ سنۃ کاملۃ ھبط علی النبیؐ اثنا عشر ملکًا مُحمّرۃ وجوھھم باکیۃ عیونھم قد نشروا اجنحتھم الخ

ابن عساکر اپنی تاریخ میں ام الفضل بنتِ حارث زوجہ عباس بن عبد المطلب سے نقل کرتے ہیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ اعضائے رسول اللہ میں سے کوئی عضو بدن میری گود میں آگیا ہے۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے حضورؐ انور سے اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ اے ام الفضل عنقریب میری بیٹی فاطمہ کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوگا جسے تم اپنے بیٹے قثم کا دودھ پلاؤ گی۔ یہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہی فاطمہ کے یہاں امام

حسین کی ولادت ہوئی اور اُمّ الفضل نے آپ کو تربیت دینے کا شرف حاصل کیا۔ ان کا بیان ہے کہ ایک روز میں بچہ کو آنحضرتؐ کی خدمت میں لائی اور چھوڑ کر پانی لانے کے لئے چلی گئی پھر جب واپس آئی تو دیکھا کہ حضورؐ رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ہو جائیں حضورؐ کیوں رو رہے ہیں تو فرمایا اے ام الفضل جبرئیل امین نے مجھے اس بات کی خبر دی ہے کہ میرا یہ فرزند شہید کر ڈالا جائے گا اور میری امت کے لوگ ہی اسے شہید کریں گے۔ اللہ ان ظالموں کو میری شفاعت سے محروم کرے۔ پھر جب امام حسینؑ کی عمر پورے ایک سال کی ہو گئی تو بارہ فرشتے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کے چہرے غم کی وجہ سے سرخ تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور وہ اپنے پر پھیلائے ہوئے تھے پھر آگے چل کر اسی روایت میں ہے:

فقیل یا رسول اللہ من یقتلہ؟ قال رجل یقال لہ یزید وکانّی انظر الی مصرعہ وملغنہ ولمّا رجع من سفرہ صعد علی المنبر مغموماً فخطب الناس ووعظھم وکان الحسن والحسین بین یدیہ فلمّا فرغ من خطبتہ وضع یدہ الیمنٰی علی راس الحسن والیسرٰی علی راس الحسین ثم رفع راسہ الی السّماء وقال اللّٰھم انّ محمّداً عبدک ورسولک ونبیّک وھذان اطائب عترتی وخیار ذُرّیّتی وارومتی ومن اخلفھما فی اُمّتی وقد اخبرنی جبرئیل انّ ولدی ھذا مخذول مقتول اللّٰھم فبارک لہ فی قتلہ واجعلہ من سادات الشّھداء اللّٰھم ولا تبارک فی قاتلیہ وخاذلیہ، قال الرّاوی، فضجّ الناس بالبکاء فقال اتبکونہ ولا تنصرونہ ثم رجع وھو متغیّر اللّون محمرّ الوجہ فخطب خطبۃً اُخرٰی موجزۃ وعیناہ تھملان دموعًا ثم قال ایّھا النّاس انی مُخلفٌ فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی فانّھما لن یفترقا حتّٰی یردا علیّ الحوض انّی لا اسئلکم فی ذلک الا ما امرنی ربّی ان اسئلکم المودّۃ فی القربٰی فانظروا ان لا تلقونی غدًا علی الحوض وقد اَبغضتم عترتی وظلمتموھم وکان لا زال یوصی بعترتہ اذا انّہ یعلم ما یُصیبھم من شرار اُمّتہ من بعدہ الخ:

لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! اسے کون شہید کرے گا فرمایا ایک شخص جس کا نام یزید ہوگا۔ گویا میں اس کے مقتل اور مدفن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور جب آپ سفر سے واپس آئے تو منبر پر تشریف لے گئے غمزدہ اور مغموم حالت میں پھر آپ نے خطبہ ارشاد کیا اور لوگوں کو نصیحت فرمائی جبکہ حسن و حسین بھی آپ کے سامنے بیٹھے تھے۔ خطبہ سے فراغت کے بعد اپنا داہنا ہاتھ حسن کے سر پر اور بایاں حسین کے سر پر رکھا اور آسمان کی طرف سر اقدس بلند کیا اور فرمایا۔ پروردگارا! محمدؐ تیرا بندہ اور نبی و رسول ہے اور یہ دونوں میری ذریت اور عترت ہیں سب سے بہتر ہیں اور میں ان کو اپنی امت میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا یہ (حسین) فرزند شہید ہوگا پروردگارا! اسے شہداء کا سردار قرار دے اور اس کے قاتلوں اور مدد نہ کرنے والوں سے اپنی رحمت و برکت کو ہٹا لے راوی بیان کرتا ہے کہ یہ باتیں سن کر سارا مجمع رونے لگا یہ دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا: تم اس پر روتے تو ہو مگر اس کی نصرت نہیں کرو گے پھر آپ وہاں سے پلٹ آئے آپ کا چہرۂ اقدس سرخ تھا اور رنگ مبارک متغیر ہوگیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے دوسرا خطبہ ارشاد کیا مگر اختصار کے ساتھ جبکہ آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور فرمایا اے لوگو! میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ ہے دوسرے میری عترت یعنی میرے اہل بیت اور یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں گے۔ اور میں وہی چیز تم سے مانگتا ہوں جس کے طلب کرنے کا مجھے میرے پروردگار نے حکم دیا ہے وہ یہ کہ میں تم سے اپنے قرابت داروں کی محبت کا سوال کروں تو یاد رکھو کہ کل حوض کوثر پر تم مجھ سے ملاقات نہ کرو گے ایسی حالت میں کہ تم میری عترت سے بغض و عداوت رکھتے ہو اور ان پر تم نے ظلم کیا ہو۔ حضورؐ انور کی یہ عادت تھی کہ آپ ہمیشہ اپنی عترت کے ساتھ حسن سلوک کی لوگوں کو وصیت فرمایا کرتے تھے کیونکہ آپ کو ان مصائب کا پورا علم تھا جو امت کے بدسرشت اور شریر لوگوں کی وجہ سے آپ کی عترت کو اٹھانا پڑے تھے۔ (ثمرات الاعواد ج ۱ ص ۴۲)

ملا جامی لکھتے ہیں: حضرت ام سلمہ نے بیان کیا کہ ایک روز حضرت رسالتمآب

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر اس حالت میں تشریف لائے کہ آپ کے سر مبارک کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرۂ انور پر گرد پڑی ہوئی تھی میں نے اس پریشان حالی کو دیکھ کر عرض کی یا رسول اللہ آپ کی یہ کیا حالت ہے فرمایا مجھے ابھی ابھی جبرئیل عراق کے ایک مقام "کربلا" میں لے گئے تھے وہاں میں نے قتل حسین کی جگہ دیکھی ہے اور یہ مٹی وہیں سے اپنے ساتھ لایا ہوں اے اُمّ سلمہ اس کو اپنے پاس محفوظ رکھو جب یہ خود بخود خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا فرزند قتل کر ڈالا گیا (شواہد النبوۃ) صـ۱۷۴

ایک دوسری روایت جناب فاطمہ زہرا سے منقول ہے آپ فرماتی ہیں کہ جب زمانۂ حمل کو ایک ماہ ہو گیا تو مجھے بے انتہا گرمی محسوس ہونے لگی۔ میں نے اپنے پدر عالی مرتبت سے اس کا ذکر کیا تو آنحضرتؐ نے ایک برتن میں تھوڑا پانی طلب کیا اور اس پر کچھ دم کیا اور فرمایا کہ فاطمہ تم اس کو پی لو میں نے اسے پی لیا جس کے بعد وہ کیفیت اور تکلیف بالکل دور ہو گئی اور جب حمل کو چالیس روز ہوئے تو مجھے اپنی پشت پر کچھ چیزیں رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور اسی کیفیت میں کچھ دن گذرتے رہے یہاں تک کہ دو ماہ پورے ہو گئے تو میں نے کچھ اضطراب اور حرکت کا احساس کیا جبکہ میرا کھانا پینا چھٹ چکا تھا تو پھر خدا نے مجھے اس تکلیف سے محفوظ رکھا اور اسطرح میری طبیعت سیر رہتی تھی جیسے میں نے شربتِ شیر پی لیا ہو یہاں تک کہ تیسرا مہینہ بھی پورا ہو گیا تو اس وقت اپنے گھر میں نے خیر و برکت کی زیادتی دیکھی اور جب چار مہینے ہو گئے تو میرے دل سے وحشت اور پریشانی بالکل دور ہو گئی پھر میں اپنے مصلے پر زیادہ رہنے لگی اور جب تک کوئی ضروری کام نہ ہوتا تھا مصلّے سے نہیں اٹھتی تھی آخر پانچ ماہ پورے ہو گئے۔

فَلَمّا صارت السِّتَّة کنت لا احتاج فی اللَّیلۃ الظلماء الی مصباح وجعلتُ اسمع اذا خلوتُ بنفسی فی مصلّای التّسبیح و التقدیس فی باطنی فلمّا مضی فوق ذٰلك تسعٌ ازددتُ قوّۃً فذکرتُ ذٰلك لِاُمّ سلمۃ فشدَّ اللہ بھا ازری فلما زادت العشرۃ غلبتنی عینی و اتانی اتٍ فی منامی و علیہ ثیابٌ بیضٌ فجلس عند راسی ونفخ فی وجھی و فی قفای فقمتُ وَ انا خائفۃٌ فَاَسبغتُ الوضوء

وَاَدّیتُ اربعًا ثم غلبتنی عینی فاتانی اٰتٍ فی منامی فاقعدنی و رقانی و عوّذنی فاصبحتُ وکان یوم ام سلمۃ جمعۃ فدخلتُ فی ثوب حمامۃ ثم اتیتُ امّ سلمۃ فنظر النبی ص الی و فرایتُ اثر السرور فی وجھہ فذھب عنی ما کنتُ اجد وحکیتہ ذٰلک للنبیّ ص فقال ابشری ، امّا الاوّل فخلیلی عزرائیل الموکّل بارحام النّساء وامّا الثانی فخلیلی میکائیل الموکّل بارحام اھلبیتی فنفخ فیکِ قلتُ نعم فبکیٰ ثم ضمّنی الیہ وقال و امّا الثالث فذاکُ حبیبی جبرئیل یخدمہ اللّٰہ ولدکِ فنزلہ تمام السنۃ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صـ۲۶)

(پھر فرماتی ہیں) جب چھٹا مہینہ آ گیا تو میں اسقدر نور محسوس کرتی تھی کہ اندھیری رات میں مجھ کو چراغ کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور جب میں اپنے مصلّے پر ہوا کرتی تھی تو اپنے شکم سے تسبیح و تقدیس کی آواز سنتی تھی۔ اس کے بعد جب نو دن اور گذرے تو میری قوت جسمانی میں اضافہ ہو گیا اس بات کا تذکرہ میں نے حضرت امّ سلمہ سے کیا اور اللہ نے ان کے ذریعہ سے میری پشت پناہی کی۔ جب دس روز زیادہ ہو گئے تو ایک وقت میری آنکھ لگ گئی تو میں نے دیکھا کہ میرے سامنے کوئی شخص آیا جو سفید لباس پہنے ہوئے تھا وہ میرے سرہانے بیٹھ گیا پھر اُس نے میرے چہرے پر اور پسِ پشت کچھ دم کیا میں اُس وقت خوفزدہ تھی میری آنکھ کھلی تو میں نے وضو کیا اور چار رکعت نماز ادا کی اس کے بعد پھر میری آنکھ لگ گئی اور پھر میں نے وہی منظر دیکھا کہ ایک شخص میرے سامنے آیا ہے اور اب کی مرتبہ اُس نے مجھے بٹھایا اور مجھ پر کچھ پڑھ کر دم کیا۔ صبح ہوئی تو وہ دن حضرت امّ سلمہ کا تھا اور رسولؐ اللہ ان ہی کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے اپنا خاص لباس پہنا اور حضرت ام سلمہ کے پاس گئی۔ جب میں وہاں پہنچی تو آنحضرت نے میری طرف نظر کی۔ اُس وقت میں نے آپ کے چہرۂ اقدس پر خوشی کے آثار محسوس کیئے بس یہ دیکھتے ہی میری ساری تکلیف اور خوف دور ہو گیا اور میں نے یہ تمام ماجرا حضورؐ انور سے عرض کر دیا۔ سب کچھ سن کر آپ نے فرمایا فاطمہ! تمہیں بشارت ہو کہ پہلا شخص میرے دوست عزرائیل تھے جو اللہ کی طرف سے عورتوں کے رحموں پر مقرر ہیں اور دوسرا

شخص میرے دوست میکائیل تھے جو میرے اہلبیت کے رحموں پر مقرر ہیں کیا فاطمہ انھوں نے تم پر کچھ دم کیا تھا میں نے عرض کی جی ہاں انھوں نے میرے اوپر کچھ پھونک کر دم کیا تھا یہ سنکر حضورؐ رونے لگے پھر مجھ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور فرمایا تیسرا شخص میرے حبیب جبرئیل تھے جنھیں اللہ نے تمہارے ہونے والے فرزند کی خدمت کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ اس کے بعد جب چھ ماہ پورے ہو گئے تو حسین کی ولادت ہوئی۔

ولادت امام حسین علیہ السلام کے ذیل میں ناسخ التواریخ عہ اور دوسری کتابوں میں کچھ فرشتوں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جن کے نام یہ تھے: دردائیل، صلصائیل، فطرس۔ (عہ ص ۲۹۰،۲)

فرشتہ دردائیل اپنے مقام و منزلت کے مقابلہ میں کچھ تقصیر کی پاداش میں اپنے مرتبہ سے محروم کر دیا گیا تھا۔ امین وحی حضرت جبرئیل کی سفارش پر سرورؐ کائنات نے نواسہ کو ہاتھوں پر بلند کیا اور اس فرشتہ کے لیے درگاہِ خداوندی میں اس طرح دعا کی: اللھم بحق ھذا المولود علیک لا بل بحقک علیہ و علی جدہ محمد و ابراھیم واسمعیل و اسحق و یعقوب ان کان للحسین بن علی و ابن فاطمۃ عندک حق فارض عن دردائیل و رد علیہ اجنحتہ و مقامہ من صفوف الملائکۃ ۔ پروردگارا! اس حق کا واسطہ جو حسین کا تجھ پر ہے بلکہ اس حق کا واسطہ جو تیرا حسین پر اور اس کے اجداد محمدؐ و ابراھیم اسمٰعیل اور اسحٰق و یعقوب پر ہے اگر حسین کے لیے تیری بارگاہ میں کوئی استحقاق ہے تو فرشتہ دردائیل کی محرومی کو دور فرما دے اور اس سے راضی ہو جا اور حکم عطا کر کہ اس کے بال و پر اسے واپس مل جائیں اور اس کو وہی مقام حاصل ہو جائے جو اسے ملائکہ کی صفوں میں پہلے مل چکا تھا اللہ نے دعائے سرورؐ کائنات کو قبول فرمایا اور دردائیل کو ان کی منزلت واپس مل گئی۔

اسی طرح ایک دوسرے فرشتہ کا بھی ذکر ملتا ہے جس کا نام صلصائیل تھا وہ بھی کسی ضعف و تقصیر کی وجہ سے اپنے بال و پر یعنی نوری طاقتوں سے محروم ہو گیا تھا اور زمین کے سمندری جزیروں میں سے کسی جزیرہ میں تھا۔ ولادت حسین کے بعد کچھ ملائکہ تہنیت کی غرض سے خدمت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں

حاضر ہوئے اور انھوں نے صلصائیل کا حال بھی عرض کیا جبکہ وہ اُس فرشتہ کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ آنحضرتؐ نے اس کے لیے بھی اسی طرح دعا کی جس طرح دردائیل کے لیئے کی تھی اور وہ بھی دعائے خاتمؐ المرسلین کے صدقہ میں اپنی اصلی منزلت پر آگیا۔

پھر ایک اور فرشتہ کا نام لکھا ہے جس کا نام "فُطرُس" تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "اِنّ فُطرُسَ مَلَکٌ کان یطوفُ بالعرش فتلکّاءَ فی شئٍ من امرِاللہ فقصّ جناحہٗ ورُمی بہ علی جزیرۃٍ من جزائرِ البحر" یعنی فطرس ایک فرشتہ تھا جو عرش الٰہی کے گرد طواف کیا کرتا تھا اتفاقاً کسی حکم الٰہی کی تعمیل میں اس سے کمزوری اور ضعف کا ظہور ہوا تو حکم خدا سے اُسے بال و پر یعنی نوری قوتوں سے محروم کر دیا گیا اور زمین کے کسی جزیرہ میں اُتار دیا گیا۔ وہ اپنی منزلت سے محروم اور زیر عتاب خداوندی تھا اور ساتھ ہی عبادت میں بھی منہمک و مشغول رہتا تھا یہانتک کہ فرزند رسولؐ حضرت امام حسین بن علیؑ کی ولادت ہوئی تو جبرئیل امین ملائکہ کے ایک گروہ کے ساتھ خدمت رسولؐ میں بغرض تہنیتِ مولود آتے ہوئے اُس کی طرف سے گذرے تو اُس نے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں جبرئیل نے جواب دیا: "وُلِدَ للحاشرِ النبیِّ الاُمّیِّ احمدؐ من بنتہ وَوَصیّہ مولودٌ یکون منہُ اَئمّۃُ الھُدیٰ الی یوم القیامۃ" نبیؐ اُمّی حاشر احمدؐ کے نواسہ کی ولادت ہوئی ہے جس کی ماں فاطمہ اور والد علی مرتضٰی اُن کے وصی ہیں۔ اس بچہ سے قیامت تک کے لیے ائمہ ھدیٰ پیدا ہوتے رہیں گے۔ اسی کی مبارکباد کے لیے ہم جا رہے ہیں۔ فُطرُس کی درخواست پر جبرئیل امین نے اسے اپنے ساتھ لیا اور خدمتِ خاتمؐ المرسلین میں حاضر ہوئے۔ پھر تہنیت ادا کرنے کے بعد فطرس کا حال بیان کیا۔ حضور الورؐ نے اس فرشتہ کو حکم دیا کہ جسمِ حسین سے اپنے بدن نوری کو مس کرے۔ بس جیسے ہی اُس نے اپنے بدن کو مس کیا فوراً اُس کے بال و پر پیدا ہو گئے یعنی اُس کی قوتیں عود کر آئیں اور وہ آسمان کی طرف پرواز کرنے لگا اُس وقت وہ یہ کہہ رہا تھا: "یا رسُولَ اللہ اما ان امّتکَ ستقتلہٗ ولہٗ علیّ مکافاۃٌ اَلّا یزورہٗ زائرٌ الّا ابلغتہ عنہ ولا یسلّم علیہ مسلّمٌ الّا اَبلغتہٗ سلامہٗ ولا یصلّی علیہ مُصلٍّ"

الّا اَبلغتہ صلوٰتہ "، یارسُولؐ اللہ عنقریب وہ وقت آئے گا جب آپ کی اُمّت کے کچھ لوگ آپ کے اس فرزند کو شہید کریں گے اور اس نعمتِ آزادی کے شکریہ میں اب میری یہ ذمہ داری ہے کہ میں آپ کے اس نواسہ کی ہمیشہ خدمت میں لگا رہوں تو جب بھی کوئی زائر اس کی قبر کی زیارت کرے گا میں اُس کی خبر اور اُس کا حال آپ کے فرزند کی خدمت میں عرض کروں گا اور جو شخص بھی اُن پر سلام کرے گا یا درود بھیجے گا اُسے میں اُن کی بارگاہ تک پہنچانے کا شرف حاصل کرتا رہوں گا - یہ کہہ کر وہ فرشتہ آسمان کی بلندیوں کی طرف پرواز کر گیا اور اس کے ساتھ ہی کہتا جاتا تھا : مَنۡ مِثلی وَ انا عَتاقۃُ الحُسین بن علیؑ و فاطمۃ وَجَدّہ احمدُ الحاشرؐ اب میری مثل کون ہو سکتا ہے کیونکہ میں آزاد کردہ حسینؑ ہوں جو علیؑ و فاطمہؑ کے فرزند اور احمدؐ حاشر کے نواسے ہیں -

دردائیل اور صلصائیل کے لیے اس مولود مسعود کی برکت سے نوری طاقتوں کی واپسی - فطرس کا نوری بدن جسم حسینؑ سے مس ہوتے ہی پھر بال و پر پیدا ہو جانا اور ڈوبے ہوئے آفتاب کی طرح گئی ہوئی رفعت و منزلت کا واپس آجانا، نواسہ رسُولؐ کی عظمت پر کھلی ہوئی دلیلیں ہیں - جسے چھو کر دوسرے بلندی پا جائیں وہ بچہ خود کس قدر بلند ہو گا -

ظاہر بات ہے کہ فرشتے کبھی گناہ نہیں کر سکتے اور وہ بہ نصّ قرآنی یقیناً معصوم ہوا کرتے ہیں مگر یہ ضعف و کمزوری ترکِ اولیٰ ہی کی طرح تھی جس نے معصوم فرشتہ کو معصوم آدم علیہ السّلام کی طرح عرشِ الٰہی کی بلندی سے زمین کی پستیوں کی طرف اتار دیا تھا - مقربّان بارگاہِ قدس کی شان سب سے الگ ہوا کرتی ہے - دنیا کے لوگ اُن کی باتوں کو خود اپنی سطح پر لا کر دیکھنے کی کوشش نہ کریں - یہ محبت و اطاعت کی ادائیں ہیں - یہ تقرب کی منزلیں ہیں - خطا کار انسان تو ہر بات کو اپنی ہی نگاہوں کی ترازو میں تولنے کا عادی ہوتا ہے وہ کیا جانے کہ منزلِ عصمت کے طرز و انداز کیا ہوا کرتے ہیں - عصمت کے طریقوں کو خود معصوم ہی بتا سکتا ہے - ہو سکتا ہے کہ یہاں حسینؑ عالی مقام کی عزت و منزلت ظاہر کرنا ہی مقصود ہو تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ جو بلند مرتبہ بچہ فرشتوں کو اُن کی گئی ہوئی بلندی فقط اپنے بدن سے الگ ہیں

مس کرکے عطا کردے وہ خود کسقدر بلند ہوگا - آفتاب کو پلٹا کے نظامِ فلکی کے بدلنے میں جو مصلحت تھی، ہوسکتا ہے کہ رفعتِ ملک کو پلٹانے میں بھی وہی راز مضمر ہو - دردائیل کے لیئے سرورِ دوعالم نے دعا کی تھی کہ اے پروردگار تجھے اُس حق کا واسطہ جو اِس مولود کا تجھ پر ہے اور اُس حق کا واسطہ جو تیرا اِس مولود پر ہے اور اِس کے اجداد محمدؐ و ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب پر ہے اس فرشتے کو اس کا گیا ہوا مرتبہ واپس دیدے - اللہ نے اپنے حبیبؐ کی دعا کو دامنِ قبولیت میں جگہ دی - جبرئیلؑ نے تمام دوسرے ملائکہ کے ساتھ سرورِ کونین کو تہنیت دی اور پھر تعزیت بھی ادا کی - پیغمبرؐ مبارکباد پر خوش ہوئے اور ساتھ ہی تعزیت پر رو دیئے - حضرت فاطمہ زہراؑ بھی پہلے تو مسکرائیں اور پھر رونے لگیں - حضورؐ نے بیٹی کو تسلّی دی اور قاتلانِ حسینؑ پر لعنت کی -

آپ نے فاطمہ زہراؑ کو سمجھایا - میری پارۂ جگر! آنسو نہ بہاؤ اگر حسینؑ شہادت کے درجہ پر فائز ہوگا تو خدا اسی کی نسل میں امامت بھی رکھے گا اور وہ نسل قیامت تک باقی رہے گی - تم گھبراؤ نہیں ایک نہیں بلکہ اس کے صلب سے نو۹ امام پیدا ہوں گے اور وہ سب ہی یکے بعد دیگرے میرے نائب ہوں گے اور خدا انھیں عالم کی سرداری عطا فرمائیگا - اے میری نورِ نظر! اُن سب میں سے ہر ایک ہادیِ برحق ہوگا - ثم قال الائمۃ بعدہٗ " پھر فرمایا کہ میرے جو لوگ امام ہوں گے اُن کے نام یہ ہیں: الھادی علیؑ المھتدی الحسن الناصر الحسین المنصور علی بن الحسین الشافع محمد بن علیؑ النفّاع جعفر بن محمد الامین موسیٰ بن جعفر الرّضا علی بن موسیٰ الفعّال محمد بن علیؑ المؤتمن علیؑ بن محمد العلاّم الحسن بن علیؑ ومن یُصلّی خلفہٗ عیسیٰ بن مریم

پھر فرمایا کہ میرے بعد جو لوگ امام ہوں گے ان کے نام یہ ہیں اور ان تمام ناموں کا ذکر فرمایا جن کے نام متن عبارت میں مذکور ہیں -

آخر میں بارھویں امام علیہ السّلام کا اس طرح ذکر کیا کہ وہ وہی ہیں جن کے پیچھے عیسیٰ بن مریم نماز پڑھیں گے -

فرشتہ فُطرس کے واقعہ کو ناسخ جلد ۶ کے علاوہ ملّا حسین واعظ کاشفی نے بھی

علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے تحریر کیا ہے دیکھو روضۃ الشہداء نیز غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانی فرشتے اسلامی نقطۂ نظر سے نوری اجسام ہیں جو اپنی شکل وصورت بدلنے پر قدرت رکھتے ہیں اور قرآن پاک کے مطابق وہ معصوم ہوتے ہیں اور کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔

دوسرے یہ کہ اُن کے پَر نہیں ہوتے جیسے عام طور پر طائروں کے ہوا کرتے ہیں تو ایسی صورت میں واقعۂ فطرس یا اسی طرح کے دوسرے واقعات کو عقل وشرع کے بنیادی مسلمات کے مطابق سمجھنا ضروری ہوگا۔ اُن کے گناہ سے مراد وہی ضعف و کمزوری یا ترکِ اولیٰ ہوسکتا ہے جو عصیانِ آدم میں مقصود ہے۔ گناہِ واقعی مراد نہیں ہے۔ پَروں سے مراد خاص نوری قوتیں ہیں جو ہر فرشتہ کو اللہ نے عطا فرمائی ہیں جن کے ذریعہ سے وہ فضائے کائنات میں نقل و حرکت کرتا ہے۔

فطرس، دردائیل اور صلصائیل کو جو گئی ہوئی منزلت دوبارہ حاصل ہو گئی وہ امام حسین کی بدولت حاصل ہوئی۔ ہوسکتا تھا کہ اللہ انھیں خود ہی یہ منزلت واپس کر دیتا مگر اُسے نبی زادے کی شان بھی دکھانا تھی اس لیئے اُن کو ذریعہ بنا دیا گیا جس طرح آدم علیہ السلام کے استغفار کو بھی بلا واسطہ قبول فرمایا جاسکتا تھا مگر محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے ناموں کو وہاں بھی ذریعہ قرار دیا گیا اور اللہ نے اُن کے استغفار کو اُس وقت قبول فرمایا جب اُنھوں نے ان کا واسطہ دیا۔ حضرت سلیمان نے بھی جب تک ان ناموں کا واسطہ نہ دیا تھا بیت المقدس کے دروازے نہیں کھلے تھے۔

بس یہی صورت اِن فرشتوں کے واقعات میں بھی ہوئی تھی۔

امام حسینؑ کی شیرخواری کے واقعات

اکثر سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ زہراءؑ کا شیر خشک ہو گیا تھا۔ آنحضرتؐ نے بچہ کو دودھ پلانے والی تلاش کرائی مگر کوئی نہ ملی آخر خود آپ بیٹی کے گھر میں تشریف لائے اور حسین کے دہن میں اپنا انگوٹھا دیا۔ رسول اللہ کے انگوٹھے سے دودھ کی دھار نکلی جسے پی کر بچہ سیر ہو گیا۔ ناسخ جلد ۶ صفحہ ۳ اور دوسری کتابوں میں لکھا ہے: كان رسول الله يدخل لسانه في فيه فيغره كما يغر الطائر فرخه فجعل الله في ذلك رزقا اربعين يوما و ليلة فنبت لحمه من لحم

رسُول اللہ "

یعنی حضور انور اپنی زبانِ مبارک کو امام حسین کے منہ میں دیا کرتے تھے اور اس سے اس طرح غذا دیتے تھے جیسے طائر اپنے بچہ کو غذا بھراتا ہے - یہ طریقہ چالیس روز و شب جاری رہا اور حسین کا لحم مبارک رسُول اللہ کے لحمِ اقدس سے پیدا ہوا -

بَرّہ بنت اُمیّہ خزاعی سے روایت ہے جس کا آخری حصّہ یہ ہے کہ جب حسین پیدا ہوئے تھے تو رسُول اللہ مدینہ کے باہر تشریف رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ کی واپسی ہوئی فقال لها ما صَنَعتِ قالت ما اَرضعتہ ۔ آپ نے حضرت فاطمہ زہراؑ سے پوچھا کہ بیٹی! تم نے بچہ کی ولادت کے بعد اس کو غذا دی یا نہیں انھوں نے عرض کی کہ بابا! ابھی تک میں نے آپ کے حکم کی بنا پر اس کو کوئی غذا نہیں دی فاخذہٗ فجعل لسانہٗ فی فیہ فجعل الحُسین یمصّ حتی قال النبیؐ ایھا حسینُ ایھا حُسینُ ثم قال اَبَی اللہ الّا ما یرید ھی فیک و فی وُلدِک یعنی الامامۃ "حضرت سیّدہ عالم سے آنحضرت نے بچہ کو اپنی گود میں لیا اور اپنی زبانِ مبارک اس کے منہ میں دیدی - نانا کی زبان دہن میں لیتے ہی امام حسین نے اسے چوسنا شروع کیا اور فرمایا اے میرے فرزند بس چپ ہو جاؤ پھر فرمایا خدا وہی چاہتا ہے جس کا خود ارادہ کرتا ہے - اے فرزند! خدا کی مشیت یہی ہے کہ اب امامت قیامت تک تیرے ہی صلب میں رہے - ناسخ ج ۶ ص ۳۰

غرض حضرت امام حسین ایک طرف سرورِ کائنات کی زبان کے بھی وارث ہیں اور آپ کی سیرت کے بھی وارث ہیں تو دوسری طرف پیغمبروں کی صفات کے بھی وارث ہیں وہ آدم کے بھی وارث نوح کے بھی وارث، عیسیٰ اور موسیٰ کے بھی وارث ہیں - یہ وہ منزل ہے جہاں حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ بھی ملے گا، طور کے جلوے بھی نظر آئیں گے اور خلیل و ذبیح کے انداز بھی ملیں گے - آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری -

ایک دوسری روایت میں ہے جو امام جعفر صادق سے منقول ہے - آپ فرماتے ہیں: جب امام حسین کی ولادت ہوئی تو انھیں حضرت اُمّ سلمہ نے پرورش کیا تھا اور آنحضرتؐ روزانہ ان کے گھر تشریف لایا کرتے تھے اور اپنی زبان بچہ کے منھ میں دیا کرتے تھے جسے حسین چوستے تھے اور اسی سے اس قدر غذا ملتی تھی کہ وہ پوری طرح سیر ہو جایا کرتے تھے اس طرح اللہ نے بچہ کے لحمِ مبارک کو رسُول اللہ کے لحمِ اقدس سے

پیدا کیا اور اس میں نشو و نما عطا کی۔ امام صادق فرماتے ہیں کہ امام حسین نے حضرت فاطمہ زہرا کا شیر نہیں پیا اور نہ کسی دوسری عورت کا۔

امام رضا علیہ السلام نے بھی ایک حدیث میں یہی فرمایا ہے: ولم یرضع من انثیٰ"، امام حسین نے کسی عورت کا بھی شیر نہیں پیا تھا۔ امام جعفر صادقؑ نے ایک اور حدیث میں بھی یہی فرمایا ہے: قال لم یرضع الحسین من فاطمة ولا من انثیٰ الخ امام حسینؑ نے نہ تو حضرت فاطمہ کا شیر پیا اور نہ کسی دوسری عورت کا۔ ناسخ ج۶ صد ۲۱

امّ ایمن اور امام حسین

علامہ ابن بابویہ الصدوق نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: اُمّ ایمن ؏ کے ہمسایہ کے کچھ لوگ سرورؐ کائنات کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ حضورؐ! کل رات سے صبح تک اُمّ ایمن برابر رو رہی ہیں اور کسی طرح ان کا رونا نہیں تھمتا۔ آنحضرتؐ نے انھیں طلب کیا اور فرمایا: اے اُمّ ایمن خدا تمہاری آنکھوں کو نہ رلوائے۔ تمہارے ہمسایہ کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور بیان کرتے تھے کہ تم رات سے صبح تک روتی رہیں آخر اس رونے کا سبب کیا ہے مجھے بتاؤ۔ بلاشبہ آنحضرتؐ کو سب کچھ معلوم تھا مگر خود امّ ایمن کی زبان سے واقعہ کو آپ سننا چاہتے تھے انھوں نے خدمت سرورؐ کائنات میں خواب کی تفصیل بیان کی جس کا ذکر ہم نے زیر عبارت حاشیہ میں کیا ہے اور آنحضرتؐ نے جو کچھ جواب دیا وہ بھی ہم نے نقل کر دیا ہے۔

؏ اُمّ ایمن حضرت آمنہ کی کنیز تھیں جنھوں نے حضور سرورؐ کائنات کو تربیت دینے کا شرف حاصل کیا تھا پھر بعد وفات حضرت آمنہ آنحضرت نے انھیں آزاد کر دیا تھا اور ان کا عقد مکہ میں پہلے تو عُبَید خزرجی کے ساتھ کیا تھا جس کے صلب سے "ایمن" نامی ایک فرزند کی ولادت ہوئی تھی اور جب عُبَید کا انتقال ہو گیا تو ان کا عقد آپ نے زید بن حارثہ کے ساتھ کیا جن کے صلب سے اسامہ پیدا ہوئے جو سیاہ رنگ میں ماں سے بہت مشابہ تھے۔ ام ایمن کا اصلی نام "بَرکۃ" تھا۔ حضرت عبد المطلب نے انھیں وصیت کی تھی کہ تم میرے فرزند (محمدؐ) کی پرورش کرنا اور پوری طرح اس کی حفاظت کا

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ "حسین" اللہ کا رکھا ہوا نام ہے، جب نام رکھنے کا وقت آیا تو جبریل امین آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کا حکم یہی ہے کہ اس بچہ کا نام "حسین" رکھا جائے۔ حسن اور حسین ناموں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس سے قبل دنیا میں کسی کے یہ نام نہ تھے اور دوسری خصوصیت یہی ہے کہ یہ اللہ کے رکھے ہوئے نام ہیں۔

امام حسین علیہ السّلام کے القاب

الرشید، الطیب، الوفی، السید، الزکی، المبارک، التابع لمرضات اللہ، السبط، الدلیل علی ذاتِ اللہ

امام حسن اور امام حسین اپنے دونوں نواسوں کے لیے حضورِ انور کی یہ حدیث تمام محدثین اسلام نے نقل کی ہے: الحَسَن والحُسین سَیِّدا شبابِ اھلِ الجنۃ۔ حسن اور حسین دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

(پچھلے صفحہ کے حاشیہ کا بقیہ) خیال رکھنا کیونکہ تمام اہل کتاب اس کے دشمن ہیں اور وہ واقف ہیں کہ یہی اس امت کا نبی ہے۔ "فدک" کے مسئلہ میں حضرت امیرالمؤمنین کے ساتھ اُمّ ایمن ہی نے گواہی دی تھی کہ یہ حضرت فاطمہ زہراؑ کا مال ہے اور آنحضرتؐ نے اپنی حیات ہی میں اس پر انھیں قبضہ دیدیا تھا۔ سیدۂ عالم حضرت فاطمہؑ کو عورتوں میں سب سے زیادہ اُمّ ایمن ہی پر اعتماد تھا جب آپ کی وفات ہوئی تو اُمّ ایمن نے عہد کیا تھا کہ وہ مدینہ میں نہیں رہیں گی۔ وہ کہتی تھیں کہ میں اُن مقامات کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی جہاں بنتِ رسولؐ رہا کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ پھر وہ مکّہ مکرّمہ میں رہنے لگی تھیں۔ جب یہ مکّہ روانہ ہوئیں تو راستہ میں ایک مقام پر انھیں بڑی سخت پیاس معلوم ہوئی مگر پانی دور دور تک کہیں موجود نہ تھا انھوں نے اسی کرب و بےچینی کے عالم میں آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: پروردگارا! میں فاطمہ بنتِ رسولؐ کی کنیز ہوں کیا میں پیاسی مرجاؤں گی اور مجھے پانی نصیب نہ ہوسکے گا۔ ابھی ان کی دعا ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آسمان سے ایک ڈول اترا جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اُمّ ایمن نے وہ پانی پی لیا اور خوب سیراب ہوگئیں۔ روایت میں درج ہے کہ اسکے بعد انھیں سات سال تک (باقی اگلے صفحہ پر)

علامہ ابن شہر آشوب "مناقب" میں لکھتے ہیں:

اسمہ الحُسین وفی التوراۃ شبیر وفی الانجیل طابٌ وکنیتہ ابوعبداللہ الخاص ابوعلی والقابہ الشہید السعید والسبط الثانی والامام الثالث والمبارک والتابع لِمرضاتِ اللہ المتحقق بصفات اللہ والدلیل علی ذات اللہ، افضل ثقات اللہ، المشغول لیلاً ونہاراً بطاعۃ اللہ، الشاری بنفسہ لِلہ، الناصر لاولیاء اللہ، المنتقم من اعداء اللہ، الامام المظلوم، الاسیر المحروم، الشہید المرحوم، القتیل المرجوم، الامام الشہید، الولیّ الرشید الوصیّ السدید، الطّرید الفرید، البطل الشدید، الطیّب الوفیّ الامام الرضیّ، ذوالنسب العلیّ، المُنفق الملیّ ابوعبداللہ الحسین بن علیؑ، منبع الائمۃ شافع الاُمّۃ، سیّد شباب اہل الجنّۃ وعبرۃ کلّ مؤمنٍ ومؤمنۃٍ، صاحب المحنۃ الکبریٰ والواقعۃ العظمیٰ وعبرۃ المؤمنین فی دار البلویٰ الخ۔

اس عبارت میں علامہ ممدوح نے حضرت سیّد الشہداء علیہ السلام کا وہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ نوٹ) پانی اور کھانے کی احتیاج باقی نہ رہی۔ ان ہی ام ایمن نے خواب میں دیکھا تھا کہ رسول اللہؐ کے جسم کا ایک ٹکڑا کٹ کر ان کے گھر میں آگیا ہے۔ یہ خواب دیکھ کر بہت پریشان ہوگئیں اور برابر روتی رہیں یہاں تک کہ ان کے ہمسایہ کے لوگ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ام ایمن رات سے برابر رو رہی ہیں اور کسی طرح ان کے آنسو نہیں تھمتے حضور انور نے بلوایا تو اس خواب کا انھوں نے آپ سے ذکر کیا۔ خواب سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا ام ایمن! یہ خواب تو بہت ہی مبارک ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری بیٹی فاطمہ زہراؑ کے یہاں ایک فرزند کی ولادت ہوگی اور تم اس کی پرورش کروگی۔ چنانچہ جب امام حسین کی ولادت باسعادت ہوئی تو ساتویں روز ام ایمن بچہ کو چادر میں لپیٹ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لائیں۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے: "مَرحَباً بالحامِلِ والمحمولِ" اس بچہ کو گود میں لینے والی اور خود بچہ دونوں مبارک ہیں اس کے بعد فرمایا اے ام ایمن! ھٰذا تاویلُ رُؤیاکِ یہ ہے تمہارے خواب کی تعبیر۔ ام ایمن کی یہ عجیب خصوصیت اور فضیلت ہے کہ انھوں نے خود آنحضرتؐ کی بھی تربیت کی اور آپ کے نواسہ کی بھی پرورش کی اور اس طرح ایک ایسا عظیم شرف حاصل کیا (باقی اگلے صفحہ پر)

اسم مبارک جو توراۃ میں تھا اور وہ جو انجیل میں تھا لکھا ہے اور ساتھ ہی آپ کے القاب بھی تحریر کیے ہیں اس عبارت کا بقیہ حصہ بھی اسی قسم کے القاب پر مشتمل ہے۔

ابو جُحَیفہ صحابی سے روایت ہے کہ امام حسین سر مبارک سے سینہ تک شبیہ رسولؐ تھے اور امام حسن سینہ سے قدم تک آنحضرت سے مشابہ تھے حضرت فاطمہ زہرا جب امام حسن کو لوریاں دیا کرتی تھیں تو یہ شعر پڑھتی تھیں:

"اُشبہ اباکَ یا حسن"۔ اے حسن تم اپنے بابا سے بہت مشابہ ہو، مطلب یہ تھا کہ ان کا چہرہ وغیرہ حضرت امیرالمؤمنین سے مشابہ تھا اور امام حسین کے لیے فرماتی تھیں: "اننِ شبیہٌ بابی" تم میرے بابا سے بہت مشابہ ہو۔ اس سلسلہ میں روایات اس کے خلاف بھی نقل کی گئی ہیں جو قابل لحاظ نہیں ہیں۔

کتب معتبرہ کے حوالہ سے کتاب عوالم میں مذکور ہے کہ امام حسین جب کسی تاریک مقام پر تشریف لیجاتے تھے تو وہاں اس طرح نور پھیل جاتا تھا کہ لوگ اسی روشنی میں راہ چلتے تھے۔

علامہ ابن شہر آشوبؒ نے ترمذی سے نقل کر کے لکھا ہے کہ امام عالی مقام کا سر مبارک کوفہ میں دربار ابن زیاد میں لایا گیا تو اس ملعون ظالم نے چھڑی سے اس کے ساتھ بے ادبی کی اور یہ کہتا جاتا تھا کہ: مارایتُ مثل ھٰذا الراس حُسناً، میں نے ایسا خوبصورت سر آج تک نہیں دیکھا۔ غرض اب تک جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ امام حسین نے کسی عورت کا شیر نہیں پیا بلکہ سرور کائنات کے انگوٹھے کو چوس کر غذا حاصل کی۔ صرف امّ الفضل زوجہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کی روایت میں اس کا ذکر ہے کہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم اس بچہ کو دودھ پلاؤ گی مگر اس کے علاوہ دوسری تمام روایات میں اس بات کی مطلق نفی کی گئی ہے اس لیئے یہ روایت قابل لحاظ نہیں ہے۔

(بقیہ نوٹ گذشتہ صفحہ سے پیوستہ) جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ "اُیمن" ان کے فرزند جنگ حُنین میں شہید ہوئے تھے اور جو لوگ میدان جنگ میں بہادری کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے ان میں اُیمن بھی تھے۔ جنگ حُنین ۸ھ میں واقع ہوئی تھی۔

البتہ آپ کی تربیت اور پرورش کا شرف کئی عورتوں نے حاصل کیا جن میں سے مشہور نام یہ ہیں: صفیہ بنت عبدالمطلب، امّ سلمہ، امّ الفضل، امّ ایمن۔ گذشتہ تحریحات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امام حسین آنحضرتؐ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے نیز یہ کہ آپ حضرت سیدۂ عالم کے شکم مبارک میں چھ ماہ یا اس سے کچھ زیادہ رہے تھے۔

امام حسین سے سرورِ کائنات کی محبت

علامہ صدوقؒ نے کتاب امالی میں حذیفۂ یمانی سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ کو دیکھا کہ آپ نے حسین کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ایھا الناس ھذا الحسین بن علیؑ فاعرفوہ فوالذی نفسی بیدہ انہ لفی الجنۃ ومحبیہ فی الجنۃ ومحبی محبیہ فی الجنۃ۔ اے لوگو! یہ حسین بن علی ہے اس بچہ کو خوب پہچان لو۔ اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ جنتی ہے اور اس سے محبت کرنے والے سب جنتی ہیں اور اس کے ساتھ محبت رکھنے والوں کو چاہنے والے ہیں وہ بھی سب جنتی ہیں۔

امالی علاّمہ صدوقؒ از براء بن عازب۔ حضرت رسالتمآبؐ امام حسین کو اپنی گود میں لیکر فرمایا کرتے تھے: اللّٰھم انی احبہ فاحبہ پروردگارا! اس فرزند سے میں محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔

(ناسخ) کامل الزیارۃ لابن قولویہ رح از یعلی بن مرّۃ۔ حضور سرورؐ کائنات نے فرمایا حسینٌ منی وانا من حسینٍ احب اللہ من احب حسینا حسینٌ سبطٌ من الاسباط۔ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، اللہ اس شخص کو دوست رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہو۔ حسین اسباط میں سے ایک سبط ہے۔ اس ارشاد نبوی کے کئی مطلب بیان کے گئے ہیں: حسین پیغمبروں کی اولاد میں سے ایک فرزند ہیں۔ حسین حضرت سرورِ کائنات کے جگر کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہیں۔ حسین نیکی اور بھلائی کی امتوں میں سے ایک امت ہیں یعنی ان کی وجہ سے پوری امت نیک اعمال اور صالح بنے گی۔

پھر حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے: امام حسین آغوش رسالتمآبؐ میں تھے حضور انور نے بچہ کے رخسار کو بوسہ دیا اور فرمایا: انت السید ابن السید ابو السادۃ انت الامام ابن الامام ابو الائمۃ انت الحجۃ ابن الحجۃ ابو حجج تسعۃ من صلبک تاسعھم قائمھم

ایک دوسری روایت۔ حضورؐ انور خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ حسینؑ مسجد میں آئے۔ دامن میں پیر الجھا۔ زمین پر گر پڑے اور رونے لگے۔ آنحضرتؐ نے خطبہ ترک کر دیا اور منبر سے اتر آئے۔ حسینؑ کو گود میں اٹھا لیا اور فرمایا کہ اولاد بھی آزمائش کا ذریعہ ہے اُس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے محسوس نہ ہوا کہ میں حسینؑ کے زمین پر گرتے ہی منبر سے کس طرح اُتر آیا۔

ایک اور روایت۔ حضرت سیدۂ عالم کے طرف سے حضورؐ انور کا ایک روز گذر ہوا حسینؑ کسی وجہ سے رو رہے تھے آپ کے رونے کی آواز رسولؐ اللہ نے سنی تو بے چین ہو گئے اور بیٹی سے فرمایا: الم تعلمی ان بکاءہ یوذینی اے فاطمہ کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ مجھے حسینؑ کا رونا تکلیف پہنچاتا ہے۔

ینابیع المودۃ از شیخ سلیمان بلخی قندوزی میں ترمذی کے حوالہ سے ابو سعید خُدری کی روایت۔ قال رسول اللہ: "الحسنُ والحسینُ سیدا شباب اھل الجنۃ" حضور نے فرمایا کہ حسنؑ اور حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

زید بن ارقم سے مروی ہے۔ قال رسول اللہ لعلیٍ وفاطمۃ وحسنٍ وحسینٍ انا سلمٌ لمن سالمتم وحربٌ لمن حاربتم" حضور نے علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ سے فرمایا کہ جس شخص سے تمہاری صلح ہے اس سے میری صلح ہے اور جس سے تمہاری جنگ ہے اس سے میری بھی جنگ ہے۔

پھر بحوالہ ابن ماجہ یعلیٰ بن مُرّہ سے روایت ہے۔ اصحاب کرام حضورؐ انور کے ہمراہ تھے اور آپ کسی دعوتِ طعام کے سلسلہ میں تشریف لیے جا رہے تھے۔ راستہ میں کچھ بچوں کو دیکھا جن میں حسینؑ بھی تھے۔ آپ نے انہیں گود میں لینا چاہا مگر حسینؑ بچوں کی طبیعت و مزاج کے مطابق اِدھر سے اُدھر نکل جاتے تھے اور کسی طرح رسولؐ اللہ کی گود میں نہیں آ رہے تھے۔ آخر آنحضرتؐ نے آگے بڑھ کر بچہ کو گود میں لے لیا اور ایک ہتھیلی پر اُن کا سر رکھ لیا اور دوسرا ہاتھ رخساروں کے نیچے رکھا اور بوسہ لیا پھر فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اللہ اسے دوست رکھے جو حسینؑ سے محبت رکھتا ہو۔ حسینؑ اسباط سے ایک سبط ہے۔

ینابیع المودۃ از اصابہ فی معرفتہ الصحابہ۔ حویرث لیثی کہتے ہیں۔ قال رسول اللہ

الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ وابوھما خیر منھما "حسن وحسین جوانانِ جنّت کے سردار ہیں اور ان کے والد ان سے افضل ہیں۔

ینابیع از مشکوٰۃ ۔ حضورِ انور مسجد میں خطبہ ارشاد کر رہے تھے حسنین بھی مسجد میں آئے ۔ دونوں فرزندانِ رسُول سرخ قمیص پہنے ہوئے تھے ۔ آتے ہوئے کبھی گر پڑتے تھے اور کبھی سنبھل جاتے تھے ۔ حضورؐ نے دیکھا تو خطبہ چھوڑ کر انھیں گود میں لے لیا اور فرمایا کہ اللہ کا ارشاد بالکل درست ہے ۔ انّما اموالکم واولادکم فتنۃ " تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہاری آزمائش ہے ۔

ینابیع از طبرانی ۔ ابوھریرہ کہتے ہیں : قال خرج علینا رسول اللہ ومعہ حسن وحسین ھذا علی عاتقہ وھو یلثم ھذا مرۃ وھذا مرۃ حتی انتھی الینا فقال من احبّھما فقد احبّنی ومن ابغضھما فقد ابغضنی وکان رسول اللہ یصلّی فاذا سجد وثب الحسن والحسین علی ظھرہ فاذا ارادوا ان یمنعوھما اشار الیھم ان دعوھما فاذا اقضی الصلوٰۃ وضعھما فی حجرہ فقال من احبّنی فلیحبّ ھذین ۔

ایک مرتبہ حضورِ انور ہمارے سامنے اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے ساتھ دونوں نواسے حسن وحسین بھی تھے اور حسین آپ کے دوشِ مبارک پر تھے ۔ آپ کبھی حسن کو پیار کرتے تھے اور کبھی حسین کو یہاں تک کہ حضور ہمارے پاس آ گئے اور فرمانے لگے ۔ جس شخص نے ان دونوں سے محبت رکھی اس نے بے شک مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے بھی دشمنی رکھی ۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم نماز پڑھ رہے تھے تو جب آپ سجدہ میں جاتے تھے اس وقت حسن وحسین آپ کی پشت مبارک پر آ جاتے تھے اور جب لوگ اس کا ارادہ کرتے تھے کہ نبی زادوں کو پشتِ رسول پر آنے سے روکیں تو آپ نماز ہی کی حالت میں اشارہ سے لوگوں کو منع کرتے تھے اور اس طرح حکم دیتے تھے کہ انھیں اپنی حالت پر چھوڑ دو پھر جب نماز تمام کرتے تھے تو بچوں کو اپنی گود میں بٹھا لیا کرتے تھے ۔ اور فرماتے تھے کہ جو شخص مجھ سے محبت کرنا چاہے وہ ان دونوں سے محبت کرے ۔

ینابیع المودۃ میں یہ روایت بھی ہے ۔ کان یصلّی بالناس وکان الحسن بن علی یثب علی

ظہرہ اذا سجد ففعل ذلک غیر مرۃ الخ بہت مرتبہ ایسا ہوا کہ حضور سرورِ کائنات نماز میں مشغول تھے اور جب آپ سجدے میں جاتے تو امام حسن آپ کی پشت پر آجایا کرتے تھے۔
عبد اللہ بن عمر سے ایک روایت منقول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں جبکہ وہ خود کعبہ مکرمہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اذا رأی الحسین بن علیؓ مقبلاً فقال ھٰذا احب اھل الارض الی اھل السماء اسی اثناء میں انھوں نے امام حسین کو آتے ہوئے دیکھا تو لوگوں سے کہا کہ یہ وہ شخصیت ہے کہ جو اہل آسمان کے نزدیک اس وقت زمین کے رہنے والوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔

صاحب ینابیع نے جمع الفوائد سے نقل کیا ہے۔ عبد اللہ بن شداد بیان کرتے ہیں:

خرج رسول اللہ فی احدی صلوتی العشاء وھو حامل حسناً او حسیناً فتقدم فوضعہ ثم کبر للصلوٰۃ فصلی فسجد بین ظھرانی صلاتہ سجدۃ اطالھا فرفعت راسی فاذا الصبی علی ظھر النبی وھو ساجد فرجعت الی سجودی فلما قضی الصلوٰۃ فقال الناس یا رسول اللہ انک سجدت بین ظھرانی صلاتک سجدۃ اطلتھا حتی ظننا انہ قد حدث امر او انہ یوحی الیک قال کل ذالک لم یکن ولکن ابنی ارتحلنی فکرھت ان اعجلہ حتی یقضی حاجتہ۔ ذکرہ النسائی فی باب سجدۃ الصلوٰۃ۔

ایک مرتبہ حضور اکرم نماز مغرب یا عشاء پڑھانے کی غرض سے گھر سے باہر تشریف لائے اس طرح کہ آپ یا تو امام حسن کو یا اُن کے چھوٹے بھائی امام حسین کو گود میں لیے تھے آپ نے مصلے کے قریب پہنچ کر بچے کو گود سے اتار کر فرش پر بٹھا دیا اور تکبیر کہہ کر نماز جماعت شروع کر دی۔ جب اثنائے نماز میں آپ نے سجدہ کیا تو اس میں بڑا طول دیا میں نے (گھبرا کر) سجدہ سے اپنا سر اٹھا کر دیکھا کہ حضور انور سجدہ میں کیوں طول دے رہے ہیں۔ اس وقت میری نظر آپ کے نواسہ پر پڑی جو حضور کی پشت مبارک پر تھے اور آپ خود سجدہ میں تھے۔ یہ دیکھ کر میں پھر سجدہ میں مشغول ہو گیا۔ جب آنحضرتؐ نے نماز تمام کی تو لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ نے سجدہ میں بڑا طول دیا۔ ہم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ یا تو کوئی خاص حادثہ ہو گیا یا آپ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ آپ نے جواب دیا ان باتوں میں سے کوئی بھی نہ تھی بلکہ میرا فرزند میری پشت پر آ گیا تھا تو میں نے اس چیز کو پسند نہ کیا کہ میں خود جلدی سے اُسے

اتار دوں بلکہ منتظر رہا کہ وہ خود اتر جائے ۔ اس روایت کو علامہ نسائی نے بھی باب سجدۃ الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے ۔

ینابیع از مودۃ القربیٰ ۔ سلمان فارسی کہتے ہیں : دَخَلْتُ علی النبی فاذا الحسین بن علی علی فخذیہ وھو یُقبّل خدّیہ ویلثم فاہ ویقول انت سید ابن سید اخو سید وانت امام ابن امام اخو امام وانت حجۃ ابن حجۃ اخو حجۃ وانت ابو حجج تسعۃ تاسعھم قائمھم "

میں ایک موقع پر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حسینؑ آپ کے زانو پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ اُن کے دونوں رخساروں کے بوسے لے رہے ہیں اور منھ کو چوم رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں ۔ تم سردار ہو، سردار کے بیٹے اور بھائی ہو ۔ تم امام ہو اور امام کے بیٹے اور بھائی ہو ۔ تم حجتِ خدا ہو اور حجت کے فرزند اور بھائی ہو اور اللہ کی نو حجتوں کے والد ہو جن میں سے نواں اُن کا قائم ہوگا ۔

نور الابصار از علامہ شبلنجی ۔ رویٰ البخاری والترمذی یرفعہ الی ابن عمر انہ سئلہ رجلٌ عن دم البعوضۃ فقال ممن انت فقال رجلٌ من اھل العراق فقال انظروا الیٰ ھذا یسألنی عن دم البعوضۃ وقد قتلوا ابن بنت رسول اللہ وسمعت النبیؐ یقول ھما ریحانتای من الدنیا ۔

بخاری اور ترمذی نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے ۔ ان سے کسی نے سوال کیا کہ حالتِ احرام میں اگر کوئی مچھر کو مارے تو اس کا کیا حکم ہے ۔ انھوں نے دریافت کیا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو اس نے کہا عراق کا ۔ یہ سن کر عبداللہ نے حیرت سے فرمایا اے لوگو! ذرا اس شخص کو دیکھو! یہ مجھ سے مچھر کو مارنے کا حکم معلوم کر رہا ہے حالانکہ ان لوگوں نے بغیر کسی پس و پیش کے فرزندِ رسولؐ کو قتل کر ڈالا ۔ میں نے خود حضورِ انورؐ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ دونوں میرے پھول ہیں ۔

اصابہ ج ۱ ۔ میں یحییٰ بن سعید انصاری سے منقول ہے ۔ حضرت عمر نے امام حسینؑ سے ایک موقع پر فرمایا تھا : فانما انبت ما تری فی رؤسنا اللہ ثم انتم ۔

ہمارے سروں پر جو بال ہیں وہ اللہ نے اگائے ہیں یا اس کے بعد پھر آپ ہی

لوگوں نے۔ یعنی ہمیں جو عزت اسلام میں ملی ہے وہ آپ ہی کے وسیلہ سے عطا ہوئی ہے
استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۱۔ مصعب الزبیری راوی ہیں کہ امام حسین نے
پچیس حج پیدل کئے تھے۔

بخاری جلد اول (باب المناقب) اسامہ بن زید راوی ہیں: انہ کان یاخذہ
والحسن ویقول اللھم انی احبھما فاحبھما "آنحضرت امام حسین اور امام حسن کو لئے ہوئے
تھے اور فرما رہے تھے کہ پروردگارا! میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں پس تو بھی
انھیں دوست رکھ۔

ترمذی باب المناقب۔ عن ابی سعید خدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم، الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ۔ ابوسعید خدری کہتے ہیں
حضور انور نے فرمایا حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔

ترمذی۔ اسامہ بن زید راوی ہیں کہ میں کسی ضرورت سے حضور کی خدمت
میں شب میں حاضر ہوا۔ آپ گھر سے باہر تشریف لائے تو چادر میں کسی چیز کو لپیٹے ہوئے
اپنے آغوش میں لئے ہوئے تھے۔ جب میں حضور سے جو کچھ عرض کرنا تھا عرض کر چکا
تو میں نے دریافت کیا کہ آپ کے پاس یہ چادر میں کیا ہے؟ فکشفہ فاذا الحسن و
حسین علی ورکیہ فقال ھذان ابنای وابنا ابنتی اللھم انی احبھما فاحبھما و احب
من یحبھما۔ یہ سن کر آنحضرت نے چادر ہٹائی تو اُس کے نیچے حسن و حسین تھے۔
آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں میرے فرزند ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں
ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جو لوگ ان سے محبت رکھیں اُن
سے بھی محبت فرما۔

ترمذی۔ حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ ۶۱ھ عاشور محرم کو میں نے
رسول اللہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف لائے ہیں جبکہ آپ کے سر اور ریش مبارک
پر خاک کا اثر تھا۔ میں نے عرض کی یہ حضور کی کیا حالت ہے اور اس کا سبب کیا ہے
تو فرمایا کہ میں ابھی ابھی اُس مقام پر موجود تھا جہاں حسین کو شہید کر ڈالا گیا۔

ترمذی از انس بن مالک۔ یقول سُئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای اھل
بیتک احبُّ الیک قال الحسن والحسین وکان یقول لفاطمۃ ادعی لی ابنی فیشمھما

(ترمذی) [illegible] الیہ۔ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے اہل بیت میں کس کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں فرمایا حسن و حسین کو اور آپ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے دونوں فرزندوں کو میرے پاس لاؤ پھر جب وہ آتے تھے تو آپ ان کی خوشبو سونگھتے تھے اور انھیں اپنے سینے سے لگا لیتے تھے۔

ترمذی۔ حذیفہ روایت کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شب میں حضور کی خدمت میں تھا آپ نے فرمایا:

ہٰذا مَلَکٌ لَم ینزل الارض قطُّ قبل ھٰذہ اللّیلۃ استاذن ربّہ اَن یسلّم علیّ ویبشّرنی بانّ فاطمۃ سیّدۃ نساء اھل الجنّۃ وانّ الحسن والحسین سیّدا شباب اَھل الجنّۃ۔ ایک فرشتہ آیا ہے جو آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اُترا تھا آج اُس نے بارگاہِ خداوندی سے اجازت چاہی کہ مجھے سلام کرے اور اس کی بشارت دے کہ میری بیٹی فاطمہ جنّت کی تمام عورتوں کی سردار ہے اور حسن و حسین جنّت کے تمام جوانوں کے سردار ہیں۔

ترمذی۔ براء بیان کرتے ہیں کہ حضورِ انور کی نظر حسن اور حسین پر پڑی تو فرمایا: پروردگارا! میں اِن دونوں کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اِن سے محبّت فرما۔

صحیح مسلم۔ حضرت عائشہ سے منقول ہے وہ کہتی ہیں:-

خَرجَ النبیّ ذاتَ غداۃٍ وعلیہ مِرطٌ مُرحّلٌ من شعرٍ اسود فجاء الحسن بن علی فادخلہ ثم جاء الحسین فدخل معہ ثم جاءت فاطمۃ فادخلھا ثم جاء علیٌّ فادخلہ ثم قال انّما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھّرکم تطھیرًا۔

ایک مرتبہ صبح کے وقت حضورِ انور گھر سے باہر تشریف لے گئے اس وقت آپ ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس پر کجاووں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اتنے میں حسن و حسین آئے حضور نے اُن کو اپنی چادر میں داخل کر لیا پھر فاطمہ آئیں تو اُن کو چادر میں چھپا لیا پھر علی آئے تو انھیں بھی چادر میں داخل کر لیا اس کے بعد آیۂ مبارکہ اِنّما یرید اللّٰہ الخ کی تلاوت فرمائی۔

اِن حدیثوں کو لکھنے کے بعد اب ہم پھر علمائے امامیہ کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں ـــــ (دیکھو ناسخ جلد ۶ صفحہ ۳۶) ایک روز حضور اکرم نماز پڑھا رہے تھے۔ وہاں

امام حسین موجود تھے جب رسول اللہ سجدہ کرتے تھے تو وہ بچپنے کے انداز میں نانا کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے تھے۔ ایک یہودی جو وہاں موجود تھا یہ دیکھ کر کہنے لگا کہ آپ بچوں کے ساتھ اس قدر شفقت کرتے ہیں۔ یہ طریقہ ہمارے یہاں تو نہیں ہے آپ نے جواب دیا کہ اگر اللہ اور اس کے رسول پر تمہارا ایمان ہو تو بچوں کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آیا کرو۔

امام رضا فرماتے ہیں: قال رسول اللہ من سرّہ أن ینظر الی احب اہل الارض الی اہل السماء فلینظر الی الحسین۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اس شخص کو دیکھے جسے اہل آسمان روئے زمین میں سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں تو وہ حسین کی طرف نظر کرے۔ (اس کلیہ سے اُن شخصیتوں کا استثناء اپنے مقام پر ثابت ہے جو امام حسین سے افضل تھیں جیسے خود حضور انورؐ کی ذاتِ اقدس)

ایک دوسری روایت۔ جبرئیل امین حضرتِ فاطمہ کے گھر میں آئے دیکھا کہ وہ سو رہی ہیں اور حسین ماں کی طلب میں بے چین ہیں۔ فرشتہ نے بچہ کو اپنی جانب مشغول کر لیا اور رونے نہ دیا یہاں تک کہ سیدۂ عالم کی آنکھ کھل گئی۔

علامہ ابن شہر آشوب کے حوالہ سے صاحبِ ناسخ لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ایک زانو پر حسین کو اور دوسرے زانو پر اپنے فرزند ابراہیم کو بٹھائے ہوئے تھے اور دونوں بچوں پر شفقت فرما رہے تھے۔ ناگاہ جبرئیل امین حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ اے محمدؐ! آپ کا پروردگار آپ کو سلام فرماتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں ان دونوں بچوں کو ایک ساتھ زندگی نہیں دوں گا اس لئے آپ ایک کو دوسرے پر قربان کر دیں۔ یہ سن کر حضورؐ نے غور سے دونوں بچوں کی طرف دیکھا اور رونے لگے پھر فرمایا: ابراہیم کی ماں ماریہ قبطیہ ہے اگر وہ مر گیا تو اس کی موت پر صرف مجھے (اور اس کی ماں کو) صدمہ ہو گا مگر حسین کی ماں تو میری بیٹی فاطمہ ہے اس کے باپ علی ہیں میرے چچازاد بھائی میرا گوشت اور میرا خون اس لئے اگر حسین نہ رہے تو ان کی موت پر یہ سب کے سب غمگین ہوں گے۔ اے جبرئیل میں ابراہیم کا فدیہ ہونا منظور کرتا ہوں۔

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ اس کے تین روز کے بعد ابراہیم کی وفات

ہوگئی - اُس وقت سے جب کبھی رسولُ اللہ حسین کو دیکھتے تھے تو بچہ کے رخساروں کے بوسے لے کر فرماتے تھے: فدیت من فدیتہ بابراہیم میں اس بچہ پر فدا ہو جاؤں جس پر میں نے اپنے فرزند ابراہیم کو قربان کر دیا - ا... المعتمۃ فی ... الائمۃ میں بغوی سے حضرت ام سلمہ تک روایت منتہی ہوتی ہے - فرماتی ہیں کہ ایک روز حضرت جبرئیل خدمتِ رسالتمآبؐ میں موجود تھے اور حسین میری گود میں تھے اسی اثنا میں وہ میری گود سے حضورؐ کے پاس چلے گئے - آپ نے انھیں آغوش میں لیا اور زانو پر بٹھا لیا جبرئیل نے عرض کی یا رسولؐ اللہ کیا آپ کو اس بچہ سے بہت محبت ہے؟ فرمایا ہاں میں اسے بہت چاہتا ہوں -

فقال امّا ان امتک ستقتلہ وان شئت اریتک تربۃ الارض التی یقتل فیھا فبسط جناحہ الی الارض واراہ ارضا یقال لھا کربلا تربۃ حمراء بطف العراق -

جبرئیل نے کہا آپ کی امت قریبی زمانہ میں اس کو قتل کردے گی اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو اس زمین کی مٹی دکھا دوں جہاں یہ قتل کیا جائے گا یہ کہہ کر انھوں نے اپنے بازوؤں کو پھیلا دیا اور آں حضرتؐ کو وہ زمین دکھا دی جس کا نام کربلا ہے جس کی مٹی سرخ رنگ کی تھی اور وہ عراق کا ساحلی مقام ہے -

حسین کا فرزندِ رسولؐ ہونا

سیرت کی تمام کتب امامیہ میں یہ حدیث موجود ہے - قال رسول اللہ کل بنی امّ ینتمون الی عصبتھم الا ولد فاطمۃ فانی انا ابوھم و عصبتھم" ہر ماں کی اولاد اپنے پدری قبیلہ کی طرف منسوب ہوا کرتی ہے سوائے اولاد فاطمہ کے کہ میں اپنی بیٹی کی اولاد کا باپ ہوں اور اس کا پدری قبیلہ ہوں - تاریخ میں مفردات معجم طبرانی سے بہ سند ابن عباس وار بعین تاریخ خطیب بہ سند از جابر مذکور ہے -

قال النبیؐ ان اللہ عزوجل جعل ذریۃ کل نبیّ من صلبہ خاصۃ وجعل ذریتی من صلبی و من صلب علی بن ابیطالب، ان کل بنی امّ ینتمون الی ابیھم الا اولاد فاطمۃ فانی انا ابوھم -

حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ نے ہر نبی کی ذریت اُس کے اپنے صُلب سے قرار دی اور میری ذریت کو خود میرے صُلب سے اور علی بن ابیطالب سے قرار دیا۔ بیشک ہر ماں کی اولاد اپنے باپ کی طرف نسبت رکھتی ہے سوائے اولاد فاطمہ کے کیونکہ میں اُن کا باپ ہوں۔

اب رہا یہ امر کہ قرآن میں اللہ کا یہ ارشاد موجود ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ الخ (احزاب ۴۰) محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں تو یہ خاص طور پر زید بن حارثہ کے سلسلہ میں فرمایا گیا ہے جن کو زید بن محمدؐ کہا جاتا تھا جبکہ زید حضورؐ کے غلام تھے اور اپنے اس غلام سے حضورؐ فرزندوں کی طرح محبت فرماتے تھے۔ پھر اس آیت میں لفظ "رجالکم" ہے جس کے معنی ہیں "تمہارے مردوں میں سے" یعنی امّت کے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔

حسنین کا فرزندانِ رسُول ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ جنگِ صفّین میں جب امام حسن لشکر معاویہ پر حملہ کرنے کے لیئے بے چین تھے تو امیر المؤمنین نے لوگوں سے فرمایا۔ حسن کو میدان جنگ میں نہ جانے دو۔ فَاِنِّیْ اَنْفَسُ بِهٰذَیْنِ یعنی الحسن والحسین عن الموت لِئَلَّا یَنْقَطِعَ بِهِمَا نَسْلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ - کیونکہ میں ان دونوں یعنی حسن و حسین کی زندگی کو عزیز رکھتا ہوں تاکہ کہیں نسلِ رسُول منقطع نہ ہو جائے۔

(۱) پھر ابن ابی الحدید کے حوالہ سے لکھتے ہیں (۱) حسنین کا فرزند رسُول ہونا آیۂ مباہلہ سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کیونکہ "ابنائنا" کا مصداق سوائے اِن کے وہاں کوئی دوسرا نہ تھا۔

(۲) عیسٰی بن مریم کو اللہ نے ذریّت و نسل ابراہیمی سے قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ انعام ۸۴-۸۶

اور ابراہیم کی اولاد سے داؤد وسلیمان و ایوب و یوسف و موسٰی و ھارون (سب کو ہم نے ہدایت عطا کی) اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور زکریا و یحیٰی و عیسٰی و الیاس سب کی ہدایت کی اور یہ سب اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے اور اسمٰعیل و الیسع و یونس و لوط کو بھی ہدایت دی اور ان سب کو ہم نے سارے جہان پر فضیلت عطا کی۔

اس آیت کی روشنی میں جس طرح عیسیٰ اپنی ماں حضرت مریم کی طرف سے نسلِ ابراہیمی میں داخل ہوئے تھے اسی طرح حسنین بھی حضرت فاطمہ کی طرف سے نسلِ محمدی میں داخل ہیں۔

(۳) آیہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم الخ کی کچھ مزید تشریح — اس آیت کا تعلق زید بن حارثہ سے ہے جنھیں حضرت رسالت مآبؐ نے اپنا فرزند بنایا تھا حالانکہ وہ آپ کے غلام تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ انھیں زید بن محمدؐ کہنے لگے تھے اس آیت میں اسی بات کی رد کی گئی ہے۔ کون اس حقیقت کا انکار کر سکتا ہے کہ حضورؐ الورا ابراہیم بن ماریہ قبطیہ نیز قاسم (الطیب) و عبداللہ (طاہر) فرزندانِ حضرتِ خدیجہ کے والد تھے۔

یہ روایت بھی "ناسخ" اور دوسری کتبِ سیرت و حدیث میں درج ہے کہ حجاج بن یوسف نے ایک مرتبہ شب کے وقت عامر الشعبی کو طلب کیا یہ ڈرے کہ مجھے اس وقت کیوں بلایا گیا ہے کہیں میرے قتل کا تو سامان نہیں ہے۔ حجاج کا ظلم تو مشہور ہی تھا غرض انھوں نے وضو کیا اور گھر والوں کو ضروری باتوں کی وصیت کی پھر حجاج کے دربار میں حاضر ہو گئے۔

جب عامر الشعبی حجاج کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ فرش بچھا ہوا ہے اور وہ تلوار کھینچے کھڑا ہے۔ انھوں نے سلام کیا اور ادب سے کھڑے رہے۔ حجاج نے جوابِ سلام دیا اور کہنے لگا۔ عامر! خوف زدہ نہ ہو۔ میں اس وقت سے کل صبح تک تمھیں امان دیتا ہوں۔ پھر عامر کو بیٹھنے کی اجازت دیدی۔ یہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد اُس نے کسی دوسرے شخص کے لانے جانے کا حکم دیا۔ وہ بھی آگیا۔ زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اُس کو بھی حجاج نے اپنے پاس جگہ دی۔ پھر اُس نے عامر کی طرف رُخ کیا اور کہا۔ یہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ حسنین فرزندانِ رسولؐ ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ یہ قرآن سے اپنے دعوے کی دلیل پیش کرے ورنہ میں اس کا سر اڑا دوں گا۔ عامر نے کہا امیر! سب سے پہلے تو اس کی زنجیریں کھلوا دے اور اسے آزاد کر دے کیونکہ اگر اس نے اپنے دعوے کو قرآن سے ثابت کر دیا تو اس کی آزادی کا حکم تو دے ہی دیگا اور اگر یہ ثابت نہ کر سکا تو تیری تلوار سے اِسے کون بچا سکتا ہے۔ دونوں حالتوں میں اس وقت کی قید اور یہ زنجیریں بیکار ہیں۔ یہ سُن کر حجاج نے فوراً حکم دیا کہ اس کی زنجیریں کھول دی جائیں۔ اس وقت عامر الشعبی نے غور سے اُس کا چہرہ دیکھا تو وہ علامۂ تفسیر سعید بن جُبیر تھے۔ دیکھتے ہی عامر کے جسم میں سنسنی سی دوڑنے

لگی اور دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ سعید قرآن سے اپنے اس دعوے کو کیونکر ثابت کر سکیں گے اور نتیجہ یہی ہوگا کہ یہ قتل کر ڈالے جائیں گے۔ سعید بن جُبیرؒ نے حجاج سے تھوڑی دیر کی مہلت طلب کی اور سوچتے رہے۔ وہ بھی انتظار کر رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد حجاج نے اپنا سر اٹھایا اور کہا سعید! قرآن کی کوئی آیت پیش کرو۔ سعیدؒ نے کچھ دیر کی مہلت پھر مانگی۔ تیسری بار حجاج نے غصہ سے کہا۔ قرآن سے کوئی آیت پیش کرو ورنہ قتل کے لیے تیار ہو جاؤ۔ سعید بن جبیر نے کہا۔

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیمِ۔ وَوَهَبْنَا لَهُ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ انعام ۸۴/۸۶

اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی اور اولاد ابراہیم میں سے داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ھارون کو بھی ہدایت عطا کی اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریّا و

نوٹ: حجّاج بن یوسف الثقفی — ولادت ۴۰ھ وفات ۹۵ ہجری مطابق ۶۶۰ — ۷۱۴ میلادی اس کی پیدائش طائف میں ہوئی اور وہیں پلا بڑھا۔ پھر شام چلا گیا جہاں اس نے روح بن زنباع نائب عبدالملک بن مروان کی ملازمت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ کے بعد عبدالملک نے اسے اپنے لشکر کا سردار بنا دیا اور عبداللہ بن زبیر سے جنگ کے لیئے بھیجا۔ حجّاج ایک بڑے لشکر کے ساتھ حجاز آیا اور آخر عبداللہ بن زبیر قتل کر دیئے گئے اور ان کی جماعت اِدھر اُدھر منتشر ہو گئی۔ اس کے بعد عبدالملک نے اس کو مکہ اور مدینہ اور طائف کا گورنر مقرر کیا پھر عراق وغیرہ کو بھی اس کی گورنری کے حدود میں شامل کر دیا۔ بیس برس تک اس نے حکومت کی۔ اسی نے کوفہ اور بصرہ کے مابین شہر واسط کی بنیاد ڈالی تھی اور وہیں اس کی قبر ہے جس کے نشانات مٹ چکے ہیں۔ ۷۳ھ میں اس نے عبداللہ بن زبیر کو شکست دے کر قتل کیا تھا اور اسی سال اسے حجاز کی گورنری ملی تھی پھر ۷۵ھ میں عبدالملک نے اس کی حکومت میں عراق کو بھی شامل

یحیٰی و عیسیٰ و الیاس کو بھی ہدایت دی یہ سب نیک بندے تھے اور اسمٰعیل و الیسع و یونس و لوط کو بھی اور ان سب کو ہم نے تمام جہان پر فضیلت بخشی تھی۔"

سعید بن جبیرؓ نے صرف "نجزی المحسنین" تک تلاوت کی اور حجاج سے کہا کہ اب اس کے بعد تم خود پڑھو۔ اس نے بقیہ حصہ کی تلاوت کی "وَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ" جب وہ تلاوت کر چکا تو سعید نے کہا کہ عیسیٰ بن مریم بھی اس آیت کی بنا پر فرزندانِ ابراہیم میں سے تھے حالانکہ عیسیٰ کا کوئی باپ نہ تھا اور ولادتِ ابراہیم سے ولادتِ عیسیٰ تک دو ہزار دو سو باسٹھ ۲۲۶۲ سال گزرے ہیں مگر اس کے باوجود اللہ نے انھیں فرزندانِ ابراہیم میں شمار کیا ہے تو کیا باوجود اس کے حسن و حسین کو فرزندِ محمدؐ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ سن کر حجاج بدحواس ہو کر رہ گیا۔ اُس نے اِس جواب پر سعیدؒ بن جُبیر کو دس ہزار دینار انعام میں دیئے اور آزاد کر دیا۔ یہ اس خطیر رقم کو ساتھ لے کر اپنے گھر آئے۔

عامر شعبیؒ کو خیال بھی نہ تھا کہ سعیدؒ کو قرآن مجید پر اس قدر عبور ہے۔ یہ حیرت زدہ تھے۔ صبح کو عامر اپنے گھر سے سیدھے سعید کے پاس آئے تاکہ قرآن کا مزید علم ان سے سیکھیں کیا دیکھتے ہیں کہ سعیدؒ مسجد میں بیٹھے ہیں اور اُن دیناروں کو محتاجوں میں تقسیم کر رہے ہیں سیکڑوں آدمیوں کا مجمع لگا ہے اور ہر شخص کو دس دس دینار دے رہے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ یہ دولت حسن و حسین کی بدولت مجھے حاصل ہوئی ہے۔ اگر میں نے ایک

کر دیا تھا۔ دیکھو الاعلام از خیرالدین الزرکلی اور الدولۃ الاموّیۃ۔

عامر الشعبیؒ بڑے مشہور شاعر اور فقیہ و محدث تھے ولادت و وفات ۱۹ — ۱۰۳ ہجری۔ یہ عبدالملک بن مروان کے درباری تھے۔ انھوں نے بڑا زبردست حافظہ پایا تھا (الاعلام)

سعید بن جبیر الاسدی ولادت و وفات ۴۵ — ۹۵ ہجری۔ تابعی تھے اور تمام تابعین میں علی الاطلاق اعلم سمجھے جاتے تھے۔ اصالۃً یہ حبشی تھے انھوں نے علوم کی تحصیل حضرت عبداللہ بن عباس سے کی تھی۔ خود استاد کے نزدیک بھی اپنے شاگرد کی عظمت اس قدر تھی کہ جب کبھی اہل کوفہ حضرت ابن عباس کے پاس کوئی مسئلہ دریافت کرنے آتے تھے تو وہ ان لوگوں سے فرماتے تھے: حیرت ہے تم مجھ سے مسائل پوچھنے آئے ہو حالانکہ کوفہ میں ام دھماء کا فرزند جیسا عالم موجود ہے یعنی سعید بن جبیر — پھر جب عبدالرحمٰن بن

انسان کو ناخوش کر دیا تو ہزاروں انسانوں کو خوش بھی کر دیا بلکہ میرے اللہ کو بھی راضی کیا اور اُس کے رسولؐ کو بھی راضی کر دیا۔

حجاج نے سعیدؒ بن جُبیر کو امامتِ جماعت کا منصب دیا اور بعد میں مکہ کا قاضی بنا دیا لیکن چونکہ یہ حجاج کو دشمنِ اہلبیت اور دشمن خدا سمجھتے تھے اس لیئے اس کے خلاف جہاد کا موقع تلاش کرتے رہتے تھے۔ اسی دوران میں عبد الرحمن بن محمد بن الاشعث نے عبد الملک کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تو سعیدؒ بھی اُس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ عبد الرحمان کی شکست کے بعد انھیں حاکم مکہ نے گرفتار کر کے حجاج کے پاس روانہ کر دیا جس نے انھیں شہر واسط میں ذبح کرا دیا۔ سعیدؒ بن جُبیر کی قبر "واسط" ہی میں ہے۔

حسنینؑ سے محبتِ رسولؐ کا مزید ثبوت

احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز آنحضرتؐ حسن وحسین کے رخساروں کے بوسے لے رہے تھے اقرع بن حابس نے عرض کی یا رسول اللہ میرے دس لڑکے ہیں مگر میں کسی کے بوسے نہیں لیتا۔ یہ سنتے ہی چہرۂ اقدس کا رنگ سرخ ہو گیا اور فرمانے لگے: ان کان اللہ قد نزع الرحمۃ من قلبک فما اصنع بک من لم یرحم صغیرنا ولم یعزز کبیرنا فلیس منا۔ اگر خدا نے تیرے اعمال بد کے سبب تیرے دل سے رحم نکال دیا ہو تو پھر میں کیا کروں۔ (یاد رکھ) کہ جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

محمد بن الاشعث نے عَبدُ الملِک کے خلاف خروج کیا تو سعید بھی عبد الرحمن کی فوج میں تھے مگر جنگ کا نتیجہ عبد الرحمن کے خلاف ہوا اور وہ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد سعید بن جبیر مکہ میں روپوش ہو گئے مگر بالآخر والیِ مکہ خالد قسری نے انھیں گرفتار کر لیا اور حجاج کے پاس بھیج دیا جس نے ان کو شہر واسط میں قتل کر ڈالا۔ وہیں ان کی قبر ہے۔

امام احمد بن حنبل کہتے تھے کہ حجاج نے سعیدؒ بن جبیر کو قتل کیا جبکہ اُس وقت تمام روئے زمین کے انسان تحصیلِ علم میں ان کے محتاج تھے۔ الاعلام للزرکلی۔

سعیدؒ بن جبیر تابعین میں سب سے بڑے مفسر تھے۔ تابعین میں علم تفسیر سے متعلق ان کے اعلم ہونے کو سب ہی نے تسلیم کیا ہے۔ علامہ فضل بن حسن طبرسیؒ تفسیر مجمع البیان

ناسخ وغیرہ میں ایک روایت درج ہے کہ جناب رسولِ خدا امام حسین کے رخسار کے بوسے لیتے تھے اور فرماتے جاتے تھے مَن اَحَبَّ الحسنَ والحسینَ وذریتھما لم تلفحہ النار" جو شخص حسنؑ و حسینؑ اور اُن کی ذریت سے محبت کرے گا اُسکو جہنم کی آگ ہرگز نہیں جلائیگی۔

اسی طرح بیشتر محدثین اسلام نے اس روایت کو بھی لکھا ہے : قال رسول اللہ ابنایَ ھٰذان سیدا شباب اھل الجنۃ وابوھما خیرٌ منھما" حضورؐ نے فرمایا کہ یہ دونوں یعنی حسن و حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں اور اِن کا باپ اِن سے افضل ہے۔

محدثین امامیہ نے ایک روایت عبد الحمید بن میکائیل سے بہ سند حضرت عائشہ لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے : ایک روز حضورؐ انور بہت بھوکے تھے اور گھر میں کوئی کھانے کی چیز نہ تھی۔ اپنی ردا اوڑھی اور فرمایا کہ میں فاطمہ کے گھر جاتا ہوں تاکہ اپنے نواسوں حسن و حسین سے تسکینِ قلب حاصل کروں۔ چنانچہ حضورؐ خانہ حضرت فاطمہ میں تشریف لائے۔ بچوں کو طلب فرمایا۔ سیدۂ عالم نے عرض کی بچے بہت بھوکے تھے اور کوئی چیز گھر میں کھانے کی نہ تھی اِس لیے مغمگین ہوکر گھر سے باہر چلے گئے ہیں۔ حضورؐ انھیں ڈھونڈنے نکلے۔

راستہ میں "ابوذرداء" ملے، ان سے فرمایا اے عُویمر میرے بچے کہاں ہیں انھوں نے عرض کی جی ہاں! مجھے معلوم ہے۔ وہ بنُو جُدعانؑ کی دیوار کے سایہ میں سو رہے ہیں حضورؐ جلدی سے وہاں تشریف لے گئے۔ دونوں نبی زادوں کو اپنے سینہ سے لگایا۔ آنکھوں سے آنسو پونچھے۔ ابوذرداء نے عرض کی اجازت ہو تو میں ان بچوں کو

عہ قاموس میں "جُدعان" ہے۔ عبد اللہ بن جُدعان مشہور سخی گذرا ہے ۱۲

جلد اوّل کے مقدمہ میں لکھتے ہیں : وفی زمن التابعین دُوِّنَ التفسیر وصُنِّف فیہ داوّل کتاب ظھر فی التفسیر کان لسعید بن جبیر —— : یعنی تابعین کے دور میں تفسیر قرآن کی تدوین کی گئی اور اس علم میں کتابیں تصنیف کی گئیں۔ پہلی کتاب جو علم تفسیر میں سامنے آئی وہ سعید بن جُبیرؒ کی تھی اور اُنکی وفات ۹۵ھ میں ہوئی اور یہ تابعین میں علمِ تفسیر سے متعلق سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ قتادہ نے اسکی تصریح کی ہے اور ان کی علمیت کا علامہ سیوطی نے بھی "اتقان" میں ذکر کیا ہے انکے مزید حالات روضات الجنات صہ ۳۰۹ اور بحوالہ بحار الانوار سفینۃ البحار جلد اوّل میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

عہ "جذع" کے مادہ میں سفینۃ البحار ج اوّل میں بھی دیکھو صہ ۱۴۷۔ نیز ذکر عبد اللہ بن جُدعان در "الاعلام" للزرکلی ج ۴ صہ ۲۰۴ یہ غیر مسلم تھا۔ مگر سخاوت میں بہت شہرت رکھتا تھا۔

گود میں لے لوں۔ فرمایا: یا ابا الدرداء، دعنی امسح الدموع عنهما فوالذی بعثنی بالحق نبیًا لو قطر قطرۃ فی الارض لبقیت المجاعۃ فی امتی الی یوم القیمۃ۔ اے ابو درداء مجھے ان کے آنسوؤں کو تو پونچھ لینے دو۔ اس ذات کی قسم جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اگر ان آنسوؤں میں سے ایک قطرہ بھی زمین پر گر گیا تو سمجھ لو کہ قیامت تک میری امت کی بھوک ختم نہ ہوگی اور وہ کبھی شکم سیر نہ ہو سکے گی۔ پھر حضورؐ انور ہی نے دونوں بچوں کو اٹھایا۔ جبرئیل آئے اور عرض کی کہ خدا فرماتا ہے کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو میں اُحُد پہاڑ کو سونے کا بنا دوں اور اس کے باوجود آپ کے ثواب میں کمی نہ ہونے پائے گی۔

فرمایا۔ جبرئیل! اس کی مجھے کوئی خواہش نہیں۔ مجھے تو صرف خدا کی رحمت درکار ہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے گھر سے ایک بڑا کاسہ منگوایا اب جو دیکھا تو وہ "ثرید" (گوشت کے شوربے میں بھیگے ہوئے روٹی کے ٹکڑے) سے بھرا ہوا تھا۔ حضورؐ کے حکم سے اُس کو نواسوں نے نوش فرمایا اور مجھے عطا ہوا۔ میں نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا اُسکے بعد بھی اُسکی مقدار میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ ابو درداء کہنے لگے کہ حضورؐ میں نے ایسی برکت والا کھانا آجتک نہیں دیکھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: والذی بعثنی بالحق لو سکتت لتداولها فقراء امتی الی یوم القیمۃ۔ اے ابو درداء! اُس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر تم خاموش رہتے تو اِس کھانے سے قیامت تک میری اُمت کھاتی رہتی۔

سنن ابن ماجہ میں ابو ہریرہ سے منقول ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص حسن و حسین سے محبت کرے اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اسی کتاب میں یعلیٰ ابن مُرّۃ سے روایت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں پھر اسی کتاب میں زید بن ارقم سے منقول ہے کہ سرورؐ دو عالم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین سے فرمایا کہ میری صلح اُس شخص سے ہے جس سے تم صلح کرو اور میری جنگ اس سے ہے جس سے تم جنگ کرو۔

ناسخ التواریخ وغیرہ میں سلیمان ہاشمی سے روایت ہے کہ ان کے والد کچھ لوگوں کے ساتھ ہارون الرشید کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اثنائے گفتگو میں حضرت امیر المومنین کا ذکر آگیا۔ ہارون نے کہا کہ عوام کی ایک جماعت یہ خیال کرتی ہے کہ میں علی اور اُن کے فرزندوں

سے دشمنی رکھتا ہوں ۔ خدا کی قسم ایسا نہیں ہے مگر واقعہ یوں ہے کہ ان کی اولاد خونِ حسین کا انتقام لینے کے لیئے میرے خلاف ریشہ دوانیاں کرتی ہے اور مجھ سے حسد کرتی ہے ۔ اب میں بیان کرتا ہوں کہ میرے باپ مہدی نے اپنے باپ ابوجعفر منصور سے سنا اور انھوں نے محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں رسولؐ اللہ کی خدمت میں موجود تھا ۔ ناگاہ فاطمہ زہرا بھی آ گئیں وہ رو رہی تھیں حضورؐ نے پوچھا : فاطمہ رونے کا کیا سبب ہے ۔ عرض کی حسنؑ و حسینؑ گھر سے باہر گئے ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں ۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا : لا تبکین فداکِ اَبوکِ فانّ اللہ عزّ وجلّ خلقہما وھو ارحم بھما اللّٰھم اِن کانا اَخذا فی برٍّ فاحفظھما وان کانا اخذا فی بحرٍ فسلّمھما ۔ فاطمہ تمہارا باپ تم پر فدا ہو گریہ نہ کرو اللہ نے ان دونوں کو پیدا کیا ہے ۔ اور سب سے زیادہ وہی ان پر رحم کرنے والا ہے ۔ پروردگارا ! اگر وہ خشکی میں گئے ہیں جب بھی تو ہی ان کی حفاظت فرما اور اگر سمندر کی طرف گئے ہیں اس وقت بھی تو ہی ان کی نگہبانی فرما ۔ اسی وقت جبرئیلؑ حاضر ہوئے اور عرض کی اے احمدؐ آپ غمگین نہ ہوں آپ کے دونوں فرزند دنیا میں بھی بزرگ ہیں اور آخرت میں بھی اور ان دونوں کے والد ان سے افضل ہیں اور آپ کے وہ دونوں فرزند قبیلۂ بنو نجار میں سو رہے ہیں ۔ اللہ نے ایک عظیم فرشتہ کو ان کی حفاظت کے لئے مقرر فرما دیا ہے جو ان کی حفاظت کر رہا ہے ۔ حضورؐ انور وہاں تشریف لے گئے ۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالے ہوئے سو رہے تھے اور فرشتہ حفاظت کر رہا تھا ۔ آنحضرتؐ نے حسنؑ کو اٹھا لیا اور فرشتہ نے حسینؑ کو ۔ جو اصحاب کرام ساتھ تھے انھوں نے عرض کی ہمیں اجازت عطا ہو ہم انھیں گود میں لے لیں ۔ فرمایا نہیں میں اٹھاؤں گا ۔

پھر آپ نے لوگوں کی طرف خطاب کر کے خطبہ ارشاد کیا اور فرمایا : ایّھا الناس الا اخبرکم بخیر الناس جدًّا وجدّۃً قالوا بلٰی یا رسول اللہ قال الحسنؑ والحسینؑ جدھما رسول اللہ وجدتھما خدیجۃ بنت خویلد ——— اے لوگو ! میں تمہیں بتاؤں کہ نانی اور نانا کی نسبت سے کون سب سے بہتر ہے ۔ اصحاب کرام نے عرض کی ضرور ارشاد ہو ۔ فرمایا وہ حسنؑ حسینؑ ہیں ان کے نانا رسولؐ اللہ ہیں اور نانی خدیجۃ الکبریٰ ۔ پھر فرمایا ۔ میں تمہیں آگاہ کروں کہ ماں اور باپ کی طرف سے کون سب سے افضل ہے ۔ لوگوں نے عرض کی

جی ہاں ارشاد فرمائیے۔ فرمایا وہ یہی حسن و حسین ہیں ان کے باپ علیؑ ہیں اور ماں فاطمہ بنت محمدؐ۔

پھر فرمانے لگے کیا میں بتاؤں کہ چچا اور پھوپھی کی نسبت سے کون سب سے افضل ہے۔ لوگوں نے عرض کی ضرور ارشاد فرمائیے۔ تو حضورؐ نے فرمایا وہ یہی حسن و حسین ہیں اِن کے چچا جعفر بن ابی طالب ہیں اور پھوپھی ھانی بنت ابی طالب ہیں۔

پھر فرمایا آگاہ رہو کہ جو ان سے محبت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور وہ لوگ بھی جنتی ہیں جو اِن سے محبت رکھنے والوں سے محبت کریں گے۔

مناقب از ابن شہر آشوبؒ میں ہے: واجتمع اھل القبلۃ علی ان النبیؐ قال الحسن والحسین امامان قاما او قعدا۔ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور انورؐ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ حسن و حسین دونوں امام ہیں چاہے کھڑے ہوں یا بیٹھ جائیں (بظاہر اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہر صورت میں امام ہیں چاہے وہ گوشہ نشین ہوں یا خلافت ظاہری پر متمکن ہوں)

علامہ شیخ مفیدؒ امالی میں لکھتے ہیں۔ امام رضا نے فرمایا کہ عید کا دن نزدیک تھا حسنین کے پاس عید کا لباس موجود نہ تھا۔ حضرت فاطمہ سے شاہزادوں نے لباس کی خواہش کی سیدۂ عالم نے تسکین کے لیئے مناسب جواب دیدیا۔ جب عید کی شب آگئی تو پھر ماں سے جامۂ عید کی طلب کا اظہار کیا۔ بنت رسولؐ نے پھر تسکین کے لیئے کچھ فرمایا۔ تھوڑی دیر میں کسی نے دروازے پر آواز دی کہ میں خیاط یعنی درزی ہوں حسنین کے کپڑے لایا ہوں۔ سیدۂ عالم نے وہ کپڑے لے لیئے حسنین کو خواب سے جگایا۔ کپڑے پہنائے۔ پھر رسالت مآبؐ تشریف لائے پوچھا بیٹی خیاط کپڑے لایا۔ عرض کی جی ہاں لے آیا۔ فرمایا بنیۃ ماھو خیاط انما ھو رضوان خازن الجنۃ "بیٹی! وہ خیاط نہ تھا بلکہ رضوان تھا جو خازن جنت ہے۔

علامہ ابن شہر آشوبؒ نے مناقب میں لکھا ہے۔ کسی شخص نے کوئی جرم کیا تھا اور سزا کے خوف کی وجہ سے روپوش ہوگیا تھا پھر جب کوئی صورت بھی بچاؤ کی نہ ملی تو کسی مقام پر حسنین کو ڈھونڈ لیا اور اپنے کاندھوں پر بٹھا کر سرورؐ کائنات کی خدمت اقدس میں آگیا فقال یا رسول اللہ انی مستجیر بھما "اے اللہ کے رسولؐ میں اِن

دونوں نبی زادوں کی پناہ چاہتا ہوں۔ حضورِ انور مسکرانے لگے اور اپنا ہاتھ دہن مبارک پر رکھ لیا اور فرمایا: اِذْهَبْ فَاَنْتَ طَلِيقٌ، چلا جا اب تو آزاد ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے حضرت ابن عباس نے ایک موقع پر حسنین کی سواری کی رکاب کو تھام لیا مدرک بن ابی زیاد نے اس پر اعتراض کیا اور کہا آپ تو ان بچوں سے بزرگ ہیں پھر ان کی سواری کی رکاب کیوں تھامے ہیں! ابن عباس بولے: یا لُکَع وما تدری مَن هذان ابنا رسول الله اَوَلیس مما اَنعم الله به علیَّ اَن اُمسِکَ لهما واُسوّیَ علیهما۔ اے لئیم و بدبخت کیا تو واقف نہیں کہ یہ دونوں کون ہیں۔ یہ دونوں رسول اللہ کے فرزند ہیں۔ تو پھر یہ میرے اوپر اللہ کا احسان نہیں ہے کہ اُس نے مجھے یہ شرف دیا کہ میں اِن کی رکاب تھاموں اور انہیں سواری پر بٹھاؤں۔

عیون المحاسن میں ہے کہ حسنین کا گذر ایک بوڑھے شخص کی طرف سے ہوا جو غلط طریقہ پر وضو کر رہا تھا مگر شاہزادوں نے اس کو سختی کے ساتھ تنبیہ نہیں کی بلکہ بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ فرمایا۔ اے شیخ تم غور سے دیکھتے رہو ہم دونوں وضو کرتے ہیں۔ پھر بتانا کہ ہم میں سے کس کا وضو صحیح و درست ہے اس کے بعد دونوں بھائیوں نے وضو کیا۔ بس یہ دیکھتے ہی اس نے شاہزادوں کے قدموں کو بوسہ دیا اور عرض کی میں آپ دونوں پر فدا ہو جاؤں۔ وضو تو آپ دونوں ہی کا درست ہے۔ خود میرا ہی وضو صحیح نہ تھا اب آئندہ میں کبھی غلط طریقہ پر وضو نہیں کروں گا۔

قرآنِ حکیم اور ثبوتِ امامتِ امام حسین

ابوہریرہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ اس آیت میں "کلمۃ باقیۃ" سے کیا مراد ہے — وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورۂ زخرف آیت ۲۸) اور ابراہیم اسی چیز کو اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ حضور نے فرمایا: جعل الله الامامة فی عقب الحسین یخرج من صلب الحسین تسعة من الائمة منهم مهدی هذه الامة۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے امامت کے منصب کو حسین کی اولاد میں قرار دیا۔ حسین کے صلب سے نو امام دنیا میں آئیں گے جن میں سے آخری امام اس امت کا مہدی ہوگا۔

امامتِ امام حسین علیہ السلام پر احادیث

علامہ ابن شہر آشوب نے سلمان فارسی سے روایت کی ہے کہ امام حسین سرورِ کائنات کے زانو پر تھے اور حضورِ اقدس نواسہ کے رخساروں کے بوسے لے رہے تھے اور فرماتے تھے: انت السید ابن السید ابو السادۃ انت الامام ابن الامام ابو الائمۃ انت الحجۃ ابن الحجۃ ابو حجج تسعۃ من صلبک تاسعھم قائمھم۔ تم سردار ہو، سردار کے فرزند ہو اور سرداروں کے باپ ہو، تم امام ہو، امام کے فرزند ہو اور اماموں کے باپ ہو، تم حجت ہو، حجت کے فرزند ہو اور ۹ نو حجتوں کے باپ ہو جنھیں اللہ تمہارے صلب سے ظاہر کرے گا اور ان میں سے نواں قائم آلِ محمد ہوگا۔ کفایۃ الاثر میں حضرت زینب سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا:

دخل علیّ رسول اللہ عند ولادۃ ابنی الحسین وناولتہ ایاہ فی خرقۃ صفراء فرمی بھا واخذ خرقۃ بیضاء فلفہ فیھا ثم قال خذیہ یا فاطمۃ فانہ الامام وابو الائمۃ تسعۃ من صلبہ ائمۃ ابرار والتاسع قائمھم۔

ایک روز میرے پاس حضورِ انور تشریف لائے جبکہ میرے فرزند حسین کی ولادت ہوئی تھی تو میں نے بچہ کو زرد کپڑے میں لپیٹ کر آپ کی گود میں دیدیا مگر آنحضرتؐ نے وہ زرد کپڑا اتار دیا اور سفید کپڑا لے کر اس میں اسے لپیٹ دیا پھر فرمایا: فاطمہ اب تم اس کو لے لو۔ یہ امام ہے اور نو ۹ اماموں کا باپ ہے جو اس کے صلب سے ہوں گے اور ان میں سے نواں امام قائم ہوگا۔

پھر اسی کتاب میں سہل بن سعد انصاری سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے حضرت فاطمہ زہراؑ سے ائمہ ہدیٰ کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ میرے بابا رسول اللہ علی سے فرمایا کرتے تھے کہ تم امام ہو اور میرے بعد میرے خلیفہ ہو اور تم اہل ایمان کے لیئے ان کی اپنی جانوں سے مقدم ہو اور جب تم دنیا میں نہ رہو گے تو حسن سب سے اولیٰ اور مقدم ہوں گے پھر حسین ان کے بعد علی بن الحسین اسی طرح ان کی اولاد میں ایک کے بعد دوسرا امام ہوگا۔ آنحضرتؐ نے نام بنام تمام اماموں کا ذکر کیا اور آخر میں فرمایا کہ جب حسن عسکری بھی دنیا سے رخصت ہوں گے تو ان کے فرزند القائم المہدی ان کے بعد امام خلق ہوں گے اور تمام اہل ایمان کے لیئے ان کی جانوں سے مقدم اور اولیٰ ہوں گے۔ تمام مشارق ومغارب

زمین میں اللہ تعالیٰ انہیں فتح عطا فرمائے گا۔ پس یہی لوگ حق کے امام اور صدق کی زبان ہیں جوان کی نصرت کرے گا اللہ کی طرف سے وہ منصور ہوگا اور جو انہیں چھوڑے گا وہ نصرتِ خداوندی سے محروم رہے گا۔

کفایۃ الاثر میں ایک حدیث مذکور ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

حضرت امیرالمومنین نے فرمایا کہ میں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ کیا حضور مجھے آنے والے اماموں کے ناموں کا ذکر فرمائیں گے تو آپ نے جواب دیا۔ ہاں ضرور بیان کروں گا ــــ تم امام ہو اور میرے بعد میرے وصی ہو ــــ تم میرے بعد میرے قرضوں کو ادا کرو گے اور میرے وعدوں کو پورا کرو گے۔ تمہارے بعد حسن پھر حسین، زین العابدین، محمد باقر جعفر صادق، موسیٰ الکاظم، علی رضا، محمد الزکی، علی النقی، حسن الامین پھر القائم یکے بعد دیگرے امام ہوں گے اور قائم میرا ہمنام ہوگا اور سب سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہوگا جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جبکہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

فرائد السمطین فی فضائل المرتضیٰ والبتول والسبطین ــ میں منقول ہے کہ تیسری خلافت کے دور میں حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب مسجد نبیؐ میں تھے اور ساتھ ہی مہاجر و انصار کی ایک جماعت بھی وہاں موجود تھی۔ قریش کی فضیلت کا کچھ ذکر چلا۔ آپ خاموش تھے لوگوں نے عرض کی آپ کچھ نہیں بولتے تو آپ نے گفتگو شروع کی اور آخر میں فرمایا (ترجمہ) میں تمہیں اللہ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کیا تم نے رسول اللہؐ کو اُس آخری خطبہ میں فرماتے ہوئے نہیں سنا جس کے بعد آنحضرتؐ نے پھر کوئی خطبہ ارشاد نہیں فرمایا ــــ اے لوگو! میں تم میں دو بھاری اور عظیم الشان چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ دوسرے میری عترت یعنی میرے اہل بیت پس تم ان دونوں کا دامن تھامے رہنا پھر تم کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی خبر دی ہے کہ یہ دونوں کبھی آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہانتک کہ میرے پاس حوض کوثر تک پہنچ جائیں گے۔

اس ارشاد نبوی کو سن کر ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ کیا یہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے آپ کے تمام اہلبیت کے لیے ہے۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں! یہ سب کے لیے نہیں ہے بلکہ میرے خاص اوصیاء کے لیئے ہے۔ اُن میں سے میرے پہلے وصی، وزیر، وارث، بھائی داماد اور میرے بعد ہر مومن کے ولی، علیؑ ہیں پھر میرا فرزند حسن پھر حسین پھر اُس کی اولاد

میں سے نو اوصیاء یکے بعد دیگرے آتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ سب کے سب میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں گے۔ یہ سب اللہ کے گواہ اور اس کی مخلوق پر اس کی حجت ہیں، اُس کے علم کے مخزن اور اس کی حکمت کے معدن ہیں، جو ان کی اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو ان کی نافرمانی کرے گا وہ اللہ کا نافرمان ہوگا۔

علامہ سبط ابن جوزی نے "تذکرۃ خواص الامۃ" میں واثلہ بن الاسقع سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت فاطمہ زہرا کے دروازہ پر حاضر تھا اور دریافت کر رہا تھا کہ حضرت علی کہاں ہیں۔ جواب ملا کہ حضور انور کی خدمت میں گئے ہیں۔ میں انتظار میں بیٹھ گیا۔ ذرا دیر میں خود آنحضرت تشریف لائے۔ حضرت علی اور حسنین ساتھ تھے۔ آپ مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہ پسِ پردہ تھیں۔ میں بھی حضورؐ کے ساتھ رہا۔ میں نے دیکھا کہ رسولؐ اللہ نے اپنے نواسہ حسن کو اپنے ایک زانو پر اور حسین کو دوسرے زانو پر بٹھا لیا پھر چادر اُوڑھ لی۔ اُس چادر میں علی تھے، حسنین تھے اور جب میں ہٹ گیا تو فاطمہ زہراؑ بھی اُس چادر میں چلی گئیں اور میں نے باہر سے سُنا کہ حضورؐ فرما رہے تھے: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ الخ (اس جگہ روایت کے ترجمہ کو حالات کے مطابق کیا گیا ہے) واثلہ کہتے ہیں اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاۗءِ اَهْلُ بَیْتِیْ حَقًّا۔ پروردگارا! یہی میرے حقیقی اہلبیت ہیں۔

علامہ سبط ابن جوزی "تذکرہ" میں تفسیر ثعلبی سے نقل کر کے لکھتے ہیں۔

سُفیان ثوری اور سعید بن جبیر نے اللہ کے اس ارشاد: مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ۝ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ۝ (سورہ رحمٰن) کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ بَحْرَیْن سے علی و فاطمہ اور بَرْزَخ سے سرورِ کائنات مراد ہیں نیز لؤلؤ اور مَرجان سے حسن و حسین مقصود ہیں۔

امام حسن کی وصیت برائے امام حسین

بحار الانوار، عوالم، اعلام الوریٰ اور تمام کتب احادیث میں لکھا ہے کہ جب امام حسن کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے قنبر سے فرمایا دیکھو باہر دروازہ پر کوئی غیر شخص تو نہیں ہے جو آلِ محمدؐ میں سے نہ ہو۔ انھوں نے عرض کی اللہ، اس کا رسولؐ اور فرزند رسولؐ زیادہ بہتر جانتے ہیں مطلب یہ تھا کہ ایسا کوئی شخص موجود نہیں ہے۔

پھر فرمایا اچھا قنبر تم محمد بن علی (محمد بن حنفیہ) کے پاس جاؤ اور انھیں میرے پاس لے آؤ قنبر اُن کے پاس گئے انھیں دیکھ کر محمد نے فرمایا کیوں خیر تو ہے قنبر تم اس وقت کیسے آئے ہو

انھوں نے کہا آپ کو امام حسن یاد کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ بے انتہا عجلت کے ساتھ
گھر سے روانہ ہو گئے کہ جوتیوں کی ڈوریاں بھی نہ باندھ سکے بلکہ میرے ساتھ دوڑتے ہوئے
امام حسن کی قیامگاہ کی طرف جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کی خدمت میں پہنچے اور سلام
عرض کیا آپ نے جوابِ سلام کے بعد فرمایا کہ محمد بیٹھ جاؤ۔ تمہارے لئے مناسب ہے
کہ تم ایسے کلام کو سننے کے وقت غیر حاضر نہ رہو جس سے مُردوں کو زندگی مل جاتی ہے اور
زندہ لوگ مَر جاتے ہیں۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ تمہارے سینے علمی جواہر کے لئے
مخزن بنیں اور تم تاریکیوں کے لیے چراغ بن جاؤ بیشک روشن تو پورا دن ہی ہوتا ہے
مگر اُس کی روشنی کے بعض حصے دوسرے حصوں سے زیادہ روشن و منوّر ہوا کرتے ہیں
کیا تم اِس بات سے واقف نہیں ہو کہ اللہ عزّوجلّ نے اولادِ ابراہیم کو امامت عطا فرمائی
مگر سب کو برابر نہیں قرار دیا بلکہ ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی چنانچہ اس
نے حضرت داؤد کو زبور عطا فرمائی اور تم ضرور جانتے ہو کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ و
سلّم کو کن فضیلتوں کی وجہ سے منتخب فرمایا ہاں اے محمد بن علی مجھے اس کا کوئی خوف
نہیں ہے کہ تمہارے دل میں حسد پیدا ہوگا کیونکہ حسد تو مومن کے دل میں ہوتا ہی
نہیں بلکہ یہ کافروں کی صفت ہے چنانچہ اللہ عزّوجلّ نے فرمایا ہے: كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ
عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (سورۂ بقرہ آیت ۱۰۹) (اے مسلمانو اہلِ کتاب
میں سے اکثر لوگ اپنے دلی حسد کی وجہ سے اس کی خواہش رکھتے ہیں کہ تم کو ایمان لانے
کے بعد پھر کافر بنا دیں حالانکہ حق اُن پر ظاہر ہو چکا ہے۔) اور اے محمد بن علی اللہ نے
ابلیس لعیں کو تم پر کوئی اقتدار نہیں دیا ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کر سکے۔ کیا تمھیں بتاؤں کہ میرے
اور تمہارے والدِ محترم حضرت امیر المومنین نے تمہارے بارے میں کیا فرمایا تھا۔ محمد بن حنفیہ
نے عرض کی ضرور ارشاد فرمایئے۔ امام حسن نے فرمایا کہ جنگِ جمل میں میں نے خود اُنھیں یہ فرماتے
ہوئے سنا تھا کہ جو شخص اِس بات کو دوست رکھتا ہو کہ وہ میرے (یعنی حضرت امیر المومنین کے)
ساتھ دنیا و آخرت میں بھلائی کرے تو اُسے چاہیئے کہ وہ محمد بن حنفیہ کے ساتھ بھلائی کرے۔
اے محمد بن علی اگر تم کہو تو میں تمھیں اُس وقت کی اُن تمام باتوں کی خبر دیدوں جب تم
صُلبِ پدر میں تھے کیونکہ میں اُن تمام حالات و واقعات سے واقف ہوں۔ اے محمد بن علی
تم اِس بات کو ضرور جانتے ہو کہ میرے بھائی حسین میری وفات کے بعد امام زمانہ ہوں گے

اور اللہ کی تمام پچھلی کتابوں میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ یہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی میراث ہے جسے حسین نے اپنے والدین کی میراث کیساتھ پایا ہے۔ اللہ عزّ وجل جانتا ہے کہ تم سب اس کی مخلوقات میں سب سے افضل ہو اس کے بعد اس نے تمہارے خاندان یعنی بنو ہاشم سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت کے لئے منتخب فرمایا پھر بحکم خدا پیغمبرؐ نے امیر المؤمنینؑ کا انتخاب کیا اور اسی طرح امامت کے منصب کے لئے امیر المؤمنین نے حکم الٰہی کے مطابق مجھے منتخب کیا اور میں نے اسی حکم خداوندی کے مطابق اپنے بعد امامت خلق کے لئے حسین کو منتخب کیا ہے۔ یہ سن کر محمد بن علی (محمد بن حنفیہ) نے عرض کی: حضور میرے امام ہیں اور آپ کی ذات میرا رسول اللہ تک رسائی حاصل کرنے میں وسیلہ ہے۔ میری تو یہ دلی خواہش ہے کہ حضورؑ کا یہ کلام سننے سے قبل مجھے موت آجاتی۔ آپ کی فضیلت میں مجھے ان چیزوں کا علم ہے جن کا اظہار میری قوتِ گویائی سے باہر ہے اور وہ ایسی حقیقتیں ہیں جو شکوک اور شبہات کے تھپیڑوں سے متاثر نہیں ہوتیں وہ ایک ایسی روشن اور واضح کتاب ہے جو نقش و نگار معرفت سے آراستہ اوراق پر تحریر ہے اور جب میں ارادہ کرتا ہوں کہ اس میں سے ایک لفظ کو بھی ظاہر کروں تو میں دیکھتا ہوں کہ وہ تو پہلے سے اللہ کی کتاب میں موجود ہے اور پچھلے پیغمبروں کی زبانوں پر جاری ہے۔ یقیناً وہ ایسا کلام ہے جسکے اظہار سے بولنے والوں کی زبانیں عاجز ہیں اور جسے لکھنے سے لکھنے والوں کے ہاتھ شل ہوجاتے ہیں مگر اس کے باوجود آپ کی فضیلتوں کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اللہ عمل نیک کرنے والوں کو جزا اعطا فرماتا ہے۔

اس کے بعد محمد بن حنفیہ نے عرض کی۔ بیشک ہمارے بھائی حسین آپ کے بعد ہم سب میں علم و حلم کے اعتبار سے بڑی فضیلت رکھتے ہیں اور ہم سب سے ہر طرح افضل ہیں۔ اور باعتبارِ قرابت رسول اللہ سے ہم سب سے زیادہ نزدیک تر ہیں۔ بیشک وہ اس وقت عالمِ نور میں فقیہ اور امام تھے جبکہ وہ اِس عالم مادی میں پیدا بھی نہ ہوئے تھے اور اِس سے پیشتر کہ وہ اِس دنیا میں پیدائش کے بعد اپنی زبان سے کلام کریں، وحیِ الٰہی کے عالِم تھے۔ اگر خدا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور شخص میں وہ صفات پاتا جو خود ان میں تھے تو پھر وہ انھیں کیوں منتخب فرماتا اور جبکہ خدا نے انھیں منتخب فرمایا

اور انھوں نے بحکم خدا امامت کے لیے علی کا انتخاب فرمایا اور انھوں نے حضور کا انتخاب فرمایا اور آپ نے اپنے بعد امامت خلق کے لیے بھائی حسین کو منتخب فرمایا تو ہم بالکل اس فیصلۂ خداوندی پر راضی اور خوش ہیں۔ یقیناً آپ کے بعد اُن کے علاوہ مشکلات میں ہمارا سہارا اور کون ہے۔

معتبر روایات سے ثابت ہے کہ وقتِ وفات حضرت امیر المومنین نے امام حسن سے فرمایا تھا۔۔ اے فرزند مجھے رسول اللہؐ نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اپنا وصی و جانشین بناؤں اور اپنے تمام تبرکات صحیفے اور اسلحہ تمہارے سپرد کر دوں جس طرح خود رسول اللہؐ نے مجھے اپنا وصی مقرر کرتے وقت یہی کیا تھا اور انھوں نے مجھے یہ بھی حکم دیا تھا کہ میں تم کو حکم دوں کہ جب تمہاری وفات کا وقت آجائے تو تم اپنا وصی و جانشین حسین کو بناؤ اور تمام تبرکات اُن کے سپرد کر دو۔

پھر آپ نے امام حسین کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ میں تم کو بھی یہ حکم دیتا ہوں کہ تم اپنا وصی و جانشین علی بن الحسین کو بنانا اور میرا حکم اُن کے لیے بھی یہی ہے کہ وہ اپنا وصی محمد بن علی (محمد باقر) کو بنائیں اور انھیں رسول اللہ کا اور میرا سلام پہنچا دیں۔

امام حسین کی امامت و نیابت کے متعلق امام حسن نے ۲۸ صفر سنہ ۵۰ھ کو وصیت فرمائی تھی اور امام حسین کی امامت کا اقرار محمد بن حنفیہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر اور تمام بزرگانِ بنی ہاشم نے کیا تھا

معاویہ بن ابی سفیان کے مختصر حالات

امام حسن جب تک زندہ رہے معاویہ آپ کے خوف سے شیعیان علی کے درپے آزار نہیں رہتے تھے لوگوں نے بڑی کوشش کی کہ امام حسن معاویہ سے جنگ چھیڑ دیں مگر آپ مصلحت کی بنا پر خاموش تھے۔

امام حسن کی صلح درحقیقت ویسی ہی صلح تھی جس طرح اسلامی مصلحتوں کے پیشِ نظر خود رسول اللہ نے ۶ھ میں اہل مکہ سے حدیبیہ میں صلح کی تھی۔ امام حسن کی صلح کا ذکر سرورِ کائنات اپنی حیات ہی میں کر چکے تھے اور یہ بھی سب کو بتا چکے تھے

کہ یہ صلح حکمِ خدا کے مطابق ہوگی ۔ چنانچہ حسبِ ذیل حوالوں سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے ۔

بخاری بابُ المناقب میں نُفَیع بن حارث ثقفی (ابوبکرہ) سے روایت ہے قال سمعتُ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم علی المنبر والحسن الی جنبہ ینظر الی الناس مرّۃً والیہ مرّۃ ویقول اِبنی ھٰذا سیدٌ ولعلّ اللّٰہ اَن یُصلح بہ بین فئتین من المسلمین ۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور انور کو منبر پر فرماتے ہوئے خود سنا تھا جبکہ حسن آپ کے پہلو میں منبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضور کبھی مجمع کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی اپنے نواسہ کی طرف دیکھتے تھے ۔۔ یہ میرا فرزند سردار ہے اللہ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا ۔ (بخاری ج اول، ص ۵۳۰)

(اس جگہ بخاری کے حاشیہ پر تحریر ہے کہ حضرت امام حسن نے یہ صلح محض اپنے جد کی امت کی خاطر منظور فرمائی تھی تاکہ وہ تباہی میں مبتلا نہ ہو ۔ یہ اس وجہ سے نہ تھی کہ آپ کمزور تھے اور آپ کا کوئی مددگار نہ تھا کیونکہ آپ کے پاس چالیس ہزار جنگجو سپاہیوں کی فوج موجود تھی جس نے آپ کے حکم پر شہید ہو جانے اور جان دینے کے لئے بیعت کی تھی ۔ آپ نے دنیوی حکومت و اقتدار کو صرف اللہ کے لئے اور امتِ اسلامیہ سے محبت کے جذبہ میں ترک فرمایا تھا)

اس کے ساتھ ہی یہ بھی سب جانتے ہیں کہ معاویہ ایک دن بھی اس صلح پر قائم نہیں رہے ۔

جامع ترمذی بابُ المناقب میں بھی اسی طرح کی روایت ابوبکرہ سے منقول ہے مگر اس میں صرف "فئتین" ہے "من المسلمین" اور "لعلّ" کے الفاظ نہیں ہیں :-

عن ابی بکرۃ قال صعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المنبر فقال اِنّ ابنی ھٰذا سیدٌ یُصلح اللّٰہ علیٰ یدیہ بین فئتین ، ھٰذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ قال یعنی الحسن بن علیٍ ۔

ابوبکرہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا یہ میرا فرزند

؎ ابوبکرہ کنیت ہے ، ان کا اصلی نام نُفیع بن مسروح یا نُفیع بن حارث ہے ۔ حارث بن کلدۃ ثقفی کی کنیز سُمَیّہ ان کی ماں تھیں ان کے اصلی باپ کا نام محقق نہیں ہے زیاد بن ابیہ کی ماں

سردار ہے۔ اللہ اس کے ہاتھوں پر دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوبکرۃ نے کہا کہ فرزند سے مراد یہاں حسن بن علیؑ ہیں۔

اس کے بعد اب ہم سنہ ۵۰ھ سے معاویہ کے مختصر حالات لکھتے ہیں:-

سنہ ۵۰ ہجری میں حضرت امام حسن کی شہادت کے بعد معاویہ اور اُن کے فرزند یزید نے مکہ کا سفر کیا تھا۔ جب معاویہ مدینہ میں وارد ہوئے تو چاہتے تھے کہ ان کا بڑا زبردست استقبال کیا جائے مگر انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ استقبال کرنے والے زیادہ تر قریشی تھے اور انصار میں سے بہت ہی تھوڑے لوگوں نے اُن کے استقبال میں شرکت کی۔ یہ دیکھ کر انھیں بڑی بے چینی تھی اس لیے انھوں نے لوگوں سے اس کا سبب معلوم کرنے کی کوشش شروع کر دی کہ انصار کو اُن سے کیا شکایت ہے۔ لوگوں نے اُنھیں بتایا کہ وہ سب غریب لوگ ہیں۔ اُن کے پاس سواریاں نہیں ہیں کہ وہ استقبال میں شرکت کر سکتے۔ اس پر معاویہ نے طنز سے کہا کہ انصار کے آب بردار اونٹ کہاں گئے جن پر وہ پانی لاد کر اِدھر اُدھر لیجایا کرتے تھے اس طرح معاویہ نے انصار کی تحقیر کرنا چاہی کہ وہ صرف مزدور اور افلاس و تنگدستی میں مبتلا ہیں اور صاحبِ عزت لوگوں میں اُن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ معاویہ کے یہ الفاظ قیس بن سعد بن

یہی سُمَیَّہ تھی۔ یہ زیاد وہی ہے جس کا بدنام بیٹا عبیداللہ وقتِ شہادتِ فرزندِ رسولؐ امام حسین، حاکم کوفہ تھا اور جس نے توہینِ آلِ محمدؐ کی کوئی حد باقی نہ رکھی تھی۔ ان کو حضرت عائشہ اسی بنا پر زیاد بن ابیہ کہتی تھیں مگر بعد میں معاویہ نے زیاد کو اپنی سیاسی مصلحت کے پیشِ نظر ابوسفیان کا فرزند اور اپنا بھائی سرکاری طور پر تسلیم کر لیا تھا جس پر خود ابوبکرۃ کو بھی شدید حیرت تھی اور انھوں نے مرتے دم تک پھر زیاد سے بات چیت نہیں کی۔ بَکْرَہ گراری اور چھوٹی چرخی کو کہتے ہیں چونکہ سنہ ۸ھ میں جنگ طائف کے موقع پر لشکرِ اسلام کے محاصرہ کے وقت نُفَیع بن مَسْرُوح ایک رسّی اور چرخی کے ذریعہ چپکے سے محصور قلعہ سے نکل کر لشکرِ اسلام میں چلے آئے تھے اور حضورِ انورؐ کی خدمت میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے اس وجہ سے آنحضرتؐ نے انھیں اسی مناسبت سے "ابوبَکْرَۃ" کی کنیت سے ہمیشہ یاد فرمایا اور پھر یہ اسی کے ساتھ مشہور ہو گئے۔ (ماخوذ از استیعاب لابن عبدالبرّ القرطبی، بابُ الکُنیٰ)

عُبادہ رئیس انصار کو بُرے معلوم ہوئے ۔ انھوں نے اس کا جواب یہ دیا۔
انفنوھا یوم بدر و احد و ما بعدھما من مشاھد رسول اللہ حین ضربوک و اباک علی الاسلام حتی ظھر امر اللہ و انتم کارھون ۔

انصار نے اپنے آپ کش اونٹ غزوۂ بدر و اُحد اور رسول اللہ کے ہمراہ بعد کی دوسری جنگوں میں فنا کر ڈالے جن میں انھوں نے تیرے (معاویہ کے) اور تیرے باپ (ابوسفیان) پر ضربیں لگائی تھیں اور تیرے لشکر کے مقابلہ میں اسلام کی حمایت و نصرت کی تھی یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب ہوگیا جبکہ تم لوگ اس سے کراہت کرتے تھے ۔"

معاویہ یہ سخت جواب سن کر چپ ہوگئے ۔ قیس نے پھر کہا " ہم سے رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد تم پر ایسے لوگ بھی حکومت کریں گے جو تم پر دوسروں کو فضیلت دیں گے ۔ یہ سن کر معاویہ بولے کہ پھر ایسے حال میں رسول اللہ نے تمھیں کیا حکم دیا تھا ۔ قیس نے کہا کہ انھوں نے فرمایا تھا کہ تم اس وقت صبر سے کام لینا یہاں تک کہ تم میرے پاس آجاؤ ۔ اس پر معاویہ نے کہا کہ پھر تم اس حکم پر عمل کرتے رہو ۔ کچھ مزید گفتگو کے بعد معاویہ کہنے لگے کہ رسولِ خدا خود بھی تو قریش ہی سے تھے پھر انصار کو قریش پر کیسے فضیلت ہوسکتی ہے ۔ تم سب تو ہمارے تابع ہو اور تمھیں ہماری وجہ سے ہدایت حاصل ہوئی ہے ۔ قیس نے جواب دیا کہ قریش نے تو حضور کو ہلاک کرنے اور تکلیف پہنچانے کی کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی تھی اور تم بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے ۔ پھر تمھیں کیا فخر حاصل ہے ۔ وہ قریش ہی تو تھے جو شبِ ہجرت آنحضرت کو شہید کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے ۔ غرض معاویہ اور قیس بن سعد بن عُبادہ میں دیر تک بحث ہوتی رہی ۔

اس کے بعد ایک دن اسی قسم کی بحث معاویہ اور عبد اللہ بن عباس میں بھی ہوئی ۔ قیس اور عبد اللہ بن عباس کی معاویہ کے ساتھ بحث و گفتگو میں خاص طور پر حضرت علی کا بار بار نام آتا رہا اور معاویہ کے برخلاف یہ لوگ آپ کی مدح و ثنا کرتے رہے ۔ اس کے بعد ہی معاویہ نے مدینہ میں اعلان کرا دیا کہ جو شخص بھی فضیلتِ علی میں کوئی حدیث بیان کرے گا اُس کے لیے اُن کے پاس جان و مال کی کوئی ذمہ داری

اور امان نہیں ہے۔ پھر معاویہ مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔
اسی ۵۰ ہجری میں حضرت اُمّ المومنین جُویریہ کی وفات ہوئی تھی مگر علامہ یافعی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اُن کی وفات ۵۶ ہجری میں ہوئی تھی۔ یہی الاعلام ج ۱ ص ۱۴۶ میں ہے۔
۵۱ ہجری۔ اس سال معاویہ نے اپنے نمائندے پوری مملکت میں روانہ کردیے اور اہلبیت کے خلاف پبلسٹی پر بیشمار دولت صرف کی اور انھیں بدنام کرنے کی جو جو صورتیں ممکن تھیں وہ سب اختیار کیں۔ یہانتک کہ منبروں پر حضرت علی کی شان میں لعن، سب وشتم اور ہر طرح کی گستاخیوں کو رواج دیا گیا۔ (یہ سلسلہ ہم لسان الملک سپہر کاشانی کی مشہور کتاب ناسخ التواریخ کی جلد ششم سے پیش کر رہے ہیں مولف)
مورّخ سپہر کاشانی لکھتے ہیں:۔ سُلیم بن قیس ہلالی نے اپنی کتاب حدیث میں ابان بن ابی عیّاش کے حوالہ سے لکھا ہے۔ معاویہ نے ایک روز شام کے کچھ سر برآوردہ اہلِ علم کو طلب کیا اور انھیں اس بات پر مامور کیا کہ وہ مملکت کے تمام مقامات پر جائیں اور ان کے مشن کی ترویج کریں۔ انھوں نے ان لوگوں کو کثیر مال و دولت سے نوازا۔
پھر لکھتے ہیں ابان نے کہا: مجھے اپنے ایک دوست کے ذریعہ سے جو زیاد بن ابیہ (جو بعد میں بحکمِ معاویہ زیاد بن ابی سفیان کے نام سے مشہور ہوا) کے پاس ملازم تھا معاویہ کا ایک خط ملا جو زیاد کے خط کے جواب میں تھا۔ اس میں لکھا تھا۔ اے زیاد تم نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ تمام عربوں میں کون سب سے بہتر اور سب سے زیادہ قابل عزت ہے اور کون سب سے زیادہ قابل نفرت ہے۔

بھائی! میں عرب قوم کو سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ اہل یمن کو غور سے دیکھو۔ اُن کے ساتھ ظاہر میں خوب احسانات کرنا لیکن زیرِ پردہ اُن کے استیصال کی کوشش جاری رکھنا۔ اجتماعات میں ان کی عزت کرنا اور تخلیے میں توہین و تحقیر کرنا۔ اور جو کچھ تم دوسروں کے ساتھ جود و سخاوت سے کام لو وہ ہمیشہ اہل یمن سے پوشیدہ رکھنا۔
قبیلۂ ربیعہ بن نزار سے غافل نہ رہنا۔ اُن کے رئیسوں کی پوری مدد کرنا مگر ان کے عوام کی کوئی امداد نہ کرنا کیونکہ جدھر ان کے سردار ہوں گے اُدھر وہ بھی ہوں گے اور کسی حالت میں بھی وہ اُن سے الگ نہیں ہوسکتے۔ قبیلہ مُضَر کے متعلق بھی پوری توجہ رکھنا اور یہ کوشش جاری رکھنا کہ وہ کبھی آپس میں متفق و متحد نہ ہوسکیں۔ ان لوگوں میں

سُلیم بن قیس کے حالات دیکھو روضات الجنات ص ۳۱۶ پر ۱۲

غرور و نخوت کا مرض پھیلا ہوا ہے۔ ان کی باتوں میں کبھی نہ آنا اور جب تک تمھیں ان کی کسی بات کا پورا اور کامل یقین نہ ہو جائے محض اپنی ہی رائے پر عمل کرتے رہنا، غلاموں اور عجمی لوگوں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا جیسا اس سے پہلے ہوتا رہا ہے۔ انھیں بیٹیاں نہیں دی جاتی تھیں مگر ان کی بیٹیاں لے لی جاتی ہیں۔ اسی طرح عرب ان کا ترکہ حاصل کرتے تھے مگر یہ لوگ عربوں کے ترکہ سے محروم رکھے جاتے تھے غرض ہر نوع سے عربوں کے مقابلہ میں ان کا درجہ کم رکھا گیا تھا۔ میدانِ جنگ میں انھیں ہمیشہ آگے رکھا کرو تاکہ یہی لوگ پہلے لقمۂ اجل بنتے رہیں۔ نمازِ جماعت میں کبھی کوئی عجمی عربوں کی امامت نہ کرے اور جماعت کی نماز میں اگلی صفوں میں بھی یہ لوگ نہ کھڑے ہوں نیز سرحدی مقامات پر انھیں کبھی کوئی حکومت اور ذمہ دارانہ منصب نہ دیا جائے۔ مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ بھی ان سے نہ کرایا جائے۔ اس کے بعد لکھا تھا کہ اگر اسی قسم کی مناسب صورتیں نہ ہوتیں تو ہم ہمیشہ دوسروں کے اقتدار کے تحت رہتے اور یہ کہ اقتدار ہمارے مخالفوں کی نسل سے کبھی باہر نہ نکل سکتا۔ اے زیاد میرے اس خط کو دیکھتے ہی فوراً اس کے مضمون پر عمل شروع کر دینا اللہ کی قسم تم میرے باپ ابوسفیان کے فرزند ہو اور اُن کے صُلب سے پیدا ہوئے ہو۔

ایک زمانہ وہ بھی تھا جب تم والیِ بصرہ ابوموسیٰ اَشعری کے کاتب تھے اور سمجھتے تھے کہ تم بنی ثقیف کے ایک غلام کے فرزند ہو اور اگر تم اُس وقت اس بات سے واقف ہوتے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ تم ابوسفیان کے صُلبی بیٹے ہو تو تم ہرگز ابوموسیٰ جیسے شخص کے لیے کاتب ہونا پسند نہ کرتے۔

پھر لکھا تھا کہ تم اور ہم سب جانتے ہیں کہ ابوسفیان اُمیہ بن عبدشمس کے نقشِ قدم پر گامزن تھے۔ نیز ابن ابی المُعَیط نے مجھ سے بیان کیا کہ تم نے اس سے یہ بات کہی تھی کہ ابوموسیٰ اشعری کے نام ایک خاص شخص کا خط تم نے پڑھا تھا جس میں لکھا تھا کہ خاص اہلِ بصرہ کو چھوڑ دو اور مَوالی یعنی غلاموں اور اُن کی اولاد کو نیز اُن عجمی لوگوں کو جن کا قد پانچ بالشت کا ہو گیا ہو قتل کر دو۔ ابوموسیٰ نے تم سے اس معاملہ میں مشورہ کیا۔ تم نے اسے رائے دی کہ وہ ایسا ہرگز نہ کرے اور اُس نے تمھاری رائے کو مان لیا۔ اس کے بعد خط میں لکھا تھا کہ بہرحال تم نے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی کیا وہ محض اس وجہ

سے تھا کہ تمھیں غلاموں کی صنف کے ساتھ گہری ہمدردی تھی اور تم سمجھ رہے تھے کہ تم خود بھی بنو ثقیف کے ایک غلام کے لڑکے ہو۔ غرض تم نے اس قتل عام کو رکوا دیا اور ابو موسیٰ وغیرہ کو یہ بات پوری طرح سمجھا دی کہ اگر ایسا کیا گیا تو اس سے مملکت میں سخت انتشار پیدا ہوگا اور علی بن ابی طالب کے ساتھیوں میں اضافہ ہو جائے گا اور وہ عجمیوں کے جس غلبہ کی پیشین گوئی کر چکے ہیں وہ صحیح ثابت ہو جائے گی۔

اس کے بعد لکھا گیا تھا کہ تم نے اے زیاد مجھے اب یہ لکھا ہے کہ موالی اور عجموں کے قتلِ عام کو تم نے محض اس جذبۂ ہمدردی کی وجہ سے روکا تھا جو تمہارے دل میں ان لوگوں کے لیئے موجزن تھا اور تم نے یہ بھی لکھا ہے کہ تم علی بن ابی طالب کی کسی دھمکی اور پیشین گوئی سے مرعوب نہیں ہوئے تھے اور تم نے اس کا بھی اقرار کیا ہے کہ ابو موسیٰ سے متعلق اس خط کا تم نے خود علی سے تذکرہ بھی کیا تھا تو اس پر انھوں نے اس کی بھی پیشین گوئی کی تھی کہ آئندہ زمانہ میں خراسان کی طرف سے ایک فوج ظاہر ہوگی جس کے سیاہ علم ہوں گے اور وہ سب عجمی ہوں گے اور وہ بنی امیہّ کو ہر جگہ اور ہر موقع پر شکست دیں گے۔ اے میرے بھائی تم یا زیاد یہ تمہاری بہت بڑی غلطی تھی کہ تم نے اس خطرے کو محسوس نہ کیا اگر ابو موسیٰ ان لوگوں کا قصّہ پاک کر دیتے تو یہ خطرہ ہمیشہ کے لیئے فنا ہو جاتا اور کسی قسم کا خلفشار باقی نہ رہتا غرض اس خط میں اسی قسم کی باتیں لکھی ہوئی تھیں۔

معاویہ نے اسی قسم کے خطوط اپنے تمام گورنروں کو لکھے تھے اور انھیں ہدایت کی تھی کہ وہ محبانِ علی کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کریں اور اُن کے استیصال کی بھرپور سعی جاری رکھیں۔ اس کے نتیجہ میں پوری مملکت میں مساجد کے منبروں پر حضرت علی پر کھلے لفظوں میں لعنت کرائی جاتی تھی۔ جھوٹی اور وضعی حدیثیں آزادی کے ساتھ بیان ہو رہی تھیں۔ تقریباً نصف صدی تک یہی حالت رہی۔ حضرت علی اور اہلبیت رسولؐ سے محبت رکھنے والے جان و مال کے خوف سے پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپتے پھرتے تھے اسی سلسلہ میں صاحب ناسخ التواریخ نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص حجاج بن یوسف کے پاس روتا ہوا آیا اور کہنے لگا اے امیر میرے ماں باپ نے مجھے عاق کر کے گھر سے نکال دیا ہے اور مجھے اس قدر ذلیل و خوار کر دیا ہے کہ

میرا نام "علی" رکھا ہے اور اسی نام سے مجھے پکارتے ہیں۔ میں بے حد غریب ہوں اور امیر کی طرف سے امداد و اعانت کا محتاج ہوں۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اُس دور میں آپس کی تفرقہ پردازی اور نفرت انگیزی کس حد پر تھی۔ عہدِ معاویہ میں زیاد کے پاس کوفہ اور بصرہ دونوں کی حکومت تھی اور وہ چونکہ پہلے حضرت علی کے ساتھ رہ چکا تھا اور اُن کی جانب سے فارس (ایران) کا گورنر تھا اس وجہ سے اُسے اُن کے ساتھیوں اور عقیدتمندوں کے تمام مقامات رہائش اور مرکزوں کا پوری طرح علم تھا اس لئے اس نے معاویہ کے ساتھ وابستگی کے بعد ان لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور جو لوگ اُس کے ظلم و ستم سے بچ سکے وہ پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ گئے تھے۔ اسی ۵۱ھ ہجری میں عمرو بن الحمِقؒ کی وفات ہوئی تھی۔ اِن کا شمار حضرت علی کے مخصوص اصحاب اور مخلص ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ آپ کے بعد پھر یہ امام حسن کے ساتھ رہے تھے۔ عہدِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مدینہ جاکر اسلام قبول کیا تھا اس کے بعد حکمِ رسولؐ کے مطابق اپنے وطن واپس چلے گئے پھر حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں اُن کے ساتھ رہے تھے۔

آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم قبیلہ اَزد میں رہائش اختیار کرو مصیبت کے وقت یہ قبیلہ تمہاری مدد کرے گا یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب تم کوفہ سے نکلو گے اور قلعۂ مُوصِل کی طرف رُخ کرو گے اور ایک اپاہج آدمی کی طرف سے تمہارا گذر ہوگا۔ تم اُس سے پانی طلب کرو گے۔ وہ تم کو پانی پلائیگا پھر وہ تمہارا حال دریافت کریگا۔ تم سب کچھ اُسے بتا دینا اور اسلام اختیار کرنے کی دعوت دینا تو وہ مسلمان ہو جائیگا۔ جب وہ اسلام لے آئے تو تم اس کی ٹانگوں پر ہاتھ پھیر دینا وہ بالکل تندرست ہو جائیگا اور آزادی کے ساتھ چلنے پھرنے لگے گا۔ یہ کرامت دیکھ کر وہ تمہارے ساتھ ہو جائے گا۔ جب تم اور آگے بڑھو گے تو ایک اندھے شخص کی طرف سے تمہارا گذر ہوگا تم اُس سے بھی پانی مانگو گے۔ وہ بھی تمہیں پانی پلائے گا۔ تم اُسے بھی اسلام کی دعوت دینا وہ بھی مسلمان ہو جائے گا۔ پھر جب تم اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرو گے تو وہ دیکھنے لگے گا وہ دونوں تمہاری ہر معاملہ میں مدد کریں گے۔ اس کے بعد جب تمہارے دشمنوں کا لشکر

تمہاری تلاش میں آئے تو تم اپنے گھوڑے کو چھوڑ دینا اور پیادہ ہو کر کسی غار میں روپوش ہو جانا مگر آخر میں نتیجہ موت ہے اور تمہارے خون میں جنوں اور انسانوں کے فاسق لوگ شریک ہوں گے۔

کوفہ جس زمانہ میں زیاد کی گورنری میں شامل تھا تو عمرو بن الحمق کوفہ ہی میں تھے۔ عمارہ بن عقبہ بن ابی معیط نے زیاد کو اس کی اطلاع دیدی کہ عمرو کا گھر محبان علی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس نے یہ خبر سن کر انھیں سخت تنبیہ کی تو یہ کوفہ سے باہر چلے گئے اور شہر زور کا علاقہ جو موصل کے نزدیک اور اس کی انتظامیہ کے تحت تھا وہاں چلے گئے معاویہ کو جب اس کی خبر پہنچی تو وہ بہت خوش ہوئے اور عمرو بن الحمق کو یہ خط لکھا:

خدا نے فساد کے شعلوں کو بجھا دیا ہے اور پرہیزگاروں کو امن وامان ملی ہے۔ تم اے عمرو بن الحمق اپنے ہمسروں سے زیادہ بلند ہمتی کے مالک نہیں ہو اور برائی میں بھی ان سے آگے نہیں ہو سکتے۔ پھر وہ لوگ بھی سیدھے راستہ پر آچکے ہیں اور سب نے میری اطاعت قبول کر لی ہے لیکن تم سب سے پیچھے رہ گئے اس لیئے فوراً میری اطاعت قبول کرو تاکہ تمہارے گناہ معاف ہو جائیں اور تمہاری سب نیکیاں زندہ کر دی جائیں امید تو یہی ہے کہ میرے احسانات تم پر اس شخص سے کم نہ ہوں گے جو مجھ سے پہلے تھا —— اگر تم نیکی چاہتے ہو اور اپنے نفس کو بچانا چاہتے ہو تو فوراً میرے پاس آجاؤ خدا اور اس کے رسول کی امان تمہارے لیئے حاصل رہے گی۔ اور تم حاسدوں کے حسد اور کینہ رکھنے والوں کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ پاؤ گے اور خدا اس بات پر پوری طرح گواہ ہے۔

عمرو نے اس خط کو کوئی اہمیت نہ دی اور اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دو آدمی جن کو ان کے ہاتھوں شفا حاصل ہوئی تھی ان کی حفاظت کیا کرتے تھے اور صحرا میں ایک ٹیلے پر چڑھ کر چاروں طرف دیکھتے رہتے تھے کہ کوئی ان کی طلب میں آتو نہیں رہا ہے۔ کچھ روز کے بعد معاویہ نے ان کی تلاش میں چند سوار روانہ کیئے۔ ان دونوں آدمیوں نے انھیں سواروں کے آنے کی خبر پہنچائی تو انھوں نے حضرت علی کے ارشاد کے مطابق اپنے گھوڑے کو چھوڑ دیا اور ایک غار میں چھپ گئے وہاں ایک انتہائی خطرناک کالا سانپ موجود تھا جس نے انھیں ڈس لیا اور یہ فوراً ختم ہو گئے۔ اُدھر سوار بھی پہنچ گئے۔

دیکھا تو ان کا گھوڑا موجود تھا۔ اس سے وہ سمجھ گئے کہ عمرو بھی یہیں کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ تلاش کے بعد دیکھا تو غار کے اندر مردہ پڑے تھے۔

جب اِن کی لاش کو اُٹھانے کی کوشش کی گئی تو جس عضو کو چھوا جاتا تھا وہ ہاتھ میں آجاتا تھا کیونکہ سانپ کا زہر بے حد سخت تھا۔ آخر ان کا سر کاٹ لیا گیا اور معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ وہ سانپ حضرت امیر المؤمنین کے قول کے مطابق فاسق جنوں میں سے تھا اور سانپ کی صورت اختیار کئے ہوئے تھا۔

عَمرو بن الحمق کا سَرِ اسلام کی تاریخ میں ایک مسلمان کا پہلا سر تھا جو ایک شہر سے دوسرے شہر روانہ کیا گیا۔ امیرِ شام نے اس سر کو عَمرو کی زوجہ کے پاس بھیج دیا۔ سر کو لے کر اُن کی زوجہ نے قاصد سے کہا: سَتَرتُمُوہُ عَنّی طویلًا وَاَھدَیتُمُوہُ اِلَیَّ قتیلًا فاھلًا وسھلًا من ھدیۃٍ غیر قالیۃ ولا مقلیۃ بلّغ عنی معاویۃ ما اقول طلب اللہ بدمہ وعجّل لہُ الوَیلُ مِن نقمتہٖ فقد اتی امرًا فریًّا وقتل بارًّا تقیًّا۔ تم لوگوں نے عمرو کو عرصہ دراز تک پوشیدہ رہنے پر مجبور کیا اور اب تم نے اس کے سر کو میرے پاس بھیجا ہے تو میں اس ہدیہ کا دل سے پورے احترام کے ساتھ استقبال کرتی ہوں جس کے دل میں نہ کسی کی دشمنی تھی اور نہ کوئی دوسرا شخص اس کی ذات سے عداوت و دشمنی کا جواز رکھتا تھا۔ اے قاصد معاویہ سے کہدینا کہ اللہ عَمرو بن حَمِق کے خون کا انتقام لے گا اور قاتل پر عذاب کرنے میں جلدی کرے گا۔ اُن سے کہنا کہ انھوں نے عَمرو کے بارے میں بڑا حیرت انگیز اقدام کیا اور اُنھوں نے ایک ایسے شخص کے قتل کی کوشش کی جو نیک اور پرہیزگار تھا۔

قاصد نے یہ سب باتیں امیرِ شام سے کہدیں تو انھوں نے عَمرو کی زوجہ کو طلب کیا اور دریافت کیا کہ واقعی اُس نے یہ باتیں کہی تھیں۔ زوجۂ عَمرو نے جواب دیا کہ ہاں یہ سب باتیں میں نے کہی ہیں اور میں اِن پر کسی قسم کی معذرت پیش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ یہ سُن کر امیرِ شام نے حکم دیا کہ تم میری مملکت سے نکل جاؤ۔ اُس نے جواب دیا خدا کی قسم امیر! میں ضرور تیرے ملک سے چلی جاؤں گی کیونکہ یہ میرا ہرگز وطن نہیں ہے اور نہ یہاں میں کبھی چین سے رہ سکی ہوں بلکہ ہمیشہ مغموم و محزون ہی رہی ہوں یعنے اس سرزمین میں ہمیشہ راتوں کو خوف اور غم کی حالت میں جاگ کر بسر کی جبکہ میرے

آنسو بہتے رہے اور میری آنکھیں کبھی ٹھنڈی نہ رہیں۔ یہ الفاظ سن کر عبداللہ بن ابی سرح نے کہا۔ امیر! اس گستاخ عورت کو بھی اس کے شوہر سے ملحق کر دیجیے۔ عمرو کی زوجہ نے یہ سنتے ہی عبداللہ کو گھور کر دیکھا اور کہنے لگی —— تو اُن لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اپنے محسن کو قتل کیا ہے۔ اور بندوں کو خدائی کا درجہ دیا ہے اور ایسے لوگوں کے کفر کا کتابِ الٰہی میں اعلان کر دیا گیا ہے۔

پھر اس مظلوم خاتون کو معاویہ کے حکم سے دربار سے نکال دیا گیا۔

امام حسین نے ایک طولانی خط میں جو انھوں نے معاویہ کے نام لکھا تھا، عمرو بن الحمق کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:-

اَوَلَسْتَ قَاتِلَ عَمروبن الحمق صَاحِبِ رَسُولِ اللّٰہِ العَبدِ الصَّالِحِ الَّذِی اَبْلَتْہُ العبادۃُ فنحلَ جسمُہٗ وَاصفرَّ لونُہٗ، بعدما اٰمنتہٗ وَاعطیتہٗ من عھودِ اللّٰہِ وَمواثیقہٖ ما لو اَعطیتہٗ طائرًا نزل الیکَ ثم قتلتہٗ، جراءۃً علی ربّکَ وَاستخفافًا بذٰلکَ العھدِ۔

کیا تم عمرو بن الحمق کے قاتل نہیں ہو جو رسول اللہ کے صحابی اور اللہ کے صالح بندہ تھے جنھیں کثرتِ عبادت نے دُبلا کر دیا تھا اور اُن کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا تھا جبکہ تم نے اُن کو امان دے دی تھی اور اُن سے امن و امان کے ایسے عہد و قرار کیے تھے کہ اگر وہ عہد کسی پرندے سے کرتے تو وہ فوراً تمہارے پاس اُتر کے آجاتا مگر اس کے باوجود تم اُن کے قتل کا سبب بنے اور تم نے نہ تو اللہ کا خوف کیا اور نہ اپنے عہد و قرار کی کوئی پروا کی۔"

اب تک ہم نے ناسخ التواریخ ج ۶ اور تاریخ کوفہ سے واقعات نقل کیے تھے اب ہم بعض دوسری کتابوں سے اِس سلسلہ کی بعض باتیں نقل کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی الاصابہ میں لکھتے ہیں: عمرو بن الحمق خزاعی کعبی نے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام اختیار کیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حجۃ الوداع کے بعد مسلمان ہوئے تھے لیکن پہلا قول صحیح تر ہے۔ ابو اسحٰق نے خود عمرو بن حمق سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کسی موقع پر سرورِ کائنات کی دودھ سے ضیافت کی تھی تو حضورؐ نے انھیں ان لفظوں میں دُعا دی "اللّٰھم اَمتِعہ بشبابہ" پروردگار عمرو کو شباب کا لطف عرصۂ دراز تک عطا فرما۔ اس دعائے رسولؐ کا اثر یہ ہوا کہ ان کی عمر کے اسّی سال گذر گئے مگر ان کے جسم کا کوئی بال سفید نہیں ہوا تھا۔ مسلمان ہو کر یہ شام

چلے گئے تھے پھر کوفہ میں آکر آباد ہو گئے۔ حضرت علی کی تمام جنگوں میں اُن کے ساتھ رہے پھر مصر چلے گئے تھے۔ نسائی اور ابن ماجہ نے ان سے حضور انور کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں آنحضرت نے فرمایا ہے: "مَنْ اٰمَنَ رَجُلًا عَلٰی دَمِہٖ فَقَتَلَہٗ فَاَنَا بَرِیٌٔ مِنَ الْقَاتِلِ وَاِنْ کَانَ الْمَقْتُوْلُ کَافِرًا" جو مسلمان کسی دوسرے کو امان دے پھر اُس کو قتل کر ڈالے تو میں اُس قاتل سے بری الذمہ ہوں اگرچہ مقتول کافر ہی کیوں نہ ہو۔

عَمرو بن حَمِق ۔ حُجر بن عَدی کے ساتھیوں میں سے تھے (جو حضرت علی کے مخصوص اصحاب میں سے تھے) ابن حبّان نے کہا ہے کہ عَمرو مُوصِل کے ایک غار میں چھپ گئے تھے جہاں اُنھیں سانپ نے ڈس لیا تھا جس سے وہ وفات پا گئے۔ اس کے بعد مُوصِل کے والی نے اُن کا سر کٹوا کر زیاد کے پاس بھیج دیا جس نے اُس کو شام میں معاویہ کے پاس روانہ کیا تھا۔ یہ ۵۰ھ ہجری کا واقعہ ہے اور "خلیفہ" کا قول یہ ہے کہ یہ ۵۱ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ (خلیفہ سے مراد غالباً خَلِیْفَہ العُصْفُرِی مُتَوَفّی ۲۴۰ھ ہجری ہے جو اپنے دور کا مشہور ماہرِ نسب اور مورّخ تھا۔ الأعلام للزِرِکْلِی) مُوصِل کے والی کا نام عبدالرحمان بن عثمان الثّقفی تھا۔

مورّخ زِرِکلی نے الأعلام ج ۵ میں یہ پوری تفصیل لکھ کر تحریر کیا ہے کہ بعض یہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ ثقفی عامل مُوصِل نے اُنھیں گرفتار کر لیا تھا پھر اُس نے اس کی خبر معاویہ کو بھیجدی جن کے حکم سے یہ قتل کر دیئے گئے۔ مورّخ زِرِکلی نے الأعلام ج ا میں ان کی زوجہ کا نام آمِنہ بنتِ الشّرِید لکھا ہے جس کی وفات بھی ۵۰ھ ہجری میں واقع ہوئی تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ کوفہ کی بڑی فصیح و بلیغ خاتون تھی اس کی شہرت خاص طور پر اُس وقت سے ہوئی جب اس نے دربارِ شام میں معاویہ سے انتہائی جرأت کے ساتھ گفتگو کی اور معاویہ کی ہر بات کا جواب بڑی طلاقتِ لسان و فصاحت کے ساتھ دیا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے عربی زبان پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ معاویہ نے اس کو دو سال تک دمشق کے قید خانہ میں رکھا تھا اس وجہ سے کہ عَمرو بن حَمِق اس کے شوہر روپوش ہو گئے تھے تاکہ وہ اپنی زوجہ کی گرفتاری کی وجہ سے اپنے آپ کو ظاہر کر دیں یا پھر ان کی زوجہ گھبرا کر شوہر کا راز فاش کر دے۔ غرض جب عَمرو کا سر کاٹ لیا گیا تو اُسے لا کر آمنہ کی گود میں ڈال دیا گیا۔ یہ ظلم دیکھ کر اس نے معاویہ کو انتہائی سخت الفاظ میں بددعا دی

اور بہت کچھ کہا۔ یہ تمام باتیں سن کر معاویہ نے اسے طلب کر لیا۔ دربار شاہی میں پہنچ کر اس نے بڑی بہادری سے ان سب باتوں کا کھلے لفظوں میں اقرار کر لیا جو اس نے معاویہ کے خلاف کہی تھیں جس پر انھوں نے حکم دیا کہ یہ شام سے نکل جائے۔ اس نے بڑی خوشی سے اس حکم کو قبول کیا اور کوفہ کی جانب روانہ ہو گئی۔

پھر معاویہ نے اس کو کچھ قیمتی تحفے بھیجے تاکہ یہ خوش ہو کر ان کو برا کہنا چھوڑ دے مگر اس نے وہ تحفے واپس کر دیئے اور کہنے لگی: بڑی حیرت کی بات ہے کہ معاویہ نے میرے شوہر کو قتل کرایا اور اب مجھے اپنے عطیات سے خوش بھی کرنا چاہتا ہے۔ کوفہ جاتے ہوئے یہ مقام حمص پہنچکر طاعون میں مبتلا ہوئی اور وہیں وفات پائی۔

فتحِ قسطنطنیہ

اسی سال یعنی ۵۱ھ ہجری میں قسطنطنیہ پر لشکر کشی کی گئی۔ امیر شام معاویہ نے یہ لشکر روانہ کیا تھا۔ انھوں نے یزید اپنے فرزند کو بھی حکم دیا تھا کہ وہ بھی اس لشکر کے ساتھ جائے۔ مگر وہ مقامِ دَیرِ مُرّان میں پہنچ کر سیر و شکار اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا اور لشکر کے ساتھ نہیں گیا۔ غرض یہ لشکر سفیان بن عوف کی سرکردگی میں روانہ ہوا۔ اس سردار کا پورا نام سفیان بن عوف الاَزدِی الغامدی ہے۔ اس کی وفات ۵۲ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

"دَیرِ مُرّان" ایک بلند مقام کا نام ہے جہاں زعفران کے کھیت کثرت سے تھے اور دمشق سے نزدیک تھا۔ سفیان بن عوف نے سرزمین روم میں جاکر پڑاؤ ڈالا لیکن چند ہی روز میں رسد اور غلہ وغیرہ کی کمی کے سبب لشکر کی حالت خراب ہو گئی اور تمام فوج بھوک سے نڈھال ہو گئی اور ساتھ ہی بیماری بھی پھیل گئی۔ جب معاویہ کو اس کی خبر ہوئی کہ لشکر کی حالت تباہ ہو چکی ہے اور یزید اس لشکر کے ساتھ نہیں گیا تو انھوں نے اس کو ایک خصوصی حکم بھیجا کہ فوراً وہاں جاکر مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو جائے۔ یہ حکم ملتے ہی یزید روانہ ہو گیا اور لشکر میں شامل ہو گیا۔ دوسری طرف شہنشاہِ روم قسطنطین کی فوج تھی۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ اسی جنگ کے دوران حضرت ابو ایوب انصاری کی وفات ہوئی تھی۔ یہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور صرف برکت کے خیال سے انھیں ساتھ لے لیا گیا تھا۔ جب ان کی میت اٹھائی گئی تو پورے لشکر نے مشایعت کی تھی۔ انھیں قسطنطنیہ کی شہر پناہ کے نیچے دفن کیا گیا۔ اہلِ قسطنطنیہ نے شہر پناہ کی دیوار پر سے دریافت کیا کہ

یہ کون مر گیا ہے جس کا اس قدر احترام کیا گیا ہے تو مسلمانوں نے انھیں بتایا کہ یہ بہت بزرگ صحابیٔ رسولؐ اللہ تھے جن کا نام ابو ایوب انصاری ہے۔ تم لوگ ان کی قبر کا ہمیشہ احترام کرتے رہنا۔ اگر ان کی قبر کی ذرا بھی بے احترامی کی گئی تو پوری مملکتِ اسلامیہ میں کوئی گرجا اور کوئی کلیسا بچ نہ سکے گا اور سب گرا دیئے جائیں گے اور مسلمانوں کی سرزمین پر ناقوس کی آواز کبھی سنائی نہ دے گی۔ کاشانی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کی واپسی پر اہل روم نے اس قبر پر ایک عالیشان عمارت بنائی تھی اور قندیلوں سے اُسے آراستہ کیا تھا پھر روز بروز اس کے احترام میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اس قبر کی برکت سے اہل رُوم شفا حاصل کیا کرتے تھے۔ علّامہ ابن قُتَیبَہ نے معارف میں لکھا ہے کہ جب کبھی روم میں خشک سالی اور قحط پھیلتا تھا تو حضرت ابو ایّوب انصاری کی قبر کو زیر آسمان کر دیا جاتا تھا (اُس کی چھت ایسی بنائی گئی ہوگی جو بوقتِ ضرورت کھل سکتی ہو) تو فوراً پانی برسنے لگتا تھا اور خشک سالی دور ہو جاتی تھی۔ اس مسئلہ میں حسبِ ذیل سوالات کیئے جا سکتے ہیں جن کے جوابات کی روشنی میں اِس جنگ کی نوعیت معلوم ہو سکے گی:

کیا یزید کی کمان میں جنگِ قُسطُنطِینہ لڑی گئی تھی؟

کیا مسلمان خود لڑنے گئے تھے اور یہ جارحانہ جنگ تھی؟

اصحاب رسولؐ اللہ خصوصاً ابو ایّوب انصاری اس میں کیوں شریک ہوئے تھے؟

کیا امام حسین علیہ السّلام اس جنگ میں شریک تھے اور یزید اس لشکر کا قائد تھا؟

کیا جو حدیثِ رسولؐ اس بارے میں بیان کی جاتی ہے وہ صحیح ہے؟

جنگِ قُسطَنطِینہ کا سالِ وقوع کیا تھا؟

اِن تمام سوالات کا جواب یہ ہے:۔

یہ جنگِ قسطنطنیہ یزید بن معاویہ کی قیادت میں نہیں لڑی گئی بلکہ سُفیان بن عوف اَزدی کی قیادت میں لڑی گئی تھی اِس سلسلہ میں عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۶ میں حسبِ ذیل تصریح موجود ہے جس سے صورت حال پر کافی روشنی پڑتی ہے:۔

قالَ صاحبُ المرآۃ والاصحُّ اَنَّ یزید بن معاویۃ غزا القُسطَنطِینَۃ فی سنۃِ اثنتینِ وخمسین وقیل سیّر معاویۃُ جیشاً مع سفیان ابن عوفٍ الی القُسطَنطِینَۃ فاَدُخلوا فی بلاد الروم

وكان في ذلك الجيش ابن عباس وابن عمر وابن الزبير وابو ايوب الانصاري وتوفي ابو ايوب في مدة الحصار قلت الاظهر ان هؤلاء السادات من الصحابة كانوا مع سفيان هذا ولم يكونوا مع يزيد بن معاوية۔ صاحب مرآۃ لکھتے ہیں کہ صحیح ترین بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے ۵۲ھ ہجری میں قسطنطنیہ میں جنگ کی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ معاویہ نے جو لشکر قسطنطنیہ روانہ کیا تھا اس کی قیادت سفیان بن عوف کے سپرد تھی یہ لشکر سرزمین روم میں داخل ہو گیا تھا اور اس میں ابن عباس، ابن عمر، ابن الزبیر اور ابو ایوب انصاری موجود تھے مگر آخر الذکر یعنی حضرت ابو ایوب انصاری حصارِ قسطنطنیہ کے زمانہ میں وفات پا گئے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ صحابہ کرام سفیان بن عوف کے ساتھ تھے اور یزید کے ساتھ نہ تھے۔

مورخ ابن اثیر تاریخ کامل میں لکھتا ہے: وفي هذه السنة وقيل سنة ستين سيّر معاوية جيشا كثيفا الى بلاد الروم للغزاة وجعل عليهم سفيان بن عوف وامر ابنه يزيد بالغزاة معهم فتثاقل واعتل فامسك عنه ابوه فاصاب الناس في غزاتهم جوع ومرض شديد فانشاء يزيد يقول:۔

ما ان ابالي بما لاقت جموعهم ۔ بالفرقدونة من حمّى ومن موم

اذا اتكأت على الانماط مرتفقا ۔ بدير مرّان عندي ام كلثوم

"ام كلثوم امراته" وهي ابنة عبدالله بن عامر فبلغ معاوية شعره فاقسم عليه ليلحقن بسفيان في الروم ليصيبه ما اصاب الناس"

یعنی اسی سال اور بعض کہا ہے کہ ۶۰ھ ہجری میں معاویہ نے ایک بہت بڑا لشکر مملکت روم کی طرف جنگ کے لیے روانہ کیا تھا اور اس کا امیر سفیان بن عوف کو مقرر کیا تھا ساتھ ہی اپنے بیٹے یزید کو حکم دیا تھا کہ وہ بھی اس لشکر کے ساتھ جائے لیکن یزید نے سستی کا اظہار کیا اور بیمار بن گیا جس کی وجہ سے معاویہ خاموش ہو رہے اور یزید کی روانگی کا حکم ملتوی کر دیا۔ سفیان بن عوف کی کمان میں یہ لشکر روانہ ہوا اور اس نے عیسائیوں سے جنگ شروع کر دی لیکن اسی زمانہ میں رسد کے فقدان کی وجہ سے لشکر بھوک سے تباہ حال ہو گیا اور شدید قسم کی بیماری بھی پھیل گئی۔ یہ خبر جب یزید نے سنی کہ وہاں یہ مصیبت آگئی ہے تو اس نے یہ شعر پڑھے جبکہ وہ مقام "دیرِ مرّان" میں مقیم تھا

(ترجمہ اشعار) :- مسلمان لشکریوں پر جو مصائب پڑے ہیں ان کی مجھے کوئی پروا نہیں جبکہ وہ لوگ مقام فرقدونہ میں بخار کی وبا اور بدقسمتی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ میں تو "دیر مران" میں حسین و جمیل اور قیمتی فرش پر جلوہ افروز ہوں اور (میرا دل بہلانے کے لیئے) میرے پاس اُم کلثوم موجود ہے۔ یہ اُم کلثوم عبداللہ بن عامر کی بیٹی تھی معاویہ نے جب یزید کے یہ اشعار سنے تو اُس نے یزید سے قسم دیکر کہلوایا کہ وہ فوراً سفیان بن عوف سے سرزمین روم میں جاکر ملحق ہو جائے اور اُن لوگوں کے ساتھ اُن کے مصائب میں شرکت کرے۔

اس سلسلہ میں مولانا محمد طیّب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس سے ایک طرف یہ کھلا کہ یزید کو جہاد کا کتنا شغف تھا۔ جسے عیش پرستی میں یہ انہماک ہو کہ باوجود امیر کے امر کے طرح طرح کے حیلے بہانے کرکے جہاد سے جان بچائے پھر اس کے ساتھ خودغرضی اور خود منصبی کا یہ عالم کہ وہاں تو مجاہدین پر بھوک پیاس اور بیماری کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں اور یہاں یزید داد عیش دیتے ہوئے ترنّم کر رہا ہے کہ مجھے پروا نہیں ہے کہ کون بھوک پیاس سے مر رہا ہے اور کون دکھ درد کا شکار ہے۔ مجھے تو دیر مرّان کے مکلّف فرش تکیے اور اُن کے ساتھ اُمّ کلثوم کی ہمبستری چاہیئے کہاں کا جہاد اور کہاں کے مجاہد (شہید کربلا اور یزید صفہ ۱۷)

قاضی اطہر مبارکپوری نے اس روداد کو ابن خلدون کی زبانی نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں: امیر معاویہ نے ۵۰ ہجری میں ایک بڑا لشکر بہ سرافسری سفیان بن عوف بلادِ روم کی طرف روانہ کیا اور اپنے لڑکے یزید کو بھی اُن کے ہمراہ جانے کا حکم دیا لیکن یزید نے جانا پسند نہ کیا۔ معذرت کی۔ اس پر امیر معاویہ نے اُس کی روانگی ملتوی کر دی۔ اتفاق سے مجاہدین کو اِس لڑائی میں اکثر مصائب کا سامنا ہوا۔ یزید کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بے ساختہ اشعار پڑھنے لگا (اس کے بعد یزید کے وہی اشعار لکھے ہیں جو ہم نے ابھی لکھے ہیں) امیر معاویہ کے کانوں تک اِن اشعار کی آواز پہنچ گئی۔ پھر انھوں نے یزید کے بھیجنے کی قسم کھالی (ترجمہ تاریخ ابن خلدون ج ۵ صہ ۲۳، ۲۴)

ان تمام تصریحات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس فوج کی کمان سفیان بن عوف کے پاس تھی اور یزید اگر تھا بھی تو محض ایک عام حیثیت کے ساتھ۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ امیر معاویہ نے خود ہی اہل روم پر لشکر کشی کی تھی اور یہ جنگ جارحانہ تھی۔ دفاعی نہ تھی۔ اس بنا پر یقیناً ابو ایوب انصاری جیسے بزرگ صحابی حکومت کے دباؤ سے مجبور ہو کر اس لشکر کے ساتھ گئے ہوں گے۔ اس لئے کہ اس جارحانہ حملہ کا کوئی شرعی جواز موجود نہ تھا۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ امام حسینؑ اس لشکر میں شریک تھے یا نہیں تو ظاہر ہے کہ آپ سے اس جنگ کا کوئی دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔ کسی مورخ نے بھی امام حسینؑ کا ذکر اس سلسلہ میں نہیں کیا صرف ابن کثیر شامی اور ابن تیمیہ کے حوالہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ بھی اس لشکر میں موجود تھے۔ جو قطعاً بے اصل، بے بنیاد اور افترائے محض ہے۔

امام حسنؑ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ منصب امامت پر فائز ہو چکے تھے اور معاویہ کی مخالفتیں، محبان علی کا قتل عام اور منبروں پر امیر المومنین حضرت علی پر سب و شتم اور لعنت کا عام حکم جو معاویہ نے پوری مملکت کو دے رکھا تھا وہ پورے زور شور کے ساتھ جاری تھا۔ یہ تمام حقیقتیں امام حسینؑ کے سامنے تھیں۔ ایسی حالت میں آل محمدؐ کے ایک سخت ترین کھلے ہوئے دشمن کی فوج میں آپ کا شریک ہونا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔

رہی یہ حدیث: اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ"
یعنی پہلا وہ لشکر میری امت کا جو قیصر روم کے شہر پر جنگ کرے گا وہ بخشش یافتہ ہے۔ اولاً یہ حدیث موضوع ہے اور درایت کے کسی اصول پر صحیح نہیں اترتی اور اگر اس کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کے الفاظ عام ہیں۔ یہاں کسی خاص شہر کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ مدینہ لغوی اعتبار سے شہر کو کہتے ہیں خواہ کوئی بھی شہر ہو۔
لیکن اس حدیث کی شرح لکھنے والے قسطلانی نے کہا ہے کہ اس شہر سے مراد روم کا دار السلطنت قسطنطنیہ ہے اور ابن حجر عسقلانی شارح بخاری نے لکھا ہے کہ یہ حدیث معاویہ اور ان کے فرزند یزید کی منقبت میں وارد ہوئی ہے۔
جہاں تک خود اس حدیث کی صحت کا تعلق ہے تو اس کے راویوں میں علانیہ دشمنانِ اہلبیت پائے جاتے ہیں۔ نہال احمد حنفی "ناصبان ملک عضوض" کے صفحہ ۳۷۲ پر لکھتے ہیں:

اس روایت کے چاروں آخری راوی اسحٰق یحییٰ، ثور، خالد بن محمد مجروح و مقدوح ہیں۔ ان میں سے تین تو قدری اور ناصبی بھی ہیں اور ارسال سے بھی کام لیا گیا ہے اور سب دمشقی و حمصی بھی ہیں جہاں بنی امیہ کی پروردہ نسلیں آباد تھیں اور رگوں میں بنی امیہ کا کھلایا ہوا نمک دوڑ رہا تھا۔

پھر اگر یہ حدیث مغفرت یزید بناتی ہو تو دیکھنا پڑے گا کہ اس کے مقابل کوئی اور حدیث تو نہیں ہے جو اس پر دلالت کرتی ہو کہ اُس کی مغفرت نہیں ہو سکتی یا اِس عموم کی جو اِس موضوع حدیث میں ہے تخصیص کرتی ہو یا کوئی شرط و قید لگاتی ہو۔

چنانچہ علامہ قسطلانی جنکا حوالہ محمود احمد عباسی نے دیا، لکھتے ہیں:

اُجِیبَ بِاَنّ ھٰذا جَارٍ علی طَرِیقِ الحَمِیَّۃ لِبَنِی اُمَیَّۃ ولا یلزم من دخولہ فی ذالک العموم اَن لا یخرج بدلیلٍ خاصٍ اذ لاخلاف اَنّ قولہ علیہ السلام مغفورٌ لھم مشروط بکونہ من اھل المغفرۃ حتیّٰ لو ارتدّ واحدٌ ممّن غزاھا بعد ذالک لم یدخل فی ذالک العموم اتفاقاً قالہ ابن المنیر — قسطلانی ج ۴ صد ۱۲۔

اس بات کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ محض بنی امیہ کی حمایت اور جانب داری کی وجہ سے کہا جاتا ہے جبکہ مغفرت کے عموم میں یزید کے داخل ہو جانے سے یہ امر ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ دوسری کسی دلیل کی بنا پر وہ اِس عموم سے خارج نہیں ہوا کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور انور کا یہ فرمان "مَغْفُورٌ لَھُمْ" اِس حقیقت کے ساتھ مشروط ہے کہ یزید میں مغفرت پانے کی اہلیت بھی موجود ہو۔ چنانچہ اگر اس جنگ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے والا کوئی مسلمان بعد میں مرتد ہو جاتا تو وہ کسی طرح عموم مغفرت کے اِس اعلان میں شامل نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ بات ابن منیر نے کہی ہے۔

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (دار العلوم دیوبند) کا ارشاد جسے شیخ الہند مولانا حسین احمد مدنی نے لکھا ہے خود اُن ہی کے ترجمہ کے ساتھ ملاحظہ ہو:۔

غایۃ مافی الباب بہ سبب خرابیہائے پنہانی کہ داشت (یزید) ہمچو منافقان کہ در بیعت الرضوان شریک بودند بوجہ نفاق رضوان خدا نصیب الیشان نہ شد۔ یزید ہم از فضائل این بشارت محروم ماند (قاسم العلوم نمبر ۴ صد ۱۴۳ منقول از مکتوبات

شیخ الاسلام صفہ ۲۷

اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث کو وقتی طور پر صحیح تسلیم کر کے بھی یزید کی اس سے مغفرت ثابت نہیں کی جا سکتی جیسے "من قال لا الٰہ الا اللہ دَخَلَ الجنۃ" "جس شخص نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا وہ جنت میں جائے گا - صحیح حدیث ہے مگر اس کے ساتھ ہی دخولِ جنت کی دوسری شرطوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔

علاوہ بریں یہ بات بھی ہے کہ بفرضِ صحت اس حدیث میں لفظ "قسطنطنیہ" موجود نہیں ہے بلکہ "مدینۂ قیصر" فرمایا گیا ہے یعنی قیصرِ روم کا شہر اور یہ چیز ثابت نہیں ہے کہ جب یہ حدیث بیان فرمائی گئی ہوگی تو اس وقت "مدینۃ قیصر" کا اطلاق "قسطنطنیہ" ہی پر ہوا کرتا تھا اور وہی مملکتِ روم کا دار السلطنت تھا۔

مولوی نہال احمد صاحب حنفی امروہوی لکھتے ہیں "جب تک کسی مخصوص شہادت سے یہ ثابت نہ کیا جائے کہ زمانۂ رسالتمآب ؐ میں قسطنطنیہ اور صرف وہی قسطنطنیہ مدینۂ قیصر سمجھا جاتا تھا اور وہی ملکِ روم کا دار السلطنت ہو ہم محض کسی شخص کی ذاتی رائے کی بنا پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ مدینۂ قیصر سے آنحضرت کی مراد خاص قسطنطنیہ ہے۔

فتح الباری میں ابن التین اور ابن المنیر کے بیانات موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ مدینۂ قیصر سے مراد حمص ہے ۔ (ناصبان ملک عضوض) مولوی عبد الشکور صاحب لکھنوی مدیر النجم لکھتے ہیں:-

یرموک کی لڑائی میں شکست کھانے کے بعد بادشاہِ روم اپنے دار السلطنۃ حِمص بھاگ گیا"

قاضی محمد اطہر صاحب مبارکپوری نے لکھا ہے:-

بخاری میں باب ماقیل فی قتال الروم کے تحت یہ روایت لکھی ہے: یقول اوّلُ جیشٍ من امتی یغزون البحر قد اوجبوا قالت اُمّ حرام قلتُ یارسول اللہ انا فیہم قال انتِ فیہم - پہلا لشکر جو سمندری علاقہ میں جنگ کرے گا وہ جنتی ہوگا - اُمّ حرام نے عرض کی یا رسول اللہ کیا میں بھی اُس لشکر میں ہونگی، فرمایا کہ ہاں تم بھی اُس میں شامل ہوگی" - پہلا بحری غزوہ جیسا کہ معلوم ہوا ہے حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں ہوا اور معاویہ کی امارت میں اُن کے اصرار سے جس میں اُمّ حرام بنت ملحان اپنے شوہر کے

ساتھ شریک ہوئیں اور قبرص میں اپنی سواری سے گر کر وفات پائیں اور وہیں دفن ہوئیں (علی وحسین صفحہ ۲۴)

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ امام حسین علیہ السلام اس لشکر میں ہرگز شریک نہ تھے۔ یہ لشکر یزید کی کمان میں نہیں گیا تھا۔ حدیثِ مغفرت موضوع حدیث ہے۔ اور بفرضِ صحت یزید کی مغفرت پر دلالت نہیں کرتی جیسے بیعتِ رضوان میں شرکت کرنے والے بعض افراد کے لئے رضوان الہٰی نہ تھا۔ صحابہ کرام اس میں دل سے شریک نہ تھے بلکہ مجبور کر کے بھیجے گئے تھے۔ "مدینۂ قیصر" سے قسطنطنیہ مراد نہیں ہے بلکہ "حمص" مراد ہے۔ یہ جنگ جارحانہ اور تعلیم اسلام کے خلاف تھی۔ پہلا بحری لشکر "قبرص" گیا تھا نہ کہ قسطنطنیہ۔ اور پھر یہ کہ اس حدیث کے تمام راوی دشمنانِ آلِ محمدؐ اور ناصبی ہیں اِس بنا پر یہ اعتبار سے ہر طرح ساقط ہے۔

اب ہم معاویہ بن ابی سفیان کے متعلق کچھ اور ضروری باتیں لکھتے ہیں تاکہ اُن کی شخصیت کے متعلق صحیح اندازہ کرنے اور رائے قائم کرنے میں مدد مل سکے پھر اِس کے بعد ۵۲ھ ہجری کے حالات پر تبصرہ کیا جائے گا۔

علامہ مسعودی نے اپنی تاریخ مُروج الذّہب کی جلد ثانی کے صفحہ ۱۳۱ پر معاویہ اور محمد بن ابی بکر کی خط کتابت لکھی ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

علامہ مسعودی اُن مسلمان مورخوں میں سے ہیں جن کے متعلق علامہ شبلی نے الفاروق حصّہ اوّل میں لکھا ہے: "یہ فن تاریخ کا امام ہے۔ اِسلام میں آج تک اِس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا"۔

اس مکاتیت سے معاویہ کی شخصیت کے بہت سے گوشے سامنے آجاتے ہیں۔

مسعودی لکھتے ہیں — جب حضرت علی نے قیس بن سعد بن عُبادہ کو مصر کی ولایت سے علیحدہ کر دیا تو ان کے بجائے محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر بنا کر وہاں بھیجا جب یہ وہاں پہنچے تو انھوں نے معاویہ کے پاس ایک خط بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:-

محمد بن ابی بکر کی طرف سے معاویہ بن صخر کی جانب جو گمراہ ہے امّا بعد تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ عزّ وجل نے مخلوقات کو بیکار نہیں پیدا کیا ہے نہ بغیر مخلوق اُس کی قوت میں کچھ کمزوری تھی اور نہ اللہ کو اس کی ضرورت ہی تھی بلکہ اُس نے اپنی مخلوق کو صرف

اپنی اطاعت و بندگی ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ مخلوقات میں گمراہ بھی ہیں اور ہدایت یافتہ بھی ہیں۔ بدبخت بھی ہیں اور سعید بھی پھر اللہ نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو اپنے علم کے مطابق رسالت اور امانتِ وحی کے لیے منتخب فرمایا اور انھیں بشیر و نذیر بنا کر مبعوث کیا پس جس شخص نے سب سے پیشتر آنحضرتؐ کی تصدیق کی اور اپنے ایمان و اسلام کا اظہار کیا وہ حضورؐ کے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب ہی ہیں انھوں نے ہر خبرِ غیب کی تصدیق کی اور اپنے تمام رشتہ داروں کی محبت پر حضورؐ کی محبت و اطاعت کو مقدم رکھا اور خوف و دہشت کے ہر موقع پر اپنی جان سے آپ کی حفاظت کی۔ آپ رسولِ خدا کے ساتھ ہر جنگ و صلح میں شریک رہے اور رات دن کی ہر ساعت میں، خوف اور بھوک کے ہر موقع پر کبھی اپنی جان حضورؐ پر فدا کرنے سے عزیز نہیں کی یہانتک کہ وہ تمام پیروانِ رسولؐ پر سبقت لے گئے۔ آنحضرتؐ کا اتباع کرنے والوں میں اُن کی کوئی نظیر نہیں ہے اور نہ عملِ خیر میں اُن کا کوئی ہمسر ہو سکتا ہے۔ میں نے اِس بات کو دیکھا ہے کہ تم اُن سے مسابقت کی کوشش کرتے ہو حالانکہ تم تم ہی ہو اور وہ وہی ہیں وہ اپنی نیت کے اعتبار سے سب لوگوں سے زیادہ سچے ہیں اور اپنی نسل کے اعتبار سے سب سے افضل ہیں اور فاطمہ بنتِ رسولؐ کے شوہر ہونے کی حیثیت سے سب سے بہتر ہیں۔ وہ بہترین چچا کے بھتیجے ہیں۔ اُن کے بھائی حضرت جعفر نے جنگ مؤتہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ اُن کے چچا میدانِ اُحد کے سیّد الشہداء ہیں۔ اُن کے والد حضرت ابوطالب وہ ہیں جو رسولِ خدا کی تکلیفوں کو ہمیشہ دور کرتے رہے۔ اور اے معاویہ تم خود بھی ناپسندیدہ ہو اور ناپسندیدہ باپ کے بیٹے ہو۔ تم دونوں ہر وقت آنحضرتؐ کو ایذا دینے کے خواہاں اور نورِ خدا کو بجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ اِسی ناپاک مقصد کیلئے تم دونوں ٹولیاں بناتے رہے، کثیر مال و دولت خرچ کرتے رہے اور قبائلِ عرب کو اُکساتے رہے۔ اسی حالت میں تمہارے باپ مر گئے اور اب اِسی کام کے لئے تم ان کے جانشین ہو۔ تمہاری اِن حرکتوں کی گواہی دینے والے وہ باقیماندہ لوگ ہیں جو تمہارے گرد جمع ہو گئے ہیں اور وہ لوگ ہیں جو منافقوں کے سردار ہیں اور صاحبِ فضل و شرفِ قدیم علی کے گواہ وہ لوگ ہیں جو اُن کے انصار اور ساتھی ہیں اور اللہ نے اُن کی فضیلت کا ذکر قرآن پاک میں فرمایا ہے اور اُن کی مدح و ثنا کی ہے۔ وہ مہاجرین میں سے بھی ہیں اور انصار میں سے بھی

یہی لوگ علی کی فوج اور اُن کی جماعت ہے جو اُن کی پیروی کو حق اور اُن کی نافرمانی کو شقاوت و بدنصیبی سمجھتے ہیں۔ پس تجھ پر وائے ہو کہ تو اپنے کو علی کے برابر ظاہر کرتا ہے حالانکہ علی وارث اور وصیِ رسول اللہؐ ہیں اور اُن کے فرزندوں یعنی حسن و حسین کے والد ہیں اور وہی پہلے شخص ہیں جس نے تمام لوگوں سے قبل آنحضرتؐ کا اتباع کیا اور سب سے زیادہ اُن سے قریب رہے۔ اُنھیں حضورؐ نے اپنے اَسرار اور امور سے آگاہ فرمایا اور تم تو اُن کے دشمن ہو اور اُن کے دشمن کے بیٹے ہو تو بس جس طرح تمہیں بن پڑے تم اپنی گمراہی کے ذریعہ سے دنیا حاصل کرتے رہو اور جس قدر عمرو بن العاص سے ممکن ہو سکے تم کو تمہاری گمراہی میں مدد دیتا رہے۔ مگر اے معاویہ تم یقین رکھو کہ تمہاری میعاد ختم ہو چکی ہے اور تمہاری تدبیر سست پڑ گئی ہے اور آخر کار تم پر ظاہر ہو جائے گا کہ بلند ترین عاقبت کس کے لیے ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ تم اُس اللہ سے مکر و فریب کرتے ہو جس نے تمہارے مکر کی سزا سے تمہیں اب تک اَمان دے رکھی ہے اور جس کی رحمت سے تمہیں مایوسی ہے۔ وہ تمہاری گھات میں ہے اور تم دھوکے میں مبتلا ہو یعنی یہ سمجھ رہے ہو کہ اللہ تمہاری حرکتوں سے بے خبر ہے۔ سلام ہو اُس شخص پر جو ہدایت اور حق کی پیروی کرے۔

اس خط کے جواب میں معاویہ نے جو لکھا اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

یہ خط ہے اپنے باپ کو عیب لگانے والے بیٹے محمد بن ابی بکر کی طرف معاویہ بن صخر کی جانب سے۔ اما بعد واضح ہو کہ تم نے اپنے مکتوب میں اللہ کی اُس بزرگی و قدرت و اقتدار کا تذکرہ کیا ہے جس کا وہ اہل ہے اور اُن صفات کا بھی ذکر کیا ہے جن کے ساتھ اللہ نے اپنے رسولؐ کو برگزیدہ فرمایا ہے صلی اللہ علیہ وسلم و علیٰ آلہ اور اسی کے ساتھ بہت کچھ باتیں لکھی ہیں جو خود تمہارے لیے تضعیف اور تمہارے والد کے لیے اعتراض کا باعث ہیں۔ تم نے اپنے مکتوب میں علی بن ابی طالب کی فضیلت اور اُن کے قدیم محامد و فضائل کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ وہ رسول اللہؐ کے ساتھ قرابتِ قریبہ رکھتے ہیں اور اُنھوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر آنحضرتؐ کی ہر خوف اور خطرے کے موقع پر مدد کی مگر یہ جو کچھ بھی تم نے میرے عیب بیان کیے ہیں اور میرے خلاف استدلال کیا ہے اُس سے تو صرف ایک دوسرے شخص کی فضیلت

تجھ پر ظاہر ہوتی ہے اس سے خود تمہاری اپنی ذات کی فضیلت ظاہر نہیں ہوتی پس میں اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں کہ اُس نے اِس فضیلت کو تم سے پھیر کر تمہارے علاوہ ایک دوسرے شخص کو عطا کیا اور تمہیں اِس فضیلت سے محروم رکھا۔

دیکھو بات یہ ہے کہ ہم سب جن میں بعض اہم افراد بھی شامل ہیں علی کی فضیلت اور اُن کے حق کے پوری طرح معترف تھے لیکن جب اللہ نے اپنے رسول کو اپنے پاس بلا لیا، اپنے دین کے کامل اور آشکار ہو جانے کے بعد، اور جو وعدہ اُن کے حق میں اُس نے کیا اُسے پورا کر دیا تو وہی ممتاز افراد اور اُن کے دوست پہلے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اِس بات کو تسلیم نہ کیا اور اِن حقوق سے انکار کیا جن پر یہ سب متفق تھے پھر اِن لوگوں نے علی کو بیعت کی دعوت دی لیکن وہ کنارہ کش رہے اور توقف کرتے رہے۔ اِس صورتِ حال کے پیش نظر اِن لوگوں نے علی کو مجبور کرنے کے لئے اہم منصوبے تیار کئے اور آخری اقدامات کا ارادہ کر لیا۔ اور پھر اپنے کسی امر میں بھی کبھی علی کو شریک نہ کیا اور نہ اپنے بھیدوں سے اُنھیں آگاہ کیا یہاں تک کہ اِن تمام حضرات کا انتقال ہو گیا اور پھر دوسرے لوگوں نے اِن کی جگہ لی اور اِن کی سیرت پر عمل کیا پھر تم نے اور تمہارے ساتھی نے اُن کی عیب جوئی کرنا شروع کی یہاں تک کہ دور دراز کے نافرمانوں کو بھی اِس تحریک میں شرکت کی حرص پیدا ہوئی اور تم دونوں نے اُنھیں ہلاکت و بربادی میں ڈالنا چاہا اور اُن سے اپنی عداوت کو ظاہر کرتے رہے اور تم دونوں اپنی مراد تک پہنچ گئے اے حضرت ابوبکر کے بیٹے اپنے تحفظ کی طرف سے ہوشیار رہو اور اپنے بالشت کو اپنی انگلیوں کی درمیانی وسعت پر قیاس کر لو تم سے کیا مقابلہ اُس شخص (معاویہ) کا جو اپنے حلم و بردباری سے پہاڑوں کو تولتا ہے۔ جو قہر و جبر سے اپنے نیزے کو نرم نہیں کرتا اور نہ کوئی صاحب گفتار اُس کے وقار تک پہنچ سکتا ہے۔ جس نے اپنی سلطنت کی بنیادیں مستحکم کر لی ہیں اور جو اپنی جگہ ہموار کر چکا ہے اِس بنا پر جس معاملہ کے متعلق تم گفتگو کر رہے تھے اگر وہ درست ہے تو اسکی ابتدا دوسرے لوگوں ہی کی طرف سے ہوئی تھا اور ہم سب اُن کے ساتھ اِس بات میں شریک تھے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو کبھی علی کی مخالفت ہم بھی نہ کرتے بلکہ اُن کا ساتھ دیتے مگر جب ہم نے اُن سربرآوردہ اشخاص کے طرزِ عمل کو دیکھا تو بالآخر

حقیقت ان کی تاسی کی اس لیئے تمہاری عیب جوئی کا رخ میری طرف کبھی ہرگز نہیں ہو سکتا اس کے بعد تم کو اختیار ہے کہ تم اپنے اِس طرزِ عمل کو باقی رکھو یا ترک کر دو۔ سلام ہو اُس پر جو حق کی طرف رجوع کرے۔

وضعِ احادیث علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صہ ۱۵ و ۱۶ پر لکھتے ہیں۔ علی بن محمد المدائنی نے کتاب الاحداث میں لکھا ہے کہ معاویہ نے ایک ہی مضمون کے احکام صُلح امام حسن کے بعد اپنے تمام عُمّال کے پاس روانہ کیئے جن میں تحریر کیا تھا کہ میں اس شخص سے بری الذمہ ہوں جو فضائلِ علی اور اولادِ علی بیان کرے گا۔ اس لیئے ہر طبقہ اور سرزمین میں منبروں پر خطیب کھڑے ہو گئے جو حضرتِ علی پر لعنت کرتے تھے، اُن سے بیزاری چاہتے تھے اور اُن کی اولاد کی مذمت کرتے تھے۔ اِس مصیبت میں سب سے زیادہ اہل کوفہ گرفتار تھے کیونکہ وہاں شیعیانِ علی بہت زیادہ تھے اِس بنا پر معاویہ نے کوفہ پر زیاد ابنِ سُمیّہ کو حاکم مقرر کر دیا اور بصرہ بھی اس کے ساتھ ملا دیا۔ وہ شیعوں کو جہاں بھی وہ ہوتے تھے نکال لیتا تھا کیونکہ وہ اُن سے واقف تھا اِس لیئے کہ وہ علی کے زمانہ میں اُن کے ساتھ رہ چکا تھا اور اُن کے ساتھیوں میں سے تھا۔ ہر ایک پتھر اور کنکر کے نیچے سے شیعوں کو تلاش کر کے اُس نے اُنھیں قتل کیا، دھمکیاں دیں، اُن کے ہاتھ پیر کاٹے، آنکھیں نکال ڈالیں، درختوں کی شاخوں پر سُولی دے کر لٹکایا اور بہت لوگوں کو عراق سے جلا وطن کر دیا ـــــ پھر لکھتے ہیں: معاویہ نے لوگوں کو وضعِ احادیث کا حکم دیا جس سے بہت سی جھوٹی حدیثیں بنائی ہوئی بیان کی گئیں جن کی کوئی حقیقت نہ تھی اور لوگوں نے اِس قسم کی حدیثوں کے بیان کرنے میں کوشش کی یہاں تک کہ یہ سب موضوع حدیثیں منبروں پر بیان اور مشتہر کی گئیں اور اُستادوں کے مکتبوں میں دی گئیں اُنہوں نے اپنے شاگردوں کو سِکھایا اور تعلیم کیا تا اینکہ معلموں نے اپنی عورتوں اور نوکروں کو بھی انکی تعلیم دی۔ پھر معاویہ نے ایک ہی مضمون کا پروانہ اپنے عاملوں کو سب شہروں میں لکھا کہ تم لوگ جس شخص کی نسبت گواہی سے ثابت کرو کہ وہ علی اور اہلبیتِ علی کو دوست رکھتا ہے تو اُسکا نام دفتر سے مٹا دو اور اسکا رزق بند کر دو اور جس شخص پر محبِ علی اور اہلبیتِ علی کا الزام تمہارے نزدیک ثابت ہو جائے تو اُس کے گھر کو گرا دو ـــــ پس بہت سی موضوع احادیث ظاہر ہوئیں اور بہت سی بہتان پھیلائے

والی احادیث حضرت علی کے برخلاف شائع اور مشہور ہوئیں اور اسی روش پر سب فقہاء اور قاضی و حکام چلے۔ سب سے زیادہ اِس روش پر چلنے والے قاریان و ریا کنندگان اور مُتضَعِفین تھے جو اظہارِ خضوع و خشوع و عبادت کرتے تھے۔ پھر وہ جھوٹی حدیثیں بناتے تھے تاکہ اُن کے سبب سے اپنے والیانِ ملک کے نزدیک بہرہ مند ہوں اور پاس بیٹھنے سے قُرب حاصل کریں اور بسبب تقرب کے مال و جائداد و مکانات انھیں حاصل ہوں یہانتک کہ یہ حدیثیں اُن دینداروں کے ہاتھوں میں منتقل ہوئیں جو جھوٹ کو حلال نہیں جانتے تھے اور سچا گمان کر کے قبول کرتے تھے اور اگر وہ جانتے کہ یہ حدیثیں جھوٹی ہیں تو اِن کو روایت نہ کرتے۔ پس یہ امر اسی طرح پر رہا تا اینکہ امام حسن بن علی نے وفات پائی۔

اور ابنِ عَرَفہ نِفطوَیہ نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے جو بہت بڑے محدثین میں میں سے ہیں وہ خبر جو اس بیان کی تصدیق کرتی ہے۔ ابنِ عَرَفہ نے لکھا ہے کہ بہت احادیث موضوعہ بنو امیہ کے زمانہ میں بنائی گئی ہیں تاکہ ان کے ذریعہ سے تقرب حاصل کیا جائے کیونکہ بنو امیہ گمان کرتے تھے کہ وہ اِن موضوعہ احادیث کے ذریعہ سے بنو ہاشم کی ناک مروڑ رہے ہیں۔

ابو الحسن علی المدائنی اور ابن عرفہ اکابر محدثین اسلام میں سے ہیں اور خود علامہ ابن ابی الحدید کی بھی بڑے بڑے محدثین نے توثیق کی ہے۔

مشہور متکلم ابوجعفر اِسکافی معتزلی نے کتاب نقضِ عثمانیہ میں لکھا ہے ۔۔ لوگوں پر زبردستی کی گئی کہ منبروں پر علی اور اولادِ علی پر لعنت کریں اور سب و شتم کریں ۔۔ محدثین کے خوف کی حد یہانتک ہوگئی کہ جب حضرت علی کے واسطہ سے کوئی حدیث بیان کرتے تو علی کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ اشارے سے کہتے تھے۔ مثلاً قریش میں سے ایک شخص نے یہ کہا ہے۔ قریش سے ایک شخص نے ایسا کہا تھا۔ علی کا ذکر نہیں کرتے تھے نہ اُن کا نام لیتے تھے ۔۔ پھر لکھتے ہیں " معاویہ اور یزید اور اُن کے بعد بنو مروان نے اپنے زمانہ سلطنت میں جو تقریباً اسّی سال تھا لوگوں پر جبر کر کے علی اور اولادِ علی پر لعن و سب و شتم کرنے اور اُن کے فضائل و مناقب کے چھپانے میں کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی تھی۔

پھر لکھتے ہیں "حجاج" عبدالملک اور ولید اور جو لوگ اِن کے قبل و بعد بنی امیہ کے سرکشوں میں سے تھے علی اور اور اولادِ علی کی منقبتوں کے چھپانے پر اس بات سے زیادہ حرص رکھتے تھے کہ وہ عبداللہ بن مسعود اور اُبی بن کعب کی قراءتِ قرآن کو محو کرنے کی کوشش کریں کیونکہ اِن قراءتوں سے اُن کے مُلک کے لئے زوال کا خوف نہ تھا البتہ فضائلِ علی و اولادِ علی کے مشہور ہونے میں ان لوگوں کو اپنے ملک و سلطنت کی بربادی کا ڈر تھا اِس وجہ سے انھوں نے فضائل علی کو چھپانے میں بڑی کوشش سے کام لیا مگر اللہ نے یہی چاہا کہ علی اور اُن کی اولاد کا نور چمکے اور لوگوں کے دلوں میں اُن کی محبت زیادہ ہو اور اُن کا ذکر ہر طرف پھیلے اور اُن کے حقوق ظاہر ہوں اور اُن کی فضیلت لوگوں پر آشکار ہو یہاں تک کہ جس قدر بنو امیہ نے اُن کی اِہانت کی تو اُن کی عزت زیادہ ہوگئی اور جس بات سے اُن لوگوں کا مقصد اِن حضرات کے لیے بدی پہنچانا تھا وہ اِن کے لیے نیکی ہوگئی - اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علی اور اولادِ علی کے فضائل و مناقب کا ذکر ہم تک پہنچ گیا اور حضرتِ علی کے یہ صفات ایسے ہیں کہ جن میں اُن کی برابری نہ آگے بڑھنے والوں نے کی اور نہ ان کی انتہا تک تلاش اور طلب و تحقیق کرنے والے پہنچ سکے اور اگر یہ فضائل بے حد مشہور نہ ہوتے اور کثرت کے ساتھ اِن کی روایت نہ کی گئی ہوتی تو ہم تک ان احادیث فضائلِ علی کا ایک حرف بھی نہ پہنچ سکتا -

علامہ جرجی زیدان تاریخ تمدنِ اسلامی حصہ دوم میں لکھتے ہیں "معاویہ کو ملکِ شام کی حکومت پر استقرار حاصل ہوا تو انھوں نے شانِ حکومت اور نمائشِ جاہ و جلال میں رومیوں کی پیروی کی -

اپنے خدم و حشم میں بہت لوگ بھرتی کیے اور اِس قدر سامانِ ریاست درست کیا کہ اُن کی آمدنی مصارف کے لئے ناکافی ہوگئی" ---- پھر لکھتے ہیں امیر معاویہ کو حصولِ خلافت کی بڑی تمنا تھی مگر وہ اِس بات کو جانتے تھے کہ موجودہ حالت میں خلافت کے ایسے دعویدار موجود ہیں جو رسول اللہ سے قرابتِ نسبی اور سابق الایمان ہونے کی صفت کو اپنی تائید میں پیش کریں گے - اِس لیے انھوں نے مال و دولت کے ذریعہ سے اپنے ساتھی اکٹھا کرنے شروع کر دیئے --- اس میں شبہ نہیں کہ دولت کی طاقت کے سامنے کسی کا بس نہیں چلتا - اسی محور پر ساری دنیا گھومتی رہی ہے - امیر معاویہ

نے بھی اس راز کو سمجھ لیا تھا اور انھوں نے بے انتہا دولت صرف کرکے عرب کی نامور سیاسی شخصیتوں کو اپنے قابو میں کرلیا تھا۔ ان لوگوں نے اپنی سیاسی ترکیبوں اور تلواروں سے معاویہ کی بھرپور امداد کی اور آخرکار جنگِ صفین کے بعد انھیں خلیفہ بنا بھی دیا پھر یہ منصب انھیں پوری طرح اُس وقت حاصل ہو گیا جب امام علی ۴۰ھ ہجری میں شہید ہو گئے اور ان کے بڑے فرزند امام حسن نے منصب خلافت سے علیحدگی اختیار کرکے اِس بار کو معاویہ کے سپرد کر دیا۔

اگرچہ یہ سب مرحلے طے ہو گئے لیکن عام مسلمان یہی سمجھتے رہے کہ معاویہ نے مال کے زور پر خلافت حاصل کرلی ہے چنانچہ امام زین العابدین جو امام علی کے پوتے تھے انھوں نے ایک بار صاف لفظوں میں یہ بات کہی تھی کہ معاویہ حضرت علی سے دولت کے ذریعہ لڑتے تھے۔ خاندانِ بنی امیہ کے دوسرے حکمرانوں نے بھی معاویہ ہی کی پیروی کی اور خاندانِ بنی ہاشم کے ان افراد سے مقابلہ کرنے میں جنھیں خلافت کا دعویٰ تھا یا خارجی لوگوں سے جنگ کرنے میں مال و دولت ہی کو استعمال کیا تھا۔"

یہ بات کہ امام حسن کی وفات اُس زہر سے ہوئی تھی جو اُنھیں معاویہ کے اشارہ پر دیا گیا تھا، تقریباً تاریخ کی ہر مستند کتاب میں موجود ہے۔

علامہ مسعودی مُرُوجُ الذّہب ج ۲ میں لکھتے ہیں "انّ امرأتہ جُعدۃ بنت اشعث بن قیس الکندی سَقَتْہُ السّمّ وقد کان معاویۃ دسّ علیہا انکِ ان احتلتِ فی قتل الحسن وجّہتُ الیکِ بمائۃ الف درہمٍ وزوّجتُکِ یزید فکان ذلک الذی بعثہا علی سمّہ فلمّا مات وفیٰ لہا معاویۃ بالمال وارسل الیہا انّا نحبّ حیاۃ یزید ولولا ذلک لوفینا لکِ بتزویجہ"

امام حسن کی زوجہ جُعدہ بنت اشعث بن قیس نے انھیں معاویہ کے حکم سے زہر دیا تھا معاویہ نے اس سے کہا تھا کہ اگر امام حسن کو اس ترکیب سے قتل کردیگی تو میں تجھے ایک لاکھ درہم دوں گا اور اپنے فرزند یزید سے نکاح کردوں گا۔ یہی معاہدہ اِس کا باعث ہوا کہ جُعدہ نے امام حسن کو زہر دیا تھا یہاں تک کہ جب اُن کی وفات ہو گئی تو معاویہ نے مال کا وعدہ تو پورا کر دیا اور یہ کہلا بھیجا کہ ہمیں یزید کی زندگی پیاری ہے ورنہ ہم تیرا نکاح اُس سے کر دیتے۔

تاریخ مُرُوجُ الذّہب کے علاوہ معاویہ کے حکم پر امام حسن کو زہر دیے جانے کے

اس واقعہ کا ذکر دیگر کتابوں کے علاوہ تاریخ ابو الفدا جلد ۱، الاستیعاب جلد ۱ لابن عبد البر، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر دمشقی، تاریخ حبیب السیر ج ۲، شواہد النبوۃ جامی، تذکرۃ خواص الائمہ سبط ابن جوزی الباب الثامن فی ذکر الحسن

محمد بن ابی بکر کا قتل

تاریخ ابو الفدا جلد اوّل میں ہے (ترجمہ) :-

۳۸ھ ہجری میں معاویہ نے عمرو بن العاص کو لشکر کے ساتھ مصر پر حملہ کے لئے روانہ کیا۔ حضرت علی کی جانب سے وہاں کے گورنر محمد بن ابی بکر نے حضرت علی سے مدد طلب کی۔ انھوں نے مالک اشتر کو اُن کی طرف بھیجا۔ جب یہ سمندر تک پہنچ گئے تو ایک شخص نے شہد میں انھیں زہر کھلا دیا جس سے مالک اشتر ہلاک ہو گئے جب ان کی وفات کی خبر معاویہ کو ہوئی تو انھوں نے خوش ہو کر کہا کہ شہد میں بھی خدا کا لشکر ہے۔ اس کے بعد عمرو بن العاص مع لشکر مصر پہنچ گیا۔ محمد بن ابی بکر کی فوج نے مقابلہ کیا مگر آخر میں انھیں شکست ہوئی اور عمرو فاتحانہ مصر میں داخل ہو گیا۔ محمد بن ابی بکر کا لشکر متفرق ہو گیا اور وہ بالکل تنہا رہ گئے۔ انھوں نے ایک گرے ہوئے مکان میں پناہ لی مگر پھر گرفتار ہو گئے۔ لوگ انھیں مُعاوِیہ بن حُدَیج کے پاس لے گئے جس نے ان کو قتل کر دیا اور اِن کی لاش گدھے کی کھال میں بھر کر جلا دی گئی۔ عمرو مصر میں داخل ہو گئے اور سب لوگوں نے معاویہ کی بیعت کر لی پھر جب حضرت عائشہ کو اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر ملی تو وہ ہر نماز کے بعد معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص کے لیئے بد دعا کرتی تھیں۔ پھر انھوں نے اپنے بھائی محمد کے اہل و عیال کو اپنے پاس بُلوا لیا اور جب حضرت علی کو محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر ملی تو آپ بہت روئے اور فرمایا کہ اِس کا حساب خدا کے یہاں ہوگا۔

اس کے بعد معاویہ نے حضرت علی کے دوسرے گورنروں کی طرف جنگی دستے روانہ کیئے چنانچہ نعمان بن بَشیر انصاری کو عَیْنُ التَّمر بھیجا۔ نعمان کی فوج نے عَیْنُ التَّمر میں قتل و غارت کے بازار گرم کیئے اور حضرت علی کے تمام ماننے والوں کو جو وہاں موجود تھے شکست دیدی نیز معاویہ نے سُفیان بن عَوف کو مقام "ہِیت" و "اَنبار" و "مَدائِن" روانہ کیا جہاں اس نے لوٹ مار کی اور ان مقامات کا تمام مال و متاع لے کر معاویہ کے پاس آگیا۔ پھر مُعاویہ نے عَبد اللہ بن مَسْعَدَۃ کو حِجاز کی طرف بھیجا، اور

حضرت علی نے بھی وہاں ایک فوجی دستہ بھیجا۔ مقام تیما پر جنگ ہوئی اور لشکرِ معاویہ کو شکست ہوئی اور تمام فوج بھاگ گئی۔ اسی طرح معاویہ مسلسل حضرت علی کے شہروں کی طرف قتل و غارت کے لیے فوجیں بھیجتے رہتے تھے اور حضرت علی اپنے آدمیوں کو فصیح و بلیغ خطبوں کے ذریعہ سے معاویہ سے جنگ پر ابھارتے تھے اور جب لشکر نے نافرمانی کی تو گھر میں بیٹھ رہے پھر ۳۹ سنہ ہجری آیا اور حالات اسی طرح باقی تھے ــــــ اس کے بعد لکھتے ہیں: اسی سنہ ہجری میں معاویہ نے بُسر بن اَرطاۃ کو ایک لشکر کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ کیا۔ وہ مدینہ آیا وہاں حضرت علی کی طرف سے ابوایوب الانصاری عامل تھے لیکن وہ وہاں سے نکل کر علی کے پاس آئے۔ ادھر بُسر بن اَرطاۃ مدینہ میں داخل ہوگیا وہاں اُس نے بہت کشت و خون کیا اور لوگوں کو معاویہ کی بیعت پر مجبور کیا اس کے بعد وہ یمن کی طرف چلا گیا اور وہاں بھی ہزارہا آدمیوں کو قتل کیا۔ یمن پر حضرت علی کی طرف سے عُبید اللہ بن عبّاس عامل تھے وہ یمن سے چلے گئے۔ اُن کے دو چھوٹے چھوٹے لڑکے یمن میں رہ گئے تھے۔ بُسر بن ارطاۃ نے ان بچوں کو (اُن کی ماں کی گودمیں) ذبح کر ڈالا۔ ماں روتی رہی اور پھڑکتی رہی اور جب تک زندہ رہی اپنے بچوں پر نوحہ کرتی رہی۔

مالک اشتر کو زہر کسنے دلوایا

حبیب السیر جلد اوّل میں ہے (ترجمہ):- جب معاویہ کو مالکِ اشتر کی روانگیِ مصر کی خبر پہنچی تو وہ بہت گھبرائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب حضرت علی کوفہ کی طرف سے اور مالکِ اشتر مصر کی طرف سے بڑھیں گے تو اُن کا دمشق میں اقتدار پر رہنا ممکن نہ ہوسکے گا اس لیے فوراً انھوں نے ایک زمیندار کو لکھا جس کی رہائش مصر کے راستہ پر تھی اور جو اپنے کو معاویہ کے دوستوں میں قرار دیتا تھا۔ کہ مالکِ اشتر مصر کی طرف جارہے ہیں یقیناً اُن کا گذر تمہاری طرف سے ہوگا۔ تم کو چاہیے کہ اُن کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کرو اور انھیں مہمان بلاؤ اور اُن کے کھانے میں زہر ملا دو۔ زمیندار نے اِس بات کو قبول کر کیا اور جب مالک وہاں پہنچے تو اُس نے معاویہ کے حکم کے مطابق زہر ملا ہوا کھانا اُن کو کھلا دیا اور وہ وفات پا گئے۔

اب ہم اس سلسلہ کے کچھ اور حوالے بھی لکھتے ہیں جن سے معاویہ کی شخصیت اور ان کے ماحول اور خیالات و طریق کار کا بہ آسانی اندازہ کیا جا سکے گا۔

تاریخ ابوالفدا جس کا ہم اس سے قبل بھی ذکر کر چکے ہیں اُس کی پہلی جلد میں لکھا ہے:
كَانَ مُعَاوِيَةُ وَعُمَّالُهُ يدعون لِعثمانَ فِى الخطبة يوم الجمعة ويسبّون عليًّا ولمّا كان المغيرة متولّى الكوفة كان يفعل ذٰلك طاعة لمعاويۃ۔ معاویہ اور اُن کے عمّال حضرت عثمان کے لیئے خطبۂ جمعہ میں دعا کرتے تھے اور حضرت علی کو گالیاں دیتے تھے اور جب مُغیرہ بن شُعبہ کوفہ کا والی تھا تو وہ بھی معاویہ کی اطاعت میں یہی کیا کرتا تھا۔

روضۃ الصّفا، ج ۳ میں بھی یہی لکھا ہے کہ معاویہ امیر المؤمنین حضرت علی اور بنی ہاشم کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمر بن عبد العزیز کے ذکر میں لکھا ہے کہ شاہانِ بنی امیہ معاویہ سے عمر بن عبد العزیز تک منبروں پر حضرت علی کو نمازوں کے وقت گالیاں دیا کرتے تھے اور آپ پر لعنت کرتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ شہروں کے خطیب آپ کی شان میں گستاخیاں کریں۔

نووی کی شرح مسلم ج ۲ میں ہے: فدعا سھل بن سعد اَن یشتم علیًّا قال فابٰی سھل قال اما اذا ابیتَ فقل لعن اللّٰہ ابا تُراب۔ معاویہ نے کسی شخص کو مدینہ کا والی بنایا تھا اُس نے سھل بن سعد سے کہا کہ حضرت علی کو گالیاں دے۔ جب سھل نے انکار کیا تو اس نے کہا کہ اچھا تم ابوتراب پر لعنت کرو۔ یہی واقعہ خود معاویہ کا بھی ہے (تاریخ کامل و شرحِ مسلم نووی)

تاریخ کامل ج ۳ میں ہے کہ معاویہ قنوت میں حضرت علی، عبد اللہ بن عباس، حسن، حسین اور مالکِ اشتر کو گالیاں دیا کرتے تھے۔

معاویہ کا امام حسن کو زہر دلوانا ہم اس سے قبل بھی لکھ چکے ہیں۔ اب اس سلسلہ میں عصرِ حاضر کی مشہور شخصیت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی مرحوم کی تحریر نقل کرتے ہیں جو انہوں نے محرم نامہ صہ ۴۷ بحوالہ تاریخ طبری اور یزید نامہ صہ ۸۳ پر بحوالہ طبقات الاطباء لکھی ہے: "پہلا خون سیدنا امام حسن کا ہے جو تاریخ کی روایت اور درایت سے قطعاً امیر معاویہ کے اوپر ثابت ہے اور کوئی جدید و قدیم محاکمۂ تاریخی ان کی بریّت اس قتل کی شرکت سے نہیں کر سکتا۔"

نصائح کافیہ وغیرہ میں ہے کہ معاویہ نے حُجر بن عدی کو امیر المومنین حضرت علی پر لعنت کرنے کا حکم دیا تھا جب انھوں نے اس سے انکار کیا تو وہ شہید کر دیئے گئے۔ اسی طرح عبد الرحمٰن بن حسّان کو حضرت علی کی مدح سرائی کے جرم میں زندہ دفن کیا گیا تھا۔

العقد الفرید ج ۳ میں ہے کہ معاویہ لوگوں سے اس پر بیعت لیتے تھے کہ حضرت علی پر لعنت کریں۔

"ینابیع المودّۃ" میں ہے کہ معاویہ نے سعد بن ابی وقّاص سے کہا کہ تم علی کو گالیاں نہیں دیتے۔ مُستطرَف میں ہے کہ معاویہ نے حضرت عقیل سے کہا کہ منبر پر جا کر حضرت علی پر لعنت کرو۔

"براھین قاطعہ" اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۴ میں ہے کہ معاویہ نے شام اور عراق وغیرہ کے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ حضرت علی کی شان میں گستاخیاں کی جائیں۔ تاریخ مُروجُ الذّھب میں ہے کہ اسی رسمِ لعنت پر مدارس میں بچوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔

"نصائحُ کافیہ" میں ہے کہ لوگ کہا کرتے تھے کہ جب تک حضرت علی کی شان میں گستاخیاں نہ کی جائیں نمازِ جمعہ ہی درست نہیں ہوتی چنانچہ عمر بن عبد العزیز نے اس رسمِ لعنت کی ممانعت کی، لوگوں نے آواز بلند کی کہ اے امیر المؤمنین (معاویہ) آج تیری سنّت ترک کر دی گئی۔

"منہاج" میں ہے کہ جب معاویہ نے حضرت علی پر "سبّ" کرنا شروع کیا تو اُس سال کا نام "عامُ السُّنّۃ" رکھا۔ تاریخ الخلفاء میں ہے کہ جس سال امام حسن نے معاویہ سے صلح کی اُس کا نام "عامُ الجماعۃ" رکھا گیا۔ نصائحِ کافیہ میں ہے کہ معاویہ نے خطبہ میں کہا کہ جو شرطیں میں نے امام حسن سے کی ہیں وہ سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔

نصائحِ کافیہ میں ہے کہ لِسانُ المحدّثین میں بسند امام نسائی، موضوعات شوکانی اور لآلی مصنوعہ سُیُوطی میں بہ سند علامہ اسحاق بن ابراھیم حنظلی، تطہیر الجنان اور موضوعات کبیر ملا علی قاری صـ ۲۸ پر اور فتح الباری میں بہ سند ابن راھویہ ـــ اور

مدارج النبوۃ نیز فوائد علامہ شوکانی میں ہے کہ معاویہ کے حق میں کوئی حدیث رسول وارد نہیں ہوئی۔

نصائح کافیہ علامہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن صنے پر ہے کہ معاویہ نے ۴۱ھ کے بعد ایک حکم جاری کیا کہ ہم اُس شخص سے بری الذمہ ہیں جو حضرت علی یا اہلبیت محمد کی تعریف میں روایت بیان کرے یعنی ایسے شخص کا خون مباح ہوگا۔

نصائح کافیہ میں یہ بھی ہے کہ معاویہ نے دوسرا حکم یہ جاری کیا کہ جس شخص کی بابت تحقیق سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ حضرت علی اور اُن کے اہل بیت کو دوست رکھتا ہے اُس کا نام دیوان سے کاٹ دو اور جو وظیفہ اُس کا مقرر ہو اُسے بند کردو۔

نصائح کافیہ میں ہے کہ معاویہ نے مغیرہ حاکم کوفہ کو لکھا کہ ہم دیگر باتوں میں تیری رائے پر اعتبار کرتے ہیں مگر اتنا سمجھنا ضروری ہے کہ علی کو بُرا کہنا کبھی ترک نہ کرنا اور اُن کے اصحاب کی مذمت کرتے رہنا اور جہاں تک ہو سکے اُنھیں اپنے پاس سے نکال دینا

نصائح کافیہ میں علامہ سیوطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ زمانہ حکومت بنی امیہ میں ستر ہزار منبر ایسے تھے جن پر حضرت علی پر لعنت کی جاتی تھی جس کی ابتدا معاویہ نے کی تھی۔

تاریخ الخلفاء سیوطی میں معاویہ کی اُن بدعتوں کی فہرست لکھی ہوئی ہے جو انھوں نے رائج کی تھیں اور شریعت اسلام کے احکام میں اپنی رائے سے تبدیلیاں کی تھیں۔

نصائح کافیہ میں ہے کہ معاویہ نے حضرت علی کی شان میں گستاخیوں اور لعنت کے جس طریقہ کو رواج دیا تھا اُسے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۹۹ھ ہجری میں ممنوع قرار دیا تھا۔

نصائح کافیہ وغیرہ میں ہے کہ ایک یہودی نے دربار معاویہ میں حضور انور کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے مگر وہ سنتے رہے اور اُسے نہیں روکا جس پر محمد بن مسلمہ انصاری نے کہا کہ اے معاویہ تمہارے سامنے رسول اللہ کی شان میں گستاخی کی جارہی ہے اور تم سن رہے ہو۔ العقد الفرید ج اول میں ہے کہ معاویہ بیعت لیتے وقت یہ شرط پیش کرتے تھے کہ علی سے تبرّا کیا جائے۔ نصائح کافیہ صنے پر ہے کہ کسی نے معاویہ سے کہا کہ اے امیر المومنین اب تم اپنی ہر ایک آرزو میں کامیاب ہو گئے ہو اب تو اس شخص (حضرت علی) سے باز آجاؤ۔ معاویہ نے کہا جب تک بچے اس طریقہ پر پرورش

نہ پائیں اور لوگ اِس عقیدہ پر بوڑھے نہ ہو جائیں حتیٰ کہ کوئی شخص فضیلتِ علی کا ذکر کرنے والا نہ رہے۔ خدا کی قسم اِس حرکت سے باز نہ آؤں گا۔

تاریخ کامل ج ۳ میں ہے کہ جب معاویہ یزید کو اپنا جانشین بنانے کی کوشش میں سرگرداں پھر رہے تھے تو وہ سب سے پہلے امام حسین سے ملے۔ آپ کو دیکھ کر انھوں نے کہا تم کو مرحبا نہ ہو اور نہ اہل و سہل ہو، تم تو قربانی کا دنبہ ہو جس کا خون جوش کھا رہا ہے خدا کی قسم یہ خون گرایا جائے گا۔ اس کے بعد معاویہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے ملے تو اُن کے لیئے انھوں نے کہا کہ یہ ایک فاتر العقل بوڑھا ہے اور حکم دیا کہ ان کی سواری کو مارو اور ایسا ہی برتاؤ عبداللہ ابن عمر کے ساتھ کیا یہاں تک کہ معاویہ مدینہ پہنچ گئے وہاں انھوں نے خطبوں میں یزید کی تعریف کے پل باندھ دیئے اور کہا کہ یزید سے بڑھ کر مستحقِ خلافت کون ہو سکتا ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ خلافتِ یزید پر راضی نہ ہوں گے جب تک ان پر تلواریں نہ پڑیں اور نیست و نابود نہ کر دیئے جائیں۔

محاضرات راغب اصفہانی میں قاضی شریک بن عبداللہ معاویہ کے بارے میں روایت کرتا ہے کہ معاویہ کو حضرت علی کی خبرِ شہادت پہنچی تو وہ تکیہ کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے یہ خبر سنتے ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور لونڈی کو حکم دیا کہ ہمیں کچھ گانا سناؤ کیونکہ ہماری آنکھوں کو آج ٹھنڈک ملی ہے مگر لونڈی حضرت علی کی مذمت کے بجائے اُن کی مدح میں شعر پڑھنے لگی جن کا حاصل یہ تھا: معاویہ کو یہ خبر سنا دو کہ خدا شماتت کرنے والے کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب نہ کرے۔ آہ تم نے اے معاویہ ماہِ رمضان میں ایسے بزرگوار کے قتل سے ہم کو دکھ دیا جو تمام لوگوں سے افضل تھا۔ تم نے اُس کو قتل کیا جو بہتر اور افضل تھا اور تمام اُن لوگوں سے بزرگ تر تھا جو گھوڑے اور ناقہ پر سوار ہونے والے اور کشتیوں پر چڑھنے والے ہیں۔ یہ سن کر معاویہ نے لونڈی کے سر پر گرز مارا جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور وہ شہید ہو گئی۔

معاویہ بن ابی سفیان پر "جماعتِ اسلامی" کے بانی مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے صہ ۱۵۸ اور اس کے بعد کے صفحات میں جو کچھ لکھا ہے اُس کو بھی ہم نقل کیئے دیتے ہیں تاکہ اِس دور کے اہلِ تصنیف کے خیالات سے بھی ناظرین کو آگاہی ہو سکے۔

مودودی صاحب تحریر فرماتے ہیں :

حضرت معاویہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہ تھی کہ مسلمانوں کے بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں اور اگر مسلمان ایسا کرنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ نہ بنتے۔ وہ بہرحال خلیفہ ہونا چاہتے تھے، انھوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی، مسلمانوں کے راضی ہونے پر اُن کی خلافت کا انحصار نہ تھا۔ لوگوں نے اُن کو خلیفہ نہیں بنایا، وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے اور جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اُس وقت اگر اُن کی بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا کہ وہ اپنے حاصل کردہ منصب سے ہٹ جاتے بلکہ اس کے معنی خونریزی و بدنظمی کے تھے جسے امن اور نظم پر ترجیح نہیں دی جاسکتی تھی اس لئے امام حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری (ربیع الاول ۴۱ھ) کے بعد تمام صحابہ و تابعین و صلحائے امت نے اُن کی بیعت پر اتفاق کیا اور اس کو "عام الجماعت" اس بنا پر قرار دیا کہ کم از کم باہمی خانہ جنگی تو ختم ہوئی۔ حضرت معاویہ خود بھی اس پوزیشن کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اپنے زمانہ خلافت کے آغاز میں انھوں نے مدینہ طیبہ میں تقریر کرتے ہوئے خود فرمایا تھا:

اما بعدُ فانی واللہ ما ولیت امرکم حین ولیتہ، وانا اعلم انکم لا تسرّون بولایتی ولا تحبّونھا وانی لعالمٌ بما فی نفوسکم من ذٰلک ولکنی خالستکم بسیفی ھٰذا مخالسۃً وان لم تجدونی اقوم بحقکم کلہ فارضوا منی ببعضہ (البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر ج ۸ ص ۱۳۲)

بخدا میں تمہاری حکومت کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ تم میرے برسر اقتدار آنے سے خوش نہیں ہو اور اسے پسند نہیں کرتے اس معاملہ میں جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے میں خوب جانتا ہوں، مگر میں نے اپنی اس تلوار کے زور سے تم کو مغلوب کرکے اسے لیا ہے اب اگر تم یہ دیکھو کہ میں تمہارا حق پورا پورا ادا نہیں کررہا ہوں تو تھوڑے پر مجھ سے راضی رہو"

اس طرح جس تغیر کی ابتدا ہوئی تھی یزید کی ولی عہدی کے بعد سے وہ ایسا مستحکم ہوا کہ موجودہ صدی میں مصطفیٰ کمال کے الغائے خلافت تک ایک دن کے لئے بھی اس میں تزلزل واقع نہ ہوا۔ اس سے جبری بیعت اور خاندانوں کی موروثی بادشاہت کا

آجتک مسلمانوں کو انتخابی خلافت کی طرف
ایک مستقل طریقہ چل پڑا۔ اس کے بعد سے آجتک مسلمانوں کو انتخابی خلافت کی طرف پلٹنے کا کوئی موقع نصیب نہ ہوسکا۔ لوگ مسلمانوں کے آزادانہ اور کھلے مشورے سے نہیں بلکہ طاقت سے برسر اقتدار آتے رہے۔ بیعت سے اقتدار حاصل ہونے کے بجائے اقتدار سے بیعت ہونے لگی۔ بیعت کرنے یا نہ کرنے میں مسلمان آزاد نہ رہے بیعت کا حاصل ہونا اقتدار پر فائز ہونے اور فائز رہنے کیلئے شرط نہ رہا۔ لوگوں کی اوّل تو یہ مجال نہ تھی کہ جسکے ہاتھ میں اقتدار آیا ہوا تھا اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے لیکن اگر وہ بیعت نہ بھی کرتے تو اُسکا نتیجہ ہرگز یہ نہ ہوتا تھا کہ جس کے ہاتھ میں اقتدار آگیا ہو وہ اُن کے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے ہٹ جائے۔

مولانا مودودی پھر لکھتے ہیں :-

دوسری نمایاں تبدیلی یہ تھی کہ دورِ ملوکیت کے آغاز ہی سے بادشاہ قسم کے خلفاء نے قیصر و کسریٰ کا سا طرزِ زندگی اختیار کر لیا اور اُس طریقے کو چھوڑ دیا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفائے راشدین زندگی بسر کرتے تھے انھوں نے شاہی محلات میں رہنا شروع کر دیا شاہی حرس (Body guards) اُن کے محلوں کی حفاظت کرنے اور اُن کے جلو میں چلنے لگے۔ حاجب و دربان ان کے اور عوام کے درمیان حائل ہو گئے رعیّت کا براہِ راست اُن تک پہنچنا اور اُن کا خود رعیّت کے درمیان رہنا سہنا اور چلنا پھرنا بند ہو گیا۔ اپنی رعیّت کے حالات معلوم کرنے کے لیئے وہ اپنے ماتحت کار پردازوں کے محتاج ہو گئے جن کے ذریعہ سے کبھی کسی حکومت کو بھی صحیح صورتِ احوال کا علم نہیں ہوسکا ہے۔ اور رعیّت کے لیئے بھی یہ ممکن نہ رہا کہ بلا توسّط اُن تک اپنی حاجات اور شکایات لے کر جاسکیں ــــ اس تبدیلی کی ابتدا حضرت معاویہ کے زمانہ میں ہوچکی تھی۔ بعد میں یہ برابر بڑھتی چلی گئی ــــ

(صفحہ ۱۶۳) اس دور کے تغیّرات میں سے ایک اور اہم تغیر یہ تھا کہ مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی گئی تھی حالانکہ اسلام نے اسے مسلمانوں کا صرف حق ہی نہیں بلکہ فرض قرار دیا تھا اور اسلامی معاشرہ و ریاست کا صحیح راستے پر چلنا اس پر منحصر تھا کہ قوم کا ضمیر زندہ اور اُس کے افراد کی زبانیں آزاد ہوں۔ ہر غلط کام پر وہ بڑے سے بڑے آدمی کو ٹوک سکیں اور حق بات برملا کہہ سکیں۔

دورِ ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے اور

زبانیں بند کر دی گئیں ۔ اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ مُنہ کھولو تو تعریف کے لیۓ کھولو، ورنہ چپ رہو، اور اگر تمہارا ضمیر ایسا ہی زور دار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید اور قتل اور کوڑوں کی مار کے لیۓ تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ جو لوگ بھی اُس دور میں حق بولنے اور غلط کاریوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے ان کو بدترین سزائیں دی گئیں تاکہ پوری قوم دہشت زدہ ہو جائے۔

اس نئی پالیسی کی ابتدا حضرت معاویہ کے زمانہ میں حضرت حُجر بن عَدِی کے قتل (۵۱ھ) سے ہوئی جو ایک زاہد و عابد صحابی اور صلحائے امت میں ایک اونچے مرتبہ کے شخص تھے۔ حضرت معاویہ کے زمانہ میں جب منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علی پر لعنت اور سب و شتم کا سلسلہ شروع ہوا تو عام مسلمانوں کے دل ہر جگہ ہی اس سے زخمی ہو رہے تھے مگر لوگ خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتے تھے۔ کوفہ میں حُجر بن عَدِی سے صبر نہ ہو سکا اور انہوں نے جواب میں حضرت علی کی تعریف اور حضرت معاویہ کی مذمت شروع کر دی۔ حضرت مُغیرہ جب تک کوفہ کے گورنر رہے، وہ اُن کے ساتھ رعایت برتتے رہے۔ اُن کے بعد جب زیاد کی گورنری میں بصرہ کے ساتھ کوفہ بھی شامل ہو گیا تو اُس کے اور اُن کے درمیان کشمکش برپا ہو گئی۔ وہ خطبے میں حضرت علی کو گالیاں دیتا تھا اور یہ اُٹھ کر اس کا جواب دینے لگتے تھے اسی دوران میں ایک مرتبہ انھوں نے نماز جمعہ میں تاخیر پر بھی اُس کو ٹوکا۔ آخرکار اُس نے انھیں اور ان کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے خلاف بہت سے لوگوں کی شہادتیں اس فردِ جرم پر لیں کہ انھوں نے ایک جتھا بنا لیا ہے، خلیفہ کو علانیہ گالیاں دیتے ہیں، امیر المؤمنین (معاویہ) کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتے ہیں، ان کا دعویٰ یہ ہے کہ خلافت آل ابی طالب کے سوا کسی کے لیۓ درست نہیں ہے، انھوں نے شہر میں فساد برپا کیا اور امیر المؤمنین (معاویہ) کے عامل کو نکال باہر کیا، یہ ابو تراب (حضرت علی) کی حمایت کرتے ہیں۔ اُن پر رحمت بھیجتے ہیں اور اُن کے مخالفین سے اظہار برارت کرتے ہیں — ان گواہوں میں سے ایک گواہی قاضی شُریح کی بھی ثبت کی گئی، مگر انھوں نے ایک الگ خط میں حضرت معاویہ کو لکھ بھیجا کہ میں نے سنا ہے آپ کے پاس حُجر بن عَدِی کے خلاف جو شہادتیں بھیجی گئی ہیں اُن میں ایک میری شہادت بھی ہے

میری اصل شہادت حجرؓ کے متعلق یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، دائماً حج و عمرہ کرتے رہتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔ اُن کا خون اور مال حرام ہے (یعنی محترم ہے) آپ چاہیں تو انھیں قتل کریں ورنہ معاف کردیں۔ اس طرح یہ ملزم معاویہ کے پاس بھیجے گئے اور انھوں نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علیؓ سے برارت کا اظہار کرو اور اُن پر لعنت بھیجو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور حجرؓ نے کہا "میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب کو ناراض کرے" آخر کار وہ اور اُن کے سات ساتھی قتل کر دیئے گئے۔ ان میں ایک صاحب عبدالرحمٰن بن حسان کو حضرت معاویہ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا اور اُس کو لکھا کہ انھیں بدترین طریقہ سے قتل کرو چنانچہ اُس نے انھیں زندہ دفن کر دیا (طبری ج ۴، استیعاب لابن عبدالبرّ ج ا کامل لابن الاثیر ج ۳ - البدایۃ والنہایۃ ج ۸ - ابن خلدون ج ۳)

اس واقعہ نے امت کے تمام صُلحاء کا دل ہلادیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضؓ کو یہ خبر سنکر سخت رنج ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت معاویہ کو اس فعل سے باز رکھنے کے لیے پہلے ہی خط لکھا تھا۔ بعد میں جب ایک مرتبہ حضرت معاویہ اُن سے ملنے آئے تو انھوں نے فرمایا۔ "اے معاویہ، تمہیں حجرؓ کو قتل کرتے ہوئے خدا کا ذرا خوف نہ ہوا؟" حضرت معاویہ کے گورنر خراسان ربیع بن زیاد الحارثی نے جب یہ خبر سنی تو پکار اٹھے کہ خدایا اگر تیرے علم میں میرے اندر کچھ خیر باقی ہے تو مجھے دنیا سے اُٹھالے (الاستیعاب ج ا، طبری ج ۴)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: "حضرت معاویہ کے چار افعال ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کرے تو وہ اس کے حق میں مہلک ہو۔ ایک، ان کا اس امت پر تلوار سونت لینا اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کر لینا در آں حالیکہ امت میں بقایائے صحابہ موجود تھے۔ دوسرے اُن کا اپنے بیٹے کو جانشین بنانا حالانکہ وہ شرابی اور نشہ باز تھا، ریشم پہنتا اور طنبورے بجاتا تھا۔ تیسرے ان کا زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم موجود تھا کہ اولاد اُسکی ہے

جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زانی کے لیے کنکر پتھر ہیں۔ چوتھے ان کا حُجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دینا (ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۰۳۔ البدایۃ ج ۸ ص ۵۰)

اس کے بعد لوگوں کی آواز کو جبر و ظلم سے دبانے کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ مروان بن الحکم نے اپنی گورنری مدینہ کے زمانہ میں حضرت مِسوَر بن مَخرَمہ کو اس قصور پر لات ماردی کہ انھوں نے اس کی ایک بات پر یہ کہدیا تھا کہ "آپ نے یہ بری بات کہی ہے"۔ حجاج بن یوسف کو ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی نے خطبہ لمبا کرنے اور نماز جمعہ میں حد سے زیادہ تاخیر کرنے پر ٹوکا تو اس نے کہا "میرا ارادہ ہے کہ تمہاری یہ دونوں آنکھیں جس سر میں ہیں اس پر ضرب لگا دوں" (الاستیعاب ج ۱ ص ۳۹۶) اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے ج ۴ ص ۱۳۲) عبدالملک بن مروان ۷۵ھ میں جب مدینہ گیا تو منبر رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر اس نے اعلان کیا "میں اس امت کے امراض کا علاج تلوار کے سوا کسی اور چیز سے نہ کروں گا .... اب اگر کسی نے مجھے اِتَّقِ اللہ کہا تو میں اس کی گردن مار دوں گا"۔ (ابن الاثیر ج ۴ ص ۱۰۴، احکام القرآن للجصّاص ج ۱ ص ۸۶۔ فوات الوفیات، محمد بن شاکر الکتبی ج ۲ ص ۳۳ مطبعۃ السعادۃ، مصر)

ولید بن عبدالملک نے ایک دفعہ خطبۂ جمعہ کو اتنا طول دیا کہ عصر کا وقت بھی گزرنے لگا۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا "امیر المؤمنین وقت آپ کا انتظار نہ کرے گا اور نماز میں اتنی تاخیر کر دینے پر آپ خدا کے سامنے کوئی عذر پیش نہ کر سکیں گے"۔ ولید نے جواب دیا اے شخص تو نے سچ کہا مگر ایسے راست گفتار آدمی کی جگہ وہ نہیں ہے جہاں تو کھڑا ہے"۔ چنانچہ اسی وقت شاہی باڈی گارڈ نے اسے قتل کر کے جنت پہنچانے کا انتظام کر دیا (ابن عبد ربہ۔ العقد الفرید ج ۱ ص ۶۲۔ لجنۃ التالیف والترجمہ، قاہرہ ۱۹۴۰ء)

یہ پالیسی رفتہ رفتہ مسلمانوں کو پست ہمت اور مصلحت پرست بناتی چلی گئی۔ خطرہ مول لیکر سچی بات کہنے والے اُن کے اندر کم ہوتے چلے گئے۔ خوشامد اور ضمیر فروشی کی قیمت مارکیٹ میں چڑھتی اور حق پرستی و راست بازی کی قیمت گرتی چلی گئی۔ اعلیٰ قابلیت رکھنے والے، ایماندار اور باضمیر لوگ، حکومت سے بے تعلق ہو گئے، اور عوام کا حال یہ ہو گیا کہ انھیں ملک اور اس کے معاملات سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی حکومتیں آتی اور جاتی رہیں مگر لوگ بس اُن کی آمد و رفت کے تماشائی بن کر رہ گئے۔۔

عام لوگوں میں اس پالیسی نے جس سیرت و کردار کو نشوونما دینا شروع کر دیا اس کا ایک نمونہ وہ واقعہ ہے جو حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) کے ساتھ پیش آیا تھا۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ سانحۂ کربلا کے بعد ایک شخص چھپا کر مجھے اپنے گھر لے گیا اور میری خوب خاطر مدارات کی۔ اس کا حال یہ تھا کہ ہر وقت مجھے دیکھ دیکھ کر روتا تھا اور میں اپنی جگہ یہ سمجھتا تھا کہ میرے لئے اگر کسی شخص کے اندر وفا ہے تو وہ یہ شخص ہے۔ اتنے میں عبید اللہ بن زیاد کی یہ منادی سنی گئی کہ جو کوئی علی بن حسین کو ہمارے پاس پکڑ لائے گا اسے تین سو درہم انعام دیا جائے گا۔ یہ اعلان سنتے ہی وہ شخص میرے پاس آیا۔ میرے ہاتھ میری گردن سے باندھتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ اسی حالت میں وہ مجھے ابن زیاد کے پاس لے گیا اور اس سے انعام حاصل کر لیا (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۲)

مودودی صاحب صد ۱۶۹ پر لکھتے ہیں۔ ایک اور عظیم تغیر جو اس دور ملوکیت میں رونما ہوا وہ یہ تھا کہ اس میں قوم، نسل، وطن اور قبیلہ کی وہ تمام جاہلی عصبیتیں پھر سے ابھر آئیں جنہیں اسلام نے ختم کر کے خدا کا دین قبول کرنے والے تمام انسانوں کو یکساں حقوق کے ساتھ ایک امت بنایا تھا۔ بنی امیہ کی حکومت ابتدا ہی سے ایک عرب حکومت کا رنگ لیے ہوئے تھی جس میں عرب مسلمانوں کے ساتھ غیر عرب نومسلموں کے مساوی حقوق کا تصور قریب قریب مفقود تھا۔ اس میں اسلامی احکام کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے نومسلموں پر جزیہ لگایا گیا، جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس سے نہ صرف اشاعت اسلام میں شدید رکاوٹ پیدا ہوئی بلکہ عجمیوں (یعنی غیر عرب لوگوں میں) یہ احساس پیدا ہو گیا کہ اسلامی فتوحات نے در اصل ان کو عربوں کا غلام بنا دیا ہے اور اب وہ اسلام قبول کر کے ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر یہ خرابی اور آگے بڑھی۔ والی، قاضی حتیٰ کہ امام نماز مقرر کرتے ہوئے بھی یہ دیکھا جانے لگا کہ آدمی عرب ہے یا غیر عرب۔ کوفہ میں حجاج بن یوسف نے حکم دے رکھا تھا کہ عرب کے سوا کوئی شخص نماز میں امام نہ بنایا جائے (العقد الفرید ج ۲ ص ۲۳۳) حضرت سعید بن جبیرؒ جب گرفتار ہو کر آئے تو حجاج نے ان پر احسان جتایا کہ میں نے تم کو امام نماز بنایا، حالانکہ یہاں عرب کے سوا کوئی امامت

رہ سکتا تھا (ابن خلّکان، وَفَیَات ج ۲ ص ۱۱۵ مکتبۃ النّہضۃ المصریۃ، قاہرہ ۱۹۴۸ء) عراق میں نَبطیوں کے ہاتھوں پر مہریں لگائی گئیں۔ بصرہ سے نومسلم عجمیوں کا وسیع پیمانہ پر اخراج کیا گیا (العقد الفرید ج ۳ ص ۴۱۶ - ۴۱۷) حضرت سعید بن جُبَیر جیسے بلند مرتبہ عالم کو، جن کے پائے کے آدمی اُس وقت دنیائے اسلام میں دوچار سے زیادہ نہ تھے، جب کوفہ کا قاضی مقرر کیا گیا تو شہر میں شور مچ گیا کہ عرب کے سوا کوئی شخص قضا کا اہل نہیں ہوسکتا۔ آخر کار حضرت ابوموسیٰ اشعری کے صاحبزادے ابو بُردہ کو قاضی بنایا گیا اور اُنکو حکم دیا گیا کہ ابن جُبَیر سے مشورہ لیے بغیر کوئی فیصلہ نہ کریں (ابن خلّکان، ج ۲ ص ۱۱۵) حد یہ ہے کہ جنازوں پر بھی کسی عجمی (غیر عرب) کو نماز پڑھانے کیلیے آگے نہ کیا جاتا۔ اِلّا یہ کہ کوئی عرب لڑکا تک جنازہ پڑھانے کے لیئے موجود نہ ہو (العقد الفرید ج ۳ ص ۴۱۳) کسی غیر عرب نومسلم لڑکی سے اگر کوئی شخص شادی کرنا چاہتا تو اسے لڑکی کے باپ یا اُسکے رشتہ داروں کو پیغام دینے کے بجائے اُس عرب سے رجوع کرنا پڑتا تھا جس کے وِلا (Patronage) میں وہ عجمی خاندان ہو (العقد الفرید ج ۳ بحوالۂ مذکور) لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہوئے والے بچّے کیلیے عربوں میں ہجین (عیبی) کی اصطلاح رائج ہو گئی تھی۔ اور یہ خیال عام ہونے لگا تھا کہ وراثت میں اُسکا حصّہ عرب بیوی کی اولاد کے برابر نہیں ہوسکتا (ابن قُتَیبہ، عیون الاخبار ج ۲ ص ۶۱ طبع اوّل) حالانکہ شریعت کی رو سے دونوں طرح کی اولاد کے حقوق برابر ہیں۔ ابو الفرج اصفہانی کی روایت ہے، کہ بنی سُلَیم کے ایک شخص نے ایک عجمی نومسلم سے اپنی بیٹی بیاہ دی تو محمد بن بشیر الخارجی نے مدینہ جاکر گورنر سے اسکی شکایت کی، اور گورنر نے فوراً زوجین میں تفریق کردی، اس نومسلم کو کوڑے لگوائے اور اُس کا سر، ڈاڑھی اور ابرو مُنڈواکر اُسے ذلیل کیا (الاغانی ج ۱۴ ص ۱۵۰ المطبعۃ المصریۃ، بولاق، مصر - ۱۲۸۵ھ) یہی وہ طرزِ عمل تھا جس نے عجم میں شعوبیت (عجمی قوم پرستی) کو جنم دیا اور اِسی کی بدولت خراسان میں بنی امیّہ کے خلاف عبّاسیوں کی دعوت کو فروغ نصیب ہوا۔ عجمیوں میں عربوں کے خلاف جو نفرت پیدا ہوچکی تھی عبّاسی داعیوں نے اُسے بنی امیّہ کے خلاف استعمال کیا اور انھوں نے اس امید پر عبّاسیوں کا ساتھ دیا کہ ہمارے ذریعہ سے انقلاب ہوگا تو ہم عربوں کا زور توڑ سکیں گے۔ بنی امیّہ کی یہ پالیسی صرف عرب و عجم کے معاملہ ہی تک محدود نہ تھی بلکہ خود عربوں میں بھی اس نے سخت قبائلی تفریق برپا کردی۔ عَدنانی اور قحطانی، یمانی اور مُضَری، ازد اور تمیم، کَلْب اور قیس کے تمام پرانے جھگڑے اس دور میں پھر سے تازہ ہو گئے۔ حکومت

خود قبیلوں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتی تھی اور اس کے عرب گورنر اپنی اپنی ولایتوں میں پورے تعصب کے ساتھ اپنے قبیلہ کو نوازتے اور دوسرے قبیلوں کے ساتھ بے انصافیاں کرتے تھے۔ خراسان میں اسی پالیسی کی وجہ سے یمنی اور مُضری قبائل کی کشمکش اس حد تک بڑھی کہ عباسی داعی ابو مسلم خراسانی نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف لڑا کر اُموی سلطنت کا تختہ الٹ دیا۔ حافظ ابنِ کثیر البدایہ والنہایہ میں ابنِ عساکر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں عباسی فوجیں دمشق پر چڑھی چلی آ رہی تھیں اُس وقت بنی امیہ کے دارالسلطنت میں یمانی اور مُضری کی عصبیت پوری شدت کے ساتھ بھڑکی ہوئی تھی حتیٰ کہ ہر مسجد میں دو محرابیں الگ الگ تھیں اور جامع مسجد میں دو منبروں پر دو امام خطبے دیتے اور دو جماعتوں کی الگ الگ امامت کراتے تھے۔ ان دونوں گروہوں میں سے کوئی کسی کے ساتھ نماز تک پڑھنے کے لیے تیار نہ تھا (البدایہ ج ۱۰ ص ۴۵)۔ سب سے بڑی مصیبت جو ملوکیت کے دور میں مسلمانوں پر آئی وہ یہ تھی کہ اس دور میں قانون کی بالاتری کا اصول توڑ دیا گیا حالانکہ وہ اسلامی ریاست کے اہم ترین بنیادی اصولوں میں سے تھا۔

اسلام جس بنیاد پر دنیا میں اپنی ریاست قائم کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ شریعت سب پر بالا ہے۔ حکومت اور حکمران، راعی اور رعیت، بڑے اور چھوٹے، عوام اور خواص، سب اُس کے تابع ہیں۔ کوئی اس سے آزاد یا مستثنیٰ نہیں اور کسی کو اس سے ہٹ کر کام کرنے کا حق نہیں۔ دوست ہو یا دشمن، حربی کافر ہو یا معاہد، مسلم رعیت ہو یا ذمی، مسلمان وفادار ہو یا باغی یا برسرِ جنگ۔ غرض جو بھی ہو شریعت میں اُس سے برتاؤ کرنے کا ایک طریقہ مقرر ہے جس سے کسی حال میں تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔

مگر جب ملوکیت کا دور آیا تو بادشاہوں نے اپنے مفاد، اپنی سیاسی اغراض اور خصوصاً اپنی حکومت کے قیام و بقا کے معاملہ میں شریعت کی عائد کی ہوئی کسی پابندی کو توڑ ڈالنے اور اس کی باندھی ہوئی کسی حد کو پھاند جانے میں تامل نہ کیا۔ اگرچہ اُن کے عہد میں بھی مملکت کا قانون اسلامی قانون ہی رہا۔ کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کی آئینی حیثیت کا اُن میں سے کسی نے کبھی انکار

نہیں کیا - عدالتیں اسی قانون پر فیصلے کرتی تھیں - اور عام حالات میں سارے معاملات شرعی احکام ہی کے مطابق انجام دیئے جاتے تھے - لیکن ان بادشاہوں کی سیاست دین کی تابع نہ تھی - اُس کے تقاضے وہ ہر جائز و ناجائز طریقہ سے پورے کرتے تھے اور اس معاملہ میں حلال و حرام کی تمیز روا نہ رکھتے تھے - مختلف خلفائے بنی امیہؓ کے عہد میں قانون کی پابندی کا کیا حال رہا اسے ہم آگے کی سطور میں بیان کرتے ہیں ؟

—— یہ پالیسی حضرت معاویہ کے عہد ہی سے شروع ہو گئی تھی ——

—— صہ ۱۷۴ —— ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں شروع ہوئی کہ وہ خود اور اُن کے حکم سے اُن کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبرِ رسولؐ پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضورؐ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور اُن کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے (الطبری جلد ۴ صہ ۱۸۸ - ابن الاثیر جلد ۳ صہ ۲۳۴ ج ۴ صہ ۱۵۴ - البدایۃ جلد ۸ صہ ۲۵۹ - ج ۹ صہ ۸۰) کسی کے مرنے کے بعد اُس کو گالیاں دینا، شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا - حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آکر اپنے خاندان کی دوسری غلط روایات کی طرح اس روایت کو بھی بدلا اور خطبۂ جمعہ میں سبِ علیؓ کی جگہ یہ آیت پڑھنی شروع کر دی: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النحل - ۹۰)

مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہ نے کتابُ اللہ و سُنّتِ رسول اللہ صلعم کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی - کتاب و سنّت کی رو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیئے اور باقی چار حصّے اس فوج میں تقسیم کیئے جانے چاہیئں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو لیکن حضرت معاویہ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونا اُن کے لیئے الگ نکال لیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے (طبقات ابن سعد ج۔ صہ ۲۸-۲۹ الطبری ج ۴ صہ ۱۸۷ - الاستیعاب ج ا صہ ۱۱۸ ابن الاثیر ج ۳ صہ ۲۳۴ - البدایۃ

والنہایۃ ج ۸ ص ۲۹)

زیاد بن سُمیّہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انھوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی زیاد طائف کی ایک لونڈی سُمیّہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ لوگوں کا بیان یہ تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں حضرت معاویہ کے والد جناب ابوسفیان نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی۔ حضرت ابوسفیان نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ زیاد اُنہی کے نطفہ سے ہے۔ جوان ہو کر یہ شخص اعلیٰ درجہ کا مدبّر، منتظم، فوجی لیڈر اور غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ثابت ہوا۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں وہ آپ کا زبردست حامی تھا اور اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں اُن کے بعد حضرت معاویہ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لئے اپنے والدِ ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچادیا کہ زیاد اُنہی کا ولد الحرام ہے۔ پھر اسی بنیاد پر اُسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دیدیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا، کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم موجود ہے کہ "بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہو، اور زانی کے لئے کنکر پتھر ہیں" ام المومنین حضرت امّ حبیبہؓ نے اسی وجہ سے اس کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور اس سے پردہ فرمایا (الاستیعاب ج ۱ ص ۱۹۶۔ ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۲۰-۲۲۱۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۸) حضرت معاویہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کردیا۔

ان کا گورنر عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک مرتبہ بصرہ میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا۔ ایک شخص نے دورانِ خطبہ میں اُس کو کنکر مار دیا۔ اس پر عبداللہ نے اس شخص کو گرفتار کرایا اور اُس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حالانکہ شرعی قانون کی رو سے یہ ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ حضرتِ معاویہ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دِیَت تو بیت المال سے ادا کردوں گا مگر میرے عُمّال سے قصاص

لینے کی کوئی سبیل نہیں۔ (ابن الاثیر، ج ۳ ص ۲۴۸۔ البدایہ ج ۸ ص ۱۷) زیاد کو جب حضرت معاویہ نے بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کیا اور وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لیے کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا ہوا تو کچھ لوگوں نے اس پر کنکر پھینکے۔ اس نے فوراً مسجد کے دروازے بند کرا دیئے اور کنکر پھینکنے والے تمام لوگوں کو (جن کی تعداد ۳۰ سے ۸۰ تک بیان کی جاتی ہے) گرفتار کرا کے اسی وقت ان کے ہاتھ کٹوا دیئے (الطبری جلد ۴ ص ۱۷۶۔ ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۲۸) کوئی مقدمہ ان پر نہ چلایا گیا، کسی عدالت میں وہ نہ پیش کیئے گئے، کوئی باقاعدہ قانونی شہادت ان کے خلاف پیش نہ ہوئی۔ گورنر نے محض اپنے انتظامی حکم سے اتنے لوگوں کو قطعِ ید کی سزا دے ڈالی جس کے لیئے قطعاً کوئی شرعی جواز نہ تھا مگر دربارِ خلافت سے اس کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔ اس سے بڑھ کر ظالمانہ افعال بُسر بن ابی اَرطأۃ نے کیے جسے حضرتِ معاویہ نے پہلے حجاز و یمن کو حضرت علی رضؓ کے قبضہ سے نکالنے کے لیئے بھیجا تھا اور پھر ہمدان پر قبضہ کرنے کے لیے مامور کیا تھا۔ اس شخص نے یمن میں حضرت علی رضؓ کے گورنر عبید اللہ بن عباس رضؓ کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ ان بچوں کی ماں اس صدمہ سے دیوانی ہو گئی۔ بنی کنانہ کی ایک عورت جو یہ ظلم دیکھ رہی تھی چیخ اٹھی کہ "مردوں کو تو تم نے قتل کر دیا، اب بچوں کو کس لیئے قتل کر رہے ہو؟ بچے تو جاہلیت میں بھی نہیں مارے جاتے تھے۔ اے ابن اَرطأۃ، جو حکومت بچوں اور بوڑھوں کے قتل اور بے رحمی و برادر کشی کے بغیر قائم نہ ہو سکتی ہو اس سے بُری کوئی حکومت نہیں (الاستیعاب ج ۱ ص ۶۵۔ الطبری ج ۴ ص ۱۰۷۔ ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۹۳) اس کے بعد اسی ظالم شخص کو حضرت معاویہ نے ہمدان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا جو اس وقت حضرت علی رضؓ کے قبضہ میں تھا وہاں اس نے دوسری زیادتیوں کے ساتھ ایک ظلمِ عظیم یہ کیا کہ جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں، انھیں لونڈیاں بنا لیا (الاستیعاب ج ۱ ص ۶۵) ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی آپس کی جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتیں لونڈیاں بنائی گئیں) حالانکہ شریعت میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں۔

سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے اور انتقام کے جوش میں لاشوں کی بے حرمتی کرنے کا وحشیانہ طریقہ بھی جو جاہلیت میں رائج تھا اور جسے اسلام نے مٹا دیا تھا اسی دور میں مسلمانوں کے اندر شروع ہوا۔ سب سے پہلا سر جو زمانۂ اسلام میں کاٹ کر لیجایا گیا وہ حضرت عمارؓ بن یاسر کا سر تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے اور ابن سعد نے بھی طبقات میں اسے نقل کیا ہے کہ جنگ صفّین میں حضرت عمارؓ کا سر کاٹ کر حضرت معاویہ کے پاس لایا گیا اور دو آدمی اس پر جھگڑ رہے تھے۔ ہر ایک کہتا تھا کہ عمارؓ کو میں نے قتل کیا ہے (مسند احمد احادیث نمبر ۶۵۳۸ - ۶۶۲۹ دار المعارف مصر ۱۹۵۲ء - طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۵۳) اس کے بعد دوسرا سر عمرو بن الحمق کا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے تھے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں انھوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ زیاد کی ولایتِ عراق کے زمانہ میں ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی۔ وہ بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے وہاں ایک سانپ نے اُن کو کاٹ لیا اور وہ مر گئے۔ تعاقب کرنے والے ان کی مردہ لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس لے گئے اُس نے حضرت معاویہ کے پاس دمشق بھیج دیا۔ وہاں اسے برسرِ عام گشت کرایا گیا اور پھر لیجا کر ان کی بیوی کی گود میں ڈال دیا گیا (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۵ - الاستیعاب ج ۲ ص ۴۰۴ البدایہ ج ۸ ص ۴۸ - تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۴)

ایسا ہی وحشیانہ سلوک مصر میں محمد بن ابی بکر کے ساتھ کیا گیا جو وہاں حضرت علیؓ کے گورنر تھے۔ حضرتِ معاویہ کا جب مصر پر قبضہ ہوا تو انھیں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا اور پھر ان کی لاش ایک مردہ گدھے کی کھال میں رکھ کر جلائی گئی (الاستیعاب ج ۱ ص ۲۳۵ - الطبری ج ۴ ص ۷۹ - ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۸۰ - ابن خَلدُون تکملہ ج دوم ص ۱۸۲) اس کے بعد تو یہ ایک مستقل طریقہ ہی بن گیا کہ جن لوگوں کو سیاسی انتقام کی بنا پر قتل کیا جائے اُن کے مرنے کے بعد اُن کی لاشوں کو بھی معاف نہ کیا جائے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق لے جایا گیا اور اُن کی لاش پر گھوڑے دوڑا کر اُسے روندا گیا (الطبری ج ۴ ص ۳۴۹ - ص ۳۵۱ - ص ۳۵۱ - ص ۳۵۶ - ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۹۶ تا ص ۲۹۸ البدایہ ج ۸ ص ۱۸۹ - ص ۱۹۰ - ص ۱۹۱ - ص ۱۹۲)

حضرت نعمان بن بشیر جو یزید کے زمانہ تک بنی اُمیہ کے حامی رہے تھے مروان کے

زمانے میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا ساتھ دینے کی وجہ سے قتل کیئے گئے اور اُن کا سر لیجاکر ان کی بیوی کی گود میں ڈالا گیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۶ صـ ۵۴ - البدایہ ج ۸ صـ ۲۴۵)

حضرت مُصعب بن زبیر کا سر کوفہ اور مصر میں پھرایا گیا، پھر دمشق لے جاکر اُسے منظرِ عام پر لٹکا یا گیا۔ اس کے بعد شام کے شہروں میں اسے پھرانے کا ارادہ تھا مگر خود عبدالملک بن مروان کی بیوی عاتکہ بنت یزید بن معاویہ نے اس پر سخت احتجاج کیا۔ اس نے کہا، "جو کچھ تم نے اب تک کیا ہے کیا اس سے بھی تمہارا دل ٹھنڈا نہ ہوا؟ اب اس کی نمائش کیوں کرتے پھر رہے ہو" پھر اس سر کو اتروا کر غسل دلوایا اور دفن کرا دیا۔ (ابن الاثیر ج ۴ صـ ۱۴ - ابن خلدُون ج ۳ صـ ۳۵) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے رفقاء عبداللہ بن صفوان اور عُمارہ بن حَزم کے ساتھ اس سے بھی زیادہ سخت وحشت و جاہلیت برتی گئی۔ ان کے سر کاٹ کر مکّہ سے مدینہ اور مدینہ سے دمشق لے جائے گئے، جگہ جگہ ان کی نمائش کی گئی اور مکّہ میں ان کی لاشیں کئی روز تک سولی پر لٹکتی رہیں یہاں تک کہ وہ سڑ گئیں (الاستیعاب ج ۱ صـ ۳۵۳ - ۳۵۴ - الطبری ج ۵ صـ ۳۳ - ۳۴ البدایہ ج ۸ صـ ۳۳۲ - ابن خلدُون جلد ۳ صـ ۳۹)

قطع نظر اس سے کہ جن لوگوں کے مرنے کے بعد یہ سلوک ان کی لاشوں کے ساتھ کیا گیا وہ کس پائے کے لوگ تھے سوال یہ ہے کہ کیا اسلام نے کسی کافر کے ساتھ بھی یہ برتاؤ کرنا جائز رکھا ہے؟

حضرت معاویہؓ کے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کے لیے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے کی جو ابتدا ہوئی تھی، ان کے نامزد کردہ جانشین یزید کے عہد میں وہ بدترین نتائج تک پہنچ گئی۔ اس کے زمانہ میں تین ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے پوری دنیائے اسلام کو لرزہ براندام کر دیا۔ پہلا واقعہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ہے۔ بلاشبہ وہ اہل عراق کی دعوت پر یزید کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے اور یزید کی حکومت اُنھیں برسرِ بغاوت سمجھتی تھی۔ ہم اس سوال سے تھوڑی دیر کے لیئے قطع نظر کیئے لیتے ہیں کہ اصول اسلام کے لحاظ سے حضرت حسینؓ کا یہ خروج جائز تھا یا نہیں اگرچہ ان کی زندگی میں اور اُن کے بعد صحابہ اور تابعین میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ قول ہمیں نہیں ملتا کہ ان کا خروج ناجائز

تھا اور وہ ایک فعلِ حرام کرنے جا رہے تھے۔ صحابہ میں سے جس نے بھی ان کو نکلنے سے روکا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ تدبیر کے لحاظ سے یہ اقدام نامناسب ہے، تاہم اس معاملہ میں یزید کی حکومت کا نقطۂ نظر ہی صحیح مان لیا جائے تب بھی یہ تو امرِ واقعہ ہے کہ وہ کوئی فوج لیکر نہیں جا رہے تھے بلکہ ان کے ساتھ اُن کے بال بچّے تھے، اور صرف ۳۲ سوار اور چالیس پیادے۔ اسے کوئی شخص بھی فوجی چڑھائی نہیں کہہ سکتا۔ اُن کے مقابلہ میں عمرؓ بن سعد بن ابی وقّاص کے تحت جو فوج کوفہ سے بھیجی گئی تھی اس کی تعداد ۴ ہزار تھی۔ کوئی ضرورت نہ تھی کہ اتنی بڑی فوج اس چھوٹی سی جمعیّت سے جنگ ہی کرتی اور اسے قتل کر ڈالتی۔ وہ اِسے محصور کرکے بآسانی گرفتار کر سکتی تھی۔ پھر حضرت حسینؓ نے آخر وقت میں جو کچھ کہا تھا وہ یہ تھا کہ یا تو مجھے واپس جانے دو، یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو، یا مجھے یزید کے پاس لیچلو لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہ مانی گئی اور اصرار کیا گیا کہ آپ کو عبید اللہ ابن زیاد (کوفہ کے گورنر) ہی کے پاس چلنا ہوگا۔ حضرت حسینؓ اپنے آپ کو ابن زیاد کے حوالہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ کیونکہ مسلم بن عقیل کے ساتھ جو کچھ وہ کر چکا تھا وہ انھیں معلوم تھا۔ آخرکار اُن سے جنگ کی گئی۔ جب ان کے سارے ساتھی شہید ہو چکے تھے اور وہ میدان جنگ میں تنہا رہ گئے تھے، اُس وقت بھی اُن پر حملہ کرنا ہی ضروری سمجھا گیا اور جب وہ زخمی ہو کر گر پڑے تھے اُس وقت اُن کو ذبح کیا گیا۔ پھر اُن کے جسم پر جو کچھ تھا وہ لوٹا گیا حتیٰ کہ ان کی لاش پر سے کپڑے تک اتار لیے گئے اور اس پر گھوڑے دوڑا کر اِسے روند ڈالا گیا۔ اس کے بعد ان کی قیامگاہ کو لوٹا گیا اور خواتین کے جسم پر سے چادریں تک اتار لی گئیں۔ اس کے بعد اُن سمیت تمام شہدائے کربلا کے سر کاٹ کر کوفے لے جائے گئے اور ابن زیاد نے نہ صرف برسرِ عام ان کی نمائش کی بلکہ جامع مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ الحمد للہ الذی اظھر الحق واھلہ ونصر امیر المؤمنین یزید وحزبہ وقتل الکذاب ابن الکذاب الحسین بن علیؓ وشیعتہ۔" پھر یہ سارے سر یزید کے پاس دمشق بھیجے گئے اور اس نے بھرے دربار میں ان کی نمائش کی (اس پوری داستان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الطبری۔ ج ۴ صفحہ ۳۰۹ تا صفحہ ۳۵۶۔ ابن الاثیر ج ۳ صفحہ ۲۸۲ تا صفحہ ۲۹۹ اور البدایہ ج ۸ صفحہ ۱۷۰ تا صفحہ ۲۰۴)۔

فرض کیجئے کہ حضرت حسینؓ یزید کے نقطۂ نظر کے مطابق برسرِ بغاوت ہی تھے، تب بھی کیا اسلام

ہیں حکومت کے خلاف خروج کرنے والوں کے لئے کوئی قانون نہ تھا؟ فقہ کی تمام مبسوط کتابوں میں یہ قانون لکھا ہوا موجود ہے۔ مثال کے طور پر صرف ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر، باب البغاۃ میں اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اس قانون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ ساری کارروائی جو میدان کربلا سے لیکر کوفہ اور دمشق کے درباروں تک کی گئی اس کا ایک ایک جزء قطعاً حرام اور سخت ظلم تھا۔ دمشق کے دربار میں جو کچھ یزید نے کیا اور کہا اس کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ لیکن ان سب روایتوں کو چھوڑ کر ہم یہی روایت صحیح مان لیتے ہیں کہ وہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے سر دیکھ کر آب دیدہ ہو گیا اور اس نے کہا کہ "میں حسینؓ کے قتل کے بغیر بھی تم لوگوں کی طاعت سے راضی تھا، اللہ کی لعنت ہو ابن زیاد پر، خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؓ کو معاف کر دیتا" اور یہ کہ "خدا کی قسم اے حسینؓ میں تمہارے مقابلے میں ہوتا تو تمہیں قتل نہ کرتا" (الطبری ج ۴ ص ۳۵۲ ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۹۸-۲۹۹) پھر بھی یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلم عظیم پر اس نے اپنے سرپھرے گورنر کو کیا سزا دی؟ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس نے ابن زیاد کو نہ کوئی سزا دی، نہ اسے معزول کیا، نہ اسے ملامت ہی کا کوئی خط لکھا (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۰۳)۔ اسلام تو خیر بدرجہا بلند چیز ہے، یزید میں اگر انسانی شرافت کی بھی کوئی رمق ہوتی تو وہ سوچتا کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پورے خاندان پر کیا احسان کیا تھا اور اس کی حکومت نے ان کے نواسے کے ساتھ کیا سلوک کیا!

اس کے بعد دوسرا سخت المناک واقعہ جنگ حرّہ کا تھا جو ۶۳ھ کے آخر اور خود یزید کی زندگی کے آخری ایام میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی مختصر روداد یہ ہے کہ اہل مدینہ نے یزید کو فاسق و فاجر اور ظالم قرار دے کر اس کے خلاف بغاوت کر دی، اس کے عامل کو شہر سے نکال دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا سربراہ بنا لیا۔ یزید کو یہ اطلاع پہنچی تو اس نے مسلم بن عقبۃ المرّی (جسے سلف صالحین مسرف بن عقبہ کہتے ہیں) ۱۲ ہزار فوج دے کر مدینہ پر چڑھائی کے لئے بھیج دیا اور اسے حکم دیا کہ تین دن تک اہل شہر کو اطاعت قبول کرنے کی دعوت دیتے رہنا پھر اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرنا اور جب فتح پا لو تو تین دن کے لیے مدینہ کو فوج پر مباح کر دینا۔ اس ہدایت پر یہ فوج گئی۔

جنگ ہوئی۔ مدینہ فتح ہوا۔ اور اس کے بعد یزید کے حکم کے مطابق تین دن کے لیئے فوج کو اجازت دیدی گئی کہ شہر میں جو چاہے کرے۔ ان تین دنوں میں شہر کے اندر ہر طرف لوٹ مار کی گئی۔ شہر کے باشندوں کا قتلِ عام کیا گیا جس میں امام زُہری کی روایت کے مطابق سات سو معززین اور دس ہزار کے قریب عوام مارے گئے اور غضب یہ ہے کہ اس وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ " حتی قیل انہ حبلت الف امرأۃ فی تلک الایام من غیر زوج (کہا جاتا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں) اس واقعہ کی تفصیلات کے لیئے ملاحظہ ہو الطبری ج ۴ صہ ۳۷۲ تا ۳۷۹ ابن الاثیر جلد ۳ صہ ۳۱۰ تا ۳۱۳ البدایۃ والنہایۃ ج ۸ صہ ۲۱۹ تا ۲۲۱)

بالفرض اہل مدینہ کی بغاوت ناجائز ہی تھی مگر کیا کسی باغی مسلمان آبادی بلکہ غیر مسلم باغیوں اور حربی کافروں کے ساتھ بھی اسلامی قانون کی رو سے یہ سلوک جائز تھا؟ اور یہاں تو معاملہ کسی اور شہر کا نہیں خاص مدینۃ الرسول کا تھا جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات بخاری، مسلم، نسائی اور مسند احمد میں متعدد صحابہ سے منقول ہوئے ہیں کہ " لا یرید احدٌ المدینۃ بسوءٍ الا اذابہ اللہ فی النار ذوب الرصاص (مدینہ کے ساتھ جو شخص بھی برائی کا ارادہ کرے گا اللہ اسے جہنم کی آگ میں سیسے کی طرح پگھلا دیگا) اور " من اخاف اہل المدینۃ ظلماً اخافہ اللہ وعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ یوم القیٰمۃ صرفاً ولا عدلاً " (جو شخص اہل مدینہ کو ظلم سے خوف زدہ کرے اللہ اسے خوف زدہ کرے گا۔ اس پر اللہ اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے روز اللہ اس سے کوئی چیز اس گناہ کے فدیہ میں قبول نہ فرمائے گا)

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان ہی احادیث کی بنیاد پر علماء کے ایک گروہ نے یزید پر لعنت کو جائز رکھا ہے اور ایک قول ان کی تائید میں امام احمد بن حنبل کا بھی ہے۔ مگر ایک دوسرا گروہ صرف اس لیئے اس سے منع کرتا ہے کہ کہیں اس طرح ان کے والد یا صحابہؓ میں کسی اور پر لعنت کرنے کا دروازہ نہ کھل جائے (البدایۃ ج ۸ صہ ۲۲۳) (عبارت حاشیہ) امام احمد بن حنبل کے جس قول کا حوالہ یہاں ابن کثیر نے دیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ

ایک مرتبہ امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ نے اُن سے پوچھا: یزید پر لعنت کرنے کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میں کیسے اس شخص پر لعنت نہ کروں جس پر خدا نے لعنت کی ہے" اور اس کے ثبوت میں انھوں نے یہ آیت پڑھی۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ، أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ (محمد آیت ۲۲/۲۳) پھر تم سے اس کے سوا اور کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ اگر تم فرمانروا ہو گئے تو زمین میں فساد برپا کروگے۔ ایسے ہی لوگ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے" یہ آیت پڑھ کر امام نے فرمایا اس سے بڑا فساد اور اس سے بڑی قطع رحمی اور کیا ہوگی جس کا ارتکاب یزید نے کیا۔ امام احمد کے اس قول کو محمد بن عبدالرسول البرزنجی نے الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ میں اور ابن حجر الہیتمی نے الصواعق المحرقۃ میں نقل کیا ہے۔ مگر علامہ سفارینی اور امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ زیادہ معتبر روایات کی رو سے امام احمد یزید پر لعنت کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ علماء اہل السنۃ میں سے جو لوگ جوازِ لعنت کے قائل ہیں اُن میں ابن جوزی، قاضی ابو یعلیٰ، علامہ تفتازانی اور علامہ جلال الدین سیوطی نمایاں ہیں اور عدمِ جواز کے قائلین میں نمایاں ترین بزرگ امام غزالی اور امام ابن تیمیہ ہیں۔ میرا اپنا میلان اس طرف ہے کہ صفاتِ ملعونہ کے حاملین پر جامع طریقہ سے تو لعنت کی جاسکتی ہے (مثلاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ظالموں پر خدا کی لعنت) مگر کسی شخصِ خاص پر متعین طریقہ سے لعنت کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اگر وہ زندہ ہو تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بعد میں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور اگر مر چکا ہو تو ہم نہیں جانتے کہ اس کا خاتمہ کس چیز پر ہوا ہے۔ اس لئے ہمیں ایسے لوگوں کے غلط کاموں کو غلط کہنے پر اکتفا کرنا چاہیئے اور لعنت سے پرہیز ہی کرنا اولیٰ ہے لیکن اس کے معنی یہ بھی نہیں ہیں کہ اب یزید کی تعریف کیجائے اور اسے رضی اللہ عنہ لکھا جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے "امیرالمؤمنین یزید" کے الفاظ استعمال کیے تو سخت ناراض ہو کر انھوں نے فرمایا: "تو یزید کو امیرالمؤمنین کہتا ہے اور اسے بیس کوڑے لگوائے" (تہذیب التہذیب ج ۱۱ صـ ۳۶۱) (مودودی صاحب کے حاشیہ کی عبارت ختم ہوئی)

ع۵ نوٹ۔ علاوہ فساد فی الارض کے یزید نے بہرحال اذیت رسول اللہ کا بھی ارتکاب

کی تھا اور اللہ نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا (الاحزاب آیت ۵۷) بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسُول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور ان کے لیے اس نے رسوائی کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ مودودی صاحب نے جو باتیں ذکر کی ہیں نیز اس آیت کی بنا پر یزید پر کھلا ہوا ثبوتِ لعنت موجود ہے۔ اب رہی یہ بات کہ شاید اُس نے توبہ کر لی ہو اور وہ قبول بھی ہوگئی ہو۔ اس خیال کی وقعت صرف ایک وہم اور احتمال سے زیادہ نہیں ہوسکتی اور یہ متفقہ عقلی اور شرعی کُلیہ ہے کہ حکمِ یقینی محض احتمال سے مرتفع نہیں ہوسکتا اس لئے یزید بہرصورت میں قابلِ لعنت رہے گا اور اُس پر لعنت کرنے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے۔ **مؤلف**

اپنی کتاب میں مودودی صاحب صـ۱۸۳ پر لکھتے ہیں:-

حضرت حسن بصری کو ایک مرتبہ یہ طعنہ دیا گیا کہ آپ جو بنی امیہ کے خلاف خروج کی کسی تحریک میں شامل نہیں ہوتے تو کیا آپ اہل شام (یعنی بنی امیہ) سے راضی ہیں؟ جواب میں انھوں نے فرمایا "میں اور اہل شام سے راضی ہوں! خدا اُن کا ناس کرے، کیا وہی نہیں ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم کو حلال کر لیا اور تین دن تک اُس کے باشندوں کا قتل عام کرتے پھرے۔ اپنے نبطی اور قبطی سپاہیوں کو اُس میں سب کچھ کر گزرنے کی چھوٹ دیدی اور وہ شریف دیندار خواتین پر حملے کرتے رہے اور کسی حرمت کی ہتک کرنے سے نہ رکے پھر بیت اللہ پر چڑھ دوڑے، اُس پر سنگ باری کی اور اُس کو آگ لگائی۔ اُن پر خدا کی لعنت ہو اور وہ بُرا انجام دیکھیں (ابن الاثیر ج ۴ صـ۱۲۱) تیسرا واقعہ وہی ہے جس کا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں ذکر کیا ہے۔ مدینہ سے فارغ ہونے کے بعد وہی فوج جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں یہ اودھم مچایا تھا، حضرت ابن زبیرؓ سے لڑنے کیلئے مکہ پر حملہ آور ہوئی اور اُس نے منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگباری کی جس سے کعبہ کی ایک دیوار شکستہ ہوگئی اگرچہ روایات یہ بھی ہیں کہ انھوں نے کعبہ پر آگ بھی برسائی تھی۔ لیکن آگ لگنے کے کچھ دوسرے وجوہ بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ البتہ سنگباری کا واقعہ متفق علیہ ہے (الطبری ج ۴ صـ۳۸۳۔ ابن الاثیر ج ۳ صـ۳۱۶۔ البدایہ ج ۸ صـ۲۲۵۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ صـ۳۶۱) ان واقعات نے یہ بات بالکل واضح کردی کہ یہ حکمران اپنے اقتدار در

اس کی بقا و تحفظ کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے اور اس کے لیئے انھیں کسی حد کو پھاند جانے اور بڑی سے بڑی حرمت کو توڑ ڈالنے میں کبھی باک نہ تھا - انتہی خلافت و ملوکیت تا صـ ۱۸۴ از ابو الاعلیٰ مودودی طبع کردہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۸ء -

۵۲ھ ہجری کے اہم واقعات کا خلاصہ

زیاد کو جب کوفہ کی حکومت ملی تو اس نے سَمُرۃ بن جُنْدَب کو بصرہ میں اپنا نائب بنا دیا تھا اور خود کوفہ چلا گیا تھا - اس کے جانے کے بعد سُمرہ نے آٹھ ہزار مسلمان شہر بصرہ اور اس کے مضافات کے قتل کرا دیئے جن میں ۴۷ سینتالیس قاری اور حافظِ قرآن تھے اور ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ حضرت علی سے محبت اور عقیدت رکھتے تھے - اسی سال (۵۲ھ ہجری) میں حضرت عقیل بن ابی طالب کی وفات ہوئی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُن کی وفات ۵۱ھ ہجری میں ہوئی تھی -

حضرت ابو طالب کے چار فرزند تھے - سب سے بڑے کا نام "طالب" تھا اُن سے دس برس چھوٹے "عقیل" ان سے دس سال چھوٹے "جعفر" اور ان سے دس برس چھوٹے امیر المؤمنین حضرت علی تھے -

حضرت عقیل بڑے مشہور نساب تھے - ان سے عرب زیادہ تر اس لیئے ناراض رہتے تھے کہ یہ ہر شخص کی نسبی اور خاندانی کمزوریوں سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے -

حضرت عقیل نے ۸ھ ہجری میں یا اِس سے کچھ پہلے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا (جنگ موتہ جمادی الاولیٰ ۸ھ اور غزوہ حنین، شوال ۸ھ میں یہ شریک جہاد تھے - سفینۃ البحار جلد ۲ صـ ۲۱۵ الاعلام زرکلی ج ۵ صـ ۴۰) بڑھاپے میں دونوں آنکھیں جاتی رہی تھیں - بہت ہی حاضر جواب تھے - جس زمانہ میں یہ کسی مصلحت سے معاویہ کے پاس چلے گئے تھے تو ایک روز معاویہ نے ان سے کہا:
اے بنی ہاشم تمہاری آنکھوں پر آفت زیادہ آتی ہے اور وہ بے نور ہو جاتی ہیں!
انھوں نے فوراً ہی جواب میں، کہا: اے بنی اُمیہ، اور تمہاری بصیرت چلی جاتی ہے - اُم المؤمنین میمونہ بنتِ حارث زوجہ رسولؐ کی وفات بھی اسی سال ہوئی تھی اور ابو موسیٰ الاشعری کی بھی - ابو موسیٰ کا اصلی نام عبد اللہ بن قیس تھا -

ان کی آواز بہت اچھی تھی۔ مہاجرین کے طبقۂ ثانیہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ حضرت رسالتمآبؐ فرماتے ہیں عبداللہ بن قیس کو اللہ نے حضرت داؤدؑ کا لحن عطا فرمایا ہے۔

حضرت حجر بن عدی کی شہادت بھی اسی سال ہوئی۔ یہ صحابی رسول اللہ تھے اور حضرت علی کے مخصوص ساتھیوں میں اور بڑے نامور عابد وزاہد تھے۔ جنگ صفین میں حضرت علی کی فوج کے میمنہ میں سرداری پر فائز ہوئے اور جنگ نہروان میں آپ کی فوج کے میسرے کے امیر تھے (سفینۃ البحار ج ۱ ص ۲۲۵، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۶ وغیرہ)

جب معاویہ کی سلطنت مستحکم ہو چکی اور انھوں نے زیاد کو عراق کا گورنر بنا دیا تو ایک روز حجر بن عدی نے زیاد پر تاخیرِ نماز کرنے کی وجہ سے اعتراض کیا۔ زیاد نے اس کی شکایت معاویہ سے کی۔

معاویہ تو اس کے منتظر ہی تھے کہ کسی طرح حجر بن عدی کو قتل کر دیں چنانچہ فوراً حکم دیدیا کہ اُن کو اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے میرے پاس روانہ کیا جائے۔ عدی بن حاتم کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن خلیفۃ الطائی نے یہ خبر سنتے ہی حجر کو اپنے قبیلہ میں بھیج دیا اور چھپا دیا۔ زیاد نے کچھ آدمی بھیج کر عبداللہ کو گرفتار کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد فوراً ان کی بہن "نوار" قبیلہ کے درمیان آئیں اور فریاد کی: یامعشر طیٔ اتسلمون عبداللہ بن خلیفۃ؟ اے قبیلۂ طیٔ کے بہادرو! کیا تم عبداللہ بن خلیفہ کو دشمنوں کے سپرد کر دو گے؟ یہ فریاد سنتے ہی قبیلہ کے لوگ دوڑے اور زیاد کے سپاہیوں کو بری طرح زد و کوب کر کے عبداللہ کو چھڑا لیا۔ سپاہی کوفہ واپس چلے گئے اور اس واقعہ کی اطلاع مسجد کوفہ میں زیاد کو دیدی اس وقت عدی بن حاتم بھی مسجد میں موجود تھے۔ زیاد نے غصہ میں اُن کی طرف رخ کیا اور کہا کہ اے عدی تم عبداللہ بن خلیفہ کو میرے پاس حاضر کرو۔ عدی نے پوچھا اس نے کیا خطا کی ہے؟ زیاد نے عدی سے پورا قصہ بیان کیا۔ سب کچھ سننے کے بعد انھوں نے کہا کہ یہ جو کچھ ہوا قبیلہ میں ہوا ہے مجھے اس کی کیا خبر ہے لیکن تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنے چچا زاد بھائی کو لے آؤں اور تم اسے قتل کر ڈالو۔ خدا کی قسم اگر وہ میرے قدم کے نیچے بھی ہو گا جب بھی میں اپنا قدم اس پر سے نہ ہٹاؤں گا۔ یہ سن کر زیاد نے عدی کو قید کرا دیا۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو یمن اور دوسرے مقامات

کے قبائلی سردار زیاد کے پاس گئے اور کہا کہ عَدِی بن حاتم جلیل القدر صحابیٔ رسول ہیں، اُن کے ساتھ یہ عمل مناسب نہیں ہے۔ زیاد نے جواب دیا کہ میں اس شرط سے انھیں رہا کر سکتا ہوں کہ یہ اپنے چچازاد بھائی کو اپنے قبیلہ سے نکال دیں اور جب تک میں یہاں برسرِ حکومت ہوں وہ شہر میں داخل نہ ہو۔ یہ بات عدی تک پہنچائی گئی انھوں نے کہا کہ اچھا ایسا ہی ہوگا۔ پھر عَدِی نے عبد اللہ کو خط لکھا کہ زیاد تمہارے خلاف ہو چکا ہے، بہتر ہے کہ تم مقام "جبلین" میں سکونت اختیار کر لو۔ یہ خط ملتے ہی عبد اللہ "جبلین" چلے گئے۔ بالآخر زیاد نے حُجر بن عَدِی کو ان کے گیارہ ساتھیوں کے ساتھ اسیر کر لیا اور دمشق روانہ کر دیا۔

جب حُجر اس حالت میں دمشق سے دس میل کے فاصلہ پر پہنچے تو معاویہ کو اطلاع دی گئی کہ حُجر بن عدی گرفتار کر کے لائے جا رہے ہیں جو حکم ہو اس پر عمل کیا جائے۔

یہ اطلاع ملتے ہی معاویہ نے کچھ جلاّدوں کو روانہ کیا جو مقام "مرجِ عذراء" پر پہنچے اور ان لوگوں کا انتظار کرنے لگے۔ جب حُجر اور ان کے ساتھی وہاں لائے گئے تو اُن میں سے ایک شخص نے کہا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگوں میں سے آدھے آدمی قتل کر دیے جائیں گے اور آدھے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ دوسرے لوگوں نے پوچھا کہ تم کو یہ کس طرح معلوم ہوا تو اس نے کہا "تم نہیں دیکھتے کہ ان جلاّدوں کا افسر یک چشم ہے؟" اس وجہ سے میں نے قیاس کیا ہے کہ ہم میں سے آدھے لوگ قتل ہوں گے۔

غرض جب حُجر بن عَدِی کے قافلہ کا سامنا ان جلاّدوں سے ہوا تو اُس یک چشم آدمی نے حُجر سے کہا: اے گمراہوں کے سردار اور کفر و سرکشی کے مرکز، اے ابو تراب کے دوست! امیرِ شام کا حکم ہے کہ میں تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو قتل کر ڈالوں اور بچنے کی اب صرف ایک ہی صورت ممکن ہے کہ تم اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور علی بن ابی طالب پر لعنت کرو اور اُن سے تبرّا (بیزاری کا اظہار) کرو۔

"قال حُجرٌ وجماعةٌ ممّن كان معهُ انّ الصبر على حرّ السّيف لأيسرُ علينا ممّا تدعونا اليه ثمّ القدومُ على الله وعلى نبيّه وعلى صفيّه احبُّ الينا من دخول النّارِ"

حُجر اور ان کے پانچ ساتھیوں نے جواب دیا کہ گرمیٔ شمشیر پر صبر کر لینا ہمارے لیے اس گناہ سے آسان تر ہے جس کی طرف تو ہمیں دعوت دیتا ہے اور ہم اسکو بہتر سمجھتے ہیں کہ

خدا اور اس کے حبیبؐ کے پاس حاضر ہوں اور جہنم کی آگ میں داخل ہونے سے محفوظ رہیں لیکن ان کے باقی چھ ساتھی اس پر راضی ہو گئے کہ وہ امیرالمومنین حضرت علیؑ سے بیزاری کا اظہار کریں۔

پھر حُجر بن عَدِی مردانہ وار آگے بڑھے اور کہنے لگے کہ بس مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دیدو اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ اجازت ملی، نماز شروع ہوئی۔ جب کچھ دیر ہوئی تو جلّاد کہنے لگے کہ حُجر کیا موت سے ڈرتے ہو؟ اسی لئے دیر کر رہے ہو۔ انھوں نے جواب دیا، "میں موت سے ڈرتا نہیں ہوں بلکہ میں نے کبھی اس سے کم وقت کی نماز پڑھی ہی نہیں"۔

آخر حُجر بن عَدِی اور اُن کے پانچ ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا اور سروں کو الگ کر کے معاویہ کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ ان کی شہادت کی خبر بجلی کی طرح پوری مملکت میں پھیل گئی۔ امام حسینؑ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے معاویہ کو خط لکھا جس میں تحریر فرمایا تھا:

"اَمَا بَعدُ اَوَ لَسْتَ قَاتِلَ حُجْرِ بْنِ عَدِیٍّ اَخِی کِنْدَۃَ وَالْمُصَلِّیْنَ الْعَابِدِیْنَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُنْکِرُوْنَ الظُّلْمَ وَیَسْتَعْظِمُوْنَ الْبِدَعَ وَلَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ ثُمَّ قَتَلْتَھُمْ ظُلْمًا وَعُدْوَانًا بَعْدَ مَا کُنْتَ اَعْطَیْتَھُمُ الْاَیْمَانَ الْمُغَلَّظَۃَ وَالْمَوَاثِیْقَ الْمُؤَکَّدَۃَ"

(اے معاویہ) کیا تم حُجر بن عدی کِندی اور اُن صلح پسند اور عبادت گزار لوگوں کے قاتل نہیں ہو جو ظلم کے خلاف تھے اور جو بدعتوں کو بڑا گناہ سمجھتے تھے اور اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے سے نہیں ڈرتے تھے۔ تم نے ان سب کو ظلم و جور کے ساتھ قتل کر دیا حالانکہ تم نے اُن کے ساتھ بڑے مضبوط عہد و پیمان کیے تھے کہ تم انھیں ضرر نہیں پہنچاؤ گے"۔

حُجر بن عدی کی شہادت کی خبر جب ایران کے صوبہ خراسان میں گئی تو ربیع بن زیاد الحارثی جو معاویہ کی طرف سے وہاں کے گورنر تھے مسجد جامع میں گئے۔ ظہر کی نماز باجماعت ادا کی پھر منبر پر گئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد کہنے لگے "ایہا الناس ایک عظیم سانحہ ہوا ہے جس طرح کا حادثہ وفات رسولؐ سے اس وقت تک نہیں ہوا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ معاویہ نے حُجر بن عَدِی اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا ہے تو اگر تم

مسلمانوں میں انتقام کی ہمت وجذبہ موجود ہے تو وہ اُن کے خون ناحق کا عوض لینے کے لیئے اٹھ کھڑے ہوں اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہوں کہ مجھے جلد اس دنیا سے اٹھالے ۔ یہ کہتے ہی ربیع بن زیاد کی روح جسم سے نکل گئی۔

۵۳ھ ہجری کے واقعات کا خلاصہ

معاویہ نے اس سال رومیوں پر لشکر کشی کی اور جزیرۂ رُودس (Rhodes) پر قبضہ کر لیا جو اسکندریہ کے نزدیک ہے ۔ مملکت روم سے اس جزیرہ کا تعلق تھا اور یہ اسکندریہ سے ایک شب و روز کی مسافت پر واقع تھا ۔ مسلمانوں نے اس جزیرہ میں سکونت اختیار کی اور اسے پوری طرح قلعہ بند کر لیا لیکن معاویہ کے انتقال کے بعد رومیوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا ۔ اسی ۵۳ھ میں زیاد کی موت واقع ہوئی تھی ۔ زیاد کی کنیت ابوالمغیرۃ تھی اور ماں کا نام "سُمیّہ" تھا جو حارث بن کَلَدَۃ بن عمرو ثقفی مشہور طبیب عرب کی کنیز تھی ۔

"سُمیّہ" پیشہ ور زنا کار اور ذواتُ الاعلام میں سے تھی ۔ حارث بن کلدہ نے اس کا عقد اپنے ایک رومی غلام "عُبَید" سے کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود یہ زنا کاری کا پیشہ کرتی رہتی تھی ۔ اسی زمانہ میں ابوسفیان نے طائف کا سفر کیا تھا اور اس کے ساتھ زنا کے مرتکب ہوئے ، جسکے بعد زیاد کی پیدائش ہوئی ۔ حضرت عائشہ اس کو اسی بنا پر زیاد بن ابیہ کہتی تھیں ۔ حضرت اُمّ حبیبہ زوجۂ رسولؐ نے زیاد سے ہمیشہ پردہ کیا ۔ حضرت علی اور تمام اجلّہ صحابہ نے اس کے نسب کو کبھی تسلیم نہیں کیا ۔ عرب شاعروں نے اپنے اشعار میں بھی اس کے زنازادہ ہونے کو نظم کیا ہے ۔

حضرت عمر کے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ ابوسفیان نے بھی دربار خلافت میں بعض اہم شخصیتوں کو اشارۃً بتایا تھا کہ زیاد ان کی زنا سے پیدا ہوا ہے ۔ غرض ابوسفیان کے ارتکاب زنا اور زیاد کے ولد الحرام ہونے میں کسی قسم کا تاریخی اشتباہ موجود نہ تھا مگر معاویہ نے اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اس کو اپنا قانونی بھائی تسلیم کر لیا جس سے زیادہ اسلامی قوانین کا اور کس طرح مذاق اڑایا جا سکتا ہے !

حوالہ کے لیئے دیکھیئے : (الاستیعاب ج ۱ ص ۱۹۶ الکامل لابن الاثیر ج ۳ ص ۲۲۰ البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۸ ابن خلدون ج ۳ ص ۷-۸ ، مروج الذہب مسعودی ج ۲)

ع ۔ بنت ابی سفیان

ص ٥٦، الاعلام زرکلی ج ٣ ص ٨٩، العقد الفرید ج ٣ ص ٢٣٣)

"شمیّہ" کے تین لڑکے تھے (١) نُفیعؒ ابوبکرۃ (٢) زیاد (٣) نافع۔

زیاد بن شمیّہ کو معاویہ نے حضرت علی کی شہادت کے چوتھے سال یعنی ٤٤ھ میں اپنے خاندان میں بحیثیت اپنے بھائی کے شامل کیا تھا۔

ماہ رمضان ٥٣ھ ہجری میں اس کا انتقال ہوگیا اور کوفہ کے قریب مقام ثویّہ میں دفن کیا گیا۔ اسی مقام پر ابوموسیٰ الاشعری اور مغیرہ بن شعبۃ بھی مدفون ہیں۔

٥٤ھ ہجری

اس سال بھی معاویہ کے لشکر اور رومیوں میں جنگیں ہوتی رہیں اسی سال سعید بن العاص کو معاویہ نے مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ اسکے ساتھ ہی ان کی یہ کوشش رہی کہ سعید بن العاص اور مروان بن الحکم کے درمیان عداوت ڈال دی جائے اور ان دونوں میں کبھی اتحاد و اتفاق پیدا نہ ہوسکے۔ اسی لیئے وہ برابر خفیہ طور پر سعید کو خطوط لکھتے رہے اور اس کو سکھاتے رہے کہ مروان کے گھر بار کو تباہ کردے۔ سعید نے ان خطوط کو پوشیدہ رکھا لیکن ان پر عمل بھی نہیں کیا۔ یہ بات معاویہ پر بہت شاق گذری اور بالآخر سعید معزول کردیئے گئے۔ اس کے بعد معاویہ نے مروان ہی کو مدینہ کا گورنر بنا دیا اور اسے لکھا کہ سعید کے گھر بار کو تباہ و برباد کردے تاکہ حجاز میں کوئی چیز بھی اس کے پاس باقی نہ رہ سکے۔

مروان نے اپنے بیٹے عبدالملک کو سعید کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ اگر معاویہ کے علاوہ کوئی اور شخص یہ حکم دیتا تو میں اس کی تعمیل نہ کرتا نگران کے حکم کی تعمیل ضروری سمجھتا ہوں یہ سن کر سعید بن عاص نے وہ تمام خفیہ خطوط جو معاویہ نے مروان کے متعلق اسے لکھے تھے پیش کردیئے۔ ان خطوط کو دیکھ کر مروان بہت شرمندہ ہوا اور سعید کے اموال کی ضبطی اور اس کی جائداد وغیرہ چھیننے کا ارادہ ترک کردیا۔ اسکے بعد جب سعید نے معاویہ کو لکھا کہ آپ نے مروان کو اسطرح کے خط لکھے ہیں تو معاویہ نے صاف انکار کردیا اور پھر سعید بن العاص کے ساتھ بڑی نرمی کا برتاو شروع ہوگیا۔ اسی سال عبیداللہ بن زیاد کو معاویہ نے خراسان کا گورنر بنایا۔

عبیداللہ بن زیاد ایک روز معاویہ کے پاس گیا تھا اور کہنے لگا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے مجھے اب تک کوئی منصب نہیں دیا اور کسی مقام کی بھی حکومت نہیں

عطا کی ۔ معاویہ نے جواب دیا کہ اگر تیرے باپ نے تجھ کو اس قابل سمجھا ہوتا اور کوئی منصب دیا ہوتا تو میں بھی دیتا ۔ اس نے بہت خوشامد کی اور کہا کہ آپ کے بعد جو کبھی آئے گا وہ مجھ سے یہی کہے گا کہ تمہارے باپ کے علاوہ تمہارے چچا نے بھی تمہیں منصب حکومت کے قابل نہ سمجھا ۔ اُس وقت میرے پاس کوئی جواب نہ ہوگا ۔ اسی گفتگو کے بعد عبیداللہ کو خراسان کی حکومت سپرد کی گئی تھی ۔

کچھ عرصہ کے بعد اس نے دریائے جیحون کو عبور کیا اور کوہستان بُخارا پر چڑھ گیا ۔ ترکوں سے شدید جنگیں ہوئیں ۔ آخر ترکوں کو شکست ہوئی ۔ بھاگتے وقت ترک فوج کے سپہ سالار کی بیوی صرف ایک جوتی پہن سکی اور دوسری جوتی وہیں چھوڑ بھاگی جسے عُبیداللہ کے پاس پیش کیا گیا پھر اس کے حکم سے فروخت کیا گیا اور وہ دو لاکھ درہم میں فروخت ہوئی ۔ پھر عبیداللہ نے دو ہزار ترک کمانداروں کو اپنی فوج میں ملازم رکھ لیا ۔ خراساں میں اس کی حکومت صرف دو سال رہی ۔

اسی ۵۴ھ ہجری میں اُمّ المؤمنین سَودہ بنت زَمعہ کی وفات ہوئی ۔

اسی سال معاویہ کے لیئے مدینہ کے راستہ یمن سے خراج روانہ کیا گیا تھا جسے مدینہ میں امام حسین نے روک کر تمام مال اور سامان بنی ہاشم میں تقسیم کر دیا اور معاویہ کو لکھ دیا کہ مال یمن سے شام جا رہا تھا اور علم تھا کہ اس کا حشر یہی ہوگا کہ کچھ مال تو خزانۂ حکومت کی نذر ہو جائے گا اور باقی بنی اُمیّہ کے غیر مستحق لوگوں کو دیا جائے گا اس لیئے میں نے اس کو اس کے واقعی مستحقوں میں بانٹ دیا ہے ۔ معاویہ کو جب یہ خط ملا تو انھیں بے حد غصّہ آیا مگر اب کیا کر سکتے تھے ۔ جواب میں معاویہ نے امام حسین کو لکھا کہ اگر یہ مال شام آجاتا تو میں آپ لوگوں کا حصّہ ضرور بھیجتا ۔ مگر آپ کو مجھ پر کوئی اعتماد نہیں ہے اس لیئے آپ نے ایسا کیا ۔ چونکہ میں آپ کے شرف کو جانتا ہوں اس لیئے معاف کرتا ہوں مگر مجھے اس کا ڈر ضرور ہے کہ میرے بعد جو شخص آئے گا وہ آپ کو اتنے وقت کی مہلت بھی نہ دے گا جتنا وقت دودھ دوہنے والے کے ہاتھ کھولنے اور مٹھی بند کرنے کے درمیان ہوتا ہے (معاویہ کا اشارہ یزید کی طرف تھا)

امام حسین نے اس لیئے اس مال پر قبضہ کیا تھا کہ آپ امام وقت تھے اور اس قسم کے اموال پر تصرف کرنے کا پورا حق رکھتے تھے اور خط اس وجہ سے لکھا کہ دنیا یہ نہ سمجھے کہ یہ کام چھپا کر کیا گیا اس لیئے جو کچھ کیا وہ اعلان کے ساتھ کیا۔

۵۵ھ ہجری اس سال معاویہ نے عبداللہ بن خالد بن اُسَید کو کوفہ کی حکومت سے معزول کر دیا تھا جو زیاد کے بعد وہاں کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ اور ضحاک بن قیس کو حکومت کوفہ پر معین کیا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ عبداللہ بن عمرو بن غیلان کو بصرہ کی حکومت سے معزول کیا گیا اور عبیداللہ بن زیاد کو وہاں کا گورنر بنایا گیا۔

ساتھ ہی صوبہ خراسان میں عبیداللہ کی جگہ پر اسلم بن زُرعہ والی مقرر ہوا۔ اسی سال سعد بن ابی وقاص کا بھی انتقال ہوا۔ یہ اُن چھ آدمیوں کے بورڈ کے ممبر تھے جنہیں حضرت عمر نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیئے معین کیا تھا۔ سعد کے لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد چالیس تھی جن میں سے ایک عُمر بن سعد تھا جس نے کربلا میں یزید کے لشکر کی قیادت کی تھی۔

۵۶ھ ہجری زیاد کی موت سے پیشتر ہی معاویہ کا پختہ ارادہ تھا کہ یزید کو اپنا جانشین مقرر کریں اور اُس کے ولیعہد ہونے کا اعلان کر دیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے زیاد کو ایک خط لکھا تھا اور اس سے دریافت کیا تھا کہ اس امر میں اس کی کیا رائے ہے۔ زیاد نے اس سلسلہ میں عُبید بن کعب النُمیری سے گفتگو کی اور کہا کہ معاویہ یہ چاہتے ہیں کہ یزید کی ولیعہدی کا اعلان کر دیں اور اپنی زندگی ہی میں لوگوں سے اس کی بیعت لے لیں اور اس طرح وہ عوام میں نفرت کا جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ یزید سے بدظن ہیں اور جانتے ہیں کہ اسے امور سلطنت سے کوئی لگاؤ اور دلچسپی نہیں ہے اور وہ ہمیشہ شکار اور کھیل کود میں مشغول رہتا ہے، اس لیئے تم معاویہ کے پاس جاؤ اور میری طرف سے یزید کے متعلق ان باتوں کو بیان کر دو اور کہو کہ وہ اس امر میں جلدی نہ کریں کیونکہ تاخیر کے ساتھ مقصد کا حصول اس سے بہتر ہے کہ جلدی کرنے میں اصل مقصد ہی فوت ہو جائے اور کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے۔

عُبید نُمَیری نے کہا بات دراصل یہی درست ہے جو تم کہتے ہو لیکن میری رائے یہ ہے کہ معاویہ کی رائے سے تم خود اختلاف نہ کرو اور یزید کو اپنا دشمن نہ بناؤ۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم مخفی طور پر یزید کو بتا دو کہ معاویہ کا یہ ارادہ ہے مگر عوام کے خیالات تمہاری طرف سے خراب ہیں کیونکہ تم کھیل کود اور شکار وغیرہ میں دلچسپی رکھتے ہو، مناسب یہ ہے کہ تم اب ان عادتوں کو چھوڑ کر صحیح زندگی اختیار کر لو تاکہ تمہیں عوام میں مقبولیت حاصل ہو سکے ساتھ ہی اس کی بھی اطلاع دیدو کہ معاویہ نے مجھسے مشورہ لیا تھا مگر مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں اس خبر سے سخت ہیجان برپا ہو جائے گا۔ ہاں اگر کچھ روز صبر سے کام لیا گیا اور تم نے اپنے حالات بدل ڈالے تو پھر معاویہ کو اور ہمیں اس مہم میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ عبید نے کہا اے زیاد اس طرح کرو گے تو یزید اور معاویہ دونوں تم سے راضی اور خوش رہیں گے اور کسی قسم کی بدظنی تمہارے اور اُن کے درمیان پیدا نہ ہوگی۔

زیاد نے کہا: عبید پھر تم ہی جاؤ اور یزید سے مل کر میری طرف سے اس قسم کا پیغام پہنچا دو۔ یزید کو جب یہ پیغام ملا تو وہ بہت خوش ہوا۔ عبید نمیری جب یہ کام کر کے واپس آیا تو زیاد نے اسے انعام میں ایک بیش قیمت زمین دیدی۔ پھر معاویہ کو ایک خط لکھا اور درخواست کی کہ اس کام میں جلدی نہ کریں۔ یہاں تک کہ ۵۳ھ ہجری میں زیاد مر گیا اور بالآخر ۵۶ھ ہجری آ گیا۔

اُس وقت معاویہ نے ارادہ کر لیا کہ یزید کی ولیعہدی کا معاملہ مستحکم کر دیں اور اس کا باقاعدہ اشتہار اور اعلان کر دیا جائے اس کے بعد ہی انھوں نے ضحّاک بن قیس کو بلایا اور کہا کہ کل صبح میں لوگوں کے سامنے ایسے اہم امر کے متعلق تقریر کروں گا جسے خدا نے چاہا ہے تم میری پوری تقریر سن کر سب سے پہلے اٹھنا اور یزید کی ثناء و صفت جس قدر بھی ممکن ہو بیان کرنا۔

علامہ ابن قتیبہ "الامامۃ والسیاسۃ" میں لکھتے ہیں: ثم لبث معاویۃ بعد وفاۃ الحسن بن علیؓ الا یسیرا حتی بایع لیزید بالشام الخ- امام حسن کی وفات کے بعد معاویہ بہت تھوڑے عرصہ تک تو خاموش رہے مگر پھر انھوں نے شام میں لوگوں سے یزید کے لئے بیعت لی اور اپنے تمام گورنروں کو لکھا کہ وہ اپنے اپنے دائرۂ حکومت میں سب لوگوں سے یزید کے لئے بیعت حاصل کریں- اس وقت مدینہ میں معاویہ کی طرف سے مروان بن الحکم گورنر تھا معاویہ نے اسے لکھا کہ وہ قریش کے لوگوں کو اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی جمع کرے اور اُن سب سے یزید کے لئے بیعت حاصل کرے- مروان نے خط پڑھا تو اس کو یہ بات پسند نہ آئی اور قریش بھی اس پر راضی نہ ہوئے- پھر مروان نے معاویہ کو لکھا کہ تمہاری قوم یزید کی بیعت کے لئے آمادہ نہیں اور اس نے صاف انکار کر دیا ہے- آپ ایسی حالت میں تم مجھے اپنی رائے سے مطلع کرو- معاویہ نے اس خط کو پڑھ کر فوراً محسوس کر لیا کہ دراصل یہ مروان ہی کی کارروائی ہے اور وہ خود ہی یزید کی بیعت نہیں کرنا چاہتا- معاویہ نے اس کے بعد ہی مروان کو گورنری کے عہدہ سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ سعید بن العاص کو مدینہ کا گورنر بنا دیا"-

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ معاویہ نے اپنی پوری مملکت میں اس کا اعلان کرا دیا کہ اس کے پاس ہر طرف سے ممتاز لوگ آئیں تاکہ وہ امورِ سلطنت کے سلسلہ میں اُن سے گفتگو اور مشورہ کر سکے-

اس اعلان کے بعد ہر مقام کے مشاہیر شام میں معاویہ کے پاس آ گئے- ان لوگوں کے آنے کی خبر سن کر اس نے ضحاک بن قیس الفہری کو بلوایا اور کہا کہ جب باہر سے آنے والے تمام لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے تو میں کھڑا ہو جاؤں گا اور تقریر کروں گا جس میں اپنے بعد کے لئے خلافت کا ذکر کروں گا پھر جب میں سکوت کروں تو تم فوراً کھڑے ہو کر یزید کی بیعت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب سب لوگ جمع ہو گئے- تو معاویہ نے کھڑے ہو کر پہلے تو اسلام کی عظمت پر زور دیا اور اسکے ساتھ خلفاء کے فضائل اور ان کے حقوق کی اہمیت کا ذکر کیا پھر آخر میں یزید کی بہت تعریف کی اور کہا کہ علاوہ دوسری فضیلتوں کے اس کو ملکی سیاست کا بھی بڑا تجربہ اور

اس میں کمال حاصل ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے حاضرین سے کہا کہ وہ سب یزید کی بیعت کریں یہ سنتے ہی ضحاک کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ بلاشبہ آپ کے بعد کسی نہ کسی کو خلیفہ بنایا جائے گا اور آپ کا فرزند یزید یقیناً اس منصب کا اہل ہے کیونکہ وہ سیرت و اخلاق اور علم و فضل میں ہم سب سے بہتر ہے اس لیے آپ ضرور اُسے اپنا ولیعہد بنائیں۔ ضحاک کے بعد عمرو بن سعید الاشدق نے یزید کی ولیعہدی کی تائید کی۔ ان دونوں کے بعد یزید بن المقفّع کھڑا ہوا اور معاویہ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ یہ مسلمانوں کے امیر ہیں اور اگر یہ وفات پا گئے تو پھر یہ (یزید کی طرف اشارہ کر کے) پھر اگر کوئی اس بات سے انکار کرے تو اس کے لیے یہ ہے (اپنی تلوار کی طرف اشارہ کر کے) یہ سن کر معاویہ نے کہا کہ تم تو سب سے بڑے خطیب ہو اچھا بس بیٹھ جاؤ۔

اس کے بعد معاویہ نے اَحنف بن قیس سے کہا کہ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے اے ابو بحر؟ انھوں نے جواب دیا کہ اے معاویہ! اگر ہم سچ بات کہیں تو تم سے ڈرتے ہیں اور اگر جھوٹ بولیں اور غلط بات کہیں تو اللہ سے ڈرتے ہیں اور اے امیر آپ تو خود ہی یزید کے کردار اور اس کے اعمال و افعال سے خوب واقف ہیں اور اس کی ظاہری اور گھریلو زندگی اور اس کے لیل و نہار اور اس کی خفیہ و علانیہ اور پوشیدہ و آشکار زندگی سے باخبر ہیں“۔

اس کے بعد اب ہم العقد الفرید ج ۳ ص ۱۳۳ سے اس بیعت کی تفصیل لکھتے ہیں:- لما مات زیاد و ذلک سنۃ ثلث و خمسین الخ جب زیاد کا انتقال ہو چکا اور یہ ۵۳ھ تھا تو معاویہ نے اپنے بعد کے لیے ایک وصیت نامہ لکھا اور اُسے تمام لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنایا جس میں یزید کی ولایتِ عہد کا اعلان تھا اور اسی طرح وہ برابر عوام و خواص کے ذہنوں کو بیعتِ یزید کے لیے سات برس تک تیار کرتے رہے اور ساتھ ہی قریب و بعید لوگوں کو عطیات دیکر اور ان کے ساتھ طرح طرح کی رعایتیں کر کے اور انعام و اکرام کے ذریعہ سے انھیں ہموار کرنے کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اپنی اس چال سے یزید کے لیے بیعت کی توثیق میں کامیاب ہو گئے اور اکثر و بیشتر لوگوں نے اس بیعت کو تسلیم کر لیا۔

اسی سلسلہ میں انھوں نے ایک موقع پر عبداللہ بن زبیرؓ سے پوچھا کہ اس بیعت

نوٹ عہ یہ فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے۔

ولیعہدی کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے ؟ عبداللہ نے جواب دیا اے امیر جب آپ کوئی اقدام کریں تو اس پر پہلے سے خوب غور کر لیں اور اس سے پہلے کہ آپ کو ندامت ہو آپ خوب سوچ سمجھ لیں ۔ معاویہ نے کہا عبداللہ تم تو مکار لومڑی کی طرح ہو پھر وہ احنف بن قیس کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے انھوں نے وہی جواب دیا جیسے اوپر بیان کیا جاچکا ہے ۔ آخر جب ۵۵ھ آیا تو معاویہ نے اپنی مملکت کے تمام اطراف میں اس کا اعلان کرا دیا کہ لوگ اُن سے ملنے کے لیئے آئیں۔ یہ اعلان سن کر ہر سمت سے لوگ اُن کے پاس آنے لگے۔

آنے والوں میں جو لوگ مدینہ سے معاویہ کے پاس آئے تھے اُن میں محمد بن عمرو بن حزم بھی تھے ۔ معاویہ نے انھیں تنہائی میں بلایا اور پوچھا کہ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ اے امیر! ہر حاکم سے اللہ اس کی رعایا کے حق میں باز پرس کریگا اس لیئے تم اس امت کے انتظام کے لیئے کسی شخص کو مقرر کرنے میں اللہ سے خوف کرو یہ سن کر معاویہ نے گہری ٹھنڈی سانس لی اور کہا اے محمد! تم مرزنا صبح ہو جو کچھ تم نے کہا یہ تمہاری اپنی رائے ہے اور تمہارے لیئے صرف اسی قدر لازم تھا پھر معاویہ نے کہا کہ اب تو میرے سامنے ایک طرف اپنا فرزند ہے اور دوسری طرف اور لوگوں کے بیٹے ہیں اور ظاہر ہے کہ میرا بیٹا میرے لیے دوسرے لوگوں کے بیٹوں سے بہت زیادہ محبوب ہے ۔ اچھا اب تم میرے پاس سے دور ہو جاؤ۔

اس واقعہ کے بعد معاویہ اپنے دربار میں بیٹھ گئے اور جو وفد اطرافِ ملک سے آئے تھے انھیں باریابی کی اجازت دی ۔ جب سب لوگ آ گئے تو انھوں نے سب سے فرمائش کی کہ وہ اپنی اپنی رائیں یزید کے بارہ میں بیان کریں چنانچہ سب سے پہلے ضحاک بن قیس نے کہا : اے امیر! آپ کے بعد یقیناً کسی نہ کسی خلیفہ کی ضرورت ہوگی اور آپ کے فرزند سے بہتر ہم میں کوئی بھی نہیں ہے آپ کے فیصلہ کو ہم نے بہترین اصلاحی تجویز پایا ہے جو امتِ مسلمہ میں فساد اور خوں ریزی کے سدّباب کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگا ۔ اس

(پچھلے صفحہ کا فٹ نوٹ) عبداللہ زبیر بن العوام بن خویلد حضرت خدیجۃ الکبریٰ ام المومنین کے بھتیجے تھے اور حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے بطن سے تھے یعنی حضرت رسالت مآب کے پھوپھی زاد بھائی اور حضرت خدیجہ کے رشتہ سے حضور کے برادر نسبتی عوام کے بیٹے تھے ۔ عبداللہ اُن کے فرزند کا نام تھا۔

کے بعد عمرو بن سعید نے گفتگو شروع کی اور یزید کی بے حد ثنا و صفت بیان کر کے اس تجویز کی پُرزور تائید کی۔ عمرو کے بعد یزید بن المقفع نے تقریر کی جسے ہم بیان کر چکے ہیں پھر احنف بن قیس بولے کہ اے امیر! یزید کے کردار اور اس کی نجی زندگی کو آپ دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں تو جب آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے اس فعل یعنی یزید کو ولیعہد بنانے میں اللہ کی رضا ہے اور امت کا بھی اسی میں بھلا ہے تو پھر دوسروں سے آپکو مشورہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور اگر اسے مناسب نہیں سمجھتے تو پھر اس اقدام سے پرہیز کیجئے۔ اس گفتگو کے بعد محفل تمام ہو گئی اور سب لوگ اپنے اپنے مقام پر واپس ہو گئے۔ پھر یزید کی بیعت شروع کر دی گئی۔ اسی سلسلہ میں ایک شخص کو بیعت کے لیے زبردستی لایا گیا تو وہ کہنے لگا: اے اللہ! میں معاویہ کے شر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ یہ سن کر معاویہ بولے تو اپنے نفس کے شر سے پناہ طلب کر اس لیے کہ وہ تیرے لیے زیادہ خطرناک ہے۔ اس کے بعد اُسے مجبور کر کے بیعت لی گئی جبکہ وہ کہتا جا رہا تھا کہ میں اس بیعت پر راضی نہیں ہوں۔ معاویہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگے: اللہ نے قرآن میں کہا ہے: (ترجمہ) بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم کسی بات کو پسند نہیں کرتے درآنحالیکہ اللہ نے اس میں خیر کثیر عطا کی ہے" پھر معاویہ نے مدینہ میں اپنے گورنر مروان بن الحکم کو لکھا کہ تم تمام اہل مدینہ سے یزید کے لیے بیعت حاصل کرو کیونکہ اہل شام و عراق سب کے سب بیعت کر چکے ہیں۔ معاویہ کا یہ حکم ملتے ہی مروان نے لوگوں کو جمع کیا اور ایک پُر اثر تقریر کے بعد انھیں بیعت یزید کی طرف دعوت دی اور ساتھ ہی انھیں بیعت نہ کرنے کی صورت میں دھمکی بھی دی۔

عبدالرحمان بن ابی بکر نے اس کی مخالفت کی اور دونوں میں کافی تکرار ہوئی اس کے بعد امام حسین، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر نے بھی شدت کے ساتھ اپنے اختلاف کا اظہار کیا پھر وہ جلسہ ختم ہو گیا اور تمام لوگ اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔

مروان نے یہ تمام باتیں معاویہ کو لکھ دیں۔ اس کا خط ملتے ہی وہ مدینہ کی طرف ایک ہزار فوجیوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ جب یہ مدینہ کے نزدیک پہنچے تو وہاں کے لوگوں سے ملاقات ہوئی جن میں امام حسین بھی تھے۔ معاویہ انھیں دیکھتے ہی بولے اے نوجوان اسلامی نسل کے سردار آپ کے لیے مرحبا! اس کے بعد عبدالرحمان بن

ابوبکر کی طرف مڑے اور بولے مرحبا! اے فرزندِ صدیق اور سردارِ قریش - پھر عبداللہ بن عمر کی طرف رخ کیا اور کہا مرحبا! اے فرزندِ فاروق اور اے صحابیِ رسول اللہ اسی طرح عبداللہ بن زبیر سے بھی گفتگو ہوئی - پھر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے لیے عمدہ گھوڑے لائیں جن پر یہ حضرات سوار ہوئے - اسکے بعد پھر معاویہ ان سب لوگوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے - چونکہ حج کا زمانہ تھا اس لیے مناسکِ حج سے فراغت حاصل کی پھر جب وہاں سے روانگی کا وقت آیا تو قافلہ کو تیاری کا حکم دیا، تمام سامان اکٹھا کیا گیا - اسکے بعد معاویہ نے کعبہ کے قریب منبر رکھوایا اور لوگوں میں منادی کی گئی کہ سب کے سب انکی تقریر سننے کے لیے جمع ہو جائیں - اسی وقت امام حسین کو اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر[1]، عبداللہ بن عمر[2] اور عبداللہ بن زبیر[3] کو بھی طلب کیا تھا - جب یہ لوگ آگئے تو معاویہ نے ان کا اچھے لفظوں کے ساتھ استقبال کیا - اور کہا: آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ میں آپ پر کسقدر مہربان ہوں اور آپ کی کسقدر عزت کرتا ہوں - رہا یزید تو وہ آپ کا بھائی اور ابن عم ہے اور میری خواہش ہے کہ اُسے اپنے بعد خلافت کے لیے پیش کروں اس طرح پر کہ خلیفہ تو وہی رہے لیکن تمام امورِ سلطنت آپ ہی لوگوں کے ہاتھ میں رہیں - یہ سن کر یہ سب لوگ خاموش رہے اور عبداللہ بن زبیر نے گفتگو شروع کی - ابن زبیر نے کہا کہ ہم تمہیں تین باتوں میں سے ایک بات کا حق دیتے ہیں کہ تم ان میں سے جس ایک بات کو چاہو اختیار کر لو (۱) یا تو وہ صورت اختیار کرو جو وفاتِ رسول اللہ کے بعد ہوئی اور لوگوں کے انتخاب پر مسئلۂ خلافت کو چھوڑ دو (۲) یا پھر وہ طریقہ اختیار کرو جو خلیفۂ اوّل نے کیا تھا کہ مسئلۂ خلافت سے اپنے گھر والوں اور اولاد کو الگ رکھا (۳) تیسرا وہ طریقہ ہے جو خلیفۂ ثانی نے اختیار کیا تھا کہ انتخابِ خلیفہ کا معاملہ چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا تھا - یہ باتیں سن کر معاویہ نے کہا کہ میں جو کچھ بھی کہوں گا اگر تم میں سے کسی ایک شخص نے بھی اس کی مخالفت کی تو خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اُس کا سر فوراً اڑا دیا جائیگا اور ساتھ ہی حکم دیا کہ ان

---

[1] عبدالرحمٰن بن ابی بکر متوفی ۵۳ھ - [2] عبداللہ بن عمر متوفی ۷۳ھ [3] عبداللہ بن زبیر متوفی ۷۳ھ -

لوگوں میں سے ہر ایک پر دو فوجی مقرر کئے جائیں جو تلوار لیے بالکل تیار رہیں اور دیکھتے رہیں کہ اگر اختلاف کا ایک لفظ بھی ان لوگوں کی زبان سے نکلا تو انھیں فوراً قتل کر دیا جائے اور اس طرح ان افراد کو فوجی پہرے میں اپنے ساتھ لیکر معاویہ اس مجمع کی طرف روانہ ہو گئے۔ پھر منبر پر بیٹھ کر تقریر شروع کر دی۔

اور حمد و ثنا کے بعد کہا: مجھ تک یہ خبریں پہنچی تھیں کہ عام لوگوں میں اس بات کا چرچا ہے کہ حسین بن علی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر نے یزید کے لیے بیعت سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ اُمتِ مُسلمہ کے سردار ہیں اور ان سے مشورہ لیئے بغیر میں ہرگز کسی کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ میں نے یزید کی بیعت کے معاملہ میں ان لوگوں سے مشورہ کر لیا ہے اور انھیں پوری طرح اپنی رائے سے متفق پایا ہے۔ ان سب لوگوں نے بیعت کر لی ہے اور یہ میرے پوری طرح مُطیع ہیں۔ یہ سن کر وہاں جو اہل شام موجود تھے کہنے لگے: اے امیر ہم اس پوشیدہ بیعت پر ہرگز راضی نہیں ہیں۔ ہمیں اجازت دے تو ہم ابھی ان سب کی گردنیں کاٹ دیں جبتک یہ ظاہر بظاہر بیعت نہ کر لیں۔

غرض سب اہل مکّہ سے اور جو وہاں مدینہ والے تھے اُن سے بھی بہ زورِ شمشیر بیعت لی گئی۔ اس کے بعد معاویہ شام کی طرف روانہ ہو گئے ــــ

یہاں تک ہم نے صاحب "العقد الفرید" کی عبارت کا ترجمہ لکھا ہے۔ لیکن اس کا بتانا بھی ضروری ہے کہ اس جبری بیعت کا ثبوت معتبر کتبِ سیرت سے نہیں ملتا اور نہ قرائن ہی اس کی شہادت دیتے ہیں کہ امام حسین اور دوسرے اجلّہ صحابہ سے مکّہ یا مدینہ جیسے اسلامی مرکزوں میں بزورِ شمشیر بیعت لی جاسکتی ہو اور پھر خصوصیّت سے حج کے زمانہ میں۔ اس لیئے اس روایت میں بیعت کا ٹکڑا قطعی طور پر غلط ہے۔

اب ہم العِقد العزید ج ۳ ص ۱۲۵ اور ثمرات الاعواد ج ا ص ۱۱ سے معاویہ کی وصیّت نقل کرتے ہیں جو انھوں نے یزید کے حق میں کی تھی۔

اَمَّا بَعدُ فَاِنَّ اللہَ خَلَقَ کُلَّ شَیٍٔ لِمیقاتِ یَومٍ معلومٍ الخ

بیشک اللہ نے دنیا کی ہر چیز کو ایک خاص عمر اور وقت کے لیئے پیدا کیا ہے

اور اگر اس دنیا میں کوئی باقی رہ سکتا ہے، تو وہ خود رسول اللہ ہی کی ذاتِ اقدس ہوتی اور وہی اس کے لیے زیادہ مستحق تھے۔ اے میرے بیٹے میں تجھے وصیت کرتا ہوں ایک ایسی وصیت کہ اگر تو اُس پر عمل کرتا رہے گا تو پوری زندگی آرام و راحت اور عزت و امان کے ساتھ بسر کرے گا۔

میں تجھے شام والوں کے لیئے آگاہ کرتا ہوں کہ ان کا ہمیشہ خیال رکھنا کیونکہ وہ تجھ سے ہیں اور تو ان سے ہے۔ جب کوئی شخص اُن میں سے تیرے پاس آئے تو اس کی عزت و اکرام کرنا اور جب تجھے کوئی دشمن ستائے تو اُن ہی کو ساتھ لے کر اپنے دشمن پر حملہ کرنا۔ پھر جب تجھے فتح حاصل ہو جائے تو شامی سپاہ کو ان کے وطن یعنی شام کی طرف لوٹا دینا کیونکہ اگر یہ لوگ دوسرے خطّوں میں رہ گئے تو پھر وہاں کے ماحول سے متاثر ہو کر بگڑ جائیں گے اور قابلِ اعتبار نہ رہیں گے اس لیئے کہ ان میں عقل نہیں ہے۔

رہے اہلِ عراق تو اُن کا بھی بے حد خیال رکھنا اور جو بات وہ کہیں اسے مان لینا یہاں تک کہ وہ لوگ اگر ہر روز اس کا مطالبہ کریں کہ گورنر کو معزول کر دیا جائے تو ہر روز تو ان کے مطالبہ کو قبول کر لینا کیونکہ ایک گورنر کو معزول کر دینا اس بات سے یقیناً بہتر ہے کہ ملک کے عوام کو ناراض کر دیا جائے اور فتنہ و فساد کو دعوتِ عام دیدی جائے۔

اے فرزند تجھے یہ بات معلوم رہنا چاہیئے کہ میں نے تیرے لیئے پوری مملکت کو مسخر بنا دیا ہے اور تمام سرکشوں کی گردنیں جھکا دی ہیں پھر بھی اگر میں تیرے حق میں کسی سے خوف کرتا ہوں تو وہ چار آدمی ہیں کیونکہ یہ تجھ سے ہرگز بیعت نہیں کریں گے۔

ان میں سے ایک عبد الرّحمان بن ابی بکر ہیں مگر یہ ایک دنیا دار آدمی ہیں اس لیئے ان کو انعام و عطیات دیکر راضی رکھنا۔

دوسرے عبد اللہ بن عمر ہیں وہ زیادہ تر مسجد میں عبادت کیا کرتے ہیں تو انہیں اسی حالت پر چھوڑ دینا۔ تیسرے عبد اللہ بن زبیر ہیں۔ اُن کی چالیں لومڑی کی چالوں کی طرح مکر و فریب سے بھری ہوئی ہیں تو پھر تو بھی ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا جب

آپ کی ذات کو پابند نہ کردے اور اُس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی نہ بن جائیں۔ اس طرح آپ کی حکومت و اقتدار کی بقا کے ساتھ ہی آپ اپنے ولیعہد کے کردار اور فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں اس کی لیاقت سے واقف ہوسکیں گے۔

اَحنف بن قیس بصرہ کے مشہور سرداروں میں سے تھے ان کا ذکر سفینۃ البحار اور ناسخ جلد ۶ صہ ۱۸۳-۱۸۴ میں بھی ہے جہاں اس کا تذکرہ ہوا ہے کہ امام حسین نے مشائخ بصرہ کے نام مدد طلبی کے خطوط لکھے تھے۔ اَحنف بن قیس کو صفحہ ۱۸۴ پر صخر بن قیس کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ جنگِ جمل میں انھوں نے حضرت امیرالمؤمنین کو لکھا تھا کہ اگر آپ حکم دیں تو دو سو سواروں کے ساتھ میدانِ جنگ میں حاضر ہو جاؤں اور اگر اجازت ہو تو قبیلۂ بنو سعد کو مخالف سمت سے روک کر خود بھی میدان میں نہ آؤں تو اس طرح چھ ہزار تلواریں جو آپ کے خلاف نکلنے والی ہیں وہ آپ کے خلاف نہ نکل سکیں گی۔ امیرالمؤمنین نے دوسری صورت کو پسند فرما کر انھیں اجازت دیدی تھی کہ یہ میدان میں نہ آئیں اور گوشہ گیر رہیں۔

احنف کی اس تقریر کو درباری لوگوں نے ایک بڑی گہری سازش قرار دیا اور سمجھا گیا کہ اس ترکیب سے اَحنف چاہتے ہیں کہ پوری مملکت معاویہ کے خلاف صف آرا ہو جائے اور انکی زندگی ہی میں ان کی حکومت کا تختہ الٹ جائے اور ساتھ ہی باپ اور بیٹے میں بھی رسہ کشی شروع ہو جائے اور اس طرح بنو امیہ کا اقتدار ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ کیونکہ سب ہی واقف تھے کہ یزید کو عوام پسند نہیں کرتے اور اس کی بری عادتوں یا شراب خواری، کھیل تماشے میں دلچسپی اور علمی و دینی باتوں سے بیزاری ہر طرف شہرت رکھتی تھی اس بنا پر معاویہ کے اس اقدام کا ردِ عمل فوراً یہی ہوگا کہ تمام مسلمان ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے پھر یزید کی ولیعہدی تو ایک طرف رہی خود ان ہی کا قصرِ حکومت و اقتدار زمین پر آرہے گا۔

اس صورتِ حال کو محسوس کر کے ضحّاک بن قیس غصّہ میں اٹھا اور کہنے لگا: اے معاویہ ان لوگوں کے کلام کو خود ان ہی کے منہ پر توڑ دو اور ان لغو باتوں کو کبھی قبول نہ کرنا۔ یہ سب سازش ہے۔ عراق کے لوگوں میں سوائے سازش و نفاق کے کوئی اور چیز نہیں پائی جاتی۔ عبدالرحمٰن ثقفی نے بھی یہی کہا۔ اس گفتگو کے بعد ہی یزید بن المقفع نے مختصر

تقریر کی اور پھر معاویہ کا اشارہ پاکر بیٹھ گیا"۔

یہ تھا وہ طریقۂ کار جس کے ذریعہ سے معاویہ نے اسلام میں ولیعہدی کی بنیاد ڈالی اور جس طرح قیصر و کسریٰ اور دوسرے بادشاہوں کا قاعدہ تھا اسی کو مسلمانوں میں رواج دینے کی کوشش کی۔ ان تمام باتوں سے یہ حقیقت صاف ہو جاتی ہے کہ معاویہ کے دور میں خلافتِ اسلامیہ کا کیا رخ تھا اور پارٹی پالیٹکس، خود غرضی، تعیش و اقتدار پسندی، ملک گیری اور مال و دولت کی فراوانی کے جراثیم کے علاوہ اس میں کسی حیثیت سے بھی روحانی اور دینی رجحان کا وجود نہیں رہ گیا تھا اور وہ اسلام جس نے نوعِ انسان کے لیئے امن و سلامتی کی پوری ضمانت دی تھی اسے بالکل بدل دیا گیا تھا اور ان دنیادار اور دولت پرست لوگوں کے حدودِ اقتدار کے اندر نہ کسی کی جان محفوظ تھی اور نہ عزت و آبرو۔

اسی سلسلہ میں زبدۃ الفکرۃ فی تاریخ الہجرۃ کے حوالہ سے سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ جب معاویہ نے ولیعہدیِ یزید کا اعلان تمام مملکت میں کر دیا تو سوائے پانچ افراد کے سب ہی نے بیعت کر لی وہ افراد یہ ہیں: حسین بن علی، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ جب معاویہ کو اسکی اطلاع پہنچی تو انھوں نے امام حسین کو خط لکھا:

یابن اخی قد استوسق الناس لھذا الامر الخ اے میرے بھائی کے فرزند! تمام لوگوں نے یزید کی بیعت کو قبول کر لیا ہے سوائے پانچ افراد کے جنکی قیادت تم کر رہے ہو۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اس مخالفت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اور یہ کس طرح صحیح و درست ہے؟ امام حسین نے اس خط کا جواب دیا: کہ اے معاویہ تم ان لوگوں کے پاس اپنا پیغام بھیج کر دیکھ لو اگر یہ لوگ بیعت سے انکار کرتے ہیں تو پھر میرے متعلق عجلت سے کام نہ لو۔ پھر معاویہ نے ان افراد میں سے ہر ایک سے یہی سوال کیا مگر سب کا جواب ایک ہی ملا اور سب نے یزید کو ولیعہد بنانے کی شدید مخالفت کی یہاں تک کہ حج کا زمانہ آگیا۔ اور معاویہ نے مکّہ جانے کا ارادہ کر لیا اور روانہ ہو گئے۔ راستہ میں مدینہ کی طرف رخ کر لیا۔ وہاں پہنچ کر ان پانچوں افراد سے ملاقات کی اور کہنے لگے: تم سب لوگوں نے میرے حکم سے سرتابی کی مگر میں نے تم پر سختی کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ یہاں کے تمام لوگوں کو جمع کروں اور ان کے سامنے اس

مسئلہ پر براہ راست گفتگو کروں۔

اس سلسلہ میں میری تم لوگوں سے صرف اس قدر خواہش ہے کہ تم اس مجمع میں میری مخالفت نہ کرنا ورنہ یاد رکھو کہ تم سب کے سر کاٹ دیئے جائیں گے۔ یہ کہکر معاویہ مسجد میں آئے اور منبر پر چلے گئے۔ خطبہ پڑھا اور کہنے لگے کہ حسین بن علی عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے یزید کی ولیعہدی منظور کرلی ہے، ان کے سامنے سر اطاعت جھکا دیا ہے اور اس کی بیعت کرلی ہے۔

معاویہ کی اس تقریر پر مخالفت کی کوئی آواز بلند نہیں ہوئی (اس کی وجہ یہی تھی کہ معاویہ کے اس جھوٹ کو سب ہی جانتے تھے اس لیئے اس بات پر کسی شخص نے بھی توجہ نہ دی)

اس تقریر کے بعد دوسرے روز وہ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

۵۶ھ میں ام المومنین جُویریہ بنت حارث بن ابی ضرار خُزاعیہ کی وفات ہوئی لیکن بعض سیرت نگاروں نے ان کی وفات ۵۰ھ میں لکھی ہے۔ یہ مدینہ میں مدفون ہوئیں۔

۵۸ھ ہجری کے واقعات کا خلاصہ

یزید کی ولیعہدی کا اعلان ہوچکا جسے کچھ عرصہ بھی گذر گیا پھر حج کا زمانہ آیا تو امام حسین مکہ روانہ ہوئے آپ کے ساتھ عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس کے علاوہ بنی ہاشم کے بہت سے لوگ تھے۔ مکہ پہنچ کر ایک روز مقام منیٰ میں بنی ہاشم اور دوسرے لوگوں کے ایک بڑے مجمع کے سامنے جو ایک ہزار سے زیادہ اہم افراد پر مشتمل تھا امام حسین نے تقریر فرمائی۔ اس اجتماع میں اصحاب رسولؐ اور تابعین نیز اُن کی اولاد اور رشتہ داروں کو جسقدر بھی ممکن تھا جمع کیا گیا تھا۔ امام حسین نے اپنے خطبہ میں فرمایا:۔

فَاِنَّ هٰذِهِ الطَّاغِيَة الخ اس مغرور و جابر نے ہمارے ساتھ اور ہمارے جاننے والوں کے ساتھ جو کچھ بھی اب تک کیا ہے اُسے آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں، پوری طرح سن چکے ہیں اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ اب میں اس وقت آپ لوگوں سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں اگر میں سچ کہتا ہوں تو آپ میری تصدیق کیجئے اور اگر

غلط کہتا ہوں تو کھلے لفظوں میں میری تکذیب کر دیجیئے ۔میری بات کو اچھی طرح سن لیجئے پھر اپنے اپنے مقامات پر واپس چلے جائیے اور دوسرے لوگوں کو بھی ان باتوں سے مطلع کر دیجیئے کیونکہ مجھے اس کا خوف ہے کہ کہیں حق مٹ نہ جائے لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ اللہ اپنے نور کو تمام کرکے رہے گا اگرچہ کفر کرنے والے اسے پسند نہ کریں۔

پھر فرمایا — میں تم سب کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں — کیا تم جانتے ہو کہ علی بن ابیطالب ، رسول اللہ کے بھائی تھے اور آنحضرت نے انھیں اس وقت اپنا بھائی بنایا تھا جب آپ نے مدینہ میں تشریف لاکر صحابہ میں سے ہر ایک صحابی کو دوسرے کا بھائی بنایا تھا پھر اپنا بھائی علی بن ابیطالب کو بنایا۔

میں تمہیں اللہ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کہ تم کیا اس بات سے واقف ہو کہ حضور انور نے مسجد اور اپنے مکان اور اپنے گھر والوں کے مکانات کے لیئے زمین خریدی تھی پھر آپ نے اس میں مسجد بنوائی اور ساتھ ہی دس گھر بھی بنوائے ۔ نو گھر اپنی ازواج کے لیئے اور ایک گھر میرے والد حضرت علی کے لیئے اور یہ گھر سب گھروں کے بیچ میں قرار دیا پھر دوسرے تمام گھروں کے دروازے جو مسجد میں کھلتے تھے بند کرا دیئے اور صرف میرے والد کا دروازہ اس حکم سے مستثنےٰ قرار دیا ۔ اس پر لوگوں نے بہت کچھ معروضات پیش کیں جن کے جواب میں رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ حکم خدا کے مطابق کیا ہے ۔ اس کے ساتھ ہی سوائے علی کے سب کو مسجد میں سونے سے منع کر دیا — یہ سُن کر حاضرین نے بآوازِ بلند کہا کہ اے حسین بن علی آپ جو کچھ فرماتے ہیں سب ہمیں معلوم ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کیا اس واقعہ سے تم بے خبر ہو کہ بعض لوگوں نے آنحضرت سے اپنے مکان کی دیواریں جو مسجد کی طرف تھی ایک چھوٹے سے روشندان کی اجازت طلب کی تھی مگر آپ نے انکو اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا ۔ پھر حضور انور نے فرمایا کہ یقیناً اللہ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں ایک ایسی مخصوص مسجد تعمیر کروں جس میں میرے علاوہ اور میرے بھائی (علی) اور اُن کے دونوں فرزندوں کے علاوہ کوئی سکونت اختیار نہ کرے (حضرت فاطمہ زہرا جزو رسولؐ ہونے کی حیثیت سے اس

استثنا میں داخل ہیں۔ مؤلف) یہ سن کر سب لوگ بول اٹھے کہ ہاں بیشک یہ سب درست ہے اور ہم ان تمام باتوں سے واقف ہیں۔

آپ نے فرمایا میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم کیا اس سے بے خبر ہو کہ رسول اللہؐ نے میرے والد حضرت علی کو غدیر خم والے دن مجمع کے سامنے بلند کیا تھا اور ان کی ولایت کا اعلان فرمایا تھا اور کہا تھا کہ اس واقعہ کی اطلاع وہ لوگ جو حاضر ہیں ان لوگوں کو بھی کر دیں جو غدیر خم میں حاضر موجود نہیں ہیں لوگوں نے اس کی بھی تصدیق کی۔

امام حسین نے پھر اللہ کی قسم دے کر پوچھا کہ اچھا کیا تم اس سے ناواقف ہو کہ رسول اللہؐ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر میرے والد کے حق میں فرمایا تھا: انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ" اے علی تم مجھ سے اس طرح ہو جس طرح ہارون موسیٰ سے تھے اور تم ہر مؤمن اور مؤمنہ کے ولی ہو۔ لوگوں نے تصدیق کی۔ آپ نے پھر پوچھا کہ اچھا بتاؤ کیا تم نہیں جانتے کہ جب مباہلہ کے موقع پر نصاریٰ کا مقابلہ ہوا تو سوائے میرے والد اور میری والدہ اور ہم دونوں بھائیوں کے کسی اور کو آنحضرتؐ اپنے ساتھ نہیں لائے تھے پھر لوگوں نے تصدیق کے لیئے آوازیں بلند کیں۔ امام حسین نے پھر قسم دے کر لوگوں سے پوچھا بتاؤ کیا تم واقف ہو کہ غزوہ خیبر میں میرے والد کو آنحضرتؐ نے علم لشکر عطا کیا تھا اور اس سے قبل فرمایا تھا کہ میں لشکر کا علم اس مرد کو دونگا جس کو اللہ اور رسول اللہؐ دوست رکھتے ہیں اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے، وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہے اور میدان سے کبھی فرار نہیں کرتا۔ اللہ اس کے دونوں ہاتھوں پر فتح عنایت کرے گا۔ لوگوں نے چیخ چیخ کر تصدیق کی۔

امام نے پھر فرمایا۔ کیا تم اس بات کا بھی علم رکھتے ہو کہ رسول اللہؐ کو جب کبھی کوئی سخت موقع درپیش ہوا تو انھوں نے ہمیشہ میرے والد کو اس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا اس لیئے کہ آنحضرتؐ کو ان پر پورا وثوق اور بھروسا تھا کہ وہ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ پھر حضور انورؐ نے کبھی انھیں نام لیکر نہیں یاد فرمایا بلکہ "بھائی" کہکر خطاب کیا۔ لوگوں نے ان تمام باتوں کی تصدیق کی۔ آپ نے پھر فرمایا۔ کیا

تمہیں اس بات سے بھی واقفیت ہے کہ اگرچہ حضورؐ جعفر بن ابی طالب اور زید بن حارثہ سے بھی بہت محبت رکھتے تھے لیکن وہ علی تھے جن کے لیئے آپ نے فرمایا: اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ فَاَنْتَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِیْ، "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور تم میرے بعد ہر مومن کے ولی و حاکم ہو۔ لوگوں نے اس کی بھی تصدیق کی۔ امام حسین نے پھر فرمایا کہ تمہیں کیا اس کا بھی علم ہے کہ علی کی ہی وہ شخصیت تھی جسے ہر روز سرورِ کائنات کے ساتھ رازداری اور تخلیے کی ملاقات کا شرف حاصل ہوتا تھا جو بارگاہ نبوت میں ان کے انتہائی تقرب کی دلیل ہے۔ پھر جب کبھی علی نے حضورؐ انور سے کچھ طلب کیا تو آپ نے فوراً ہی عطا فرمایا۔ تمام لوگوں نے تصدیق کی۔

امام نے فرمایا کہ علی کو حضورؐ نے جعفر اور حمزہ پر بھی ترجیح دی جبکہ آپ نے میری والدہ حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ "تمہارا شوہر میرے تمام اہل خاندان سے افضل ہے اور علم، حلم اور اسلام و ایمان میں سب سے اقدم و بہتر ہے۔ لوگوں نے پھر پوری تصدیق کی۔

آپ نے پھر دریافت کیا۔ تم لوگ اس بات کو جانتے ہو کہ رسولؐ اللہ فرماتے تھے کہ میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور میرا بھائی علی سیّد العرب، اور میری بیٹی فاطمہ زنانِ اہل جنّت کی سردار اور حسن و حسین میرے فرزند، جوانانِ جنّت کے سردار ہیں۔ تمام حاضرین نے اس کی بھی تصدیق کی۔

(یہاں پر "سیّد العرب" سے مراد بھی وہی ہے جو "سیّدِ وُلدِ آدم" سے مقصود ہے اس لیئے کہ عرب لازمی طور پر غیر عرب سے افضل ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ خاتم النبیینؐ کو خدا نے عرب ہی سے قرار دیا اس بنا پر جو ذات سیّد العرب ہو گی اُسکا سیّد العجم بھی ہونا یقینی ہے اور اس طرح نتیجہ کے اعتبار سے وہ سیّد اولادِ آدم بھی ہو گی، مُؤلف۔

امام حسین نے پھر فرمایا۔ میں تمہیں قسم دیکر پوچھتا ہوں۔ کیا تم واقف ہو کہ رسولؐ اللہ نے علی کو وصیت کی تھی کہ وہ وفات کے بعد آپ کو غسل دیں اور یہ خبر دی تھی کہ اس کام میں جبریل امین اُن کی مدد کریں گے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ بیشک ہم جانتے ہیں۔ یہ سب صحیح و درست ہے۔

آپ نے پھر فرمایا۔ کیا تم علم رکھتے ہو کہ رسولؐ اللہ نے اپنے آخری خطبہ میں فرمایا تھا۔ اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَاَھْلَ بَیْتِیْ فَتَمَسَّکُوْا بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا "میں تمہارے

درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ دوسرے میرے اہل بیت ان دونوں کا مضبوطی سے دامن تھامے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ بیشک ہم سب اس ارشادِ نبوی سے خوب واقف ہیں۔

اس یادگار تقریر کے بعد امام عالی مقام نے ہر اس آیت کی تلاوت فرمائی جو فضیلت اہل بیت میں نازل ہوئی تھی اور جب آیاتِ قرآنی کی تلاوت فرما چکے تو ارشاد کیا کہ یقیناً تم نے رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا: مَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ يُحِبُّنِيْ وَيُبْغِضُ عَلِيًّا فَقَدْ كَذَبَ لَيْسَ يُحِبُّنِيْ وَيُبْغِضُ عَلِيًّا، الخ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ مجھے دوست رکھتا ہے اور اس کے باوجود علی سے بغض رکھتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی مجھ سے محبت کرے اور علی سے دشمنی رکھے کیونکہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ جس شخص نے علی سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس سے علی سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی۔ سب لوگوں نے باآواز بلند جواب دیا کہ ہاں بیشک اے فرزند رسول! ہم سب اس حدیث سے واقف ہیں اور جو کچھ آپ فرما رہے ہیں سب کچھ صحیح و درست ہے۔ یہ امام حسین کی تقریر کا خلاصہ تھا جو آپ نے مقام منیٰ میں کی تھی۔

۵۵ھ ہجری میں کوفہ کی حکومت ضحاک بن قیس کے سپرد ہوئی تھی اور بصرہ، ایران و خراسان (ایران و خراسان اس زمانہ میں الگ الگ مگر باہم ملحقہ خطوں کو کہا جاتا تھا) کی حکومت عبید اللہ بن زیاد کے پاس تھی اسی ۵۵ھ میں عبد الرحمن بن ابی بکر کا انتقال ہوا۔

ا الاعلام للزرکلی ج ۴ صد ۸۳ پر ان کا سنِ وفات ۵۳ھ ہے۔

اصابہ ج ۲ صد ۱۰۸ پر بھی ۵۳ھ ہی ہے اور ساتھ ہی بعض ۵۴ھ کچھ ۵۵ھ، ۵۶ھ اور بعض سیرت نگار ۵۸ھ اور ۵۹ھ بھی لکھتے ہیں۔

عبد الرحمن وقتِ وفات اپنے گھر میں تھے جو مکہ سے چھ میل کے فاصلہ پر تھا کہ اچانک انتقال کر گئے، انکی کنیت ابو محمد تھی۔ ان کے بیٹے کا نام محمد اور اس کی کنیت ابو عتیق تھی جو مہاجرین کے طبقہ ثالثہ سے تعلق رکھتا تھا۔ عبد الرحمن اور حضرت عائشہ دونوں حقیقی بھائی بہن تھے۔ ان دونوں کی ماں کا نام امّ رومان تھا۔

معاویہ نے عبد الرحمن کو ایک لاکھ درہم اس شرط پر دیئے تھے کہ وہ یزید کی ولیعہدی

بیعت کرلیں اور اسے تسلیم کرلیں مگر انھوں نے انکار کر دیا۔

۵۸ھ ہی میں حضرت عائشہ کی بھی وفات مدینہ میں ہوئی۔ تاریخ وفات ۱۷ رمضان تھی۔ دوسری روایتوں کے مطابق سنِ وفات ۵۸ھ یا ۵۹ھ تھا۔ عمر ۶۶ سال تھی۔

حبیب السیر جلد اوّل جزو سوم صہ ۹۸، ربیع الابرار، کتاب الاوائل سیوطی، تاریخ اسلام ادکلے، تاریخ حافظ، کامل السفینہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت عائشہ کی وفات کا سبب معاویہ کی سازش تھی معاویہ نے دعوت کے بہانے انھیں اپنے گھر بلایا جہاں ایک گڑھا کھودکر اور اسے گھاس پھوس سے ڈھانپ کر اس کے اوپر ایک آبنوس کی کرسی رکھ دی تھی جوں ہی آپ کرسی کی طرف بڑھیں اس گڑھے میں گر گئیں اور ہلاک ہو گئیں اس طرح معاویہ نے زوجۂ رسولؐ سے یزید کی مخالفت اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی حمایت کا انتقام لے لیا۔ تفصیل ان کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۵۸ ہجری

ناسخ ۶/۹۹ کا خلاصہ — اس سال معاویہ نے ضحاک بن قیس کو کوفہ کی حکومت سے معزول کر دیا اور اپنے بھانجے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عثمان بن ربیعۃ الثقفی کو اس کی جگہ والی کوفہ بنا دیا۔ یہ عبدالرحمٰن، اُمّ الحکم بنتِ ابی سفیان کا لڑکا تھا۔

اسی سال عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب نے وفات پائی تھی یہ اپنے بھائی عبداللہ ابن عباس سے ایک سال چھوٹے تھے

عبیداللہ کی کنیت ابو محمد تھی اور ان کی ماں کا نام لُبابہ تھا جو بنتِ حارث بن حزن الھلالیہ تھیں۔ انھوں نے اپنی بیٹی کا نام بھی لبابہ رکھا جنکی شادی حضرت ابوالفضل العباس بن علی کے ساتھ ہوئی تھی۔

۵۹ھ کے واقعات کا خلاصہ

اس سال معاویہ نے اپنے بھانجے عبدالرحمٰن بن اُمّ الحکم کو امارت کوفہ سے معزول کر دیا تھا۔ اسی سال عبیداللہ بن زیاد بن ابیہ کے بھائی عبدالرحمٰن بن زیاد نے معاویہ سے حکومتِ خراسان حاصل کی تھی۔

اُس وقت کا نقشہ یہ ہے کہ بصرہ سے خراسان تک عبیداللہ بن زیاد کی حکومت

تھی۔ کوفہ پر نعمان بن بشیر حکمران تھے، سجستان پر عبّاد بن زیاد اور خود خراسان پر عزیز حکومتِ عبید اللہ تھا، عبد الرحمٰن بن زیاد کی حکومت قائم کر دی گئی۔

اسی سال عراق کے ایک وفد نے دمشق کا سفر کیا اور معاویہ کے سامنے عبید اللہ کی بڑی تعریف کی۔ اس وفد میں احنف بن قیس بھی تھے مگر یہ خاموش رہے لیکن جب معاویہ نے اصرار کیا کہ تم کیوں نہیں بولتے تو انھوں نے کہا اگر میں کچھ کہوں گا تو شاید دوسرے ارکان وفد کی مرضی کے خلاف ہو اس لیئے خاموشی ہی مناسب ہے۔ احنف کی گفتگو سے متاثر ہو کر معاویہ نے عبید اللہ کو حکومت بصرہ سے معزول کر دیا اور تمام ارکان وفد اور خود احنف سے دریافت کیا کہ اس کی جگہ پر کس کو والی بصرہ بنایا جائے۔ کسی نے کچھ رائے دی تو کسی نے کسی کا نام پیش کیا۔ خود احنف اس موقع پر بھی خاموش رہے۔ چند روز کے بعد معاویہ نے پھر ارکانِ وفد کو طلب کیا اور دوبارہ اس مسئلہ کو چھیڑا۔ پھر مختلف رائیں پیش کی گئیں آخر معاویہ نے احنف سے دریافت کیا کہ تمہاری رائے کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر آپ اپنے خاندان سے کسی کو حاکم بنائیں گے تو عبید اللہ کی ہمسری کوئی نہیں کر سکتا اور اگر کسی دوسرے کو حکومت دیجئے گا تو پھر اس میں کافی غور و خوض کی ضرورت پڑے گی اور یہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں جو آسانی سے طے ہو جائے۔ معاویہ نے کہا تو پھر ایسی صورت میں عبید اللہ ہی اس منصب کے لیئے موزوں تر ہے اور میں اس معزولی کے حکم کو منسوخ کرتا ہوں اور اس کو دوبارہ حکومتِ بصرہ کا امیر مقرر کرتا ہوں پھر احنف سے کہنے لگے کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور خواہش رکھتا ہوں کہ تم عبید اللہ کی مخالفت نہ کرنا اور اس کا ساتھ دیتے رہنا۔ اس کے بعد ہی احنف بن قیس کا رویہ بدل گیا اور وہ عبید اللہ کی حمایت و تائید کرنے لگا۔ اسی سال اُسامہ بن زید نے بھی وفات پائی ان کا نسب یہ ہے:- اُسامہ بن زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبد العزّیٰ الکلبی۔ ان کی ماں کا نام "برکۃ" تھا جنہیں اُمّ ایمن کہا جاتا تھا یہ حضرت آمنہ کی کنیز تھیں۔ علامہ ابن عبد البّر نے اُسامہ کی وفات ۵۴ھ میں لکھی ہے مگر عبّوس منصوری اور یافعی نیز دیگر سیرت نگاروں نے ۵۹ھ ہی لکھا ہے۔ سرزمین "جرف" میں ان کی وفات ہوئی اور لاش مدینہ میں لا کر قبرستان بقیع میں دفن کی گئی (جرف شام کی طرف مدینہ سے تین میل پر تھا)

اِس سال قیس بن سعد بن عُبادہ نے بھی وفات پائی تھی۔ یہ بڑے مشہور بہادر تھے اور شیعیانِ علی میں خاص درجہ رکھتے تھے۔ ان کا قد اٹھارہ ۱۸ بالشت لمبا تھا۔ اونچے گھوڑے پر بیٹھا کرتے تھے مگر پھر بھی پیر زمین تک پہنچ جاتے تھے۔ معاویہ نے حضرت علی کی زندگی میں بہت کوشش کی کہ انھیں توڑ لیں مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ امیر المومنین کی جانب سے مصر کے گورنر تھے۔ آپ کی شہادت کے بعد امام حسن کے لشکر میں رہے مگر صلح کے بعد پھر بظاہر معاویہ سے برسرِ جنگ نہیں رہے تھے۔ ناسخ کی جلد در حالات امیر المومنین نیز بحار الانوار اور سفینۃ البحار ج ۲ ص ۷۵ہ وغیرہ میں ان کے واقعات دیکھے جا سکتے ہیں۔

غرض جب قیس بن سعد بن عُبادہ شدید بیمار ہوئے تو لوگ اس وجہ سے ان کی عیادت کیلئے بہت کم تعداد میں آیا کرتے تھے کہ ان میں سے بیشتر افراد قیس کے مقروض تھے اور وہ لوگ اس میں شرمندگی محسوس کرتے تھے کہ بیماری میں بغیر قرضہ ادا کئے ان کے پاس جائیں آخر جب انھیں خود ہی اس کا احساس ہوگیا تو پھر انھوں نے مدینہ کے کوچہ و بازار میں اس کا اعلان کرا دیا کہ جس شخص پر بھی میرا قرضہ ہے میں اسے معاف کرتا ہوں۔ اس کے بعد عیادت کرنے والوں کی کوئی حد باقی نہ رہی۔ اسی سال سعید بن العاص کا بھی انتقال ہوا جو معاویہ کی طرف سے پہلے حاکم مدینہ تھا۔ پھر انھوں نے اس کو معزول کرکے مروان بن الحکم کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔

اسی سال عبد الرحمٰن بن خالد بن ولید کا بھی انتقال ہوا تھا۔ خالد کے دو لڑکے تھے ایک عبد الرحمٰن جو معاویہ کے لشکر میں تھا۔ دوسرا مہاجر بن خالد جو جمل و صفین کی جنگوں میں حضرت علی کے ہمراہ رہا۔

جہاں تک یزید کی ولیعہدی کا تعلق ہے ہم اس مسئلہ کی تشریح کر چکے ہیں ابھی بعض باتیں اور بھی ہیں جنہیں ہم قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لئے ذکر کریں گے۔

اس خاص کام کے لئے شام والوں کی ایک جماعت کو معاویہ نے طلب کیا اور ان لوگوں سے مشورہ کیا کہ اس مسئلہ میں کیا کرنا چاہیئے۔

سب نے مل کر جواب دیا کہ ولیعہدی کے منصب کے لئے عبد الرحمٰن بن خالد سے بڑھ کر کوئی دوسرا مناسب نہیں ہو سکتا۔ یہ بات معاویہ کو بری معلوم ہوئی اور اس وقت سے عبد الرحمٰن کی طرف سے ان کے دل میں کدورت پیدا ہوگئی۔ پھر ایک مرتبہ عبد الرحمٰن جب

بیمار پڑ گیا تو معاویہ کے اشارہ پر اس کے معالج نے اُسکو زہر دے کر ہلاک کر ڈالا۔ اس کے بھائی مہاجر کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے شام میں آکر حیلہ سے اس معالج کو انتقام میں قتل کر دیا۔

(ناسخ ۶/۱۱۱) عوالم، مناقب اور احتجاج میں موسیٰ بن عُقبہ سے روایت ہے۔ معاویہ سے لوگوں نے کہا کہ حسین بن علی سے اچھی طرح ہوشیار رہنا کیونکہ تمام لوگوں کی نگاہیں اُن ہی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم اُن سے اس کی خواہش کرو کہ منبر پر جائیں اور کچھ تقریر کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی تقریر میں کمزوریاں ظاہر ہوں اور عوام کے دلوں سے ان کا وقار ختم ہو جائے۔ معاویہ نے جواب دیا کہ ہم لوگ اُن کے بھائی حسن بن علی کے متعلق بھی اسی غلط فہمی میں تھے مگر جب اُنھوں نے تقریر کی تو ان کی عزت لوگوں کے دلوں میں پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ اس کے بعد بھی لوگوں کا اصرار جاری رہا۔ آخر مجبور ہو کر معاویہ نے خواہش کی اور امام حسین سے کہا۔ اے ابو عبد اللہ کیا ہو سکتا ہے کہ آپ منبر پر تشریف لیجائیں اور کچھ ارشاد فرمائیں۔ ؎

آپ نے منظور کیا اور فراز منبر پر تشریف لا کر فرمایا: نحن حزب اللہ الغالبون الخ ہم ہی اللہ کا وہ لشکر ہیں جو ہمیشہ دوسروں پر غالب رہیں گے۔ ہم ہی عترت رسُول ہیں جو سب سے زیادہ ان سے نزدیک ہیں، ہم ہی آپ کے اہل بیت ہیں جنہیں اللہ نے ہر برائی سے پاک بنایا ہے، ہم ہی "ثقلین" میں سے وہ "ثقل" ہیں جنہیں سرورِ انبیائ نے اپنی حدیث میں اس کتاب الٰہی کا ثانی اور ردیف قرار دیا ہے جس میں ہر بات کی تفصیل و تشریح موجود ہے جس میں کسی رخ سے بھی گمراہی، غلطی اور باطل کا گذر نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی تفسیر کے لئے ہم سے زیادہ، نگاہِ خدا و رسولؐ میں کوئی دوسرا معتمد و معتبر نہیں ہو سکتا اسی لیئے ہم اس کا حق رکھتے ہیں کہ تم سب ہماری اطاعت کرو کیونکہ ہماری اطاعت تم پر فرض ہے۔

اسی بات کی طرف اللہ نے قرآن حکیم میں ان لفظوں میں اشارہ فرمایا ہے: "واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم الآیۃ۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ

؎ یہ روایت شام ہی سے متعلق معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اہل حجاز تو امامؑ کی فصاحت و بلاغت سے خوب واقف تھے۔ ہو سکتا ہے کہ معاویہ نے امام کو شام میں بلایا ہو۔ مؤلف۔

کی اطاعت کرو، اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں سے صاحبانِ امر ہیں۔ پھر اگر تم میں کسی مسئلہ پر جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پلٹا دو (اور اُن کے اس فیصلہ پر عمل کرو جو صاحبانِ امر کے ذریعہ سے تمہیں معلوم ہو جائے) (سورۂ نساء آیۃ ۵۹)۔

اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ " اور جب مسلمانوں کے پاس امن یا خوف کی خبر آئی تو وہ اس کو فوراً مشہور کر دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ اُس خبر کو رسول اور ایمانداروں میں سے صاحبانِ امر تک پہنچا دیتے تو بیشک جو لوگ اُن میں سے اس خبر کی تحقیق کرنے والے ہیں، اسکو سمجھ لیتے (کہ مشہور کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں) اور مسلمانو! اگر تم پر خدا کا فضل و کرم اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو چند آدمیوں کے سوا تم سب کے سب شیطان کی پیروی کرنے لگتے (ترجمہ آیت سورۂ نساء ۸۳)

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ — میں تمہیں اس بات سے ڈراتا ہوں کہ تم شیطان کی پکار پر کان لگاؤ کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور اگر تم نے اسکی آواز پر کان دھرا تو پھر تم اس کے ان دوستوں میں سے ہو جاؤ گے جن کے لیئے اس نے کہا ہے " آج تو تم سب پر غالب ہو گے کوئی ایسا نہیں جو تم پر غالب آ سکے اور میں تو تمہارا مددگار ہوں ہی۔ پھر جب دونوں لشکر مقابل ہوئے تو وہ اُلٹے پیروں بھاگ نکلا اور کہنے لگا کہ میں تو تم سے بالکل بے تعلق اور الگ تھلگ ہوں، میں تو وہ چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتیں، بے شک میں تو خدا سے ڈرتا ہوں (ترجمہ آیت الانفال ۴۸)

جب شیطان تمہیں تمہارے دشمنوں سے بھڑا کر خود الگ ہو جائے گا تو پھر تم تلواروں، نیزوں اور تیروں کی مار کا نشانہ بن جانے کے لیئے تنہا رہ جاؤ گے۔ اس کے بعد اگر تم ایمان لائے تو یاد رکھو کہ عذاب نازل ہو جانے کے بعد کسی نفس کا ایمان قبول نہیں کیا جائے گا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا ہو۔

یہ تقریر معاویہ کے دماغ پر بجلی بن کر کوند رہی تھی بالآخر انھوں نے امام حسین سے کہا "حَسْبُكَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ فَقَدْ اَبْلَغْتَ" اے ابو عبداللہ! بس کیجئے کہ آپ نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا۔

غرض معاویہ نے کم و بیش سات برس تک اس بات کی کوشش کی کہ ولیعہدی یزید کی اسکیم مستحکم ہو جائے اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں کے انکار اور مخالفت سے

خوف زدہ بھی تھے چنانچہ بدترین دشمنِ اہل بیت ــــ مروان بن الحکم بھی اس معاملہ میں معاویہ کے ساتھ نہ تھا اور وہ بھی مدینہ سے فوراً شام میں ان سے ملنے پہنچ گیا اور ان سے بہت تیز گفتگو بھی کی۔ مگر معاویہ بھی اس کی رگوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ جب مروان بہت تیزی دکھانے لگا تو انھوں نے کہا کہ تم کیوں گھبراتے ہو۔ میں نے تم کو یزید کا ولیعہد بنا دیا ہے تو یہ سن کر ٹھنڈا پڑ گیا۔

اسی سلسلہ میں معاویہ نے خود یزید کو حجاز کے سفر پر مامور کیا تاکہ وہ لوگوں سے ملاقات کرے اور انھیں انعام و اکرام سے اچھی طرح نوازے اور اس طرح لوگ اس کی شخصیت سے متاثر ہو جائیں اور اس سے محبت کرنے لگیں۔ اس نے باپ کی ہدایت کے مطابق ہر طرف درہم و دینار کی بارش کر دی جس کے نتیجہ میں کچھ نہ کچھ آدمی اس کے ہمنوا بن گئے مگر پھر بھی عوام میں اسے خاطر خواہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی اور عام طور پر لوگ اس سے متنفر ہی رہے۔

ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ معاویہ نے ولیعہدیِ یزید کے متعلق مشورہ کے لیے اطرافِ مملکت سے امراء و رؤساء اور اعیانِ سلطنت کو طلب کیا تھا۔ یہ بھی ایک گہری سیاسی چال تھی تاکہ دوسرے لوگوں کو سامنے رکھ کر اپنا مقصد حاصل کیا جائے۔ اس کے علاوہ عموماً ہر آدمی میں اور بالخصوص عربوں میں انانیت کا جذبہ بہت تیز تھا اس لیے معاویہ نے یہ ترکیب کی کہ ملک میں اثر و نفوذ رکھنے والے افراد کو بلا کر اُن کو اپنے اثر میں لینے کی بھرپور کوشش کی تاکہ کسی نہ کسی طرح خود اُن ہی کی زبان سے اس بات کو کہلوایا جائے اور اُن ہی کے ذریعہ سے پوری مملکت پر یزید کو مسلط کر دیا جائے اور معاویہ اس کے پس منظر میں رہیں۔

اسی سلسلہ میں انھوں نے حجاز کے ایک بڑے ذی اثر صحابی عبداللہ بن زبیر کو شام میں طلب کیا تھا اور اُن سے بھی اس میں مشورہ کیا۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں کہ انھوں نے جواب میں کہا۔ اے معاویہ اس مسئلہ میں تم اسی شخص سے مشورہ کرو جو تم کو صاف طریقہ پر رائے دے سکے اور اپنے دل میں کوئی راز باقی نہ رکھے۔ تمھیں دھوکا نہ دے اور سچی سچی رائے ظاہر کر دے تاکہ تم اس کے نتائج سے بے خبر نہ رہ سکو۔

اس ولیعہدی کی بابت تم پوری طرح غور وخوض کرلو اور جلدی نہ کرو کیونکہ جب منہ سے کوئی لفظ نکل جاتی ہے تو اس کی حیثیت اس تیر کی سی ہوا کرتی ہے جو کمان سے نکل گیا ہو۔ نہ تو وہ تیر واپس آسکتا ہے اور نہ منہ سے نکلی ہوئی لفظ واپس آسکتی ہے، اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کام کے لیے جلدی کرنے میں ایسے نتائج سامنے آجائیں جن کا مداوا بعد میں ممکن نہ ہوسکے۔

اے معاویہ! یہ یقین رکھو کہ میرا نفس خواہشاتِ نفسانی سے بالکل پاک صاف ہے اس بنا پر میں جو کچھ بھی کہوں گا وہ بالکل صحیح و درست بات ہوگی۔ نہ اس میں چاپلوسی کو دخل ہوگا اور نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ میری کوئی ذاتی خواہش ہوگی پھر جو ٹھیک بات ہوگی وہ میں تم سے تنہائی میں بیان کروں گا۔ یہ تقریر سن کر معاویہ کو ہنسی آگئی اور کہنے لگے اے بھتیجے! اگر تم اپنے بھائی یزید کے بارے میں ہمدردی کا اظہار کروگے اور صحیح رائے دوگے تو کوئی حیرت کی بات نہیں اس لیے کہ تم تو زمانہ دراز سے ہمارے ہمدرد ہو اور بہادر بھی ہو ——— معاویہ طعن آمیز خطاب کرکے احنف بن قیس کی طرف مڑ گئے۔ ان سے وہی گفتگو ہوئی جو ہم لکھ چکے ہیں۔

اسی سلسلہ میں معاویہ نے عبداللہ بن عمر سے بھی مشورہ کیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ اے معاویہ! یہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے جو آسانی سے حل ہوسکے۔ اس پر تم پوری طرح غور کرلو کہ تم امت محمدی پر کس شخص کو مسلّط کر رہے ہو کیونکہ قیامت میں جب تم بارگاہ خداوندی میں کھڑے کیئے جاؤگے تو وہاں تم کو اس کی جواب دہی کرنا ہوگی اور تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کسے اس امت پر ریاست دی اور کس کو حاکم بنایا ——— یہ گفتگو سن کر معاویہ نے ایک آہِ سرد کھینچی اور کہنے لگے کہ عبداللہ! یہ بات جو تم نے کہی بالکل درست ہے اور تم یقیناً بڑے نیک اور صالح انسان ہو۔ بیشک جو بات تمہارے نزدیک مناسب تھی وہ تم نے کہہ دی لیکن عبداللہ بن عمر! میں نے اس وقت تک خلفائے اسلام کی اولاد پر پوری طرح نظر دوڑائی ہے تو مجھے یزید سے بہتر کوئی لڑکا نہ ملا جسے تختِ خلافت سپرد کیا جائے اور میں اپنا ولیعہد بناؤں۔

یہ تمام گفتگو شام میں ہوئی تھی جہاں باری باری یا ایک ساتھ لوگوں کو اس مشورہ کے لیئے طلب کیا گیا تھا۔

یہی وہ موقع تھا جب مشاہیر اسلام اور اعیان و زعمائے مملکت کے ایک اہم مجمع کے سامنے معاویہ نے اپنے ایک تاریخی خطبہ میں کہا تھا ــــ یزید بڑا نیک باطن اور شریف الطبع لڑکا ہے اور تمام اعلیٰ صفات سے متصف ہے اور جو کچھ بھی اس کی تعریف میں کہنا ممکن تھا وہ سب کچھ کہا۔ اس تقریر کے بعد ضحاک بن قیس اٹھا جو شام کی پولیس کا افسر اعلیٰ تھا اور اس نے کہا ــــ اے امیر آپ کی تقریر ہم نے سنی۔ اب ہمیں بھی کچھ کہنے دیجیئے اور خود آپ بھی ہماری باتوں کو غور سے سنیئے۔ کوئی انسان اس پوری دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیئے نہیں آیا ہے اور موت کسی کو بھی فرار کی گنجائش نہیں اس لیئے اس کی شدید ضرورت ہے کہ آپ فوراً کسی نہ کسی شخص کو اپنا ولیعہد بنادیں اور امتِ محمدی کو اُس "گلے" کی طرح تنہا نہ چھوڑ جائیں جس کا کوئی گلہ بان نہ ہو (ان الفاظ کی زد بہت دور تک جارہی ہے) تاکہ آپ کے بعد امتِ مسلمہ تباہی و بربادی سے محفوظ رہ سکے۔ اس سلسلہ میں میرے نزدیک یزید سے بہتر کوئی بھی نہیں ہے جو اس منصب کے لیئے موزوں اور درست ہو۔ آپ نے یزید کو علم و فضل سے آراستہ کردیا ہے اور وہ آپ کے باغ کا نخلِ آرزو ہے۔ اسی کو ولیعہد بنایئے تاکہ امت میں اختلاف واقع نہ ہو اور بحر و بر میں امن و امان قائم رہے، ہر شخص آرام و راحت سے زندگی گذار سکے اور مسلمان قوم اس کے سایۂ عاطفت اور ظلِ عظمت و شوکت اور تدبر و سیاست میں پھل پھول سکے۔ ضحاک کی اس تقریر کے بعد سعید بن العاص نے بھی اس کی بھرپور تائید کی۔ پھر یزید بن المقفع نے جو کچھ کہا اسے بھی ہم لکھ چکے ہیں۔ اس کے بعد حُصَین بن نُمَیر سکونی نے تقریر کی اور کہا کہ اے امیر اگر آپ دنیا سے چلے جائیں گے اور یزید کو خلیفہ اور ولی عہد نہ بنائیں گے تو امتِ اسلامیہ پر ظلم کریں گے اور اس کا ہدایت کرنے والا پھر کوئی دوسرا باقی نہ رہے گا۔

پھر معاویہ نے اس وقت عراق کے مشہور لیڈر احنف بن قیس کو دیکھا تو وہ خاموش تھے ــــ پوچھا کیا بات ہے کچھ تم بھی بولو ــــ ان کی گفتگو بھی ہم پچھلے اوراق میں لکھ چکے ہیں ــــ

(ناسخ صہ ۱۲۸) جب مشورہ کی اس کارروائی سے فراغت ہوگئی تو معاویہ نے مروان بن الحکم والی مدینہ کو خط لکھا اور بتایا کہ پوری مملکت کے اطراف ــــ سے

سربرآوردہ زعماء یہاں جمع ہوئے تھے اور اُن سب نے یزید سے بیعت کر لی ہے اور اس کی ولیعہدی اور خلافت پر اپنے اعتماد کا اظہار کر دیا ہے اور اس کے بعد میں نے یزید کو باقاعدہ اپنا ولیعہد مقرر کر دیا ہے۔

اس لیئے جب تمہیں میرا یہ خط مل جائے تو اہل مدینہ سے بھی فوراً بیعت حاصل کرو — جب یہ خط مروان کو ملا تو اس نے مسجد نبی میں تمام بزرگانِ مدینہ اور اہم شخصیتوں کو آنے کی دعوت دی اور ان کے علاوہ عام شہریوں کو بھی بلوایا — پھر منبر پر گیا اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد کہنے لگا — امیر معاویہ عرصہ سے حکومت کی مسند پر ہیں لیکن اب وہ بوڑھے ہو گئے ہیں اور جوانی کی طاقت اُن میں موجود نہیں ہے۔ اب وہ اپنے بعد کے لیئے اس منصب کا ایسا انتظام کرنا چاہتے ہیں جو تمام بندگان خدا کے لیئے باعثِ آرام و آسائش ہو اور کفر و فساد و نفاق کو مٹا دے اور اس کام میں انھوں نے محض خوشنودی خدا اور امت محمدی کی فلاح کا خیال رکھا ہے مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کی یہ خواہش آپ لوگوں کی تائید اور حمایت کے ساتھ عمل میں آئے اور آپ سب کی رضا کے ساتھ وہ اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنائیں۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی اپنی رائے دیدیں۔

مجمع میں سے ایک گروہ نے آواز بلند کی کہ جس امر میں اللہ کی رضا حاصل ہے اس میں سوائے اقرار اطاعت کے ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس پر مروان نے کہا کہ معاویہ نے ایسے شخص کو اپنا ولیعہد مقرر کیا ہے جو اپنی پیدائشی شجاعت و دلیری اور بلند ہمتی سے ہر فتنہ و فساد کی جڑ کاٹ دیگا، عدل و انصاف کے مطابق کام کرے گا اور سیرتِ خلفائے راشدین سے کبھی باہر نہ ہوگا اور وہ معاویہ کا لائق فرزند یزید ہے۔

لوگوں نے جیسے ہی یزید کا نام سنا تو ان کے چہرے اتر گئے، اپنے سر جھکا لیئے اور مروان کو کوئی جواب نہ دیا۔ عبد الرحمٰن بن ابی بکر کو بھی یہ سن کر بہت غصہ آیا اور کہنے لگے اے مروان! تو جھوٹ بولتا ہے اور جس شخص نے تجھ کو یہ سب کچھ سکھایا ہے وہ بھی کاذب ہے۔ جن صفات کا تونے ذکر کیا ہے اللہ کی قسم اُن سے یزید قطعی طور پر خالی اور محروم ہے اور ہم ہرگز یزید سے بیعت نہیں کریں گے۔ مروان کو بھی غصہ آگیا اور بھڑک کر کہنے لگا۔

اے عبد الرحمن تمھیں کچھ خبر بھی ہے کہ تم خود کون ہو اور قرآن میں تمہارے متعلق کیا آیا ہے۔ تم وہی اپنے باپ کے ناخلف بیٹے ہو جس کے لیے اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے " والذی قال لوالدیہ اف لکما الآیۃ (احقاف) اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تمہارا برا ہو تم کیا مجھ کو دھمکی دیتے ہو کہ میں دوبارہ قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ —— بہت سے لوگ مجھ سے پہلے گذر چکے (اور کوئی زندہ نہ ہوا) اور وہ دونوں فریاد کر رہے تھے کہ کمبخت برا ہو ایمان لے آ اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہے تو وہ کہنے لگا کہ یہ تو بس اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ (الاحقاف ۱۷)

مروان کا مطلب یہ تھا کہ عبد الرحمن سے اُن کے والدین دونوں ناراض تھے یہ سن کر عبد الرحمن کو اور زیادہ غصہ آیا اور کہنے لگے —— مروان اب تیری یہ جرأت ہو گئی کہ تو میرے لیے آیات قرآنی کی تاویل کر کے مجھ پر اُن کی تاویل کو چسپاں کرتا ہے۔ اے مروان تو اس شخص کا لڑکا ہے جسے رسول اللہ نے مدینہ سے خارج کر دیا تھا اور اس کا داخلہ اس شہر میں ممنوع تھا یہ کہکر اٹھے اور مروان کی ٹانگ پکڑ کر منبر سے نیچے گھسیٹ لیا اور اسے زمین پر گرا دیا۔ بنی امیہ کے کچھ لوگ وہاں موجود تھے جنہوں نے مروان کی طرفداری کی اور قریب تھا کہ عبد الرحمن پر وہ لوگ حملہ آور ہوں اور ایک نیا فتنہ کھڑا ہو جائے یہ خبر فوراً حضرت عائشہ تک پہنچی - وہ جلدی سے اٹھیں اور ایک لمبی چادر اوڑھ کر، قریش کی کچھ عورتوں کو اپنے ساتھ لیکر مسجد نبیؐ کے دروازہ تک آئیں - جب لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو ڈر گئے اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں یہ کیا فرماتی ہیں! حضرت عائشہ نے مروان کی طرف رُخ کیا اور کہا —— تجھے کیا حق ہے کہ تو میرے بھائی عبد الرحمن کے متعلق یہ الفاظ استعمال کرے اور یہ گستاخی کرے - مروان خاموش کھڑا رہا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد آپ اپنے مکان واپس چلی گئیں اور مروان بھی روانہ ہو گیا - پھر اس نے یہ پورا واقعہ معاویہ کو لکھ بھیجا -

جب معاویہ کو مروان کا خط ملا تو پڑھ کر حاضرین دربار سے کہنے لگے —

مروان نے عبد الرحمن بن ابی بکر کی شکایت لکھی ہے اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ عبد الرحمن نے جو کچھ کہا ہے یہ ان کی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ

دوسروں نے انھیں سکھایا ہے اور جو کچھ انھوں نے عمل کیا وہ بھی دوسروں ہی کی تعلیم تھی۔

بہرحال جو کچھ بھی ہو، میں اس پیران سے بازپرس نہ کروں گا۔ اسی بنا پر انھوں نے مروان کے خط کا جواب بھی نہیں دیا اور یہ ارادہ کرلیا کہ مکّہ کے سفر میں مدینہ میں بھی ٹھہریں گے اور وہاں کے حالات کا جائزہ براہ راست خود لیں گے۔

اس واقعہ کے بعد معاویہ نے حج کے زمانہ میں مکّہ کا سفر کیا اور خصوصی طور پر چند روز مدینہ میں بھی قیام کیا وہاں کے مشاہیر سے ملاقاتیں کیں ـــ جب امام حسین سے ملے تو کہنے لگے کہ میں تم لوگوں کے حسد، کینہ اور بغض کو اچھی طرح جانتا ہوں اور قدیم زمانہ سے اس مخالفانہ روش سے آگاہ ہوں۔

امام نے جواب دیا کہ معاویہ! تم اپنے آپے سے باہر نہ ہو، حواس کو درست رکھو اور تہمت تراشی کرنا چھوڑ دو کیونکہ میں اس طرح کے اندازِ گفتگو کو پسند نہیں کرتا ـــ معاویہ نے کہا تم لوگ اسی قسم کی گفتگو کے اہل ہو۔ آخر تم نے دیکھ لیا کہ جو بات تم چاہتے تھے خدا نے اس کے خلاف چاہا اور اس کے خلاف کیا پھر تم کچھ بھی نہ کرسکے۔

(بعض لوگوں نے "جبر" کا قول اسی وجہ سے اختیار کیا تھا کہ اپنی برائیاں خدا پر تھوپی جاسکیں ورنہ قولِ "جبر" کفر کے برابر ہے۔مؤلف) غرض معاویہ سے مدینہ کے دوسرے لوگ ملاقات کرتے رہے۔ مگر اس گفتگو کے علاوہ پھر خود امام حسین سے کوئی اور بات چیت قیام مدینہ میں نہ ہوئی۔ عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے بھی وہ نہیں ملے ـ ان ہی ایام میں ایک دن معاویہ مسجد نبیؐ میں آئے اور تقریر کی۔

پہلے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے پھر یزید کی ولیعہدی کا تذکرہ کیا اور کہنے لگے ـ اے اہل مدینہ! ہاں بتاؤ کہ اس وقت پورے ملک میں یزید سے بہتر اس منصب کے لئے کون ہے۔ ساتھ ہی یزید کا علم و فضل اور دوسری جھوٹی صفتوں

کا ذکر کیا۔ پھر خود ہی بولے کہ قریش میں اس وقت ان صفات و عادات و فضائل کے لحاظ سے کوئی بھی اس کا ہمسر موجود نہیں ہے۔ پھر کہا کہ بعض لوگوں نے محض بغض و حسد کی وجہ سے اس کی ولیعہدی سے انکار کیا ہے۔ ان کے لیئے بہتر یہی ہے کہ وہ اسے قبول کر لیں اور فضول کوششوں اور ضد دل سے پرہیز کریں۔ اس کے بعد کہا ـــــ حسین بن علی، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اپنے ہوش و حواس پوری طرح درست کر لیں اور یزید کی فوراً بیعت کریں ورنہ اس کا نتیجہ ان لوگوں کے حق میں اچھا نہ ہوگا اور بہت کچھ کہتے رہے۔ پھر منبر سے اتر آئے اور دار الامارہ چلے گئے۔ جب یہ خبر حضرت عائشہ تک پہنچی اور اس تقریر کی پوری تفصیل انھیں معلوم ہوئی تو وہ انتہائی غیظ و غضب میں بھری ہوئی معاویہ کے پاس گئیں اور چیخ چیخ کر کہنے لگیں۔ اے معاویہ! تجھ کو احساس ہے کہ تو نے کیا حرکتیں کر رکھی ہیں اور تو کس عمل کا مرتکب ہوا ہے!

تو نے میرے بھائی محمد بن ابی بکر کو مصر میں قید کرایا پھر قتل کرایا اور اس طرح مسلمانوں کے درمیان افتراق کا بیج بو دیا۔ آج تو مدینۂ رسولؐ میں آیا ہے اور میرے دوسرے بھائی کو دھمکاتا ہے کہ انھیں قتل کر دے گا۔ ساتھ ہی اصحاب رسولؐ اللہ کی اولاد کو بھی قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ اگر تو ایسا کریگا تو پھر مجھ سے تجھے کون امان دے سکتا ہے۔ اگر آج میں حکم دیدوں تو مسلمان تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں اور تجھے گرفتار کر کے تیری گردن اڑا دی جاے۔ میرے بھائی محمد بن ابی بکر کے قصاص میں کون ہے جو مجھے اس کام سے روکے گا اور مجھے برا کہے گا۔

معاویہ نے کہا اے امّ المؤمنین اس قدر غصّہ نہ کیجئے۔ میں نے آپ کے بھائی کو قتل نہیں کیا اور نہ ان کے قتل کا حکم دیا۔ آپ کے بھائی محمدؐ بن ابی بکر مصر میں علی بن ابی طالب کی جانب سے گورنر مقرر ہوئے تھے پھر جب وہ مصر میں گئے تو عمرو بن العاص اور ان میں جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں محمد بن ابی بکر قتل کر دیئے گئے۔ نہ میں نے اس کا حکم دیا اور نہ میں یہ چاہتا ہی تھا اور یہ جو آپ فرماتی ہیں کہ مجھے آپ قتل کرا دیں گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ مدینہ

جائے امن و امان ہے - یہاں کوئی بھی کسی کو قتل نہیں کرسکتا (یزید کے حکم سے ۶۳ھ میں جنگ حرّہ کے موقع پر اسی مدینۂ رسولؐ پر حملہ ہوا اور اس کے لشکر نے دس ہزار صحابہ اور ان کی اولاد کو قتل کرا دیا اور ہزار ہا مسلمان عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں جس کی تفصیل کتب سیرت میں موجود ہے - یہ معاویہ کی عجیب منطق تھی کہ مدینہ خود ان کے لیئے تو محل امن تھا مگر دوسروں کیلیئے محل امن نہ تھا - مؤلف) غرض حضرت عائشہ نے معاویہ کی اس جھوٹی صفائی کو قبول نہیں کیا اور بدستور غیظ و غضب کا اظہار کرتی رہیں اور فرمایا کہ تیری یہ مجال نہیں کہ تو ان چار افراد پر میری موجودگی میں ہاتھ ڈال سکے - آخر معاویہ حضرت عائشہ کے غضب سے ڈر کر اپنی سیاسی اور دوسری مصلحتوں کے پیش نظر خوشامد پر اتر آئے اور کہنے لگے - لا واللہ میرا مقصد ہرگز یہ نہ تھا - میں تو خود ان لوگوں کی بڑی عزت کرتا ہوں اور میں روئے زمین میں اس شخص کو زندہ نہ چھوڑوں گا جو ان چاروں میں سے کسی ایک کو بھی تکلیف دیگا -

مگر اے امّ المؤمنین میں اپنے لڑکے یزید کو اپنا ولیعہد بنا چکا ہوں اور اس کا اعلان بھی کر چکا ہوں اور اب پوری مملکت اس سے واقف ہے اور ہر چھوٹا بڑا اس کی بیعت کر چکا ہے، خلافت کا قلادہ اس کی گردن میں ڈالا جا چکا ہے اور تمام مسلمانوں نے اسے قبول کر لیا ہے - آپ ہی فرمایئے کہ اب میں کیا کروں - کیا یہ مناسب ہوگا کہ میں اس عہد کو توڑ دوں اور اعلان کروں کہ میں نے یہ سب کچھ غلط کیا ہے تو اس کے بعد میری اور مسندِ خلافت کی کتنی بدنامی اور توہین ہوگی - حضرت عائشہ نے کہا کہ معاویہ مجھے تمہارے اس کام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ میں کوئی رائے دینا چاہتی ہوں لیکن فقط اس قدر تنبیہہ کرتی ہوں کہ ان چاروں پر تم کوئی سختی نہ کرنا اور دھمکیاں دینا بند کر دو - تم کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی تم نے کوئی حرکت کی اور حملہ کا ارادہ کیا تو میں میدان میں نکل آؤں گی اور تمہیں مزہ چکھا دوں گی - خدا کو یاد رکھو، دنیا کی ناپائیداری کو سامنے رکھو اور ایسا کام نہ کرو جس کی ندامت تم کو دنیا اور

آخرت میں اٹھانا پڑے ۔ معاویہ نے کہا۔ امّ المؤمنین! میں ایسا ہی کروں گا اور آپ کی نصیحت پر عمل کرتا رہوں گا۔ اس کے بعد حضرتِ عائشہ اپنے گھر واپس چلی گئیں۔

معاویہ نے اس گفتگو کے بعد اُن چاروں افراد کو طلب کیا مگر جواب ملا کہ وہ سب مکّہ روانہ ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر معاویہ کو کچھ فکر لاحق ہو گئی اور دیر تک خاموش رہے۔ پھر عبداللہ بن عباس کو طلب کیا اور انھیں اپنے ساتھ لیکر خود بھی مکّہ کی طرف چلے گئے۔

جب معاویہ مکّہ کے قریب پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان کا استقبال کیا پھر ان چاروں افراد سے بھی ملاقات ہوئی تو معاویہ ان کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آئے اور اس وقت یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ بھی انھوں نے نہیں چھیڑا چند روز اسی طرح گزر گئے تو ایک دن انھوں نے امام حسین کو اپنی جائے قیام پر آنے کی دعوت دی۔ جب آپ تشریف لائے تو انھوں نے آپ کی بڑی تعظیم کی اور کہنے لگے۔ ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ آپ انکار نہ کریں گے۔ آپ کو اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ میں نے تمام اطرافِ مملکت میں اس کا اعلان کر دیا ہے کہ یزید میرے بعد خلیفہ ہو گا اور وہ میرا ولیعہد ہے اس کے ساتھ ہی تمام ذمہ دار لوگوں سے میں نے انھیں شام میں بلا کر یزید کی بیعت بھی لے لی ہے صرف مدینہ کے لوگوں کا معاملہ میں نے آخر میں رکھا تھا کیونکہ مدینہ تو یزید کا گھر ہے اور اس خاندان کے اکثر افراد یہاں رہتے ہیں اس بنا پر مجھے یقین کامل تھا کہ یہاں کے لوگ تو یزید کی ولیعہدی کی مخالفت کر ہی نہیں سکتے لیکن جب میں نے اس سلسلہ میں یہاں خط لکھا تو کچھ لوگوں نے اس بیعت سے انکار کر دیا مجھے اس بات سے بہت صدمہ ہوا ہے۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کی نظر میں یزید سے بہتر کوئی دوسرا شخص موجود ہو تو مجھے بتائیں تاکہ میں اس کو اپنا ولیعہد بنا دوں۔ امام حسین نے فرمایا۔ معاویہ تم اس قسم کی غلط باتیں میرے سامنے نہ کرو۔ تم جس بات کو مجھ سے پوچھ رہے ہو اُس سے خود ہی اچھی طرح واقف اور باخبر ہو۔ یہ سن کر معاویہ نے جھلّا کر

کہا — اے ابوعبداللہ! اب آپ تشریف لے جائیں لیکن میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی جان پر رحم کیجیے اور شام والوں سے احتیاط رکھیے کیونکہ وہ سب آپ کے اور آپ کے والد کے سخت ترین دشمن ہیں — اگر انھیں یزید کے بارے میں آپ کی مخالفت کا علم ہو گیا اور انھوں نے وہ باتیں سن لیں جو آپ نے یزید کے لیے کہی ہیں تو پھر آپ کو کبھی چین نصیب نہ ہوگا اور وہ آپ کے خلاف سخت ترین ہنگامہ برپا کر دیں گے — اس گفتگو کے بعد امام حسینؓ وہاں سے اٹھے اور اپنی قیامگاہ پر تشریف لے آئے۔

اس کے بعد معاویہ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو طلب کیا - انھوں نے آتے ہی اس کا انتظار بھی نہ کیا کہ معاویہ گفتگو کی ابتدا کریں - یہ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ عبدالرحمٰن نے بات چیت کا آغاز کر دیا اور آخر میں صاف کہدیا کہ ہم یزید کی بیعت ہرگز نہیں کر سکتے - صرف یہ صورت ممکن ہے کہ تمام مسلمانوں کو جمع کر کے شوریٰ کر دو اور جو سب کی رائے ہو اس پر عمل کرو - تم اکیلے کوئی چیز نہیں ہو۔

معاویہ نے جواب دیا کہ میں تمہیں خوب جانتا ہوں — عنقریب میں تم کو اس کی سزا دوں گا - اور جو کچھ میں نے تمہارے لیے انتظام کیا ہے اس کو تمھیں بھگتنا پڑے گا۔

عبدالرحمٰن بولے کہ معاویہ! اگر تم میرے متعلق اپنی تمنا میں کامیاب ہو گئے اور مجھے قتل کرا سکے تو خدا اس دنیا ہی میں تمہیں برا بدلہ دے گا جبکہ آخرت میں تو تم کو سخت سزا ملے ہی گی - یہ سن کر معاویہ نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیے اور عبدالرحمٰن کے لیے بد دعا کرنے لگے - پھر اُن سے کہا اے شیخ! اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈال اور شام کے لوگوں سے خوف کر وہ بڑے ظالم ہیں وہ ہرگز تجھے نہیں چھوڑیں گے - عبدالرحمٰن نے کہا - میں خدا کے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتا — یہ کہہ کر وہ غصہ میں بھرے ہوئے گھر واپس چلے گئے۔

عبدالرحمٰن کی اس گفتگو کے بعد معاویہ نے عبداللہ بن عمر کو طلب کیا اور ان کے سامنے چاپلوسی کی باتیں کرنے لگے کہ آپ تو بڑے ہی صلح پسند ہیں،

جھگڑے کو بالکل دوست نہیں رکھتے اور امن و امان کو فساد پر ہمیشہ ترجیح دیتے رہتے ہیں۔

پھر کہنے لگے کہ عبداللہ! سردست صورت حال یہ ہے کہ تمام لوگ یزید کی بیعت کر چکے ہیں اب آپ بھی اس کی بیعت کر لیں۔ عبداللہ بن عمر نے جواب دیا کہ معاویہ! تم سے پہلے اور بھی خلفاء تھے جنکی اولاد علم و فضل سے آراستہ تھی اور ہر طرح خلافت کی لیاقت رکھتی تھی مگر ان میں سے کسی نے بھی خلافت اپنی اولاد کو نہیں سونپی اور کسی کو بھی اپنا ولیعہد سلطنت نہیں بنایا۔ بہرحال اگر تمام مسلمان یزید کی بیعت کر لیں گے اور پوری امتِ اسلامیہ کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا اور سب کا اجماع ہو جائیگا تو میں بھی ان میں سے ایک شخص ثابت ہوں گا لیکن اگر ایسا نہ ہو سکا تو گوشہ نشین ہو جاؤں گا اور عبادتِ الٰہی میں ساری زندگی گزار دوں گا۔ معاویہ نے کہا بات تو آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ اب آپ بھی تشریف لے جائیں لیکن شام والوں سے بے خوف نہ رہیں اور ان سے ڈرتے رہیں۔

معاویہ نے اس کے بعد عبداللہ بن زبیر کو طلب کیا اور جب وہ آئے تو انھیں دیکھتے ہی کہنے لگے۔ تمہاری مثال لومڑی کی سی ہے وہ زمین کے اندر جس سوراخ میں رہتی ہے اس کے بہت سے راستے ہوتے ہیں۔ اگر ایک راستہ بند کر دیا جائے تو وہ دوسرے راستہ سے نکل بھاگتی ہے۔ اے ابن زبیر! صدق دلی اختیار کرو اور خلافت یزید کی مخالفت میں سازشیں کرنا چھوڑ دو اور اب تم کو اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ یزید کی ولیعہدی کا معاملہ مستحکم ہو چکا ہے اور اس میں کوئی بھی خلل نہیں ڈال سکتا۔

عبداللہ بن زبیر نے جواب دیا کہ میں اے معاویہ تمہاری مخالفت ہرگز نہیں کر رہا ہوں لیکن تم خود ہی ایک پرانے فتنہ کو جگا رہے ہو اور سابقین کی سنت اور طریقہ کو بدل رہے ہو۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ تم یزید کو ولیعہد نہ بناؤ اور اس معاملہ کو شوریٰ پر چھوڑ دو کیونکہ قیامت کے دن تم سے اس کی بازپرس ہوگی کہ ایسے اہم امر کو تم نے کس نالائق انسان کے سپرد کر دیا۔ معاویہ! تم اس مسئلہ کو

آسان نہ سمجھو اور اس کے ظاہر و باطن پر خوب غور کر لو ۔ عبداللہ بن زبیر سے بھی انھوں نے کہا کہ اچھا اب تم واپس چلے جاؤ مگر اہل شام سے ہُشیار رہنا وہ کسی کو بھی بخشنے والے نہیں ہیں اور ساتھ ہی یاد رکھو کہ جو کچھ تمنے مجھ سے کہا ہے کسی دوسرے سے نہ کہنا کیونکہ جو صبر و تحمل میری طبیعت میں ہے وہ اہل شام میں نہیں ہے ۔ ابن زبیر بھی اس گفتگو کے بعد واپس چلے گئے ۔

پھر معاویہ نے مکہ میں انعام و اکرام کا زبردست سلسلہ شروع کر دیا اور تمام سرداران قبائل اور دیگر صحابہ و تابعین کو مالا مال کر دیا ۔

اس سفرِ حج میں معاویہ نے یزید کی ولیعہدی کو مستحکم کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی اور تمام لوگوں کو مجبور کر کے یا لالچ دیکر بیعت حاصل کی تھی مگر پھر بھی بیشتر افراد نے بیعت نہیں کی جن میں یہ چار افراد جن پر اس وقت پوری امت کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں کسی حال میں بھی بیعت کے لیئے تیار نہ ہوئے اور شدت کے ساتھ انکار کرتے رہے ۔ آخر کچھ عرصہ کے بعد حضرت عائشہ اور عبدالرحمن کی وفات ہو گئی پھر ۵۹ھ آ گیا ۔

اب کی مرتبہ معاویہ نے حج کے ارادے سے مکہ کا سفر کیا ۔ مکہ پہنچ کر امام حسین ۔ عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر سے ملاقات کی اور اسی قسم کی گفتگو کی جو پہلے کر چکے تھے ۔ پھر شام جانے سے قبل کعبہ کے قریب ایک تقریر کی جس میں مجمع کے سامنے شام کے فوجی سپاہی برہنہ تلواریں لیے کھڑے تھے اس تقریر میں بھی معاویہ نے ولیعہدیٔ یزید کا اعلان کیا تھا اور مخالفین کو سخت ترین دھمکیاں دی تھیں ۔ اس تقریر کی تفصیل ہم پچھلے اوراق میں بیان کر چکے ہیں ۔ غلط بیانیوں سے بھری ہوئی اس تقریر کے بعد مکہ سے معاویہ شام کے ارادے سے واپس ہوئے تو راستہ میں ایک مقام پر پہنچ کر ٹھہرے شب کو سو گئے ۔ پھر نصفِ شب کے وقت اٹھے اور تقضائے حاجت کے لیئے اپنے خیمہ سے باہر آئے ۔ قریب میں ایک کنواں تھا جس سے لوگ پانی بھرا کرتے تھے ۔ معاویہ نے پانی کے خیال سے اس کنویں میں جھانکا تو اس میں سے کچھ زہریلے بخارات اٹھ رہے تھے جو ان کے منہ تک آ گئے ۔ بس اسی وقت سے

ان کی حالت بگڑ گئی، فالج اور لقوہ میں مبتلا ہو گئے اور منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔ آخر بڑی مشکل سے اپنی خواب گاہ تک پہنچے اور وہاں جاتے ہی فرشِ خواب پر گر پڑے۔ صبح کو لوگوں کو خبر ہوئی۔ تمام لوگ جوق در جوق عیادت کے لیئے آنے لگے، علاج ہونے لگا مگر کوئی بھی فائدہ حاصل نہ ہوا۔

مروان بن الحکم بھی اس سفر میں معاویہ کے ساتھ تھا۔ مرض میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا اور وہ تڑپ تڑپ کر فریاد کر رہے تھے اور رو رہے تھے۔ بار بار کہتے جاتے تھے کہ یہ مجھے گناہوں کی سزا ملی ہے۔ معاویہ اس کے بعد ہی فوراً شام کی طرف روانہ ہو گئے مگر روز بروز اُن کی بیماری بڑھتی ہی رہی راتوں کو بھیانک خواب دیکھتے تھے اور چیختے رہتے تھے۔ ہر گھڑی پانی پیتے تھے۔ پھر بھی پیاس کسی طرح کم ہی نہ ہوتی تھی۔ کبھی غش آتا تھا اور کبھی ہوشیار ہو جاتے تھے اور چیخنے لگتے تھے۔

یزید اُن کے پاس ہر وقت موجود رہتا تھا۔ ایک روز اُس نے کہا۔ یا ابتاہ! آپ خود بھی میرے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے تاکہ خلافت کا کام مجھ پر آسان ہو سکے ورنہ مجھ کو دشواری پیش آئے گی اور ہو سکتا ہے کہ پھر دوسرے لوگ بھی آپ کے بیعت نہ کرنے کی آڑ لے کر بیعت نہ کریں یا بیعت توڑ دیں اور یہ خلافت آل ابی تراب کو چلی جائے مگر معاویہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ایک روز معاویہ نے دربار عام کیا تمام اہل شام عیادت کی غرض سے آتے جاتے رہے۔ ضحّاک بن قیس بھی موجود رہتا تھا۔ لوگوں کا اصرار بڑھا کہ معاویہ خود بھی تمام لوگوں کے سامنے یزید کی بیعت کریں تاکہ اس کے بعد پھر کسی کو بیعت یزید میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔ ضحّاک نے لوگوں کی اس خواہش کا ذکر بڑے ادب کے ساتھ معاویہ کے سامنے کیا اور انھوں نے اپنی رضامندی کا اظہار بھی کر دیا پھر ضحّاک کو حکم دیا کہ وہ تمام لوگوں کے سامنے معاویہ کی طرف سے یزید کی بیعت کرے چنانچہ ضحّاک نے بیعت کی رسم ادا کی۔

اس کے بعد مسلم بن عُقبہ نے بھی بیعت کی پھر اور لوگ اسی طرح بیعت کرتے

رہے ۔ اس کے بعد معاویہ نے حکم دیا کہ یزید کو خلعتِ خلافت پہنایا جائے اور پیراہن حضرت عثمان کو جو خون آلود تھا اپنی قمیص کے اوپر پہن لے۔

باپ کی تلوار کمر میں لگائے ۔ یزید نے ان احکام کی تعمیل کی ۔ جب یہ تمام رسمیں ادا ہو چکیں تو پھر یزید مسجد جامع میں آیا اور دیر تک قوم سے خطاب کرتا رہا ۔ تقریر کے بعد منبر سے اترا اور سیدھا معاویہ کے پاس گیا ۔ وہ غش میں تھے ۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو یزید سے دریافت کرنے لگے کہ تو نے کیا عمل کیا؟ اس نے کہا کہ میں آپ کے حسب الحکم خلعتِ خلافت پہن کر مسجد جامع گیا اور وہاں لوگوں سے خطاب کیا ۔ تمام لوگوں نے اس کے بعد مجھ سے اظہار وفاداری کیا ۔ پھر معاویہ نے ضحاک ومسلم بن عقبہ کو بلوایا اور انھیں اپنے سرہانے سے نکال کر ایک وصیت نامہ دیا جس میں لکھا تھا۔

"یہ معاویہ کا عہد ہے یزید کے ساتھ جسے معاویہ نے مستحکم کیا ہے۔ اس نے اپنے فرزند یزید کو خلافت تفویض کر دی ہے اور امیر المومنین نامزد کیا ہے۔

(اس وصیت نامہ میں جہاں اور باتیں تھیں ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ) یزید قاتلانِ عثمان کو اپنے قریب کبھی نہ آنے دے نیز اولادِ عثمان کی ہمیشہ تعظیم وتکریم کرتا رہے اور آل ابی طالب کو ان کے ماتحت رکھے اور بنی امیہ وآلِ عبد الشمس کو بنی ہاشم پر فوقیت دیتا رہے۔

عُبید اللہ بن زیاد اہل عراق کی ایک جماعت کو لیکر شام پہنچا ۔ معاویہ کی بیماری شدت پر تھی ۔ دربار شاہی کی طرف سے اس وفد کی بڑی تعظیم کی گئی پھر ان لوگوں سے بھی دوبارہ یزید کی بیعت کرائی گئی ۔ اس کے بعد معاویہ نے یزید کی طرف رخ کیا اور کہنے لگے :

یا بُنَیَّ اِنّی قد کفیتک الرِّحال والتَّرحال ووطّئتُ لکَ الاشیاء الخ

میں نے تیرے لیئے سفر وحضر کی سخت ترین تکلیفیں برداشت کیں ۔ تمام وسائل کو تیرے لیئے مہیا کیا، تیرے دشمنوں کو تیرا مطیع بنایا اور سرکش عربوں کی گردنوں کو تیرے لیئے جھکا دیا اور اب تجھے پوری مملکت میں کسی

سے بھی اس کا خوف نہیں ہے کہ وہ تیری مخالفت کی جرأت کر سکے گا اور تیرے مقابلہ میں آ سکے گا۔ ہاں! اگر خوف ہے مجھے تو صرف حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر سے۔

پھر ان میں سے بھی عبداللہ بن عمر سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ انھیں اس معاملہ میں کوئی خاص رغبت نہیں ہے۔ رہا عبداللہ بن زبیر تو اس سے مجھے خوف ہے کہ وہ تجھ پر حملہ کرے گا اور تیرے ساتھ سیاسی چالیں چلے گا۔ یزید! ابن زبیر کا حملہ شیر کی طرح ہوگا اور اس کی سازش بھی لومڑی کے مثل ہوگی۔ میری نصیحت ہے کہ جب بھی تجھے اس پر قبضہ حاصل ہو تو بلا تاخیر اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔

رہے حسین ابن علی تو مجھے یقین ہے کہ اہل عراق انھیں ضرور تیرے مقابلہ پر کھڑا کریں گے مگر مجھے امید ہے کہ اللہ تیری نصرت فرمائیگا اور ان کے شر اور فتنہ کو بھی ختم کر دے گا اور انھیں قتل کرے گا جس طرح اللہ نے ان کے باپ علی کو قتل کیا اور اُن کے بھائی حسن کو ذلیل کیا۔

یزید! بہرحال اہل عراق کا خیال رکھے اور اگر وہ روزانہ گورنر کی معزولی کا مطالبہ کریں تو ان کے مطالبہ کے مطابق روز نیا گورنر مقرر کرے کیونکہ ایک عامل کو معزول کر دینا اس بات سے بہت زیادہ آسان ہے کہ ایک لاکھ تلواروں کا مقابلہ کیا جائے۔ پھر اہل شام کے لیئے خصوصی وصیت تھی کہ یزید انھیں اپنا ظاہر و باطن بنالے۔ اگر کبھی کوئی دشمن حملہ کرے تو شام والوں کا لشکر اس کے مقابلہ کے لیئے روانہ کرے مگر فتح ہوتے ہی جہاں کہیں بھی یہ لشکر ہو اسے فوراً شام کی طرف واپس بھیج دے تاکہ یہ اس خطہ کی تہذیب و تمدن سے متاثر نہ ہوسکیں (العقد الفرید ج ۳ ص ۱۳۶)

معاویہ کا مرض بڑھتا گیا یہاں تک کہ آخری وقت آگیا۔ اس موقع پر یزید اپنی ماں کے پاس مقام "حُوّارین" میں تھا جو حلب کے قریوں میں سے ایک مشہور قریہ ہے۔ بالآخر معاویہ شب پنجشنبہ ۵ رجب ۶۰ھ کو دنیا سے چل بسے۔ بعض سیرت نگاروں نے ان کا سال وفات ۵۹ھ ہجری لکھا ہے۔

مگر اکثر نے سنہ۶۰ ہجری تحریر کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ ان کی ولادت سنہ۲۰ قبل ہجرت ہوئی تھی اس لحاظ سے ان کی عمر تقریباً اسّی سال کی ہوئی۔ سنہ۱۸ میں اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان والی شام کی وفات کے بعد جن کا انتقال طاعون میں ہوا تھا خلافت ثانیہ کی جانب سے انھیں شام کی حکومت سپرد ہوئی۔ بائیس۲۲ سال تک یہ شام کے گورنر رہے پھر ربیع الثانی سنہ۴۱ ہجری میں خلافت عامہ حاصل کی جس کا سلسلہ تقریباً انیس۱۹ سال تک رہا۔ اس طرح ان کی حکومت کا دور جس میں خلافت کا سلسلہ بھی شامل ہے اکتالیس۴۱ سال سے کچھ زیادہ ہے۔

سنہ۴۱ ہجری کو عام (سال) جماعت اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ معاویہ نے اس میں اپنے لئے بیعت اجتماعی طور پر حاصل کی تھی۔ ان کے تین لڑکے تھے
۱۔ عبد الرحمٰن ۲۔ یزید ۳۔ عبد اللہ۔ تین لڑکیاں تھیں ۱۔ ہند ۲۔ رملہ ۳۔ صفیہ۔

علامہ ابن قتیبہ نے المعارف کے ص۱۵۲ پر اس طرح لکھا ہے:۔

معاویہ کی کنیت ابو عبد الرحمٰن تھی۔ فتح مکہ سنہ۸ ہجری اسلام لائے تھے۔
خلافت اولیٰ اور ثانیہ کی جانب سے بیس۲۰ سال تک شام کے گورنر رہے پھر سنہ۴۰ ہجری کے بعد امام حسن کی صلح کا واقعہ ہوا اور اس طرح انھیں خلافت حاصل ہوئی

جب اس خلافت کا حادثہ ظہور پذیر ہوا تو معاویہ کی عمر اس وقت تقریباً باسٹھ۶۲ سال کی تھی۔ ان کا دور خلافت بیس سال ہے پھر سنہ۶۰ ہجری میں اُن کا انتقال ہو گیا اس وقت ان کی عمر ۸۲ سال کی تھی۔ ابن اسحاق کے نزدیک ۷۸ سال کی تھی اور مرض الموت "ذُبَیلہ" تھا یعنی اُن کے پیٹ میں پھوڑا پیدا ہو گیا تھا جس سے ان کی موت واقع ہوئی۔ خلافت کے زمانہ میں انکے کوئی اولاد نہ ہوئی اس لئے کہ بُرک (حجاج بن عبد اللہ) التمیمی نے ان کی ران کے بالائی حصّہ پر تلوار ماری تھی جس کے اثر سے وہ رگیں کٹ گئی تھیں جن سے اولاد ہونے کا تعلق ہے۔

کتاب البلدان ابن فقیہ مطبوعہ لیڈن ص۱۰۹ پر ہے کہ ۳۸ برس کی عمر میں معاویہ شام کے گورنر بنے پھر اٹھاون ۵۸ سال کی عمر میں اپنی خود مختار خلافت کا (زمانہ خلافت حضرت علی ہی میں) اعلان کر دیا اور ۷۸ برس کی عمر میں وفات پائی۔

معاویہ کا حضرت امیر المومنین علی پر سبّ و شتم

کتاب خصائص معاویہ مطبوعہ رامپور کے ص۲۱۷ پر ہے۔ ابوعثمان جاحظ کی کتاب "الرد علی الامامیۃ" میں لکھا ہے کہ معاویہ اپنے خطبوں کے آخر میں کہا کرتے تھے "

اللّٰھم ان ابا تراب الحد فی دینک وصدّ عن سبیلک فالعنہ لعنا وبیلا وعذبہ عذابا الیما۔ (ترجمہ کرنے کی ہم نے عمداً جسارت نہیں کی) چنانچہ لعنت کا یہ سلسلہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دورِ حکومت تک رہا اور انھوں نے اپنے حکم سے اس بدترین رواج کو بند کیا۔

اسی کتاب میں یہ بھی روایت ہے کہ بنی اُمیہ میں سے کچھ لوگوں نے معاویہ سے کہا۔ اے امیر! تم اپنی امید کو پا چکے ہو اس لیئے اب اگر اس شخص (حضرت علی) کی نسبت تم سکوت کرو تو مناسب ہے۔ یہ سن کر انھوں نے جواب دیا تھا۔

لا واللّٰہ حتی یربوا علیہ الصغیر ویھرم علیہ الکبیر ولا یذکر لہ ذاکر فضلا۔

نہیں! خدا کی قسم ہرگز نہیں! یہاں تک کہ اسی حالت میں بچے بوڑھے ہو جائیں اور بوڑھے اپنے بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ جائیں اور پھر کوئی ذکر کرنے والا اس (علی) کے لیئے کسی فضیلت کا بھی تذکرہ نہ کرے"۔

آگے بڑھ کر اسی کتاب میں لکھا ہے: ابو الحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں روایت کی ہے کہ معاویہ نے ایک ہی مضمون کا یہ فرمان "عامُ الجماعۃ" کے بعد اپنے تمام عاملوں کے نام لکھا تھا۔ ان برئت الذمۃ ممن روی شیئاً من فضل ابی تراب واھل بیتہ" یعنی ہم پر اس شخص کے جان و مال کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے جو کسی قسم کی کوئی بات ابوتراب (حضرت علی) اور اُن کے اہل بیت کی فضیلت میں بیان کرے۔

اسی طرح کا ایک فرمانِ عام نصائح کافیہ ص۱۷ پر منقول ہے: ثم کتب الی

ثُمَّ اِلیہ نُسخۃً وَّاحِدَۃً اِلیٰ جمیعِ البُلدَانِ: اُنظُرُوا مَن قَامَت عَلَیہِ البَیِّنَۃُ اَنَّہٗ یُحِبُّ عَلِیًّا وَاَھلِ بَیتِہٖ فَامحُوہُ مِنَ الدِّیوَانِ وَاَسقِطُوا عَطَاءَہٗ وَ رِزقَہٗ وشَفَعَ ذٰلِکَ بِنُسخَۃٍ اُخرٰی: مَنِ اتَّھَمتُمُوہُ بِمُوَالَاۃِ ھٰؤُلَاءِ القَومِ فَنَکِّلُوا بِہٖ وَاھدِمُوا دَارَہٗ فَلَم یَکُنِ البَلَاءُ اَشَدَّ وَلَا اَکثَرَ مِنہُ بِالعِرَاقِ" یعنی معاویہ نے اپنے تمام گورنروں کو ایک ہی مضمون کا حکمنامہ لکھا جس میں تحریر کیا تھا۔ خیال کرو جس شخص پر گواہی قائم ہوجائے کہ وہ علی اور ان کے اہل بیت سے محبت رکھتا ہے اس کا نام حکومت کے دفتر سے مٹا دو اور اس کا وظیفہ اور روزی فوراً بند کردو۔ پھر ایک دوسرا فرمان اُسی کے ساتھ لکھا۔ جس شخص پر اس بات کی تہمت ثابت ہوجائے کہ وہ اس قوم (علی اور ان کے اہل بیت) سے محبت والفت رکھتا ہے، اس کو ایسی سزا دو کہ دیکھنے والے عبرت حاصل کریں اور اس کا گھر منہدم کردو۔ اس مصیبت کا شکار سب سے زیادہ اہل عراق ہوئے۔

منقول از الاعلام زرکلی ج ۸ صہ ۱۷۲ : —

معاویہ کا نسب

معاویہ کا نسب اسطرح بیان کیا جاتا ہے: معاویہ بن (ابی سُفیان) صخر بن حرب بن اُمیّہ بن عبدِ شمس بن عبد مناف القرشی الاُموی"

لیکن کامل البہائی میں لکھا ہے "اِنَّ اُمَیَّۃَ کَانَ غُلَامًا رُومِیًّا لِعَبدِ شَمسٍ فَلَمَّا اَلفَاہُ لَبِیبًا فَطِنًا اَعتَقَہٗ وَتَبَنَّاہُ فَقِیلَ اُمَیَّۃُ بنُ عَبدِ شَمسٍ"

سفینۃ البحار ج ۱ صہ ۴۶۔

اُمیّہ رومی غلام تھا عبد الشمس کا پھر جب انھوں نے اس غلام کو دیکھا کہ یہ بہت ہونہار اور سمجھدار ہے تو اسے آزاد کرکے اپنی فرزندی میں لے لیا۔ اُس وقت سے یہ ان کا بیٹا مشہور ہوگیا۔

صاحب "سفینہ" اس کے بعد لکھتے ہیں: جاہلیّت کے زمانہ میں عربوں کی یہ عام عادت تھی لیکن دوسرے تمام مورخین کے نزدیک نسبِ معاویہ کے متعلق مشہور قول وہی ہے جو ہم نے زرکلی سے نقل کیا ہے۔

نسبِ معاویہ کے اس جملہ معترضہ سے قبل ہم لکھ رہے تھے کہ انھوں نے

امیر المومنین حضرت علی پر کس کس طرح سب وشتم اور لعنت کو رواج دیا۔
(العقد الفرید ج ۲ ص ۱۹) میں ہے کہ معاویہ کی بیعت ہی حضرت علی کے ساتھ بغض رکھنے اور اُن سے تبرّا کرنے پر قائم ہوئی تھی چنانچہ لکھا ہے: **قعد معاویۃ بالکوفۃ یبایعُ الناسَ علی البراءۃ مِن علیٍ بن ابی طالب**، معاویہ جب کوفہ میں اپنی بیعت لینے بیٹھے تو وہ علی بن ابی طالب سے بیزاری اور برائت پر لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔"

اس سلسلہ میں ہم ناسخ $\frac{۶}{۱۶۵}$ کے حوالہ سے ایک عبارت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں (معاویہ کی وفات کے بعد جب یزید نے حاکم مدینہ ولید بن عُتبہ بن ابی سفیان کے نام فرمان لکھا تھا کہ تمام لوگوں سے میرے لئے بیعت حاصل کرو، وہاں سپہر کاشانی صاحبِ ناسخ التواریخ لکھتے ہیں: بدین گونہ پسر عم خود ولید بن عُتبہ بن ابی سفیان الخ یزید نے اپنے چچازاد بھائی ولید حاکم مدینہ کو لکھا ــــ اما بعد پس تم فوراً حسین، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر سے بیعت لو اور انھیں ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ دینا جب تک وہ بیعت نہ کرلیں۔ تم ان لوگوں کو پہلی فرصت میں گرفتار کرلو اور اس وقت تک رہا نہ کرو جب تک یہ بیعت نہ کرلیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی بھی بیعت سے انکار کرے تو میرے خط کے جواب کے ساتھ اس کا سر بھی میرے پاس روانہ کردو ــ اے ولید تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میرے والد معاویہ نے مجھے وصیّت کی تھی کہ میں اولاد ابوتراب سے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی پوری طرح حفاظت رکھوں اور یہ کہ اللہ خلیفہ مظلوم عثمان بن عفّان کے خون کا بدلہ آل ابوسفیان کے ہاتھوں ابوتراب کی اولاد سے لیگا کیونکہ ابوسفیان کی اولاد انصارِ حق، پشت پناہ دین اور ستونِ اسلام ہے" جب یہ فرمان ولید بن عُتبہ نے پڑھا تو کہنے لگا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔"

اسطرح خود یزید نے اپنے اس فرمان سے بھی معاویہ کی نیت کا پردہ پوری طرح کھول دیا ہے کہ وہ اہل بیت رسولؐ اور آلِ ابی تراب کے ساتھ کیا رَوِش اختیار کرنا چاہتے تھے۔

غرض جب معاویہ کا انتقال ہوگیا تو ضحّاک بن قیس (شام کی

پولیس کا افسرِ اعلیٰ) قصر کے اندر گیا اور وہاں سے ان کا کفن لے کر باہر آیا اور بغیر کسی کچھ گفتگو کیئے سیدھا مسجدِ جامع میں آیا اور منبر پر جا کر کہنے لگا:

اے لوگو! معاویہ کے لیئے پیغام الٰہی آچکا ہے اور وہ دنیا سے روانہ ہوگئے۔ یہ میرے ہاتھ میں ان کا کفن ہے۔ آپ لوگ نماز ظہر و عصر کے درمیان قصرِ خلافت میں نمازِ جنازہ کے لیئے جمع ہو جائیں۔ یہ اعلان کر کے ضحاک منبر سے اتر آیا۔ اس کے بعد ضحاک نے یزید کو فوراً خط روانہ کیا (کیونکہ یزید اس وقت دمشق میں موجود نہ تھا۔)

—— بقا صرف اللہ کے لیئے ہے اور پوری کائنات کے لیے فنا ہے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ یہ اشارہ ہے جو میں امیر کی خدمت میں لکھ رہا ہوں اور ساتھ ہی تعزیت و تہنیت ادا کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔ امیر کی خلافت پر اور امیر کی وفات پر۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

ضحاک نے اس کے بعد لکھا کہ اے امیر جب آپ کو یہ خط ملے تو آپ دمشق پہنچنے میں جلدی کریں تاکہ آپ کے لیئے دوبارہ بیعت حاصل کی جائے والسلام۔

جب یہ خط یزید کے پاس پہنچا تو وہ اٹھا اور چیخ چیخ کر رونے لگا پھر فوراً ہی دمشق روانہ ہوگیا اور تین روز کے بعد دمشق میں وارد ہوا۔ شام کے تمام لوگ جمع ہوئے اور معاویہ کی تعزیت ادا کی گئی۔ پھر یزید باپ کی قبر پر گیا اور دیر تک بیٹھا روتا رہا اس کے بعد اپنے قصر (الخضراء) میں واپس ہوگیا۔[1]

اس وقت سیاہ خز کا عمامہ یزید کے سر پر تھا، سونے کی تلوار حمائل کیئے ہوئے تھا اس کے اعزاز و اکرام میں الخضراء کے اندر بہترین ریشمی پردے لٹکائے گئے اور انتہائی قیمتی فرش بچھائے گئے تھے۔ اندر پہنچ کر یزید تختِ زرین پر بیٹھ گیا جو جواہر سے مرصع

---

[1] عہد معاویہ میں یہ قصر تعمیر کیا گیا تھا جس کا نام قبۂ خضراء تھا۔ اسی قسم کا ایک قصر مسلم عہد حکومت کا اسپین میں الحمراء کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دونوں اپنی خوبصورتی میں بہت مشہور ہیں ۱۲

تھا۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور تعزیت وتہنیت ادا کرتے تھے۔

معاویہ کی میّت کو دمشق کے "باب صغیر" میں دفن کیا گیا اور دوسری روایت کی بنا پر باب صغیر اور جابیہ کے درمیان دفن کیا گیا۔

خلافت یزید سنہ ۶۰ ہجری میں

رجب سنہ ۶۰ ہجری میں معاویہ کی وفات کے بعد یزید تختِ سلطنت پر متمکن ہوا۔

اب ہم یزید کے کچھ حالات درج کرتے ہیں جو ہماری اس کتاب کے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔

یزید کی ولادت سنہ ۲۶ ہجری میں دمشق میں ہوئی اس کی کنیت ابو خالد تھی اور ماں کا نام مَیسُون جو قبیلہ بنو کلاب سے تھی اور بَجدُل بن اُنیف کی بیٹی تھی۔

مَیسُون معاویہ سے سخت نفرت کرتی تھی اور اس کے ساتھ رہائش کو پسند نہیں کرتی تھی۔ ایک روز معاویہ کے قصر کے اندر اپنی رہائش گاہ میں وہ کچھ شعر پڑھ رہی تھی جن میں معاویہ کی سخت ہجو اور مذمت کا اظہار تھا۔ اتفاق سے معاویہ نے وہ شعر سن لیئے تو اسے طلاق دیدی اور اس کے وطن واپس کر دیا۔

کتاب "تجارِبُ السّلف" میں لکھا ہے کہ مَیسُون کے باپ بَجدَل کا ایک غلام تھا جس کا نام سفاح تھا۔ اس کے ساتھ مَیسُون کو عشق تھا اور اسی سے اس کا وہ حمل تھا جو یزید کی شکل میں ظاہر ہوا۔ طلاق پانے کے بعد مَیسُون اپنے قریہ حُوّارین میں رہا کرتی تھی۔ یزید بھی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔

حُوّارین سے دمشق میں واپس آنے کے بعد یزید فوراً مسجد جامع گیا اور وہاں اس نے تمام لوگوں سے دوبارہ بیعت لی — پھر اس کے بعد اپنے قصر میں چلا گیا اور تین روز تک لوگوں سے بالکل ملاقات نہیں کی لیکن اس کے قصر کے دروازہ پر تعزیت و تہنیت کے لیئے اطرافِ مملکت سے لوگ آتے اور جاتے رہے۔ ان آنے والوں میں شام کے رؤساء وامراء، مملکت کے تمام خطّوں کے وفد، اعیانِ سلطنت اور فوجی افسران سب ہی شامل تھے۔ چوتھے روز یزید قصر سے باہر آیا مگر اس حال میں کہ اس کا سر اور بدن غبار آلودہ تھا۔ مسجدِ جامع میں آیا اور تقریر کی۔ اُس نے کہا کہ معاویہ اللہ کی

رسیوں میں سے ایک رسی تھے جبتک اللہ کی مشیت تھی اس نے یہ رسی دراز رکھی پھر جب چاہا تو اسے کاٹ دیا۔تقریر کو ختم کر کے پھر اپنے قصر میں واپس آگیا اور تمام لوگوں سے تعزیت و تہنیت لینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

(مُرُوجُ الذہب علّامہ مسعودی ج ۲ ص ۹۳)

ایک روایت یہ ہے کہ جب یزید مسجدِ جامع میں تقریر کے لیے گیا تو ضحّاک بن قیس کو اس کا خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو یزید تقریر نہ کر سکے تو معاویہ کے گھرانے کی بڑی بدنامی ہوگی اس خیال کے پیشِ نظر ضحّاک منبر کے قریب بیٹھ گیا تاکہ یزید کو تقریر کرنے میں مدد دے۔ یہ محسوس کر کے یزید غصہ میں کہنے لگا: **یا ضحّاک اجئتَ تُعلّم بنی عبدِ الشمس** اے ضحّاک! تیری یہ جرأت! کہ تو عبدالشمس کی اولاد کو کلام کرنا سکھائے۔

اس کے بعد تقریر شروع کی اور کہنے لگا ــــ اے لوگو! بیشک معاویہ اللہ کا ایک بندہ تھا جس کو اس نے نعمت دی تھی پھر اس کی روح کو قبض کر کے اپنی طرف بلا لیا ــ میں ہرگز اس کے نفس اور کردار کی پاکیزگی بیان نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا علم تو خود اللہ ہی کو ہے۔ وہی اگر چاہے گا تو اسے معاف کر دیگا اور اگر نہ چاہے گا تو اس پر عتاب کرے گا اور اسے سزا دے گا۔

بعض سیرت نگاروں نے دوسرے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ پھر دوسری صبح کو یزید نے رؤساءِ شام کو جمع کیا نیز حکّامِ سلطنت، سردارانِ قبائل، افسرانِ فوج کو طلب کیا اور پھر منبر پر جا کر تقریر کی ــ اے اہل شام ہم سالکانِ طریقۂ حق اور ستون ہائے دین ہیں ــ ہم نے تم میں رہ کر نشو و نما حاصل کی ہے اور صحیح راستہ سے منزل مقصود تک پہنچے ہیں۔ میں تمہیں اس بات سے آگاہ کرتا ہوں کہ بہت ہی جلد ہمارے اور اہل عراق کے درمیان جنگ ہوگی کیونکہ میں برابر خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے اور عراق والوں کے ما بین خون کی ایک نہر بہہ رہی ہے۔ میں نے چاہا کہ اس نہر کو عبور کروں مگر میں عبور نہ کر سکا البتہ عبید اللہ بن زیاد نے اسے عبور کر لیا اور میں اس کی نگرانی کرتا رہا۔

تمام سردارانِ شام نے بالاتفاق آواز بلند کی: ہم سب آپ کے تابع فرمان ہیں

آپ کی خدمت اور اطاعت کے لیئے ہم نے کمر باندھ لی ہے اور ہمارے کان آپ کے حکم پر لگے ہوئے ہیں۔ آپ کا جو بھی حکم ہوگا اس پر ہم فوراً عمل کریں گے۔

عراق کے لوگ ہمیں خوب پہچانتے ہیں اور ہماری شجاعت و طاقت اور بہادری سے واقف ہیں۔ وہ تلواریں جو صفین کی جنگ میں ہم نے استعمال کی تھیں وہ اب بھی ہمارے قبضہ میں موجود ہیں" یزید اس اعلانِ وفاداری سے بہت خوش ہوا اور کہنے لگا۔ میرے سر کی قسم تم لوگوں نے سچی بات کہی ہے اور تمام بڑے بڑے کام موقع تمہارے ہی ذریعہ سے کرنا چاہتا ہوں۔

میرے والد معاویہ نے تم میں اس طرح زندگی بسر کی جیسے تمہارا بہترین شفیق باپ ہو۔ میرے والد کی نظیر نہ تو شجاعت میں تھی، نہ عقل و ہمت میں اور نہ سخاوت و فصاحت میں۔ جس قدر بھی صفاتِ کاملہ تھے وہ ان سب سے متصف تھے اور ایک عدیم المثال شخصیت کے مالک تھے پھر جب تک وہ اس دنیا میں رہے ان کی زبان اور کلام میں کسی قسم کی بھی لغزش اور غلطی نہیں دیکھی جا سکی۔

اعثم کوفی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ یزید کا کلام جب اس حد پر آیا تو ایک شخص نے چیخ کر کہا کہ اے یزید تو جھوٹ بولتا ہے۔ یہ صفتیں رسولِ خدا حضرت محمد مصطفےٰ کی ہیں جو تو نے معاویہ پر چسپاں کر دی ہیں جبکہ اس کی زندگی ان صفات کے بالکل خلاف تھی۔ نہ تو تیرے باپ میں شمّہ برابر کوئی ایسی صفت موجود تھی اور نہ خود تجھ میں ہے اور نہ تیرے خاندان کے کسی فرد میں موجود ہے۔ تمام حاضرین کو یہ بات سن کر بڑی حیرت ہوئی اور سب ملکر ڈھونڈنے لگے کہ یہ کس کی آواز تھی مگر کوئی پتہ نہ چل سکا آخر تھک کر بیٹھ گئے اور پھر گفتگو شروع ہو گئی اور معاویہ اور یزید کی تعریف کے پُل باندھے جانے لگے۔ یزید یہ سب کچھ سن کر بہت خوش ہوتا رہا اور اس کی ہر بات پر حاضرین "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا" کا شور بلند کرتے رہے۔

جب یزید تختِ حکومت پر متمکن ہو چکا تو اُس نے ایک مرتبہ بیعت کی تجدید کرنا چاہی اس لیئے اُس نے ساری مملکت میں ہر گورنر اور ہر حاکم کو حسبِ ذیل فرمان بھیجا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من عبد اللہ یزید امیر المؤمنین الخ ترجمہ — اما بعد بیشک معاویہ کی وفات ہو چکی ہے اور وہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا جسے اُس نے

سلطنت و ولایت کی عزت دی تھی اور اسے خلافت واقتدار عطا کیا تھا - تو وہ اللہ کی مقرر کی ہوئی مدت تک زندہ تھا اور پھر جب وہ مدت تمام ہوئی تو مر گیا پس اللہ اس پر رحم فرمائے کہ اس نے قابل تعریف اور پسندیدہ زندگی بسر کی اور اسے ایسی حالت میں موت آئی کہ وہ صالح اور متقی تھا - تو اب تم پر ضروری ہے کہ تم اپنے اپنے دائرۂ حکومت میں سب لوگوں سے چاہے بڑی عمر والے ہوں یا کمسن ہوں ہماری دوبارہ بیعت حاصل کرو اور ہماری اطاعت وفرماں برداری کا عہد لو - پوری شدت اور سختی کے ساتھ اور اس کام میں کسی کو بھی ذراسی بھی مہلت اور رخصت نہ دو -

اس قسم کا منشور یزید نے ہر شہر اور ہر ولایت میں روانہ کر دیا - لیکن اس کی پوری توجہ صرف تین اشخاص کی طرف مرکوز تھی - حسین بن علی ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر - عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا تو انتقال ہی ہو چکا تھا اب یہی تین آدمی زندہ تھے اس لیے اس نے اپنے چچازاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان حاکم مدینہ کو خط لکھا :-

اَمَّا بَعْدُ فَخُذْ حُسَیْناً وَعَبْدَاللّٰہِ بْنَ عُمَرَ وَعَبْدَاللّٰہِ بْنَ زُبَیْرٍ بِالْبَیْعَۃِ اَخْذاً شَدِیْداً الخ

یعنی اب تم ان لوگوں سے میرے لیے بیعت لو اور انھیں ذراسی بھی مہلت نہ دو - پھر حکم دیا کہ ان لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کریں انھیں رہا نہ کیا جائے -

پھر لکھا کہ اے ابو محمد (ولید بن عتبہ) میرا یہ فرمان ان لوگوں کو دکھاؤ اور اس کے بعد بھی اگر یہ بیعت نہ کریں تو میرے اس خط کے جواب کے ساتھ ہی بیعت نہ کرنے والے کا سر بھی میرے پاس روانہ کر دو --- اب ہم ٹریجڈی آف کربلا سے ڈاکٹر وحید مرزا کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے یزید کے حالات پر مزید روشنی پڑیگی -

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں : یزید کی ماں میسون تھی - ایک صحرائی عورت جو شہری زندگی سے نفرت کرتی تھی اور اپنی آزادی اور خانہ بدوشی والے گھر کی مشتاق تھی فطری طور پر اس نے اپنے لڑکے کو کمسنی ہی میں اپنے ہم قوموں کے پاس بھیج دیا کہ بدو عربوں کے درمیان کھلے ہوئے علاقہ میں اس کی تربیت کی جائے - یزید بڑھا خانہ بدوشی کے نمایاں علامات رکھتا ہوا --- اس کے اوصاف یہ تھے کہ خوش دل اور ہشاش بشاش رہتا تھا اور شکار کی تفریحوں اور جام شراب کا دلدادہ تھا ،

متکبر اور مغرور تھا - وہ برائے نام مسلمان تھا اور ان مزدوری اوصاف سے خالی تھا جن کے موجود ہونے کی اسلامی حکومت کے دنیوی اور روحانی سردار میں امید کی جاسکتی ہے - علامہ دمیری (محمد بن موسیٰ) نے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ قصہ لکھا ہے - وہ بیان کرتے ہیں کہ میسون بنتِ بحدل کلبیہ جو یزید کی ماں تھی اپنے حسن وجمال کی بدولت امیر معاویہ کی بہت منظورِ نظر ہوگئی تھی اور انھوں نے اس کے لیے غوطہ کے مقابل میں ایک قصر کا انتظام کیا تھا جہاں سے دور تک کی سیر دلفریب ہوسکتی تھی اور اس قصر میں بڑے آرائش کے سامان اور سونے چاندی کے برتن اور دیبائے رومی کے رنگا رنگ اور منقش فرش مہیا کیے تھے - اور بہت سی حسین وجمیل کنیزیں خدمت کے لیے دی تھیں، ان شاہانہ انتظامات کے ساتھ میسون کو اس محل میں اتارا گیا مگر یہ سب کچھ اس صحرائی عورت کی نگاہ میں خاک تھا اس لیے کہ اسے تو اپنا جنگل اور اس میں چرتی ہوئی بھیڑ بکریاں یاد آتی تھیں ایک دن اتفاق کہ امیر معاویہ کے محل میں آنے کا وقت تھا - میسون نے ایک بہترین پوشاک پہنی اور قیمتی زیورات زیبِ جسم کیے اور خوشبوئیں لگائیں اور اس طرح بن ٹھن کر کنیزوں کے جھرمٹ میں اس کھڑکی کے سامنے بیٹھی جو کہ غوطہ کے مرغزاروں کی طرف تھی - اس کو وہاں کے درخت نظر آئے اور طائروں کے نغموں کی صدا اور پھولوں کی خوشبو آئی - اسے اپنا بادیہ یاد آیا اور اپنی ہمجولیاں اور سہیلیاں یاد آئیں جس سے وہ بیساختہ رونے لگی اور ٹھنڈی سانس بھرنے لگی ایک خواص نے کہا کہ نصیبِ دشمناں آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ حالانکہ آپ تختِ سلطنت پر بیٹھی ہوئی ہیں جو سلطنتِ بلقیس کا جواب ہے میسون نے ایک لمبی سانس لی اور کچھ اشعار پڑھنے لگی جن کا مضمون یہ ہے :-

یقیں سمجھو کہ وہ ڈیرا جس میں چوپائی ہوا کے جھونکے آتے رہتے تھے مجھے اس عالی شان محل سے زیادہ محبوب ہے اور وہ بالوں کی عبا جو میرے جسم پر ہوتی تھی ان باریک اور صاف پوشاکوں سے مجھے زیادہ محبوب تھی اور ایک سوکھی روٹی کا ٹکڑا اپنے جھونپڑے کے کونے میں بیٹھ کر کھانا مجھے ان صاف اور عمدہ روٹیوں سے زیادہ مرغوب تھا اور وہ درہائے کوہ میں ہواؤں کے تھپیڑے کی صدا مجھے طبلوں کی آواز سے زیادہ

دلکش تھی اور وہ کتا جو مہمانوں کے آنے کے وقت بھونکتا تھا ان خوبصورت سدھی ہوئی مرغابیوں سے زیادہ محبوب تھا اور وہ سرکش اونٹ جو ہودجوں کو لے کر چلتا تھا مجھے اس زین و لجام سے آراستہ خچر سے زیادہ پسند تھا اور میرے قوم قبیلہ کا ایک دبلا پتلا حقیر آدمی مجھے ایک سخت بدخو مسٹنڈے سے زیادہ محبوب تھا۔

جب معاویہ آئے تو اس خواص نے یہ تمام قصہ اُن سے بیان کیا — انھوں نے یہ اشعار پڑھتے میسون کو خود بھی سن لیا تھا۔

اس پر انھیں بڑا غصہ آیا اور کہا سب تو سب اس نے مجھے سخت بدخو اور مسٹنڈا بنایا۔ میں اس کو تین طلاقیں دیتا ہوں۔ جاؤ اس سے کہو کہ وہ جو کچھ محل میں ساز و سامان ہے سب کچھ لے لے اور چلی جائے چنانچہ اسے اس کے عزیزوں کے پاس بھجوا دیا۔ اس حالت میں کہ یزید اس کے پیٹ میں تھا۔

چنانچہ یزید کی پیدائش وہیں بادیہ میں ہوئی تھی (دوسری روایت جیسے ہم لکھ چکے ہیں اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی پیدائش دمشق میں ہوئی تھی علامہ زرکلی نے الأعلام میں تحریر کیا ہے کہ اِسکی پیدائش "ماطِرُون" میں دمشق کے نزدیک ہوئی تھی) — دو برس کے بعد جب معاویہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اُس کو وہاں سے بلوا لیا۔ (منقول از حیوٰۃ الحیوان ج ۲ ص ۲۰۷) ———

علامہ دمیری نے لکھا ہے کہ یزید نے اپنے بندر کو گدھے پر بیٹھنے کی مشق کرائی تھی اور گھوڑ دوڑ میں اس کا بڑے شہسواروں سے مقابلہ کرایا اور ایک مرتبہ وہ تمام سواروں سے سبقت بھی لے گیا تو یزید نے اس بارے میں شعر کہے جن کا مطلب یہ تھا:-

کوئی میری طرف سے کہہ دے اس بندر سے جو ایک گدھی کی پشت پر بیٹھ کر گھوڑوں سے آگے نکل گیا کہ اے ابو قبیس! جب تو اس پر سوار ہوا کر تو اس سے لپٹا رہا کر کیونکہ اگر تو گر کر مر گیا تو اس گدھی سے کوئی بازپرس بھی نہ ہو سکے گی۔ (حیوٰۃ الحیوان ج ۲ ص ۲۰۱) مورخ العراق ابنُ الفُوطی (عبدالرزاق بن احمد) نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ یزید نے اپنے بندر کی کنیت "ابو قبیس" مقرر کی تھی اور اپنے ساغر سے بچی ہوئی شراب اُس کو پلایا کرتا تھا اور کہتا

تھا کہ بنی اسرائیل کا یہ ایک بزرگ ہے جو گناہ کی سزا میں مسخ کر دیا گیا تھا
یزید اس بندر کو ایک گدھی پر سوار کیا کرتا تھا جو اسی مقصد سے سدھائی گئی
تھی اور گھوڑ دوڑ کے میدان میں وہ اُسے گھوڑوں کے ساتھ چھوڑ دیا کرتا تھا۔ ایک
روز وہ گدھی سب گھوڑوں سے آگے نکل گئی اور یزید بہت خوش ہوا اور کچھ شعر
پڑھنے لگا جن کا مطلب یہ تھا:۔

اے ابو قیس اس گدھی کی لگام سے لپٹا رہا کر کیونکہ اگر تو گر پڑا تو اس پر
کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ اس گدھی نے یہ کار نمایاں کیا ہے کہ وہ تمام گھوڑوں
سے آگے نکل گئی۔ (اعیان الشیعہ ج ۴ ص ۲۹۸)

یزید کے حالات پر مزید روشنی

ثمرات الاعواد ج ۱ ص ۱۳۱ پر ہے: یزید
کی ولادت زمانہ خلافتِ ثالثہ ۲۵ھ ہجری
بعض کے نزدیک ۲۶ھ ہجری میں اپنے ننھیال میں ہوئی تھی جو سب نصرانی تھے اور
وہیں اس نے نصرانی ماحول میں عیسائی طریقہ پر تربیت حاصل کی۔ یہاں تک کہ
جب وہ جوان ہو گیا اور لوگ اسے معاویہ کے پاس لائے تو وہ اُن سے کوئی مشابہت
نہ رکھتا تھا۔ اس کا موٹا اور بھدّا جسم اور گندمی رنگ تھا اور چہرہ پر چیچک کے
نشانات تھے۔

المنجد بابُ الاعلام ص ۵۲۴ پر ہے: مَیسُون زوجہ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید
کی تربیت صحرائی وطن میں کی تھی۔ یہ عیسائی تھی اور بُحدل یا بَہدل بن کُلیب
کے عیسائی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔

علامہ مسعودی اپنی تاریخ مُروج الذہب ج ۲ ص ۹۴ پر لکھتے ہیں کان یزید
صاحب طرب الخ یزید کھیل کود کا دلدادہ تھا، شکاری جانور، کتے، بندر اور
چیتے پالتا تھا اور بڑا شراب خوار تھا۔ یزید کے ساتھیوں اور درباریوں نیز اس کے
عاملوں اور حکام پر فسق و فجور غالب تھا۔ یزید کے زمانہ حکومت میں مکہ اور مدینہ میں
گانا بجانا رائج ہوا اور آلاتِ طرب استعمال کیے گئے اور لوگوں نے علانیہ شراب
خواری شروع کر دی۔

یزید کے پاس ایک بندر پلا ہوا تھا جس کا نام ابو قیس تھا جسے وہ اپنی بزمِ شراب

میں لاتا تھا اور اس کے بیٹھنے کے لیئے ایک تکیہ رکھا جاتا تھا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں ۔۔۔ جب یزید اور اس کے حکّام کا ظلم عام ہوگیا اور مملکت کے عوام وخواص اس کا شکار ہو گئے اور یزید کا فاسق ہونا پوری طرح ثابت ہوگیا کیونکہ اس نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ کے فرزند (امام حسین) اور اُن کے تمام انصار کو شہید کرایا تھا اور اُس کی شراب خواری کا بھی سب کو علم ہوگیا اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اُس کی سیرت بالکل فرعون کی سی بلکہ فرعون تو اس سے زیادہ انصاف پسند تھا اپنی مملکت کے لوگوں کے حق میں۔ ان حالات کی بنا پر مدینہ کے لوگوں نے اس کے عامل کو شہر سے خارج کر دیا جس کا نام عثمان بن محمد بن ابی سفیان تھا اور اس کے ساتھ ہی وہاں جس قدر بنی امیہ کے لوگ تھے مروان بن الحکم سمیت سب کو خارج کر دیا۔

آخر میں لکھتے ہیں: یزید کے حالات عجیب اور حیرت انگیز تھے اور اس میں کثرت سے بُرائیاں جمع تھیں، شراب خواری، فرزند رسُول کا قتل، وصی رسُول کی شان میں گستاخی اور زبان درازی، کعبۂ مکرّمہ کی عمارت گرانا، اس میں آگ لگانا، مسلمانوں کی خونریزی اور فسق وفجور وغیرہ یہ ایسے گناہ تھے جن کے بعد اس کی مغفرت کا امکان باقی نہیں رہ سکتا جس طرح توحید کا منکر اور انبیاء کی نبوت کا انکار کرنے والا قابلِ مغفرت نہیں۔

(ثمرات الاعواد ج ۱ ص ۳۰) یہ ہے کہ معاویہ کے انتقال کے بعد یزید تختِ حکومت پر متمکن ہوا پھر تین سال ۶ ماہ تک اس کی سلطنت باقی رہی۔ پہلے سال اس نے فرزندِ رسول حضرت امامِ حسین اور اُن کے انصار واقربا، کو شہید کیا، دوسرے سال اس نے مدینہ پر حملہ کیا یعنی ۶۲ سنہ ہجری کے آخر اور ۶۳ سنہ ہجری کی ابتدا میں اور تیسرے سال اس کے حکم سے مکہ پر حملہ ہوا اور کعبۂ مکرّمہ کو منہدم کیا گیا۔

مدینہ پر حملہ کی تفصیل گذشتہ حوالہ ثمرات الاعواد کے تحت ۔۔ مدینہ کے مسلمانوں نے جنگ حرّۃ کی شب میں یزید کے خلاف لڑنے کے لیئے موت پر بیعت کی تھی۔ اور عبد اللہ بن حنظلہ نے کہا تھا کہ اے قوم! اللہ سے ڈرو جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی قسم ہم نے یزید کے خلاف

اُس وقت تک خروج نہیں کیا جب تک ہمیں اس کا خوف نہیں پیدا ہوگیا کہ اب ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوگی۔ کیونکہ تختِ خلافت پر اُس شخص کا قبضہ ہے جو اپنی ماؤں بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ زنا کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور تارکُ الصّلوٰۃ ہے۔ اللہ کی قسم اگر میرے ساتھ کوئی شخص بھی نہ رہے گا جب بھی میں اس جنگ کی آزمائش میں پورا اتروں گا۔ پھر جب یزید کا گورنر اور مَروان نیز تمام بنی اُمیّہ مدینہ سے نکال دیئے گئے تو یزید نے مدینہ پر حملہ کے لیئے ایک بڑا لشکر روانہ کیا جس کا کمانڈر مسلم بن عُقبہ مُرّی کو مقرر کیا جس نے مدینہ پہنچ کر زبردست تباہی مچادی، پورے شہر کو لوٹ لیا، اُس کے باشندوں کو تہہ تیغ کیا اور جو رہ گئے اُن سے اس اقرار پر بیعت لی کہ وہ سب یزید کے غلام رہیں گے۔ اس کے ساتھ اُس نے مدینہ کا نام "فِتنہ" رکھدیا جبکہ رسول اللہؐ نے اس شہر کا نام "طَیبہ" رکھا تھا اور فرمایا تھا کہ جس شخص نے مدینہ والوں کو خوفزدہ کیا اسے اللہ خوفزدہ کریگا۔

پھر آگے بڑھ کر علّامہ مسعودی مروج الذھب ج ۲ ص ۹۵ پر لکھتے ہیں:۔

جب یزید کا لشکر اس مقام تک پہنچ گیا جو "حَرّہ" کے نام سے مشہور تھا جبکہ اس لشکر کا سردار مُسرِف (مسلم بن عُقبہ مُرّی) تھا تو اس کے مقابلہ کے لیئے حَرّہ کے باشندے نکلے جن کی قیادت عبداللہ بن مُطیع العَدَوی اور عبداللہ بن حنظلہ الغَسِیل الانصاری کر رہے تھے۔

اس کے بعد جنگ شروع ہوگئی اور بہت سخت رن پڑا جس میں بڑی کثرت کے ساتھ لوگ قتل ہوگئے۔

(مُترلت الاَعْوَاد بحوالۂ سابق) مُسلم بن عُقبہ مُرّی نے پورے شہر مدینہ کو لوٹ لیا اور اپنی فوج کے لیئے اُس کو تین روز کے لیئے مُباح کردیا کہ وہ جو چاہے ظلم و ستم کرے۔ غرض اس لڑائی میں صحابہ کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی اور کوئی بدری صحابی تو اس کے بعد باقی ہی نہ رہا۔

عرب اور غیر عرب اور تابعین کے دس ہزار آدمی اس جنگ میں قتل کیئے گئے اور ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی۔

(اب ہم پھر مُرُوجُ الذّھَب ج ۲ ص ۹۶ کی طرف رجوع کرتے ہیں):۔ حضرتِ

امام زین العابدین علی بن الحسین روضۂ رسولؐ میں قبر اقدس کی پناہ میں تھے اور عبادت میں مشغول تھے۔ اسی حالت میں مسلم بن عقبہ کے سپاہی آئے اور وہ آپ کو اُس کے پاس لے گئے جبکہ وہ بڑے غیظ و غضب کے عالم میں آپ کا منتظر تھا اور آپ کی اور آپ کے آباء کرام کی شان میں گستاخیاں کر رہا تھا مگر فوراً تو تعظیم کے لیئے اٹھا اور آپ کو اپنے پہلو میں جگہ دی اور عرض کی کہ آپ کی جو کچھ حاجت ہو وہ بیان کیجئے تاکہ میں اسے پورا کردوں یہ سُن کر امام نے اپنی کوئی حاجت بیان نہیں کی اور صرف اُن لوگوں کی سفارش فرماتے رہے جو قتل کے لیئے لائے جاتے تھے۔ اس کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے۔

جب آپ تشریف لے جا چکے تو درباریوں نے اس سے پوچھا کہ تم اس جوان کے آنے سے پہلے اس کو اور اس کے آباء و اجداد کو گالیاں دے رہے تھے مگر جیسے ہی وہ تمہارے پاس لائے گئے تو فوراً تم اُن کی تعظیم کرنے لگے۔ اس کی کیا وجہ تھی۔

اس نے جواب دیا کہ میں انھیں دیکھتے ہی بے حد مرعوب اور خوف زدہ ہو گیا۔

مسعودی آگے چل کر لکھتے ہیں :- جب یزید کا کمانڈر مُسلم بن عقبہ مدینہ میں قتل و غارت کر چکا تو پھر وہ مکہ کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ وہ عبد اللہ بن زبیر اور اہلِ مکہ پر لشکر کشی کرے جس کا یزید نے اسکو حکم دیا تھا۔ یہ واقعہ ۶۳ھ ہجری کا ہے۔ لیکن یہ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا اور مکہ کے راستہ ہی میں جب یہ مقام "قدید" تک پہنچا تو اس ملعون کا پیغامِ اجل آگیا اور مر گیا۔ اس کی موت کے بعد لشکر کا سردار حُصین بن نمیر کو بنایا گیا چنانچہ وہ مکہ کے قریب پہنچ گیا اور چاروں طرف سے اُس کے لشکر نے مکہ کو گھیر لیا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر عبد اللہ نے خانہ کعبہ میں پناہ لی ——— حُصین نے مکہ کے گرد منجنیقیں اور عَرّادات (پتھر پھینکنے کے آلات) نصب کرا دیئے تاکہ ان کے ذریعہ سے شہر اور مسجد الحرام اور کعبۂ مکرمہ پر پتھروں کی بارش کر کے تباہی پھیلا دی جائے۔

یہ تمام آلات مکہ کے گرد و نواح کے پہاڑوں پر نصب تھے جبکہ ابن زبیر کعبہ کے اندر پناہ گزین تھے اور اُن کے ساتھ مختار بن ابی عُبیدۃ الثقفی بھی تھے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد کعبہ پر پتھروں کی بارش شروع ہو گئی ان پتھروں

کے ساتھ آگ، اور آگ لگانے والی چیزیں بھی پھینکی جا رہی تھیں یہاں تک کہ کعبہ کی دیواریں زمین پر آگئیں اور پوری عمارت جل کر تباہ و برباد ہو گئی ——

اتفاق یہ کہ اسی موقع پر ایک آسمانی بجلی گری جس سے منجنیق کی رجمنٹ کے گیارہ فوجی ہلاک ہو گئے اور بعض نے اس سے زیادہ تعداد بتائی ہے۔ یہ واقعہ ہفتہ کے دن کا ہے جبکہ ماہ ربیع الاوّل ۶۴ھ ہجری کی تیسری تاریخ تھی۔ یزید کی موت سے صرف گیارہ دن پہلے۔

اس شدید حملہ اور تباہی سے عبد اللہ بن زبیر اور تمام اہل مکہ سخت پریشان تھے —— (یزید کی موت کی خبر سن کر یہ لشکرکشی ختم ہوئی اور شام کی فوج چلی گئی)

یزید کی موت

یزید چودہ ۱۴ ربیع الاوّل ۶۴ھ ہجری کی شب میں مرگیا۔ رات کو خوب شراب پی کر سویا اور صبح کو بستر پر مردہ پایا گیا۔ اس کا جسم سیاہ تھا جیسے تارکول مل دیا گیا ہو۔

(سفینۃ البحار ج دال زیر کلمہ زید) :— احمد بن یوسف القرمانی اپنی تاریخ اخبار الدّول میں لکھتے ہیں کہ یزید ۲۵ھ ہجری یا ۲۶ھ ہجری میں پیدا ہوا تھا۔

یہ بہت موٹا تھا اور اس کے جسم پر بال بہت تھے۔ اس کی ماں میسون بنت بجدل کلبیہ تھی (اس کے بعد لکھتے ہیں) نوفل بن ابی فرات نے بیان کیا کہ ایک روز میں اُموی خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے پاس حاضر تھا کہ ایک شخص نے یزید کا ذکر کیا اور اس کے نام کے ساتھ "امیر المؤمنین" کا جملہ بھی کہا۔ یہ سن کر عمر بن عبد العزیز کو بے حد غصّہ آگیا اور کہنے لگے کہ تو یزید کو امیر المؤمنین کہتا ہے! اس کے بعد حکم دیا کہ اس شخص کے بیس ۲۰ کوڑے لگائے جائیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ یزید ماہ ربیع الاوّل ۶۴ھ میں مرض ذات الجنب (نمونیا) میں مبتلا ہو کر مرگیا۔ جس مقام پر اس کی موت واقع ہوئی تھی اس کا نام حوران ہے (اکثر تاریخوں میں اُس کا نام حُوّارین ہے۔ مؤلف) پھر اُس کی میّت کو دمشق لایا گیا۔ جہاں اُس کی قبر تھی اب وہاں مزبلہ ہے۔ اس کی عمر ۳۷ سال کی ہوئی اور مدّتِ سلطنت تین ۳ سال نو ۹ ماہ۔

معاویہ پر ابن قُتیبہ کا تبصرہ

(المعارف از ابن قُتیبہ صد ۱۵۲) :— معاویہ بن ابی سفیان کی کنیت ابو عبد الرحمان تھی یہ ۸ شہ ھ

فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے ۔۔۔ پھر لکھتے ہیں ۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان کی خلافت کے دور میں یہ بیس سال تک شام کے گورنر رہے پھر ۴۱ ہجری میں بحیثیت خلیفہ کے ان کی بیعت ہوئی جبکہ ان کی عمر ۶۲ سال تھی تقریباً بیس سال انھوں نے خلافت کی ۔ ان کی وفات دمشق میں سنہ ۶۰ ہجری میں واقع ہوئی جبکہ ان کی عمر ۸۲ سال کی تھی ۔ ابتک ہمنے معاویہ بن ابی سفیان کے حالات کا قدیم و جدید مصنفین کے بیانات کی روشنی میں سرسری طور پر جائزہ لیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے قرآن وسنتِ رسول اور سیرتِ صحابہ کرام کی بنیادیں گرانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور بالآخر رومن امپائر کے نقشِ قدم پر انھوں نے اسلامی نظریہ خلافت کو ملوکیت کے سانچے میں ڈھال کر ہی دم لیا ۔ اس نقطۂ نظر کی بنا پر بھی حضرت امام حسین کا یہ زبردست کارنامہ ہے کہ آپ نے اپنی بے مثال قربانی سے اسلام کے خلاف اس سازش کا ہمیشہ کیلئے پردہ چاک کر دیا ۔ اسی امپیریلزم کی سازش کے نتائج کے پیش نظر اس تفرقہ کو

اب ہم تاریخ کامل ج ۳ ص ۳۶۳ سے بیعت یزید کا کچھ حال نقل کرتے ہیں :۔

۔۔۔ ماہ رجب سنہ ۶۰ ہجری میں معاویہ کی موت کے بعد یزید کی بحیثیت خلیفہ بیعت کی گئی ۔ جب یزید کو خلافت ملی اُس وقت مدینہ میں ولید بن عتبہ بن ابی سفیان گورنر تھا ۔ اس کے علاوہ دوسری جگہوں پر حسب ذیل لوگ گورنر تھے ۔۔۔ مکہ میں عمرو بن سعید بن العاص، بصرہ میں عبیداللہ بن زیاد اور کوفہ میں نعمان بن بشیر تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد یزید کو صرف ایک ہی فکر تھی اور وہ یہ کہ کسی نہ کسی طرح اُن لوگوں کو بیعت پر مجبور کر دیا جائے جنہوں نے معاویہ کی زندگی میں بیعت کرنے سے انکار کیا تھا ۔ اس لئے اُس نے ولید بن عتبہ کو خط لکھا جس میں اس نے معاویہ کی وفات کی خبر تحریر کی تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک مختصر خط بھی اُسکے نام لکھا تھا جس میں ولید کو حکم دیا تھا کہ وہ امام حسین، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے بیعت لے اور جبتک یہ لوگ بیعت نہ کرلیں انھیں ذرا سی بھی مہلت نہ دے ۔ جب یہ خط ولید کو ملا تو اُس نے فوراً مروان بن الحکم کو طلب کیا تاکہ اُس سے اِس امر میں مشورہ کرے ۔۔۔ خود مروان مدینہ میں ولید سے قبل گورنر رہ چکا تھا مگر جب معاویہ نے مروان کو اس منصب سے الگ کر دیا اور ولید کو

گورنر بنایا اور ولید مدینہ میں پہنچا تو مروان بڑی کراہت کے ساتھ ولید سے ملاقات کر لے آیا کرتا تھا — یہ حال دیکھ کر ولید نے اپنے درباریوں کے روبرو اس کی مذمت کی — جب یہ خبر مروان کو پہنچی تو اس نے ولید کے پاس آنا بالکل ہی چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ معاویہ کے مرنے کی اطلاع آگئی۔

غرض اس خط کی وصولیابی کے بعد ولید نے خاص طور پر مروان کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی اور وہ آیا تو اسے یزید کا خط دکھایا۔ مروان نے خط پڑھا اور بہت افسوس کا اظہار کیا پھر ولید نے اس سے اس بات میں مشورہ کیا کہ ان لوگوں سے کس طرح بیعت لی جائے۔ مروان نے سب کچھ سن کر رائے دی کہ ان سب لوگوں کو اسی وقت طلب کیا جائے اور ان سے بیعت لے لی جائے قبل اس کے کہ خود ان لوگوں اور دوسرے لوگوں کو معاویہ کی موت کا علم ہو سکے۔

کیونکہ اگر ان لوگوں کو معاویہ کی وفات کا علم ہو گیا تو ان میں سے ہر ایک اپنی خلافت کے لیے اٹھ کھڑا ہوگا اور اختلاف کا پرچم لہرا دیگا۔ صرف عبداللہ بن عمر ایسے ہیں کہ انھیں جنگ و جدال سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور وہ اس کی کوشش نہ کریں گے کہ بزور شمشیر لوگوں پر خلافت کریں ہاں اگر انھیں خلافت بغیر جنگ اور خوں ریزی کے یوں ہی مل جائے تو قبول کر لیں گے۔

یہ سن کر ولید بن عتبہ نے عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو جو بہت کم سن تھا امام حسین اور عبداللہ بن زبیر کے پاس بھیجا۔ وہ جب ان کے پاس پہنچا تو یہ دونوں حضرات مسجد نبیؐ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عمرو ان لوگوں سے ایسے وقت ملا جو ولید کے دربار کا وقت نہ تھا اور وہ اس وقت کسی سے بھی ملاقات نہیں کرتا تھا۔ عمرو نے ان لوگوں سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ کو گورنر نے ابھی بلایا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ تم واپس جاؤ ہم لوگ ابھی آتے ہیں۔ جب وہ چلا گیا تو عبداللہ بن زبیر نے امام حسین سے کہا کہ ولید تو اس وقت کسی سے بھی ملاقات نہیں کرتا آخر کیا خاص بات ہے! یہ اس وقت ہم لوگوں کو اس نے کیوں بلایا ہے! امام حسین نے فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ ہلاک ہو گئے اس بنا پر ہم لوگوں کو طلب کیا گیا ہے تاکہ ہم سے اس کے قبل بیعت لے لی جائے کہ عوام کو اس کی خبر ہو۔

عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے جو آپ نے فرمایا۔ اب فرمائیے کہ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ امام حسین نے فرمایا کہ میں ابھی اپنے مکان جا کر بنی ہاشم کے جوانوں کو جمع کرتا ہوں اور انھیں ساتھ لے کر ولید کے پاس جاؤں گا۔ وہاں پہنچ کر اپنے تمام ساتھیوں کو دَارُالاِمَارَۃ کے دروازہ پر چھوڑ دونگا۔ اور خود تنہا ولید سے ملوں گا۔

عبداللہ نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کو ولید کوئی تکلیف نہ پہنچا دے امام نے جواب دیا کہ نہیں میں دفاع کے لیے ہر طرح کی تیاری کر لوں گا۔ یہ کہہ کر امام حسین اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گھر پہنچ کر جوانانِ بنی ہاشم کو جمع کیا اور پھر ان کے ساتھ دَارُالاِمَارَۃ تشریف لے گئے اور ساتھیوں کو ہدایت کردی کہ تم لوگ یہیں ٹھہر جاؤ، میں تنہا اندر جاتا ہوں۔ تم سب انتظار کرتے رہنا جیسے ہی میں تمہیں آواز دوں یا تم سنو کہ میری آواز بلند ہوئی ہے تو فوراً قصر کے اندر داخل ہو جانا۔ یہ فرما کر آپ ولید کے پاس قصر کے اندر چلے گئے۔ دیکھا تو وہاں ولید کے نزدیک مَروان بھی بیٹھا ہوا تھا۔

مروانؔ[۵] کو دیکھ کر امام حسین نے فرمایا: آپ لوگوں میں باہم اختلاف تھا۔ بڑا اچھا ہوا کہ یہ اختلاف دور ہو گیا کیونکہ صُلح فساد سے بہر حال بہتر ہے اور اتحاد و اتفاق ہر حال میں اختلاف و انتشار سے افضل ہے۔ اللہ آپ کے دلوں کو نفرت و کُدورت سے بالکل صاف و پاک کردے۔ یہ کہتے ہوئے آپ بیٹھ گئے۔ پھر ولید نے آپ کو یزید کا خط دکھایا اور معاویہ کی خبرِ مرگ سنائی اور بعیتِ یزید کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا کہ بعیت کا معاملہ رازداری کے ساتھ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ جب تم اس مسئلہ کو عوام کے سامنے

ع۵ مَروَان بن الحکم بن ابی العاص بن اُمیہ ۲ ہجری میں مکہ میں پیدا ہوا، طائف میں پلا بڑھا پھر مدینہ چلا آیا۔ حضرت عثمان نے اس کو اپنے خاص لوگوں اور کاتبوں میں مقرر کیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد یہ بصرہ چلا گیا تھا۔ جنگِ جَمل میں حضرت عائشہ کے ساتھ رہا اور حضرت علی سے جنگ کی۔ جنگِ صِفّین میں معاویہ کے ساتھ رہا۔ ۴۲ ہجری میں معاویہ نے اس کو مدینہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ اس کے بعد گورنری سے معزول کر دیا گیا۔ (باقی فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر)

پیش کرنا تو اسی وقت ہم سے بھی کہنا - یہ جواب سن کر اس نے امام حسین سے عرض کی کہ اچھا تو پھر مکان واپس تشریف لے جائیں کیونکہ ولید بات کو بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ یہ دیکھ کر مروان نے کہا اے ولید اگر حسین اس وقت تمہارے ہاتھ سے نکل گئے تو پھر کبھی تم انھیں نہ پاسکو گے اور یہ ہرگز بیعت نہ کریں گے - مصلحت یہی ہے کہ تم اسی وقت انھیں گرفتار کر لو پھر اگر یہ بیعت کرتے ہیں تو خیر ورنہ ان کا سر کاٹ لو۔

یہ سنتے ہی امام حسین نے غصہ سے فرمایا کہ اے "زرقاء" کے بیٹے کیا تجھ میں اسقدر طاقت و قوت موجود ہے کہ تو مجھ کو قتل کر سکتا ہے یا اس ولید میں اتنی ہمت ہے! اللہ کی قسم تو کاذب ہے اور گنا ہگار ہے - اس کے بعد آپ دارُ الامارۃ سے باہر چلے آئے اور اپنے گھر واپس پہنچ گئے - اس واقعہ کے بعد مروان نے ولید بن عتبہ سے کہا تم نے میرے کہنے پر عمل نہیں کیا اور حسین کو جانے دیا - خدا کی قسم اب کبھی تمہیں اُن پر قابو حاصل نہ ہو سکے گا —— ولید نے جواب دیا کہ اے مروان اگر مجھے اُن تمام چیزوں پر قبضہ دیدیا جائے جن پر سورج نکلتا ہے اور جن سے غروب کرتا ہے اور کہا جائے کہ حسین کو اس کے عوض میں قتل کردوں تو میں ہرگز ایسا نہ کروں گا۔

عبداللہ بن زبیر ولید کے پاس جانے کے بجائے اپنے گھر میں جا کر روپوش

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) آخر میں معاویہ بن یزید کے خلافت سے اعتزال کے بعد ۶۴ھ ہجری میں مصر اور اردن کے علاقہ میں اس کی بحیثیت خلیفہ کے بیعت کی گئی پھر ۶۵ھ ہجری میں طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر دمشق میں وفات پائی - بعض نے کہا ہے کہ اس کی زوجہ اُمِّ خالد نے اس کو سوتے میں قتل کر دیا تھا - اُمِّ خالد اس کی زوجیت میں آنے سے قبل یزید بن معاویہ کی زوجہ تھی (الاعلام ج ۸) مروان کے باپ حکم بن ابی العاص کو آنحضرتؐ نے مدینہ سے خارج کر دیا تھا کیونکہ یہ از راہِ تمسخر حضورِ انور کی نقل کرتا تھا اور دوسری گستاخیاں کرتا تھا - آنحضرتؐ نے اس کے باپ اور خود اس پر لعنت کی - حضرت علی بھی اسے ملعون بن ملعون کہا کرتے تھے (سفینۃ البحار ج ۱ ص ۲۹۳) — حضرت عائشہ نے بھی اس سے فرمایا تھا کہ اللہ نے تیرے باپ پر لعنت کی ہے اور تو بھی اس لعنت میں داخل ہے (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۵۳۶) بحوالہ النہایۃ۔

ہو گئے۔ ولید نے اس کے بعد اُن کے مکان پر کچھ آدمیوں کو روانہ کیا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ انھوں نے بہت سے لوگوں کو جمع کر رکھا ہے۔ ولید کی جانب سے اس کے آدمیوں نے اصرار کیا کہ عبد اللہ ان کے دارُالامارۃ چلیں مگر یہ نہیں گئے اور کچھ مہلت طلب کی۔ ولید نے یہ بات سن کر پھرا پنے غلاموں اور ملازموں کو ان کے گھر بھیجا۔ مگر عبد اللہ وہاں جانے پر رضا مند نہ ہوئے تو ولید کے لوگوں نے انھیں سخت ترین گالیاں دیں اور دھمکی دی کہ اگر تم دارُالامارۃ نہ جاؤ گے تو ہم تم کو قتل کر دیں گے۔ یہ سن کر عبد اللہ بن زبیر بولے: چونکہ ولید کی طرف سے بار بار میری طلبی کے لیئے حکومت کے افراد آ رہے ہیں اس لیئے میں خوفزدہ ہوں کہ ایسا نہ ہو مجھے وہاں بلا کر قتل کر دیا جائے۔ اس بنا پر مجھے تم لوگ کچھ مہلت دو تاکہ میں پہلے کسی شخص کو امیر کے پاس بھیجوں اور اس کی رائے معلوم کر لوں پھر میں خود جاؤں۔

جب مہلت ملی تو انھوں نے اپنے بھائی جعفر بن زبیر کو ولید کے پاس روانہ کیا۔ جعفر نے کہا اے ولید تم نے اپنے آدمیوں کو عبد اللہ کی طلبی کے لیئے بار بار بھیج کر انھیں ڈرا دیا ہے اور اب وہ انشاء اللہ کل تمہارے پاس آئیں گے اس لیئے تم اب کسی کو اُن کے پاس نہ بھیجنا۔ ولید نے اپنے نوکروں کو منع کر دیا مگر عبد اللہ اور جعفر دونوں اس مہلت کو غنیمت سمجھکر رات ہی کو مکّہ کی طرف تیزی سے روانہ ہو گئے جب ولید کو عبد اللہ کے فرار کی اطلاع ملی تو اُس نے فوراً اُن کے گرفتار کرنے کے لیئے سوار بھیجے مگر انھیں کوئی بھی نہ پا سکا اور وہ مکّہ چلے گئے۔

ولید کے سپاہی جب ناکام واپس آئے تو پھر اُس رات کو وہ امام حسین کی طلب میں نہیں گئے۔ دوسری رات میں ولید نے کچھ لوگوں کو امام حسین کی طلب میں بھیجا تو انھوں نے فرمایا کہ صبح ہونے دو پھر ہم سب ملکر اس مسئلہ پر غور کریں گے چنانچہ سپاہی واپس چلے گئے۔ پھر امام حسین بھی مکّہ کی طرف روانہ ہو گئے (طبری کے بیان کے مطابق یہ اتوار کی رات تھی اور آپ کی روانگی مکّہ ۲۸ رجب ۶۰ھ ہجری کو ہوئی تھی۔ امام حسین نے اپنے ہمراہ اپنے فرزندوں، بھائیوں، بھائیوں کی اولاد اور تمام اہل بیت کو لیا سوائے اپنے چھوٹے بھائی محمد بن علی (محمد بن حنفیہ) کے۔ اس موقع پر محمد نے امام حسین سے عرض کی۔ اے میرے بھائی! آپ کی

محبت وعزت میرے دل میں سب سے زیادہ ہے اور میں جو کچھ بھی خیر خواہی آپ کے لیے میرے امکان میں ہے اس سے دریغ نہیں کروں گا۔ آپ یزید کی ہرگز بیعت نہ کیجئے گا اور جس قدر ممکن ہو دور دراز مقامات پر چلے جائیے تاکہ وہاں آپ تک کوئی بھی نہ پہنچ سکے اس کے ساتھ ہی آپ اپنے قاصد قبائل اور اہم شخصیتوں کے پاس روانہ کریں اور ان سے اپنی نصرت طلب فرمائیں۔ پھر اس کے بعد اگر ان لوگوں نے آپ کی بیعت کرلی تو خیر ورنہ آپ کے علاوہ کسی اور کی بیعت سے آپ کی عزت واستحقاق میں کوئی فرق نہیں آسکتا اور اس میں کوئی کمی نہیں پیدا ہو سکتی۔ مجھے خوف ہے کہ اگر آپ کسی شہر کا رخ کریں گے تو وہاں کچھ لوگ آپ کے مخالف ہوں گے اور کچھ موافق ہو جائیں گے۔ پھر ان میں باہم جنگ ہوگی، اور خون خرابہ ہوگا اور از روئے نسب وفضل وکمال اُمتِ محمدی کے بہترین فرد اور اُس کے اہل وعیال کی بے حرمتی اور توہین کی جائے گی۔

امام حسین نے یہ سن کر دریافت کیا کہ اے بھائی پھر میں تمہارے خیال میں کہاں چلا جاؤں۔ محمد نے عرض کی حضور مکہ تشریف لے جائیں کیونکہ وہ حرم خدا ہے اور اگر وہاں بھی اطمینان اور سکون نہ ملے تو آپ ریگستان اور پہاڑوں میں چلے جائیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہوتے رہیں اور بغور دیکھتے رہیں کہ یہ معاملہ کس نتیجہ تک پہنچتا ہے۔ اس کے بعد آپ کو کسی بات پر قطعی فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

امام حسین نے فرمایا: محمد! تم نے بڑی اچھی رائے دی ہے۔ پھر آپ مسجد نبیؐ میں گئے اور زیارتِ روضۂ رسولؐ سے مشرف ہوکر مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

اسی سال مدینہ کی گورنری سے یزید نے ولید بن عُتبہ کو معزول کردیا اور اس کی جگہ پر عمرو بن سعید الاشدق کو گورنر مدینہ نامزد کیا (الکامل ابن اثیر ج ۴ ص ۲۶۳ مطبوعہ بیروت)

اب ہم خطیب علی بن الحسین الهاشمی کی کتاب "ثمراتُ الاعواد" ج اول ص۴۲ سے مزید تفصیل نقل کرتے ہیں (ترجمہ) جب یزید کی تخت نشینی کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو اس نے ولید بن عُتبہ بن ابی سفیان کو ایک خط لکھا جس میں اُسے حکم دیا کہ

وہ یزید کے لیے تمام اہل مدینہ سے عموماً اور امام حسین، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر سے خصوصی طور پر بیعت حاصل کرے اور وہی سب کچھ لکھا جو ہم تحریر کر چکے ہیں۔ پھر ولید نے خط پڑھ کر مروان کو بلوایا اور وہی سب کچھ ہوا جو اس سے قبل بیان کیا گیا ——

غرض امام حسین دار الامارۃ تشریف لے گئے جہاں ولید نے آپ کی بہت تعظیم و تکریم کی — پھر مروان کی گستاخی کا ذکر ہے اور امام حسین کا غصہ میں بھرا ہوا لیکن انتہائی خود دارانہ اور مدبرانہ جواب درج ہے۔ امام نے اُس وقت مروان کو یَا ابْنَ الزَّرْقَاء اے زرقاء کے بیٹے! کہکر خطاب فرمایا تھا — "زرقاء" مروان کی دادی کا نام تھا جو زنا کاری اور فسق و فجور میں بڑی شہرت رکھتی تھی — اس سے امام عالی مقام نے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ مروان نہ تو صحیح النسب تھا اور نہ اُس کی تربیت شریفانہ ماحول میں ہوئی تھی۔ پھر آپ نے ولید بن عتبہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ امیر! ہم اہل بیت نبوت اور معدنِ رسالت ہیں اور یزید ایک فاسق اور شرابخوار آدمی ہے اور میں ایسے مقام پر ہوں کہ میرے لئے یزید کی بیعت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا — جب امام حسین کی آواز بلند ہوئی تو تمام بنی ہاشم جنہیں آپ نے دار الامارۃ کے دروازہ پر ٹھہرا دیا تھا ایک دم اندر چلے آئے جن میں سب سے آگے حضرت ابو الفضل العباس بن امیر المومنین تھے۔ آپ کی تلوار برہنہ تھی اور حکم امام کے منتظر تھے۔ پھر چاروں طرف سے تمام بنی ہاشم نے امام حسین کو حلقہ میں لے لیا اور اس صورت سے آپ اپنے مکان پر واپس تشریف لائے۔

پھر ص۱۵ پر مدینۃ المعاجز وغیرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: جب امام حسین نے مدینہ سے مکہ کی طرف روانگی کا ارادہ فرمایا تو نصف شب کے وقت اپنے نانا حضرت رسالتمآبؐ کی قبر اقدس پر حاضر ہوئے اور پاس کھڑے ہو کر رونے لگے پھر کہا:۔ السلام علیک یا رسول اللہ، میں فاطمہ زہراء کا فرزند ہوں، میں آپ کی چہیتی بیٹی کا بیٹا ہوں اور آپ کا نواسہ ہوں جس کو آپ اپنی اُمت میں چھوڑ گئے ہیں۔ اے نانا! آپ گواہ رہیئے گا کہ ان لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا، میری توہین کی، مجھے ضائع کیا اور میری حفاظت نہ کی۔ میں آپ سے ان کی شکایت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ اس کے بعد رات کے بقیہ حصہ میں نمازیں پڑھنے اور

عبادت کرتے رہے ۔ اُدھر ولید نے امام کے مکان پر آدمی بھیج کر یہ جاننے کی کوشش کی کہ آپ شہر سے روانہ ہو گئے یا نہیں ۔ اور جب اس کے نمائندوں نے واپس آکر خبر دی کہ امام حسین مکان پر نہیں ہیں اور بظاہر وہ مدینہ سے چلے گئے تو ولید یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا : اللہ کی حمد و ثنا جس نے حسین کو مدینہ سے بحفاظت باہر بھیج دیا اور مجھے ان کے خون میں شریک اور مبتلا ہونے سے محفوظ رکھا۔ غرض جب صبح ہو گئی تو امام حسین روضہ رسولؐ سے گھر واپس آئے ۔ دن گذر گیا ۔ دوسری رات آئی تو پھر امام روضہ سرورؐ کائنات کی طرف روانہ ہو گئے اور نمازیں پڑھتے رہے ۔ جب نمازوں سے فارغ ہوئے تو بارگاہ ایزدی میں عرض کی : بارالٰہا ! یہ تیرے نبی محمدؐ کی قبر ہے اور میں تیرے نبیؐ کی بیٹی کا فرزند ہوں اور جو حالات اس وقت مجھے درپیش ہیں ان کا تجھے علم ہے ۔ پروردگارا ! میں نیکی کو پسند کرتا ہوں اور برائی سے نفرت رکھتا ہوں ۔ اے ذوالجلال والاکرام ! تجھے میں اس قبر کا اور اس ذات کے حق کا جو اس کے اندر ہے واسطہ دیکر تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے لیئے وہی بات اختیار فرما جس میں تیری خوشنودی ہو اور تیرے رسولؐ کی شان کے لیئے مناسب اور بہتر ہو ۔ اس کے بعد آپ قبر کے پاس (لپٹ کر) رونے لگے اور پھر روتے ہی رہے ۔ اسی حالت میں کہ آپ اپنا سر قبر اقدس پر رکھے ہوئے رو رہے تھے ، آپ کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالتمآبؐ فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں اور آپ کے داہنے بائیں اور سامنے اور پس پشت انبیاء کرام کی بھی ایک جماعت ہے ۔ آپ نواسے کے نزدیک آئے اور انھیں اپنے سینے سے لپٹا لیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسے لیئے پھر فرمانے لگے ۔ میرے پیارے نواسے حسین میں گویا تجھے دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب تو اپنے خون میں ڈوبا ہوا کشتۂ خنجر جفا اور سر بریدہ کربلا کی سرزمین میں پڑا ہے ۔ میری اُمت کے کچھ ظالم لوگوں کے درمیان جبکہ تو بھوکا بھی ہے اور پیاسا بھی اور اُن ستمگروں نے تجھے اسی حال میں ذبح کر ڈالا اور پھر بھی وہ قیامت کے روز میری شفاعت کے امیدوار ہیں ۔ اللہ انھیں میری شفاعت ہرگز نصیب نہیں کریگا ۔ اے میرے لخت جگر حسین ! تیرا باپ تیرا چچا اور تیرا بھائی سب کے سب میرے پاس موجود ہیں اور میرے ساتھ وہ سب بھی تیرے یہاں آنے کے مشتاق ہیں ۔ حسین ! میرے نور نظر تیرے لیے جنت میں

وہ بلند درجات ہیں جنہیں بغیر شہید ہوئے تو انھیں نہیں پائے گا۔ حسین رونے لگے اور عرض کی اے میرے چاہنے والے نانا! اب تو میں آپ کے پاس سے الگ ہونا نہیں چاہتا۔ بس مجھے اپنے سے جدا نہ کیجئے۔ رسول اللہ نے فرمایا: حسین! تمہیں دنیا میں ابھی رہنا ہے اور ان مرحلوں سے گذرنا ہے یہاں تک کہ تم اُس عظیم مرتبۂ شہادت پر فائز ہو اور اُس مقام و منزلت کو حاصل کرو جو تمہارے لیے مخصوص ہے۔

امام حسین کی آنکھ کھلی، خواب سے بیدار ہو گئے اور فوراً اپنے گھر تشریف لے گئے ــــ اہل بیت، خاندان والوں اور عقیدت مندوں کو جب اس خواب کا علم ہوا تو ہر طرف مایوسی پھیل گئی ہر شخص کی نظروں میں دنیا تاریک ہو گئی، دل غم سے نڈھال ہو گئے۔ لبوں پر فغاں اور آنکھیں اشکبار تھیں پورے شہر کی فضا نالہ و شیون اور غم و الم میں ڈوب گئی۔ شاید پوری دنیا میں، پورے کرۂ زمین میں کوئی گھر ایسا موجود نہ تھا جسے اسقدر سخت غم کا کبھی سامنا ہوا ہو۔ اور ایسے کرب اور تکلیف و مصیبت کو برداشت کرنا پڑا ہو۔ تمام اہلِ مدینہ اس روزِ جدائی پر چیخیں مار کر رو رہے تھے اور کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔

اس کے بعد کبیر صفحہ ۵۵ پر لکھتے ہیں: کانَ یومُ خروجِ الحُسینِ مِن مَدینۃِ جَدِّہٖ اعظمُ یومٍ علی الھاشمیّین وَالھاشمیّاتِ لخ۔ جس روز امام حسین مدینہ سے روانہ ہونے والے تھے وہ بنی ہاشم کے مردوں اور عورتوں کے لیئے بڑی سخت مصیبت اور رنج و غم کا دن تھا اس لیئے کہ آپ اپنے نانا رسولِ خدا، اپنے پدرِ عالی وقار حضرت امیر المؤمنین اور اپنے بھائی امام حسن کے بعد اب بنی ہاشم کے لیئے تسکین اور تسلّی کا واحد ذریعہ اور سہارا تھے۔ اس لیئے آپ کی روانگی کی خبر صورِ قیامت کی طرح پھیل گئی اور مردوں کے علاوہ تمام ہاشمی مُخدّرات نواسۂ رسولؐ کو رخصت کرنے کیلیے آپکے بیتُ الشرف کی طرف روانہ ہو گئیں تاکہ آپ کو اور آپ کے گھر والوں اور بچوں کو وداع کریں۔ وہ عجیب دل شکن اور قیامت خیز منظر تھا جب امام عالی مقام کو بنی ہاشم رخصت کر رہے تھے ــــ آنسوؤں کی بارش اور آہ و فغاں کے طوفان میں۔

امام حسین بنی ہاشم کے مجمع میں تشریف لائے اور سب کو تلقینِ صبر کی۔

پھر ہاشمی سیدانیوں کی طرف خطاب کیا اور فرمایا :— تمہیں خدا کا واسطہ آنسو نہ بہاؤ اور صبر سے کام لو۔ صبر کرنا مصیبت وبلا پر اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ عورتوں نے عرض کی اے ابو عبداللہ! اگر ہم آپ پر آنسو نہ بہائیں تو پھر آپ سے زیادہ کون مستحق ہے جس پر ہم روئیں اور آنسو بہائیں! اے نواسۂ رسولؐ آج کا دن ہمارے لئے ویسا ہی مصیبت کا دن ہے جیسا وہ دن تھا جس میں رسول اللہؐ کی وفات ہوئی تھی اور علی و فاطمہ وحسن دنیا سے رخصت ہوئے تھے — ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں — ادھر بنی ہاشم کے ہنگامۂ گریہ و بکا سے مدینہ کی فضا کانپ رہی تھی عین اُسی وقت حضرت اُمّ المؤمنین اُم سلمہ تشریف لے آئیں۔ آتے ہی امام حسین کو کلیجہ سے لگا لیا اور غم سے بھرّائی ہوئی آواز میں فرمایا بیٹا حسین! عراق کے سفر سے میرے دل کو نہ دُکھاؤ۔ میں نے تمہارے نانا رسول اللہ سے سنا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا فرزند حسین عراق میں شہید ہوگا اُس زمین پر جس کا نام کربلا ہے۔ امام حسین نے فرمایا۔ جدّۂ محترمہ! میں بھی اس امر سے خوب واقف ہوں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ میں شہید کیا جاؤں گا۔ میں اُس دن سے بھی باخبر ہوں جب میں شہید ہوں گا۔ میں اُس شخص کو بھی جانتا ہوں جو مجھے شہید کرے گا۔ اُس جگہ کا بھی مجھے علم ہے جہاں مجھے دفن کیا جائے گا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے گھر والوں اور خاندان والوں نیز میرے شیعوں اور ساتھیوں میں سے کون کون شہید ہوگا۔ اے نانی! اگر آپ حکم دیں تو میں ابھی آپ کو وہ نشیبی جگہ دکھادوں جو میری ابدی آرام گاہ ہوگی حضرت اُمّ سلمہ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ امام حسین نے ہاتھ سے کربلا کی طرف اشارہ کیا — مدینۃ المعاجز وغیرہ میں لکھا ہے کہ اُس وقت آپ نے صرف اتنا کہا تھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کہ فوراً ہی بیچ کی بلند زمینیں باذن الٰہی پست ہوگئیں اور خطۂ کربلا اُبھر کر سامنے نظر آنے لگا — امام حسین نے اُمّ المؤمنین سے کہا: نانی! دیکھئے وہ میری آرامگاہ اور میرا مدفن ہے! وہ میری لشکر گاہ ہے! اُمّ سلمہ یہ منظر دیکھ کر چیخیں مار کر رونے لگیں — امام نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ میں بھوکا پیاسا ذبح کیا جاؤں گا۔ ظلم وستم کے ساتھ شہید ہوں گا

میرے اہل وعیال اور گھر والے قید ہوں گے اور میرے بچے تباہ وبرباد کیئے جائیں گے۔

اُمّ المؤمنین کہنے لگیں۔ بیٹا! میرے پاس شیشے کے ایک ظرف میں کچھ خاک ہے جو تمہارے نانا رسالتمآبؐ نے مجھے عطا فرمائی تھی — اور فرمایا تھا کہ جب میرا فرزند شہید کیا جائے گا تو یہ مٹّی خون بن جائے گی، اس مٹّی کو حفاظت سے رکھنا۔ امام نے فرمایا میرے نانا نے بیشک درست فرمایا، میں یقیناً شہید کیا جاؤں گا اور اگر میں عراق کا سفر نہ بھی کروں جب بھی میرے دشمن مجھے قتل کریں گے۔ پھر آپ نے اپنے پاس سے کچھ مٹی نکالی اور ایک شیشے میں رکھ کر امّ المؤمنین کو دی کہ اس کو بھی اسی ظرف کے پاس رکھ دیجئے جو آپ کو میرے نانا نے عطا کیا ہے اور جب یہ دونوں خون ہو جائیں تو سمجھ لیجئے گا کہ میں شہید ہو گیا۔ امّ المؤمنین نے اُسی طرح عمل کیا جیسا امام نے فرمایا تھا۔

پھر جب امام حسین عراق کی غرض سے سفرِ مکّہ پر روانہ ہو گئے تو اُمّ سلمہ روزانہ اُن شیشوں کو غور سے دیکھا کرتی تھیں — آخر محرم ۶۱ہجری کا خونیں ہلال اُفق پر طالع ہوا اور دن گذرتے گئے — امّ المؤمنین نے دسویں محرم (عاشوراء) کو عصر کے وقت ان شیشوں میں قیامت کا سامان دیکھا — اب اُن میں خاک نہ تھی بلکہ تازہ خون تھا جو اُن شیشوں سے اُبل رہا تھا یہ دیکھتے ہی ام سلمہ ناموسِ رسولِ خدا نے چیخ کر رونا شروع کر دیا۔ ہائے میرا فرزند حسین شہید ہو گیا۔ مدینہ میں ناموسِ رسولؐ اُمّ سلمہ[۵] کی آواز برقی لہر کی طرح دوڑ گئی اور ہر گھر میں حشر کا منظر دکھائی دینے لگا۔ پورا شہر ایک آواز سے رو رہا تھا بالکل اُسی دن کی طرح جب سرورِ کائنات نے دنیا سے رحلت فرمائی تھی۔

عـ۵ "سلمہ" اُمّ المؤمنین کے فرزند کا نام تھا اور اسی مناسبت سے انھیں اُمّ سلمہ اور اُن کے شوہر کو ابو سلمہ کہا جاتا تھا۔ اب ہم اس سلسلہ میں کچھ مفید تفصیلات لکھتے ہیں:۔
(الرّوض الانف علامہ سہیلی ج ۴ ص ۱۴۸):۔
سب سے پیشتر صحابۂ کرام میں سے جس صحابی نے مدینہ کی طرف (قبل ہجرتِ رسول اللہ)

ہجرت کی تھی وہ یہی ابو سلمہؓ عبداللہ بن عبد الاسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم تھے انھوں نے بیعت عقبۂ اولیٰ سے ایک سال قبل مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ پہلے انھوں نے دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی پھر جب وہاں سے واپس ہوئے اور معلوم ہوا کہ مدینہ میں لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں تو فوراً یہ مدینہ چلے گئے۔

یہ حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر تھے۔ خود ام المؤمنین بیان کرتی ہیں کہ جب میرے پہلے شوہر ابو سلمہؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو مجھے اپنے ساتھ لیجانے کی غرض سے اونٹ پر سوار کیا۔ اس وقت میری گود میں میرا بیٹا سلمہؓ بن ابی سلمہؓ تھا۔ اونٹ روانہ ہوگیا۔ جب میرے قبیلہ والوں نے مجھے جاتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے مجھ کو اونٹ پر سے نیچے اتار لیا اور کہا کہ ہم انھیں مدینہ نہیں جانے دیں گے۔

یہ دیکھ کر بنو عبد الاسد بن ہلال یعنی میرے شوہر کے قریبی رشتہ داروں کو غصہ آگیا اور کہنے لگے کہ ہم پھر اپنے فرزند سلمہؓ (عبداللہ بن عبد الاسد کے بیٹے) کو خود اپنے پاس رکھیں گے۔ خوب کھینچا تانی ہوئی اور بالآخر میرے لڑکے سلمہؓ کو وہ لوگ مجھ سے چھین لے گئے اور میں تنہا رہ گئی۔ غرض بنو مغیرہ نے مجھے روک لیا۔ میرے فرزند کو بنو عبد الاسد بن ہلال لے گئے۔ خود میرے شوہر ابو سلمہؓ عبداللہ بن عبد الاسد مدینہ روانہ ہوگئے۔ اس طرح ہم تینوں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ میں کہیں تھی، میرا بچہ کہیں تھا اور میرے شوہر کہیں اور تھے۔

اس کے بعد میری حالت یہ تھی کہ میں روزانہ مقام اَبطح میں اکیلی بیٹھی رویا کرتی تھی اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں اور کس طرح اپنے شوہر اور اپنے فرزند تک پہنچوں۔ دن گذرتے رہے یہاں تک کہ ایک سال ہوگیا۔ آخر ایک روز میری تقدیر کے سورج کی کرن پھوٹی اور میرے بنی اعمام یعنی بنو عبد الاسد میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور اسے میرا حال دیکھ کر بڑا دکھ ہوا۔ وہ میرے قریبی رشتہ داروں یعنی بنو مغیرہ کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ اس ضعیف دکمزور عورت پر تم لوگ کیوں ظلم کر رہے ہو اور اسے اپنے شوہر کے پاس کیوں نہیں جانے دیتے۔ اُس کی کوشش سے مجھے چھٹکارا ملا اور اس مصیبت سے نجات حاصل ہوئی اور میرے عزیزوں نے مجھے مدینہ

میں شوہر کے پاس جانے کی اجازت دیدی — یہ دیکھ کر پھر بنو عبد الاسد نے بھی میرے فرزند کو آزاد کردیا۔

پھر میں اپنے بیٹے سلمہؓ کو ساتھ لے کر اونٹ پر تنہا روانہ ہوگئی تاکہ مدینہ جاکر اپنے شوہر کو تلاش کروں — اللہ کی ذات پر میرا بھروسا تھا کہ وہ مجھے ہدایت فرمائے گا — جب میں مقام "تنعیم" پر پہنچی تو ایک شخص عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ میرے نزدیک آیا اور میرا حال دریافت کرنے لگا — میں نے سب تفصیل اُسے بتادی — اُس نے کہا کہ میں ذمّہ لیتا ہوں کہ تمہیں تمہارے شوہر کے پاس پہنچادوں گا۔ پھر اُس نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑلی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا — اللہ کی قسم! میں نے ایسا شریف آدمی عمر میں کبھی نہیں دیکھا تھا — جب کوئی منزل آتی تھی تو وہ میرے اونٹ کو بٹھاکر خود بہت دور ہٹ جاتا تھا اور جب میں اُتر کر کسی جگہ بیٹھ جاتی تھی تو وہ اونٹ کے نزدیک آکر سامان اُتارتا تھا اور اُسکو کسی درخت سے باندھ دیتا تھا پھر خود کسی سایہ دار جگہ مجھ سے دور جاکر بیٹھتا تھا اور سوجاتا تھا — جب روانگی کا وقت آتا تھا تو آکر اونٹ پر سامان رکھتا تھا اور اُسے تیار کرکے خود اونٹ سے دور ہٹ جاتا تھا — میں خود سوار ہوجاتی تھی اس کے بعد وہ آکر اُس کی نکیل پکڑ کر روانہ ہوجاتا تھا — اسی طرح وہ میرے ساتھ مدینہ کے قریب تک آیا پھر مقام "قبا" میں قریۂ بنی عمرو بن عوف پر اس کی نظر پڑی تو اس نے مجھ سے کہا کہ بس اب تم جاؤ تمہارا شوہر اسی قریہ میں ہے۔ اللہ تمہیں برکت عطا فرمائے اتنا کہہ کر وہ شریف انسان مکّہ کی طرف واپس چلا گیا۔ اُم المؤمنین ام سلمہؓ کہتی تھیں کہ مسلمان ہونے والوں کے گھرانوں میں شاید ہی کسی گھرانے پر اس قدر سخت مصیبت پڑی ہو جتنی ابو سلمہؓ کے گھر پر پڑی اور میں نے اپنی عمر میں عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف عرب کبھی نہیں دیکھا۔

حضرت اُم سلمہؓ کا نسب یہ ہے — اُمّ سلمہؓ (ھند) بنتِ ابی امیہ (مورخوں نے ان کا اصلی نام حُذیفہ اور بعض نے سُہیل لکھا ہے) بن المغیرۃ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم — ہجرت سے اٹھائیس ۲۸ سال قبل آپ کی ولادت ہوئی — وفات کے متعلق چند قول ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-

ازواج رسول اللہؐ میں آپ کی وفات سب کے آخر میں ہوئی یعنی ۶۳ھ ہجری

سلطنتِ یزید کے دور میں (سفینۃ البحار ج اوّل ص ۶۴۲)
اصابہ ج ۴ ص ۴۰۸ پر لکھا ہے کہ ان کی وفات شوال ۵۹ھ میں ہوئی۔ ابوہریرہ نے
نماز جنازہ پڑھائی ۔۸۴ سال کی عمر تھی۔ پھر لکھا ہے کہ ابن حبان (محمد بن حبان البستی
علامۃ فی الحدیث۔ الاعلام ج ۶/۵) کہتے ہیں کہ ۶۱ ہجری کے آخر میں وفات پائی جب
شہادت امام حسین کی خبر مدینہ میں آئی تھی (اس قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ
قافلۂ اہل بیت ایک سال تک دمشق میں قید رکھا گیا تھا۔ مؤلف)
استیعاب ج ۴ ص ۴۰۷ میں ہے کہ اُم سلمہؓ کی وفات حکومتِ یزید کے ابتدائی
زمانہ میں یعنی ۶۰ ہجری میں ہوئی ۔ انھوں نے بھی لکھا ہے کہ بعض کہتے ہیں آپ کی وفات
رمضان یا شوال ۵۹ھ میں واقع ہوئی تھی اور قبرستانِ بقیع میں دفن ہوئیں۔
اصابہ ج ۴ بحث الکنیٰ ص ۴۳۹ پر ہے کہ علامہ واقدی کے نزدیک آپ کی وفات شوال
۵۹ ہجری میں ہوئی اور ابن حبان کے نزدیک ۶۱ ہجری میں جب شہادت امام
حسین کی خبر مدینہ میں آئی تھی پھر ابو نُعیم کا قول لکھا ہے کہ ان کی وفات ۶۲ ہجری میں ہوئی"
یہ بات حالات کے مطابق ہے کہ آپ کی وفات امام حسین کی خبر شہادت پہنچنے پر
ہوئی ہو کیونکہ ام المؤمنین انھیں بہت چاہتی تھیں اور انھوں نے حضرت فاطمہ زہراؑ اور
خود امام حسین کو پالنے اور تربیت دینے کا شرف حاصل کیا تھا۔
حضرت اُم سلمہؓ کی شادی حضرت رسالتمآبؐ کے ساتھ اکثر سیرت نگاروں کے
مطابق ۴ ہجری میں ہوئی تھی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔
حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ کا عقد نکاح ماہ
جمادی الثانیہ یا ۲۰ شوال ۴ ہجری میں ہوا تھا۔
(الاعلام ج ۹/۱ ص ۱۰۴ اصابہ ابن حجر عسقلانی ج ۴ ص ۳۱۰ ۔ طبقات ابن سعد
(اردو ترجمہ) حصۂ ہشتم (صالحات وصحابیات ص ۱۱۵)
بعض نے لکھا ہے کہ یہ عقد ۳ ہجری میں ہوا تھا (اصابہ ج ۴ (بحث الکنیٰ ص ۴۳۹
کسی نے لکھا ہے کہ یہ عقد ۲ ہجری میں ہوا۔ (استیعاب لابن عبد البر ج چار
ص ۴۰۷) ـــــ اب ہم مذکورۂ بالا اور بعض دوسری کتابوں سے ام المومنین کے حالات
کا خلاصہ لکھتے ہیں ـــــ آپ بہترین عاقلہ اور با تدبیر تھیں۔ اپنے سابق شوہر

کے ساتھ تمام عورتوں میں سب سے پہلے ہجرت کے لیئے مدینہ کی سمت روانہ ہوئیں مگر راستہ میں ان کے قبیلہ والوں یعنی بنو مغیرہ (بنو مخزوم کی ایک شاخ) نے انھیں ایک سال تک اور بعض کے نزدیک صرف سات روز تک روکے رکھا تھا۔ ہجرتِ مدینہ کے قبل اپنے شوہر کے ساتھ حَبَشَہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی۔ ان کے غلاموں میں شَیْبَہ بن نِصَاح تھا جو علم قرآءۃ و تجوید میں امام اہل مدینہ سمجھا جاتا تھا آپ کی ایک کنیز کا نام خَیْرَہ تھا جو حضرت حَسَن بَصْرِی کی ماں تھیں۔

آپ کے ایک غلام کا نام ابو مَیْمُونَہ تھا جن کے شاگردوں میں مشہور قاری نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نُعَیْمْ بھی تھے (معارف ابن قتیبہ دینوری صہ ۶۰)

اُمِّ سَلَمَہ کی بیٹی زینب فقیہ ترین خاتون تھیں۔ یہ زینب رَبِیْبَہ رسول اللہ تھیں یعنی اپنی والدہ کے ساتھ حضورؐ کے پاس آپ کی زیر تربیت رہیں۔ یہ بیان کرتی ہیں: ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں آپ کی زیارت کے لیئے گئی۔ اس وقت آپ نہا رہے تھے۔ نہانے کا پانی میرے چہرے پر بھی پڑ گیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جب میں بہت بوڑھی ہوگئی تھی اس حالت میں بھی میری جوانی کا رنگ روپ کم نہیں ہوا تھا۔

اصابہ ج ۲ صہ ۳۲۶ ان کے شوہرِ اوّل ابو سَلَمَہ کا حال اس طرح لکھا ہے:۔

ان کا نام عبداللہ بن عبد الاسد بن ھلال بن عبداللہ بن عُمَرْ (بعض نے عَمرو لکھا ہے) بن مخزُوم المخزومی تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو سب سے پہلے اسلام لائے تھے اور ان کا نمبر گیارھواں تھا۔ یہ رسول اللہؐ کے دودھ شریک بھائی تھے۔

ان کی والدہ حضورؐ کی پھوپھی بَرَّہ بنتِ عبدالمطلب تھیں۔ جب مسلمان جنگ بدر سے فاتحانہ واپس ہوتے تو یہ بھی ان میں تھے مگر زخمی ہو گئے تھے۔ اسی زخم کی وجہ سے ان کی وفات ہوئی۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ اُحُدْ سے واپسی کے بعد کا ہے اور یہی صحیح ہے۔ یہ پہلے صحابی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حَبَشَہ اور پھر وہاں سے واپسی کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ نیز یہ پہلے صحابی ہیں جنہوں نے اپنی زوجہ ام سلمہ کے ہمراہ حَبَشَہ اور اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ۳ سنہ ہجری میں جنگ اُحد میں زخمی ہوکر مدینہ میں واپس ہوئے۔ پھر ان کا زخم پھٹ گیا۔ جس سے ان کا انتقال ہوگیا۔

ابن سعد نے کہا ہے کہ یہ بدر و اُحُدْ دونوں غزووں میں شریک ہوئے۔ پھر اُحُد

میں زخمی ہو گئے۔ یہ زخم تقریباً اچھا ہو چلا تھا اسی اثنا میں حضورؐ نے انھیں بنو اسد سے جنگ کے لئے بھیجا (ماہ صفر سنہ ۴ ہجری میں) پھر جب یہ وہاں سے واپس ہوئے تو وہ زخم پھٹ گیا جس سے یہ جمادی الثانیہ سنہ ۴ ہجری میں وفات پا گئے۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ مگر ابن عبد البر کے نزدیک یہ سنہ ۳ھ کا واقعہ ہے۔ قول راجح وہی ہے جو پہلے ذکر کیا گیا۔ حضرت اُمِّ سلمہ اپنے فرزند سلمہ کے نام سے مشہور ہیں۔

یہ بھی رسول اللہؐ کے زیر پرورش رہے تھے۔ حضورؐ نے ان کا عقد اُمامہ بنتِ حمزہ کے ساتھ بچپنے ہی میں کر دیا تھا مگر اُمامہ رخصتی سے قبل ہی وفات پا گئیں۔

ان کے ایک دوسرے بھائی عُمر بن ابی سلمہ تھے جو سلمہ سے عمر میں بڑے تھے۔ واقدی اور ابو حاتم کی رائے میں سلمہ عہدِ خلافتِ عبد الملک بن مروان تک زندہ رہے تھے مگر کلبی کہتے ہیں کہ سلمہ کا انتقال بچپنے ہی میں ہو گیا تھا۔ ابن عبد البر نے بھی استیعاب ج ۲ صہ ۸۵ پر یہی لکھا ہے کہ سلمہ عہدِ عبد الملک تک زندہ رہے۔

اِصابہ ج ۴ صہ ۷۰ ۴ پر لکھا ہے:۔ اُمِّ سلمہ کا اصلی نام ہند تھا یہ ابو اُمیّہ کی بیٹی تھیں جن کا اصلی نام حُذَیفہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام سَہل تھا اور یہ مُغیرہ بن عبد اللہ بن عُمر بن مَخزوم کے فرزند تھے۔ کچھ سیرت نگاروں نے ام سلمہ کا نام رَمْلہ لکھا ہے اور ان کے والد "ابو اُمیّہ" بڑے سخی مشہور تھے، ــــ اور اسی سخاوت کی بنا پر اُن کو "زاد الراکب" یعنی توشۂ مسافر کہا جاتا تھا۔ ام سلمہ کی والدہ کا نام عاتکہ بنتِ عامر تھا جو بنو فراس کی شاخ کِنانہ سے تھیں۔

ان کے شوہر ابو سلمہ بن عبد الاسود (یا عبد الاسد) ان کے دادا کے بھائی کے پوتے اور ان کے بنی اعمام میں سے تھے۔ یہ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئیں پھر واپس آکر مدینہ کی طرف دونوں نے ہجرت کی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی ہودج نشین مسلمان خاتون تھیں جنہوں نے تمام عورتوں سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ علامہ ابن عبد البر نے استیعاب میں بھی اسی کے قریب قریب لکھا ہے۔

بحار الانوار جلد ۶ میں انکی والدہ کے متعلق بعض کا قول یہ لکھا ہے کہ اُن کا نام عاتکہ بنتِ عبد المطلب تھا جو جمہور محدثین و مورخین کے مسلک کے خلاف ہے اور صحیح وہی ہے جو اِصابہ اور اِستیعاب میں لکھا ہے۔ غالباً یہ اشتباہ اس وجہ سے

ہوا کہ اُمّ سلمہ کے سوتیلے بھائی عبدُ اللہ کی ماں یعنی ابو اُمیّہ کی دوسری زوجہ عاتکہ بنت عبد المطلب تھیں۔ حضرت اُمّ سلمہ کے تذکرہ میں عثمان بن طلحہ کا نام بھی آیا ہے۔ یہ صلحِ حدیبیہ میں مسلمان ہو کر اصحابِ کرام میں شامل ہو گئے تھے۔

حضرتِ اُمّ سلمہ اور اُن کی اولاد کے مزید حالات

علامہ ابن حجر عسقلانی مصنف فتح الباری شرح صحیح بخاری اپنی کتاب اِصابہ ج ۸ ص ۳۱ میں لکھتے ہیں — ابو سلمہ عبد اللہ بن اسد مخزومی کی بیٹی زینب کو حضرت رسالتمآبؐ نے پرورش کیا تھا اور وہ رَبِیْبَہ رسول اللہ تھیں۔ ان کی والدہ حضرت اُمّ سلمہ تھیں کہا جاتا ہے کہ زینب حبشہ میں پیدا ہوئیں جب ان کے والدین وہاں ہجرت کر کے گئے تھے۔ پھر جب ۴ ہجری میں ابو سلمہ کے انتقال کے بعد اُمّ سلمہ کی شادی رسول اللہ کے ساتھ ہوئی تو زینب اس وقت ماں کا دودھ پیتی تھیں۔

(مدینہ کی طرف اُمّ سلمہ کی ہجرت مکّہ کی بیعتِ عقبہ اولیٰ سے ایک سال قبل ہوئی تھی جبکہ یہ خود اور ان کے شوہر ابو سلمہ حبشہ سے واپس ہو چکے تھے۔ پھر تقریباً ایک سال کے بعد یعنی بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد جلد ہی خود رسولؐ اللہ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وقتِ ہجرتِ سرورِ کائنات زینب کا سن دو سال سے زیادہ تھا۔ پھر ۴ ہجری میں وہ تقریباً چھ برس کی ہوں گی اور اگر اُس روایت کو تسلیم کر لیا جائے کہ یہ عقد غزوۂ بدر کے بعد ہوا تھا تو اُس وقت ان کی عمر چار برس کی ہوگی یہ دونوں ہی باتیں ایّامِ رضاعت کے ساتھ جمع نہیں ہوتیں کیونکہ رضاعت کا زمانہ حضورؐ کی بعثت سے قبل بھی قریب قریب دو سال ہی سمجھا جاتا تھا۔ ابن حجر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مُسند بزّاز میں لکھا ہے کہ اُمّ سلمہ کے یہاں زینب اُس وقت پیدا ہوئی تھیں جب ابو سلمہ قتل ہو چکے تھے یعنی ان کی وفات بدر یا اُحُد کے زخم کے پھٹ جانے سے واقع ہو چکی تھی — یہ روایت البتہ رضاعت والی خبر سے مطابقت رکھتی ہے۔ مؤلف)

زینب بنت اُمّ سلمہ کا پہلا نام بَرّہ تھا پھر حضورؐ نے اسے بدل کر زینب نام رکھ دیا۔ اس قسم کا واقعہ (نام کی تبدیلی بحکمِ رسولؐ اللہ) اُمّ المؤمنین زینب بنت جحش اور اُمّ المؤمنین جُویریہ بنت الحارث کے متعلق بھی ہوا تھا۔ اسماء بنت ابی بکر نے بھی

زینب بنت ام سلمہ کو دودھ پلایا تھا — ان کا علمِ فقہ میں بڑا مرتبہ تھا اور یہ مدینہ منورہ کی فقیہہ مشہور تھیں - ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ غسل فرما رہے تھے، زینب بہت کم سن تھیں - اُس طرف چلی گئیں تو حضورؐ نے پانی کا ایک چھینٹا ان پر مارا اور فرمایا کہ یہاں سے چلی جا — اس پانی کا یہ اثر ہوا کہ یہ بہت ہی بوڑھی ہو گئی تھیں مگر جوانی کا رنگ روپ ان سے الگ نہ ہوا -

استیعاب ج ۴ ص ۳۱۲ میں ہے کہ ان کی ولادت حَبَشہ میں ہوئی تھی اور ان سے احادیث نبوی بھی منقول ہیں - زینب کے شوہر کا نام عبد اللہ بن زَمعَۃ بن اسوَد الاسدی تھا -

جنگ حَرّہ میں یزید کی فوج نے اکثر اہل مدینہ کو قتل کر دیا تھا اُن میں ان کے دو بیٹے بھی قتل ہوئے تھے - جب اُن کی لاشیں زینب کے سامنے لائی گئیں تو انھوں نے استرجاع (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) کے بعد کہا ان دونوں کا غم میرے لیئے بڑا سخت ہے لیکن ان میں اُس بیٹے کا غم زیادہ ہے جو جنگ کر کے شہید ہوا بہ نسبت اُس کے جو جنگ نہ کر سکا - یہی مضمون "اَلرَّوْضُ الاُنُف" ج ۳ ص ۲۴۲ پر ہے - اسی جگہ ایک توہین آمیز روایت آنحضرتؐ کی شان میں نقل کی گئی ہے جسے محدث سُہیلی نے خود ہی رد کر دیا ہے -

عُمر بن اَبی سَلَمہ استیعاب ج ۲ ص ۴۶۷ :- یہ بھی رسول اللہ کے زیر پرورش رہے - یہ ام سلمہ کے بطن سے ابو سلمہ کے فرزند اور سلمہ کے بھائی تھے - حبشہ میں ان کی ولادت ہوئی تھی - جنگ جمل میں یہ حضرت عائشہ کے مقابلہ میں حضرت علی کے ساتھ تھے - امیر المومنین نے انھیں فارس اور بحرین کا گورنر بنایا تھا - ان کی وفات بعہد عبد الملک بن مروان ۸۳ھ مدینہ میں ہوئی تھی -

عمر بن ام سلمہ اور عبد اللہ بن زبیر تقریباً ہم عمر تھے - امیر المومنین نے انھیں بحرین کی گورنری سے معزول کر دیا تھا لیکن کسی جرم کی پاداش میں نہیں بلکہ شام پر معاویہ کے خلاف لشکر کشی کے سلسلہ میں ان کی ضرورت تھی - ان کی جگہ آپ نے نُعمان بن عجلان زُرَقی کو گورنر بحرین مقرر کیا تھا -

نہج البلاغہ مترجم ص ۲۹۲ :- (ترجمہ) میں نے نعمان بن عجلان الزُّرَقی کو بحرین کا

گورنر مقرر کیا ہے اور تمھیں اس منصب سے معزول کر دیا مگر یہ تبدیلی اور معزولی کسی سزا اور نافرمانی کے نتیجہ میں نہیں کی گئی ہے کیونکہ تم نے اپنے فرائضِ منصبی کو بحسن و خوبی انجام دیا اور امانت میں کسی طرح کی بھی خیانت نہیں کی اس لیے میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم میرے پاس واپس آجاؤ ـــ تم پر کوئی الزام نہیں کسی قسم کا اتہام نہیں تمہارا کوئی گناہ نہیں، تم بالکل بے قصور ہو۔ میں تمھیں محض اس وجہ سے طلب کر رہا ہوں کہ میں نے شام کے ظالموں اور نافرمانوں کی سرکوبی کا ارادہ کر لیا ہے اور میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ رہو اس لیے کہ تم اُن بہادروں میں سے ہو جن سے میں دشمن کا مقابلہ کرنے اور دین کا ستون قائم کرنے میں مدد لینا چاہتا ہوں ـــ

سفینۃ البحار ج۲ ص ۲۵۶ میں ہے :- ترجمہ:

عمرو بن ام سلمہ بعض نے انھیں "عمر" بغیر واو کے لکھا ہے، ربیبِ رسول اللہ تھے منہج المقال میں ہے کہ یہ حضرت امیر المؤمنین کے اصحابِ خاص میں سے تھے۔ آپ نے انھیں بحرین کا گورنر بنایا تھا اور یہ جنگ صفین میں شہید ہوئے مگر عام مسلمانوں کے محدثین نے لکھا ہے کہ ان کی ولادت حبشہ میں ہوئی تھی حبشہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال۔ صاحب سفینۃ البحار لکھتے ہیں کہ اگر وفات کی یہ تفصیل درست ہے جو علمائے عامہ نے لکھی ہے تو شاید عربی کی اصل عبارت میں جو لفظ "قتل" ہے وہ غلط چھپ گیا ہے اور حقیقت میں "قَاتَلَ" ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ عمرو یا (عمر) بن ابی سلمہ نے صفین میں حضرت علی کے ساتھ ہو کر معاویہ کے لشکر سے قتال کیا۔ کتابت کی اس قسم کی غلطیاں ممکن ہو سکتی ہیں جیسا کہ حضرت علی اکبر فرزند امام حسین کے متعلق واقعہ کربلا میں لکھا ہوا ہے کہ "یَتَّقُوْنَ قَتْلَہٗ" جس کا ترجمہ یہ ہوا کہ اشقیاء اُن کو قتل کرنے سے بچتے اور پرہیز کرتے تھے۔ حالانکہ اصل عبارت یہ ہونا چاہیئے تھی کہ "یَتَّقُوْنَ قِتَالَہٗ" یعنی وہ لوگ حضرت علی اکبر سے جنگ کرنے ہوئے ڈرتے تھے اور اُن کے سامنے آتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔

غرض حضرت اُم سلمہ ہی نے اپنے فرزند عمر بن ابی سلمہ کو حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں بھیجا تھا تاکہ وہ آپ کی نصرت کا شرف حاصل کریں اور یہ تمام جنگوں اور لڑائیوں میں آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ یہ شاعر بھی تھے اور حضرت امیر المؤمنین ان کے اشعار کو پسند کرتے تھے اور بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔

اب ہم بحارُ الانوار علامہ مجلسیؒ ج ۶ صہ ۲۱۷ سے نقل کرتے ہیں۔
حضرت ام سلمہؓ ازواجِ رسولؐ اللہ میں ساتویں زوجہ تھیں۔ اس کے بعد ان کا نسب لکھا ہے۔ پھر بتایا ہے کہ ان کا مہر چار سو دینار نجاشی شاہِ حبش نے بھیجا تھا۔
زینب بنتِ ام سلمہؓ کا سن نو سال کے قریب ہو گیا تھا مگر وہ بالکل جوان معلوم ہوتی تھیں۔ سرورِ کائنات جس پانی سے غسل فرما رہے تھے اُس کے چھینٹے ان پر پڑ جانے کا یہ اثر ہوا تھا۔
اس کے بعد اب طبقات ابن سعد حصہ ہشتم (صالحات و صحابیات) مترجم اردو صہ ۱۱۵ اور اس کے بعد کے اندرجات ناظرین کی وسعتِ معلومات کے لیئے لکھے جاتے ہیں:
حضرت اُمِ سلمہؓ کا نام ہندؓ تھا اور ابو اُمیہ (سُھَیل) زادُالرّکب بن مُغیرۃ بن عبد اللہ بن عُمر بن مخزُوم کی صاحبزادی تھیں۔
ان کی والدہ عاتکہ بنتِ عامر بن ربیعہ بن مالک تھیں۔ ان کے پہلے شوہر رسولؐ اللہ کے دودھ شریک بھائی اور پھوپھی زاد بھائی۔ ابو سلمہ (عبداللہ) بن عبد الاسد مخزومی تھے ابو سلمہ انھیں حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں اپنے ساتھ لے گئے تھے (اُس وقت یہ دونوں مسلمان ہو چکے تھے) حبشہ ہی میں زینب کی ولادت ہوئی تھی پھر آپ کے یہاں سلمہ، عمرؓ اور دُرّۃ کی ولادت ہوئی۔ (دوسرے اقوال وہی ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں) عُمر بن ابی سلمہ کہتے ہیں کہ میرے والد غزوۂ اُحُد میں شریک ہوئے تھے۔ اثنائے جنگ میں ان کے بازو پر ایک تیر لگ گیا جسے ابو سلمہ جُشمی نے مارا تھا۔ ایک ماہ تک زخم کا علاج کرتے رہے یہاں تک کہ وہ زخم اچھا ہو گیا پھر حضورِ انورؐ نے میرے والد کو محرم کے مہینہ میں "قطن" بھیج دیا۔ (وادیٔ حضرموت کا مشہور شہر) ـــ آپ ۲۹ دن گھر سے باہر رہے پھر ۸ صفر سنہ ۴ ہجری کو مدینہ میں داخل ہوئے اور زخم پھر تازہ ہو گیا۔ اسی زخم کی وجہ سے آپ ۸ جمادی الثانیہ سنہ ۴ ہجری کو وفات پا گئے۔ پھر میری والدہ نے عدت کے ایّام (چار ماہ دس روز) پورے کیئے جس کی آخری تاریخ قمری حساب سے ۲۰ شوال سنہ ۴ ہجری تھی۔ اس کے بعد شوال کی کی آخری تاریخوں میں حضورؐ نے ان کے ساتھ عقد کیا۔ حضرت اُمِ سلمہؓ نے سنہ ۵۹ ہجری میں وفات پائی (سالِ وفات کے متعلق مورخوں کے اختلاف کو اِس سے قبل لکھا جا چکا ہے)
حضرت رسالت مآبؐ تین بار اِمّ سلمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور نکاح کی خواہش

فرمائی تیسری بار انھوں نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور نکاح ہوگیا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی انھیں پیغام دیا تھا مگر اُمّ سَلَمہؓ نے صاف انکار کر دیا۔ انھوں نے رسول اللہؐ سے بھی بار بار تین عُذر پیش کیے تھے: (۱) میرا سن کچھ زیادہ ہوگیا ہے (۲) غیور ہوں یعنی سَوت کو برداشت نہیں کر سکتی اور آپ کی تو کئی بیویاں ہیں (۳) میرے کئی بچے موجود ہیں۔ اس کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ میری عمر تم سے زیادہ ہے۔ تمہاری غیرت دفع ہونے کے لیئے میں خدا سے دعا کروں گا اور وہ اِنشاء اللہ تعالیٰ دفع ہو جائے گی۔ بچے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ذمّہ ہیں، ان کی تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ——

جہیز میں (یعنی شادی کے سلسلہ میں جو سامان شوہر اپنی دولھن کو رسم عرب کے مطابق دیتا ہے) اُس سے کم تمہیں سامان نہیں دوں گا جتنا تمہاری اپنی بہنوں کو ملا ہے یعنی دو چکّیاں، دو گھڑے اور ایک گدّا چمڑے کا جس کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوئے ہوں گے۔

پھر لکھا ہے کہ حضورؐ ان کے گھر عقد کے بعد تشریف لایا کرتے تھے مگر ہر مرتبہ اُم سَلَمہ اپنی بیٹی زینب کو دودھ پلاتی ہوئی ملتی تھیں اس لیئے آپ شرم کی وجہ سے واپس چلے جاتے تھے۔ کئی بار ایسا ہی ہوا۔ آخر عمّار بن یاسر جو اُمّ سَلَمہ کے اَخیافی بھائی تھے۔ (اَخیافی بھائی بہن وہ کہلاتے ہیں جو ایک ماں کے دو یا زیادہ شوہروں سے ہوں۔ اور اس کے مقابلہ میں عَلّاتی وہ کہے جاتے ہیں جو ایک باپ اور کئی ماؤں سے ہوں)

غرض عمّار بن یاسر کو اس امر کا احساس پیدا ہوا تو وہ اپنی بھانجی زینب کو اپنے گھر لے گئے اور اس کے لیئے دودھ پلانے والی عورت مقرر کر دی تاکہ حضورؐ کو اس بچی کی وجہ سے تکلیف نہ ہو۔ اس کے بعد جب ایک روز حضورؐ اُمّ سَلَمہ کے یہاں تشریف لائے تو فرمایا: زُناب کہاں گئی (آپ زینب کو پیار سے زُناب کہا کرتے تھے) خود اُمّ سَلَمہ یا اُن کی کسی بہن نے عرض کی کہ اُسے عمّار بن یاسر اپنے گھر لے گئے ہیں۔ پھر حضورؐ اُمّ سَلَمہ کے پاس آنے جانے لگے اور فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تمہارے پاس میں سات دن رہا کروں مگر پھر مجھے ہر زوجہ کے گھر میں سات سات روز رہنا پڑیگا۔ (رسولِ اکرمؐ کو کنواری لڑکیاں بھی ازدواج کیلئے بہ آسانی مل سکتی تھیں مگر آپ نے کبھی کسی عورت

پر جبر نہیں کیا اور بیوہ عورتوں کی عزت بڑھانے کیلئے زیادہ تر ان ہی سے عقد کیا تا کہ بعد اس قسم کی شادی کو معاشرہ میں عیب نہ خیال کیا جائے ۔ صرف ایک حضرت عائشہ کنواری آئی تھیں اور ہمارے نزدیک حضرت خدیجۃ الکبریٰ بھی کنواری ہی تھیں۔

پھر صفحہ ۱۲۱ پہ لکھا ہے: حضورؐ نے فرمایا کہ ام سلمہ تم میری نگاہ میں باعزت اور قدر و منزلت والی ہو۔ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس ایک دن رات ہی بسر کیا کروں اور اگر کہو تو سات دن رات رہا کروں لیکن اگر میں ایسا کروں گا تو پھر مجھے اپنی ہر ایک زوجہ کے پاس سات سات روز ہی رہنا پڑے گا۔ ام سلمہ نے عرض کی آپ کو کامل اختیار ہے جیسا مناسب ہو عمل کریں۔

پھر صہ ۱۲۲ پہ ہے کہ عقد کے بعد حضور نے ام سلمہ کو اس گھر میں رکھا جس میں ام المومنین زینب بنت خزیمہ رہا کرتی تھیں کیونکہ ان کی وفات ہو چکی تھی وہ گھر خالی پڑا تھا۔ جب ام سلمہ وہاں گئیں تو گھر میں ایک گھڑا ملا جس میں جو بھرے ہوئے تھے۔ ایک چکی اور ایک ہانڈی تھی جس میں کچھ چربی جمی ہوئی تھی۔ ام المومنین نے جو پیسے اور چربی کے ساتھ دلیا پکایا۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ شب عروسی میں ہمارا یہی کھانا تھا۔ آپ نئی نویلی تھیں مگر اس کے باوجود آپ نے نکاح کے روز ہی سے گھر کا کام اپنے ہاتھ سے کرنا شروع کر دیا۔

پھر صہ ۱۲۶ پہ ہے: حارث کی بیٹی سے منقول ہے: رسول اللہ ام سلمہ سے عقد کے پہلے فرمایا کرتے تھے کہ عائشہ کے لیے میرے دل میں ایک حصہ (گوشہ) ہے جس میں ابتک کوئی دوسرا نہیں اترا پھر ام سلمہ سے نکاح کے بعد آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ وہ گوشہ کہاں گیا تو آپ نے سکوت فرمایا۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ نے ام سلمہ سے نکاح کیا تو مجھے بڑا صدمہ اور تکلیف ہوئی کیونکہ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ وہ بے حد حسین و جمیل ہیں۔ آخر کار میں نے حسن تدبیر سے ان کو خوب غور سے دیکھا تو خدا کی قسم میں نے انھیں اس سے زیادہ حسین پایا جتنا بیان کیا گیا تھا۔ میں نے اسکے بعد حضرت حفصہ سے بیان کیا کہ حضرت ام سلمہ تو حقیقت میں بے حد حسین ہیں۔ پھر انہوں نے بھی دیکھا تو کہا کہ نہیں وہ تو ایسی حسین

نہیں جتنا تم کہتی ہو - ہاں عام طور پر جیسے لوگ حسین ہوتے ہیں اس طرح کا حُسن ضرور ہے -

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ حضرت حفصہ کے اس کہنے کے بعد اب جو میں نے دوبارہ اُمّ سلمہ کو دیکھا تو واقعی اُن میں مجھے ویسا حُسن نظر نہیں آیا جیسا پہلے نظر آیا تھا - دراصل مجھے سوت کا صدمہ تھا اور میں نے چونکہ پہلے اسی صدمہ کی حالت میں انھیں دیکھا تھا تو وہ مجھے بے حد خوبصورت معلوم ہوئیں -

اُمّ سلمہ کی عمر وقتِ وفات ابن سعد کے نزدیک بھی ۸۴ سال تھی -

(اصابہ بحث الکُنیٰ ج ۴ ص ۴۳۹ پر ہے: اُمّ سلمہ نے اپنے پہلے شوہر کے ساتھ (اسلام لانے کے بعد) حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی پھر وہاں دورانِ قیام میں سلمہ پیدا ہوا اسکے بعد یہ لوگ مکّہ واپس آگئے - یہاں آنے کے بعد انھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں عُمر، دُرّہ اور زینب کی ولادت ہوئی - یہ ابن اسحاق کا قول ہے -

اُمّ سلمہ نے تمام عورتوں میں سب سے پیشتر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اس لئے یہ پہلی مہاجرہ تھیں اور بعض کا قول ہے کہ پہلی مہاجرہ لیلیٰ زوجۂ عامر بن ربیعہ ہیں —— اُمّ سلمہ بڑی عقلمند اور صائبُ الرّائے تھیں - حُدیبیہ کی صُلح کے وقت انھوں نے رسولؐ اللہ کو جو رائے دی تھی اُس سے اُنکی عقل اور اِصابتِ رائے کا اندازہ ہوتا ہے - حضرت اُمّ سلمہ سے ۳۷۸ احادیث منقول ہیں -

---

ثمراتُ الاَعْوَاد ج اوّل ص ۵۸-۵۹ پر خطیب الھاشمی لکھتے ہیں: جب امام حسین نے مدینہ سے روانگی کا ارادہ کیا تو اپنی تمام اولاد، سب بھائیوں، اور اُن کی اولاد، اپنے چچازاد بھائیوں، اپنے غلاموں اور کنیزوں کو جمع کیا اور حکم دیا کہ دوسو پچاس ۲۵۰ اونٹ اور گھوڑے حاضر کئے جائیں - جب سواریاں لائی گئیں تو آپ نے فرمایا کہ اِن پر سامان رکھا جائے اور وہ تمام چیزیں رکھی جائیں جن کی راستہ میں اور اس کے بعد ضرورت ہو سکتی ہے یعنی مختلف قسم کے برتن اور خیمے اور لباس وغیرہ - پھر حکم دیا کہ ان میں سے پچاس ناقوں پر ہَودَج (عماری وکجاوہ) رکھے جائیں تاکہ اُن میں خواتینِ خاندان اور بچے اور کنیزیں سفر کرنے کے لئے بیٹھیں - اس کے بعد وہ تمام ہاشمی مرد جو آپ کے ہمراہِ رکاب ہونے کا ارادہ رکھتے تھے اپنے اپنے گھوڑے

لے کر آ گئے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو امام حسینؑ نے حکم دیا کہ رسولؐ اللہ کی سواری کا گھوڑا لایا جائے۔ اس گھوڑے کا نام مُرتَجِز * تھا یہ وہ گھوڑا تھا جس کو سرورِ کائنات نے مدینہ میں چاندی کے دس سکّوں کے عوض خریدا تھا او بعض نے لکھا ہے کہ چار ہزار درہم کے عوض خریدا تھا اور پہلی مرتبہ جنگ اُحُد میں حضورؐ اس گھوڑے پر سوار ہوئے تھے۔ یہ بہترین گھوڑا تھا جیسا کہ اَلمعارِف میں علامہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے۔ پھر جب آنحضرتؐ کی وفات ہو گئی تو یہ حضرت امیرالمؤمنینؑ کی سواری میں رہا اور آپ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر صِفّین میں جنگ کی تھی جیسا کہ نَصر بن مُزاحم نے کتاب صِفّین میں تحریر کیا ہے۔ امیرالمؤمنینؑ کی شہادت کے بعد یہ گھوڑا امام حسینؑ کی سواری میں رہا۔ چنانچہ میدان کربلا میں یہ آپ کے ساتھ تھا۔

ایک موقع پر جب آپ نے دشمنوں کی فوج سے خطاب فرمایا تو آپ اسی گھوڑے پر سوار تھے اور اثنائے خطاب میں فرما رہے تھے کہ اے قوم میں تجھ سے اللہ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں: کیا تجھے اس کا علم ہے کہ یہ گھوڑا جس پر اس وقت میں سوار ہوں رسول اللہ کی سواری کا گھوڑا ہے۔ سب لوگوں نے بلند آواز سے جواب دیا کہ ہاں ہاں ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ گھوڑا رسولؐ اللہ کی سواری کا ہے۔

(بحوالہ سفینۃ البحار ج اوّل صہ ۵۱۱) بحار الانوار جلد ۶ صہ ۱۲۸ پر ہے: رسولؐ اللہ نے یہ گھوڑا ابنی مُرّہ کے ایک اعرابی سے خریدا تھا پھر اُس نے اس خرید و فروخت کا انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے یہ گھوڑا رسولؐ اللہ کے ہاتھ فروخت نہیں کیا ہے۔ اس پر خُزیمہ بن ثابت انصاری نے اس معاملۂ بیع پر گواہی دی۔ یہ گھوڑا * سفید رنگ کا تھا۔

---

* اب ہم اس فٹ نوٹ میں اس گھوڑے کے متعلق وہ تمام تفصیلات یکجا لکھتے ہیں جو ہم نے اپنی قلمی کاپیوں کی مختلف جلدوں میں الگ الگ لکھی ہیں تاکہ ناظرین کو سہولت ہو اور ایک ہی وقت میں انھیں وہ تمام باتیں معلوم ہو جائیں جو اس کتاب کی مختلف جلدوں میں جا بجا متعدد واقعات کے ذیل میں لکھی گئی ہیں۔ یہ واقعات ہماری اس کتاب "شہادتِ کبریٰ" کی جن قلمی جلدوں میں پھیلے ہوئے ہیں اُن جلدوں اور اُن کے صفحات کے نمبر درج ذیل ہیں: جلد ۴ صہ ۸۹۔ جلد ۵ کے صفحات ۹/۷، ۱۵، ۱۶، ۴۷، ۷۶، ۱۲۰، ۱۵۰، ۱۵۴، ۱۶۴، ۱۸۷، ۱۹۱، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۳،

۲۰۴، ۲۱۰ —

جلد ⑩ ۹۱/۹۶، ۱۰۶، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۸۰، ۲۲۹ —

جلد ⑪ صـ ۱۱، ۱۲ — نوٹ بک صـ ۱، ۲ —

اِس فہرست کے بعد اب اُن اندراجات کو یہاں حوالۂ جلد و صفحات کے ساتھ یکجا تحریر کیا جاتا ہے:۔

جلد ۲ صـ ۸۹ میں جو کچھ لکھا گیا تھا اسے یہاں ابھی نقل کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد جلد ④ کے اندراجات نقل کیے جاتے ہیں:۔

صفحہ ۶/۹ امام عالی مقام خیمۂ اقدس میں بہنوں اور بیٹیوں اور بیمار فرزند کو رخصت کرنے کے لیئے تشریف لے گئے۔ ابھی عورتیں اور بچے رو رہے تھے اور امام سب کو تسلّی دے رہے تھے کہ میدان سے کسی نے آواز دی "یا حسین جَبُنْتَ عَنِ الحرب" کیا جنگ سے ڈر گئے اور عورتوں کے خیمے میں پناہ لینے کے لیئے بیٹھ گئے۔ یہ سننا تھا کہ آپ نے پھر میدانِ کارزار کا رخ کیا۔ ابھی ذوالجناح نے چند قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ پشت کی طرف سے ایک بچی کی آواز آئی "لِیْ اِلَیْکَ حَاجَۃٌ اِلْتَفِتْ" بابا! بابا! ذرا اِدھر مڑ کر ایک نظر دیکھ لیجئے۔ میری ایک خواہش رہ گئی ہے اس کو بھی پورا کر دیجئے۔ امام حسین نے پلٹ کر دیکھا تو سکینہ دوڑتی ہوئی چلی آ رہی ہیں — فرمایا "یا بُنَیَّۃِ ما حاجتکِ؟ اے جانِ پدر تیری کیا خواہش ہے۔ مجھے جلدی بتا دے کہ اُسے بھی پورا کر دوں" قالت اَبَہٗ! حاجتی ان تنزل مِنْ علیٰ ظہر جوادِک اِلَی الارض" عرض کی بابا! میری خواہش فقط اتنی ہے کہ آپ ایک مرتبہ پھر گھوڑے پر سے زمین پر اتر آئیے۔ امام گھوڑے سے اترے سکینہ نے باپ سے اپنی حاجت بیان کی اور کہا بابا! اُرِیْدُ اَنْ اُوَدِّعَکَ وَدَاعَ الْیَتَامیٰ، میں چاہتی ہوں کہ آپ کو اس طرح رخصت کروں جیسے وہ بچے اپنے باپ کو رخصت کرتے ہیں جن کو اپنے یتیم ہو جانے کا یقین ہو چکا ہو۔ حسین گھوڑے سے اتر کر زمین پر بیٹھ گئے تو بیٹی نے باپ کے گلے میں باہیں ڈال کر رونا شروع کر دیا۔ امام نے بیٹی کو کلیجہ سے لگا لیا اور فرمایا:۔ سکینہ! اے باپ کی روح و جان! تجھے میرے بعد بہت رونا پڑے گا اور جب میں مر جاؤنگا تو تجھ پر تیرے آنسو بہت بہیں گے۔ اس لیئے بیٹی جب تک میں زندہ ہوں اُس وقت تک رو رو کر میری رگِ دل کو نہ توڑ۔ ہاں جب میں شہید ہو جاؤں تو اُس وقت

دل کھول کر رو لینا۔ سکینہ تجھ سے بڑھ کر کسے میری لاش پر رونے کا حق ہوگا۔

پھر امام عالی مقام نے یہ اشعار پڑھے جنکا حاصل وہی ہے جو ہم نے بیان کیا :-

لَا تُحْرِقِي قَلْبِي بِدَمْعِكِ حَسْرَةً - مَادَامَ مِنِّي الرُّوحُ فِي جُثْمَانِي
فَاِذَا قُتِلْتُ فَاَنْتِ اَوْلٰى بِالَّذِي - تَبْكِينَهُ يَا خِيَرَةَ النِّسْوَانِ

قَالَ الرَّاوِي وَاَقْبَلَتْ اِلَيْهِ اُخْتُهُ الْحَوْرَاءُ زَيْنَبُ - راوی بیان کرتا ہے کہ اُسی وقت امام حسین کی بہن حضرت زینب خیمہ سے باہر اپنے بھائی کے پاس حاضر ہوگئیں اور عرض کی بھیّا! اپنے سینہ پر سے اور گلے سے پیراہن ہٹا دیجئے - امام نے بہن کی فرمائش پوری کردی - گلے اور سینہ پر سے پیراہن ہٹا دیا - فَشَمَّتْهُ فِي نَحْرِهِ وَقَبَّلَتْهُ فِي صَدْرِهِ "

اِسکے بعد حضرت زینب نے بھائی کے گلوئے مبارک کو جھک کر بوسہ دیا اور سینہ کو بھی چوما - ثُمَّ حَوَّلَتْ وَجْهَهَا نَحْوَ الْمَدِيْنَةِ وَصَاحَتْ يَا اُمَّاهُ قَدِ اسْتَرْجَعْتِ الْاَمَانَةَ - پھر زینب نے رخ کیا مدینہ کی طرف اور آواز دی اے مادر گرامی حضرت فاطمہ زہرا! آپ نے اپنی امانت واپس پالی، میں نے حکم کی تعمیل کردی - امام نے پوچھا - زینب! کونسی امانت! مجھے بھی تو بتاؤ! عرض کی: اے میرے بھائی! جب میری ماں سیدۂ عالم کا وقتِ وفات نزدیک آیا تھا تو انھوں نے مجھ کو اپنے پاس بلایا تھا اور حکم دیا تھا —— زینب بیٹی! اپنے گلے سے پیراہن ہٹا دو - جب میں نے حکم کی تعمیل کی تو میری ماں نے میرے گلے کے بوسے لیئے اور فرمانے لگیں - زینب! یہ طریقہ یاد رکھنا - جب کربلا میں تمہارا بھائی میدان شہادت کی طرف جانے لگے تو میری طرف سے میرے حسین کے گلے کو بوسہ دینا اور سینہ کو بھی چومنا اس لیئے کہ اے زینب! تمہارے بھائی کے گلے پر خنجر چلایا جائیگا اور سینے پر گھوڑے دوڑائے جائیں گے - زینب! یہ وصیت میری تمہارے پاس امانت ہے اسے بھولنا نہیں -

راوی بیان کرتا ہے کہ ہم نے اسی وقت کسی کی آواز سنی جو آسمان و زمین کے درمیان فریاد کر رہا تھا - ہائے حسین! ہائے میرا فرزند حسین!

اس جگہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سن کر امام عالی مقام نے بھی اپنی بہن سے فرمایا کہ زینب بازو پر سے چادر ہٹا دو تاکہ میں بھی ان بازوؤں کے بوسے لوں جن میں اشقیائے امت بڑی بے دردی اور ظلم سے رسّیاں باندھیں گے اور اے زینب

تمکو اور تمہارے ساتھ سب عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر کوفہ اور شام کے بازاروں اور درباروں میں پھرائیں گے۔

پھر امام حسین اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر شیر کی طرح میدان جنگ کی طرف بڑھے۔ یہ کہتے ہوئے: اَلْمَوْتُ اَوْلٰی مِنْ رُکُوْبِ الْعَارِ۔ وَالْعَارُ اَوْلٰی مِنْ دُخُوْلِ النَّار

(ترجمہ منظوم) موت بہتر ہے کہیں دنیا کے ننگ و عار سے ؛ پر یہ ننگ و عار بہتر ہے سزائے نار سے!

(ج ۷ صفحہ ۱۵/۱۶) :- جب عصر عاشورا کو امام حسین ابو الحتوف جعفی کے زہریلے تیر سے زخمی ہو کر ذوالجناح کی پشت سے زمین پر گرے تو گھوڑے نے امام حسین کے گرد گھومنا شروع کر دیا اور بار بار اپنی لگام کو دانتوں سے پکڑ کر امام کے ہاتھوں پر رکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ آقا اٹھ کر پھر پہلے کی طرح سوار ہو جائیں لیکن جب اُس نے دیکھا کہ زخمی امام میں اٹھنے کی اب طاقت باقی نہیں رہی تو — خَضَّبَ نَاصِیَتَہٗ بِدَمٍ" گھوڑے نے اپنی پیشانی کو خونِ حسین سے رنگین کر لیا — فرسِ رسولؐ جانتا تھا کہ بہنوں اور بیٹیوں کو خبر نہ ہوگی کہ امام شہید ہو گئے — کوئی دوسرا موجود نہیں جو خیموں میں شہادتِ امام کی سُنانی لیجائے، اسلئے میں خود جا کر نبی زادیوں کو خبر کر دوں کہ امام شہید ہو گئے۔ گھوڑے نے اپنی پیشانی کو خونِ امامؑ سے رنگا اور خیمے کی طرف چلا۔ اِس حال میں کہ اُس کی باگیں کٹی ہوئی تھیں، زین ڈھلا ہوا، پیشانی سے خونِ حسین کے قطرے ٹپکتے ہوئے۔ بار بار حمحمہ اور فریاد کر رہا تھا اور اپنی آواز میں کہتا تھا۔ اَلظَّلِیْمَۃُ اَلظَّلِیْمَۃُ! اَلْھَضِیْمَۃُ! اَلْھَضِیْمَۃُ! مِنْ اُمَّۃٍ قَتَلَتِ ابْنَ بِنْتِ نَبِیِّھَا

یہ ظلم وستم!! اِس اُمت کا کہ اُس نے اپنے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند کو شہید کر ڈالا۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ جب سکینہ نے خالی زین کو دیکھا ہوگا تو دل پر کیا بن گئی ہوگی — سیدانیاں ننگے پیر اور ننگے سر دوڑیں۔ چھوٹی بیٹی گھوڑے کے سُموں پر گر گئی اور آواز دی ہائے میرے بابا! میں یتیم ہو گئی —۔ آپ کدھر چلے گئے؟ اے ذوالجناح تو میرے بابا کو کہاں چھوڑ آیا! مجھے بھی وہیں لے چل جہاں میرے بابا ہیں!

ہاشمی سیدانیوں نے گھوڑے کے گرد گھومنا شروع کیا اور چیخ چیخ کر رونے لگیں۔

(جلد ۷، صہ ۶۷) : جب امام حسین زخموں سے چور ہو گئے اور ساہی کے کانٹوں کی طرح تیر آپ کے جسم اقدس میں پیوست ہو گئے۔ اِسی عالم میں صَالح بن وَھب مُزَنِی نے

آپ کی کمر پر نیزے کا وار کیا جس کے اثر سے آپ داہنے رخسار کے بھل زمین پر تشریف لائے۔

(جلد ۷ صہ ۷۶) : علامہ ابن شہر آشوب رح نے لکھا ہے کہ ابو مخنف - جلودی کے حوالہ سے بیان کرتا ہے کہ جب امام حسین زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر چکے تو آپ کا گھوڑا (ذوالجناح) آپ کی حفاظت کرنے لگا اور جو سوار بھی قریب آتا تھا وہ اچھل کر اس پر حملہ کرتا تھا اور اسے زین سے گرا کر اپنی ٹاپوں سے روند ڈالتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے چالیس سواروں کو قتل کر ڈالا۔ پھر وہ امام حسین کے قریب آیا اور - تمرّغ فی دمِ الحسین - امام حسین کے خون میں لوٹنے لگا پھر اٹھ کر خیام حسینی کی طرف روانہ ہو گیا۔ چیختا جاتا تھا اور اپنے پیروں کو زمین پر پٹخ رہا تھا۔

(ج ۷ صہ ۱۲۰) :- میدانِ جنگ میں آکر امام حسین نے رَجز پڑھی اور اس کے بعد گھوڑے کو اتر دی ساتھ ہی ذوالفقار کو نیام سے باہر نکالا - امام عالی مقام کی سواری کے کربلا میں دو جانور تھے (۱) "مُرتَجِز" گھوڑا جسے ذوالجناح کہتے ہیں (۲) "مُسَنّات" ناقہ ـــ مورخوں نے ذوالجناح نامی کوئی گھوڑا نہیں لکھا ہے - ذوالجناح لقب ہے شِمر بن لُهَیعۃ حِمیَری کا (القاموس المحیط ج اوّل صہ ۲۲۷ - ناسخ ج ۶ صہ ۲۹۸) اور اگر کسی دوسرے کے یا خود جناب رسالتمآبؐ کے کسی گھوڑے کا نام "جَنَاح" تھا بھی تو ذوالجناح کی ترکیب لفظی کا وجود کسی گھوڑے کے لئے کہیں نہیں ملتا ـــ اس کے علاوہ "جَناح" نام کے گھوڑے حسبِ ذیل اشخاص کی طرف منسوب تھے (۱) حَوفزان بن شَریک (۲) بنو سُلَیم (۳) محمد بن مَسلَمۃ الانصاری (۴) عُقبہ بن ابی مُعیط (القاموس المحیط ج اوّل صہ ۲۲۶) (۵) جَناح نامی ایک گھوڑا حضرت رسالتمآبؐ کا بھی تھا جیسا کہ مجمع البحرین (لغت) میں اس کا ذکر کیا گیا ہے - کتابِ مذکور میں صہ ۱۶۶ پر (جنح) کے ذیل میں لکھا ہے "وَالجَنَاحُ اِسمُ فَرَسٍ لِرَسُولِ اللّٰہ" ـــ

ـــ اب "مُرتَجِز" کو شاید اس لئے ذوالجناح کہا جانے لگا ہو کہ یہ بہت تیز رفتار ہو گا اور اس کی رفتار کی تیزی اور سبکی طائروں کی پرواز سے بہت مشابہ ہو گی۔

(ج ۷ صہ ۱۵۰) :- جب امام عالی مقام کی شہادت ہو گئی اور سرِ مبارک جدا ہو گیا تو آپ کا گھوڑا جو اسپِ رسول اللہؐ تھا اور اس کا نام "مُرتَجِز" تھا اس نے چیخنا شروع

کر دیا - عمر ابن سعد سردار لشکرِ یزید نے فوج والوں سے کہا کہ یہ رسولؐ اللہ کی سواری کا گھوڑا ہے اِسے میرے پاس لے آؤ - یہ سن کر لوگ دوڑے اور گھوڑے کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور گرفتار کرنا چاہا - گھوڑے نے دانتوں اور ٹاپوں سے سپاہیوں پر حملہ کر دیا اور صاحبِ "عوالم" کی روایت کے مطابق چالیس سپاہی ہلاک کر دیئے۔

یہ دیکھ کر عمر ابن سعد نے آواز دی :- اِس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور دیکھتے رہو کہ یہ کیا کرتا ہے - لوگ اس کے قریب سے ہٹ گئے - جب سب لوگ ہٹ گئے تو گھوڑا امام کے قریب گیا اور اپنے سر اور چہرے کو خونِ حسین میں رنگین کیا پھر خیمے کا رخ کیا اور زور سے چیختا ہوا روانہ ہوا اور اپنے اگلے دونوں پیروں سے خاک اڑاتا جاتا تھا۔ اور اپنے سر کو زمین پر پٹختا تھا یہاں تک کہ مر گیا - دوسری روایت میں ہے کہ فرات میں ڈوب کر مر گیا - یہ تو بعد کا ذکر ہے - لیکن اس وقت خیمہ پر گھوڑا اسی حالت میں پہنچا - گھوڑے کا یہ حال دیکھ کر سیدانیوں میں کہرام مچ گیا - زین جھکا ہوا ، باگیں کٹی ہوئی ، منہ خونِ حسین سے رنگیں - سکینہ دوڑیں اور فریاد کی : واقتیلاہ ! وا اَبَتاہ ! واحُسیناہ ! واحُسیناہ ! واغُربتاہ ! وا بُعْدُ سَفَراہ ! وا طولُ کُربتاہ ! ھذا الحسین بالعَراء مَسْلُوبُ العِمَامَۃِ وَالرِّدَاءِ !

—— ہائے میرے شہید ! ہائے میرے بابا ! ہائے حسین ! ہائے حسین - ہائے ہماری غربت و بیکسی ! ہائے ہماری مسافرت و لاوارثی - ہائے ہماری مصیبت ! ہائے میرے بابا حسین کی لاش صحرا میں پڑی ہوئی ہے ! ہائے میرے بابا کا عمامہ اور لباس تک لوٹ لیا گیا ——

عبد اللہ بن قیس کہتا ہے کہ میں نے گھوڑے کو دیکھا کہ وہ خیمۂ حسینی سے واپس ہو کر نہرِ فرات کی طرف چلا گیا اور وہاں پہنچ کر فرات میں اپنے کو غرق کر دیا - بتایا گیا ہے کہ اب وہ حضرت امام زمانہ علیہ السّلام کے ظہور کے وقت ظاہر ہو گا - (منقول از ثمرات الاعواد ج اوّل صـ ۲۰۷ — ناسخ جلد ۶ صـ $\frac{۳۰۷}{۳۰۸}$)

(ج ۷ صـ ۱۵۴) :- امام زمانہ علیہ السّلام کے ارشادات کے تذکرہ میں نقرہ نمبر ۹ میں یہ ارشاد ہوا ہے : **"فَلَمَّا رَأَیْنَ النِّسَاءُ جَوَادَکَ مَخْزِیًّا وَنَظَرْنَ سَرْجَکَ عَلَیْہِ مَلْوِیًّا بَرَزْنَ مِنَ الْخُدُوْرِ نَاشِرَاتِ الشُّعُوْرِ"**

اے میرے جدِ مظلوم ! جب آپ کے اہلِ حرم کی نظر پڑی آپ کے گھوڑے پر جسکی

لشکر یزید نے بڑی توہین کی تھی اور ان سیدانیوں نے دیکھا کہ زین ایک طرف جھکا ہوا ہے (اور اُس کی پشت سوار سے خالی ہو چکی ہے) تو یہ حال دیکھ کر وہ سب کی سب اپنے سر کے بال کھولے ہوئے خیموں سے باہر نکل آئیں ---

(ج ۷ صہ ۱۶۴):--- مجمع البحرین (لغت) کے صفحہ ۳۰۹ پر لکھا ہے :-

(ترجمہ) رسول اللہؐ کے پاس بہت سے گھوڑے تھے (۱) "سَکب" اس کو آپ نے بنو فزارہ کے ایک شخص سے خریدا تھا۔ یہ مشکی رنگ کا تھا۔ اس کا اصلی نام "ضرس" تھا۔ دوسرا نام "سَکب" آنحضرتؐ کا رکھا ہوا ہے۔

(۲) "مُرتَجِز" یہ نام اس کا اس وجہ سے تھا کہ اس کی آواز بہت حسین و جمیل تھی (۳) "لِزاز" سُہیلی نے کہا ہے کہ اس گھوڑے کو "لِزاز" اس لئے کہتے تھے کہ اس سے دوڑ میں کوئی دوسرا گھوڑا آگے نہیں نکل سکتا تھا --- قاموس ج ۲ صہ ۱۹۷ پر ہے کہ "لِزاز" کو مُقوقس نے مَارِیہ قِبطیہؓ کے ساتھ رسول اللہؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا تھا۔

(۴/۵) ظَرب اور ظَرِب "قاموس المحیط نے دونوں نام الگ لکھے ہیں --- اور بعض نے "ظِرز" لکھا ہے۔ (۶) لَحِیف یا لُحَیف" گویا وہ دوڑنے کی حالت میں زمین پر لحاف کی طرح چھا جاتا تھا۔ یہ گھوڑا ربیعہ بن ابی البراء نے حضورؐ کو ہدیۃً دیا تھا۔ (۷) "الوَرد" اسے حضورؐ کی خدمت میں تمیم الدّاری نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا --- ان سات گھوڑوں کو تمام محدثین نے لکھا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کے پاس اور بھی گھوڑے تھے جن کے نام یہ تھے:- اَبلَق، ذوالعِقال، ذُوالّلِمّۃ، مُرتَجِل، سِرحان، یَعسُوب، بحر، اَدہَم۔ وغیرہ۔

اس کے بعد اب علامہ ابن شہر آشوبؒ کی تحقیق مناقب ج اوّل ص ۱۱۶ پر دیکھئے ---- افراس آنحضرت رسالتمآبؐ کے گھوڑے یہ تھے:- (۱) "اَلوَرد" یہ تمیم داری کا ہدیہ تھا (۲) "ظَرب" اس کا یہ نام اس کی آواز کے حسن کی وجہ سے تھا اس کو "ظَرب" بھی کہا جاتا تھا۔ (۳) "لِزاز" مقوقس نے بطور ہدیہ دیا تھا (۴) "لحیف" ربیعہ بن ابی البراء کا ہدیہ۔ اس کی گردن کے بال یعنی ایال بہت گھنے اور زیادہ تھے ۔ درست قول یہ ہے کہ یہ گھوڑا وہی تھا جس کا نام "الوَرد" تھا۔ رسول اللہؐ نے اسی کا نام "لحیف" رکھدیا

تھا (۵) "مُرتجز" یہ گھوڑا حضورؐ نے ایک اعرابی سے خریدا تھا اور خُزیمہ ذوالشہادتین نے اِس بیع و شِراء کی گواہی دی تھی جب اُس اعرابی نے بعد میں اس سے انکار کر دیا تھا (۶) "سَکْب" یہ پہلا گھوڑا تھا جس پر سوار ہو کر رسول اللہ نے جنگ میں قیادت فرمائی اور وہ جنگ جس میں پہلی مرتبہ اس پہ سواری کی "اُحُد" تھی — بنو فزارہ کے ایک آدمی سے آپ نے اسے خریدا تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس شخص کا نام "بُہَیدۃُ المَلّاح" تھا (۷) "یعسوب" (۸) "سَبْحَہ" (۹) ذوالعُقاب (۱۰) مُلاوِح اور بعض کے نزدیک مُراوِح۔

ایک گھوڑا "جَنَاح" نام کا بھی تھا جسے "مجمع البحرین" میں لکھا گیا ہے مُرتجز کا ذکر مجمع البحرین کے صفحہ ۲۹۷ پر ہے۔

"سَبحَہ" نام کا گھوڑا آنحضرتؐ کے پاس بھی تھا اور حضرت جعفر بن ابی طالب کے پاس بھی تھا (دیکھو القاموس المحیط ج اوّل صہ ۲۳۴)

"مُرتجز" کو جس اعرابی سے آنحضرتؐ نے خریدا تھا اس کا نام سواء بن الحرث بن ظالم تھا (قاموس جلد ۲ صہ ۱۸۲)

سفینۃ البحار ج اول صہ ۵۱۱ میں ہے "مُرتجز" اس گھوڑے کا نام ہے جس کو رسولؐ اللہ نے ایک بدوی عرب سے خریدا تھا جو بنو مُرّہ میں سے تھا۔ پھر اس نے اس بیع سے انکار کر دیا تو خُزیمہ بن ثابت نے گواہی دی کہ یہ جھوٹا ہے۔ فروخت کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے۔ یہ سفید رنگ کا گھوڑا تھا۔ یہ رسولؐ اللہ کی سواری کا گھوڑا تھا۔ اور صِفّین کی لڑائی میں حضرت امیر المؤمنین کی سواری میں رہا۔ علامہ ابن طاؤسؒ نے "اللّھوف" میں تحریر کیا ہے کہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام نے اپنے گھوڑے مُرتجز کو طلب فرمایا۔ اور اس پہ سوار ہو کر تعبیۂ لشکر کیا۔

(ج ۷ ۱۸۱/۱۹۵) اسی سلسلہ میں "فرس" کی بحث میں حضرت سلیمان بن داؤد کا بھی ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مزید دلچسپی کا باعث ہو:— (سورۂ صٓ پ ۲۳) میں حضرت سلیمان کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے: اِذْ عُرِضَ عَلَیْہِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ ○ فَقَالَ اِنِّیْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ○ رُدُّوْھَا عَلَیَّ ط فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ○ (آیت نمبر ۳۱/۳۳)

(ترجمہ) (اتفاقاً ایک مرتبہ سہ پہر کو) خاصے کے اصیل گھوڑے سلیمان کے سامنے
پیش کیے گئے کہ اُن کے دیکھنے میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ نوافل میں تاخیر ہو گئی پھر جب
یاد آیا تو بولے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر مال کی محبت کو ترجیح دی یہاں تک کہ
آفتاب غروب ہو گیا۔ اُس وقت سلیمان نے کہا کہ اچھا ان گھوڑوں کو واپس لاؤ (اور
جب وہ واپس آ گئے) تو (تاخیر نوافل کے کفّارے میں) گھوڑوں کی ٹانگوں اور گردنوں
پر ہاتھ پھیرنے (کاٹنے) لگے۔ "جَوَاد" تیز دوڑنے والے گھوڑے کو کہتے ہیں اور "جِیَاد"
اس کی جمع ہے۔ "صافِنات" اُن گھوڑوں کو کہتے ہیں جو بندھے رہنے کی حالت میں
تین ٹانگوں پر کھڑے رہتے ہیں اور ایک سُم کا صرف سرا زمین سے لگا رہتا ہے۔ یہ اصیل
گھوڑوں کی علامت سمجھی جاتی ہے

تفسیری تشریح

علامہ محسن فیضؒ تفسیر صافی میں لکھتے ہیں "اذ عُرِضَ علیہ بالعَشِیِّ"
یعنی بعد ظہر۔ فَقَالَ اِنّی اَحْبَبْتُ الخ۔ یہ ظہر کے وقت کا واقعہ ہے جب
کچھ خاص گھوڑے حضرت سلیمان کے سامنے پیش کیے گئے تھے۔ صَافِنٌ اُس گھوڑے کو
کہتے ہیں جو اپنی اگلی یا پچھلی ایک ٹانگ کے کنارے پر اور بقیہ تین ٹانگوں پر کھڑا ہوتا ہے
جبکہ وہ بندھا ہو اور یہ گھوڑے کی بہت اچھی صفت سمجھی جاتی ہے۔

"جیاد" جواد کی جمع ہے اور یہ اس گھوڑے کو کہا جاتا ہے جو تیز رفتار ہو اور بعض کے
نزدیک "جیّد" کی جمع ہے — بعض کا خیال ہے کہ "اَحْبَبْتُ" کا تعدیہ اصل میں تو علیٰ
کے ساتھ آتا ہے یعنی اس جگہ یوں ہونا چاہیے تھا کہ "احببتُ حُبَّ الخَیرِ عَلیٰ ذِکرِ رَبّی"۔ مگر یہاں
"عَنْ ذِکرِ رَبّی" ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہاں اَحْبَبْتُ قائم مقام "اَنَبْتُ" کے ہے
جس کا تعدیہ "عن" کے ساتھ لایا جاتا ہے اور بعض مفسروں کا خیال ہے کہ "اَحْبَبْتُ" "تقاعدتُ"
کے ہم معنی ہے۔ "خَیر" سے مراد "مالِ کثیر" ہے اور یہاں مراد وہ گھوڑے ہیں جنہوں نے
حضرت سلیمان کو ذکر الٰہی سے غافل کر دیا تھا۔ حدیث میں آیا ہے کہ گھوڑے کی پیشانی سے
نیکی وابستہ ہے بہرطور آپ اس قدر مشغول ہو گئے کہ آفتاب غروب ہو گیا آخر جب اِس
غفلت کا خیال آیا تو آپ نے ان گھوڑوں کو اپنے سامنے بلوایا اور ان کی ٹانگوں اور گردنوں
کو اس رنج میں کاٹنا شروع کر دیا۔ کتاب "فقیہ" میں حضرت جعفر صادق سے منقول
ہے کہ ایک روز حضرت سلیمان کے سامنے شام کے وقت کچھ گھوڑے پیش کیے گئے تو وہ

ان کے دیکھنے میں اس قدر منہمک ہوئے کہ سورج غروب ہوگیا۔ اس وقت انھوں نے فرشتوں سے کہا کہ سورج کو میرے لیے پلٹا دو تاکہ میں نماز پڑھ لوں (وقت کے اندر) فرشتوں نے فوراً اسے پلٹا دیا۔ اس کے بعد سلیمان کھڑے ہو گئے۔

—— اپنی پنڈلیوں اور گردن پر مسح کیا —— اور اپنے اصحاب میں سب کو یہی حکم دیا پھر سلیمان اور اُن کے اصحاب نے نماز ادا کی۔ جب فارغ ہو چکے تو سورج غروب ہوگیا اور ستارے نکل آئے —— کتاب "المجمع" میں امیرالمومنین سے روایت ہے کہ جس ذکرِ الٰہی کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد نمازِ عصر ہے۔ پھر کہا ہے کہ ہمارے مفسروں نے بہت سی روایتیں ایسی بھی نقل کی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ اوّلِ وقتِ نماز کی فضیلت کا وقت چلا گیا تھا — الکافی اور الفقیہ میں امام محمد باقر سے روایت ہے — جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ "إِنَّ الصَّلوٰةَ کانت علی المؤمنین کِتَابًا مَّوْقُوتًا" کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا کہ "مفروضا"، مراد ہے اور نماز کی فرضیت کسی وقت کے ساتھ اس طرح مخصوص نہیں ہے کہ اُس وقت کے فوت ہو جانے کے بعد پھر نماز نہ پڑھی جا سکے (اگرچہ اوقاتِ معیّنہ میں جان بوجھ کر نہ پڑھنا باعثِ عِقاب اور گناہ ہے) مگر وقتِ مفروضہ کے فوت ہو جانے کے بعد بھی بہ نیّتِ قضا نماز ادا کی جا سکتی ہے ورنہ اگر قضا ممکن نہ ہو سکتی ہو تو اس نماز کے فوت ہو جانے کے بعد سلیمان ہلاک ہو جاتے حالانکہ جب اُن کی غفلت دور ہو گئی، تو انھوں نے فوراً نماز ادا کر لی۔

"العِلَل" میں قریب قریب یہی لکھا ہے۔ المجمع میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ میں نے امیرالمؤمنین سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ خود تم کو اے ابن عباس اس کی کیا تفسیر معلوم ہوئی ہے۔ میں نے عرض کی کہ مجھے کعب سے معلوم ہوا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت سلیمان گھوڑوں کے دیکھنے میں مشغول ہو گئے تھے یہاں تک کہ نماز کا وقت گذر گیا تو آپ نے فرمایا کہ گھوڑوں کو میرے پاس لاؤ — یہ چودہ گھوڑے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے حکم دیا کہ ان کی ٹانگیں اور گردنیں کاٹ دی جائیں چنانچہ ان سب گھوڑوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس کی وجہ سے اللہ نے چودہ روز تک ان کی سلطنت کو کو سلب کر لیا تھا۔ کیونکہ انھوں نے گھوڑوں پر ظلم کیا۔ یہ سن کر اُمیرُالمؤمنینؑ نے فرمایا کہ کعب جھوٹا ہے۔ واقعہ یوں تھا کہ ایک روز حضرت سلیمان گھوڑوں کے دیکھنے میں مشغول

ہو گئے تھے کیونکہ دشمن سے جنگ کے لئے جانا تھا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو انھوں نے حکم خدا کی بنا پر فرشتوں سے کہا (وہ فرشتے جو سورج پر مقرر ہیں) کہ اُسے پلٹا دیں تو انھوں نے آفتاب کو پلٹا دیا پھر سلیمان نے نماز عصر کو اس کے وقت میں پڑھ لیا۔ خدا کے پیغمبر ظلم نہیں کیا کرتے اور نہ کسی کو ظلم کرنے کا حکم دیتے ہیں اور وہ معصوم اور مطہر ہوتے ہیں۔

قمی نے تقریباً وہی کہا ہے جو کعب نے بیان کیا۔ پھر انہوں نے حضرت سلیمان کی انگوٹھی کا قصہ بیان کیا ہے کہ وہ کھو گئی تھی اور چالیس روز تک نہیں ملی اس لیئے کہ سلیمان نے گھوڑوں کو قتل کر دیا تھا اور اس انگوٹھی کو شیطان نے چرا لیا تھا۔ پھر جب تک وہ انگوٹھی نہ ملی، شیطان ان کے تخت پر بیٹھا رہا —— اس قسم کی روایات شان انبیاء کے قطعاً خلاف ہیں سوائے اس کے کہ ان کو بیان کرنے سے اصل مقصد کچھ اور ہو ورنہ درحقیقت ان باتوں کی کوئی اصلیت اور واقعیت نہیں ہے۔

اب ہم مولانا سید فرمان علی مرحوم کی رائے ان کے ترجمۂ قرآن ص ۷۲۰ سے نقل کرتے ہیں جس کا مطالعہ اس بحث میں مفید ہوگا:۔

حضرت سلیمان اگرچہ ایک بڑے عظیم الشان بادشاہ تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ نبی بھی تھے۔ دمشق اور نصیبین (اس لفظ کو المنجد باب الاعلام میں نصّیبین لکھا ہے) کے کافروں پہ چڑھائی اور ان سے جہاد کا ارادہ تھا —— اس کی تیاری میں آپ نے بہت عمدہ گھوڑے اپنے سامنے طلب کیئے جو کسی نے بطور تحفہ بھیجے تھے۔ آپ ان کے دیکھنے میں اس طرح مشغول ہو گئے کہ غروب آفتاب سے قبل جو دعائیں اور وظیفے پڑھا کرتے تھے وہ ترک ہو گئے اور سورج غروب ہو گیا۔ اس کا آپ کو ایسا صدمہ ہوا کہ اگرچہ یہ عمل بھی امر خیر تھا کہ جہاد کی غرض سے گھوڑے چنے جا رہے تھے مگر چونکہ یہ اپنی ذاتی شوق کی چیز تھی اس وجہ سے ان استحبابی وظیفوں کے ترک ہو جانے کے کفارے میں آپ نے ان ہی گھوڑوں کی خدا کی راہ میں قربانی کر دی اور ان کا گوشت فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا۔ اس قصہ کے متعلق دوسرے اقوال لغو اور باطل ہیں۔ یہ ایک پیغمبر پر نخواہ مخواہ کا الزام ہے جو کسی طرح عقل سلیم قبول نہیں کرتی۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ نماز عصر نہ تھی بلکہ سنتی وظائف تھے مگر ان کے

چھوٹ جانے کا بھی حضرت سلیمان کو صدمہ ہوا ــــــ

اس عبارت میں اسقدر اضافہ ممکن ہے کہ " صلوٰۃ " کے معنی دعا کے ہیں اس لیئے جہاں کہیں اس سلسلہ میں صلوٰۃ العصر کے حملہ کا ذکر حدیثوں میں آگیا ہے وہاں دعائے وقتِ عصر مراد ہے یعنی اوراد وادعیہ بوقتِ عصر ــــــ

ہم اس آیت پر اپنے طور پر دوبارہ تبصرہ کرتے ہیں تاکہ صاف طریقہ پر اس کا مطلب واضح ہو جائے ــــــ (ترجمہ) جب حضرت سلیمان کے سامنے اصیل گھوڑے ملاحظۂ خاص کے لیئے پیش کیئے گئے تو وہ انھیں دیکھنے میں مشغول ہوگئے پھر کہنے لگے کہ میں اپنے پروردگار کے ذکر سے اتنی دیر غافل رہا کہ آفتاب غروب ہوگیا - میرے پاس ان گھوڑوں کو دوبارہ لاؤ اور پھر انھوں نے ان گھوڑوں کو قتل کر ڈالا (اس کے کفارہ میں) -

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں واجب اور فرض عبادت کا ذکر مقصود نہیں ہے بلکہ حضرت سلیمان جس طرح برابر تسبیح و تہلیل میں مشغول رہا کرتے تھے اسی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اس نظام میں خلل آگیا اور اس قدر مدت تک میں ذکر خدا نہ کرسکا - حالانکہ یہ سب کچھ جہاد کی تیاری کے سلسلہ میں تھا - کوئی دنیوی شوق نہ تھا - اور یہ کام بھی " فی سبیل اللہ " کیا گیا تھا پھر بھی ذکرِ الٰہی انھیں اس قدر محبوب تھا کہ آپ اتنی غفلت کو بھی برداشت نہ کرسکے ــــــ تفسیروں میں جو روایات لکھی جاتی ہیں وہاں مقصود صرف روایتوں کو جمع کر دینا ہوتا ہے (ان روایات کو ملا کر اور جمع کر کے صحیح و درست اور مناسب مطلب کو اخذ کرنا خود پڑھنے والے اور مطالعہ کرنے والے کی عقلِ سلیم اور فکرِ مستقیم پر منحصر ہے -)

اب ہم ایک اقتباس العقد الفرید ج اوّل ص ۸۲ سے پیش کرتے ہیں ــــــ علامہ شہاب الدین احمد المعروف ابن عبد ربہ الاندلسی، مصنف کتاب لکھتے ہیں - (ترجمہ) جو عمدہ گھوڑے حضرت سلیمان کے سامنے پیش کیئے گئے تھے وہ تعداد میں ایک ہزار تھے جو انھیں حضرت داؤد کے ترکہ سے ملے تھے - جب وہ گھوڑے سلیمان کے سامنے پیش کیئے گئے تو وہ اُن کے دیکھنے میں ایسا مشغول ہوئے کہ صلوٰۃ عصر چلی گئی اور سورج غروب ہوگیا - اس کے بعد سلیمان نے ان گھوڑوں کو قتل کر ڈالا اور صرف

وہ گھوڑے بچ گئے جوان کے سامنے نہیں پیش کئے گئے تھے پھر قبیلہ " ازد " کا ایک وفد آپ کے پاس حاضر ہوا اور وہ سب آپ کے رشتہ دار تھے۔ انھوں نے عرض کی، یا نبی اللہ! ہماری منزل بہت دور ہے۔ کچھ زادِ سفر ہمیں عطا ہو تاکہ ہم اپنی منزل تک پہنچ سکیں، یہ سن کر حضرت سلیمان نے ان ہی گھوڑوں میں سے، جو بچ گئے تھے ایک گھوڑا عنایت کیا اور فرمایا کہ جب تم کسی منزل پر اترنا تو اس پر کسی جوان کو سوار کر دینا اور تم آگ سلگانے لگنا تو تمہاری آگ روشن بھی نہ ہونے پائے گی کہ وہ جوان شکار لے آئیگا اور اس کو پکا کر سیر ہو کر کھاؤ گے کیونکہ اس گھوڑے کی رفتار کے مقابلہ میں ہرن یا کسی چوپایہ کی رفتار کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ فوراً اسے پکڑ لیگا۔

پھر ایسا ہی ہوا کہ جب یہ لوگ کسی منزل پر اُترے تو فوراً انھوں نے کسی شخص کو اس گھوڑے پر سوار کر دیا اور خود آگ جلانے لگے اور اتنے میں وہ شکار لے آیا۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار تھی اور وہ بڑے تیز رفتار گھوڑے تھے ـــــ اب اُن گھوڑوں کی کچھ اور صفتیں بھی ملاحظہ کیجئے:۔

نواب صدیق حسن خاں تفسیر فتح البیان ج ۸ صہ ۱۰۹ پر لکھتے ہیں۔

(ترجمہ) بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ سو گھوڑے تھے اور بعض نے ان کی تعداد بیس ہزار بتائی ہے اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ وہ صرف بیس گھوڑے تھے۔ مگر ابراہیم تیمی یہی کہتے ہیں کہ وہ بیس ہزار گھوڑے تھے اور ان کے پر بھی تھے اور اُن سب کو حضرت سلیمان نے قتل کر دیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ سمندر سے نکلے تھے اور اُن کے پر بھی تھے۔

صاحب فتح البیان نے اس آیت کے متعلق امام رازی کے خیالات بھی نقل کیے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان کو جنگ میں جانا تھا اس لیے گھوڑوں کی ضرورت تھی ـــــ آپ بیٹھ کر گھوڑوں کی دوڑ کو ملاحظہ کرنے لگے اور کہنے لگے کہ میں تو ان سے محبت صرف خدا کے لئے کرتا ہوں (من ذکر ربی) یعنی محض یادِ خدا کے لئے ان سے الفت رکھتا ہوں دوسری کوئی غرض نہیں رکھتا۔ پھر اُن کو دوڑانے کا حکم دیا اور وہ اسقدر دور چلے گئے کہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ پھر انھیں پلٹانے کا حکم دیا۔ جب وہ واپس آ گئے تو ان کی ٹانگوں اور گردنوں کو چھونے لگے۔ اس عمل سے حضرت سلیمان کی یہ غرض تھی کہ ان گھوڑوں کی عزت بڑھائیں نیز یہ بتائیں کہ تدبیر امور سلطنت میں آپ خود بہ نفس نفیس حصّہ لیتے ہیں اور یہ بات بھی طے شدہ

تھی کہ حضرت سلیمان گھوڑوں کی اچھی اور بری صفتوں کا علم و معرفت بھی دوسرے لوگوں سے زیادہ رکھتے تھے۔

لیکن نواب صدیق حسن خان کہتے ہیں کہ یہ تفسیر سیاق و سباق اور محاورۂ عرب کے خلاف ہے۔ اس کے بعد تفسیر ابن کثیر کا ایک اقتباس بھی پیش کیا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر برحاشیہ تفسیر فتح البیان ج ۸ ص ۲۹۵):-

—— آیۂ مذکورہ کے متعلق سفیان بن سعید کہتے ہیں کہ وہ صرف بیس پردار گھوڑے تھے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:- (ترجمہ) ابوداؤد نے اپنی اسناد سے بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں: جناب رسالتمآب غزوۂ تبوک یا غزوۂ خیبر سے جب واپس تشریف لائے تو حضرت عائشہ کے گھر میں گئے۔ دیکھا کہ اُن کے گھر میں طاق پر ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔ ہوا جو چلی تو اُس پردے کا ایک گوشہ ہٹ گیا۔

حضورؐ اکرم کی نظر اُن گڑیوں پر پڑی جو اُس طاق میں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا اے عائشہ یہ کیا چیزیں ہیں؟ انھوں نے عرض کی ― یہ میری بیٹیاں ہیں۔ اسکے ساتھ ہی آنحضرتؐ نے ان گڑیوں کے درمیان ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے دو پر کپڑے کے لگے ہوئے تھے (یا کاغذ کے ٹکڑوں کے) تو فرمایا کہ اے عائشہ یہ ان گڑیوں کے بیچ میں کیا چیز ہے۔ انھوں نے عرض کی یہ گھوڑا ہے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا اس گھوڑے کے اوپر کیا ہے۔ عرض کی اس کے دو پر ہیں۔ آپ نے تعجب سے فرمایا گھوڑے کے دو پر! حضرت عائشہ بولیں۔ آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان کے پاس جو گھوڑے تھے وہ پردار تھے۔ یہ سن کر حضورؐ اس قدر زور سے ہنسے کہ آپ کی داڑھیں نمایاں ہوگئیں۔

اب رہی یہ آیت: اِنِّیْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ الخ تو اکثر راویوں اور مفسروں نے بیان کیا ہے کہ گھوڑوں کی نمائش دیکھنے میں حضرت سلیمان دلچسپی کے ساتھ مشغول ہوگئے تھے یہاں تک کہ نمازِ عصر کا وقت گذر گیا اور یقینی بات تو یہ ہے کہ سلیمان نے جان بوجھ کر نماز ترک نہیں کی تھی۔ اسکے بعد آگے چل کر علامہ ابن کثیر پھر لکھتے ہیں: یہ بھی ممکن ہے کہ سلیمان کی شریعت میں جنگ کے سبب تاخیرِ نماز جائز ہوگی ― وہ گھوڑے تو لڑائی ہی کے لئے رکھے جاتے تھے اس لئے گھوڑوں کا تذکرہ بتاتا ہے کہ یقیناً وہ لڑائی ہی کا موقع تھا۔ بعض علمائے سیرت یہ بھی کہتے ہیں کہ پہلے نماز کا اس طرح ترک کر دینا جائز تھا

(حالتِ جنگ میں) بعد میں یہ جواز منسوخ ہو گیا اور نمازِ خوف کا حکم آ گیا۔ کچھ علماء کہتے ہیں کہ ترکِ نماز میدانِ جنگ میں نیز جہاں اور جس وقت رکوع و سجود ممکن نہ ہو، جائز ہے جس طرح صحابہ کرام نے جنگِ "تُستَر" میں کیا تھا (تُستَر "ت" پر پیش، "سین" پر جزم، پھر دوسری "ت" پر زبر ہے (مُعجم البُلدان حموی ج ۲ ص ۲۹)

تُستَر لَجُندَب - قاموس ج ۱ ص ۳۹۴ - تُستَر، شُشتَر، شُوشتَر ایران کا ایک مشہور شہر جس کو خلافتِ حضرت عمرؓ میں مسلمانوں نے فتح کیا تھا - المنجد باب الاعلام - اس کا مشہور تلفظ شُوشتَر ہے) یہ جنگ ۱۸ ہجری میں ہوئی تھی ابو موسیٰ اشعری مسلمان فوج کے کمانڈر تھے - براء بن مالک برادر انس بن مالک اس جنگ میں شہید ہوئے اور شوشتر ہی میں ان کی قبر ہے - ایران کا جو صوبہ بصرہ سے مشرق کی طرف واقع ہے خوزستان کہلاتا ہے جہاں آج کل "عبادان" ہے اور تیل کے چشمے ہیں - یہ زمانہ یزدجرد شہنشاہِ ایران کی سلطنت کا تھا - انس بن مالک اور بعض دیگر مشہور صحابہ کرامؓ نے بھی اس جنگ میں شرکت کی تھی -

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: لیکن ہمارا پہلا قول ہی ٹھیک ہے اسلئے کہ اسکے بعد ہی حضرت سلیمان کا ان گھوڑوں کو دوبارہ طلب کرنا بیان کیا گیا ہے اور جب وہ گھوڑے دربارِ سلیمانی میں حاضر کئے گئے تو آپ نے انھیں کاٹ ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میرے رب کی عبادت سے مجھے ان گھوڑوں نے غافل کر دیا اسلئے میں اپنے پاس ایسی چیزیں نہیں رکھوں گا جو میری عبادت میں خلل پیدا کرے چنانچہ اُسی وقت اُن کی کوچیں کاٹ دی گئیں اور اُن کی گردنیں بھی الگ کر دی گئیں۔

لیکن حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان نے اُن گھوڑوں کی پیشانی وغیرہ کے مقامات اور اُن کے سر کے بالوں پر محبت اور پیار سے دستِ مبارک پھیرا تھا۔ امام ابن جریر طبری بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہیں کہ بلاوجہ جانوروں کو ایذا پہنچانا اور تکلیف دینا ممنوع ہے (جبتک اس کا کوئی شرعی جواز موجود نہ ہو) ان جانوروں کا کوئی قصور نہ تھا جو حضرت سلیمان انکو کٹوا دیتے لیکن میں (ابن کثیر) کہتا ہوں کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ یہ بات اُن کی شریعت میں جائز ہو خصوصًا ایسے وقت جبکہ وہ یادِ خدا میں حارج ہوئے اور نماز کا وقت نکل گیا تو دراصل یہ غصہ بھی اللہ

ہی کے لئے تھا چنانچہ اسی وجہ سے اُن گھوڑوں سے بھی زیادہ تیز رفتار اور بہت ہی ہلکی چیز اللہ نے حضرت سلیمان کو اُن کی اس محبتِ عبادت کے صلہ اور اجر و انعام میں عطا فرما دی یعنی ہوا کو اُن کا تابع فرمان بنا دیا۔

حضرت ابو قتادہ اور حضرت ابو دُھماء اکثر حج کیا کرتے تھے۔ ان حضرات نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک گاؤں میں ایک بدوی عرب سے ہماری ملاقات ہوگئی تو اُس نے کہا کہ ایک موقع پر حضرت رسول اللہ نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بہت کچھ دینی تعلیم دی۔ اس میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈر کر تو جس چیز کو چھوڑے گا تو وہ تجھے اُس سے بہتر عطا فرمائیگا۔ علامہ ابن کثیر کی اس عبارت سے جوازِ ترکِ نماز حالتِ جنگ میں ثابت ہوتا ہے جبکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ نماز کے احکام حالات کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔ جیسے مرض کی حالت، خوف اور تنگیٔ وقت کی صورت، اسی طرح پانی میں ڈوبنے والے کی نماز۔ ان حالات میں نماز کو ادا کرنے کا ہر اُس صورت سے حکم ہے جو اُس موقع پر ممکن ہو۔ اسی طرح حالتِ جنگ میں ترکِ نماز جائز نہیں ہے بلکہ نمازِ خوف پڑھنے کا حکم ہے جس کا طریقہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ علامہ ابن کثیر اور دوسرے بعض محدثین و مفسرین کے اس قسم کے بیانات اور آراء سے ہمیں قطعاً کوئی اتفاق نہیں ہے۔ (مؤلف)

اب ہم ناسخ جلد ۶ کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں ـــــ الغرض امام حسین کا اسپِ وفادار خیمۂ اقدس پر پہنچا ـــــ باگیں کٹی ہوئی، زین ایک طرف کو جھکا ہوا۔ منہ خونِ حسین سے رنگین، سیکڑوں تیر کھائے ہوئے۔ تبرکاتِ سرورؑ کا ئنات پشت اور گردن سے بندھے ہوئے سب سیدانیاں چیخ چیخ کر رونے لگیں۔ امام عالی مقام کی بہنیں اور بیٹیاں ننگے سر درِ خیمہ پر آگئیں۔ سکینہ نے گھوڑے کے سُموں پر اپنے کو گرا دیا اور فریاد کرتے لگیں واقتیلاہ الخ پھر سکینہ مڑیں بہن کی طرف اے فاطمہ! آئیے دیکھئے بابا کا گھوڑا واپس آگیا ہے اور یہ بتا رہا ہے کہ ہمارے بابا شہید ہو گئے۔ اے موت کیا میرے بابا کا کوئی فدیہ ممکن نہ تھا۔ تو نے میرے بابا کو مجھ سے چھین لیا۔ سکینہ کی فریاد سنتے ہی حضرتِ اُمِ کلثوم نے اپنے سر سے چادر پھینک دی اور سر پیٹنے لگیں چاروں طرف سے سیدانیوں نے گھوڑے کو گھیر لیا۔ کوئی سیدانی پچھاڑیں کھا رہی تھی، کوئی گھوڑے کے صدقے ہو رہی تھی کوئی سُموں کے بوسے لیتی تھی اور کوئی اُس کے چہرے کو چومتی تھی۔ حسین کی سواری کا گھوڑا

ذوالجناح بغیر سوار کے تھا۔ امام حسینؑ کا سرِ اقدس کٹ چکا تھا ـــــــ ان سیدانیوں کا اب سوائے بیمارِ کربلا کے اور کوئی مردوں میں سرپرست باقی نہ تھا۔

حضرت امیر المومنینؑ نے جنگ صفین میں فرمایا تھا:ـــــ

وَلَدِی هٰذَا یُقْتَلُ بِکَرْبَلَاءَ عَطْشَانًا وَیَنْفِرُ فَرَسُهُ وَیُحَمْحِمُ وَیَقُولُ فِی حَمْحَمَتِهِ الظَّلِیمَةَ الظَّلِیمَةَ مِنْ اُمَّةٍ قَتَلَتْ اِبْنَ بِنْتِ نَبِیِّهَا وَهُمْ یَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ الَّذِی جَاءَ بِهِ اِلَیْهِم

یہ میرا فرزند حسینؑ کربلا میں پیاسا شہید ہوگا اور اس کا گھوڑا وحشی جانوروں کی طرح بھاگنے لگے گا اور ہنہنانا شروع کر دیگا اور اپنی حمحمے میں کہے گا۔ ہائے یہ ظلم و ستم! اس اُمّت کے ہاتھ سے جس نے اپنے پیغمبرؐ کے نواسے کو قتل کر ڈالا درآں حالیکہ وہ اُمّت قرآن کریم کی تلاوت کرتی ہے جو وہ پیغمبرؐ ان کی ہدایت کیلئے لایا تھا ـــــ یہ کہ کر حضرت امیر المومنینؑ نے یہ اشعار بھی بار بار پڑھے تھے جن کا پہلا مصرع یہ تھا۔

"اَرَی الْحُسَیْنَ قَتِیْلًا قَبْلَ مَصْرَعِهٖ"

میں اپنے فرزند حسینؑ کو ابھی سے اس کی شہادت کے قبل شہید دیکھ رہا ہوں۔

(ج ۷ ص ۳۰۲):- لوگوں کا اعتراض ہے کہ مُرتجز (جسے ذوالجناح کہا جاتا ہے) کربلا میں موجود نہیں ہو سکتا کیونکہ اسقدر طولانی زمانہ تک گھوڑے زندہ نہیں رہا کرتے۔ گھوڑے کی عمر طبیعی اتنی نہیں ہے اور اگر وہ کسی طرح زندہ بھی رہ گیا ہو تو جنگ میں استعمال کے قابل نہ تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس خدا نے ہر شئی کی عمر طبیعی مقرر کی ہے وہی اسے بدل بھی سکتا ہے۔ زمانہ حضرت محمدؐ بن حنفیہؒ تک "دُلدُل" کا باقی رہنا (جو مقوقس کا بھیجا ہوا رسول اللہؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ ایک خچر تھا) اور امام حسینؑ کے بعد محمد بن حنفیہؒ کا اس پر سوار ہونا، تاریخوں میں مذکور ہے۔ اگر ایک خچر اتنے عرصے تک باقی رہا تو گھوڑا بھی رہ سکتا ہے اور خدمت بھی انجام دے سکتا ہے۔ پھر یہ تو رسول اللہؐ کی سواری کا گھوڑا تھا۔ ایک مرتبہ عمرو بن الحمق صحابی نے آنحضرتؐ کی خدمت میں پینے کے لیئے دودھ حاضر کیا تھا تو آپ نے خوش ہو کر دعا دی تھی کہ "اَللّٰھُمَّ اَمْتِعْهُ بِشَبَابِهٖ" پروردگارا! اس کو جوانی کا عرصۂ دراز تک لطف و لذت عطا کر۔ دعائے رسولؐ کا اثر یہ ہوا کہ ان کا سن اسّی سال کا ہوگیا تھا مگر ان کے جسم کا کوئی بال سفید

نہیں ہوا تھا ("مناقب" ابن شہر آشوب ج اوّل ص ۵۸ — اصابہ ج ۲ ص ۵۲۶)
اسی طرح عَمرو بن اَخطَب سے حضور نے ایک موقع پر پینے کے لیئے پانی طلب فرمایا اور جب عمرو کسی ظرف میں پانی لائے تو انھوں نے دیکھا کہ اُس میں بال پڑا ہوا ہے۔ یہ دیکھتے ہی عمرو نے اُس بال کو نکال کر پھینک دیا۔ رسول اللہ نے خوش ہو کر دعا دی۔ "اللّھم جَمِّلْہُ" پروردگار! اس کو حسن و جمال عطا فرما۔ حضورؐ کی اس دعا کے اثر سے اُن کے سر اور داڑھی کا کوئی بال سفید نہ ہوا جبکہ اُن کی عمر ۹۳ سال کی تھی — (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۵۹ — "مناقب" ابن شہر آشوب ج اوّل ص ۵۷) اس کے علاوہ ہم زینب بنتِ ام سَلمہؑ کے حال میں لکھ چکے ہیں کہ وہ بہت کم سِن تھیں اور اُس طرف کھیلتی ہوئی نکل آئیں جہاں حضورؐ غسل فرما رہے تھے تو آپ نے اُنھیں حکم دیا کہ یہاں سے چلی جا اور ان پر پیار سے پانی کا چھینٹا مارا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اُنکی عمر ایک سو سال کے قریب ہو گئی تھی مگر جوانی کا رنگ روپ اُن سے جُدا نہیں ہوا تھا۔ آنحضرتؐ کے معجزات میں ایسی باتیں کثرت سے موجود ہیں تو پھر تعجب کیا ہے اگر آپ کی سواری کا گھوڑا جس کی پشت پر آپ بیٹھا کرتے تھے اُسے اللہ نے اس قدر عمر دیدی ہو بلکہ ہم تو اس کے قائل ہیں کہ وہ اب تک زندہ ہے اور ظہورِ امام عصر علیہ السلام کے وقت وہ بھی آپ کے ساتھ ظاہر ہوگا اور یہ بات قدرتِ خدا سے قطعاً بعید نہیں ہو سکتی۔

مُرتجز (ذوالجناح) رسولؐ اللہ کی سواری کا گھوڑا تھا جس کی پشت پر بارہا رسالت کا بار رہا، جو خاتم المرسلینؐ کو اپنی پشت پر مدّتوں اُٹھاتا رہا کیونکر کیفِ شبابِ حیات سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ وہ مُرتجز جو رسالت و نبوت و امامت بدوش رہتا تھا جس کے گرد فرشتے طواف کرتے تھے۔ جو بُراق کا جانشین تھا۔ جو کائنات کی نگاہوں کا مرکز تھا۔ جو وحی و الہام کے سایہ میں بڑھا جو عصمتوں کے پہلو بہ پہلو رہا جو بُرج کی طرح مہرِ نبوّت کو اپنے آغوش میں لیے رہا جسے افضلؐ کائنات اور سردارِ مرسلین کی طرف نسبت تھی۔ وہ فَرَس جس نے جب بھی کسی کو اپنی پشت پر اُٹھایا تو یا رسول تھا یا امام معصوم تھا۔ اماموں کے سایہ میں رہا۔ عصمتوں کی محفل میں رہا۔ جس پر محمدؐ کی نگاہِ کرم و محبت رہی جس پر سیّدۂ عالم کی توجہِ خاص رہی۔ جانتی تھیں کہ یہی

وہ گھوڑا ہے جو کربلا میں میرے پیارے بیٹے حسین کے کام آئے گا - انھیں معلوم تھا کہ یہی وہ فرس ہے جو بہنوں کے پاس بھائی کی سُنانی لیجائے گا اور بیٹیوں کو باپ کی شہادت کی خبر دیگا، یہی ہے جو تبرکاتِ انبیاء کی حفاظت کرے گا - اسی لئے تو سیّدۂ عالم بھی اس گھوڑے سے بہت محبت رکھتی تھیں - بابا کی نشانی تھا، شوہر اور بیٹوں کے کام آنے والا تھا اس لیے سیّدۂ عالم اس سے بے حد محبت رکھتی تھیں تو پھر جب اس بن چمنِ عِصمت کے ہر پھول کی خوشبو تھی اور اس پر اللہ کے محبوب رسولؐ کی نگاہِ لطف وکرم تھی تو اگر اسے ان صفات کے بعد حیاتِ دوام عطا ہو جائے اور طاقت و حُسن میں کمی نہ ہو تو حیرت کیوں ہے؟ ـــــ جس اسپِ وفادار پر رسالت و امامت کی نظر ہو، جو چمن فتح وظفر کا ثمر ہو جو شبِ دیجور کا رتار کی سحر ہو، قدرت جسکی رفتار کی قسم کھائے - جسکی مدح قرآن کے ورق پر آجائے، جسکی کاوِشوں کا فروغِ اسلام میں حصّہ ہو، جس کا نام زمانہ کے ورق پر ثبت ہوا اور جو غیبت میں امامت کا ہمسفر ہو جائے اُس کی حقیقی مدح وثنا زبانِ وحی ہی کر سکتی ہے - وہ گھوڑے ہی تو تھے جن کی مدح میں سورۂ "العادِیات" کا نزول ہوا ہے اور وحی نے آواز دی ـــ

"وَالعٰدِیٰتِ ضَبحًا" غازیوں کے سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم جنکے نتھنوں سے دوڑنے کے وقت آواز پیدا ہوتی ہے - اُن گھوڑوں کی قسم جو پتھر پر ٹاپیں مارکر چنگاریاں نکالتے ہیں - اُن کی قسم جو صبح کے وقت دشمن کے پڑاؤ پر غارت ڈالتے ہیں وہ گھوڑے جو دوڑنے سے غبار اُڑاتے ہیں اور جو دشمن کی فوج کے دل میں گھس جاتے ہیں -

یہ ذکر جنگِ "ذاتُ السَّلاسِل" کا ہے جسے ہم "منتہی الآمال ج اول ص ۶۰" سے نقل کر رہے ہیں ـــــ ۸ ہجری میں مشرکین کے بارہ ۱۲۰۰۰ ہزار سوار مدینہ سے پانچ منزل پر وادی یابس میں جمع ہوئے تھے اور سب نے آپس میں عہد کیا تھا کہ رسولؐ اسلام اور حضرت علی کو کسی نہ کسی صورت سے قتل کریں گے - جبرئیل امین نے یہ خبر سرورِ کائنات کو پہنچائی - آپ نے ان کے مقابلہ کے لیے اپنے کچھ آدمیوں کو روانہ کیا مگر کوئی بھی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور سب واپس چلے آئے - آخر میں حضرت علی کو یہ خدمت سونپی گئی - آپ حضرت رسالت مآبؐ کے حکم کے بعد تیزی سے روانہ ہو گئے جب اُن کے علاقہ میں پہنچے تو انھوں نے دو سو ۲۰۰ مسلح سواروں کو آپ کے پاس بھیجا اور

دریافت کیا کہ تم کون لوگ ہو - آپ نے فرمایا کہ میں علی بن ابیطالب برادرِ رسول اللہ ہوں - یہ سن کر اُن لوگوں نے کہا کہ ہم تو تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے - اب لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ - شب کو دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ میں انتظار کرتے رہے - صبح ہوتے ہی نماز کے بعد حضرت امیر المؤمنین نے حملہ کر دیا جبکہ ابھی تک آپ کے لشکر کا پچھلا حصّہ آنے بھی نہ پایا تھا کیونکہ آپ بہت تیز رفتار کے ساتھ روانہ ہوئے تھے - اس کے باوجود آپ کے اس حملہ ہی کے نتیجہ میں دشمن کو بھرپور شکست ہو گئی اور بہت سامان غنیمت ملا اور کثرت کے ساتھ قیدی ہاتھ آئے - روانگی کے وقت حضورؐ انور نے حضرت علی کو مسجدِ احزاب تک پہنچایا تھا اور جب فتح کے بعد واپسی ہوئی جب بھی حضورؐ نے دور جا کر استقبال کیا - جیسے ہی امیر المؤمنین کی نگاہ حضورؐ انور پر پڑی فوراً گھوڑے سے نیچے اُترے اور خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہو گئے - یہ دیکھ کر رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اے علی تم سوار کیوں نہیں ہوئے - خدا اور رسولِ خدا تم سے راضی ہیں -

اسی موقع پر رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا: یَا عَلِیُّ اِنَّنِیْ اَشْفَقُ اَنْ تَقُوْلَ فِیْکَ طَوَائِفُ مِنْ اُمَّتِیْ مَا قَالَتِ النَّصَارٰی فِی الْمَسِیْحِ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ لَقُلْتُ فِیْکَ الْیَوْمَ مَقَالًا لَا تَمُرُّ بِمَلَاءٍ مِّنَ النَّاسِ اِلَّا اَخَذُوا التُّرَابَ مِنْ تَحْتِ قَدَمَیْکَ (بحار الانوار مجلسی جلد ۶ صفحہ ۵۹۱)

یعنی اگر مجھ کو اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میری اُمّت کے کچھ گروہ تمہارے حق میں بھی وہی کچھ کہنے لگیں گے جو مسیح عیسی بن مریم کے حق میں نصاریٰ کہا کرتے ہیں تو یقیناً آج میں تمہاری مدح میں بھی کچھ کہتا جس کے بعد تم جس گروہ کی طرف سے بھی گذرتے تو وہ تمہارے قدموں کے نیچے سے تبرّک سمجھ کر خاک اٹھاتا -

وادی یابس فتح کرنے کے لیئے اس سے قبل کئی بار اسلامی لشکر گیا تھا اور ظاہر ہے کہ آخری بار حضرت امیر المؤمنین کے ساتھ بھی وہی فوج اور وہی گھوڑے تھے مگر ان گھوڑوں کی اللہ نے کسی دفعہ بھی قسم نہ کھائی مگر جب علی علیہ السلام گئے تو وحی کے انداز ہی بدلے ہوئے تھے - بات بات پر قسم، قدم قدم پر قسم - گھوڑوں نے اپنی ٹاپوں سے غبار اڑایا تو قسم، اُن کے مُنہ سے آواز بلند ہوئی تو قسم، حملہ کیا تو قسم - شام ہوئی تو قسم، صبح ہوئی تو قسم کھائی - ٹھہرے تو قسم، دوڑے تو قسم، پتھروں پر ٹاپیں پڑیں اور چنگاریاں اُڑیں تو قسم کھائی - گھوڑے اب بھی وہی تھے جو پہلے گئے تھے - پہلے بھی غُبار

اُڑایا۔ چنگاریاں اُڑتی رہیں۔ صبح و شام بھی، سب کچھ تھا مگر خدا گواہ ہے کہ ان کی ایک ادا بھی قسم کھانے کی قابل نہ سمجھی گئی اور کسی ایک چیز کا ذکر بھی زبانِ قرآن پر نہ آیا مگر جب راکبِ دوشِ رسُول گیا تو اُدھر مدح کے لیے وحی اُتری اور ادھر ساتھ ہی کافروں کے چہرے اُتر گئے میدان میں خدا کا شیر نکلا تو رن کا نقشہ ہی بدل گیا تو معلوم ہوا کہ یہ قسم دوسرے گھوڑوں کی نہ تھی بلکہ یہ اُس کی تھی جو اَب میدان میں آیا ہے۔ اُس کی قسم تھی جو اسد اللہ الغالب کو اپنی پشت پر لیے ہوئے تھا۔ جس کی چال ہی نرالی تھی جس کا انداز ہی انوکھا تھا۔ کبھی اللہ نے " وَالنَّجْمِ " کہکے کسی کے گھر کی طرف جھکتے ہوئے ستارے کی قسم کھائی تھی، کبھی " لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ " کہکے اپنے محبوب کے شہر کی قسم کھائی تھی، کبھی "وَالِدٍ" کی قسم کبھی "وَلَدٍ" کی قسم پھر یہ مقام کتنا بلند ہے ______

جہاں محبوب کی قسم نہیں کھاتا، حبیب کا ذکر نہیں چھیڑتا بلکہ اُس محبوب کی سواری کے گھوڑے کی قسمیں کھائی جا رہی ہیں اور اُس کی ہر ہر ادا کی قسم تاکہ دنیا سمجھ جائے کہ جب سواری قسم کھانے کے قابل ہے تو خود سوار کیسا ہوگا۔ جب رہوار قسم کھانے کے لائق ہے تو خود شہسوار کس شان کا ہوگا۔ فقط ایک ہی آیت نہیں بلکہ پورا سورۂ " العادیات " گھوڑوں کی مدح میں آگیا اور صرف مدح ہی تنہا نہیں بلکہ اُس کی بلند ترین منزل۔ کیونکہ قسم صرف اسی چیز کی کھائی جاتی ہے جو قسم کھانے والے کی نظر میں عزیز ترین ہو۔ اس لیئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھوڑا نگاہِ قدرت میں کچھ اتنا ہی عزیز اور محبوب تھا کہ مدح سے آگے بڑھکے زبانِ وحی پر قسم کے جملے آگئے تو اب مجھے نہیں معلوم کہ جب گھوڑے کے سُم قسم کھانے کے قابل اور لائق ہو گئے تو " یدُ اللہ " کی منزل کیا ہوگی، جب گھوڑے کی آواز قسم کے لائق ہو گئی تو " لسانُ اللہ " کا مقام کیا ہوگا۔

گھوڑا تو ایک ہی تھا قسم کھانے کے لائق مگر جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا تاکہ گھوڑے کی منزلت اور بڑھ جائے۔ کبھی جب کسی چیز کا مرتبہ بڑھانا مقصود ہوتا ہے تو واحد کے بجائے جمع بنا کر پیش کرتے ہیں:۔

" اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًاؕ وَ لَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (النحل آیت ۱۲۰)

یعنی ابراہیم فقط ایک شخص نہ تھے بلکہ وہ تو ایک فرماں بردار اُمّت تھے وہ باطل سے کترا کے چلنے والے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے " اس سے نتیجہ نکلا کہ کبھی باعتبارِ

عظمت و بزرگی ایک پر بھی جماعت کا اطلاق ہوتا ہے "مجلسِ اقوام" میں ایک ملک کا ایک ہی نمائندہ ہوتا ہے مگر کہا یہی جاتا ہے کہ فلاں ملک نے شرکت کی حالانکہ شرکت صرف ایک ہی فرد نے کی - بات یہ ہے کہ جب کبھی صرف ایک ہی فرد میں کسی جماعت کے مقصد کی نمائندگی منحصر ہوتی ہے تو پھر اُس فرد کی حیثیت ایک گروہ اور ایک پوری جماعت کی ہو جاتی ہے - اس بنا پر جب پوری قوم کی زندگی کا دارومدار ایک ہی فرد پر ہو اور پورے گروہ کی حیات ایک ہی ذات پر موقوف ہو تو پھر وہ ایک فرد نہیں بلکہ جماعت ہوتی ہے - وہ ایک شخص نہیں پوری قوم ہے - وہ قلیل نہیں کثیر ہے - اور کبھی کلام میں حُسن پیدا کرنے کے لیئے بھی واحد کو جمع کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے - اگر نام لے لیا جائے تو پھر بات ہی کیا رہے - تو کبھی کہ صفیتیں خود آوازیں دیں کہ موصوف کون ہے اور الفاظ خود بول اُٹھیں کہ مُراد کون ہے - کوئی چھپاتا جائے اور لفظیں چہرۂ ممدوح سے نقاب اُلٹتی رہیں - پھر جب ممدوح معین و مقرر ہو تو وضاحت کی ضرورت ہی کیا ہے - اسی بنا پر اشارے کیئے گئے - کبھی گھوڑے کی تعریف کی، کبھی اُس کے اعضاء و جوارح کی مدح کی - کبھی ستارے کی تعریف، کبھی انگوٹھی کا تذکرہ، کبھی روٹیوں کا ذکر، کبھی انسان کہہ کر پکارا کبھی ولی کہہ کے اشارہ کیا - کبھی شاہد کہا کبھی امام کہا کبھی کتاب کہدیا - الفاظ بدل بدل کے مدح کی، عبارت الگ الگ کر کے اشارے کیئے مگر جو جاننے والے تھے وہ پہلے ہی سمجھ گئے کہ یہ اشارے کس کی طرف ہیں - کبھی یوں بھی ارشاد ہوا: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ سورۃ المائدۃ آیت ۵۵ -

- تمہارا حاکم اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو سچے دل سے ایمان لائے جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں - رکوع میں زکوٰۃ (انگوٹھی) دینے والے صرف علیؑ تھے مگر نام نہیں لیا گیا اور مقامِ مدح میں جمع کا صیغہ لایا گیا - بس اسی طرح سورہ "العادیات" میں بھی قابلِ قسم گھوڑا ایک ہی تھا مگر صیغۂ جمع لایا گیا -

بہت ممکن ہے کہ یہ وہی گھوڑا ہو جو کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ تھا -

بہرحال جس گھوڑے کی تربیت ہی ہوئی ہو رسالت و امامت کے سایہ میں وہ عمرِ طبیعی کی حدوں کا پابند نہیں ہو سکتا - اور وہ تو کربلا تک نہیں بلکہ ظہور حضرت حجت علیہ السلام کے زمانہ میں بھی زندہ ہوگا اور جس طرح دادا کی خدمت کی تھی اسی طرح پوتے کی بھی خدمت کا شرف حاصل کرے گا -

ذوالجناح کے طولِ عمر میں شک کرنے والے قرآن میں دیکھ لیں - حضرت عُزیر کے تذکرہ میں اللہ نے فرمایا ہے: فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (البقرۃ آیت ۲۵۹) اب تم ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ اُن میں تھوڑی سی بھی خرابی نہیں آئی اور ذرا اپنی سواری کے گدھے کو تو دیکھو کہ اس کی ہڈیاں ڈھیر پڑی ہیں اور یہ سب اس غرض سے کیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کے لیئے تمہیں اپنی قدرت کا نمونہ بنائیں (اس کے بعد کا ترجمہ یہ ہے): - اور اچھا اس گدھے کی ہڈیوں کی طرف نظر کرو کہ ہم انھیں کیونکر جوڑ جاڑ کر ڈھانچا بناتے ہیں پھر اُن پر گوشت چڑھاتے ہیں پس جب اُن پر یہ سب کچھ ظاہر ہوگیا تو وہ بے ساختہ بول اُٹھے کہ میں یقین کامل رکھتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے" غرض لوگوں کو حضرت عُزیر نبی کے ایک سو سال تک مردہ رہنے اور پھر سے زندہ ہو جانے پر تعجب نہ ہو اور اگر فرسِ خاتم النبیین عرصہ دراز تک زندہ رہ جائے تو حیرت کی جائے - غذا اور دودھ سو برس تک نہ سڑے تو قرآن حکیم کی تصدیق کرنا پڑے مگر ذوالجناح کی عمرِ طویل پر یقین نہ آئے (واقعہ حضرت عُزیر تفصیل کے ساتھ تفاسیر میں دیکھئے)

سگِ اصحابِ کہف اب تک زندہ ہے مگر فرسِ محمدؐ میں شبہ کیا جاتا ہے -

ذوالجناح (مُرتجز) وہی گھوڑا ہے جس پر رسولؐ اللہ سواری کرتے تھے اور امام حسین نے میدانِ کربلا میں اعلان کیا تھا کہ اے اشقیائے اُمت خوب پہچان لو کہ یہ میرے نانا کی سواری کا گھوڑا ہے جس پر لوگوں نے جواب دیا تھا — اَللّٰھم نَعَم، بے شک ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ وہی گھوڑا ہے اور ہم اسے خوب پہچانتے ہیں -

(قصۂ اصحاب کہف تفاسیر میں دیکھئے -)

اب ہم سورۂ "العادیات" کو تفصیلاً لکھتے ہیں پھر جنگِ ذاتُ السلاسل" کو جس طرح مختلف سیرت نگاروں نے لکھا ہے نقل کریں گے تاکہ اس جنگ کے تفصیلات

ناظرینِ کتاب کے سامنے رہ سکیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝ (سورۃ العٰدیٰت، پارہ عم رکوع ۲۵)

(ترجمہ)(غازیوں کے) سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم جو نتھنوں سے فراٹے بھرتے ہیں پھر پتھروں پر ٹاپیں مار کر چنگاریاں اڑاتے ہیں پھر صبح سویرے چھاپا مارتے ہیں تو دوڑ دھوپ سے غبار بلند کرتے ہیں۔ پھر اس وقت دشمنوں کے دل میں گھس جاتے ہیں۔ (غرض قسم ہے) کہ بیشک انسان اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے اور وہ یقیناً خود بھی اس سے واقف ہے اور بے شک وہ مال کا بہت لالچی ہے تو کیا وہ اس بات کو نہیں جانتا کہ جب مُردے قبروں سے نکالے جائیں گے اور دِلوں کے بھید ظاہر کر دیئے جائیں گے تو بیشک اُس دن اُن کا پروردگار اُن سے خوب واقف ہوگا۔

(بحار الانوار مجلسیؒ جلد ۶ صہ ۵۸۸ از تفسیر مجمع البیان للطبرسیؒ) :۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا (تا) فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا، علامہ طبرسیؒ لکھتے ہیں:۔

بنوکنانہ کے ایک ذیلی قبیلے کی طرف رسُولؐ اللہ نے ایک چھوٹا لشکر روانہ کیا (یعنی سَرِیَّہ) اس لشکر پر مُنذِر بن عمرو انصاری کو سردار مقرر کیا۔ ان لوگوں کے پلٹنے میں دیر جو ہوئی تو منافقوں نے خبر اڑا دی کہ یہ سب قتل کر دیئے گئے۔ اس سلسلہ میں یہ سورہ نازل ہوا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ سب زندہ ہیں۔

تفسیر آلِ محمدؐ علیہم السلام کے مطابق یہ سورہ اس وقت نازل ہوا جب رسولؐ اللہ نے جنگ ذات السَّلاسِل کی طرف حضرت امیر المؤمنین کو روانہ کیا تھا (یہ قول حضرت امام جعفر صادق کا ہے) اور آپ کی روانگی اس وقت عمل میں آئی جب دوسرے لوگ متعدد بار بھیجے گئے تھے۔ اور وہ سب بے نیلِ مرام واپس آتے رہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اس سَرِیَّہ کو ذات السَّلاسِل اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں فتح کے بعد کثرت کے ساتھ دشمن کی فوج کے لوگ گرفتار ہوئے تھے۔

جب یہ سورہ نازل ہوا تو حضرت علیؑ مع لشکر میدانِ جنگ کی طرف تھے اور خود

رسولؐ اللہ مدینہ میں تشریف فرما تھے۔ اس کے نزول کے بعد آپ نے صبح کی نماز پڑھائی اور اس میں اسی سورہ کی تلاوت فرمائی۔ نماز سے فراغت کے بعد لوگوں نے عرض کی کہ یہ سورہ تو آجتک ہم نے نہیں سنا تھا تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں یہ اب نازل ہوا ہے اور علیؑ کو دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو چکا جس کی طرف اس میں اشارہ موجود ہے اور جبرئیل نے مجھے اس کی خبر پہنچائی ہے۔ پھر کچھ روز کے بعد حضرت علیؑ مالِ غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ مدینہ میں واپس آگئے۔ "العادیات ضبحاً" سے میدان کارزار کے گھوڑے مراد ہیں اور حضرت ابن عباس اور اکثر مفسرین کے بقول یہ وہ فوجی گھوڑے تھے جن کے دوڑنے میں ان کے پیٹ سے گونج کی سی آواز سنائی دیتی تھی اور بعض نے ان سے وہ فوجی اونٹ مراد لیتے ہیں جو دوڑنے میں اپنی گردنیں لمبی کر دیتے ہیں۔

"فالمُورِیاتِ قدحاً" گھوڑوں کی تعریف ہے کہ وہ اپنے سُموں کی مار سے پتھروں سے چنگاریاں اڑاتے ہیں۔ "فالمُغیرٰاتِ صُبحاً" وہ گھوڑے رات بھر کے سفر کے بعد صبح تڑکے دشمن کے پڑاؤ پر چھاپا مارتے ہیں۔ "فَاَثَرنَ بہٖ نقعاً" ان کی دوڑ سے غبار کے بادل پھیلتے ہیں پورے وادی میں۔ "فَوَسَطنَ بہٖ جمعاً" وہ گھوڑے دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ حضرت رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ کے ساتھ صرف تیس سوار روانہ کیے تھے۔

پھر تفسیرِ قمی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ —— امام جعفر صادق نے فرمایا: یہ سورہ وادیِ یابس والوں کے سلسلہ میں نازل ہوا تھا۔ پھر آپ نے ان کا واقعہ بیان کیا —— بارہ ہزار عرب سوار وادیِ مذکور میں اکٹھا ہوئے اور آپس میں انتہائی مستحکم عہد کیا —— کہ محمدؐ بن عبداللہ اور ان کے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب کو قتل کر دیں گے۔ اس کی خبر حضرت جبرئیل نے حضرتِ سرورِ کائنات کو پہنچا دی تو آپ نے چار ہزار سواروں پر مشتمل ایک بھاری اور جرار لشکر ان کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ غرض جب یہ لوگ وہاں پہنچے اور دشمنوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان کے دو سو سوار ان کے پاس آئے جو پوری طرح مسلح تھے —— انھوں نے نام پوچھا اور ان کا مقصد دریافت کیا اور کہا کہ اپنے سردار کو بلاؤ تاکہ ہم اس سے گفتگو کریں چنانچہ ان لوگوں نے پوری تفصیل بتائی کہ ہم وادیِ یابس والوں سے جنگ کرنے آئے ہیں۔ پھر سرداران لشکرِ اسلام نکلے اور ان سے گفتگو ہونے لگی۔

بڑی بات چیت ہوئی پھر ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ لوگوں کے رشتہ دار ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو اسی وقت ہم آپ سب کو قتل کر دیتے - اب بہتر یہ ہے کہ آپ واپس چلے جائیں کیونکہ ہم تو صرف محمدؐ اور علیؑ کو قتل کرنا چاہتے ہیں آپ سے ہمارا کوئی سروکار نہیں ہے - یہ سن کر یہ سب لوگ، فوراً وہاں سے واپس مدینہ کی طرف بغیر جنگ کئے روانہ ہو گئے - حضورؐ اکرم نے اس تمام واقعہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا - اس کے بعد آپ نے دوسری بار ایک اور مسلح فوج روانہ کی - اس کی بھی تعداد چار ہزار تھی - ان کا حال بھی وہی ہوا جو پہلے ہوا تھا اور یہ سب صورتِ حال رسولؐ اللہ نے اپنے خطبہ میں ظاہر کر دی اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کر دیا - تیسری بار آپ نے حضرت امیرالمومنین کی سرکردگی میں فوج روانہ کی آپ کے ساتھ بھی چار ہزار سپاہی تھے - اس فوج میں بڑی تعداد اکیاتھ مہاجرین والضار دونوں شامل تھے - حضرت امیر بڑی تیز رفتاری سے فوج لے گئے - تیز چلنے سے سپاہی بے حد تھک گئے تھے اور قریب تھا کہ جانور بھی ہلاک ہو جائیں مگر آپ نے تسکین دی کہ فتح ہماری ہی ہو گی - پھر وادیٔ یابس والوں کے نزدیک جا کر لشکر کا پڑاؤ ڈالا اور دم لیا - جب ان لوگوں کو علم ہوا کہ علی بن ابی طالب خود آ گئے ہیں تو پھر مثل سابق دو سو سوار اسلامی فوج کے سامنے آئے - نام اور مقصد پوچھا - آپ نے فرمایا - علی ابن ابی طالب نام ہے - محمدؐ رسولؐ اللہ کا بھائی ہوں - مقصد یہ ہے کہ تمہارے سامنے اسلام کو پیش کروں اگر خوشی سے قبول کر لو تو اس سے بہتر کیا ہے ورنہ پھر جنگ ہے اور تلوار کی باڑھ اور تمہاری گردنیں - انھوں نے سن کر جواب دیا کہ ہم تو تمہارے منتظر ہی تھے تو اب بہتر یہ ہے کہ کل دونوں لشکر اپنی تلواریں آزمائیں گے - یہ دھمکی دے کر وہ لوگ اپنے پڑاؤ کی طرف چلے گئے - شب کو امیرالمومنین نے جنگ کی زبردست تیاری کی اور صبح کی نماز کے بعد فضا میں تلواروں کی بجلیاں کوندنے لگیں اور ذرا سی دیر میں آپ نے وادیٔ یابس کو دشمن کے خون سے رنگین کر دیا اور پھر کثیر مالِ غنیمت لیکر مع قیدیوں کے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے جبرئیل امین نے رسولؐ اللہ کو پہلے ہی خبر دیدی تھی کہ علیؑ کے ہاتھوں جنگ فتح ہو گئی اور عنقریب وہ شہر کی طرف آ رہے ہیں - آپ یہ سنتے ہی منبر پر تشریف لے گئے اور تمام مسلمانوں کو اس فتح سے آگاہ فرمایا - پھر آپ مدینہ سے باہر استقبال کی غرض سے

تشریف لائے اور تقریباً تین میل کے فاصلہ پر اپنے داماد اور چچازاد بھائی کا استقبال فرمایا۔ حضرت علیؑ نے دور سے حضرت رسولؐ اللہ کو دیکھا تو سواری سے اتر پڑے۔ حضورؐ نے بھائی کو گلے سے لگا لیا اور پیشانی کا بوسہ لیا۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ اس چھوٹی سی لڑائی میں تقریباً اسی قدر مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا جتنا غزوۂ خیبر میں ملا تھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ "وادی یابس" کے راستہ میں عمرو بن العاص نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ علیؑ ابھی کم سن اور ناتجربہ کار ہیں یہ ہم سب کو غیر معروف راستہ سے لئے جا رہے ہیں مجھے اندیشہ اور خوف محسوس ہو رہا ہے کہ ہم سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ انھیں راستہ معلوم نہیں ہے۔ جس طرف یہ فوج کو لئے جا رہے ہیں اُدھر زبردست جنگلی درندے اور سانپ کثرت سے پائے جاتے ہیں جو ہم سب کو ختم کر دیں گے۔ لوگ یہ باتیں سنکر بہت ڈر گئے مگر جب امیرالمومنین نے سختی سے سمجھایا تو سب کے سب چپ ہو رہے۔

(پھر صـ ۵۹۰ پر لکھتے ہیں):- حضرت امیرالمومنین اسلامی سپاہ کے ساتھ رات کی تاریکی میں پہاڑی راستوں میں چلتے رہتے تھے اور دن کے وقت کھلے میدان میں چھپ جاتے تھے۔ جنگلی درندوں کی حالت یہ تھی کہ شیرِ خدا کے سامنے سے منہ چھپائے پھرتے تھے۔ یہ جگہ مدینہ سے پانچ مرحلہ پر تھی۔

ارشادِ شیخ مفیدؒ میں ہے کہ "وادیِ یابس" کے کافروں کے اجتماع کی خبر ایک بدوی عرب نے دی تھی وہ رسولؐ اللہ کی خدمت میں آکر دو زانو جھک گیا اور عرض کرنے لگا کہ میں آپ کو ایک خفیہ اطلاع دیتا ہوں کہ عربوں کی ایک جنگجو قوم "وادی الرّمل" (اسکو "وادیِ یابس" بھی کہتے ہیں) میں جمع ہوئی ہے اور اس نے طے کر لیا ہے کہ مدینہ پر شب خون ماریں گے۔ اور ساتھ ہی اس معاہدہ کے تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ حضورؐ نے حکم دیا "اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ" کی آواز بلند کی جائے۔ لوگ یہ آواز سنتے ہی دوڑ کر آنے لگے۔ پھر آپ منبر پر تشریف لیگئے اور اس خبر سے سب کو آگاہ کیا یہ سن کر اہلِ صُفّہ میں سے کچھ لوگ تیار ہو گئے کہ ہم اُن کے مقابلہ کے لئے جاتے ہیں۔ قرعہ ڈالا گیا تو اسّی آدمیوں کے نام نکلا جن میں اہلِ صُفّہ اور دوسرے افراد شامل تھے۔ سرورِ کائنات نے ایک مختصر مگر جرار لشکر ترتیب دیا اور اُسے سفری اجازت

عطا کی اور تمام ضروری ہدایات فرما دیں۔ راستہ انتہائی دشوار گزار تھا۔ پتھر کی چٹانیں اور خاردار جنگلی درختوں کے جھنڈ قدم قدم پر سدِّ راہ تھے۔ وَادِی الرَّمل کے سرکش عربوں کا مسکن وادی کے نشیبی حصّہ میں تھا جہاں اُتر کر جانا بہت دشوار تھا۔ جب لشکرِ اسلام کے جانباز اور بہادر سپاہی وادی کے ڈھلوان حصّہ کی طرف اترنے لگے تو وہاں سے دشمن کے مسلح سپاہی فوراً نکل آئے اور مسلمانوں پر زبردست حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں بہت مسلمان ہلاک ہو گئے اور بالآخر یہ پوری جماعت پسپا ہو کر مدینہ کی طرف پلٹ آئی اور اپنے کشتوں کو وہیں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے دوسری فوج کو روانہ کیا۔ "وادی یابس" کے لوگ پہاڑوں اور درختوں کی آڑ میں روپوش ہو گئے پھر جیسے ہی اسلامی فوج کا دستہ وادی کے نشیبی حصّہ کی طرف اترنے کا ارادہ کرنے لگا۔ وہ سب کے سب ان پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ مسلمان مارے گئے اور بقیہ مدینہ کی طرف پلٹ گئے۔ ان دو شکستوں کے بعد پھر عمرو بن العاص نے خواہش کی کہ مجھے سردار بنایا جائے۔ میں جنگ کی ترکیبوں سے خوب واقف ہوں۔ مگر یہ بھی وادیِ "یابس" کے لوگوں کو شکست دینے میں ناکام رہا۔ آخر حضور پُرنور نے حضرت علیؑ کو بلایا اور لشکر کی سرداری عطا فرمائی۔ اب حضورؐ خود بھی بہ نفسِ نفیس اس فوج کے ساتھ "مسجدُ الاحزاب" تک تشریف لے گئے۔ حضرت امیر المومنین کے دستِ مبارک میں یمامہ کا نیزۂ خطی تھا اور سیاہی مائل سرخ گھوڑے پر سوار تھے۔ رات کے وقت ناہموار راستوں پر چلتے رہتے تھے اور دن کو چھپے رہتے تھے پھر جب اس قوم کے نزدیک پہنچے تو عمرو بن العاص کو یقین ہو گیا کہ علیؑ ضرور اس جگہ کو فتح کر لیں گے اور ہم سب کو شرمندگی اٹھانا پڑے گی اس لئے اُس نے کوشش کی کہ کسی طرح علیؑ کو بھی ناکامیابی ہو جائے۔ یہ سوچ کر اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس راستہ میں بے حد سانپ اور درندے ہیں جو اہلِ "وادیِ الرّمل" یعنی بنی سُلَیم سے زیادہ خطرناک ہیں اس لیئے علیؑ کو سب ملکر سمجھائیں کہ وہ اس راستہ پر نہ چلیں۔ چنانچہ سب لوگوں نے دھوکے میں آکر امیر المؤمنین کو سمجھانے کی کوشش کی مگر آپ تو اصل حقیقت سے واقف تھے۔ آپ نے واپسی سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ان لوگوں سے جنگ کے لیئے اس راستہ سے بہتر کوئی دوسرا راستہ مناسب نہیں ہے۔ آپ نے

کسی کی ایک بات بھی نہ سنی اور اسی دشوار راستہ کی طرف چلتے رہے اور مجبوراً فوج کو بھی چلنا پڑا۔ رات گذرتی گئی یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور بعد نمازِ صبح آپ نے حملہ کا حکم دیدیا۔ یہ حملہ اسقدر اچانک تھا کہ بنو سلیم گھبرا گئے اور انھیں زبردست شکست اٹھانا پڑی۔ اس راستہ میں آپ نے اسقدر احتیاط سے کام لیا تھا کہ فوج کے گھوڑوں کے منہ بندھوا دیئے تھے تاکہ وہ بول نہ سکیں اور دشمن ان کی آواز نہ سُن سکے۔ اس فتح کے بعد جب حضرت علیؑ مدینہ کی طرف واپس ہوئے توحضورؐ انور نے ان کا خود استقبال فرمایا ــــــ اسی موقع پر یہ مشہور حدیث میں ارشاد کی: یا علیؑ لولا انّنی اشفق ان تقول فیک الخ جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

اسکے بعد علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ علامہ شیخ مفیدؒ نے اس لڑائی کو غزوۂ تبوک کے بعد تحریر کیا ہے۔ اور اپنی بعض تصنیفات میں غزوۂ بنی قریظہ کے بعد بیان کیا ہے اور کچھ علماء کی رائے ہے کہ جنگِ "ذات السلاسل" غزوۂ بنو مصطلق کے بعد واقع ہوئی تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ ہر مرتبہ مسلمانوں کی تعداد سات سو (۷۰۰) سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ پھر لکھتے ہیں کہ جب علیؑ مدینہ کی طرف واپس آرہے تھے تو رسولؐ اللہ نے شہر سے باہر جا کر خود اُن کا استقبال فرمایا۔ جب علیؑ نے رسولؐ اللہ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو فوراً گھوڑے پر سے کود پڑے اور تیزی سے قریب آکر آنحضرتؐ کے قدمہائے مبارک پر سر رکھ دیا اور انھیں چومنا شروع کر دیا۔ رسولؐ اللہ نے علیؑ کو اُٹھا کر اپنی آغوش میں لیا اور فرمایا کہ اے علیؑ سواری سے کیوں اُتر آئے۔ سوار ہو جاؤ کیونکہ اللہ اور اُس کا رسولؐ تم سے راضی ہیں۔ یہ سن کر حضرت علیؑ فرطِ مسرت سے رونے لگے۔ بعض لوگوں نے اس جنگ میں خالد بن ولید کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُنھوں نے بھی شکست کھائی تھی۔

(صد ۵۹۲) پھر لکھتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ اس قوم کے مسکن کی طرف بڑھ رہے تھے اور قریب پہنچ چکے تھے تو اسلامی لشکر اور بنو سُلیم کے لشکر کے درمیان ایک پہاڑ باقی رہ گیا تھا۔ اس وقت آپ نے لشکر والوں کو حکم دیا کہ اس پہاڑ کے نیچے اُترو تو خالد اور اُن کے ساتھیوں نے شدید مخالفت کی اور یہی عذر کیا کہ یہاں درندے اور سانپ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ پھر جب آپ نے سختی سے حکم

دیا تو سب لوگ راضی ہو گئے ۔ رات کو چلتے رہے اور عبادت کرتے رہے اور جب صبح قریب ہونے لگی تو آپ نے حکم دیا کہ گھوڑوں کے منہ کس کر باندھ دیئے جائیں تاکہ وہ بول نہ سکیں اور دشمن اُن کی آوازیں نہ سن سکے ۔ مگر جب اسلامی لشکر بنو سُلیم کے بالکل ہی نزدیک پہنچ گیا اور گھوڑیوں کی بُو گھوڑوں نے سونگھی تو ہنہنانا شروع کر دیا جسے سُن کر بنو سُلیم ہوشیار ہو گئے اور سمجھ گئے کہ کوئی لشکر آ رہا ہے ۔ پھر اچانک جنگ شروع ہو گئی اور بنو سُلیم اس اچانک حملہ کی تاب نہ لا کر فرار کر گئے ۔ باقی لوگ قتل کر دیئے گئے یا گرفتار ہو گئے اور کثیر مالِ غنیمت ہاتھ آیا ۔

پھر لکھتے ہیں کہ تفسیر فُرات کے مطابق حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے اصحابِ صُفّہ کے لیئے قُرعہ ڈالا تھا جس کے بعد اُن میں سے اور دوسرے لوگوں میں سے اسی جنگ میں اسّی آدمی شامل کئے گئے تھے ۔ لیکن جب کسی طرح فتح نہ ہوئی تو یہ بات طبع مبارک پر گراں ہوئی اور بلالؓ کو بلا کر حکم دیا کہ علیؑ کو بلاؤ ۔ جب وہ آ گئے تو لشکر کی علمداری اُن کے سپرد فرمائی اور غزوۂ خیبر کی طرح اعلان کیا کہ اب میں اُس بہادر کو بھیجتا ہوں جو کرّار اور غیر فرّار ہے ۔

پھر جب علیؑ روانہ ہوئے تو خود حضورؐ بھی انھیں رخصت کرنے کے لیئے اُن کے ساتھ مسجد احزاب تک تشریف لے گئے ۔ مسجد کے نزدیک حضرت علیؑ ایک سرخ سیاہی مائل گھوڑے پر سوار ہوئے اور آنحضرتؐ انھیں ہدایات دے رہے تھے ۔ اس کے بعد حضورؐ نے انھیں رخصت کیا اور خود مدینہ کی طرف پلٹ آئے ۔ اُدھر علیؑ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مہم پر روانہ ہو گئے جس کا رخ عراق کی طرف تھا ۔ اس لیئے لوگ یہ سمجھے کہ ہمیں علیؑ کسی اور طرف لیئے جا رہے ہیں یہاں تک کہ آپؑ وادیِ یابِسؔ کے دہانے پر پہنچ گئے ۔ وہاں سے آپ کا طریقۂ سفر یہ تھا کہ رات بھر چلتے تھے اور دن میں کہیں مع لشکر چھپ جاتے تھے ۔ پھر جب بنو سُلیم (اہل وادیِ یابِس) کے نزدیک پہنچ گئے تو ساتھیوں کو حکم دیا کہ اپنے گھوڑوں کے منہ سختی سے باندھ لو اور پورے لشکر کو ایک جگہ پر ٹھہرا دیا اس کے بعد خود بڑھ گئے ۔ غرض فجر طالع ہوگئی تو نماز کے بعد فوراً حملہ کا حکم دیدیا ۔ یہ حملہ اس قدر اچانک اور شدید تھا کہ بنو سُلیم ٹھہر نہ سکے اور وہ میدان چھوڑ گئے ۔ بہت سے قتل ہو گئے اور جو میدان میں باقی رہ گئے تھے انھیں گرفتار کر لیا گیا ۔ اسی فتح کی

بابت سورۂ "العادیات" کا نزول ہوا تھا۔

اس حملہ میں کفّار کے لشکر سے ایک سو بیس[۱۲۰] آدمی مارے گئے تھے۔ اُن لوگوں کا سردار حارث بن بشر تھا۔ ایک سو بیس[۱۲۰] کنیزیں قید ہوئیں۔

تفسیر فُرات ہی میں لکھا ہے۔ حضرت سلمان فارسی بیان کرتے ہیں کہ ہم سب اصحاب رسُول اللہ حضور کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بدوی عرب حاضر ہوا اور مہاجرین و انصار کی صفوں سے گذرتا ہوا آنحضرت کی خدمت میں گھٹنوں کے بل جھکا اور سلام کر کے عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں حضور نے جواب سلام دیا اور دریافت کیا کہ اے اعرابی تم کون ہو۔ اس نے عرض کی کہ میں بنو تمیم سے ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔ اس نے جواب دیا یا رسولَ اللہ قبیلۂ بنو خثعم کو میں اس حالت میں چھوڑ آیا ہوں کہ انھوں نے اپنا لشکر پوری طرح تیار کر رکھا ہے، اُن کے فوجی جھنڈے بلند ہو چکے ہیں جو اُن کے سروں پر لہرا رہے ہیں اور اُن کی قیادت حارث بن مکیدہ خثعمی کر رہا ہے۔ اس لشکر میں پانچسو جنگجو سوار ہیں جو سب قبیلۂ خثعم کے ہیں۔ ان لوگوں نے لات و عزّیٰ کی قسم کھا کر آپس میں مستحکم عہد و قرار کیا ہے کہ مدینہ پر شدید حملہ کریں گے اور حضورؐ کو اور اصحاب کرام کو قتل کر دیں گے۔ یہ سن کر رسولؐ اللہ کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے اور یہ دیکھتے ہی تمام صحابہ بھی رونے لگے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم نے اس اعرابی کی گفتگو سن لی ؟ سب نے عرض کی حضور! ہم سب نے سن لی آپ نے فرمایا کہ اس سے قبل کہ وہ لوگ مدینہ کو تاراج کر ڈالیں تم میں سے کون ہے جو اُن کو اس حملہ سے روک دے۔ اور اُن سے جنگ کرے۔ حضورؐ نے خطبہ ارشاد کیا اور فرمایا کہ میں جنّت کی اس شخص اور ان لوگوں کے لیئے ضمانت کرتا ہوں جو ان ڈاکوؤں کو اُن کی شرارت سے روک دیں۔ اتنے میں حضرت امیر المؤمنین ناقہ پر سوار حاضر خدمت ہوئے۔ رسُول اللہ کی یہ حالت دیکھی۔ آنسوؤں کی لڑیاں موتیوں کی طرح رخسارِ انور پہ چمک رہی تھیں۔ بس یہ دیکھتے ہی ناقہ سے اپنے آپ کو گرا دیا اور اپنی رِدا سے حضورؐ کی آنکھوں سے آنسوؤں کو صاف کرنا شروع

کر دیا۔ عرض کی میری جان آپ پر فدا ہو کس چیز نے آپ کو رلایا۔ خدا آپ کو کبھی نہ رلائے۔ آنحضرتؐ نے پورا واقعہ بیان فرمایا۔

غرض حضورؐ نے ایک مختصر فوج تیار کی جس میں ایک سو پچاس سپاہی تھے اور اس کا سردار علیؑ کو بنایا۔ عبداللہ بن عباس نے یہ دیکھ کر عرض کی حضورؐ! دشمن کی تعداد پانچ سو ہے اور اُن کا سردار حارث بن مکیدہ ہے جو خود اکیلا پانچسو سواروں کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابن عباس! اگر علیؑ تنہا ہوں اور دشمن کی فوج خاک کے ذرّوں کے برابر کثرت میں ہو، جب بھی فتح علیؑ ہی کو ہوگی پھر رسول اللہؐ نے دعا دی، بھائی کو اللہ کی حفاظت میں دیا۔

اس کے بعد امیر المومنینؑ روانہ ہو کر مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر وادیٔ ذی خُشُب پہنچے۔ پھر دشمن کے پڑاؤ کے قریب پہنچ کر صبح کی نماز کے لیے اذان دی۔ جسے سُن کر دشمن گھبرا گیا۔ اس کے بعد عَلَمِ لشکر جنگ کے لیئے بلند ہوا۔ جنگ شروع ہو گئی۔ پہلا حملہ خود امیر المومنینؑ نے تنہا کیا۔ پہلے انفرادی لڑائی ہو رہی تھی اِس جنگ میں حارث بن مکیدہ خود میدان میں نکلا۔ تلواریں چلنے لگیں میدانِ کارزار میں بجلیاں چمک رہی تھیں۔ آخر علیؑ کی ضربت نے حارث کو مٹی کا ڈھیر بنا کے زمین پر گرا دیا۔ پھر فتح حاصل ہوئی۔ (اثنائے بیان میں غزوۂ بنو قُریظہ اور غزوۂ بنو مُصطلِق کا ذکر آیا ہے۔

غزوۂ بنو قُریظہ ماہ شوال ۵ھ ہجری میں واقع ہوا تھا —— جبکہ غزوۂ خندق رمضان و شوال ۵ھ ہجری میں ہوا تھا۔ اور غزوۂ بنو مُصطلِق ربیع ۲ ۵ھ میں

صاحب منتہی الآمال نے جلد اوّل میں اس کے وقوع کا سال ۸ھ ہجری لکھا ہے۔ سیرت کی دوسری کُتب میں غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ۹ھ ہجری میں اس جنگ کا ذکر کیا گیا ہے۔

اب ہم چند دوسرے مشہور گھوڑوں کا مختصر ذکر کرتے ہیں:۔

سَیف بن ذِی یزن بادشاہ یمن نے حضرت عبد المطّلب کو اُن کے سفر یمن کی واپسی پر جو تحفے دیئے تھے اُن میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کا نام عُقاب تھا اور ایک خچر تھا جس کا نام شحبا تھا، اِن کے ساتھ ایک اونٹنی بھی تھی جس کا نام عضباء تھا اور سیف بن ذی یزن نے وصیّت کی تھی کہ ان چیزوں کو عبد المطّلب اپنے پوتے

محمدؐ کے پاس پہنچا دیں اور جہاں اُس نے اور باتیں کہی تھیں گھوڑے کے متعلق کہا تھا کہ یہ ایسا گھوڑا ہے جس پر بیٹھ کر جس چیز کے حاصل کرنے کے لیئے میں نکلا وہ لازمی طور پر مجھے ملگئی۔ سیف بن ذی یَزَن کی ولادت ایک سو دس سال قبل ہجرت ہوئی تھی اور وفات پچاس برس قبلِ ہجرت۔ سیف بن ذی یَزَن نے حضرت عبدالمطلبؑ سے کہا کہ ابھی سے میں محمدؐ پر ایمان لا چکا ہوں حالانکہ اُنکی ولادت کو تھوڑا ہی زمانہ ہوا ہے اور اُنکی عمر چند سال کی ہے۔ کاش میں اُس وقت ہوتا جب اُن کی بعثت ہو گی۔ سیف توراۃ و انجیل اور آسمانی صحیفوں کا علم رکھتا تھا۔

اس گھوڑے کا نسب اور دیگر حالات دیکھئے۔ بحار الانوار جلد ۶ صہ ۳۵ پر۔ نیز سَیف بن ذی یَزَن کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو "الاَعْلام" زِرکلی ج ۳ صہ ۲۱۸ مع حوالہ جات۔

عامِرُ بنُ الطُّفَیل ہجرت سے ستر سال قبل پیدا ہوا اور ہجرت کے گیارہ سال قبل وفات پائی۔ اپنے زمانہ کا عظیم ترین بہادر تھا۔ اس کا پورا نام عامِر بن الطُّفَیل بن مالک بن جَعْفر العامِری تھا یہ بہت مشہور شاعر اور سخی تھا۔ اس کے نامور گھوڑے کا نام مَزْنُوق تھا۔ عامِرُ بنُ الطُّفَیل حضرت اُمُّ البَنِین مادرِ حضرتِ ابوالفضل العبّاس بن علی کے خاندان کے ایک تاریخی بہادر کا نام ہے۔ ایک دوسرے بہادر عَتّاب بن وَرْقاء کے گھوڑے کا نام بھی یہی تھا۔

عَتّاب کی وفات ۷۷ھ میں ہوئی تھی یہ یَربُوعی تمیمی تھا۔ یہ مُصْعَب بن زُبَیر کی طرف سے اصفہان کا گورنر تھا۔

حضرت فاطمہ بنت حِزام (اُمُّ البَنِین) کے اجداد میں طُفَیل بن مالک کے مشہور گھوڑے کا نام قُرْزُل تھا اور یہی نام حُذَیفہ بن بَدْر کے گھوڑے کا بھی تھا، جو تیز رفتاری میں ضربُ المَثَل ہے۔ حُذَیفہ ایامِ جاہلیّت کی ایک معروف شخصیت کا نام ہے۔ عہ "قاموس" میں "قرزل" ہے اور لِسانُ العرب و صِحاحِ جوہری میں قُرزُل ہے

اس کے بعد اب ہم پھر اپنی قلمی کاپیوں کے مضامین ذوالجناح کے متعلق نقل کرتے ہیں۔

(ہماری قلمی شہادتِ کبریٰ جلد ۱۰ صہ ۹۰ — ۱۰۰)

خلاصۂ ثمرات الاعواد ج اول از صفحہ ۲۰۱ تا آخر کتاب :- قَالَ الرَّاوِی وَخَرَجَ ثُمَّ کَبِدَہٗ مَعَ اَسْہُمِ الْ (ترجمہ) راوی بیان کرتا ہے کہ جو تین بھال کا زہریلا تیر ابوالحتوف جعفی نے امام حسین علیہ السلام کے قلبِ اقدس پر مارا تھا جس کا واقعہ یہ ہے - جب امام عالی مقام پر چاروں طرف سے تلواریں، نیزے اور تیر پڑ رہے تھے اور سر سے پیروں تک فرزند فاطمہ زخموں سے چور چور ہو چکے تھے اس وقت کسی شقی نے جبینِ مبارک پر ایک پتھر مارا جس سے سرا طہر شگافتہ ہو گیا اور چہرۂ انور اور ریشِ مقدس پر خون بہنے لگا تو آپ نے فوراً زرہ ہٹا کر اس کے نیچے سے قمیص کا دامن نکالا اور چہرہ کا خون پونچھنا شروع کر دیا - اس طرح کرنے سے آپ کا سینۂ اقدس کھل گیا -- ادھر ابوالحتوف جعفی ملعون دور سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا بس فوراً اس شقی نے ایک تین بھال کا زہریلا تیر چلّۂ کمان میں جوڑا اور امام کے قلب کو نشانہ بنا دیا - تیر امام حسین کے قلبِ مطہر میں اتر گیا اور ساتھ ہی آپ نے آسمان کی طرف سر بلند کر کے درگاہِ خداوندی میں عرض کی - خداوندا! تو خوب واقف ہے کہ یہ ظالم لوگ ایسے شخص کو قتل کر رہے ہیں جس کے علاوہ اس وقت پوری زمین پر کوئی دوسرا تیرے رسولؐ کا نواسہ نہیں ہے - اس کے بعد امام نے اس تیر کو قلبِ اقدس سے نکالنے کی کوشش فرمائی مگر وہ نہ نکل سکا آخر آپ نے گھوڑے کے زین کے اگلے حصہ پر تیر کے آخری سرے کو رکھا اور جھک کر خوب زور سے دبایا اور تیر کے پھل کو پشت کی طرف سے کھینچا - آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے : بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ جَدِّیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اس کے بعد تیر نکل تو گیا پشت کی طرف سے مگر نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے قلبِ اقدس کے تین حصّوں میں سے دو حصّے تیر کے ساتھ ہی باہر آ گئے، جس کے بعد امامِ عالی مقام پشتِ ذوالجناح سے زمین پر تشریف لے آئے - بس یہ دیکھتے ہی ذوالجناح نے زخمی امامِ عالی مقام کے گرد گھومنا شروع کر دیا اور پھر اپنی لگام اپنے ہی دانتوں سے پکڑ کر بار بار اس کی کوشش کی کہ اسے امام علیہ السلام کے دستِ مبارک میں دیدے تاکہ وہ کھڑے ہو کر پھر اس کی پشت پر سوار ہو جائیں - جب اس اسپِ رسولؐ اللہ نے دیکھا کہ اب امام میں اٹھنے کی قوت و طاقت باقی نہیں رہی تو پھر اس نے خونِ حسین میں

اپنی پیشانی رنگنا شروع کردی اور اس طرح سر اور پیشانی کو خونِ امام میں خوب رنگ کر خیمۂ حسینی کا رخ کیا تاکہ مُخدَّرَاتِ عصمت کو خبر کردے کہ اُن کا وارث اور آقا شہید ہوگیا۔ گھوڑا منہ پر خونِ حسین ملے ہوئے قتلگاہ سے خیمہ کی طرف آرہا ہے اور اپنے حمحمہ (فریاد) میں کہتا جاتا تھا "اَلظَّلِیْمَۃَ اَلظَّلِیْمَۃَ، اَلْھَضِیْمَۃَ اَلْھَضِیْمَۃَ مِنْ اُمَّۃٍ قَتَلَتْ ابْنَ بِنْتِ نَبِیِّھَا (اَلظَّلِیْمَۃ ۔ وہ چیز جو ظلم وستم کے ساتھ چھین لی جائے۔ اَلْھَضِیْمَۃُ ۔ ظلم (المنجد) ہائے اس امّت کا ظلم وستم جس نے اپنے نبیؐ کے فرزند کو شہید کر ڈالا! گھوڑے کا یہ عالم دیکھ کر تمام ہاشمی سیدانیاں ذوالجناح کے صدقہ ہونے لگیں اور چیخ چیخ کر رونے لگیں۔ حضرت زینب نے فریاد کی ــــ اے میرے بھائی کے گھوڑے! میرا بھائی کہاں گیا ۔ اے ذوالجناح میرا وہ بھائی کہاں ہے جو میری زندگی کا سہارا اور میرے سر پر سایہ فگن تھا! ــــ
(ثمرات الاعواد ج اوّل صہ ۲۰۱)

دوسری روایت صہ ۲۰۶ پر یہ ہے: ابومخنف کہتا ہے: اِنَّ فَرَسَ الْحُسَیْنِ الخ (ترجمہ) جب امامِ عالی مقام گھوڑے سے زمین پر تشریف لا چکے تو وہ گھوڑا اس ہنگامہ میں اِدھر اُدھر گھبرا کر دوڑ رہا تھا اور فریاد کر رہا تھا اور ایک ایک لاش کے قریب جاتا تھا یہاں تک کہ امام کی لاشِ اقدس کے قریب آیا اور ٹھہر گیا۔ اس کے بعد اپنی پیشانی کو خونِ حسین میں ڈبونے لگا اور اپنی اگلی ٹانگوں سے زمین کو کوٹنے لگا اور اس قدر زور سے چیخنے لگا کہ پورا صحرا اُسکی آواز سے گونج اٹھا۔ یہ دیکھ کر ابن سعد کی فوج حیرت زدہ ہوگئی۔ جب عُمر بن سعد نے گھوڑے کا یہ حال دیکھا تو فوج سے کہنے لگا۔ تمہارا بُرا حال ہو ــ اِس گھوڑے کو میرے پاس لے آؤ کیونکہ یہ رسولؐ اللہ کے بہترین گھوڑوں میں سے ہے ــ ابن سعد کا یہ حکم سن کر لوگ گھوڑے کے پیچھے دوڑے مگر جب اُس نے دیکھا کہ فوجی میرے پیچھے آرہے ہیں تو اُس نے زمین کو اپنی چاروں ٹانگوں سے کوٹنا شروع کر دیا اور کسی کو بھی اپنے نزدیک آنے نہ دیا اور ساتھ ہی لشکریوں کی ایک کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ــــ اور بڑے بڑے بہادر شہسواروں کو اُن کے گھوڑوں کی پُشتوں پر سے اپنے دانتوں میں پکڑ کر گھسیٹ لیا اور ٹاپوں سے روند ڈالا۔ یہ دیکھ کر پھر کسی کی بھی ہمت

نہ ہوئی کہ وہ ذوالجناح کے قریب بھی آسکے۔ اُدھر عُمر بن سعد نے آواز دی کہ گھوڑے کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور سب دیکھتے رہیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ لوگ اس کے پاس سے دور چلے گئے تو وہ لاشِ امام حسین کے نزدیک آیا اور خونِ امام میں اپنی پیشانی کو رنگنے لگا اور اس طرح روتا تھا جیسے وہ بوڑھی ماں روتی ہے جس کا جوان بیٹا مر گیا ہو۔ پھر اس کے بعد اس نے خیمہ گاہِ حسینی کا رخ کیا۔ جناب زینب نے جب گھوڑے کی آواز سنی تو دوڑ کر سکینہ کے پاس آگئیں اور فرمایا کہ بیٹی! شاید تمہارے بابا میدان سے واپس آگئے اور تمہارے لیے پانی لے آئے! بابا کا نام سننا تھا کہ سکینہ خوش ہو کر خیمہ کے باہر کی طرف دوڑیں تو کیسا حشر کا سامان نظر آیا۔ گھوڑا تو تھا مگر سوار نہ تھا۔ گھوڑا اکیلا تھا اور زین خالی — بس یہ دیکھنا تھا کہ حسین کی چہیتی بیٹی سکینہ نے اپنی چادر سر سے پھینک کر آہ و بکا شروع کی اور رو رو کر فریاد کرنے لگیں۔ ہائے میرے بابا! واحسیناہ، واقتیلاہ! ہائے ہماری غربت و مسافرت! ہائے دوریِ وطن! ہائے ہماری مصیبت! میرے بابا حسین صحرا میں جلتی زمین پر پڑے ہوئے ہیں اور اشقیائے اُمت اُن کا عمامہ اور رِدا سب کچھ لوٹ لے گئے اور انگوٹھی اور نعلین تک کو نہ چھوڑا۔ ہائے میری جان فدا ہو اس شہید پر جس کا سرِ اقدس تو کسی زمین پر ہے اور تنِ اطہر کسی زمین پر پڑا ہوا ہے۔ میری جان نثار ہو اُس مرنے والے پر جس کا سر تین دن کی بھوک اور پیاس میں کاٹا گیا۔ اُس پر صدقے ہو جاؤں جس کے اہلِ حرم کو لوگوں نے ذلیل کیا اور ان کی حرمت و عزت کا کوئی خیال نہ کیا۔ ہائے میں فدا ہو جاؤں اس شہید پر جس کا چھوٹا سا لشکر پیر کے روز دنیا سے گذر گیا اور شہید ہو گیا! اس کے بعد چیخ چیخ کر فریاد کرنے لگیں اور یہ اشعار پڑھے۔

(ترجمہ) آج فخر و عزت اور جود و سخا کو موت آگئی ہے اور حرمِ رسُول اور حرم خدا اور آسمان کے تمام کنارے غبار آلود ہیں۔ آسمان کے دروازے اللہ نے بند کر دیئے ہیں اب کوئی دعا آسمان کی طرف بلند نہ ہوگی کہ لوگوں کے کرب و غم دور ہو سکیں۔

اے میری بہن اُٹھیئے اور دیکھئے! بابا کا گھوڑا آیا ہے اور آپ کو بابا کی سُنانی سنا رہا ہے کہ ہمارے بابا حُسین قتل ہو گئے اور سارا عالم میری نگاہوں میں تاریک ہو گیا! اے موت کیا تو عوض قبول نہیں کرتی۔ کیا تو کوئی فدیہ نہیں لیتی! مطلب

یہ تھا کہ بابا کے بدلہ بیٹی کو موت آجاتی ——— میرے پروردگار! اِن فاسقوں اور ظالموں سے میرا انتقام لے۔

(صـ ۹۷) جب حضرت امام حسین دوسری محرم ۶۱ھ ہجری کو زمینِ کربلا پر وارد ہوئے تھے تو یہی گھوڑا (ذوالجناح) اس سرزمین پر پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اس کے بعد آپ نے سات یا آٹھ گھوڑے بدلے (بنا بر اختلافاتِ روایات) مگر کوئی گھوڑا ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا ——— اس روایت کو متعدد کتابوں میں سیرت نگاروں نے لکھا ہے۔ (صـ ۹۸) مقتل ابومخنف کے صـ ۴۳ پر ہے: وَسَارُوا جَمِيعًا اِلٰى اَنْ اَتَوْا اَرْضَ كَرْبَلَاءِ الخ (ترجمہ) امام حسین کا قافلہ کوفہ کی طرف جا رہا تھا یہاں تک کہ وہ زمینِ کربلا تک پہنچا۔ یہ چہارشنبہ کا دن تھا ——— وہاں پہنچتے ہی گھوڑا ٹھہر گیا ——— یہ دیکھ کر امام اس گھوڑے سے اُتر آئے اور دوسرے گھوڑے پر بیٹھے مگر وہ بھی آگے نہ بڑھا۔ اسی طرح برابر ایک کے بعد دوسرے گھوڑے پر بیٹھتے رہے یہاں تک کہ چھ یا سات گھوڑوں پر بیٹھے۔ مگر اُن میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھا ——— جب امام حسین نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا: اے قوم اس زمین کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے عرض کی ——— غَاضِرِيَّة ——— آپ نے کہا کیا اس کا کوئی دوسرا نام بھی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ——— نِينَوىٰ ——— فرمایا کوئی اور نام ——— لوگوں نے بتایا کہ اسے شاطئ الفرات بھی کہا جاتا ہے ——— فرمایا اس کے علاوہ کوئی اور نام بھی ہے۔ لوگوں نے آخرکار مجبور ہو کر عرض کر دیا کہ اس زمین کو کربلا بھی کہتے ہیں ——— یہ سن کر امام حسین نے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا ——— اَرْضُ كَرْبٍ وَبَلَاءٍ! پھر حکم دیا کہ اب سب لوگ یہاں اُتر پڑیں اور یہاں سے آگے نہ بڑھیں۔

خدا کی قسم! اسی زمین پر ہماری سواریاں ٹھہریں گی۔ یہیں ہمارے خون بہائے جائیں گے۔ اسی جگہ ہماری اور ہمارے خاندان کی توہین و تذلیل ہوگی ——— اسی مقام پر ہمارے مرد شہید ہوں گے، ہمارے بچے ذبح کئے جائیں گے، اسی جگہ ہماری قبریں بنائی جائیں گی۔ پھر ان قبروں کی لوگ زیارت کرتے رہیں گے ——— اسی سرزمین کے متعلق میرے نانا رسول اللہ نے خبر دی تھی اور اُن کی خبر کبھی ہرگز غلط نہیں ہو سکتی۔ یہ سب کچھ فرما کر گھوڑے سے اُتر آئے اور کچھ شعر پڑھنے لگے:—

یَا دَھرُ اُفٍّ لَکَ مِنْ خَلِیلٖ ۔ کَمْ لَکَ بِالاِشرَاقِ وَالاَصِیلٖ
مِنْ طَالِبٍ بِحَقِّہٖ قَتِیلٖ ۔ وَالدَّھرُ لَا یَقْنَعُ بِالْبَدِیلٖ
وَکُلُّ حَیٍّ سَالِکٌ سَبِیلِی ۔ مَا اَقْرَبَ الْوَعْدَ مِنَ الرَّحِیلِی
وَاِنَّمَا الْاَمْرُ اِلَی الْجَلِیلٖ، ۔ سُبْحَانَ رَبِّیْ مَالَہٗ مَثِیلٖ

(ترجمہ) اے زمانے تو کس قدر بُرا دوست ہے! تجھ میں کتنی صبحیں اور شامیں ہوتی رہتی ہیں! - تجھ میں کتنے ایسے حقدار ہیں جو اپنا حق طلب کرتے اور نتیجہ میں قتل ہو جاتے ہیں! اور زمانہ تو عوض اور بدلہ قبول نہیں کرتا - ہر زندہ میرے راستہ پر چلے گا اور موت کا مزہ چکھے گا — وعدۂ روانگی بس قریب اور پورا ہونے ہی کو ہے - تمام امور اور تمام فیصلے اللہ کے ہاتھ میں ہیں — میرا پروردگار بے حد پاک ہے اور اس کا کوئی مثل نہیں -

امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ میرے بابا ان اشعار کو بار بار پڑھ رہے تھے - یہ دیکھ کر شدتِ گریہ سے میرے گلے میں پھندا پڑ گیا - مگر میں نے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکالا - لیکن میری پھوپھی حضرت زینب نے جب یہ اشعار سنے تو وہ بے حد روئیں اور اپنے بھائی کے پاس اس حال میں حاضر ہوئیں کہ اُن کی چادر کا دامن زمین پر کھنچتا جاتا تھا - قریب آ کر عرض کی اے میرے ماں جائے اے میرے بھائی اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! کاش موت نے میری زندگی ختم کر دی ہوتی - اے گذشتہ بزرگوں کے خلیفہ اور اے موجودہ لوگوں کے لیے سببِ عزت و بزرگی و زینت! — امام نے بہن کی طرف دیکھا اور فرمایا: اے زینب اے بہن صبر سے کام لو! کیونکہ آسمان والوں کو موت آئے گی اور ساکنانِ زمین بھی موت سے محفوظ نہ رہ سکیں گے - کائنات کی ہر چیز کو موت ہے — ایک فقط اللہ کی ذات ہے جو حیّ و قیوم ہے - اُسے موت نہیں اور سب کو اُسی کی ذات کی طرف پلٹنا ہوگا - اس وقت میرے جدّ رسول اللہ اور میرے بابا علیِ مرتضیٰ کہاں ہیں — سب نگاہوں سے اوجھل ہو گئے جو مجھ سے افضل و بہتر تھے - اُن کی زندگی اور اُن کی سیرت ہر مسلمان کے لیے نمونہ ہے - اس طرح امام حسین اپنی بہن کو تسلی اور دلاسا دیتے رہے - پھر سمجھا کر خیمہ کے اندر پہنچا دیا - اس کے بعد اپنے اصحاب و انصار کے

پاس تشریف لائے اور انھیں حکم دیا کہ تمام خیمے آپس میں قریب قریب لگائے جائیں
(صد ۹۹ مناقب ابن شہر آشوب ج میں روز ورودِ امام حسین چہارشنبہ یا پنجشنبہ
لکھا ہے۔ تاریخ ۲ محرم سنہ ۶۱ ہجری تھی۔
(صد ۱۰۰) ناسخ التواریخ جلد ۶ صد ۲۲۵ پر گھوڑوں کی تعداد جو امام حسین نے بار بار
بدلے تھے سات کے ساتھ آٹھ بھی لکھی ہے۔ اور یوم ورودِ کربلا میں پنجشنبہ تحریر
کیا ہے۔ وہاں اسقدر اضافہ ہے کہ آپ گھوڑے سے اتر کر اپنی تلوار صاف کرنے
لگے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے جن کا ترجمہ ہم نے بیان کیا ہے۔
(جلد ۱۰ صد ۱۰۶): ۔ منتخب طریحی وغیرہ میں ہے کہ جب ذوالجناح درِ خیمہ پر آیا تو
جناب زینب خیمہ سے بیتاب ہو کر باہر آئیں اور اُن کے ساتھ سب بچے اور تمام
عورتیں تھیں۔ گھوڑے پر آپ کی نظر جو پڑی تو آپ نے چیخیں مار کر فریاد کرنا شروع
کی ۔۔ وَا اَخَاہ! وَا سَیِّدَاہ! ۔۔۔

روتے روتے غش کھا کر گر پڑیں ۔ اور شاہزادی سکینہؑ اپنے کو گھوڑے
کے سُموں پر گرا دیا اور فریاد کرنے لگیں وَا اَبْتَاہ! اب یتیموں اور بیواؤں کی کون
سرپرستی کرے گا ۔ وَا سَیِّدَاہ! اب آپ کے بعد ہمارا کوئی سہارا نہیں رہا۔

بس اس کے بعد ہی خیامِ حسینی میں آگ لگائی گئی اور فوجی خیموں کو لوٹنے
لگے۔

(جلد ۱۰ صد ۱۲۹): ۔

(ترجمہ) منتخب طریحی میں ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہو چکے تو آپ کے
گھوڑے نے ہنہنانا شروع کر دیا اور میدانِ کارزار میں ہر طرف لاشوں کے درمیان
دوڑتا پھرتا تھا۔ عُمر بن سعد نے جب یہ حالت دیکھی تو "صَاحَ بِالرِّجَالِ" چیخ کر
لوگوں سے کہا کہ اس گھوڑے کو گرفتار کر لو اور میرے پاس لے آؤ کیونکہ یہ رسول اللہ
کی سواری کا گھوڑا ہے اور آپ کے بہترین گھوڑوں میں سے ہے ۔ یہ سنتے ہی فوجی
سوار ذوالجناح کے پیچھے جھپٹ پڑے لیکن ذوالجناح ہر اُس شخص کو ٹانگوں سے
بری طرح مارتا تھا جو اس کے قریب جانے کی کوشش کرتا تھا ۔ اور دانتوں سے اسے
کاٹتا تھا ۔ اس طرح اس نے بہت سے سواروں کو ہلاک کر دیا اور بہت سے

سواروں کو اُن کے گھوڑوں کی پشت پر سے گھسیٹ لیا اور کسی شخص کو جرأت و قدرت نہ رہی کہ وہ اُس کو گرفتار کر سکے۔

یہ دیکھ کر عُمر بن سعد نے پکار کے کہا کہ اب تم سب اس گھوڑے کے پاس سے دور ہٹ جاؤ اور کوئی اس کے قریب نہ جائے۔ پھر ہم دیکھیں کہ یہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ سب لوگ دور چلے گئے۔ اس کے بعد ذوالجناح لاشوں میں سے گذرتا ہوا امام حسین کی لاشِ اقدس کے پاس آگیا اور جسمِ اطہر کو سونگھنے لگا اور چومنا شروع کر دیا۔ پھر اُس نے اپنی پیشانی امام کے خون میں لٹائی۔ وہ برابر بے چینی کے ساتھ چیخ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں گر رہی تھیں۔ اس طرح رو رہا تھا جیسے کوئی بوڑھی ماں اپنے جوان فرزند کی لاش پر روتی ہے۔ اس اندوہناک منظر کے نظارے سے پوری فوج کو حیرت تھی۔ عبداللہ بن قیس کہتا ہے۔ میں نے ذوالجناح کو دوڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ جدھر وہ جاتا تھا لوگ اُس کے سامنے سے بھاگتے تھے۔ وہ خیام حسینی کی طرف سے پلٹ رہا تھا۔ کسی کو اس کے گرفتار کرنے پر قدرت نہ تھی۔ پھر اس نے فوج پر حملہ کر دیا اور بہت سے سواروں اور پیادوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اس کے بعد اس نے فرات کا رخ کیا اور اس کے اندر جست کی اور ایک ہی جست میں نہر کے درمیان پہنچ گیا اور غوطہ لگایا مگر پانی پر پھر نہ اُبھرا اور نہ پانی کے اندر پایا گیا اور آجتک کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا لیکن کچھ راوی بیان کرتے ہیں کہ اب وہ امام قائم علیہ السلام کے ظہور کے وقت اُن کے زیرِ رکاب ہو گا۔

عبداللہ بن قیس بیان کرتے ہیں۔ میں نے امیرالمؤمنین کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جنگِ صِفّین کے موقع پر جبکہ اَعوَر اُسلمی نے حضرت علیؑ کے لشکر پر پانی بند کر دیا تھا تو کوئی اُس کا مقابلہ نہ کر سکا اور نہر پر سے اُس کو ہٹا نہ سکا۔ اُسوقت آپ نے اپنے فرزند امام حسین کو پانچسو سواروں کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیئے روانہ کیا۔ حسین علیہ السلام نے پہلے ہی حملہ میں اَعوَر کو شکستِ فاش دیدی اور نہرِ فرات پر قبضہ کر لیا۔ امیرالمؤمنین بیٹے کی اس فتح کے بعد فوج کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ مَعَاشِرَ النَّاس! میرا یہ فرزند کربلا میں بھوکا پیاسا شہید کیا

جائے گا اور اس کا گھوڑا گھبرا گھبرا کر ادھر ادھر دوڑے گا اور فریاد کرے گا۔
اَلظَّلِیمَۃَ اَلظَّلِیمَۃَ مِنْ اُمَّۃٍ قَتَلَتْ اِبْنَ بِنْتِ نَبِیِّھِمْ وَھُمْ یَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ الَّذِیْ جَاءَ بِہٖ اِلَیْھِمْ" ہائے یہ ظلم و ستم! اس اُمت کا جس نے اپنے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند کو قتل کر ڈالا حالانکہ قتل کرنے والے قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں جسے پیغمبر اکرم اُن کی ہدایت کیلئے لائے ہیں اللہ کی جانب سے" اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ ہر جاندار اور ہر بے جان چیز کی زندگی اور وجود کی ایک میعاد مقرر ہے جس کا وہ اللہ کے فرمان کے مطابق پابند ہے۔ میں اپنے حُسین کو اس کی شہادت کے قبل ہی ابھی شہید دیکھ رہا ہوں اور یہ واقعہ پورے یقین کے ساتھ مجھ کو معلوم ہے۔

(ص ۱۳۰) صاحب مناقب اور محمدؐ بن ابیطالب لکھتے ہیں کہ اسپِ حُسینی چاروں طرف چیختا ہوا دوڑتا پھرتا تھا اور خیمۂ اہل بیت پر پہنچ کر اپنا سر زمین پر مار رہا تھا یہاں تک کہ مر گیا (صحیح روایت وہی ہے جو پہلے لکھی گئی۔ مؤلف)

جَلُودی کہتے ہیں کہ جب امامِ عالی مقام زخمی ہو کر زمین پر گر چکے تو گھوڑے نے آپ کی حفاظت شروع کر دی اور دوڑ دوڑ کر سواروں کو زین پر سے دانتوں سے پکڑ کر زور سے گھسیٹ لیتا تھا اور ٹاپوں سے کچل دیتا تھا — اس طرح چالیس سواروں کو اُس نے ہلاک کر ڈالا — پھر خونِ امام میں لوٹنے لگا — اس کے بعد خیامِ حُسینی کا رخ کیا اسی حالت سے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

اس کی فریاد سے پورا صحرا گونج رہا تھا۔ آخر خیموں کے نزدیک گیا۔ گھوڑے کی آواز سن کر حضرت زینب فوراً دوڑ کر سکینہ کے پاس آئیں اور فرمایا بیٹی سکینہ تمہارے بابا شاید پانی لے آئے ہیں تمہارے لئے — جلدی باہر جاؤ! مگر ہائے جب جیتی بیٹی باہر آئی تو کیا حشر دیکھا — گھوڑا اکیلا تھا۔ سوار اس کی پشت پر موجود نہ تھا۔ اور آنسوؤں کے ساتھ چیخ رہا تھا گویا بیٹی کو باپ کے مرنے کی خبر پہنچا رہا تھا۔ یہ دیکھتے ہی فرطِ غم سے سکینہ نے اپنی چادر کو پھاڑ ڈالا اور فریاد کی — وَا قَتِیْلَاہُ! وَا حُسَیْنَاہُ! وَا مُحَمَّدَاہُ! وَا عَلِیَّاہُ! وَا فَاطِمَتَاہُ! وَا غُرْبَتَاہُ! وَا بُعْدَ سَفَرَاہُ! وَا کَرْبَاہُ! — اے نانا رسولؐ اللہ آپ کا فرزند حُسین جلتی ہوئی ریت پر ہے۔ دشمن عمامہ اور ردا تک لوٹ لے گئے۔ پھر اپنے ننھے ننھے ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر کچھ شعر

پڑھنے لگیں ۔ جن کا مطلب یہ تھا :۔

اب توجود و کرم دنیا سے اٹھ گیا ۔ زمین و آسمان اور حرمِ خدا و رسولؐ غبار آلود ہیں میرے بابا کے غم میں!۔ یہ اشعار سن کر حضرت زینب کی حالت غم سے نڈھال تھی اور فرماتی تھیں ۔ ہائے اس گھوڑے کو کاش میں خالی نہ دیکھتی جس پر اب میرا بھائی نہیں ہے ۔ میرے بھائی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ۔ تو پھر یہ گھوڑا کیوں زندہ رہ گیا میرے شبیر سے بھائی کی لاش کے پاس اس گھوڑے کی بھی لاش ہوتی ۔

اے نفس دنیا کی مصیبتوں پر صبر سے کام لے ۔ یہ حُسین کی لاش ہے جو آسمانوں کے رب کی طرف نظر اٹھائے ہوئے ہیں ۔ جب یہ خبر تمام عورتوں کو معلوم ہوگئی تو پھر کسی سیدانی کو ہوش نہ تھا اور ہر طرف فریاد کی صدائیں آرہی تھیں کہ زمین کا سینہ پھٹا جا رہا تھا اور آسمان لرز رہا تھا ۔ رونے والیوں نے اپنے چہرے فرطِ غم سے زخمی کر لیئے ۔ گریبان چاک کر ڈالے ۔ ہر طرف یہی فریاد تھی :۔

وَا مُحَمَّدَاہ ! وَا عَلِیَّاہ ، وَا فَاطِمَتَاہ ! وَا حَسَنَاہ ! وَا حُسَیْنَاہ ! وا حَمْزَتَاہ ! وَا جَعْفَرَاہ ! وَا عَبَّاسَاہ ! وَا اَخَاہ ! وَا سَیِّدَاہ ۔ آج کا دن وہ ہے کہ گویا محمد مصطفٰےؐ دنیا سے اٹھ گئے ۔ آج عَلِیؑ مرتضٰی نے دنیا سے کوچ کیا آج فاطمہ زہراؑ گویا ہم سے جدا ہوگئیں ۔ آج ہی تو خدیجۃ الکبریٰ کی گویا موت واقع ہوئی ۔ غرض اہل بیت کی فریاد زمین و آسمان کی ہر چیز کو مضطرب کر رہی تھی ۔ (جلد ۱۰ صہ ۱۸۰) ذوالجناح کی ان کیفیات و حالات کو اِس طرز ادا اور اِس انداز سے بھی بیان کیا گیا ہے :۔

" جب امام حسین شہید ہو گئے تو آپ کا گھوڑا چاروں طرف دوڑتا پھرتا تھا ۔ عمر بن سعد نے کہا کہ فوج والو اس گھوڑے کو گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ ۔ جب اشقیاء اُسے پکڑنے کے لیئے نزدیک آئے تو وہ کسی کے ٹاپیں مارتا تھا اور کسی کو منہ سے کاٹتا تھا ۔ یہاں تک کہ چالیس سپاہی فوجِ یزید کے اُس گھوڑے نے ہلاک کر دیئے ۔ اُس وقت عمر بن سعد نے کہا اچھا اب اس سے علیحدہ ہو جاؤ اور دیکھتے رہو کہ یہ کرتا کیا ہے ۔ جب گھوڑے نے امن پائی تو

تو ایک ایک کی لاش کو سونگھتا تھا - جوں ہی اس نے امام کی لاش دیکھی تو کبھی پیار سے حضرت کو سونگھتا تھا اور جسم اطہر کے بوسے لیتا تھا اور اپنی پیشانی امام کے قدموں سے ملتا تھا اور نعرے مارتا تھا اور روتا تھا پھر اس نے اپنی تمام پیشانی خونِ حسین سے رنگین کی اور زنِ پسر مردہ کی طرح فریاد کرنے لگا پھر نعرے مارتا، خاک اڑاتا درِ خیمہ پہ پہنچا - ذوالجناح کا یہ معمول تھا کہ جب امام حسین کی سواری درِ دولت پر لاتا تھا تو آواز دیتا تھا اور اس کے اِس دستور سے سب بیبیاں واقف تھیں - غرض جب جناب زینب نے گھوڑے کی آواز سنی تو سکینہ کو آواز دی کہ اے نورِ نظر! درِ خیمہ پہ گھوڑا تمہارے بابا کی سواری کا بول رہا ہے - شاید میرے بھائی حسین آئے ہیں اور یقین ہے کہ تمہارے لیئے پانی لائے ہوں گے - یہ سنتے ہی وہ صاحبزادی دوڑ کر درِ خیمہ پر آئی تو دیکھا کہ زین خالی ہے ، باگیں کٹی ہوئی ، پیشانی خونِ حسین سے رنگین — اپنے آقا کے غم میں نعرہ مار کر رو رہا ہے اور زمین پہ اپنا سر مار رہا ہے - یہ دیکھتے ہی حضرت سکینہ کہنے لگیں — اے پھوپھی اماں پانی کہاں! میرے بابا شہید ہو گئے - یہ سنتے ہی حضرت زینب اور تمام بیبیاں اور سب بچے اپنے منہ غم سے پیٹنے لگے اور گریبان چاک کر ڈالے اور سب نے گھوڑے کے گرد حلقہ کر لیا - کسی نے اس کی گردن میں باہیں ڈال دیں، کسی نے رکاب کے بوسے لئے - کسی نے اسکے منہ پر اپنا منہ رکھا - سکینہ نے اپنے تئیں گھوڑے کے سُموں پر گرا دیا —

بعض شعراء نے اِن کیفیات کو اشعار میں نظم کیا ہے جنکا حاصل نثر میں یہ ہے:

حضرت زینب گھوڑے کی پیشانی کو چوم کر رونے لگیں اور رو رو کر پوچھنے لگیں اے میرے بھائی کے اسپِ وفادار تو میرے بھائی کو کہاں چھوڑ آیا! ہائے اے ذوالجناح میرا پیاسا اور بھوکا ماں جایا کدھر گیا! اے میرے بھائی کے گھوڑے تو زہراء کے لعل کو کہاں چھوڑ کے واپس آ گیا — اے ذوالجناح مجھے بتا دے کہ میرا بھائی زندہ ہے یا نہیں! اے اسپِ وفادار تو سکینہ کے آنسوؤں کو دیکھ رہا ہے - یہ بچی اپنے بابا کو یاد کر رہی ہے - اِسے اپنی پشت پر بٹھا کر اس کے باپ تک پہنچا دے تاکہ اِس بچی کو تسکین ہو جائے - اُدھر گھوڑا درِ خیمہ پر زمین سے

سر ٹکرانے لگا - پیشانی سے خونِ حسین کی بوندیں گر رہی تھیں اور الظلیمۃ الظلیمۃ کی فریاد کرتا ہوا بتا رہا تھا کہ میرا سوار شہید ہو گیا - بی بی سکینہ ہمتیں کس کے پاس لیجاؤں - بابا قتل ہو چکے - اور پھر زبانِ حال سے کہنے لگا - شاہزادی زینب، آپ کے بھائی کو جب غش آنے لگا تو مجھے اشارہ کیا کہ میں زمین پر اپنے گھٹنے ٹیک دوں - اِدھر میں زمین کی طرف جھکا اور اُدھر سردارِ جوانانِ جنّت میری پشت پر سے زمین پر گرے - آقا کے ہاتھوں سے میری لجام چھوٹ گئی - ہائے کوئی نہ تھا اُس وقت کہ میرے آقا کا ہاتھ تھام لیتا - اور تو وہاں کوئی نہ تھا مگر میرا دل کہتا ہے کہ حُسین کے نانا محمد مصطفیٰ اور بابا علی مرتضیٰ اور ماں فاطمہ زہرا اور بھائی حسن مجتبیٰ ضرور آئے ہو گے اور حُسین کو سہارا دیا ہوگا - گھوڑے نے زبانِ حال سے بتایا ہوگا کہ بی بی میرے آقا نے کس کس کو آواز دی تھی - کبھی نانا کو پکارا کبھی بابا کو پکارا کبھی عبّاسِ باوفا کو آواز دی اور شاید گھوڑے نے یہ بھی بتایا ہو کہ بی بی زینب آپ کے بھائی کو آخری وقت کسی نے پانی نہیں دیا اور پیاسا ہی ذبح کر ڈالا -

گھوڑے نے یہ بھی زبانِ حال سے کہا ہوگا - حُسین نے آخری وقت تک بہنوں اور بیٹیوں خصوصاً سکینہ کو بہت یاد کیا تھا اور برابر خیمے کی طرف آقا کی نظریں لگی رہیں -

(جلد ۱۰ صـ ۲۲۸) :- چون امام حسین علیہ السلام الخ جب امام حسین علیہ السلام درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے اُس وقت آپ کے گھوڑے نے میدان میں بڑی شدّت سے چیخنا شروع کر دیا -

مقاتل کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ گھوڑے کے واقعات اُس وقت سے شروع ہوتے ہیں جب امام حسین علیہ السلام زمین پر اُس کی پشت سے تشریف لائے تھے اور آپ میں اُٹھنے کی قوّت نہ رہی تھی جیسا کہ ثمرات الاعواد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے جس کو ہم نقل کر چکے ہیں مگر ناسخ التواریخ ج ۶ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ گھوڑے کے واقعات امام کی شہادت کے بعد کے ہیں - اس سلسلہ میں یہ بات ضرور کھٹکتی ہے کہ جب امام گھوڑے سے

زمین پر گرے تھے تو انھیں قتل ہوتے ہوئے کیا گھوڑا دیکھتا رہا تھا! حالانکہ وہ تو امام کی حفاظت کر رہا تھا اور کسی کو اُن کے نزدیک نہیں آنے دیتا تھا۔

اس کی صورت بظاہر یوں معلوم ہوتی ہے کہ جب امام حُسین زمین پر گرے ہوں گے تو گھوڑے نے اضطراب کے عالم میں چیخنا شروع کر دیا ہوگا۔ پھر اِدھر اُدھر دوڑنے لگا ہوگا۔ عمر بن سعد نے یہ دیکھ کر اُسکی گرفتاری کا حکم دیا ہوگا۔ فوج کے سپاہی اُس کے پیچھے دوڑے ہوں گے۔ اُس کو تلواریں ماری ہوں گی اُس پر پتھر برسائے ہوں گے۔ گھوڑے نے فوج پر جوابی حملہ دانتوں اور ٹاپوں سے کیا ہوگا جس میں اُس نے چالیس اَشقیاء کو ہلاک کر دیا تھا۔ ابن سعد نے یہ حالت دیکھ کر فوج کو روکا ہوگا اور کہا ہوگا کہ اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دو دیکھو یہ کیا کرتا ہے۔ جب ذرا سکون ہوا ہوگا تو گھوڑا واپس آیا ہوگا لاشِ حُسین پر۔ اتنی دیر میں امام حُسین کا سرِ اقدس جدا ہو چکا ہوگا۔ یہاں سے ثمرات الاعواد کی عبارت مربوط معلوم ہوتی ہے جسے ہم نقل کر چکے ہیں — باقی تفصیل اس سے قبل بیان ہو چکی ہے۔ عبداللہ بن قیس کی روایت کا بھی تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

(جلد ۱۳ صہ ۱۱) (خلاصہ) امام حُسین کا قافلہ جب زمینِ کربلاء پہنچا تو دفعۃً آپ کا گھوڑا ٹھہر گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ذُوالجناح اِس زمین کو پہچانتا تھا جو نواسۂ رسُول کا مقتل تھی۔ محض اُس نسبت کی برکت سے جو اُس کو حضرتِ خاتم الانبیاء اور امیر المؤمنین اور امام حُسین سے حاصل تھی۔ اسی طرح اگر آج بھی کسی گھوڑے کو یہ نسبت حاصل ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اُس میں خصوصی صفات ظاہر نہ ہوں — غرض مقتلِ حُسین کا پہچان لینا اور مشیّتِ الٰہی سے واقف ہونا ایک جانور کے لیے انتہائی حیرت کا مقام ہے جبکہ اکثر انسانوں کو بھی یہ صفت میسّر نہیں ہوتی۔ جبتک فیضانِ الٰہی اُن کے شامل حال نہ ہو جائے — صاحبِ ناسخ کی تشریح ہم لکھ چکے ہیں کہ امام حُسین نے سات گھوڑے بدلے مگر کوئی بھی وہاں سے آگے نہ بڑھا۔ بلکہ آٹھ گھوڑوں کے بدلنے کی روایت بھی موجود ہے۔ اس وقت فرزندِ رسُول نے اصحاب و انصار سے دریافت کیا کہ یہ کونسی زمین ہے۔ اِس کی

تفصیل لکھی جا چکی ہے — یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ "مُرتجز" سرور کائنات کا گھوڑا تھا لیکن دوسرے گھوڑے تو آنحضرتؐ کی سواری کے نہ تھے۔ مگر زینِ مقتل کے پہچاننے کی صفت تو صرف "مُرتجز" میں نہیں بلکہ ہر اُس گھوڑے میں تھی جس پر امام سوار ہوئے تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو گھوڑا بھی حضرت سیّد الشہداءؑ کی ذاتِ اقدس کی طرف منسوب ہوگا اُس سے کرامات ظاہر ہو سکتی ہیں —

(جلد ۱۳ صہ ۵۷) اس صفحہ پر بھی امام حُسینؑ کے وُرودِ کربلاء کے سلسلہ میں گھوڑے کے ٹھہرنے کا ذکر ہے۔ نیز وُرودِ کربلاء کی پوری تفصیل مذکور ہے۔

(ہماری نوٹ بک قلمی) صہ ۱-۲ :-

ذُوالجناح نہرِ فرات میں ڈوب کر غائب ہوگیا تھا اور اب ظہورِ امامِ عصر علیہ السلام کے وقت وہ بھی ظاہر ہوگا۔ از (ناسخ التواریخ جلد ۶ صہ ۳۰۸)

ذُوالجناح (مُرتجز) پر سوار ہو کر حضرت سرورِ کائنات نے جس پہلی جنگ میں شرکت فرمائی تھی وہ جنگِ اُحد تھی۔ (از ثمرات الاعواد ج اوّل صہ ۵۹)

(" صہ ۲) ذُوالجناح (مُرتجز) کی خریداری ولادتِ امام حُسینؑ سے قبل ہوئی تھی۔ پھر جب آپ کی ولادت ہو گئی اور کچھ پیروں چلنے لگے تو اس گھوڑے پر سواری کی خواہش کی۔ نانا نے اپنے محبوب نواسے کو گھوڑے پر سوار کیے جانے کا حکم دیا۔ اصحابِ کرام شاہزادے کو جیسے ہی گھوڑے کے سامنے لائے تو وہ فوراً اَدب سے بیٹھ گیا۔ اصحاب نے نواسۂ رسول اللہ کو اُس پر سوار کیا اور حضورؐ کی خدمت میں مبارکباد دینے لگے۔ مگر آنحضرتؐ نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ صحابۂ کرام گھبرا گئے۔ عرض کی ہم سے کیا گستاخی ہوئی۔ فرمایا میں اس پر رو رہا ہوں کہ جس طرح آج یہ گھوڑا حسینؑ کے لیے بیٹھا ہے۔ جب کربلاء میں میرا حُسینؑ زخموں سے چور ہو جائے گا اور زین پر گرنے لگے گا تو اُس وقت بھی یہ بیٹھ جائے گا تاکہ گرنے کا فاصلہ کم ہو جائے — منقول از کلیدِ مناظرہ صہ ۳۰۰ بحوالہ مجمع البحرین (در علم حدیث و سیرت) — فٹ نوٹ ختم ہوا —

اب ہم واقعاتِ روانگی امام حسین علیہ السّلام (از مدینہ) کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۸ سے ملا کر ملاحظہ کیجئے۔

(بسلسلۂ سابق)

روانگی امام حسین از مدینہ برائے مکّہ

اس کے بعد امام حسین نے حکم دیا کہ رسول اللہؐ کی تلوار لائی جائے۔ اُس کو آپ نے اپنے زیب جسم کیا۔ اس تلوار کا نام بتّار یا رسُوب یا عضب یا حتف تھا (اقوال مختلف ملتے ہیں) اُس تلوار پر یہ عبارت کندہ تھی "فی الجبنِ عارٌ وفی الاقدام مکرمۃٌ + والمرءُ بالجبنِ لاینجو من القدرِ" یعنی بزدلی میں ننگ و عار ہے اور دلیری میں عزت و بزرگی ہے اور کسی شخص کے لئے بھی یہ بات ممکن نہیں ہے کہ وہ بزدلی کے ذریعہ قضائے الٰہی سے بچ سکے"

یہی وہ تلوار تھی جو آنحضرتؐ نے جنگ اُحد میں حضرت علیؑ کو عطا کی تھی جیسا کہ سمعانی نے کتاب الفضائل میں ذکر کیا ہے اور اسی تلوار کو امیر المومنین نے جمل و صفین و نہروان کی جنگوں میں استعمال کیا تھا پھر یہ تلوار آپ کے بڑے فرزند حضرت امام حسن کو وراثت میں ملی اور اُن کے بعد امام حسین کے پاس آئی اور اسی تلوار کے ساتھ آپ نے کربلا میں جنگ کی تھی (ہم آگے جہاں کربلا کے واقعات بیان کریں گے اس کو بھی لکھیں گے کہ وقتِ جنگ وہاں امام حسین کے پاس دو تلواریں تھیں۔ ایک سیفِ رسولؐ تھی اور دوسری ذوالفقار۔ یہاں جو کچھ لکھا جا رہا ہے۔ وہ "ثمرات الاعواد" کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ مؤلف)

غرض جب امام حسین نے میدانِ کربلا میں ایک خصوصی خطبہ ارشاد فرمایا تھا تو اُس میں اہلِ کوفہ سے کہا تھا کہ میں تمھیں اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ تم بتاؤ کہ یہ تلوار جو میرے پاس ہے رسُول اللہؐ کی ہے یا نہیں؟ تو لوگوں نے جواب دیا تھا کہ ہاں بے شک یہ انھیں کی تلوار ہے اس کے بعد امام نے حکم دیا کہ رسُول اللہؐ کی زرہ لائی جائے پھر آپ نے اس کو پہن لیا۔ اس زرہ کے نام میں بھی روایات میں اختلاف ہے۔ سعدیّہ، فضّہ، ذاتُ الفضول، ذاتُ الوشاح۔ یہ سب

نام اس سلسلہ میں لکھے گئے ہیں یہ زرہ بھی آنحضرتؐ نے حضرت علی کو عطا کی تھی اور آپ نے اسے حضورؐ انور کے زمانہ کی تمام جنگوں میں پہنا تھا پھر آپ نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جنگ جمل و صفین و نہروان میں بھی اسی زرہ کو پہنا تھا۔ امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد یہ امام حسن کو ملی اور ان کے بعد امام حسین کے حصہ میں آئی۔ اسی زرہ کو پہنکر آپ نے فوج یزید سے فرمایا تھا" میں تمھیں قسم دیکر پوچھتا ہوں بتاؤ کہ یہ زرہ جو میں پہنے ہوئے ہوں رسول اللہ کی ہے یا نہیں لوگوں نے جواب دیا کہ بیشک یہ ان ہی کی زرہ ہے۔ پھر جب امام عالی مقام کی شہادت واقع ہو چکی تو اس زرہ کو عمر بن سعد سردار لشکر یزید نے حاصل کر کے خود پہن لیا تھا اور اسے پہنکر امام حسین کے اہلبیت کے سامنے فاتحانہ طریقہ پر آیا تو اس وقت جناب زینب نے فرمایا کہ اے عمر بن سعد تجھے شرم نہیں آئی کہ نواسۂ رسول شہید کیا جا رہا ہے اور تو کھڑا تماشا دیکھ رہا ہے۔

امام حسین نے جن چیزوں کو مدینہ سے روانگی کے وقت طلب کیا تھا ان میں عمامۂ رسالتمآبؐ بھی تھا اس عمامہ کا نام "سحاب" تھا اور وہ خز (ایک قسم کا کپڑا جو ریشم اور اون سے ملاکر بناتے ہیں) کا تھا۔ (عمامۂ سحاب کے متعلق بھی ہم واقعات کربلا کے بیان میں مزید تشریح کریں گے) غزوۂ بدر و حنین میں آنحضرتؐ یہی عمامہ پہنے ہوئے تھے پھر بعد وفات حضورؐ اس عمامہ کو حضرت علی نے جنگ صفین میں پہنا تھا جیسا کہ نصر بن مزاحم نے کتاب صفین میں لکھا ہے۔ پھر جب حضرت امیر المومنین کے سر اقدس پر عبدالرحمن بن ملجم نے ضرب لگائی اور آپ کی شہادت واقع ہو چکی تو یہ عمامہ امام حسن کو وراثت میں حاصل ہوا اور ان کے بعد امام حسین تک پہنچا۔ اسی عمامہ کو پہنکر امام حسین نے دشمن فوج کو قسم دے کر فرمایا تھا کہ بتاؤ کیا یہ عمامہ رسول اللہؐ کا نہیں ہے؟ یہ سن کر لوگوں نے متفقہ طور پر تصدیق کی تھی کہ یہ آنحضرتؐ ہی کا عمامہ ہے۔ پھر (مدینہ سے روانگی کے سلسلہ میں) امام حسین نے حکم دیا کہ رسول اللہؐ کا "حربہ" لایا جائے

اُسے "عنزہ" کہتے ہیں ۔ یہ نیزہ سے چھوٹا ہوتا ہے اور اس کے پچھلے حصّہ میں عصا کی طرح لوہا لگا دیا جاتا ہے ۔ یہ ہتھیار آنحضرتؐ عیدین کی نمازوں میں ساتھ رکھتے تھے اور اپنے سامنے زمین میں نصب کر دیا کرتے تھے پھر نماز پڑھاتے تھے اس کے علاوہ سفر میں بھی یہ آپ کے ساتھ رہتا تھا اس بات کو علامہ عزّ الدین علی بن محمّد بن الاثیر الجزری متوفی ۶۳۰ھ نے اپنی کتاب اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں لکھا ہے ۔

سرورِ کائنات کی وفات کے بعد یہ "عنزہ" حضرت علی کو ملا اور جنگ صفّین میں یہ آپ کے ساتھ تھا جیسا کہ نصر بن مزاحم نے تحریر کیا ہے امیر المومنین کی شہادت کے بعد یہ امام حسن تک پہونچا پھر امام حسین کو ملا ۔ اور یہ بھی کربلا کی جنگ میں امام حسین کے ساتھ تھا ۔ جب آپ فوج اعداء پر حملہ کر کے واپس آتے تھے تو اسی پر تکیہ کرتے تھے کیونکہ یہ عصا کی طرح ہوتا ہے اور بوقت ضرورت اس پر تکیہ کیا جا سکتا ہے اس وقت آپ فرماتے جاتے تھے ۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"

امام حسین علیہ السّلام نے یہ تمام تبرکات پہنے اور ساتھ لئے ۔ ہاشمی جوان نیزوں اور تلواروں سے پوری طرح مسلح آپ کے ہم رکاب تھے ۔

مقتل کی بعض کتابوں میں میری نظر سے گزرا ہے کہ (قلمی شہادت کبریٰ ج ۲ ص۱۹) جب امام حسین کو ولید بن عتبہ بن ابی سفیان والئی مدینہ نے اپنے قصر میں بلایا تھا تو اُس وقت آپ کے ہمراہ پچاس افراد تھے جن میں بنی ہاشم کے علاوہ دوسرے لوگ بھی تھے ۔ آپ اس موقع پر زرد عبا اوڑھے ہوئے تھے ۔ مروان بن الحکم کی گستاخی کے بعد آپ نے لوہے کی کرسی اٹھا کر مروان پر ماری ۔ شور کی آواز بلند ہوتے ہی بنی ہاشم نے دارالامارہ کا دروازہ توڑ ڈالا ۔ اور سب کے سب اندر داخل ہو گئے ۔ ان میں سب سے پہلے آنے والے حضرت ابوالفضل العباس بن علی تھے اور آپ کے ساتھ جعفر بن علی ، عبداللہ بن علی ، عثمان بن علی ، حسن بن حسن ، قاسم بن حسن ، علی اکبر بن حسین ، مسلم بن عقیل مع اپنے فرزند جعفر کے تھے پھر دوسرے تمام ساتھی

بھی موجود تھے ان لوگوں نے چاہا کہ فوراً حملہ کر دیں مگر امام حسین نے منع کر دیا۔
ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر امام کے تمام گھر والے پریشان حال ہوں گے، بیٹیاں
اور بہنیں مضطرب ہوں گی اور نازک دلوں پر کیا حالت گزر رہی ہو گی۔
اسی اثنا میں امام حسین اپنے خاندان والوں، اولاد اور ساتھیوں کے
حلقہ میں مکان پر واپس آ گئے تو دیکھا کہ حضرت زینب اور حضرت سکینہ
دروازے کے پیچھے انتظار میں کھڑی رو رہی ہیں۔ امام بھی آب دیدہ ہو گئے
اور آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ فرمایا۔ زینب اور سکینہ!
صبر کرو۔ یہ تو ابھی پہلی مصیبت ہے۔ رونے کے دن تو آ رہے ہیں۔ (حضرت
فاطمہ صغریٰ کا ذکر اولاد امام حسین میں بہت سے لوگوں نے کیا ہے اس لئے ہم
بھی اس کا تذکرہ کرتے ہیں) بعض کتابوں میں ہے (قلمی شہادت کبریٰ ج ۲
صـ ۹۳) امام عالی مقام نے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو اپنے ساتھ لیا۔ مگر
اپنی ایک بیٹی فاطمہ صغریٰ کو بیماری کی وجہ سے مدینہ ہی میں حضرت ام سلمہ
کی نگرانی میں چھوڑ دیا تھا اور کہا تھا کہ میرے اس سفر سے اس بچی کو بڑا رنج
ہو گا اس لئے آپ اس کا خیال رکھیئے گا۔ جب فاطمہ صغریٰ نے سنا کہ بابا مجھے ساتھ
نہیں لئے جا رہے ہیں تو بہت روئیں اور عرض کی کہ بغیر آپ کے میں زندہ
نہیں رہوں گی مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے چلئے۔ میرا چھوٹا بھائی علی اصغر
بھی مجھ سے بہت ہلا ہوا ہے۔ یہ بھی مجھکو بہت یاد آئے گا۔
فاطمہ صغریٰ کو حسین سا شفیق باپ کس طرح سمجھائے کہ بیٹی اس سفر
میں تمھیں لے جانا مناسب نہیں ہے۔ امام عالی مقام اپنی بیمار بیٹی سے یہ
کیونکر فرماتے کہ لے جاؤں یہ کہ ہم سب کربلا میں شہید یا اسیر ہوں گے تمھاری
بہن سکینہ شمر کے طمانچے کھائے گی اس کے ننھے ہاتھوں میں رسیاں
باندھی جائیں گی۔ تمھاری پھوپھیوں کے سروں سے چادریں اتریں گی
ظالم فوجی انکی پشتوں پر نیزوں سے زخم لگائیں گے اور انھیں کوفہ و شام
کے درباروں اور بازاروں میں پھرائیں گے۔ امام حسین فاطمہ صغریٰ
سے یہ کس طرح فرماتے کہ بیٹی! تمھارا چھوٹا بھائی علی اصغر بھوکا پیاسا گلے

پر تیر کھا کر شہید ہو گا۔ امام نے ایک شفیق اور چاہنے والے باپ کی طرح شاید یہ وعدہ کر لیا ہو کہ فاطمہ صغریٰ اگر خدا نے چاہا تو میں کوفہ پہنچکر تمھارے بھائی علی اکبر یا چچا عباس کو بھیجوں گا اور تمھیں بلالوں گا اور ممکن ہے کہ اس طرح اپنی بیٹی کو تسکین دے دی ہو۔ بعض روایتوں میں ہے کہ "فامر العباس بتجھیز الامور" الخ پھر حضرت امام حسین نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ وہ سفر کیلئے تمام امور درست کریں۔

روانگی امام حسین از مدینہ برائے مکہ ۲۸ رجب ۶۰ھ کو ہوئی تھی

حضرت عباس بن علی نے سفر کا انتظام شروع کر دیا اونٹوں پر محملیں رکھی گئیں۔ چھوٹے بچوں کو عورتوں کے ساتھ بٹھایا گیا تاکہ وہ ہر طرح محفوظ رہیں پھر جب "الرحیل الرحیل" "چلو بس چلو" کی صدا بلند ہوئی تو فاطمہ صغریٰ حضرت اُم المؤمنین اُم سلمہ کے سہارے پر قافلہ کے پیچھے پیچھے دور تک گئیں اللہ ہی جانتا ہے کہ غم زدہ بیٹی نے اپنے بابا اور پھوپھیوں کے اس قافلہ کو کس طرح رخصت کیا ہو گا اور کس صورت سے یہ راستہ طے کیا ہو گا۔ یہ دیکھکر امام حسین رونے لگے۔ اور آسمان کی طرف رُخ کر کے دُعا کی اے میرے پروردگار! اس بیمار پر رحم فرما اور اس کے دل کو تسکین دے۔ اور صبر عطا کر دُعا کے بعد آپ گھوڑے سے اُتر آئے۔ بیٹی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور تسلّی دی پھر فرمایا۔ فاطمہ صغریٰ بیٹی! اب تم اپنے گھر واپس جاؤ۔ امام کے گھوڑے سے اُترنے کے ساتھ ہی تمام بیبیاں بھی اپنی سواریوں پر سے اُتر آئیں اور سب نے فاطمہ کو گلے سے لگایا اور بہت سمجھایا صغریٰ سب عزیزوں سے دوبارہ رخصت ہوئیں اور آخر میں فرمانے لگیں۔

"اِئتونی باخی الرضیع علی الاصغر" اچھا اب میرے چھوٹے بھائی علی اصغر کو بھی لائیے تو اُس سے رخصت ہولوں۔ فاطمہ نے ننھے سے بھائی کو گود میں لے لیا۔ اے فاطمہ صغریٰ بی بی! اپنے بھائی کے گلے کے بوسے لیجئے! پیارے پیارے مُنھ کو چوم لیجئے۔ علی اصغر اسی گلے پر تیر کھا کر شہید ہوں گے۔ اور ان ہی ہونٹوں پر کربلا کی ظالم فوج اور شقی القلب درندوں کے سامنے

پیاس سے اپنی سوکھی ہوئی زبان پھیریں گے۔ قافلہ روانہ ہو گیا! بیمار فاطمہ صغریٰ نے واپس آ کر جب گھر کو خالی دیکھا تو غش آ گیا پھر اُس وقت سے فاطمہ کی آنکھوں کے آنسو نہیں تھمے اور ہمیشہ روتی ہی رہیں آخر وہ وقت بھی آ گیا جب کربلا کا لُٹا ہوا قافلۂ اہلبیت شام سے مدینہ واپس پہنچ گیا تھا۔

امام حسین علیہ السّلام کی مدینہ سے روانگی کے دلدوز مناظر کے بعض دوسرے پہلو بھی ہم اِسی سلسلہ میں لکھتے ہیں —— بنی ہاشم کی عورتیں ہر مُصیبت کے وقت یا تو حضرت اُمّ المؤمنین ام سلمہ کے پاس جاتی تھیں ورنہ حضرت اُمّ ہانی بنت ابی طالب خواہر حضرت علی کی خدمت میں آیا کرتی تھیں کیونکہ یہی ہستیاں خاندان میں سِن کے لحاظ سے بُزرگ تھیں جب امام حسین نے روانگی کا ارادہ مصمّم کر لیا تو زنانِ بنی ہاشم نے حضرت اُمّ سلمہ اور حضرت اُمّ ھانی کو خبر کر دی تاکہ وہ امام کو سفر سے روکنے کی کوشش کریں۔

حضرت اُم سلمہ کا حال لکھا جا چکا ہے اب حضرت اُمّ ھانی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ کافی سِن رسیدہ تھیں ان کے شوہر کا نام ھُبیرہ تھا جو اسلام سے مشرف نہیں ہو سکے تھے۔ اِستیعاب ابن عبدالبر کی جلد ۲ صد ۷۶۹ پر ہے کہ اُمّ ھانی نے فتح مکّہ کے موقع پر اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا اور یہ حضرت علی کی حقیقی بہن تھیں۔ ان کا نام راویوں نے متعدد طریقہ پر لکھا ہے۔ فاختہ، فاطمہ، ھِند، عاتکہ (ان کے حالات اَلاعلام زرکلی ج ۵/ط ۲ صد ۳۲۲ پر بھی ہیں اور سفینۃ البحار ج ۲ صد ۷۲۴، بحوالہ بحارالانوار مجلسی ج ۲ میں بھی موجود ہیں) ان کی وفات حضرت علی کی شہادت کے بعد ۴۰ھ میں مؤلف اَلاَعلام علامہ زرکلی اور اصابہ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک ثابت ہے لیکن "ثمراتُ الاعواد" میں ان کا وجود واقعۂ کربلا کے بعد تک معلوم ہوتا ہے چنانچہ ہم کتاب مذکور کی پہلی جلد صد ۶۲ اور دوسری جلد صد ۸۵ ہی کے حوالہ سے ان کے واقعات لکھ رہے ہیں۔ جب حضرت اُمّ ھانی کو امام حسین کے عزم روانگی کی خبر معلوم ہوئی تو وہ فوراً اپنے بھتیجے امام حسین کے پاس آئیں۔ حضرت اُمّ ھانی بڑی جلیل القدر ہاشمی خاتون تھیں آپ کے والد حضرت ابو طالب، ماں حضرت فاطمہ بنت اسد

اور بھائی شیرِ خدا حضرت علی و حضرت جعفر و حضرت عقیل حضور انور آپ کے سگے چچا زاد بھائی تھے ان کے نام جو مختلف روایات سے ثابت ہوتے ہیں انھیں ہم لکھ چکے ہیں ان کے شوہر کا نام ہُبیرہ مخزومی تھا یہ اسلام سے مشرف نہیں ہو سکے اور فتح مکہ کے بعد نجران (یمن) چلے گئے تھے۔ جنگِ خندق میں مشرکوں کی فوج میں عمرو بن عبدِ ود کے ساتھ پیش پیش تھے اور عمرو بن عبدِ ودّ عامری کے ساتھ جو چند شہسوار خندق کے پار جست کر کے آئے تھے اُن میں ہُبیرہ بھی تھے مگر جب عمرو حضرت علی کے ہاتھوں مارا گیا تو یہ بھاگ کر اپنی فوج میں چلے گئے۔ اور قتل سے بچ گئے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت امّ ہانی نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اور ہُبیرہ نجران چلے گئے اور وہیں حالتِ کفر میں انتقال ہوا۔

فتح مکہ کے موقع پر چند مشرکین نے جو حضرت اُمّ ھانی کے رشتہ دار تھے آپ سے پناہ طلب کی اور آپ نے انھیں عربوں کی رسم کے مطابق پناہ دی اس ارادہ سے کہ اس خوش اخلاقی کے نتیجہ میں ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جا سکے گی۔ جن لوگوں کو آپ نے پناہ دی تھی اُن میں حرث بن ہشام اور قیس بن سائب بھی تھے۔ حضرت علی کو جب اس کا علم ہوا کہ امّ ھانی کے گھر میں کچھ مشرکین چھپے ہوئے ہیں تو آپ فوراً ہی وہاں پہنچ گئے اُس وقت آپ سر سے پیروں تک اسلحہ میں پوشیدہ تھے اور صرف آپ کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ آپ نے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اُمّ ہانی باہر آئیں وہ بالکل نہ پہچان سکیں کہ یہ اُن کے بھائی حضرت علی ہیں بلکہ صرف اسقدر سمجھیں کہ مسلمان فوج کا کوئی سپاہی ہے۔ اُمّ ھانی نے پوچھا کہ تم یہاں کس ارادہ سے آئے ہو حضرت علی نے فرمایا۔ تمھارے گھر میں جو مشرکین روپوش ہیں انھیں باہر لاؤ۔ انھوں نے کہا تم میرے گھر سے چلے جاؤ کیا تم واقف نہیں کہ میں رسول اللہ کے چچا کی بیٹی اور علی کی حقیقی بہن ہوں مگر امیر المومنین نے اُنکی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور بدستور اپنا مطالبہ جاری رکھا۔ اور کہا کہ اگر تم اُن لوگوں کو ظاہر نہ کرو گی تو میں گھر کے اندر

داخل ہو کر انھیں قتل کر دوں گا۔ یہ سُنکر حضرت اُمّ ھانی نے غصہ میں جواب دیا کہ میں خُدا کی قسم رسول اللہؐ کی خدمت میں تمہاری شکایت کروں گی۔ یہ سُننا تھا کہ امیرالمومنین نے فوجی نقاب اپنے چہرہ سے ہٹا دی تو اُس وقت دیکھیں کہ یہ تو میرے بھائی علی ہیں بس یہ دیکھنا تھا کہ بے تحاشا اُمّ ھانی اپنے بھائی کے گلے لگ گئیں اور عرض کی بھیّا آپ کی بہن آپ پر فدا ہو جائے۔!

یہ میرے ہمسایہ کے لوگ اور میرے رشتہ دار ہیں میں نے ان سے عہد و قرار کیا ہے کہ انھیں پناہ دوں گی اور ان کی حفاظت کروں گی کیا آپ اس بات کو گوارا کریں گے کہ میں پناہ کا وعدہ کر کے وعدہ خلافی کروں اور غدّاری کا ثبوت دوں۔ میرے بھائی اگر آپ انھیں قتل کر دیں گے تو میں سارے عرب میں رُسوا ہو جاؤں گی۔ اور صرف میں ہی نہیں بلکہ تمام بنی ہاشم کی بدنامی ہو گی۔!

پھر عرض کی کہ میں نے آپ کو پہلے پہچانا نہ تھا اور قسم کھائی تھی کہ میں رسول اللہؐ سے شکایت کروں گی اس لئے اس قسم کو پورا کرنا میرے لئے ضروری ہے حضرت علی نے فرمایا۔ بہن! تم آنحضرتؐ کی خدمت میں ضرور حاضر ہو اور قسم کو پورا کرو۔ وہ اس وقت "وادی" میں تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت اُمّ ھانی جلدی سے وادیِ مکہ میں آئیں۔ رسول اللہؐ نے دُور سے انھیں آتے ہوئے دیکھا اور جب قریب آ گئیں تو فرمایا مرحبا! اے اُمّ ھانی! تم علی کی شکایت کرنے آ رہی ہو! علی نے بیشک اللہ اور رسولؐ کے دشمنوں پر رُعب قائم کر دیا ہے پھر اعلان کر دیا کہ ہم نے اُن لوگوں کو پناہ دیدی جنھیں اُمّ ھانی نے پناہ دی ہے۔ حضرت اُمّ ھانی کے بطن سے ھبیرہ کے چار بیٹے ہوئے۔ جعدہ، ھانی، عمرو، یوسف۔! جعدہ اعلانِ رسالت کے بعد پیدا ہوئے تھے اس لئے کچھ لوگ اُن کو صحابی اور بعض تابعی کہتے ہیں۔

علامہ ابن ابی الحدید نے نہج البلاغۃ کی شرح میں لکھا ہے کہ انھوں نے عہد رسالت پایا تھا۔ اور فتح مکہ کے موقع پر اپنی والدہ اُمّ ھانی کے ساتھ انھوں نے بھی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تھا

جنگِ صفّین میں جعدہ نے اپنے ماموں حضرت علی کے ساتھ معاویہ کے خلاف بڑی بہادری سے جنگ کی تھی جعدہ شہادتِ حضرتِ علی تک اُن کے ساتھ رہے پھر امام حسن کے ساتھ رہے اور جب اُن کی بھی شہادت ہو گئی تو امام حسین کے ہمراہ رہے پھر معاویہ کے زمانۂ حکومت ہی میں انتقال کر گئے۔ امام حسن کی شہادت کے بعد جعدہ نے امام حسین کو خط لکھا تھا جس میں تحریر تھا کہ آپ کے شیعہ آپ کی طرف نگاہیں لگائے ہوئے ہیں اور وہ آپ کے سوا کسی دوسرے کو ہرگز قبول نہ کریں گے۔ امام حسین نے انھیں جواب میں لکھا تھا کہ ابھی کوئی اقدام کرنا مناسب نہیں ہے اس کا وقت آنے والا ہے۔ حضرت اُمّ ھانی سے رسول اللہؐ کی بہت سی حدیثیں منقول ہیں۔ ان حدیثوں کا ذکر صحاحِ ستّہ میں بھی ہے۔ سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۴، پر ہے کہ حضورؐ انور کو جس شب میں معراج ہوئی تھی اُس میں آپ حضرت اُمّ ہانی ہی کے گھر میں تھے۔ اس کا ذکر دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے۔ اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ جب اُمّ ھانی فتح مکّہ کے موقع پر اپنی قسم پوری کرنے کے لئے رسول اللہؐ کے پاس شکایت کے لئے آئی تھیں تو حضورؐ انور غسل کر رہے تھے۔

اُمّ ھانی کے گھر میں پناہ لینے والے مشرکوں کو امان ملنے کی ایک روایت دوسرے الفاظ کے ساتھ سفینۃ البحار ج اول ص ۴۲۵ پر مادّہ "غلل" کے ذیل میں بھی مندرج ہے۔

سفینۃ البحار ج ۲ کے ص ۲۴، پر بحوالہ بحار الانوار مجلسیؒ یہ روایت بھی لکھی

(نوٹ) حضرت اُمّ ھانی نے مشرکین کو پناہ دی تھی اُن کا یہ عمل قرآن کے اس ارشاد کے مطابق تھا۔ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ (پارہ ۱۰ سورۂ توبہ ۹/۶) یعنی اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ کا طلبگار ہو تو

ہوئی ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ کیا میں تم لوگوں کو ایسے افراد بتادوں جو اپنے چچا اور پھوپھی کے لحاظ سے سب سے افضل و بہتر ہیں اصحاب نے عرض کی ضرور ارشاد فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا وہ افراد حسن و حسین ہیں کیونکہ ان کے چچا جعفر طیارؑ ہیں اور پھوپھی اُمّ ہانی۔ اصابہ فی معرفتہ الصحابہ ج ۳ صہ ۲۲ پر ہے کہ اُمّ ہانی کے تمام فرزندوں نے عہد رسولؐ پایا تھا اور سب مسلمان تھے۔

اسلام نے کفّار اور مشرکوں کو بھی پناہ طلب کرنے پر پناہ دینے اور اُنکی حفاظت کرنے نیز اُنھیں ان کی امن کی جگہ پر پہنچا دینے کا حکم دیا ہے مگر نواسۂ رسولؐ اور آپ کے اہلبیت و انصار کو کربلا میں پناہ دینے کے قابل بھی نہ سمجھا گیا۔ زمانہ کہاں پہنچ گیا تھا اور انسانی اقدار کس حد تک تباہ ہو چکے تھے۔!

غرض امام حسین مدینہ میں جس وقت روانگی کی تیاری میں مشغول تھے۔ دُور سے دیکھا کہ ایک بہت بوڑھی ہاشمی خاتون چلی آرہی ہیں۔ کمر جھکی ہوئی تھی راستہ نہیں چلا جا رہا تھا۔ لوگوں نے عرض کی فرزند رسولؐ یہ آپکی پھوپھی حضرت اُمّ ہانی تشریف لا رہی ہیں۔ "وہی تبکی" اس وقت وہ بے حد روتی جارہی تھیں امام نے دریافت کیا کیوں پھوپھی آپ کیوں رو رہی ہیں۔؟ کیا بات ہے۔! اُمّ ہانی نے کہا بیٹے! وہ آنکھ اندھی ہو جائے جو تم پر نہ روئے۔ وہ تمھارے بعد پھر اور کون اس کا مستحق ہوگا کہ اُس پر رُویا جائے جب تم ہی نہ رہوگے تو پھر یہ آنکھیں کس پر آنسو بہائیں گی۔؟ پھر کہنے لگیں بیٹا حسین! میں نے کل رات کے وقت ایک

اُس کو پناہ دے دو (جبکہ حالتِ حرب جاری ہو) تاکہ وہ کلامِ الٰہی سُن اور سمجھ سکے پھر تم اُسے اس کی محفوظ جگہ تک پہنچا دو۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے،، اسی وجہ سے جب حضرت علی سے اُمّ ہانی نے پناہ دینے کا سبب بیان کردیا تو آپ نے اُن لوگوں سے پھر کوئی تعرّض نہیں کیا۔

آواز سُنی تھی کوئی کہہ رہا تھا۔ وَاِنَّ قَتِیْلَ الطَّفِّ مِنْ اٰلِ ھَاشِمٍ۔ اَذَلَّ رِقَابًا مِنْ قُرَیْشٍ فَذَلَّتِ۔ بیشک قتیلِ طَف (نہر کے کنارہ پر قتل ہونے والے) نے جو بنی ہاشم سے ہے پورے قریش کی گردنوں کو ندامت دشرم سے جھکا کر اُن سب کو ذلیل کر دیا۔ اب حسین! یہ آواز دل ہلائے دیتی ہے۔ کیا کروں، کیونکر دل کو سنبھالوں کسی طرح نہیں سنبھلتا یہ سُنکر امام نے فرمایا کہ پھوپھی اِس شعر کے دوسرے مصرعہ میں "قریش" کی جگہ "رقاب المسلمین" کہئے گا۔ یعنی شہیدِ آلِ ہاشم نے قتل ہو کر قریش کی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کی گردنوں کو ندامت و ذلّت سے جُھکا دیا۔ یہ سُننا تھا کہ ایک کہرام مچ گیا عورتیں اور بچے رونے لگے اور سب کے ساتھ اُمِّ ھانی بھی چیخیں مار کر فریاد کرنے لگیں۔ اُمِّ ھانی کا اس وقت کیا حال ہوتا جب وہ کربلا کے ہولناک موقع پر خود بھی موجود ہوتیں۔ اِس موقع پر عبداللہ بن سنان کی بھی روایت بیان کی گئی ہے۔

عبداللہ بن سنان کوفی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جب مجھے اس کا علم ہوا کہ نواسۂ رسولؐ مکہ کی طرف روانہ ہونے والے ہیں تو میں یہ دیکھنے گیا کہ آپ کا قافلہ کس شان سے روانہ ہوتا ہے میں نے دیکھا کہ امام حسین تو ایک بلند مقام پر تشریف فرما ہیں اور آپ کے گرد جوانانِ بنی ہاشم اِس طرح آپ کو گھیرے ہوئے تھے جیسے چاند کے گرد روشن ستارے جمع ہو جائیں۔ پھر دیکھا کہ چالیس محملیں کھڑی ہیں جو پوری طرح آراستہ تھیں۔ محملوں اور کجاووں پر قیمتی پردے پڑے ہوئے تھے اور اعلیٰ قسم کے فرش بچھے ہوئے تھے میں نے اس کے بعد سُنا کہ امام حسین نے بنی ہاشم کو حکم دیا کہ محملوں پر عورتوں کو سوار کرو۔ اس کے بعد ہی میں نے دیکھا کہ بلند قامت مگر بہت خوبصورت جوان آگے بڑھا اور آواز دی۔ اے بنی ہاشم! ادب کے ساتھ کنارے ہو جاؤ۔ پھر دو پُرقع پوش بی بیاں اُس جوان کے ہمراہ آئیں، حیا کی شدّت سے اُن کی چادروں کے دامن زمین پر کھنچے جا رہے تھے۔ کنیزیں اُن مخدّرات کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تھیں۔ عبداللہ بن سنان کہتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ وہ جوان جس کا چہرہ چاند

کی طرح ضو دے رہا تھا آگے بڑھا، اپنے دونوں زانوؤں کو خم کیا اور سہارا دے کر اُن مخدرات عصمت کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ سوار کیا۔ یہ راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ مخدرات کون ہیں اور یہ جوان کون ہے۔ کسی نے جواب دیا کہ یہ جوان ابوالفضل العباس بن علی ہیں اور یہ مخدرات حضرت زینب اور حضرت اُمِّ کلثوم بنات علی ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ دو بچیاں آئیں۔ ایک حضرت اُمِّ کلثوم کے ساتھ سوار ہوئیں اور دوسری حضرت زینب کے ساتھ۔ میرے دریافت کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ یہ سکینہ اور فاطمہ کبریٰ دختران امام حسین ہیں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک اور جوان آیا اور اس کے ساتھ بھی ایک معظمہ تھیں اُس نے انھیں محمل میں سوار کیا میرے پوچھنے پر کسی نے کہا کہ یہ جوان علی اکبر بن حسین اور یہ معظمہ ان کی والدہ "لیلیٰ" ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک کمسن شہزادہ برآمد ہوا اور اُس کے ساتھ بھی ایک محترم خاتون تھیں جنھیں اُس نے انتہائی احترام سے سوار کر دیا۔ یہ قاسم بن حسن اور اُن کی والدہ بیوۂ امام حسن حضرت رملہ تھیں جو عام طور پر اُمِّ فروہ کہی جاتی ہیں۔ پھر اور لوگ سوار ہوتے رہے جب سب سوار ہو چکے تو امام حسین نے حضرت عباس کو بلا کر فرمایا۔ میری سواری کا گھوڑا لاؤ وہ مرتجز کو (جو ذوالجناح کے نام سے بعد میں مشہور ہوا) لے کر حاضر ہوئے حضرت عباس نے رکابیں تھامیں اور راکبِ دوشِ رسول کو گھوڑے پر سوار کیا۔ قافلہ کا پرچم حضرت عباس نے اٹھایا۔ قافلہ روانہ ہونے لگا تو اہل مدینہ میں رونے کا قیامت خیز شور بلند ہوا۔ امام حسین ایک ایک کو تسلی دے رہے تھے مگر فریادوں، آہوں، اور آنسوؤں میں کسی طرح کمی نہیں ہو رہی تھی مدینہ کے در و دیوار پر حسرت برس رہی تھی۔ روضۂ رسول اللہؐ کی دیواریں خاموش فریادی تھیں۔ اس سلسلہ میں بار بار حضرت محمد بن علی (محمد بن حنفیہؓ) کا ذکر آتا ہے۔

| امام حسین | ہماری قلمی جلد شہادت کبریٰ نمبر ۳ صـ ۱۲۳ کے حوالہ سے

علیہ السّلام نے حضرت محمد بن حنفیہؓ سے ایک موقع پر فرمایا جب اُنھوں نے آپ سے

عرض کی کہ آپ مکہ یا یمن چلے جائیے اور کہیں بھی آپ کو پناہ نہ ملے تو آپ صحرا یا پہاڑوں میں چلے جائیں اور انتظار کرتے رہیں۔ یقیناً اللہ ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ کردے گا۔"

اے میرے بھائی محمد بن حنفیہؓ اگر روئے زمین پر کہیں بھی مجھے پناہ نہیں ملے گی جب بھی میں یزید کی بیعت نہیں کرسکتا۔ یہ سُنکر محمد نے گفتگو بند کرکے رونا شروع کردیا اور بے حد روئے اور پھر امام حسین بھی رونے لگے اور فرمایا کہ اے میرے بھائی تمھیں اللہ جزائے خیر عطا کرے تم نے جو باتیں کیں وہ بالکل درست اور صحیح ہیں اور میں اب مکہ جانے کا پکا ارادہ کرچکا ہوں۔ اور پوری تیاری بھی کرچکا ہوں میں اور میرے تمام دوسرے بھائی اور بھائیوں کی اولاد اور میرے تمام ساتھی اُن سب کا معاملہ میرا ہی معاملہ ہے اور اُنکی بھی وہی رائے ہے۔ جو میری رائے ہے۔

رہے تم اے میرے بھائی! تو تمھارا جانا میرے ساتھ مُناسب نہیں ہے۔ بلکہ تم مدینہ ہی میں قیام کرو کیونکہ تم معاملات کی پوری نگرانی کروگے اور اس گروہ کی کسی سازش کو مجھ سے پوشیدہ نہ رکھوگے اور ہر بات کی مجھے خبر دیتے رہوگے۔

اس کے بعد امام عالی مقام نے اپنے چھوٹے بھائی محمد بن حنفیہؓ کے نام ایک وصیّت نامہ لکھا۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

هٰذا ما اوصیٰ بهِ الحُسینُ بن علیّ بن ابیطالب الی اخیهِ محمّدٍ المعروف بابن الحنفیّة اِنّ الحُسین یَشهدُ انْ لا اِلٰهَ اِلّا اللهُ وحدهُ لا شریكَ لهُ وانّ محمّداً عبدهُ ورسولهُ جاءَ بالحقّ من عندِ الحقّ وانّ الجنّةَ والنّارَ حقٌّ وّانّ السّاعةَ اٰتیةٌ لا ریبَ فیها وانّ اللهَ یبعثُ من فی القبورِ وانّی لم اخرج اشِراً وّلا بطراً وّلا مفسداً وّلا ظالماً وانّما خرجتُ لطلبِ الاصلاحِ فی اُمّةِ جدّی اُریدُ اَنْ اٰمُرَ بالمعروفِ واَنهٰی عنِ

الْمُنْكَرِ وَ اَسِيْرُ بِسِيْرَةِ جَدِّيْ مُحَمَّدٍ وَ اَبِيْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْطَالِبٍ فَمَنْ قَبِلَنِيْ بِقَبُوْلِ الْحَقِّ فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِالْحَقِّ وَ مَنْ رَدَّ عَلَيَّ هٰذَا اَصْبِرُ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ الْقَوْمِ بِالْحَقِّ وَ هُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ وَ هٰذِهٖ وَصِيَّتِيْ يَا اَخِيْ اِلَيْكَ وَ مَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ"

یہ حسین بن علی بن ابیطالب کی وصیت ہے اُن کے بھائی محمد کے نام جو ابن الحنفیہؓ کہے جاتے ہیں۔ حسینؓ اس کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ واحد و یکتا ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور محمدؐ اس کے عبد اور رسول ہیں، وہ خدائے برحق کی جانب سے حق کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ جنّت و دوزخ سب سچ اور حق ہے۔ بلاشبہ قیامت بھی ضرور آئے گی۔ یقیناً اللہ مُردوں کو دوبارہ زندگی دے گا۔ اس گواہی کے بعد لکھا۔ یقیناً میں مدینہ سے اس وجہ سے نہیں جارہا ہوں کہ عیش و راحت کی طلب اور ہوس میں بدحواس ہوں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا اور سرکشی و تکبّر کا پسند کرنے والا ہوں۔ یا دُنیا میں فساد پھیلانے اور دوسروں پر ظلم و ستم ڈھانے کی کوشش میں مشغول ہوں بلکہ میں تو صرف اپنے نانا کی اُمّت کی اصلاح چاہتا ہوں میرا واحد مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دوں اور بُرائی سے روکوں اور اپنے نانا رسولؐ اللہ اور بابا علی بن ابی طالب کی سیرت پر چلتا رہوں اس کے بعد جو شخص بھی میری بات مانے گا تو اُس کو ہدایت حاصل ہوگی اور بے شک اللہ کا راستہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اُس کو قبول کیا جائے اور اگر کسی نے میری بات قبول نہ کی تو میں صبر سے کام لوں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور اس قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اے میرے بھائی تمہارے لئے یہ میری وصیّت ہے۔ میرا سہارا صرف اللہ کی ذاتِ اقدس پر ہے، اُسی پر میرا بھروسہ ہے۔ اور اُسی کی طرف میری رُجوع ہے۔ اس وصیّت کو اپنے دستخط اور مُہر سے مزیّن فرما کر محمد بن حنفیہؓ کے سُپرد کر دیا

اور انھیں رخصت کیا۔

محمدؐ بن حنفیہؓ

محمدؐ بن حنفیہؓ کی ولادت زرکلی (الاعلام جلد ۷ صفحہ ۵۲) کے نزدیک ۲۱ھ میں اور وفات ۸۱ھ میں ہوئی اور ساٹھ سال کی عمر پائی مگر سفینۃ البحار ج اول صفحہ ۳۶ کے مطابق آپ کی ولادت ۱۶ھ میں ہوئی تھی سال وفات وہی ہے جو زرکلی نے لکھا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر الحنفیہؓ تھا۔ یہ بزمانۂ خلافتِ اولیٰ، مالک بن نویرہ اور خالد بن ولید کی جنگ میں گرفتار ہوکر مدینہ لائی گئی تھیں۔ حضرت امیرالمؤمنین علیؑ نے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا جن کے بطن سے حضرت محمدؐ بن علیؑ (محمدؐ بن حنفیہؓ) کی ولادت ہوئی تھی۔ خولہ کا تعلق قبیلۂ بنو حنیفہ سے تھا اس لئے انھیں حنفیہؓ کہا جاتا تھا۔ مالک بن نویرہ کی جنگ ۱۲ھ میں واقع ہوئی تھی۔

حضرت محمدؐ بن حنفیہؓ نے جنگ صفّین و جمل میں زبردست بہادری کا مظاہرہ کیا تھا واقعۂ کربلا کے وقت امام حسینؑ نے انھیں مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا اس لئے یہ کربلا نہ جا سکے اس کے علاوہ سخت بیمار بھی تھے اور ہاتھوں میں رعشہ کی وجہ سے تلوار یا نیزہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ ان کے مزید حالات کسی دوسرے موقع پر لکھے جائیں گے۔

غرض جب امام حسینؑ کی روانگی کی خبر تمام اولاد عبدالمطلب کو ہوگئی تو ان میں کہرام برپا ہوگیا۔ تمام لوگ جمع ہوگئے۔ ہر چھوٹا اور بڑا رو رہا تھا اور امام عالی مقام سب کو تسکین دے رہے تھے سب کے سب فریاد کر رہے تھے:- اے فرزند رسولؐ ہم کیونکر نہ روئیں، ہمارے لئے تو آپ کی جدائی سرور دو عالم اور علیؑ و فاطمہ اور آپ کے بھائی کی جدائی سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اے ہمارے سردار ہم خدا سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو آپ پر

فدا کر دے اور ہماری جانیں آپ پر نثار ہو جائیں۔ اُس وقت امام حسین کی پھوپھی حضرت اُمّ ھانی اُٹھیں اور کہنے لگیں، اے حسین! میں نے جنوں کو نوحہ پڑھتے ہوئے سُنا ہے پھر اُنھوں نے جو نوحہ سُنا تھا اُس کے اشعار سُنائے۔ "مقاتل" لکھنے والوں نے واقعۂ کربلا کے سلسلے میں مختلف موقعوں پر جِنّات کے جو نوحے درج کئے ہیں ان میں حسب ذیل اشعار بھی شامل ہیں۔

اِبْکُوا حُسَیْناً سَیِّداً وَلِقَتْلِہٖ شَابَ الشَّعَرُ
وَلِقَتْلِہٖ زُلْزِلْتُمُ وَلِقَتْلِہٖ اُنْکَسَفَ الْقَمَرُ
وَاحْمَرَّ آفَاقُ السَّمَاءِ مِنَ الْعَشِیَّۃِ وَالسَّحَرُ
وَتَغَیَّرَتْ شَمْسُ الْبِلَادِ بِھِمْ وَاَظْلَمَتِ الْکُوَرُ
ذَاکَ ابْنُ فَاطِمَۃَ الْمُصَابُ بِہِ الْخَلَائِقُ وَالْبَشَرُ

ترجمہ:۔ تم حسین پر گریہ کرو جو ہمارے سردار ہیں اور اُن کی شہادت ایسی غم انگیز ہے کہ اُس کی وجہ سے سیاہ بال سفید ہو گئے ہیں۔ اُن کی شہادت پر زلزلے آئے اور چاند میں گہن لگ گیا اور شام و نیز صُبح کو آسمان کے تمام کنارے سُرخ ہو گئے۔ سورج کی روشنی متغیّر ہو گئی اور تمام بستیاں تاریک ہو گئیں۔ یہی ہے وہ فرزندِ فاطمہ جس کی شہادت سے مُصیبت زدہ ہے تمام خلائق اور تمام نوعِ بشر۔!

اِس کے بعد حضرت اُمّ سَلمہ آگے بڑھیں اور فرمایا:۔

میرے فرزند! میں کیونکر غم نہ کروں تم نے تو عراق جانے کا ارادہ ہی کر لیا ہے۔ میں نے تمھارے نانا رسول اللہؐ سے سُنا ہے، اُنھوں نے فرمایا تھا، میرا فرزند حسین عراق کی اُس سرزمین میں شہید کیا جائے گا جس کا نام کربلا ہے۔" یہ سُن کر امام نے فرمایا، جدّۂ معظّمہ! خدا کی قسم میں بھی اس کا علم رکھتا ہوں اور یقیناً مجھے شہید کیا جائے گا۔ میں اُس دن کو بھی جانتا ہوں جب میں شہید ہوں گا، اُس شخص سے بھی واقف ہوں جو مجھ کو شہید کرے گا، اُس مقام اور خطّۂ زمین کو بھی جانتا ہوں

جہاں یہ حادثہ ہوگا، اُن لوگوں کو بھی جانتا ہوں جو میرے خاندان اور گھر والوں میں سے میرے ساتھ شہید کیے جائیں گے اور اگر آپ کہیں تو میں آپ کو وہ خطۂ زمین بھی اسی وقت دکھا دوں جہاں میری آخری خواب گاہ ہوگی پھر کربلا کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ حجّتِ خدا کا اشارہ پانا تھا کہ درمیانی بلند خطّے نیچے ہو گئے، کربلا کی زمین اُونچی ہو گئی اور اُمّ المومنین اُمّ سلمہ نے اپنی نگاہوں سے وہ جگہ دیکھ لی جہاں امام حسین کی شہادت ہونے والی تھی اور وہ نہر بھی دیکھی جس کے قریب قمر بنی ہاشم حضرت عباس کے بازو قلم ہونے والے تھے۔ یہ دیکھکر آپ بے قرار ہوگئیں اور رونے لگیں"

امام نے فرمایا! نانی، اللہ کی قسم میں ضرور قتل کیا جاؤں گا۔ اگر میں عراق نہ بھی جاؤں جب بھی دشمن مجھے کہیں نہ کہیں قتل کرڈالیں گے۔ اُمّ سلمہ نے فرمایا، بیٹا! تمھارے نانا جان مجھے کچھ مٹی عطا کر گئے ہیں، دیکھو وہ! ایک شیشے میں رکھی ہوئی ہے! امام حسین نے کہا، نانی اماں! میں بھی آپ کی خدمت میں کچھ مٹی حاضر کرتا ہوں اُسے بھی محفوظ رکھیئے گا جب یہ دونوں خون بن کر شیشوں سے اُبلنے لگیں تو آپ سمجھ لیجیئے گا کہ میں شہید کر دیا گیا۔

کتاب شافی میں ہے کہ امام حسین کے ایک بھائی نے عرض کی، میری جان حضور پر قربان ہو جائے! اے ابو عبداللہ، آپ کے بڑے بھائی امام حسن نے ہم سب کے پدر محترم سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا ذکر انھوں نے مجھ سے کیا تھا۔ یہ کہتے ہی انھوں نے رونا شروع کر دیا امام حسین نے اپنے بھائی کو سینے سے لگا لیا اور فرمایا، تمھیں میں بابا علیؑ مرتضیٰ کی قسم دیتا ہوں مجھے بتادو کیا وہ میری شہادت کی خبر تو نہ تھی انھوں نے کہا بیشک ایسا ہی ہے۔ انھوں نے آپ کی شہادت ہی کی خبر دی تھی، امام حسین نے فرمایا، رسولِ خدا نے میرے بابا علیؑ مرتضےٰ سے فرمایا تھا کہ اے علیؑ تم بھی شہید کیے جاؤ گے اور حسین بھی شہید ہوں گے اور فرمایا

تھا کہ میری قبر جس مقام پر ہو گی وہ اس خطّہ سے نزدیک ہو گا جہاں میرے بابا کی قبر مطہّر ہو گی تو اے میرے بھائی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس بات کی خبر مجھے نہیں ہے اور صرف تم ہی جانتے ہو۔ خدا کی قسم میں یزید کی بیعت ہرگز نہیں کروں گا اور یہ ذلّت و خواری کسی حالت میں کبھی برداشت نہیں کروں گا مجھے یقین ہے کہ میری والدہ حضرت فاطمہ اپنے پدر گرامی صلی اللہ علیہ و آلہ سے ان مصائب کی ضرور شکایت کرینگی اور بے شک جنّت میں وہ شخص ہرگز داخل نہ ہو گا جس نے فاطمہ بنت رسولؐ کو اذیّت پہنچائی اُن کی اولاد کو تکلیف دی -! ان واقعات کے بعد امام حسین نے مکّہ کے سفر کی تیاری شروع کی، مخدّراتِ عصمت و طہارت کے لئے محملیں آراستہ کی جانے لگیں۔ بنی ہاشم میں جن لوگوں کو ساتھ چلنے کا حکم تھا اُن میں حضرت عبّاس بن علیؑ اور حضرت علیؑ اکبر بن حسین شامل تھے۔ پھر دوسری بار امام عالی مقام روضۂ رسولؐ پر حاضر ہوئے اور سلام آخری ادا کیا اور کہا:- یا رسول اللہ بابی انت و اُمّی لقد خرجتُ من جوارکَ کرُھًا و فُرِّقَ بینی و بینکَ و اُخذتُ بالانفِ قھرًا ان اُبایعَ یزید بن معاویۃ شاربَ الخمُورِ و راکبَ الفجورِ فانْ فعلتُ کفرتُ وانْ ابیتُ قُتِلتُ فھا انا خارجٌ من جوارکَ علی الکُرہِ فعلیکَ منّی السلام یا رسولَ اللہ "

یا رسول اللہ، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں مجبور ہو کر آپ کے جوار سے جا رہا ہوں۔ اور مجھ کو آپ کے پاس سے جُدا کیا جا رہا ہے اور مجھ پر زبردست دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ میں یزید بن معاویہ کی بیعت کر لوں جو شراب پینے والا اور فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والا ہے، یقیناً اگر اُس کی بیعت کروں گا تو کافر ہو جاؤں گا۔ اور اگر بیعت نہ کروں گا تو شہید کر ڈالا جاؤں گا۔ اس لئے (میں شہادت کو قبول کرتا ہوں) میرا آخری سلامِ رخصت قبول فرمائیے۔ پھر روتے رہے، اسی حالت میں آنکھ لگ گئی تو رسولؐ اللہ کی خواب میں زیارت کی، آپ فرما رہے تھے، اے

میرے فرزند حسین! تمھارے بابا، تمھاری والدہ اور تمھارے بھائی سب کے سب میرے پاس آچکے ہیں اور اب ہم سب تمھارے مشتاق ہیں۔

مختصر یہ کہ امام حسین اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ اس طرح مدینہ سے روانہ ہوئے جس طرح حضرت موسیٰ شہر "مدین" کی طرف روانہ ہوئے تھے اور اُن ہی کی طرح حسین بھی کہہ رہے تھے "ربِّ نَجِّنِی مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْن"، میرے پالنے والے اللہ! مجھے ظالموں سے نجات عطا فرما!

عبداللہ بن زبیر اس سے پہلے ہی مکہ چلے گئے تھے مگر دونوں کے سفر میں ایک واضح فرق یہ تھا کہ عبداللہ چھپ کر اور غیر معروف راستوں سے گئے تھے اور امام حسین عام راستہ سے اور اعلان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ ساتھیوں نے حفاظتی نقطۂ نظر سے عرض بھی کی تھی کہ حضور! عام راستہ پر سفر نہ کریں لیکن آپ نے اسے منظور نہیں کیا اور فرمایا "لَا وَاللّٰہِ لَا اُفَارِقُہ، حتّٰی یَقْضِیَ اللّٰہُ مَا ھُوَ قَاضٍ"، خدا کی قسم میں اس راستہ کو ترک نہیں کروں گا یہاں تک کہ جو فیصلۂ خداوندی ہے وہ پورا ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس راہ سے گریز کروں گا تو کہیں میرا یہ عمل اس کا ثبوت نہ بن جائے کہ میں موت سے ڈرتا ہوں اور مرنے سے بھاگتا ہوں۔ پھر کچھ اشعار پڑھے۔

امام عالی مقام نے مدینہ سے نکل کر ابھی کچھ ہی راہ طے کی تھی کہ فرشتوں کی ایک جماعت آئی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کے بعد فرشتہ کا وحی لے کر آنا بند ہو چکا ہے مگر دوسرے مقاصد کے لئے فرشتوں کا نزول ممنوع نہیں ہے، مؤلف) سب فرشتوں نے سلام کے بعد عرض کی یا حُجّۃَ اللّٰہ علی خلقہٖ من بعد جدّہٖ وابیہٖ واخیہٖ"، اے اللہ کی حجت! اس کی تمام مخلوق پر، آپ کے جد و پدر و برادر کے بعد، ہم آپ کی نصرت کے لئے آئے ہیں، ہمیں حکم دیجئے کہ ہم آپ کی مدد کریں۔ امام حسین نے جواب میں فرمایا:- تم سے میری وعدہ گاہ، میرا مزار اور وہ خطۂ زمین

ہے جہاں میں شہید کیا جاؤں گا۔ اور وہ خطہ کربلا ہے، جب میں وہاں پہنچ جاؤں تو تم آجانا، فرشتے واپس روانہ ہوگئے۔ اور امام مکّہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس کے بعد جنّات کا لشکر حاضر ہوا اور عرض کی، اے ہمارے امام اور سردار! ہم آپ کے غلام ہیں جو کچھ ہمیں حکم ہوگا اُس پر عمل کریں گے۔ اگر آپ حکم دیں تو ابھی ہم آپ کے دشمنوں کو قتل کر ڈالیں۔

آپ نے انھیں دعاءِ خیر دی اور فرمایا قرآنِ پاک میں تم لوگوں نے کیا یہ نہیں پڑھا ہے کہ "جہاں کہیں بھی تم ہوگے، موت تم کو پالے گی خواہ تم بُروجِ مُشَیَّدہ یعنی مستحکم قلعوں ہی میں کیوں نہ ہو اور یہ کہ جن کے لئے شہید ہونا مقرر ہے وہ اپنی خواب گاہوں تک ضرور پہنچ جائیں گے۔

آپ نے فرمایا:- اگر میں اپنی جگہ پر مقیم رہوں تو پھر لوگوں کا امتحان کیونکر لیا جائے اور کربلا کی اُس میری قبر میں کون رہے گا جسے خدا نے زمین کی پیدائش کے وقت ہی سے منتخب کر لیا تھا اور اُسے ہمارے دوستوں کے لئے پناہ کی جگہ بنایا ہے اور اُس میں دُنیا و آخرت کی امان رکھی ہے۔ اچھا تو تم ہفتہ کے دن کربلا میں آنا جو یومِ عاشورا ہے ("عاشوراء" کس دن تھا، اس کے متعلق دوسری روایات بھی ہیں) جس کی شام کے قریب میں شہید کیا جاؤں گا اور میرے انصار و اقرباء بھی شہید ہونگے پھر میرا سَر یزید کے پاس روانہ کیا جائے گا۔ جنوں نے عرض کی، اے حَبیبِ خُدا اور حَبیبِ خُدا کے نواسے! اگر آپ کے حُکم پر عمل کرنا اور آپکی اطاعت کرنا واجب نہ ہوتا تو ہم آپ کے دُشمنوں کو تباہ کر دیتے اور کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتے، آپ نے فرمایا:- نَحْنُ وَاللّٰہِ اَقْدَرُ عَلَیْھِمْ مِنْکُمْ،، خُدا کی قسم ہم اُن لوگوں پر تم سے زیادہ طاقت و اقتدار رکھتے ہیں لیکن قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے:- لِیَھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْۢ بَیِّنَۃٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَۃٍ (الانفال آیت ۴۲) یعنی تاکہ جس کو ہلاک و برباد ہونا ہو وہ کھُلے ہوئے نشان آجانے کے بعد برباد ہو اور جسے زندہ ہونا ہے وہ (بھی) کھُلے نشان آجانے کے بعد زندگی پائے،،

امام حسین علیہ السّلام مکّۂ معظمہ کی راہ طے کر رہے تھے اور اصحاب و انصار ساتھ تھے کہ ایک مقام پر عبداللہ ابن مطیع[عه] پہنچ گئے اور انھوں نے امام حسین کی خدمت میں عرض کی۔ میں آپ پر فدا ہو جاؤں، ایک ضروری مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ جب آپ مکہ معظمہ میں داخل ہو جائیں تو پھر وہاں سے کہیں باہر نہ جائیے گا کیونکہ وہ حرم خدا اور محل امن و امان ہے اس لئے وہاں آپ قیام فرمائیں اور وہاں کے لوگوں میں گھل مل جائیے پھر جو شخص بھی مکّہ میں داخل ہو اُس سے اپنے لئے بیعت لیجئے اور عوام و خواص سے عدل و انصاف کا برتاؤ اور ظلم و جور کے مٹانے کا وعدہ کیجئے اس کے ساتھ ہی مختلف مقامات پر خطیبوں کو مقرر کر دیجئے جو آپ کے شرف اور منزلت کو منبروں پر بیان کریں۔ اور عوام کو بتائیں کہ آپ کے نانا رسول اللہؐ اور پدر گرامی علی بن ابیطالب تھے اور آپ خلافت کے لئے دوسروں سے افضل اور بہتر ہیں۔ جہاں تک کوفہ کے سفر کا تعلق ہے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اس شہر کو کبھی قابل توجہ نہ قرار دیں اور کبھی نہ یاد کریں کیونکہ وہ بڑا منحوس شہر ہے جہاں آپ کے والد شہید کئے گئے اور آپ کے بھائی کی توہین ہوئی۔ غرض آپ حرم خدا میں قیام کیجئے۔ آپ کے ساتھ تمام اہلِ حجاز و یمن ہیں اور عنقریب آپ کے پاس ہر مُلک کے لوگ آئیں گے۔ اور آپ کی طرف رجوع کریں گے پھر جب وہ لوگ اپنے مقامات پر واپس ہوں گے تو دوسرے لوگوں کو آپ کی بیعت کے لئے دعوت دینگے یہ میرا حقیر مشورہ ہے جس کو آپ قبول فرمائیں اور پوری طرح محفوظ ہو کر راہِ مقصد کو اختیار کریں۔

[عه] عبداللہ بن مُطیع بن الاسود القرشی العدوی متوفی ۷۳ھ۔ عبداللہ بن زُبیر کے ساتھ رہے اور اُن ہی کے ہمراہ حجّاج ثقفی کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے مارے گئے۔

مکّہ میں امام حسین کا ورود

امام عالی مقام اتوار کی شب میں ۲۸ رجب ۶۰ھ کو کچھ رات گئے مدینۂ منوّرہ سے روانہ ہوئے تھے اور پانچویں روز یعنی جمعہ کے دن ۳ شعبان کو مکّۂ معظمہ پہنچ گئے۔ ادھر جب ولید بن عُتبہ کو اس کا علم ہوا کہ آپ مدینہ سے چلے گئے تو اس نے عبداللہ بن عمر کی طلب میں کسی آدمی کو بھیجا اور اُن سے بھی یزید کی بیعت کی خواہش ظاہر کی اُنھوں نے جواب دیا کہ اگر دوسرے لوگ بیعت کریں گے تو میں بھی بیعت کرلوں گا۔ چونکہ ولید کی نظر میں عبداللہ کے بیعت کرنے میں کوئی اہمیت نہ تھی اس لئے اُس نے ان سے اصرار نہ کیا اور انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیا یہاں تک کہ عبداللہ بن عمر بھی مکّۂ معظمہ چلے گئے۔

امام حسین علیہ السّلام جب مکّہ میں وارد ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے انتہائی گرمجوشی کے ساتھ اُن کا استقبال کیا اور آپ کی مکّہ میں تشریف آوری پر بڑی خوشی کا اظہار کرنے لگے۔

عبداللہ بن زبیر پر اگرچہ آپ کا مکّہ میں قیام بے حد گراں تھا کیونکہ وہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ آپ کی موجودگی کے سبب اہلِ مکّہ انھیں کوئی اہمیت نہ دیں گے اور نہ اُن کی بیعت کریں گے مگر اُن میں اتنی جراٴت نہ تھی کہ وہ کسی مخالفت کا اظہار کرسکتے اس لئے اپنی خواہش کے خلاف محض ظاہرداری کے طریقہ پر وہ روزانہ امام حسین کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے اور نمازِ جماعت میں آپ کی اقتدا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس ایک روز امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پہلے عبداللہ نے عرض کی "اے ابوعبداللہ آپ مکّہ کے لوگوں کی دشمنی اپنے خاندان کے ساتھ خوب جانتے ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ اُن کے شر سے اپنی حفاظت کیجئے اور آپ کسی وقت بھی انکی سازشوں سے بے خبر اور مطمئن نہ رہیں۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم

ہے کہ اُنھوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے اور آخرت کو دُنیا، دین کو درہم و دینار کے عوض فروخت کر چکے ہیں ہمیں خوف ہے کہ کہیں یہ لوگ آپ کو ہلاکت و مُصیبت کا شکار نہ بنا دیں اور آپ کی تباہی کا سبب نہ ہو جائیں کیونکہ حضرت رسول اللہؐ سے میں نے بھی سُنا ہے، وہ فرماتے تھے:۔ میرا فرزند حسین شہید کیا جائے گا اور جو لوگ اُس کی مدد نہ کریں گے تو خدا قیامت میں اُن کی جانب نظر نہیں فرمائے گا اس لئے اب تو مصلحت یہی ہے کہ جس طرح آپ نے پہلے خاموشی اور صبر سے کام لیا تھا اب بھی ایسا ہی کریں یہاں تک کہ خدا فتح و ظفر کے دروازے آپ کے لئے کشادہ کر دے اور آپ کے لئے مسرّت و شادمانی کے دن آ جائیں۔"

امام حسین نے فرمایا۔" اے ابو عبدالرحمٰن کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ میں کسی وقت اور کسی صورت میں بھی یزید بن معاویہ کی بیعت کا ارتکاب کر سکتا ہوں، کبھی ہرگز یہ بات ممکن نہیں ہو سکتی۔ عبداللہ نے پھر عرض کی، اے ابو عبداللہ، میں نے رسول اللہؐ سے خود سُنا ہے، وہ فرماتے تھے کہ یزید کا میں نے کیا بگاڑا ہے کہ وہ میرے نواسے، میری بیٹی کے فرزند حسین کو شہید کرے گا۔ اُس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر میرا فرزند ایسے لوگوں کی موجودگی میں شہید کیا جائے گا جو اُس کی نصرت پر قدرت رکھتے ہوں گے اور پھر بھی اُس کی مدد سے گریز کریں گے اور اُس کی آواز پر لبّیک نہ کہیں گے تو یقیناً غالب و قہّار خدا اُن کے دل اور زبان کے رشتہ کو توڑ دے گا۔ یعنی انھیں ہلاک کر ڈالے گا۔

جب امام حسین کے مکّہ میں تشریف لانے اور دیگر تفصیلات کی اطلاع حضرت عبداللہ بن عباس کو ہوئی تو وہ سُنتے ہی رونے لگے اور جب وہ امام کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے فرمایا:-" آپ

جانتے ہیں کہ میں رسولؐ اللہ کی بیٹی کا فرزند ہوں۔ انھوں نے جواب دیا اسوقت آپکے سوا ساری دنیا میں کوئی بھی نواسۂ رسولؐ نہیں ہے۔ اور اس اُمّت پر آپ کی نصرت و امداد و حمایت اسی طرح فرض اور ضروری ہے جس طرح نماز و زکوٰۃ فرض ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابن عباس آپ کی رائے اس گروہ کے لئے کیا ہے جو اپنے پیغمبرؐ کی بیٹی کے فرزند کو اس کے وطن، پناہ کی جگہ اور اس کے کنبے سے نکال دے اور اس کو اپنے جد کی قبر منور کی زیارت سے محروم کردے اور اتنا خوف زدہ کردے کہ وہ کسی جگہ بھی سکون و اطمینان حاصل نہ کرسکے اور وہ گروہ اُس کو بے جرم و خطا شہید بھی کر ڈالے:

ابن عباس نے عرض کی:۔ فرزند رسولؐ! ایسے لوگوں کے لئے میں کیا کہوں سوائے اس کے کہ وہ کافر ہیں اور رسولؐ اللہ سے منحرف ہیں پھر یہ آیت پڑھی۔ وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ (توبہ آیت ۵۴) یعنی، اور اس بات سے کہ اُن لوگوں سے مالی اعانتیں قبول کی جائیں، کوئی امر مانع نہیں سوائے اس کے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کیا ہے۔ اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر کاہلی کے ساتھ اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ، لیکن آپ اے فرزند رسولؐ! نیکوں کے سردار اور حضورؐ انور کے پارۂ جگر ہیں۔ یقیناً خدا اُس ظلم و ستم سے جو آپ کے دشمن آپ پر کررہے ہیں واقف ہے اور اُنھیں اس ظلم کا بدلہ ضرور دے گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جو شخص بھی آپ کو آپ کے جدّ رسولؐ اللہ کے مرقد مبارک سے جدا کرے گا، اُسے قیامت میں رحمتِ خدا کا کوئی حصّہ نصیب نہ ہوگا۔ امام حسین نے فرمایا:۔ پروردگارا! تو بھی اس پر گواہ رہنا! عبداللہ بن عباس کہنے لگے میرے ماں باپ آپ پر

فدا ہوں، ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آپ اپنی خبر مرگ دے رہے ہیں اور اس حادثہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں آپ مُبتلا ہوں گے اور مجھ سے اپنی نصرت طلب فرما رہے ہیں، خُدا کی قسم اگر میں آپ کی راہ میں تلوار چلاؤں یہاں تک کہ میرے دونوں ہاتھ کٹ جائیں جب بھی آپ کا وہ حق ادا نہ ہوگا جو میرے ذمہ ہے۔ یہ گفتگو جاری تھی کہ عبداللہؓ بن عمر نے مداخلت کی اور کہا: بہتر یہ ہے اے ابن عباس! کہ آپ اِس مسئلہ میں مزید گفتگو نہ کیجئے پھر امام حسینؑ کی طرف مخاطب ہو کر عرض کرنے لگے کہ آیئے ہم اور آپ پھر مدینہ لوٹ چلیں اور آپ بھی دوسروں کی طرح یزید کی بیعت کر لیں اور اپنے کنبے اور روضۂ رسولؐ کو نہ چھوڑیں لیکن اگر آپ کسی حال میں بھی بیعت یزید کو پسند نہ کریں جب بھی آپ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور آپ کو اس پر مجبور نہ کیا جائے گا کہ آپ اُس کی بیعت ضرور کریں۔ اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ یزید کی حکومت جلد ختم ہو جائے اور اس کی عمر تمام ہو جائے۔ تو پھر یہ مسئلہ ہی باقی نہ رہے گا۔ امام حسینؑ نے فرمایا اَے ابو عبدالرحمان اگر میں غلطی پر ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں اور کر رہا ہوں وہ درست نہیں ہے تو آپ مجھے بتا دیں کہ میرا عمل اور میرا راستہ کیوں غلط ہے تاکہ میں اَپنے عمل سے باز آ جاؤں۔

عبداللہ نے جواب دیا، خدا فرزند رسولؐ کو غلطی اور خطا پر نہیں قرار دے سکتا لیکن۔" زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز،، آپ زمانہ کے ساتھ چلنے کی کوشش کیجئے اور اپنی کوشش سے اُس کی ناسازگاریوں کو سازگار بنا لیجئے۔ مجھے خوف صرف اس کا ہے کہ کہیں اَیسا نہ ہو کہ لوگ آپ پر تلوار اُٹھالیں اور آپ سے جنگ شروع کر دیں اور آپ اُن کا مقابلہ نہ کر سکیں جس کا نتیجہ ناخوشگوار نکلے گا اِس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم اور آپ مدینہ واپس چلیں پھر اگر بیعتِ یزید آپ مناسب نہیں سمجھتے تو اَپنے گھر میں تشریف رکھئے اور

حکومتِ یزید سے بے تعلق رہیئے - امام عالی مقام نے فرمایا :- اے ابو عبدالرحمان مجھے یہ لوگ کسی حال میں بھی زندہ نہ چھوڑیں گے اور گھر کے اندر بھی چین نہ لینے دیں گے ۔

اے ابو عبدالرحمان کیا آپ نے انبیاء کرام پر بنی اسرائیل کے ظلم و جور کے واقعات نہیں سُنے ۔ آپ میری نصرت سے ہاتھ کھینچ لیں اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اور میرے لئے صرف دُعائے خیر کرتے رہیں اگر آپ کو میری حمایت و نصرت سے کوئی عذر ہے تو میں اُسے قبول کرتا ہوں اور سوائے دُعائے خیر کے کسی اور چیز کا طالب نہیں ہوں ۔ آپ کی جو مصلحت ہو اس پر عمل کیجئے مگر بہر حال آپ کے لئے میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ بیعتِ یزید نہ کریں اور اس مسئلہ کو التوا میں رکھیں یہاں تک کہ نتائج آپ کے سامنے آجائیں ؟

عبداللہ بن عمر نے کہا :- خدا نے آپ کے جد رسول اللہ کو اختیار دے دیا تھا کہ دُنیا اور آخرت میں سے جو چاہیں اپنے لئے اختیار فرمائیں لیکن انھوں نے آخرت ہی کو اختیار فرمایا ۔ آپ بھی تو اُن ہی کے فرزند ہیں اس لئے دُنیا کو کبھی پسند نہ کریں گے ۔ اور اُسے آخرت پر ترجیح نہ دیں گے خدا نے آپ کو آخرت کی سلطنت عطا کی ہے اور اس کے خزانے آپ کی ملکیت ہیں ، یہ کہکر عبداللہ رونے لگے ۔

امام حسین پھر عبداللہ بن عباس کی طرف مُڑے اور فرمایا کہ آپ میرے بابا کے چچازاد بھائی ہیں اور ہمیشہ اُن کے ساتھ متحد و متفق اور ان کے شریک کار رہے ہیں اگر آپ کا دل چاہے تو آپ مدینہ کا سفر کریں اور وہاں کی خبریں مجھے برابر پہنچاتے رہیں ۔ میں اس وقت تک مکہ معظمہ میں باقی رہوں گا جب تک اہل مکہ میرے ساتھ وفاداری اور محبت و عقیدت کا اظہار کرتے رہیں گے لیکن جب اُن کا رنگ بدل جائے گا تو میری بھی رائے بدل جائے گی اور پھر میں یہاں کی رہائش ترک کردوں گا اور وہ جملہ کہوں گا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی آگ میں گرتے وقت کہا تھا :- حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ، ہمارا خدا ہمارے لئے کافی ہے اور

وہی بہترین کارساز ہے۔ پھر میں یہاں سے کسی دوسری جگہ چلا جاؤں گا۔

ولید بن عتبہ کی حکومتِ مدینہ سے معزولی

جب یزید کو تمام حالات کی خبر ہو گئی اور اس کا پتہ چل گیا کہ حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر نے اُس کی بیعت سے صاف انکار کر دیا ہے اور یہ دونوں مدینہ سے مکۂ معظمہ چلے گئے ہیں نیز ولید اُنھیں گرفتار کرنے اور قتل کرنے میں ناکامیاب رہا تو اُس نے ولید کو حکومتِ مدینہ سے معزول کر دیا اور اُس کے بجائے عمرو بن سعید الاشدق کو اس کی جگہ حاکمِ مدینہ مقرر کیا اور عبداللہ بن عباس کے نام ایک خط لکھا جس میں اُس نے تحریر کیا۔ امّا بعد فَاِنَّ ابْنَ عَمِّكَ حُسَيْناً الخ (ترجمہ) اے عبداللہ بن عباس آپ کے ابن عم حسین بن علی اور وہ دشمنِ خدا عبداللہ بن زبیر ان دونوں نے میری بیعت سے انکار کیا ہے اور یہ دونوں مدینہ سے مکّہ چلے گئے ہیں اور اب فتنہ و فساد برپا کرنے کی فکر میں ہیں اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ رہا ابن زبیر تو وہ عنقریب نیست و نابود ہو جائے گا اور جلد ہی تلوار کے سپرد کر دیا جائے گا اس کے بعد جہاں تک حسین بن علی کی ذات کا تعلّق ہے میں اِس بات کو پسند کرتا ہوں کہ تم اہلبیتِ رسولؐ کے سامنے پوری طرح حجّت تمام کر دوں اور تم سے اُنکی شکایت اور گلہ کروں۔ میں نے سُنا ہے کہ اہلِ عراق میں سے اُن کے کچھ عقیدت مند اُن سے خط و کتابت کر رہے ہیں اُن لوگوں نے اُنھیں خلافت کی اُمید دلائی ہے۔ اور اُنھوں نے خود بھی مختلف اطراف میں خطوط روانہ کئے ہیں اور لوگوں کو اپنی حکومت کی بشارت دی ہے اور اِس طرح وہ لوگوں میں فتنہ و فساد کی تحریص کر رہے ہیں۔ اور تم تو واقف ہی ہو کہ ہمارے اور تمھارے درمیان رشتہ داری ہے اور خاندان کی عظمت و حرمت کا پاس و لحاظ ہے مگر حسین نے قطع رحم کیا ہے۔ اے ابن عباس تم

اس وقت اہلبیت کے سردار اور بزرگ ہو اور حجاز والوں کے سردار ہو تم حسین سے ملاقات کرو اور انھیں فتنہ انگیزی کی کوشش سے روک دو تاکہ فساد رونما نہ ہونے پائے۔ اور یہ امّت فتنہ اور ہلاکت و تباہی سے محفوظ رہے۔ پھر اگر اُنھوں نے تمھاری نصیحت کو قبول کر لیا اور اپنی ان کوششوں کو ترک کرنے پر راضی ہو گئے تو میں انھیں امان دے دوں گا اور اُن کی بے حد عزّت کروں گا۔ اور وہ تمام مراعات اُن کے لئے جاری کر دوں گا جو میرے باپ نے اُن کے بھائی کے لئے جاری رکھی تھی اور اگر اُنھوں نے اس سے زیادہ طلب کیا تو تم جس قدر بھی مناسب سمجھو طے کر دو اور اُس کے ضامن ہو جاؤ۔ میں تمھاری ضمانت کو نافذ کر دوں گا اور میری حکومت اُسے پورا کرے گی۔ اور میں خود بھی اُس کے نفاذ کا انتظام کروں گا۔ میری طرف سے حسین بن علی کے لئے بے حد مستحکم اور مضبوط عہد و پیمان ہیں جن میں کبھی فرق نہیں پڑ سکتا اور وہ یقیناً پورے ہوں گے۔ وہ ایسے مضبوط عہد و قرار ہیں جن پر حسین کا نفس پوری طرح مطمئن ہو جائے گا اور اپنے تمام امور میں حسین ان وعدوں اور قول و قرار پر پوری طرح بھروسا اور اعتماد کر سکتے ہیں۔ تم میرے اس خط کا جواب بھیجنے میں جلدی کرنا اور اپنی جو کچھ حاجت و ضرورت ہو وہ لکھنا جسے پورا کیا جائے گا۔"

عبداللہ بن عباس نے اس خط کو پڑھا پھر اس کا یہ جواب لکھا:۔ اَمّا بَعد فقد وَرَدَ کتابُکَ الخ تمھارا خط مجھے مل گیا۔ تم نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی مکّہ میں آ گئے ہیں جہاں تک ابن زبیر کا تعلق ہے وہ اپنی ذاتی رائے رکھتے ہیں اور ہم سے کوئی ربط نہیں رکھتے نہ تو اپنی رائے میں اور نہ اپنی خواہشات اور عمل میں اور اس کے باوجود اُن کا سینہ ہمارے کینہ سے بھرا ہوا ہے اور وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہمارے درمیان آگ کے شعلے بھڑکا دیں خدا انھیں کامیاب نہ کرے اس بنا پر عبداللہ بن زبیر کے حق میں جو کچھ تمھارے نزدیک

مناسب ہو اس پر عمل کرو۔ رہے حسین بن علی تو جب انھوں نے اپنے نانا کے حرم (مدینہ) کو چھوڑ دیا اور مکہ میں آ گئے تو میں نے اُن سے دریافت کیا کہ اُن کے مکہ میں آنے کا سبب کیا ہے انھوں نے مجھے جواب دیا تھا کہ مدینہ میں تمہارے حکام نے اُن کے ساتھ برا سلوک کیا اور اُن کی شان میں نازیبا کلمات کہے اس لئے وہ مدینہ سے حرم خدا (مکہ) میں آ گئے۔ میں عنقریب حسین بن علی سے ان مسائل پر بات کروں گا جن کی طرف تم نے اپنے خط میں اشارہ کیا ہے اور اصلاح امور کی پوری کوشش کروں گا تاکہ خدا اختلافِ اُمت کو دفع کر دے، فتنہ و فساد کو دور کر دے اور مسلمانوں کا خون نہ بہے۔ اے یزید! تنہائی اور مجمع میں ہر وقت تم کو خدا سے خوف کرنا چاہیئے۔ اور کسی حال میں بھی اُس کے عذاب سے غافل نہ ہونا چاہیئے اور کوئی شب بھی ایسی بسر نہ کرو جس میں کسی مسلمان کے لئے بھی بدخواہی تمہارے دل میں موجود ہو اور یاد رکھو کبھی تم کسی شخص کے لئے گڑھا نہ کھودنا کیونکہ کبھی دوسروں کے لئے گڑھا کھودنے والا خود ہی اُس میں گر جاتا ہے۔ اور بہت ایسے لوگ بھی ہیں جو طرح طرح کی آرزوئیں کرتے ہیں اور ان کی تمنّائیں پوری نہیں ہوتیں۔ یزید! تم قرآنِ پاک کی تلاوت کیا کرو۔ اور سُنّت کو دُنیا میں پھیلانے کی کوشش کرو اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرو اور تمھیں دُنیا کے کھیل کود اور دُنیوی امور عبادتِ الٰہی سے باز نہ رکھیں کیونکہ وہ تمہیں خدا سے غافل رکھیں گے، وہ یقیناً نقصان رساں ہوں گے اور تم کو نقصان پہنچائیں گے۔ اور وہ خود بھی فنا ہو جائیں گے لیکن جو اعمال تم آخرت کے لئے کرو گے وہ نفع دیں گے اور اُن کا اثر بھی ہمیشہ باقی رہے گا اور کبھی فنا نہ ہو گا۔

کوفہ والوں کے خطوط امام حسین کے نام

جب امام حسین کے مکۂ معظمہ میں قیام کرنے کی شہرت عام ہو گئی تو تمام قرب وجوار اور دور دراز مقامات

کے لوگوں نے آپ کے پاس کثرت کے ساتھ آنا شروع کر دیا۔ سردارانِ قبائل اور بزرگانِ قوم آپ کی خدمت میں باریاب ہونے لگے اور روز بروز آپ کی مرجعیّت میں زیادتی ہونے لگی۔

جب یہ خبر کوفہ والوں کو ملی تو وہ بے حد خوش ہوئے اور مشاہیرِ کوفہ اور سردارانِ قبائل سُلیمان بن صُرَد خُزاعی کے گھر میں جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا گیا کہ اَب جبکہ معاویہ کا اِنتقال ہو چکا ہے اور شراب خوار یزید اُن کی جگہ پر بَیٹھ گیا ہے، حسین بن علی نے اُس کی بیعت سے انکار کر دیا اور مدینہ منورہ کو چھوڑ کر مکّہ میں قیام کئے ہوئے ہیں تو ایسی حالت میں اَب ہم سب کو کیا کرنا چاہیئے۔ اس اجتماع میں سُلیمان بن صُرَد کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد کہنے لگے۔

ایّھاالناس! تمھیں اِس بات کا علم ہو ہی چکا ہے کہ معاویہ اَب اِس دنیا میں نہیں ہیں اور اُن کا لڑکا یزید خلیفہ بننا چاہتا ہے۔ اور کچھ جاہلوں اور بیوقوفوں نے اُس کی بیعت بھی کر لی ہے لیکن اِمام حسین نے بیعت نہیں کی اور مدینہ چھوڑ کر مکّہ چلے گئے ہیں اور تم سَب کے سَب اُن کے عقیدتمند ہو اور اُن کے والد کے بھی عقیدت مند ہونے کا شرف رکھتے ہو تو اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اُن کی نصرت و اِمداد کرو گے اور اُن کے دشمنوں سے جنگ کرو گے تو اُنھیں لکھدو کہ تشریف لائیے لیکن اگر تم کو اپنی کمزوری اور بُزدلی کا خوف ہو تو پھر فرزندِ رسولؐ کو دھوکا نہ دینا۔ یہ سُنکر تمام حاضرین نے ایک آواز میں کہا، اے سُلیمان! ہم اُن کی ضرور نُصرت و حمایت کریں گے، انھیں اپنے گھروں میں جگہ دیں گے اور اُن پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔

سُلیمان بن صُرَد نے پوری طرح اتمام حُجّت کر کے اُن سَب لوگوں سے پکّے عہد لئے اور اُنھیں قسَم دی کہ وہ اس عہد کو وفا کریں پھر کہا کہ اَب تم سَب ملکر فرزندِ رسولؐ کی خدمت میں درخواست بھیجو اور اُنھیں کوفہ میں تشریف لانے کی دعوت دو۔ لوگوں نے کہا کہ سُلیمان!

بہتر یہ ہوگا کہ آپ خود ہی امام حسین کو لکھیں مگر انھوں نے اس پر اصرار کیا کہ پوری جماعت اور تمام لوگوں کی طرف سے اجتماعی طور پر درخواست جانا چاہیئے، ایک شخص کی طرف سے نہیں آخر یہ خط لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم الی الحسین بن علیؑ من سلیمان بن صرد والمسیب بن نجبۃ و رفاعۃ بن شداد البجلی وحبیب بن مظاہر الاسدی اور کوفہ کے تمام عقیدت مندوں کی طرف سے حسین بن علی کی خدمت میں درخواست ہے۔ "آپ پر ہم سب کا سلام ہو اے فرزند رسولؐ! بیشک ہم سب خدائے برتر کے شکر گزار ہیں کہ اُس نے اپنے مخالف شخص کو ہلاک کیا جو اس اُمت پر بہ جبر و استبداد مسلط تھا اور اُس پر اس کی مرضی کے خلاف حکومت کرتا رہا اس نے اس اُمت کے ممتاز اور منتخب لوگوں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ اور جو لوگ ننگ روزگار اور بدترین افراد تھے اُنھیں زندہ رکھا۔ اُس نے مالِ خدا کو مالداروں اور جبّار و سرکش افراد میں محدود کر دیا اور عوام کو اُس سے استفادہ کا موقع نہ دیا۔ قومِ ثمود کی طرح خدا اس گروہ کو بھی اپنی رحمت سے دور رکھے۔ اور اس پر اپنا عذاب نازل فرمائے۔ اے فرزندِ رسولؐ ہم کس سے ہدایت کریں۔ اِنَّہٗ لَیْسَ عَلَیْنَا اِمَامٌ ـــــ فَاَقْبِلْ لَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یَّجْمَعَنَا بِکَ عَلَی الْحَقِّ الخ۔

ہمارا کوئی امام موجود نہیں ہے جو ہمیں ہدایت کرے اس لئے حضور جلد تشریف لے آئیں شاید خدا آپ کے ذریعہ سے ہم سب کو حق پر جمع کر دے۔ یزید کی طرف سے نعمان بن بشیر والیِ کوفہ قصرِ حکومت میں موجود ہے مگر ہم لوگ اس کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ نہ تو اُس کے ساتھ ہم نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں اور نہ نمازِ عید میں اُس کی اقتدا کرتے ہیں اور اگر ہمیں اس بات کا علم ہو جائے کہ آپ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے تو پھر ہم نعمان بن بشیر کو فوراً کوفہ سے خارج کر دیں گے۔ اس خط کو سلیمان بن صرد نے عبداللہ بن مسمع اور عبداللہ بن وال کے ہمراہ

روانہ کیا اور کہا کہ جلد سے جلد یہ درخواست فرزند رسولؐ تک پہنچا دو۔ چنانچہ یہ لوگ بہت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوگئے اور ۱۰ رمضان المبارک کو مکۂ معظمہ پہنچے۔

کوفہ والوں کی درخواست امام کی خدمت میں پیش کی گئی۔ آپ نے اس تحریر کو بغور پڑھا اور تھوڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ عـہ

یہ دونوں قاصد مکہ میں چند روز تک مقیم رہے۔ اہل کوفہ نے کچھ دن انتظار کر کے قیس بن مُسْہر صَیدَاوی، عبداللہ بن سَنْدا اور عُمارَہ بن عبداللہ السَّلوُلی کو بھی مکہ روانہ کر دیا ان کے ساتھ کوفہ کے سرداروں کے اکیسو پچاس خطوط تھے اور ہر شخص نے دو دو تین تین خطوط لکھے تھے۔ امام نے تمام خطوط ملاحظہ کئے لیکن پھر بھی آپ نے ان کی دعوت کو قبول نہ فرمایا اور کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد شَبَث بن رِبعی، حَجّار بن اَبجَر، یزید بن حارث، عَزرہ بن قیس نے یہ خط لکھا۔

(ترجمہ) کوفہ کے باغ آجکل ہرے بھرے ہیں، میوے پک چکے ہیں اور خشک زمینیں لالہ زار بنی ہوئی ہیں۔ یہ زمانہ بہت ہی مناسب ہے کہ آپ یہاں تشریف لائیے، ایک ایسے لشکر کی جانب جو آپ کی خدمت کے لئے پوری طرح تیار ہے۔"

اسی طرح دوسرے خطوط بھی برابر کوفہ سے بھیجے گئے چنانچہ بعض

عـہ درحقیقت امام حسین کے عقیدت مندوں اور مخلص دوستوں کو اس طرح پھانس کر اور ان کے سامنے عقیدت و اطاعت کا مصنوعی اور منافقانہ ادعا کر کے، آپ کے بدترین مخالفوں نے آپ کے سچے دوستوں کو دھوکا دیا تھا تاکہ امام حسین اپنے مخلصوں کی دعوت قبول کر کے کوفہ میں آجائیں اور وہ منافقین آپ کو شہید کر کے اپنے سیاسی مقاصد پورے کریں۔ ۱۲

روایتوں میں ہے کہ اہلِ کوفہ نے امام حسین علیہ السلام کو بارہ ہزار[۱۲] خطوط تحریر کئے تھے لیکن آپ پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ نے ہر خط کی وصولیابی پر خاموشی ہی اختیار فرمائی۔ جب اہلِ کوفہ نے دیکھا کہ امام حسین کا کوئی جواب نہیں آیا اور نہ ان کے قاصد ہی پلٹ کر آئے تو انھوں نے پھر ایک خط روانہ کیا اور اس کو ھانی بن ھانی سُبَیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے ہاتھ بھیجا گیا اس کا مضمون یہ تھا۔

امابعد، فَحَیَّ ھَلَا فَاِنَّ النَّاسَ یَنْتَظِرُوْنَکَ لَا رَأیَ لَھُمْ غَیْرُکَ فَالْعَجَلَ اَلْعَجَلَ ثُمَّ الْعَجَلَ اَلْعَجَلَ وَالسَّلَام۔

یعنی آپ بہت جلد کوفہ میں تشریف لے آئیے کیونکہ تمام لوگ آپ کے منتظر ہیں اور آپ کے سوا اُن کی نظر میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس لئے جلدی کیجئے، جلدی، جلدی، جلدی۔"

تاریخ اعثم کوفی میں ہے کہ کوفہ کے ایکسو پچاس سربرآوردہ لوگ مکّہ معظّمہ گئے اور اُن کے ساتھ بھی کثیر تعداد میں خطوط تھے۔ آخر جب اصرار کی کوئی حد نہ رہی تو آپ نے اپنے چچازاد بھائی مُسلم بن عقیل کو حکم دیا کہ وہ کوفہ روانہ ہوں۔

امام حسین ۲۸ رجب سنہ ۶۰ھ کو مدینہ سے مکّہ معظّمہ کے لئے چلے تھے اور جمعہ ۳ شعبان کو مکّہ میں وارد ہوئے، اس کے بعد شعبان رمضان، شوال اور ذیقعدہ میں وہیں مقیم رہے پھر روز "ترویہ" (۸ ذی الحجّہ) کو مکّہ سے عراق کے لئے روانہ ہو گئے۔

مقتلِ طریحی اور دوسری کتابوں میں ہے کہ یزید نے تیس آدمیوں کو اس کام کے لئے مقرر کیا تھا کہ وہ مکّہ میں حاجیوں کا بھیس بدل کر جائیں اور جس طرح بھی ہو امام حسین کو گرفتار کر لیں۔ اور اگر انھیں گرفتار نہ کر سکیں تو قتل کر ڈالیں۔ اس کی خبر امام حسین کو تھی اس لئے اُنھوں نے مکّہ میں قیام کو بھی ترک کر دیا تاکہ کہیں اس قتل و غارت کی وجہ سے حرم خدا کی بے احترامی نہ ہو۔

شیخ مفید نے کہا ہے کہ روزِ "ترویہ" وہی دن تھا جب مسلم بن عقیل پر کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد نے حملہ کا آغاز کیا اور دوسرے روز یعنی ۹ ذی الحجہ (روزِ عرفہ) کو وہ شہید کر ڈالے گئے۔ اعثم کوفی کی روایت کی بنا پر یہ جنگ ۸ ذی الحجہ کو شروع ہوئی تھی اور ۹ ذی الحجہ کو حضرت مسلمؑ کی شہادت ہوئی۔

مختصر یہ کہ امام حسینؑ کے ارادۂ سفرِ عراق کی خبر پھیل گئی اور ہر طرف کے لوگوں نے آنا شروع کر دیا۔ سفر شروع ہونے سے تین روز قبل کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "اے فرزند رسولؐ! کوفہ والوں کے دل تو آپ ہی کے ساتھ ہیں مگر اُن کی تلواریں آپ کے خلاف ہیں۔

حضرت مسلم بن عقیل کے حالات

اب ہم حضرت مسلم بن عقیل کے حالات لکھتے ہیں، امام عالی مقام کے سفر کوفہ کی تفصیلات اس کے بعد لکھیں گے۔ جب کثرت سے خطوط وصول ہو چکے تو آپ نے بنی ہاشم میں سے حضرت مسلم بن عقیل کو منتخب فرمایا اور انھیں کوفہ روانہ فرمایا اور ان خطوط کے جواب میں یہ خط تحریر فرمایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مِنَ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ اِلَی الْمَلَاءِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ هَانِئاً وَسَعِیْداً قَدِمَا عَلَیَّ بِکُتُبِکُمْ وَکَانَا آخِرَ مَنْ قَدِمَ عَلَیَّ مِنْ رُسُلِکُمْ وَقَدْ فَهِمْتُ کُلَّ الَّذِیْ اقْتَصَصْتُمْ وَذَکَرْتُمْ وَمَقَالَةُ جُلِّکُمْ اِنَّهٗ لَیْسَ عَلَیْنَا اِمَامٌ فَاَقْبِلْ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَّجْمَعَنَا بِکَ عَلَی الْحَقِّ وَالْهُدٰی وَاَنَا بَاعِثٌ اِلَیْکُمْ اَخِیْ وَابْنَ عَمِّیْ وَثِقَتِیْ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ مُسْلِمَ بْنَ عَقِیْلٍ فَاِنْ کَتَبَ اِلَیَّ اَنَّهٗ قَدِ اجْتَمَعَ رَأْیُ مَلَائِکُمْ وَذَوِی الْحِجٰی وَالْفَضْلِ مِنْکُمْ عَلٰی مِثْلِ مَا قَدِمَتْ بِهٖ رُسُلُکُمْ وَقَرَأْتُ فِیْ کُتُبِکُمْ فَاِنِّیْ اَقْدَمُ اِلَیْکُمْ وَشِیْکاً اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَلَعَمْرِیْ مَا الْاِمَامُ اِلَّا الْحَاکِمُ بِالْکِتَابِ الْقَائِمُ بِالْقِسْطِ الدَّائِنُ بِدِیْنِ الْحَقِّ الْحَابِسُ

نَفْسَہٗ عَلیٰ ذٰلِکَ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ۔ (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۱۱۵)

آپ فرماتے ہیں کہ اے مؤمنین و مسلمین کوفہ، ھانی بن ھانی السُّبَیْعِی اور سعید بن عبداللہ الحنفی آخری وہ لوگ تھے جو تمھاری جانب سے ہمارے پاس پہونچے اور تمھارے خطوط لائے۔ جو کچھ تم لوگوں نے لکھا تھا وہ سب میں نے سمجھا۔ اور یہ بھی میں پوری طرح سمجھا جو تم نے لکھا تھا کہ ہمارا کوئی اِمام موجود نہیں ہے آپ فوراً آجائیے شاید خدا آپ کے ذریعہ سے ہمیں حق و ہدایت پر جمع کر دے۔ تو میں اپنے بھائی اور اپنے چچا کے بیٹے اور اپنے اہل بیت کے ایک فرد کو جو میرے معتمد علیہ ہیں روانہ کرتا ہوں۔ اگر اُنھوں نے مجھے لکھا اور تمھاری رائے کو اُنھوں نے منتشر نہیں دیکھا اور مجھ کو اس کی اِطلاع دی کہ تمھارے صاحبانِ فضل اور اہلِ حَلّ و عقد میں پورا اتفاق و اتحاد ہے اور اُن سب کی ایک ہی رائے ہے جیسا کہ تم نے اپنے خطوط میں ظاہر کیا ہے تو میں بہت جلد تمھاری طرف آجاؤں گا۔ بلاشبہ اِمام تو وہی ہے جو کتابُ اللہ کے موافق اَحکام نافذ کرتا ہو اور جو عدل و انصاف اور دینِ حق پر قائم ہو اور صرف خوشنودی و حکمِ الٰہی کی بنا پر اپنے نفس کو اَوامرِ الٰہیہ میں محدود رکھتا ہو۔" یہ خط لکھا اور مسلم بن عقیل کو بلا کر کچھ نصیحتیں فرمائیں اور حکم دیا کہ اپنے کوفہ جانے کا اِعلان و اشتہار نہ کریں، تقویٰ کو اپنا شعار رکھیں۔ عوام و خواص سے انتہائی اخلاق و محبت سے پیش آئیں اور کوفہ پہونچ کر اگر لوگوں کو محبتِ اہلبیت میں مستحکم و متفق پائیں تو فوراً تحریر کریں۔ اس کے بعد قَیْس بن مُسْہِر الصَّیداوی اور عمارہ بن عبداللہ السَّلُولی نیز عبدالرحمٰن بن عبداللہ الاَزْدِیؒ اور ایک جماعت کو جو کوفہ کے اَعیان میں سے تھی حضرت مسلم بن عقیل کے ہمراہ کیا۔ حضرت مسلم روانہ ہو گئے۔ اور ۱۵ رمضان المبارک ۶۰ھ کو مکّہ سے چل کھڑے ہوئے اور پانچویں شوال ۶۰ھ کو کوفہ پہونچ گئے۔ درمیان کے حالات یہ ہیں:- حضرت مسلم جب مکّہ سے نکلے اور تھوڑی

ہی دور چلے ہوں گے کہ داہنی جانب ایک شکاری کو دیکھا جو ایک ہرن کا پیچھا کر رہا تھا آخر کار اُس نے ہرن کو پکڑ لیا اور ذبح کر ڈالا۔ مُسلم بن عقیل کو یہ بات پسند نہ آئی اور فوراً مکہ پلٹ آئے اِمام حسین سے تمام حال بیان کر دیا۔ اور عرض کی حضور یہ سفر مبارک نہیں معلوم ہوتا امام نے فرمایا مسلم! کوئی حرج نہیں ہے! تم ڈر گئے ہو تو تم میرے پاس رہو میں کوفہ کسی اور کو روانہ کر دوں گا۔ مُسلم نے عرض کی حضور میں نے اپنا فرض خیال کیا کہ جو دیکھوں اُسے عرض کر دوں اور پھر جو حکم ہو وہ کروں۔ یا بن رسول اللہ میں اس سے ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس کے بعد زیارت سے مشرّف نہ ہو سکوں اس لئے اسی بہانے سے دوبارہ حاضرِ خدمت ہو گیا۔ تاکہ ایک مرتبہ پھر اس چہرۂ اقدس کی زیارت کرلوں۔ شاید عمر میں پھر آپ کا دیدار قسمت میں نہ ہو، آگے بڑھے اور آقا کے ہاتھوں اور پیروں کے بوسے لئے اور روتے ہوئے رُخصت ہوئے۔ اِمام حسین بھی رو دیئے اور مُسلم بن عقیل کو اپنے سینے سے لگا کر دیر تک روتے رہے حضرت مُسلم سلام کر کے جانے لگے مگر حالت یہ تھی کہ روتے جاتے تھے اور کسی طرح آنکھ کا آنسو نہیں تھمتا تھا لوگوں نے دریافت کیا کیوں روتے ہو مسلم! جواب دیا اس لئے روتا ہوں کہ میں اپنے آقا سے دور ہو جاؤں گا۔ اور حسین سے دور رہ کر مجھ میں طاقتِ صبر، نہیں رہ سکتی۔ خلاصہ یہ کہ مُسلم بن عقیل اِسی غم و اَندوہ کے عالم میں مدینہ پہونچے اور پہلے روضۂ رسولؐ پر حاضر ہو کر چند رکعتیں نماز ادا کی پھر اپنے گھر میں گئے اور سب کو رُخصت کیا دوستوں سے ملے اور اپنے بچّوں کو ہمراہ لیا اور بنی قیس سے دو راہبر مزدوری پر ساتھ لئے تاکہ وہ لوگ صحرا کے راستوں سے کوفہ پہونچا سکیں۔ یہ سب اِنتظام کر کے مُسلم مدینہ سے روانہ ہو گئے اور کوفہ کی راہ لی۔ لیکن راہبر راستہ بھول گئے اور بھٹک کر راہ سے بے راہ ہو گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ شاہراہ سے ہٹ کر قریب ترین راستہ سے جلد کوفہ پہونچ جائیں مگر اس کوشش میں

راستہ یاد نہ رہا اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے پیاس سے جاں بلب ہو گئے جب پیاس کی شدت سے دم ٹوٹنے لگا تو مسلم کو اشارہ سے قریب بلایا اور بتایا کہ فلاں سمت جاؤ ممکن ہے کہ وہاں تم کو پانی دستیاب ہو جائے اس کے بعد وہ دونوں مر گئے۔ حضرت مسلم اور اُن کے تمام ساتھی بھی بے حد پیاسے تھے اور سخت اندیشہ تھا کہ پیاس انھیں ہلاک کر دے گی اسی حالت میں یہ لوگ راہ طے کرتے رہے یہاں تک کہ قریہ مضیق پہونچے اور حالت یہ تھی کہ ان میں بہت تھوڑی جان باقی تھی اس وقت ان کو پانی ملا جسے پی کر یہ اپنے ہوش میں آئے۔ مسلم کو راہبروں کی موت کا خیال آیا اور اس کو انھوں نے پھر فالِ بد قرار دیا اور حضرت امام حسین کو خط لکھا۔ اما بعد فانی اقبلت من المدینۃ مع دلیلین فحادا عن الطریق فضلا واشتد علینا العطش فلم یلبثا ان ماتا و اقبلنا حتی انتھینا الی الماء فلم ننج الا بحشاشۃ انفسنا وذلک الماء بمکان یدعی المضیق من بطن الخبت وقد تطیرت من وجھی ھذا فان رایت اعفیتنی وبعثت غیری والسلام "۔ میں مدینہ سے دو راہبروں کے ساتھ روانہ ہوا وہ راستہ بھول گئے اور پیاس کی شدت سے ہلاک ہو گئے اس کے بعد ہم آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ایک چشمہ تک پہونچے جو مقام "مضیق" میں تھا، جہاں ہمارا آخری وقت ہو چکا تھا اور دم نکلنے کے قریب تھا میں نے اپنے اس سفر سے فالِ بد لی ہے اور اس کا نتیجہ میری نظر میں اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اگر مناسب رائے عالی ہو تو کسی دوسرے کو کوفہ روانہ فرمایا جائے۔ امام حسین علیہ السلام نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من الحسین بن علیؑ الی ابن عمہ مسلم بن عقیل اما بعد فقد خشیت ان لایکون حملک علی الکتاب الیّ فی الاستعفاء من التوجہ الذی وجھتک الا الجبن فامض لوجھک الذی وجھتک یا بن العم الی سمعت جدی

رَسُولَ اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ یَقُوْلُ مَا مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ مَنْ تَطَیَّرَ وَلَا یُتَطَیَّرُ بِہٖ فَاِذَا قَرَأْتَ کِتَابِیْ فَامْضِ عَلٰی مَا اَمَرْتُکَ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ ۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ خط تم نے کمزوریِ قلب کی وجہ سے مجھے لکھا ہے ۔ اے میرے چچا کے فرزند جہاں جانے کا میں نے تم کو حکم دیا ہے وہاں ضرور جاؤ میں نے اپنے جد رسول اللہؐ سے سُنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ہم اہلبیت کسی چیز سے فال نہیں لیتے اور نہ ہم سے فال لی جاتی ہے لہٰذا ان تخیلات کو چھوڑو اور میرا خط پہونچتے ہی جہاں کا میں نے حکم دیا ہے وہاں روانہ ہو جاؤ ۔

جب حضرت مُسلم کو یہ خط ملا تو آپ نے حکم کی فوراً تعمیل کی اور ساتھیوں سے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف نہ تھا بلکہ میں چاہتا تھا کہ کسی طرح آقا کا کوفہ جانا نہ ہو ۔ پانچویں شوال کو آدھی رات کے وقت کوفہ پہونچے اور سلیمان بن صُرد اور دوسری روایت کے مُطابق مختار بن ابو عُبیدہ ثقفی کے مکان میں اُترے ۔ پھر اس کا اعلان ہو گیا کہ فرزندِ رسولؐ کی طرف سے مسلم بن عقیل کوفہ آگئے ہیں تو جوق در جوق لوگوں نے آنا شروع کر دیا ۔ جب کوفہ کے تمام سربرآوردہ اشخاص جمع ہو گئے تو مُسلم نے امام حسینؑ کا مکتوب گرامی پڑھ کر سُنایا ۔ لوگ امام کا خط سُنکر فرطِ مسرّت سے رونے لگے ، مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت شروع کر دی ۔ اور وفاداری کا عہد کیا یہاں تک کہ اٹھارہ ۱۸۰۰۰ ہزار آدمیوں نے بیعت کی ، روزانہ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا اور ہر شخص بیعت کر رہا تھا ابو مخنف کی روایت ہے کہ حضرت مُسلم کے ہاتھ پر اسی ہزار آدمیوں نے بیعت کی اور ابو مخنف خود بھی اُس مجمع میں موجود تھا ۔ ابو مخنف کا نام لوط بن یحییٰ ہے ۔ یحییٰ اصحاب امیر المومنین حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام میں سے تھے ۔ جب حضرت مُسلم نے بیعت کرنے والوں اور عہدِ وفا مستحکم کرنے والوں کی اتنی بڑی

تعداد دیکھ لی تو فوراً امام کو خط لکھدیا کہ اب خود حضور تشریف لے آئیں۔
امام حسین نے اُسی زمانہ میں ایک خط مشائخ بصرہ کو تحریر فرمایا:
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من الحسین بن علیؑ بن ابیطالب
اما بعد فانّ اللہ تعالیٰ اصطفیٰ محمّداً صلی اللہ علیہ وآلہ علیٰ جمیع خلقہ واکرمہ بنبوّتہ وحباہُ برسالتہ ثم قبضہ الیہ مکرّماً وقد نصح العباد وبلّغ رسالات ربّہ وکان اھلہ واصفیاؤہ احقّ بمقامہ من بعدہ وقد تامّر علینا قومٌ فسلّمنا ورضینا کراھۃ الفتنۃ وطلب العافیۃ وقد بعثت الیکم بکتابی ھذا وانا ادعوکم الی اللہ والی نبیّہ فانّ السُّنّۃ قد اُمیتت فان تجیبوا دعوتی و تطیعوا امری اھدکم سبیل الرشاد والسلام۔ خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو اپنی تمام مخلوقات میں سے منتخب فرمایا اور انھیں اپنی نبوّت کا منصب عطا فرمایا۔ انھوں نے لوگوں کو ہدایت فرمائی اور اپنے پروردگار کے احکام کی تبلیغ کی اور پھر خدا نے اُن کو اپنی بارگاہ میں عزت و اکرام کے ساتھ طلب فرمالیا۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے اہلِ بیت اُن کی جگہ کے اور اُن کی قائم مقامی کے یقیناً اہل تھے لیکن ایک دوسری جماعت ہم پر زبردستی حاکم بن بیٹھی اور ہم نے محض فتنہ و فساد سے بچنے کی غرض سے اُن سے کوئی تعرض نہ کیا۔ ہم امن چاہتے تھے اور فساد سے متنفّر تھے۔ میں اِس خط کو تمھارے پاس روانہ کرتا ہوں۔ اور تمھیں خدا اور اُس کے نبیؐ کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ سُنّت محمدی تباہ کی جاچکی ہے اگر تم لوگوں نے میری دعوت کو قبول کرلیا اور میرے حکم پر اطاعت ظاہر کی تو میں تم کو ہدایت کا راستہ دکھاؤں گا اور تمھاری رہبری کروں گا والسلام۔ یہ خط ایک شخص جس کا نام سلیمان اور کنیت ابورزین تھی لیکر بصرہ گیا اور بصرہ کے شیوخ، احنف بن قیس، منذر بن جارود، یزید بن مسعود نہشلی وغیرہم۔ کو دے دیا ان لوگوں نے خط پڑھا اور بہت خوش ہوئے۔ یزید بن مسعود نہشلی

نے بنو تمیم، بنو حنظلہ اور بنو سعد کو طلب کیا جب سب لوگ جمع ہو گئے
تو اُس نے کہا یا بنی تمیم کیف ترون موضعی فیکم وحسبی منکم
میری عزت تم کسقدر کرتے ہو اور تم میں میرا مقام کیا ہے؟ فقالوا
بخ بخ انت واللہ فقرۃ الظہر ورأس الفخر حللت فی الشرف
وسطا ولقد تقدمت فیہ فرطا"، بنو تمیم نے جواب دیا آپ کی عزت و
مرتبہ کا پوچھنا ہی کیا ہے آپ ہماری قوم کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت
رکھتے ہیں اور آپ کی ذات ہمارے لئے فخر و عزت کا باعث ہے آپ
عزت، و شرف کی بہترین منزل پر فائز ہیں۔ یزید بن مسعود نے کہا
کہ میں نے آپ لوگوں کو اس لئے زحمت دی ہے کہ ایک خاص امر
میں مشورہ کروں، لوگوں نے کہا بڑی خوشی سے، ہم جو کچھ سمجھتے ہیں اور
رائے دے سکتے ہیں اُس میں دریغ نہیں کریں گے فرمائیے کیا بات
ہے؟ یزید بن مسعود نے کہا کہ تمھیں اس کا علم ہونا چاہیئے کہ معٰویہ کا
انتقال ہو چکا ہے اور یقیناً ان کے مرنے سے جور و گناہ کا دروازہ
ٹوٹ چکا ہے اور ظلم و ستم کے ستون گر چکے ہیں۔ معاویہ نے اپنے
مرنے سے قبل ایک دوسری بدعت ایجاد کی، اور یہ خیال کیا کہ یہ یزید
کی بیعت پوری طرح مستحکم ہو گئی ہے اور اب یہ باقی رہے گی اور انکی
یہ آرزو پوری ہو گی۔ لیکن یہ اُن کا خیالِ خام تھا اُن کی کوششوں اور
راز و نیاز کا کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہو سکا اور اس سلسلہ کی ہر کوشش میں
اس کو مُنھ کی کھانا پڑی۔ ان تمام باتوں کے باوجود، شراب خوار
اور فسق و فجور کا مرکز یزید مسلمانوں پر خلافت کا دعوٰی کرنے لگا اور ان پر
حاکم بن بیٹھا درآنحالیکہ اُس میں حلم و علم دونوں کی کمی تھی۔ اور وہ
حق و دیانت سے قطعاً بے بہرہ تھا تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں
کہ یزید ایسے شخص سے جہاد کرنا مشرکین کے جہاد سے افضل ہے، کہاں
یزید اور کہاں حسین بن علی جو رسول اللہؐ کے فرزند ہیں اُن میں عقل و
اصل کی شرافت و استحکام موجود ہے اُن میں وہ فضل و شرف ہے

جس کو زبان سے بیان کرنے کی طاقت نہیں اور وہ علم ہے جس کی حد نہیں اور وہ یقیناً امارت مسلمین کے زیادہ حقدار ہیں اپنی فضیلت و شرف اور قرابت رسولؐ کی وجہ سے وہ چھوٹوں اور بڑوں، صغیر و کبیر سب پر مہربان ہیں اُن جیسے امام اور راہبر کی تعریف ہی کیا کی جاسکتی ہے اور کس قدر باعزت و عظمت ہیں وہ بیشک خدا نے انھیں خلق پر اپنی حجّت قرار دیا ہے اور وہی اس کے لئے اتمام حجّت کا ذریعہ ہیں۔ اور ان ہی کے سبب سے خدا کی نصیحت و موعظت ہم تک پہونچی ہے۔ نورِ حق چمک رہا ہے اُس سے رُخ نہ پھیرو اور باطل کے گڑھے میں نہ گرو۔ تم ہی میں سے صخر بن قیس تھا جس نے جنگ جمل میں امیرالمومنین علیؑ کی مدد نہ کی تھی اور تم کو بھی جنگ سے روک دیا تھا وہ ذلّت و رسوائی کا دھبّہ اگر دھونا چاہتے ہو تو حسین بن علی کی نصرت کرو۔ خدا کی قسم جو اُن کی نصرت میں تقصیر کرے گا اُس سے خدا کی رحمتیں سلب ہو جائیں گی اُس کی اولاد ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گی اور اس کا خاندان تباہ رہے گا۔ دیکھو میں جنگ کے لئے تیار ہوں اور زرہ پہنے ہوئے تمہارے سامنے موجود ہوں اور اسلحۂ جنگ سے آراستہ ہوں، تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ جو جنگ میں قتل نہ ہوگا اُس کو بھی مرنا ہی ہے ایک نہ ایک روز اور جو جنگ سے بھاگے گا وہ بھی موت کے چنگل میں کسی دن گرفتار ہوگا۔ غرض یہ کہ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا خدا تم پر رحم فرمائے۔ میری بات کا مناسب جواب دینا۔

(قوم کا جواب) سب سے پیشتر بنو حنظلہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے ابو خالد ہم سب آپ کے ترکش کے تیر ہیں اور آپ کے آزمودہ کار سپاہی ہیں اگر آپ ہمیں اپنی کمان اور ترکش سے نکالکر دشمن کی طرف چلائیں گے تو ہم انشا لون کو اُلٹ دیں گے اور اگر آپ جنگ کریں گے تو ہم نصرت میں کوئی کمی نہ کریں گے۔ اگر آپ آگ اور پانی کے سمندروں میں ہمیں جھونک دیں گے تو ہم حکم کی تعمیل کریں گے اور کبھی واپس نہ آئیں گے اور مصیبت و بلا کے سیلابوں کا بے جگری کے ساتھ

مقابلہ کریں گے اور آپ کے سامنے اپنی جانوں کو سپر بنائیں گے۔

اس کے بعد بنو سعد سامنے آئے اور کہا ابو خالد آپ کی مخالفت سے زیادہ ہم کسی چیز سے نفرت نہیں کرتے اور آپ جو حکم دیں گے اس کی تعمیل ہم اپنا فرض سمجھیں گے۔ بیشک صخر بن قیس نے ہم کو جنگ جمل میں جانے سے روک دیا تھا جس کی وجہ سے ہمارا جوہر شجاعت ظاہر نہ ہو سکا اب آپ ہمیں تھوڑی مہلت دیں تاکہ ہم ایک دوسرے سے مشورہ کر سکیں اور اس معاملہ پر پوری طرح غور و خوض کر لیں۔

صخر بن قیس جس کا نام احنف تھا اس نے اپنے قبیلہ بنو سعد کو جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی حمایت اور حضرت عائشہؓ سے جنگ کرنے سے باز رکھا تھا۔

اس کے بعد فوراً بنو عامر بن تمیم اٹھے اور کہا اے ابو خالد ہم تو آپ کے ہم جدی ہیں اور رشتہ داری کے علاوہ ہم عہد بھی ہیں آپ جہاں جائیں گے ہم آپ کے دم قدم کے ساتھ رہیں گے ہم آپ کے مطیع فرمان ہیں جو حکم ہو گا اس سے سرتابی نہیں کر سکتے۔

ابو خالد یزید بن مسعود نے کہا کہ اے بنو سعد اگر تمہارا عمل تمہارے قول کے مطابق ثابت ہوا تو خدا تمہاری حفاظت فرمائے گا اور نصرت کرے گا۔ جب انھوں نے اپنی قوم کی تمام باتیں سن لیں اور اطمینان ہو گیا تو فوراً حضرت امام حسینؑ کو خط لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اما بعد فقد وصل الیّ کتابک فہمت ما ندبتنی الیہ ودعوتنی لہ من الاخذ بحظی من طاعتک والفوز بنصیبی من نصرتک وان اللہ لم یخل الارض قط من عامل علیہا بخیر او دلیل علی سبیل نجاۃ وانتم حجۃ اللہ علی خلقہ ودیعتہ فی ارضہ تفرعتم من زیتونۃ احمدیۃ ہو اصلہا وانتم فرعہا فاقدم سعدت باسعد طائر فقد ذللت لک اعناق بنی تمیم وترکتہم اشد

تتابعا فی طاعتک من الابل الظماء لورود الماء یوم خمسها و قد ذللت لک رقاب بنی سعد وغسلت درن صدورها بماء سحابۃ مزن حین استہل برقہا فلمع"

حضور کا خط ملا اور میں نے اس صحیفہ گرامی کو خوب پڑھا اور اُس کے مطلب کو سمجھ گیا آپ نے مجھے اپنی نصرت کے لئے طلب فرمایا ہے اور اپنی اطاعت کی طرف دعوت دی ہے تاکہ میں آپ کی نصرت سے اپنا حصّہ حاصل کروں، اور آپ کی اطاعت کا حق ادا کروں بیشک خدا نے زمین کو نیک عمل کرنے والوں اور راہِ حق کی طرف ہدایت کرنے والوں سے کسی وقت بھی خالی نہیں چھوڑا ہے آپ یقیناً خدا کی مخلوق پر اُس کی حجّت ہیں اور اُس کی زمین میں اُس کی امانت ہیں۔ آپ بلاشبہ شجرۂ محمدیّ کی شاخ ہیں۔ بڑی خوشی سے آپ تشریف لائیں میں نے بنو تمیم کی گردنیں آپ کے لئے مطیع بنا دی ہیں اور اُس سے زیادہ اُنھیں آپ کے دیدار اور اطاعت کا شوق اور بے چینی ہے جتنی اُس پیاسے اونٹ کو ہوتی ہے جو پانی پر لوٹ پڑے۔

(الخمسُ) تین روز تک اونٹوں کو چرانا اور چوتھے روز پانی پر لے جانا اور پانی پلانا۔"

میں نے آپ کے لئے بنی سعد کی گردنیں بھی رام کر دی ہیں اور میں نے نصیحت کی پاک وصاف بارشوں سے اُن کے سینوں کو دھو دیا ہے جن پر بے دلی اور کاہلی کا زنگ چڑھا ہوا تھا۔ اور اب وہ زنگ دور ہو چکا ہے اور اُن کے سینے صاف وشفّاف ہو چکے ہیں۔

جب ابو خالد کا جواب حضرت امام حسین کی خدمت میں پہونچا تو آپ خوش ہوئے اور دُعا دی۔

امام حسین نے احنف بن قیس کو بھی خط تحریر فرمایا تھا اُس نے جواب دیا:- اَمّا بعد، فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ٥ (آخر روم) خدا کا وعدہ سچا ہے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ

لوگ، جو ایمان نہیں رکھتے آپ کو خفیف کر دیں۔

اس آیۂ مبارکہ کے ذکر سے احنف نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کوفہ کے لوگ بے وفا ہیں۔

امام حسین نے منذر بن جارود کے پاس بھی خط روانہ فرمایا تھا اُس کو خوف ہوا کہ کہیں یہ امتحان کے طور پر خود عبید اللہ بن زیاد گورنر بصرہ کی حرکت نہ ہو۔ اور امام حسین کے نام سے اُس نے خود یہ خط روانہ کیا ہو تاکہ وہ ہمارے اندرونی حالت کا پتہ چلائے اور پھر سزا دے کیونکہ عبید اللہ بن زیاد اس کا داماد تھا اور اُس کی لڑکی بحریہ اس کے گھر میں تھی خلاصہ یہ کہ منذر وہ خط لے کر قاصد کے ساتھ عبید اللہ کے پاس گیا۔ ابن زیاد نے قاصد کو روک لیا اور ڈرا دھمکا کر اُن تمام لوگوں کے نام دریافت کر لئے جن کے پاس فرزند رسولؐ نے خطوط روانہ فرمائے تھے اور پھر اُن سب کو طلب کیا اور کہا کہ تم لوگوں کو زیاد کی سخت گیری اور شدت معلوم ہے۔ اور جانتے ہو کہ وہ کسقدر خونریز تھا میں اُسی کا فرزند ہوں۔ اگر کسی شخص نے میری فرمانبرداری سے انحراف کیا تو اُس کو تباہ کر دوں گا اور صفحۂ ہستی سے اُس کا نام و نشان تک مٹا دوں گا اور ساتھ ہی حکم دیا کہ قاصد حسین بن علی کو پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا جائے۔ اور یہ حکم دے کر خود بصرہ کی جامع مسجد میں گیا اور منبر پر جاکر تمام لوگوں کو بے انتہا سختی کے ساتھ ڈرایا اور دھمکیاں دیں۔

اُس وقت عبید اللہ بن زیاد کے پاس صرف بصرہ کی حکومت تھی اور کوفہ سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا اہلِ بصرہ نے ان دھمکیوں کے باوجود نصرت حسین کے لئے ایک بڑا لشکر تیار کر لیا تھا اور جب روانہ ہونے لگے تو خبر قتلِ امام پہونچی اور اُن کے دل کی حسرتیں نہ نکل سکیں انھوں نے سواریاں کھول دیں۔ سامان پھینک دیا اور صفِ ماتم بچھا کر امام حسین کے غم میں سوگوار ہو گئے۔ اُدھر حضرت مسلم بن عقیل پانچویں

شوال کو کوفہ پہونچ گئے تھے اور لوگ برابر بیعت کر رہے تھے اور نعمان بن بشیر کوفہ کے گورنر کی طرف سے کوئی تعرض نہیں کیا جا رہا تھا۔ لوگ نہایت آزادی کے ساتھ ہر طرف یزید کی حکومت کی برائیاں اور بیعت مسلم اور سبز امام حسین کے چرچے کر رہے تھے آخر یہ تمام صورت حال نعمان بن بشیر سے بیان کی گئی۔ اس کے ہوا خواہوں نے کہا کہ اگر تم نے ذرا ڈھیل چھوڑ دی تو حالت اس حد تک آ چکی ہے کہ پھر تمھارے بنائے کچھ نہ بن پڑے گا۔ اور تم کو دن میں تارے نظر آنے لگیں گے۔

نعمان یہ سنکر مسجد کوفہ میں آیا اور ایک بڑے مجمع کے سامنے منبر پر گیا۔ اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہنے لگا امابعد فَاتَّقُوا اللّٰهَ عِبَادَ اللّٰهِ وَلَا تُسَارِعُوا اِلَى الْفِتْنَةِ وَالْفُرْقَةِ فَاِنَّ فِيْهِمَا تُهْلَكُ الرِّجَالُ وَتُسْفَكُ الدِّمَاءُ وَتُغْصَبُ الْاَمْوَالُ اِنِّي لَا اُقَاتِلُ مَنْ لَا يُقَاتِلُنِي وَلَا اٰتِي عَلٰى مَنْ لَمْ يَاْتِ عَلَيَّ وَلَا اُنَبِّهُ نَائِمَكُمْ وَلَا اٰخُذُ بِالْقَرَفِ وَلَا الظِّنَّةِ وَلَا التُّهْمَةِ وَلٰكِنَّكُمْ اِنْ اَبْدَيْتُمْ صَفْحَتَكُمْ لِيْ وَنَكَثْتُمْ بَيْعَتَكُمْ وَخَالَفْتُمْ اِمَامَكُمْ فَوَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهُ لَاَضْرِبَنَّكُمْ بِسَيْفِيْ مَا ثَبَتَ قَائِمُهُ فِيْ يَدِيْ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لِيْ نَاصِرٌ اَمَا اِنِّيْ اَرْجُوْ اَنْ يَّكُوْنَ مَنْ يَعْرِفُ الْحَقَّ مِنْكُمْ اَكْثَرَ مِمَّنْ يُرْدِيْهِ الْبَاطِلُ۔

اے خدا کے بندو! خدا سے ڈرو۔ اور فتنہ و فساد برپا کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اور آپس میں افتراق نہ کرو کیونکہ اس میں لوگ ہلاک ہوتے ہیں اور خون بہتا ہے اور مال و دولت کی تباہی ہوتی ہے، جو مجھ سے جنگ نہ کرے گا میں کبھی اُس سے نہ لڑوں گا اور اُس کو ہلاک نہ کروں گا جو مجھے ہلاک نہ کرے گا۔ جو خاموش ہیں اور گویا سو رہے ہیں اُن کو میں کبھی نہیں جگاؤں گا۔ اور میں کبھی بدگمانیوں اور تہمتوں پر عمل کر کے کسی کو نقصان نہیں پہونچاؤں گا۔ لیکن تم نے اپنی حالت ظاہر کر دی ہے اور بیعت توڑ دی ہے اور اپنے امام یزید کی مخالفت شروع کر دی ہے اُس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں

میں تم کو اس وقت تک قتل کرتا رہوں گا اور تلوار سے ضرب لگاتا رہوں گا جب تک اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں باقی رہے گا چاہے میرا کوئی ناصر و مددگار نہ رہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ حق کے پہچاننے والے تم میں اُن لوگوں سے زیادہ ہوں گے جو باطل نواز اور حق کُش ہیں۔

جب نعمان بن بشیر یہاں تک پہونچا تو عبداللہ بن مسلم بن ربیعۃ الحضرمی اُٹھ کھڑا ہوا یہ اُن لوگوں میں سے تھا جن کا بنی اُمیہ کے حلیفوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے اُٹھ کر کہا اے نعمان اس قسم کی کمزور باتیں کیوں کرتے ہو ایسی تقریر سے تو یزید کی عداوت میں کمی ہونے کے بجائے اور اضافہ ہوگا۔ بلاشبہ اس قسم کی باتیں تو ڈرپوک لوگ ہی کیا کرتے ہیں۔ فَقَالَ لَہٗ النُّعْمَانُ اَکُوْنُ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْاَعَزِّیْنَ فِیْ مَعْصِیَۃِ اللّٰہِ" نعمان نے منبر ہی سے جواب دیا کہ میں خدا کی اطاعت شعاری میں کمزور رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں اس بات سے کہ خدا کی معصیت کرتا رہوں اور مجھے عزت و عظمت حاصل رہے یہ کہا اور منبر سے نیچے آگیا۔

عبیداللہ بن مسلم نے فوراً یزید کو ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے:-

اے یزید! مسلم بن عقیل کوفہ میں آچکے ہیں اور اہل کوفہ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اس لئے اگر کوفہ کی تجھے ضرورت ہے تو فوراً یہاں ایک سخت گیر سردار روانہ کردے جو تیرے احکام کا نفاذ کرے اور تیری طرح حکومت کرے کیونکہ نعمان بن بشیر ایک کمزور و ضعیف آدمی ہے یا وہ جان بوجھ کر کمزوری ظاہر کرتا ہے"

سلسلۂ شہادت کا یہ پہلا خط تھا جو یزید کو روانہ کیا گیا تھا پھر عمر بن سعد اور عمارہ بن عقبہ نے بھی اسی طرح کے خطوط روانہ کئے جب یہ خطوط یزید کو وصول ہوگئے تو اس نے سرجون اپنے

وزیر کو طلب کیا۔ یہ سرجون رومی معٰویہ کا غلام تھا اور جو اس حد پر دربار رس تھا کہ آخر معٰویہ نے اس کو اپنا وزیر بنا لیا تھا وہی عہدہ اس کا یزید کے دور میں بھی باقی رہا۔ سرجون حاضر دربار ہوا تو یزید نے کوفہ کی حکومت کے بارے میں اس سے مشورہ کرنا چاہا کہ کس کے سپرد کی جائے سرجون کی رائے میں اس کام کی اہلیت سوائے عبیداللہ بن زیاد کے کسی دوسرے میں نہ تھی لیکن چونکہ یزید کے تعلقات ابن زیاد سے اچھے نہ تھے اس لئے اس نے ابتدا میں اس کا نام نہیں لیا۔ عبیداللہ بن زیاد یزید کے چچا زیاد کا لڑکا تھا زیاد حقیقتہً ابوسفیان ہی کا زنا زادہ فرزند تھا اور اس کی ماں کا نام سُمَیَّہ تھا جو مشہور زناکار عورت تھی عرصہ تک زیاد کے باپ کا نام کسی کو معلوم نہ تھا۔ معاویہ نے اپنے دورِ حکومت میں قانونی طور پر اس کو اپنا بھائی تسلیم کر لیا تھا یہ بصرہ اور کوفہ کا حاکم تھا۔ خلافتِ حضرت عُمر کے زمانہ میں ابوسفیان نے اس کا اظہار کیا تھا کہ زیاد اُسی کے نطفہ سے ہے اور زنا کا نتیجہ ہے۔ امیرالمؤمنین علیہ السلام کے ساتھ زیاد تمام جنگوں میں اور صلح معاویہ تک امام حسن کے بھی ساتھ رہا لیکن پھر معٰویہ کا شریک کار بن گیا۔ عہد امیرالمؤمنین میں یہ آپ کے گورنر عبداللہ بن عباس کے نائب کی حیثیت سے بصرہ کا حاکم تھا اور خود عبداللہ بن عباس بصرہ واھوازو فارس وکرمان کے گورنر تھے۔ حضرت عائشہ نے سب سے پیشتر اس کو "ابن ابیہ" کے جملہ کے ساتھ خطاب کیا یعنی "اپنے باپ کا بیٹا"، معاویہ کی طرف سے یہ بصرہ اور مضافات کا والی تھا اور مُغیرہ بن شُعبہ کوفہ کا والی تھا مگر مُغیرہ کی موت کے بعد زیاد کو کوفہ بھی دیدیا گیا تھا اور ساتھ ہی بحرین، عُمان اور خراسان کی حکومت بھی اسی کے سپرد کر دی گئی تھی۔ (دیکھو الدّولۃ الاموّیۃ والعباسیۃ ص۶)
عبیداللہ اسی زیاد کا بیٹا تھا اور باپ کے بعد بصرہ کی حکومت

اس کے سپرد ہوئی۔ معاویہ ہی نے عُبید اللہ کو بصرہ پر حکومت دی تھی
یہ مشہور زناکار عورت "مَرجَانَہ" کے بطن سے تھا۔ اسی کے لئے
حضرت امیر المومنین نے مِیثَم تمّار سے فرمایا تھا۔ لَیَاخُذَنَّکَ العُتُلُّ
الزَّنِیمُ ابنُ الاَمَۃِ الفَاجِرَۃِ عُبَیدُ اللہِ بنُ زِیَادٍ" یعنی اے
مِیثَم! تم کو درشت مزاج، مجہول النسب، ایک زانیہ کنیز کا فرزند،
عبید اللہ بن زیاد، ضرور قتل کرے گا (زیاد کی طرف نسبت صرف
ظاہری طور پر ہے۔)

اسی کے لئے سُراقہ باہلی نے سفر میں کہا تھا۔

لَعَنَ اللہُ حَیثُ حَلَّ زِیَادًا وَابنَہٗ وَالعَجُوزَۃَ ذَاتَ البُعُولِ

خُدا زیاد پر لعنت کرے جہاں کہیں بھی وہ رہے اور اُس کے
بیٹے اور اُس عورت پر جس کے ایک وقت میں بہت سے شوہر
تھے۔

اِسی لئے حضرت زینب نے دربارِ کوفہ میں اسے یا ابنَ مَرجَانَہ
کہکر ذلیل کیا تھا اور اسی طرح دربارِ یزید میں خود یزید کو خطاب
کرکے اس کی دادی "ہِند" کا ذکر فرمایا تھا کہ اے "اَکِلَۃُ الاَکبَاد" یعنی
ہِندِ جگر خوار کے فرزند اور فرمایا تھا کہ وَکَیفَ یُرتَجٰی مُرَاقَبَۃُ مَن
لَفَظَ فُوہُ اَکبَادَ الاَزکِیَاءِ وَنَبَتَ لَحمُہٗ بِدِمَاءِ الشُّہَدَاءِ" اُس
شخص سے مہربانی کی توقع کیونکر کی جاسکتی ہے جس کے مُنھ نے
پرہیزگاروں کے کلیجے چبا کر پھینکے ہوں اور جس کا گوشت شہیدوں
کے خون سے روئیدہ ہوا ہو۔

یزید نے اپنے اشعار میں اس پر فخر کیا تھا کہ وہ "خِندِف"
کی نسل سے ہے جو ایک مشہور اور اولادِ اسمٰعیل کی ایک نامور خاتون
تھیں اس پر حضرت زینب نے اُس کو یاد دلایا کہ خِندِف تک
جانے کی ضرورت نہیں اُس کو تو اپنی دادی "ہِند" کو سامنے رکھنا
چاہئے جس کی ذات فسق و فجور میں مشہور تھی اور اُس کے مُنھ میں

حضرت حمزہ سید الشہداء کے جگر کے ٹکڑے تھے۔

ابراہیم بن مالک الاشتر نے عبید اللہ بن زیاد کو موصل میں قتل کیا تھا اور اس کے جسم میں آگ لگا کر رات کی تاریکی میں روشنی کی تھی اور اس کے نیز اس کے ساتھیوں کے سروں کو مختار بن ابو عبیدہ ثقفی کے پاس روانہ کر دیا تھا۔ جب یہ سر پہنچے تو مختار کھانا کھا رہے تھے وہ تمام سر ان کے سامنے ڈال دیئے گئے تو انھوں نے کہا خدا کی حمد و ثنا! حسین بن علی کا سر ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تھا تو وہ بھی کھانا کھا رہا تھا اور خود اس کا سر میرے سامنے آیا تو خدا نے دنیا کو یہ منظر دکھا دیا کہ میں بھی کھانا کھا رہا ہوں۔ یہ سر زمین میں رکھ دئیے گئے تو ایک سانپ ظاہر ہوا اور دوسرے سروں سے گزرتا ہوا ابن زیاد کے سر میں ناک سے داخل ہوا اور کان سے نکل گیا اور پھر کان سے داخل ہوا اور ناک سے خارج ہو گیا جب مختار کھانے سے فارغ ہو گئے تو اٹھ کر انھوں نے اپنے جوتے سے ابن زیاد کے سر کو کچل ڈالا اور پھر جوتا اپنے ایک غلام کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ اس کو طاہر کرے کیونکہ میں نے ایک نجس سر پر اپنا جوتا رکھ دیا تھا۔ پھر مختار نے وہ سر حضرت محمد بن الحنفیہؓ اور حضرت امام زین العابدین علی بن الحسین کی خدمت میں روانہ کر دیا اور اتفاق سے حضرت امام زین العابدین بھی اُس وقت کھانا نوش فرما رہے تھے جب یہ سر ان کے پاس پہونچا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

"میں اس ابن زیاد کے دربار میں اس وقت داخل ہوا تھا جب یہ کھانا کھا رہا تھا اور میرے باپ کا سرِ اقدس اس کے سامنے تھا تو میں نے دُعا کی کہ پروردگار مجھے اُس وقت تک موت نہ آئے جب تک میں ابن زیاد کا سر ایسی حالت میں نہ دیکھوں کہ میں بھی کھانا کھا رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ اس کو دور پھینکدیا جائے۔ علامہ ابنِ نما کی روایت کے مطابق فَسَجَدَ عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ

شُکراً اللہِ وَقَالَ الحمدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَدرَکَ ثَارِی مِن عَدُوِّی وَجزَی اللہُ المختارَ خَیراً"۔

ابن زیاد کا سر دیکھکر حضرت سید الساجدین نے سجدۂ شکر ادا کیا اور کہا اُس خدا کی حمد و ثنا جسنے میرے دشمن سے بدلہ لے لیا اور خدا مختار بن ابو عبیدہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ عبید اللہ بن زیاد دسویں محرم ۶۷ھ کو قتل ہوا تھا اور اُس کی عمر ۳۹ سال کی تھی جبکہ یزید ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو مرض ذات الجنب" میں مبتلا ہوکر مقام حوران میں مرگیا تھا۔ اُسکی ۳۸ سال کی عمر تھی اور دمشق کے مقبرہ" باب الصغیر" میں دفن ہوا۔ اُس کی حکومت صرف تین سال ۹ ماہ رہی تھی۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں مَا اختَضَبَت مِنَّا اِمرَأۃٌ وَلَا ادَّھَنَت وَلَا اکتَحَلَت وَلَا رَجَّلَت حَتّٰی اَتَانَا رَاسُ عُبَیدِ اللہِ بنِ زِیَادٍ۔ ہماری کسی خاتون نے خضاب نہیں لگایا اور نہ سر میں تیل ڈالا اور نہ آنکھوں میں سرمہ لگایا یا بالوں میں کنگھی کی جب تک ہمارے پاس ابن زیاد کا سر نہیں پہونچا یعنی ۶ سال تک بنی ہاشم کی عورتوں کا سوگ جاری رہا۔

خلاصہ یہ کہ سرجون رومی نے ابتدا میں یزید کے سامنے عبید اللہ کا نام نہیں لیا بلکہ یوں کہا کہ اے یزید اگر اِس وقت تمہارا باپ معاویہ قبر سے نکل آئے اور تم کو کسی بات کا حکم دے تو تم اُس پر عمل کروگے؟ یزید نے جواب دیا کہ یقیناً میں اُن کے حکم پر عمل کروں گا۔ اُس وقت سرجون نے جیب سے معاویہ کا ایک خط نکالکر یزید کو دکھایا اور کہا کہ اُنھوں نے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کی حکومت کا اہل قرار دیا ہے اس لئے مُناسب یہی ہے کہ اُسی سے کوفہ کے انتظام کی بھی خواہش کرو اور بصرہ کے ساتھ حکومت کوفہ بھی اُس کے سپرد کردو۔ باپ کا خط دیکھکر یزید نے ابن زیاد کو خط لکھا

"اما بعد فقد کتب الیّ شیعتی من اھل الکوفۃ یخبرونی انّ ابن عقیل فیھا یجمع الجموع لیشق عصا المسلمین فسر حین تقرا کتابی ھذا حتی تأتی الکوفۃ فتطلب ابن عقیل طلب الخرزۃ حتی تثقفہ و توثقہ او تقتلہ او تنفیہ"، کوفہ سے مجھے میرے شیعوں نے لکھا ہے کہ مسلم ابن عقیل نے وہاں گروہ بندیاں شروع کر دی ہیں تاکہ مسلمانوں میں افتراق پیدا کریں اس لئے تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور ان کو گرفتار کر لو یا قتل کر دو یا کوفہ سے خارج کر دو۔

مسلم بن عمرو الباہلی کے ہاتھ یہ خط یزید نے عبیداللہ کے پاس روانہ کر دیا۔ مگر چونکہ یزید کوفہ اور بصرہ کے لوگوں سے مطمئن نہ تھا اس لئے اس نے عبیداللہ کو ایک دوسرا خط بھی روانہ کر دیا جس میں وہ لکھتا ہے "من یزید بن معاویۃ الی عبید اللہ بن زیاد اما بعد فقد بلغنی ان اھل الکوفۃ قد اجتمعوا علی البیعۃ للحسین ابن علی وقد کتبت الیک کتابا فاعمل علیہ فانی لا اجد سھما ارمی بہ عدوی اجرئ منک فاذا قرأت کتابی ھذا فارتحل من وقتک و ساعتک وایاک والابطاء والتوانی واجتھد ولا تبق من نسل علی بن ابیطالب احدًا واطلب مسلم بن عقیل طلب الخرزۃ واقتلہ وابعث الیّ برأسہ"

عبیداللہ بن زیاد کے نام یہ یزید بن معاویہ کا خط ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل کوفہ حسین بن علی کی بیعت پر جمع ہو چکے ہیں میں نے تجھے ایک خط لکھا ہے اس پر عمل کرنا کیونکہ میں تجھ سے زیادہ کاری تیر جو میں اپنے دشمن کی طرف چلاؤں کوئی دوسرا نہیں پاتا۔ لہذا یہ میرا خط پڑھتے ہی اسی وقت کوفہ روانہ ہو جانا اور دیکھو خبردار سستی سے کام نہ لینا اور پوری کوشش عمل میں لانا اور دیکھو نسل علی بن

عہ اُس وقت لفظ شیعہ کا استعمال آل محمدؐ کے موافق اور مخالف دونوں ہی کیلئے ہوتا تھا ۱۲

ابی طالب میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑنا۔ مسلم بن عقیل کو گرفتار کرنا اور ان کو قتل کر کے اُن کا سَر میرے پاس روانہ کر دینا۔

عبیداللہ بن زیاد یہ خط دیکھکر بے حد خوش ہوا اور فوراً حکم دیا کہ تمام اہل بصرہ مسجد جامع میں جمع ہو جائیں جب سب جمع ہو گئے تو خود منبر پر گیا۔ وَقَالَ یَا اَھْلَ الْبَصْرَۃِ اِنَّ الْخَلِیْفَۃَ یَزِیْدَ قَدْ وَلَّانِی الْکُوْفَۃَ وَقَدْ عَزَمْتُ عَلَی الْمَسِیْرِ اِلَیْھَا وَقَدْ اِسْتَخْلَفْتُ عَلَیْکُمْ اَخِیْ عُثْمَانَ بْنَ زِیَادٍ فَاسْمَعُوْا لَہٗ وَاَطِیْعُوْا وَاِیَّاکُمْ وَالْاَرَاجِیْفَ فَوَاللّٰہِ اِنْ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَجُلاً مِّنْکُمْ خَالَفَ اَمْرَہٗ لَاَقْتُلَنَّ عَزِیْزَہٗ وَ لَاٰخُذَنَّ الْاَدْنٰی بِالْاَقْصٰی حَتّٰی تَسْتَقِیْمُوْا۔" اے اہل بصرہ خلیفہ یزید نے مجھے کوفہ کی حکومت عطا کی ہے اور میں وہاں جانے کا ارادہ کر چکا ہوں اور یہاں اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو تم پر اپنا جانشین بناتا ہوں اس کے احکام کو سُننا اور اس کی اطاعت کرنا اور بیہودہ اور گمراہ کن باتیں کرنے سے پرہیز کرنا اگر میں نے کبھی یہ سُنا کہ تم میں سے کسی نے بھی اس کے احکام نہ مانے اور اس کی مخالفت کی تو میں یقیناً اُس کے عزیز ترین افرادِ خاندان کو قتل کر ڈالوں گا اور دور کے لوگوں کے گناہوں کے عوض قریب کے لوگوں کو تہہِ تیغ کروں گا۔ تاکہ تم لوگ دُرست ہو جاؤ۔" یہ کہکر وہ نیچے اُتر آیا اور وہ دن تیاری میں گذرا دوسرے روز صبح کو خدم و حشم اور ملازمین کے ساتھ کوفہ روانہ ہو گیا اور جن لوگوں کے نام امام حسین علیہ السّلام کے خطوط وصول ہوئے تھے اُن کو بھی ہمراہ لے لیا۔ مُسلِم بن عَمرو الباھلی مُنذِر بن جارُود، شریک بن الاعور بھی ہمراہ تھے۔ ابن زیاد اس وقت سفید براق کپڑے پہنے ہوئے تھا سر پر سیاہ عمامہ تھا اور لِثام (وہ کپڑا جو ڈھاٹے کی طرح مُنہ پر عرب باندھا کرتے ہیں) اس طرح باندھی تھی جیسے امام حسین علیہ السّلام باندھا کرتے تھے اور طیلسان (وہ چادر جو خطیب

اپنے کاندھوں پر ڈالتے ہیں۔) اوڑھے ہوئے تھا کمر میں تلوار اور بازو پر تیر کمان لٹکی ہوئی تھی اور ایک سفید و سیاہ رنگ کے خچر پر سوار تھا اس طرح روانہ ہو کر جمعہ کے روز کوفہ پہونچ گیا اور شہر کے باہر کچھ دیر ٹھہر گیا کوفہ والوں کو اطلاع ہوئی کہ شہر کے باہر ایک قافلہ آگیا ہے اور کچھ آرام کر رہا ہے۔ پھر کسی طرح یہ خیال عام ہو گیا کہ یہ قافلہ حضرت امام حسین کا ہے اور وہی تشریف لائے ہیں لوگ ہر طرف گلی کوچوں میں جمع ہونے لگے۔ عورتوں اور مردوں سے راستے بھر گئے سب چشم براہ تھے کہ فرزندِ رسولؐ کی سواری اِدھر سے گزرے گی اور حسین بن علی ہماری ہدایت کے لئے تشریف لانے والے ہیں ابن زیاد کوفہ کے باہر ٹھہرا رہا یہاں تک کہ دن چھپ گیا اور دو گھنٹہ رات کے بھی گزر گئے پھر یہ کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ لوگ آگے چلے اور کچھ داہنے بائیں، چاند کی روشنی چھٹکی ہوئی تھی اور آسمان صاف تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند کی صورت بدل کر سورج پھر سے نکل آیا ہے۔ اِس قافلہ کے شہر میں داخل ہوتے ہی اہلِ کوفہ نے چاروں طرف سے اس کو گھیر لیا اور استقبال کرنے والوں میں ایک کو دوسرے کا ہوش باقی نہ رہا اور مجمع تھا کہ ہر طرف سے ٹوٹا پڑتا تھا لوگ فرطِ مسرت سے رو رہے تھے اور پکار پکار کے کہہ رہے تھے "مرحبًا بِكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ" اے فرزندِ رسولؐ مرحبا (یہ کلمہ مہمان کی تعظیم کے لئے استعمال ہوتا ہے) ایک عورت نے چیخ کر کہا "اللّٰہ اکبر" خدائے کعبہ کی قسم یہ فرزندِ رسولؐ ہی ہے۔ کوفہ کے در و دیوار سے مبارکباد کی آوازیں آ رہی تھیں اور اہلِ کوفہ جوشِ عقیدت میں کہہ رہے تھے۔ اے نواسۂ رسولؐ! ہماری چالیس ہزار تلواریں آپ کے ساتھ ہیں جو آپ کے حکم کی منتظر ہیں۔ اِن الفاظ کا عبید اللّٰہ بن زیاد کوئی جواب نہیں دے رہا تھا۔ اور بڑی خاموشی اور سرعت کے ساتھ صرف سلام کا جواب دیتا ہوا قصرِ امارت کی طرف جا رہا

تھا لیکن امام حسینؑ کا نام اور لوگوں کی عظیم عقیدت کا حال دیکھ کر اُس کا خون خشک ہو رہا تھا۔ کوفہ کے در و دیوار اُس کو کاٹ رہے تھے اور بدن بھر کے رونگٹے تیروں کی طرح کھڑے ہو گئے تھے جب اس طرح یہ دارالامارۃ کے قریب پہونچا تو نعمان بن بشیر والیٔ کوفہ کو کسی نے اطلاع دی کہ حسین بن علی قصر کے دروازے پر آ گئے ہیں اور تم بڑے اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہو۔ نعمان نے ملازموں کو حکم دیا کہ دروازۂ قصر فوراً بند کر دیا جائے۔ ابن زیاد اپنے ساتھیوں اور کوفہ کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ دارالامارۃ پر پہونچ گیا کوفہ والے چیخ کر کہہ رہے تھے کہ اے نعمان فرزند رسولؐ کے لئے قصر کا دروازہ فوراً کھولدو اور نعمان کی اس حرکت پر کہ اُس نے قصر کو بند کر رکھا تھا اس کو سخت الفاظ سے یاد کر رہے تھے نعمان بن بشیر قصر کی چھت پر آ گیا اور وہیں سے اُس نے پکار کر کہا یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُنْشِدُکَ اللّٰہَ اِلَّا تَنَحَّیْتَ وَاللّٰہِ مَا اَنَا بِمُسَلِّمٍ اِلَیْکَ اَمَانَتِیْ وَمَا لِیْ فِیْ قِتَالِکَ مِنْ اَرَبٍ۔ اے فرزند رسولؐ آپ کو خدا کا واسطہ آپ کسی اور جگہ اُتریئے اور اس قصر میں قیام نہ کیجئے یہ قصر میری امانت میں ہے اس کو میں کسی طرح بھی آپ کے سپرد نہ کروں گا اور آپ سے جنگ کرنا بھی نہیں چاہتا۔

اُس وقت ابن زیاد نے اپنا ڈھانٹا کھولدیا۔ اور کہا کہ اے نعمان دروازہ کھولدو۔ اِس لئے کہ رات کافی آ چکی ہے کوفہ والوں میں سے ایک شخص نے اُس کی آواز پہچان لی اور فوراً واپس بھاگا اور اس نے پکار کر کہا "یَا قَوْمِ اِبْنُ مَرْجَانَۃَ وَالَّذِیْ لَا اِلٰہَ غَیْرُہٗ۔ اُس کی قسم جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، اے قوم یہ ابن مرجانہ، عبیداللہ بن زیاد ہے۔ یہ سنتے ہی لوگ اپنے آپے سے باہر ہو گئے اور ابن زیاد کو سب نے گالیاں دینا شروع کر دیں اُدھر اس کو پہچانتے ہی نعمان بن بشیر نے قصر کا دروازہ کھولدیا

اور ابن زیاد کو اندر لے گیا۔ رات گزر گئی جب صبح نمودار ہوئی منادی کی گئی کہ لوگ نمازِ جماعت ادا کریں۔ عبید اللہ مسجد میں آیا اور پھر منبر پر گیا۔ خدا کی حمد و ثنا کی اور پھر مجمع کو خطاب کر کے کہا۔

"یزید نے مجھے تمہارے شہر کی حکومت سپرد کی ہے اور تمہارے حدود و ثغور اور اموال میری نگرانی میں قرار دیئے ہیں اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے مظلوموں کے ساتھ انصاف کروں اور جو لوگ اپنے حقوق سے محروم ہوں اُن کو اُن کے حق ادا کردوں اور جو فرمانبردار ہیں اُن پر احسان کروں اس طرح جیسے ایک شفیق باپ کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی یاد رکھنا کہ میرا کوڑا اور تلوار اُن کے لیئے ہے جو میرے حکم کی مخالفت کریں گے اور میرا کہنا نہ مانیں گے۔ اس لئے ہر شخص کو اپنی جان کے لئے مُفت کا خطرہ نہ مول لینا چاہیئے۔ آخر میں ایک مثال بیان کر کے منبر سے اُتر آیا۔ اَلصِّدْقُ يُنْبِئُ عَنْكَ لَا الْوَعِيْدُ میدان جنگ میں (تلوار کی دھار) ہی تم سے دشمن کو دور کر سکتی ہے۔ محض "دھونس بتا"، اور دھمکیوں سے کام نہیں چلتا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے پاس صرف دھمکیاں نہیں ہیں بلکہ تلوار کی دھار بھی ہے۔ اس کے بعد اس نے بڑی شان سے کہا کہ "اَبْلِغُوْا هٰذَا الرَّجُلَ الْهَاشِمِيَّ مَقَالَتِيْ لِيَتَّقِيَ غَضَبِيْ"، اُس مرد ہاشمی (مسلم بن عقیل) تک میرے یہ الفاظ پہونچا دو اور کہدو کہ وہ میرے غیظ و غضب سے ڈرے۔ ابن زیاد نے اس کے بعد اپنے مخصوص کارپردازوں کو طلب کیا جن پر اس کو اعتماد اور بھروسا تھا اور اُن کے ذریعہ شہر کوفہ کے سرداروں اور نقباء (یعنی اشراف) اور جو لوگوں کے نام و نسب سے آگاہ تھے اُن کو حاضر کیا گیا۔

("عریف"، وہ کہلاتا ہے جو حاکمِ شہر سے کم درجہ رکھتا ہو لیکن دیگروں سے شرف و عزت میں زیادہ ہو۔ واقف کار اور نقیب اس کے ہم معنی ہیں)

ابن زیاد نے تمام عُرفاءِ و نُقباءِ شہر کو جمع کیا اور ہر عریف کے عہدہ عرافت و ریاست میں جسقدر لوگ تھے اُن کی فہرست بنالی گئی اور ابن زیاد نے حکم دیا کہ ہر عَریف اپنے اپنے حلقہ میں مقام "حُرُوریّہ" کے لوگوں کی اور اُن اشخاص کی دیکھ بھال کرے جو بدامنی پھیلانے اور حکومت کے خلاف کارروائیوں میں مشغول ہیں اور ایسے اشخاص کے اَسماءِ ضبطِ تحریر میں لائے جائیں۔ یزید کے مخالفین کی مکمل فہرست تیار کر لی جائے اور ہر عَریف اس کا پوری طرح ذمہ دار ہے کہ کوئی نام چھپا یا نہ جائے۔ اگر کسی عَریف کے حلقے سے کسی مخالف کا پتہ لگا جس کا نام حکومت کے دفتر میں موجود نہ ہوا تو اُس کا عہدہ فوراً ختم کر دیا جائے گا۔ اور اُسے اُسی کے گھر کے دروازہ پر پھانسی دے دی جائے گی۔ اُس کے گھر والوں کی جان و مال کو مباح کر دیا جائے گا۔ اور قتل و قید کی تمام سختیاں اُس کے لئے روا کر دی جائیں گی۔"

اس کے بعد مُنادی کو حکم دیا گیا کہ وہ تمام قبائل عرب میں اس کا اعلان کر دے کہ سب لوگ بیعتِ یزید پر قائم رہیں قبل اس کے کہ وہ شام کی جانب سے ایسا لشکر روانہ کرے جو تمہارے مَردوں کو قتل کر دے اور تمہاری عورتوں کو اسیر کرے۔

جب اہلِ کوفہ نے ابن زیاد کی طرف سے اِس قسم کی سَخت کارروائی کا مشاہدہ کیا اور ہولناک اِعلان سُنے تو خوف زدہ ہو گئے اور آپس میں کہنا شروع کیا "ہم کو اس سے کیا غرض ہے کہ ہم مُفت میں مصیبتوں کا شکار ہوں اور بلاوجہ ہم یزید کی مخالفت کر کے تباہی کا شکار بن جائیں۔ یہ آپس کا جھگڑا ہے اس میں ہمیں مداخلت کی کوئی ضرورت نہیں" ہر طرف مایوسی پھیل گئی لوگ جا بجا سرگوشیوں میں مشغول ہو گئے۔ ولولے سرد پڑ گئے۔ حوصلے پست ہو گئے، شامی تلواروں کا خوف دلوں پر بری طرح چھا گیا۔

ہمتیں ٹوٹنے لگیں اور بیعتِ فرزندِ رسولؐ سے لوگ پھرنے لگے۔ اور یزید کی اطاعت کا اعلان ہونے لگا حضرت مسلم بن عقیل اپنی جائے قیام پر ان حالات کا جائزہ لے رہے تھے اور سب خبریں آپ تک پہونچ رہی تھیں ان حالات کا اندازہ کر کے صبح کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف نہ لے گئے اور جب ظہر کا وقت آگیا تو گھر سے باہر آگئے پھر مسجد میں آئے بلند آواز سے اذان دی اور پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے مگر آپ نے دیکھا کہ چالیس۴ ہزار یا بروایتے اسی ہزار بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی مسجد میں موجود نہ تھا آپ نے تنہا نماز ادا فرمائی اور جب فارغ ہوئے تو اپنے غلام سے فرمایا۔ "یَا غُلَامُ مَا فَعَلَ اَهْلُ هٰذَا الْمِصْرِ" اے غلام اس شہر کے لوگ کہاں ہیں اور انھیں کیا ہو گیا ہے۔ غلام نے عرض کی" اے آقا ان لوگوں نے بیعتِ حسین بن علی سے منھ موڑ لیا ہے، اس کو توڑ دیا ہے اور اب ان میں سے آپ کا کوئی ساتھی نہیں ہے بلکہ سب یزید بن معٰویہ کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ شہرت زیادہ اسی کی ہے کہ حضرت مسلم بن عقیل، مختار کے گھر میں تھے۔ غرض یہ سنکر آپ نے افسوس کیا اور یہ جانتے ہوئے کہ مختار کے گھر میں رہ کر وہ یکہ و تنہا دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مسجد سے باہر آئے اور کوفہ کے گلی کوچوں کا چکر لگانے لگے یہاں تک کہ محلہ "بنو خزیمہ" میں پہونچے اور ایک بڑے محل پر نظر پڑی حضرت مسلم اس کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں ایک کنیز باہر آئی آپ نے دریافت کیا یہ کس کا مکان ہے اس نے جواب دیا "ہانی بن عُروَہ" کا۔ آپ نے فرمایا، جلدی جا اور ہانی سے کہنا کہ ایک شخص آپ کو بلا رہا ہے اگر وہ نام دریافت کریں تو کہدینا کہ مسلم بن عقیل ہیں۔ کنیز اندر گئی اور جلدی سے پھر باہر آگئی۔ اور عرض کی، آقا اندر تشریف لائیے، ہانی علیل ہیں انھوں نے اٹھنے کی کوشش کی کہ حاضر ہوں

مگر نہ اُٹھ سکے اس لئے آپ خود ہی زحمت فرمائیں یہ سُنکر آپ گھر میں داخل ہو گئے۔ ہانی نے آپ کی بہت تعظیم و تکریم کی۔
آپ کی تشریف آوری کو اپنے لئے مُبارک قرار دیا ہر خدمت کے لئے کمر بستہ ہو گئے اور اپنے محل میں ایک مخصوص حصّہ آپ کی رہائش کے لئے معیّن کر دیا جب مخصوص شیعیانِ حسین کو علم ہو گیا کہ مسلم بن عقیل ہانی کے مکان میں منتقل ہو گئے ہیں تو انھوں نے آنا جانا شروع کر دیا حضرت مسلم نے ان لوگوں سے بیعت کی تجدید کی اور وفاداری کے مضبوط عہد لئے کہ اب کبھی اس بیعت سے انحراف نہ ہوگا۔
ایک شب کا ذکر ہے کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عُروہ میں عبیداللہ بن زیاد کی حرکتوں اور اُس کی دشمنیِ اہلبیت کا تذکرہ چھڑ گیا اور اس پر غور ہونے لگا کہ مسلم کو ابن زیاد سے کیونکر بچایا جائے۔ اور اس کو کیونکر شکست دی جائے۔ ہانی نے عرض کی آقا! میں کافی عرصہ سے بیمار ہوں اور گھر سے باہر نہیں جا سکا۔ میری اس بیماری کی شہرت سب لوگوں میں ہے اور یقیناً اس کا تذکرہ ابن زیاد کے دربار میں بھی ہو چکا ہے اور وہ اس خبر کے سُنتے ہی میری عیادت کے لئے آئے گا اور اسی گھر میں مجھ سے ملاقات کرے گا کیونکہ اس وقت اُس کو آدمیوں کی ضرورت ہے اور تمام ذی اثر سرداروں کو وہ توڑنا چاہتا ہے۔ اس بناء پر وہ اپنے خیال میں میرے اوپر اخلاقی دباؤ ڈالنے کے لئے ضرور میرے پاس آئے گا۔ جب وہ وقت آ جائے تو آپ تلوار لے کر انتظار میں چھپے رہیئے گا میں مناسب موقع دیکھکر اشارہ کروں گا اور آپ فوراً نکل آئیے گا اور اس کا کام تمام کر دیجئے گا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ اگر اتفاقاً وہ زندہ بچ گیا اور آپ کے پنجہ سے نکل بھاگا تو پھر وہ نہ تو آپ کو زندہ چھوڑے گا اور نہ مجھے۔ ہانی نے جیسا خیال ظاہر کیا تھا ویسا ہی ہوا۔ دربارِ ابن زیاد میں ہانی کی علالت کا تذکرہ

ہوا، لوگوں نے کہا کہ وہ تو عرصہ سے بستر علالت پر ہیں اور گھر سے باہر نہیں
نکلتے اب کچھ حالت بہتر ہو رہی ہے تو گھر کے باہر کچھ دیر بیٹھتے ہیں ہانی
نے خود بھی کسی کو ابن زیاد کے پاس روانہ کیا اور شکایت کی کہ
میں اسقدر بیمار رہا اور آپ مجھے دیکھنے نہ آئے۔ اور میری مزاج
پرسی نہ کی۔ عبید اللہ بن زیاد نے بڑی معذرت کی اور جواب دیا
کہ مجھے آپ کی بیماری کی خبر نہ تھی اِس وجہ سے نہیں آیا ورنہ ضرور
آتا۔ اَب مجھے اطلاع ہوئی ہے تو شام کے قریب آؤں گا پھر نمازِ
عشاء کے بعد ہانی بن عُروَہ کے مکان کا رُخ کیا جب ہانی کو اس
کے آنے کی اِطلاع ملی تو انھوں نے فوراً اپنی تلوار کنیز کو دی کہ
مسلم بن عقیل کو دیدے اور اُن کو کسی جگہ پر چھپا دے جہاں سے
وہ ابن زیاد کو پوری طرح دیکھ سکیں اور وہ اُن کو نہ دیکھ سکے۔
حضرت مسلم نے تلوار سنبھالی اور کمیں گاہ میں چلے گئے۔ ابن زیاد
اندر آیا اور ہانی کے پاس بیٹھ گیا ابن زیاد کا محافظ اُس کے پاس
کھڑا ہو گیا گفتگو شروع ہو گئی اور اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔
ہانی بن عُروَہ نے مرض کی شدّت اور ابن زیاد کی شکایت
کی اور موقع دیکھ کر عمامہ سر سے اُتار کر زمین پر رکھ دیا اور یہ خیال
کیا کہ مُسلم اب فوراً کمیں گاہ سے نکلکر اس کا خاتمہ کر دیں گے لیکن
مسلم نہ نکلے۔ ہانی نے تین مرتبہ عمامہ سر پر رکھا لیکن حضرت مسلم
اپنی جگہ سے باہر نہ آئے اس وقت شدید انتظار کے عالم میں
ہانی نے کچھ اشعار پڑھنا شروع کر دئیے اَشعار کی بار بار تکرار
سے ابن زیاد کچھ متوحّش ہوا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ ہانی کو یہ
کیا ہو گیا ہے کہ اِس قسم کے شعر پڑھ رہے ہیں اور رنڈیاں بک رہے
ہیں لوگوں نے جواب دیا مرض کی شدّت سے اُن کا یہ حال ہے۔
ابن زیاد اس کے بعد دار الامارۃ چلا گیا۔ حضرت مُسلم باہر نکلے۔
ہانی کو بڑا افسوس تھا کہ مُسلم نے وقت ضایع کر دیا اور ابن زیاد

زندہ بچ کر نکل گیا۔ پوچھا کہ میں نے اتنی مرتبہ آپ کو اشارہ کیا مگر آپ نے موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور اُس کو قتل نہ کیا۔ آخر کیا بات تھی اب اس سے بہتر موقع کہاں ملے گا۔؟

مُسلم بن عقیل نے جواب دیا ہانی! پیغمبرؐ اسلام کی ایک حدیث مجھے یاد آگئی وہ فرماتے ہیں لَا اِیمَانَ لِمَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا" اُس شخص کا ایمان نہیں ہے جو کسی مُسلمان کو قتل کر دے پھر ایک اور حدیث بھی ہے جس میں سرورؐ کائنات ارشاد فرماتے ہیں: اَلاِیْمَانُ قَیَّدُ الْفَتْکِ فَلَا یَفْتِکُ مُؤْمِنٌ"۔ ایمان مسلمان کو مکرو دغا کیساتھ قتل کرنے سے روکتا ہے اور کوئی مؤمن کسی مُسلمان کو دھوکا دیکر قتل نہیں کرتا۔"

ان حدیثوں کے علاوہ میں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ میں تمھارے گھر میں اُس کو قتل کر دوں۔

یہ تھی اہلبیت کی تعلیم اور اُن کی زندگی! اور ایک وہ سبق تھا جو خالد بن ولید نے جنگ یمامہ میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو قتل کر کے پیش کیا تھا اور مالک بن نویرہ سے صلح کی گفتگو کر کے اور اُن کو امن و امان کا یقین دلا کر جب انھوں نے اپنے جسم سے اسلحہ علیحدہ کر دیا تو اُن کو قتل کر دیا۔

اس روز سے ہانی بن عروہ نے گھر کے باہر بیٹھنا بھی چھوڑ دیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ گھر سے باہر نکلنے کے قابل نہیں رہے ہیں اور مرض کی بہت شدت ہے۔

عُبیداللہ ابن زیاد کو تو فکر ہی تھی کہ کسی طرح مُسلم بن عقیل کا پتہ لگایا جائے اُس کا ایک غلام مَعقِلُ تھا جو بہت عیّار و مکّار تھا اس کو طلب کیا اور کہا کہ تو میرے خزانہ سے تین ہزار درہم لے اور مُسلم بن عقیل کا حال معلوم کر یہ رقم مُسلِم کے دوستوں میں سے کسی کو دکھا اور اُسے آگاہ کر کہ یہ اُن کی خدمت میں ہدیہ ہے تاکہ وہ اسے لشکر کشی کے اخراجات میں استعمال فرمائیں

اور اس بہانے سے تو اُن کی جائے قیام معلوم کرلے۔ مَعقِلؒ نے وہ درہم سنبھالے اور روانہ ہو گیا وہ روزانہ اسی فکر میں گھومتا تھا اور گلی کوچوں کے چکر لگاتا رہتا تھا۔ ایک روز جامع مسجد کوفہ میں آیا تو ایک شخص سے ملاقات ہوگئی وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے نماز میں مشغول تھا معقل نے دل ہی دل میں کہا کہ یہ ہو نہ ہو کوئی شیعۂ علیؑ ہیں سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ اُس مرد صالح کے مصلّے کے قریب گیا اور بیٹھ گیا۔ یہ مُسلم بن عَوسَجہ تھے جب وہ نماز سے فارغ ہو چکے تو معقل کھڑا ہوا پھر سامنے آکر اُن سے بغل گیر ہوا اور محبّت و خلوص کی باتیں کرنے لگا ساتھ ہی بڑی مکّاری سے اپنی عقیدت مندی ظاہر کرنے لگا کہ میں شام کا رہنے والا ہوں۔ خدا نے میرے اوپر بڑا افضل کیا ہے اور میرے دل میں اہلبیت رسولؐ کی محبّت و مودّت داخل کر دی ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ اِس شہر میں رسولؐ خدا کے قرابتداروں میں سے کوئی شخص آیا ہے اور امام حسینؑ کے نام پر لوگوں سے بیعت لے رہا ہے یہ میرے پاس تین ہزار درہم ہیں اور خدا سے میں نے عہد کیا ہے کہ یہ رقم ان کے سُپرد کروں گا تاکہ وہ فوج کشی کے اخراجات کے لئے اس کو استعمال فرمائیں اور دشمنانِ دینِ خدا کے ساتھ جنگ کریں لوگوں نے مجھ سے بتایا ہے کہ آپ اس خاندان کے دوست اور عقیدت مند ہیں اور بحمد اللہ شیعیانِ علی بن ابیطالب میں سے ہیں، کیا ممکن ہے کہ آپ اس مسئلہ میں میری مدد فرمائیں اور اُنکی خدمت تک مجھے پہونچا دیں۔ مُسلم بن عوسجہ نے جواب دیا کہ اے بھائی اس قسم کی بات نہ کر، جس نے تجھے میرا پتہ بتایا ہے اُس نے سخت دھوکا کھایا ہے میں اس امر میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ مَعقِلؒ نے کہا کہ اے خُدا کے بندے مجھے صحیح جواب دے اسی مسجد میں لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے بھی حسین بن علیؑ کے لئے بیعت کی ہے اور ان کی اطاعت کا عہد کیا ہے اگر آپ کو

میرے متعلق شبہ ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ غلط ہے تو پہلے آپ مجھ سے بیعت لے لیں اور جس طرح چاہیں وفاداری کا عہد مستحکم کرلیں اور اپنا پورا اطمینان کرلیں تاکہ آپ کو کوئی شک باقی نہ رہے اور یہ رقم بھی آپ اپنے پاس رکھ لیں۔ معقلؔ نے اسقدر چکنی چپڑی باتیں کیں کہ مسلم بن عوسجہ کو یقین آگیا اور کہنے لگے خدا کا شکر ہے کہ تم سے میری ملاقات ہوگئی اور مجھے مسرت ہے کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ اور تمھارے ذریعہ سے خدا اہلبیتِ رسولؐ کی نصرت فرمائے گا لیکن مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ لوگوں کو میرے متعلق اس کا علم ہو چکا ہے کہ میں اہلبیت کا دوست ہوں۔ جبتک ابن زیاد سر یر حکومت پر ہے اور اُس کا اقتدار باقی ہے۔ معقلؔ یہ سُنکر پھولوں نہیں سمایا اور کہنے لگا اب آپ مجھ سے بیعت لیجئے اور اپنی جماعت کا مجھے ایک فرد تصوّر فرمائیے۔ یہ سُنکر مُسلم بن عوسجہ نے امام حسینؑ کے لئے اس سے بیعت لی اور اُسے ہدایت کی کہ اس بات کو راز رکھنا کسی پر ظاہر نہ ہو اور بہت کچھ وعدے مستحکم کر لئے۔ مُسلم بن عوسجہ نے کہاکہ اب تم دو ایک روز میرے پاس نہ آنا تاکہ میں موقع نکال سکوں اور مُسلم بن عقیل سے تمھاری ملاقات کرادوں اس کے بعد معقلؔ ان کے پاس آتا جاتا رہا یہاں تک کہ ان کے ذریعہ سے اُس کو حضرت مسلم تک رسائی کا موقع مِلگیا اور وہاں پہونچ کر اس نے بہت زیادہ اظہارِ عقیدت کیا اور اُن کے سامنے بھی تجدید بیعت کی اور حضرت مُسلم کے حکم کے مطابق وہ پوری رقم ابو ثمامہ صائدی کے سُپرد کردی تاکہ وہ لشکر کی تیاری میں صرف کریں کیونکہ ابو ثمامہ گھوڑوں اور اسلحہ کی کافی شناخت رکھتے تھے اور بڑے بہادر و جری تھے خلاصہ یہ کہ معقلؔ روزانہ آنے والوں میں شامل ہو گیا۔ اور ہر روز صبح کو سب سے پیشتر حاضرِ خدمت ہوتا تھا اور شام کو سب کے آخر میں واپس جاتا تھا یہاں تک کہ

چند ہی روز میں وہ تمام شیعیانِ علیؑ کو پہچان گیا اور اُن کے بہت سے راز بھی معلوم کر لئے اور یہ تمام باتیں ابن زیاد کو بتاتا رہا ابن زیاد کو جب خفیہ طریقہ پر یہ راز معلوم ہو گیا تو اُس نے بغیر کسی پر ظاہر کئے ایک روز محمد بن اشعث بن قیس کندی، اسماء بن خارجہ اور عمرو بن الحجاج کو طلب کیا۔ عمرو بن حجاج کی بیٹی "رُوَیحہ" ہانی کے نکاح میں تھی جس کے بطن سے ایک فرزند یحییٰ تھا اور اُسی کے نام سے اُس کو اُمِّ یحییٰ کہا جاتا تھا۔ صاحب ناسخ نے اس کا نام رُوَیحہ لکھا ہے اور اُسے عمرو بن حجاج کی بیٹی ہی لکھا ہے (ص۱۸۶ ج ۶) لیکن صاحب ثمرات الاعواد نے اپنی کتاب کے ص۹۷ پر اس کا نام رَوْعہ لکھا ہے اور اسے بجائے دختر کے عمرو بن الحجاج کی بہن تحریر کیا ہے غرض وہ سب جمع ہوئے تو ابن زیاد نے شکایت کی کہ اب ہانی بن عُروَہ کی حالت بہتر ہو گئی ہے اور وہ روزانہ گھر کے باہر بیٹھتے ہیں مگر مجھ سے ملنے نہیں آتے کیا وہ مجھ سے ملنا جُلنا پسند نہیں کرتے۔ ان لوگوں نے کہا ہو سکتا ہے کہ ابھی ضعف ہو اور زیادہ چل پھر نہ سکتے ہوں ورنہ کوئی دوسری بات نہیں ہے اُس نے کہا کہ نہیں میں نے سُنا ہے کہ وہ اب بالکل تندرست ہیں اپنی بیٹھک میں روزانہ پابندی کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور لوگوں سے مُلاقات کرتے رہتے ہیں مجھے حیرت ہے کہ معمولی مرض کا بہانہ کر کے وہ میرے پاس نہیں آتے اور مجھ سے کنارہ کش رہتے ہیں اگر وہ واقعی مریض ہیں تو مجھے بتا دو تاکہ میں پھر عیادت کو جاؤں ورنہ اس طرح کا انحراف اور دربارِ حکومت میں حاضری دینے میں تاخیر کو سوائے غرور و تکبّر اور غدّاری کے کچھ اور نہیں کہا جا سکتا۔ میں اس بات کو ہرگز پسند نہ کروں گا کہ ہانی بن عُروہ کی طرح کا سردار مجھ سے اُلجھے اور میں اُس کے لئے تلوار استعمال کروں اِس لئے تم لوگ فوراً جاؤ اور ان کو میرے پاس لے کر آؤ۔ یہ تمام لوگ نمازِ عشاء کے وقت

ہانی کے پاس پہونچے اور اُنھیں اَپنے گھر کے باہر پایا پھر سب نے یک زبان ہو کر کہا! اے ہانی تم کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ تم فضول ابن زیاد سے مخاصمت مول لے رہے ہو اور اس کو اپنا دشمن بنا رہے ہو اور اس سے مُلاقات نہیں کرتے اور اس کے دربار میں نہیں جاتے ۔ ہانی نے کہا اگر بیماری کی وجہ سے کچھ لوگ صرف چند روز دربار میں حاضر نہ ہو سکیں تو اُن کا عذر قبول کرنا چاہیئے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم یہ سب باتیں اس سے کر چکے ہیں اُس نے ہمیں یہ جواب دیا تھا کہ ہانی کی روزانہ اپنے گھر کے باہر کافی دیر تک نشست رہتی ہے اُن کو نہ اب کوئی مرض ہے اور نہ کوئی شکایت ۔ ہانی تم تو عقلمند ہو تمہیں یہ نہیں کرنا چاہیئے ۔ ابھی چلو اور ہم سب بھی تمھارے ساتھ چلیں گے ان لوگوں نے ہانی کا لباس منگوایا اور سواری پر سوار کر کے قصر امارت میں لائے ۔ قصر تک پہونچتے ہی ہانی کے دل میں وسوسے پیدا ہونے لگے اور خود بخود ابن زیاد کی طرف سے خوف پیدا ہونے لگا پھر اسماء بن خارجہ سے کہنے لگے کہ مجھے کچھ خوف سا معلوم ہو رہا ہے بہتر یہ ہے کہ میں ابن زیاد کے پاس نہ جاؤں اور واپس ہو جاؤں ۔ اسماء بن خارجہ کو چونکہ معقل کی کارروائیاں اور ابن زیاد کی چال کا علم نہ تھا تو کہنے لگا چچا! آپ کسی بات کا وہم نہ کیجئے خوف کرنے کی کوئی بھی وجہ موجود نہیں ہے ۔ غرض ھانی دربار میں چلے گئے جب ابن زیاد کی نظر ھانی پر پڑی تو کہنے لگا: أَتَتْكَ بِخَائِنٍ رِجْلَاهُ، یعنی خائن کو اُس کے دونوں پیر تیرے پاس لے آئے مراد یہ ہے کہ خائن خود اپنے پیروں سے آگیا جب ہانی نزدیک پہونچے تو دیکھا شریح قاضی بھی موجود ہیں ۔ ابن زیاد نے ہانی پر نظر پڑتے ہی شریح سے کہا أُرِيدُ حَيَاتَهُ وَيُرِيدُ قَتْلِي + عَذِيرَكَ مِنْ خَلِيلِكَ مِنْ مُرَادِ (شعر عمرو بن معدیکرب) "عَذِيرَ" بمعنی "عاذر" ہے ۔ یعنی میں تو اس کی حیات کا طالب ہوں اور یہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے ۔ میں اس پر

احسان کر رہا ہوں اور یہ میرے ساتھ برائی چاہتا ہے تو پھر کسی کو لاؤ جو تمہارا عذر قبول کرے اور تمہارے دوست کے اس عملِ بد کی وجہ سے جس نے تم کو بھی اس کے ساتھ ترکی بہ ترکی جواب دینے پر مجبور کر دیا ہے، تم کو معذور قرار دے ایسا دوست جو قبیلۂ مُراد سے تعلق رکھتا ہے،،

شاعر کہتا ہے کہ میں نے اپنے دوست کے ساتھ نیکی کی مگر اس نے اس کا جواب برائی سے دیا تو میں بھی اس برائی کا جواب دینے پر مجبور ہو گیا تو یقیناً میں ایسی حالت میں معذور سمجھا جاؤں گا اور وہ دوست مجھ پر دشمنی کا الزام نہیں لگا سکتا کیونکہ میں نے ابتدا میں دشمنی نہیں کی تھی بلکہ اس پر احسان کرتا رہا۔

عبیداللہ ابن زیاد ہمیشہ ہانی کی بڑی تکریم و عزت کرتا تھا مگر اس مرتبہ اس کے تیور ہی بدلے ہوئے تھے منہ پھیرے ہوئے بیٹھا تھا۔ ہانی نے سلام کیا تو جواب سلام بھی نہ دیا۔ یہ طرزِ عمل ہانی پر بے انتہا گراں گزرا مگر صبر کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ یہ صورتِ حال دیکھکر ھانی نے کہا :- یہ کیا ہے اے امیر! خدا تمہاری اصلاح کرے۔ ابن زیاد نے جواب دیا، ہانی بس خاموش رہو زیادہ بکواس نہ کرو۔ تم نے اپنے گھر میں فتنہ پالا ہے اور خلیفہ یزید کی مخالفت میں کوشش کر رہے ہو تم نے اس کے خلاف زبردست سازش تیار کی ہے۔ مسلم بن عقیل کو تم نے گھر میں پناہ دی۔ اُن کے لئے لوگوں سے خفیہ بیعت لے رہے ہو۔ لشکر کشی کی تیاریاں کر رہے ہو اور موقع کی تاک میں ہو تاکہ بغاوت کی آگ کے شعلے بھڑکا دو۔ پھر لطف یہ ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے تمہاری اِن حرکتوں کی خبر نہیں ہے۔ ہانی میں تمہاری اِن سازشوں سے پوری طرح باخبر ہوں۔ ہانی نے کہا امیر یہ بات کہنا آپ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ میں اپنے گھر میں مسلم بن عقیل کو نہیں لایا۔ اور نہ میں نے وہ کام کئے ہیں جن کا آپ نے میرے اوپر الزام لگایا ہے۔ جب گفتگو تیز

ہوئی تو ابن زیاد نے بلند آواز سے کہا۔ مُعقِل! آ تو جاؤ اور ان کی تکذیب کر دو۔ یہ آواز سُنتے ہی مُعقِل سامنے آ گیا "فَقَالَ مَرْحَبًا بِكَ يَا هَانِي أَتَعْرِفُنِي"، اور کہنے لگا ہانی مجھے پہچانتے ہو نا! اُس وقت ہانی سمجھ گئے کہ یہ دوست کے لباس میں ابن زیاد کا جاسوس تھا۔ ہانی نے جواب دیا ہاں میں تجھے پہچان گیا تو بڑا ایکا مُنافق آدمی ہے۔ اور پھر ابن زیاد کی طرف رُخ کر کے بولے کہ اے امیر وحدہٗ لا شریک خُدا کی قسم میں نے کسی شخص کو مسلم بن عقیل کی طلب میں روانہ نہیں کیا تھا اور میں ہرگز اُن کو اپنے گھر میں نہیں لایا وہ خود ہی آ گئے تھے۔ مجھ سے پناہ طلب کی تو یہ میرا فریضۂ اسلامی تھا کہ میں اُن کو پناہ دیتا مجبوراً اُن کو میں نے جگہ دی۔ اگر یہ بات تجھے ناگوار ہے تو مجھے اجازت دے میں اُن سے عرض کر دوں کہ وہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ ابن زیاد بولا اب یہ قطعاً ناممکن ہے جبتک تم مسلم بن عقیل کو میرے حوالہ نہ کرو گے تمکو مفر نہ ہوگا۔ ہانی نے کہا امیر! یہ عجیب بات کہہ رہے ہو۔ میں اپنے مہمان کو تمہارے حوالہ کر دوں۔ یہ تو عرب کے دستور کے خلاف ہے لوگ مجھے کیا کہیں گے۔ یہ کام مجھ سے تو کسی طرح بھی ممکن نہ ہوگا اور کسی طرح یہ ذلّت برداشت نہیں کی جا سکتی۔ ابن زیاد نے کہا خدا کی قسم جب تک تم اُن کو زنجیروں میں جکڑا ہوا میرے سامنے حاضر نہ کرو گے میرے ہاتھ سے تم کو رہائی نہ ملے گی۔

جب بات بڑھی تو مسلم بن عمرو الباہلی نے مداخلت کی اور کہا امیر مجھے اس کی اجازت دے کہ میں ان سے علیحدہ کچھ گفتگو کر لوں شاید اس کا بہتر نتیجہ برآمد ہو جائے۔ مسلم بن عمرو، ہانی کو علیحدہ لے گئے لیکن ابن زیاد کی نگاہوں کے سامنے رہے مسلم نے کہا، ہانی میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اپنی جان کو ہلاکہ میں نہ ڈالو۔ مُصیبت میں نہ پھنسو اور اپنے

خاندان والوں کو بھی قتل و غارت اور تباہی سے بچاؤ۔ مسلم بن عقیل تو یزید کے رشتہ دار ہیں تم یقین رکھو کہ یہ لوگ اُن کو قتل نہیں کریں گے اور تم پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا تم فوراً انھیں ابن زیاد کے حوالہ کردو کیونکہ بادشاہوں اور حکّام سے جنگ نہیں کی جاسکتی اور جان و مال کا چھوڑ دینا کسی کے لئے آسان کام نہیں ہوتا۔ ہانی نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اس سے زیادہ کوئی عار و ننگ کی بات نہیں ہوسکتی کہ میں فرزند رسولؐ حضرت امام حسین کے ایلچی کو جو خود بھی قرابت دار پیغمبرؐ ہیں ابن زیاد کے حوالہ کردوں۔ اور میں زندہ رہوں۔ اور یہ اس وقت ہو جبکہ میرے اعوان و انصار بھی کافی تعداد میں موجود ہوں خدا کی قسم اگر میرا کوئی مدد کرنے والا بھی باقی نہ رہے گا جب بھی میں اُن کو ابن زیاد کے حوالہ نہ کروں گا اور جنگ کروں گا یہاں تک کہ اپنی جان دے دوں گا۔ ان دونوں کی آواز کافی بلند تھی اور ابن زیاد پوری طرح یہ گفتگو سُن رہا تھا۔ جب اُس کو یقین ہو گیا کہ ہانی، مسلم بن عقیل کو سُپرد نہ کریں گے تو اس نے حکم دیا کہ ہانی کو میرے پاس لایا جائے۔ جب وہ اس کے نزدیک آگئے تو اُس نے پھر کہا کہ ھانی، مُسلم بن عقیل کو میرے سُپرد کردو ورنہ میں تمہارا سر کٹوادوں گا۔ ہانی نے جواب دیا کہ تجھ میں یہ طاقت موجود نہیں ہے اور اتنی بہادری تیری قدرت سے باہر ہے۔ کیونکہ ایک لمحہ میں تیرا قصر تلواروں سے گھر جائے گا اور قبیلۂ مَذحِج کے بے جگر اور تلوار کے دھنی بہادر تجھے کیفر کردار تک پہونچا دیں گے۔

ابن زیاد ان باتوں سے یہ سمجھ رہا تھا کہ ہانی کا قبیلہ قصر کے باہر موجود ہے اُس نے آواز بلند کی اور کہا کہ تم مجھے تلوار کی دھمکی دیتے ہو یہ کہکر لکڑی اُٹھائی اور ہانی کے سر پر مارنے لگا یہاں تک کہ ان کی ناک سے خون کا فوّارہ جاری ہوگیا ہسر اور مُنھ کی کھال پھٹ گئی

اور ہانی دیکھتے ہی دیکھتے خون میں نہا گئے ہانی نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ مارا اور چاہتے تھے کہ ابن زیاد کا کام تمام کر دیں مگر اس کے محافظ نے ان کو پکڑ کر مجبور کر دیا اور یہ اس کو قتل نہ کر سکے ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان کو کھینچ کر قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔ لوگ ہانی کو گرفتار کر کے لے گئے اور قصر کے کسی حصّہ میں قید کر دیا ابو مخنف لوط بن یحییٰ نے اپنے "مقتل" میں لکھا ہے کہ جب ہانی زخمی ہو گئے تو انھوں نے بھی تلوار سونت لی تھی اور زخمی شیر کی طرح ابن زیاد پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ہانی کی تلوار سے ابن زیاد کی کلاہ اور دستار کٹ گئی اور سر پر گہرا زخم آیا مگر بچ گیا اُس وقت مُعقِلؔ فوراً دوڑا لیکن ہانی نے مُعقِلؔ پر بھی حملہ کر دیا اور تلوار سے اُس کے رُخسار کے دو حصّے کر ڈالے۔ ابن زیاد نے جب یہ حال دیکھا تو فریاد کی دُوْنَکُمُ الرَّجُلَ، ہانی کو گرفتار کرو۔ محافظوں نے ہانی کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا مگر ہانی مدافعت کرتے رہے اور داہنے بائیں حملہ کرتے رہے وقال یا وَیْلَکُمْ لَوْ کَانَتْ رِجْلِیْ عَلٰی طِفْلٍ مِّنْ اٰلِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ لَا اَرْفَعُھَا حَتّٰی تُقْطَعَ "تم پر وائے ہو اگر میرا قدم اہلبیتِ رسولؐ کے کسی بچہ کی حفاظت میں ہو تو جبتک میرا پیر کٹ نہیں جائے گا کوئی اُس کو وہاں سے ہٹا نہیں سکتا" اس دار و گیر میں ہانی کی صاعقہ بار تیغ نے پچیس ۲۵ آدمیوں کو قتل کر دیا آخر گرفتار ہوئے اور قید خانہ میں ڈالدئے گئے اور ان کو مجبور دیکھکر جاتے جاتے بھی ابن زیاد نے ان کے سر پر ایک آہنی گرز مارا جس سے یہ نڈھال ہو گئے آخر قید خانہ میں ان کو بند کر دیا گیا۔

ہانی قید میں تھے، کسی نے قبیلۂ 'مذحج' کو خبر کر دی کہ تم چین سے بیٹھے ہو اور تمھارا سردار قتل کر دیا گیا۔ عمرو بن الحجّاج کو بھی خبر ہو گئی یہ فوراً اُٹھا اور قبیلہ کے بہادروں کو جمع کیا اور چار ہزار کا لشکر لے کر دار الامارۃ کو گھیرے میں لے لیا تھا یہ چیخ چیخ کر کہہ

کہہ رہے تھے کہ ابن زیاد تو نے ہمارے سردار کو مارا ہے حالانکہ اُسنے تیری مخالفت نہیں کی تھی کوئی فساد بھی برپا نہیں کیا تھا کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ ھانی! اگر تم زندہ ہو تو دیکھو تمھارے قبیلہ کے لوگ تمھاری امداد و نصرت کے لئے آگئے ہیں اب تمھارا ابن زیاد کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے یہ حالت دیکھکر ابن زیاد ڈرا اور اس نے فوراً شریح قاضیِ شہر سے کہا کہ آپ کا عوام پر اثر ہے آپ خود ہانی کے پاس جاکر اُن سے ملاقات کیجئے اور دیکھ لیجئے کہ وہ زندہ ہیں پھر قبیلہ مذحج کو بتادیجئے کہ وہ قتل نہیں ہوئے بلکہ صحیح و سالم ہیں اور یہ کہدیجئے کہ امیر ابن زیاد نے اُن کو کچھ عرصہ کے لئے روک لیا ہے تاکہ اُن سے کچھ ضروری باتوں کے متعلق مشورہ کرے۔ شریح قیدخانے میں گئے ہانی سے ملے پھر قصر کے باہر آکر قبیلہ مذحج کو بتایا کہ تم فضول پریشان ہو رہے ہو تمہارا سردار زندہ ہے اور صحیح و تندرست ہے اور امیر کے پاس بیٹھا ہوا کچھ ضروری گفتگو کر رہا ہے اور امیر اُس سے کچھ خاص مشورے کر رہے ہیں۔ اور کچھ ایسی دل آویز تقریر کی کہ لوگوں کو اپنی حماقت پر افسوس ہونے لگا اور یقین ہو گیا کہ یہ کسی شریر کی شرارت تھی اور وہ چاہتا تھا کہ مذحج کو ابن زیاد سے ٹکرا دے اور جنگ کے شعلوں میں کوفہ کو لپیٹ دے لوگ بہت خوش ہو کر واپس گئے کہ ہمارے سردار کی بڑی تعظیم و تکریم ہو رہی ہے اور ابن زیاد اُن سے اُمورِ سلطنت میں خصوصی مشورے کر رہا ہے اُدھر ابن زیاد کے ظلم و ستم کو دیکھکر اسماء بن خارجہ نے جو قصر کے اندر موجود تھا کہا کہ امیر تو نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم ہانی کو لے آئیں اور تو ہی نے ہمیں اُن کے پاس روانہ کیا تھا تاکہ ہم اُن کو ہر طرح کا اطمینان دلائیں۔ ہم نے اُنھیں مطمئن کیا، اُن کو امان دی اور تیرے پاس لائے۔ اُس وقت جبکہ وہ یہاں آگئے تو نے اُن کی توہین کی اُن کے سر پر

چھڑی سے ضربیں لگائیں اور اُن کے سر اور چہرے کے گوشت و پوست کو زخمی کر دیا اور اب تو اُن کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ باتیں کسی طرح تیرے لئے موزوں نہیں ہیں۔ اسماء کی یہ تلخ گفتگو سن کر ابن زیاد کو غصّہ آیا اور اس نے انھیں بھی سزا دی اور چھڑی سے خوب ہی زدو کوب کیا اور ہانی کی طرح قصر کے ایک حصّہ میں قید کر دیا گیا۔ محمد بن اشعث بن قیس کندی بھی وہاں حاضر تھا۔ اُس نے فوراً اپنی برائت کر لی اور کہا کہ امیر میرے دل میں آپ کی اطاعت کے تصور کے سوا کچھ بھی نہیں ہے میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔ اِس کے بعد ابن زیاد اپنے محافظ سپاہیوں اور تمام مُلازمین دربار کے ساتھ مسجد کوفہ میں گیا لوگوں میں اعلان کر ہی دیا گیا تھا، جوق در جوق لوگ مسجد میں جمع ہو گئے تھے۔ یہ منبر پر گیا اور لوگوں سے خطاب کیا۔ اَمَّا بَعْدُ اَیُّهَا النَّاسُ فَاعْتَصِمُوْا بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَطَاعَةِ اَئِمَّتِکُمْ وَلَا تَفَرَّقُوْا فَتَهْلِکُوْا وَتُذَلُّوْا وَتُقْتَلُوْا وَتُجْفَوْا فَاِنَّ اَخَاكَ مَنْ صَدَقَكَ وَقَدْ اَعْذَرَ مَنْ اَنْذَرَ"

ایہا الناس خدا کی اطاعت و فرماں برداری میں کمی نہ کرنا اور اپنے اماموں اور پیشواؤں کی عزت کرو اور اُن کے احکام کے سامنے گردن جھکا دو اور متحد ہو جاؤ، بدامنی نہ پھیلاؤ اور مسلمانوں میں تفرقہ نہ ڈالو ورنہ تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے، ذلیل کئے جاؤ گے، قتل کئے جاؤ گے۔ تم پر ظلم و ستم ہو گا اور تم تمام حقوق سے محروم کر دیئے جاؤ گے۔ تمھارا دوست صرف وہی ہے جو تم سے سچی بات کہے اور جس نے تم کو پہلے ہی خبردار کر دیا اور خطرے سے آگاہ کر دیا وہ بعد میں پھر معذور رہو گا اور خطرے کے آجانے کے بعد پھر اُس کو کوئی ملامت نہیں کر سکتا کیونکہ وہ پہلے ہی اتمام حجّت کر چکا تھا، اتنا کہکر منبر کے نیچے آگیا اس کے

بعد ایک شور بلند ہوا کہ مسلم بن عقیل اپنے لشکر کے ساتھ پہونچ گئے۔ ابن زیاد نے جیسے ہی یہ آواز سنی وہ فوراً بھاگ کر دار الامارۃ پہونچا اور حکم دے دیا کہ دروازے بند کر دیئے جائیں۔ واقعہ یوں تھا کہ حضرت مسلم بن عقیل نے عبید اللہ بن حازم کو جو شیعیان امام حسین علیہ السلام میں سے تھے دار الامارۃ کے حالات معلوم کرنے کے لئے مامور فرمایا تھا اور ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا تھا اس کی مکمل تحقیق چاہی تھی۔ ابن حازم اُس وقت موجود تھے جب ہانی کو مارا جا رہا تھا اور وہ قید میں ڈالے گئے تھے یہ سب حال دیکھ کر وہ فوراً حضرت مسلم کے پاس گئے تھے اور تمام حال بیان کر دیا تھا یہ حالات سن کر ہانی کے گھر میں کہرام بپا تھا اس کے بعد آپ نے اُن کو مختلف لوگوں کے پاس روانہ کیا اور اُن تمام اشخاص کو ان واقعات کی اطلاع دی جو آپ سے تجدید بیعت کر چکے تھے یہ اطلاع ملتے ہی چار ہزار سے زیادہ آدمی مسلّح ہو کر حضرت مسلم کی قیام گاہ پر جمع ہو گئے تھے ان لوگوں میں قبائل کندہ، مذحج، تمیم، اسد مضر اور ہمدان کے سردار اور دوسرے افراد موجود تھے۔ مسلم بن عقیل نے اس لشکر کا علم تیار کر کے بلند کیا اور منادی نے آواز "یَا مَنْصُوْرُ اَمِتْ" اس جنگی شعار کا یہ مطلب تھا کہ نصرت یافتہ ہانی اپنے دشمن کو ہلاک کر دو، جب یہ نعرہ بلند ہوا تو اُن تمام قبائل نے یہی نعرہ بلند کرنا شروع کر دیا جنہوں نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور پورا لشکر یہی نعرہ لگاتا ہوا دار الامارۃ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور یہ اُس وقت پہونچے جب ابن زیاد مسجد سے بھاگ کر وہاں پہونچ چکا تھا اور دروازے بند ہو چکے تھے اس لشکر نے قصر کو گھیر لیا، مجمع بڑھنے لگا اور مسجد کوفہ اور قصر شاہی تک آدمیوں کے ٹھٹ لگ گئے اُس وقت اتفاق سے قصر کے اندر صرف تیس ۳۰

سرداران قبائل رہ گئے تھے اور اشراف کوفہ میں سے بیس آدمی۔ شہر کی حالت بے حد نازک تھی عوام میں اشتعال پھیلا ہوا تھا اس لئے ابن زیاد نے دارالامارۃ کے تمام دروازوں پر سپاہیوں کا زبردست پہرا لگوادیا اور خود قصر کے اندر محفوظ ہو گیا آدمیوں کی آبادی کی طرف صرف ایک ہی چور دروازہ تھا اور عام طور پر بہت کم اور مخصوص رازدار لوگ ہی اُس سے واقف تھے کیونکہ اُس طرف آمد و رفت نہ تھی اور اسی چور دروازے سے کوفہ کے بعض سربرآوردہ لوگ جاکر ابن زیاد سے ملتے جلتے تھے۔ قصر کے گرد مسلم بن عقیل کے لشکر کا حصار قائم تھا اور ابن زیاد کے حمایتی لوگ قصر کی چھت پر جا جاکر مجمع کا اندازہ لگاتے رہتے تھے اور جب کسی باہر والے کی نظر پڑ جاتی تھی تو وہ اُن کو وہیں سے گالیاں دیتا تھا اور جو منہ میں آتا تھا کہتا تھا جب کچھ بس نہیں چلتا تھا تو قصر کے اندر پتھر پھینکتے تھے اور ابن زیاد کی تذلیل و توہین میں کوئی حد نہ چھوڑی جا رہی تھی۔ اور اُس کا سارا غرور و تکبر اور رعب حکومت خاک میں مل چکا تھا۔ یہ ہنگامہ دیکھ کر اُس نے کثیر بن شہاب کو طلب کیا اور کہا کہ قبیلۂ مذحج میں تیرے احباب کافی موجود ہیں یہاں سے جاکر اُن سے ملاقات کر اور اُن کو ڈرا کہ عنقریب لشکر شام آنے والا ہے اور اس طرح جسقدر ممکن ہو اُن میں دہشت انگیزی پیدا کر تاکہ اُن کے حوصلے پست ہو جائیں اور ہمتیں ٹوٹ جائیں۔ محمد بن اشعث سے کہا کہ تیرے تعلقات حضرموت والوں سے ہیں اور وہ سب تیری اطاعت کرتے ہیں وہاں جاکر ان میں امن و امان کا علم بلند کر دے تاکہ اُن کا خوف دور ہو جائے اور وہ سب تیرے ساتھ جمع ہو جائیں اور جسقدر ممکن ہو اُن کی تشفی و تسلی کر دینا۔

کثیر بن شہاب شہر میں آیا اور اُس نے اپنا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔

محمد بن اشعث بن عمارہ تک پہونچا اور وہاں زہر پھیلانے لگا حضرت مسلم کو جب ان حرکتوں کی خبر ہوئی تو آپ نے عبدالرحمٰن بن شریح شیبانی کے ساتھ ایک جماعت مقرر کی اور ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا۔ محمد ابن اشعث نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ حضرت مسلم کے ساتھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکے گا اس لئے اس نے بجائے انفرادی کوششوں کے یہ طے کیا کہ سب ملکر کام کریں اور یہ طے ہوا کہ کثیر بن شہاب، قعقاع الذہلی، شبث بن ربعی باہم ایک جان ہوکر اور پوری طرح متحد و متفق ہوکر لوگوں میں تقریریں کریں اور ان کو شام کے لشکر کی دہمکی دیں اور انعام و اکرام کی لالچ بھی دیں ان سب نے جان توڑ کوشش کر دی اور کچھ ایسی شر انگیز تقریریں کیں اور زہر پھیلایا کہ کوفہ کے سادہ لوح اور لالچی لوگ ان کے دام میں پھنسنے لگے اور شہر کے در و دیوار پر سناٹا سا چھا گیا مائیں اپنے بچوں اور وارثوں کو خدا کا واسطہ دے کر روک رہی تھیں اور پورا کوفہ دہل رہا تھا کہ اب شامی فوج آیا چاہتی ہے اور کوفہ کے زن و مرد کو تباہ و برباد کر دے گی۔ ابن زیاد کے جاسوس کوفہ کی گلیوں کوچوں میں پھیلے ہوئے تھے اور دہشت انگیز افواہیں گھروں اور بازاروں میں پھیلائی جا رہی تھیں اس انتھک کوشش کا نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہونے لگا اور لوگ جوق در جوق محمد بن اشعث اور اس کے ساتھیوں کی پناہ ڈھونڈھنے لگے اور توبہ کر کے جان بخشی کی درخواستیں کرنے لگے ہر شخص کی آنکھوں میں موت کا اژدہا منھ کھولے ہوئے اس کو نگلنے کے لئے کھڑا نظر آ رہا تھا اور عوام کا سارا اشتعال بزدلی اور زنانہ پن میں تبدیل ہو گیا تھا۔ جب کافی لوگ اکٹھا ہو چکے تو ابن زیاد کے کارندے انھیں قصر میں لائے اور لشکر کی بھرتی شروع ہو گئی۔ کثیر بن شہاب نے کہا، امیر! اب دیر کا وقت نہیں ہے جنگ شروع کر دیجئے کیونکہ دارالامارۃ میں اس

وقت بہادروں کا مجمع ہے اور ہر قبیلہ کے سردار اکٹھا ہو چکے ہیں اور سب آمادۂ پیکار ہیں آپ حملہ کریں تو مسلم بن عقیل میں مقابلہ کی تاب باقی نہ رہے گی یا قصر سے ہم بھی نکلتے ہیں اور آپ بھی ہمارے ساتھ چلئے لیکن اُس نے اِس رائے سے اتفاق نہ کیا اور شبث بن ربعی کو علمِ لشکر دے کر ایک جماعت کے ساتھ قصر کے باہر روانہ کر دیا ساتھ ہی اُس نے اپنے جاسوسوں کو نیز بڑے بڑے سرداروں کو حکم دیا کہ یہاں تو ان لوگوں میں جنگ ہوتی رہے گی اور تم لوگ شہر کے اندر جاکر عوام میں دہشت انگیزی کے کام کو اور زیادہ تیز کر دو اور ہر طرف شور مچا دو کہ شام کا لشکر آگیا اور عنقریب تم لوگ تلوار کی دھار کی نذر ہو جاؤ گے یہ لوگ فوراً نکلے اور ایسا ہی کیا۔ دارالامارۃ پر جنگ ہوتی رہی اور شہر میں ابن زیاد کے آدمی عوام میں دہشت انگیزی کرتے رہے یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ کثیر بن شہاب نے بلند آواز سے کہا!

لوگو! اپنے گھروں میں فوراً چلے جاؤ، شر و فساد کی آگ کو ہوا نہ دو اور تلوار کی دھار کے سامنے تباہی کے لئے اپنے کو پیش نہ کرو۔ دیکھو یہ خلیفہ یزید کی فوج آچکی ہے اور ابن زیاد کے اشارے کی منتظر ہے اس لشکرِ جرار سے تم کو کہیں پناہ حاصل نہ ہو گی اور اگر ایک مرتبہ اُس نے شہر اور مضافات پر دھاوا بول دیا تو پھر اُس کا کوئی روکنے والا نہ ہو گا اور ابن زیاد امیر کوفہ نے خدا سے اِس کا عہد کر لیا ہے کہ اگر تم رات ہی رات مسلم بن عقیل سے علیحدہ نہ ہو گئے اور اُن کا ساتھ نہ چھوڑا اور کوئی ایک شخص بھی اُن کے پاس نظر آیا تو کل صبح کو اُس کی خیر نہ ہو گی۔ اور تمام لشکر خون آشام اُس کو تباہ و برباد کر دے گا۔ اور وہ تمام وظائف و انعامات جو اُس کے لئے یا اُس کے خاندان کے لئے مقرر ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں گے اور میدانِ جنگ ہی میں

تم کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا اور ایسا بھی ہوگا کہ گناہگار کے
بجائے بیگناہ سزا پائے گا اور بھاگے ہوئے کی جگہ پر مقیم تباہ ہوگا۔
یہاں تک کہ باغیوں اور سرکشوں میں سے کوئی بھی زندہ باقی
نہ رہ سکے گا جو اپنے کئے کی سزا کو نہ پہونچے۔

کثیر بن شہاب کی طرح دوسرے سرداروں نے بھی اسی
طرح کی زہریلی اور دہشت انگیز تقریریں کیں اور عوام و خواص
کو بُری طرح دہلا دیا۔ اور لشکرِ شام کے پہونچنے کی خبر کو ہر گھر میں
پہونچا دیا۔ اور ہر شخص کو اس کا یقین ہوگیا کہ شام کا لشکر
آچکا ہے پھر تو موت کا فرشتہ ہر ایک کو نظر آرہا تھا۔ یزیدی
لشکر کی دہشت سے جوڑ بند کانپ رہے تھے اور ابن زیاد نیز
اُس کے باپ زیاد کے ظلم و ستم کی تصویریں نگاہوں میں پھر رہی
تھیں غرض ایک دوسرے کو نصیحت کرنے لگا کہ جنگ نہ ہونے دو
اور مسلم بن عقیل سے بے تعلقی کا فوراً اعلان کر دو۔ رفتہ رفتہ سب
نے کنارہ کشی شروع کر دی۔ اور اس موقع کو غنیمت جانا کہ
ابھی لشکرِ شام نے حملہ شروع نہیں کیا ہے فوجِ شام کی آمد کے
فرضی اعلان نے کچھ ایسا اثر کیا کہ لوگوں کی اخلاقی جراءت کُلی طور
پر ختم ہوگئی اور ایک دوسرے کی پناہ ڈھونڈھنے لگا وہ عظیم جماعت
چشم زدن میں پراگندہ ہوگئی اور سورج چھپتے ہی کسی کا پتہ نہ
رہا مسجد میں حضرت مسلم بن عقیل نماز کے لئے تشریف لے گئے
تو کل تیس ۳۰ نمازی آپ کے ساتھ موجود تھے جب آپ نے اس
انقلاب کا مشاہدہ کیا تو مسجد سے نکل کر قبیلۂ کندہ کی آبادی کی
طرف روانہ ہوگئے۔ جب اُس کے قریب پہونچے تو آپ کے
ساتھ دس آدمیوں سے زیادہ باقی نہ رہے تھے پھر وہاں پہونچے
تو اُس وقت آپ نے مُڑ کر دیکھا تو کوئی بھی ساتھ نہ تھا۔ اور
آپ بالکل تنہا رہ گئے تھے۔ سارا شہر بھیانک نظر آرہا تھا۔ گلی

کوچوں سے واقف نہ تھے دوست شہر، دشمن کے کیمپ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ رات کے سناٹے میں ابنِ عقیل تنہا در بدر پھر رہے تھے نہ کوئی راہبر تھا نہ کوئی خبر گیری کرنے والا جو دوست تھے وہ سب گرفتار تھے یا گھروں میں بند تھے۔

اعثم کوفی کے حوالہ سے ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۱۹۱ پر ہے کہ جب کوفہ کے لوگوں نے حضرت مسلم کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ اکیلے رہ گئے تو تاریکیِ شب میں ایک گھوڑے پر سوار ہوئے اور ارادہ کیا کہ کوفہ کے باہر روانہ ہو جائیں لیکن باہر جانے کا راستہ نہ جاننے کی وجہ سے گلیوں اور کوچوں میں پھرنے لگے اتفاق سے ایک مقام پر "سعید بن احنف" سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے حضرت مسلم کو پہچان لیا اور عرض کی آپ کہاں جانا چاہتے ہیں اور اس تاریک شب میں کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا یہی ارادہ ہے کہ اب کوفہ چھوڑ دوں اور کہیں کسی دوسری جگہ چلا جاؤں جہاں اس گروہ سے اتصال حاصل کر سکوں جس نے مجھ سے بیعت کی ہے اور وہ لوگ میری نصرت کر سکیں۔ سعید نے عرض کی مولا! چاروں طرف سخت پہرا لگا ہوا ہے۔ شہر سے باہر جانے کے جس قدر بھی راستے ہیں وہ سب مسدود ہیں اور ان کی کڑی نگرانی ہو رہی ہے آپ کسی طرف سے باہر نہیں نکل سکتے اس کی کوشش نہ کیجئے جس طرف بھی جائیے گا آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا، آپ نے فرمایا، تو پھر کیا کروں سعید! تمھاری کیا رائے ہے؟ سعید نے عرض کی آئیے میرے ساتھ چلئے میں کوئی نہ کوئی بندوبست کروں گا یہ انھیں محمد بن کثیر کے دروازے پر لائے اور آواز دی کہ محمد جلدی باہر آجاؤ اور مسلم بن عقیل کا استقبال کرو۔ محمد بن کثیر یہ سنکر بدحواس ہو گئے اور خوشی کے مارے پھولوں نہ سمائے اور فوراً حاضر ہو کر مسلم کو اندر لے گئے ہاتھوں اور پیروں کے بوسے لئے اور خدا کا شکر

ادا کیا کہ یہ دولت عظیم اُن کے گھر میں آگئی اُن کے گھر میں ایک بڑی محفوظ جگہ تھی جس کو عام طور پر کوئی نہیں جانتا تھا وہاں لیجاکر حضرت مسلم کو چھپا دیا اور آپ کی راحت و ضروریات کا کل انتظام مکمل کر دیا لیکن اس اہتمام کے باوجود جاسوسوں نے ابن زیاد کو خبر کر دی کہ مسلم محمدؐ بن کثیر کے گھر میں ہیں اُس نے اپنے بیٹے خالد کے ساتھ ایک لشکر بھیجا اور حکم دیا کہ محمدؐ بن کثیر کو گرفتار کر لائے۔ خالد گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور بغیر اطلاع اُس نے ایکدم سے اُن کے گھر کو حصار میں لے لیا چونکہ محمدؐ کا کوئی ساتھی وہاں موجود نہ تھا، نہ کسی کو خبر تھی اور نہ اطلاع کرنا ممکن تھا اس لئے یہ اور اِن کا فرزند دونوں گرفتار ہو گئے خالد نے اس کے بعد مسلم بن عقیل کی بڑی تلاش کی مگر کہیں بھی اُن کو پا نہ سکا اور کوئی سراغ نہ ملا آخر خالد ان دونوں باپ اور بیٹے کو لے کر دارالامارۃ گیا ادھر جب یہ حالت لوگوں کو معلوم ہوئی تو ایک مرتبہ کوفہ میں پھر ابال آگیا اس لئے کہ محمدؐ بن کثیر بڑا ذی اثر سردار تھا اُس کی گرفتاری کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی سلیمان بن صرد خزاعی، مختار بن ابو عبیدہ ثقفی اور ان کے علاوہ کوفہ کے بہت سے نامور سرداران قبائل نے طے کیا کہ کل صبح ہوتے ہی ابن زیاد پر حملہ کر دیا جائے گا اور محمدؐ بن کثیر اور اُن کے فرزند کو چھڑا لیا جائے گا پھر اپنے لشکر کے ساتھ کوفہ سے روانہ ہو کر حسین بن علی کی نصرت اور اُن کے دشمنوں سے جنگ کریں گے اُنھوں نے یہ طے کر کے اپنے ہم عہد قبائل کو اپنے اس آخری فیصلہ کی اطلاع دے دی کہ زبردست تیاری کر کے صبح کو دارالامارۃ پر حملہ کر دیں مگر بدقسمتی سے صبح سے پہلے ہی شام کی طرف سے عامر بن طفیل دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ ابن زیاد کی امداد کے لئے آگیا ابن زیاد اس لشکر کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔

اور اُس کو پورا اطمینان ہو گیا کہ اب کوفہ اُس کے ہاتھ سے نہیں جا سکتا پھر جیسے ہی صبح ہوئی محمدؐ بن کثیر کو اُس نے گالیاں دینا شروع کر دیں اور جو منہ میں آیا بکنے لگا۔ محمدؐ نے کہا کہ امیر یہ غیظ وغضب کس سبب سے ہے تجھے یہ حق نہیں ہے کہ مجھے ان الفاظ سے خطاب کرے اور میری عزت کے خلاف کوئی اقدام کرے اے ابن زیاد میں تجھے خوب ہی پہچانتا ہوں اور تیرے حسب ونسب کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں تیرا باپ زیاد، ابو سفیان کا جس قسم کا بیٹا تھا اور جس طرح اُس کا ابو سفیان سے الحاق کیا گیا وہ سورج سے زیادہ روشن بات ہے محمدؐ بن کثیر اور ابن زیاد میں یہ مباحثہ جاری ہی تھا کہ دفعتہً طبلِ جنگ کے بجنے کی آواز بلند ہو کر فضا میں گونجنے لگی اور زمین و آسمان کو مرتعش کرنے لگی اور دار الامارۃ کے باہر انسانوں کا ایک سمندر موجیں مارتا ہوا نظر آیا اور اس قدر شور ہونے لگا کہ سب لوگ خوف زدہ ہونے لگے اس لئے کہ محمدؐ بن کثیر کے حمایتی قصر کے گرد جمع ہو چکے تھے جنکی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ تھی۔ ابن زیاد کی بیتابی زیادہ بڑھ گئی، اُس نے کہا کہ محمدؐ بن کثیر! اب میں اس سے زیادہ گفتگو نہیں کر سکتا، یزید کے سر کی قسم اگر تم نے مسلم کو میرے حوالہ نہ کیا تو تمکو میں تلوار کی دھار کے سپرد کر دوں گا اور نتیجہ کی مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے محمدؐ بن کثیر بھی بڑے بے جگر بہادر تھے بھلا وہ کاہے کو خاموش رہتے انھوں نے للکار کے جواب دیا کہ امیر تیری تو اتنی مجال نہیں ہے اور نہ تیرے ہاتھوں میں یہ طاقت ہے کہ میرے سر کے ایک بال کو بھی توڑ سکے قتل کرنا تو بڑی چیز ہے! ابن زیاد بھی کافی دور بین آدمی تھا اور سیاسی جوڑ توڑ کا عادی تھا اُس نے تھوڑی دیر تک غور کیا اور پھر کہا کہ محمدؐ بن کثیر اچھا تم اتنا بتا دو کہ تمھیں اپنی جان زیادہ عزیز ہے یا مسلم بن عقیل

کی ؟ محمدؐ نے جواب دیا کہ مسلم کا حفاظت کرنے والا تو اللہ ہے اور میری حفاظت کرنے والی یہ بتیس چالیس ہزار تلواریں ہیں جو تیرے قصر کے گرد جمع ہو چکی ہیں یہ سن کر ابن زیاد کو تاب ضبط باقی نہ رہی اور اس نے دوات جو اس کے سامنے رکھی تھی وہ محمدؐ بن کثیر کے پھینک کر مار دی جو سیدھی ان کی پیشانی پر لگی اور سر پھٹ گیا۔ ان کا چہرہ خون سے رنگین ہو گیا۔ محمدؐ بن کثیر نے بھی تلوار گھسیٹ لی اور ابن زیاد کی طرف لپکے لیکن حاضرین دوڑ پڑے اور محمدؐ کو گھیر لیا۔ ان کے اور ابن زیاد کے بیچ میں حائل ہو گئے۔ چالاک غلام معقل بھی موجود تھا جس کو ہانی بن عروہ نے پہلے ہی کافی زخمی کر دیا تھا مگر وہ وفاداری کے جوش میں محمدؐ بن کثیر پر حملہ آور ہوا لیکن جیسے ہی نزدیک آیا محمدؐ بن کثیر نے ایک ہی ہاتھ میں اس کے دو ٹکڑے کر دیئے ابن زیاد تو یہ منظر دیکھتے ہی وہاں سے رفو چکر ہو گیا اور اپنے غلاموں کو آواز دی کہ بس اب جلدی کرو اور محمدؐ کو زندہ نہ چھوڑنا غلاموں اور سپاہیوں نے محمدؐ بن کثیر کو حلقہ میں لے لیا اور ہر طرف سے حملہ شروع کر دیا۔ محمدؐ انتہائی بہادری سے ان کا مقابلہ کرتے رہے اور دایاں بائیں تلوار چلاتے رہے اسی گیر و دار میں ان کا پیر اُلجھا اور منھ کے بھل زمین پر گر پڑے یہ موقع غنیمت جانتے ہوئے سپاہیوں نے محمدؐ کو قتل کر ڈالا۔ ان کا بیٹا بھی جنگ کر رہا تھا اور دار الامارۃ کے دروازے کی طرف لڑتا ہوا جا رہا تھا تاکہ دروازے سے باہر چلا جائے۔ یہ بھی باپ کی طرح بڑا دلیر اور بہادر تھا اور آخر دروازے کے قریب پہونچ گیا۔ اس وقت تک اس نے بیس آدمیوں کو تہہ تیغ کر دیا تھا لیکن عین اس وقت جب وہ دروازے پر تھا پیچھے سے ایک غلام نے جا کر اس پر نیزے سے حملہ کر دیا جس سے وہ مجبور ہو گیا زمین پر گر گیا باہر نہ نکل سکا اور آخر کار قتل کر دیا گیا۔

دارالامارۃ کے باہر شامی فوج اور کوفہ کے قبائل میں جنگ ہو رہی تھی۔ ابن زیاد نے لوگوں سے کہا کہ کوفہ کے لوگ محض محمّد بن کثیر کی وجہ سے یہاں جمع ہوئے ہیں اگر ان کو اس کا علم ہو جائے گا کہ وہ قتل کر دیئے گئے تو ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور پھر وہ نہیں لڑیں گے۔ ان دونوں کے سر تن سے جدا کر دیئے جائیں اور کوفہ والوں کی طرف پھینک دیئے جائیں تاکہ اُن کو یقین ہو جائے کہ جن کے لئے وہ جنگ کرنے آئے تھے وہ اب زندہ نہیں ہیں، ایسا ہی کیا گیا محمّد بن کثیر اور اُن کے فرزند کے سر کاٹ کر قصر سے باہر پھینک دیئے گئے۔ مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور قبائل کوفہ برابر بہادری سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی پھر کچھ یہ عجیب اتفاق ہوا کہ رات ہوتے ہی کوفہ والے اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے اور ایک آدمی بھی دارالامارۃ کے قریب باقی نہ رہا بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ محمّد بن کثیر اور اُن کے لڑکے کی موت نے اُن کے حوصلے پست کر دیئے تھے مگر وہ نمائشی طور پر جنگ کر رہے تھے۔ جب یہ حالات حضرت مسلم بن عقیل کو معلوم ہوئے تو اُن کو بڑا صدمہ ہوا اور وہ محمّد بن کثیر کے گھر سے باہر آ گئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے گلی کوچوں کا طواف کرنے لگے اُدھر ابن زیاد کو بھی کوفہ والوں سے بڑا خوف تھا اور اُسے اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اُس نے بڑی احتیاطی تدابیر اختیار کی تھیں۔ اور شہر کو مختلف حصّوں میں تقسیم کر کے فوج کے سپرد کر دیا تھا اور ہر جگہ فوجیوں کا سخت پہرا لگا ہوا تھا۔ حضرت مسلم روانہ ہو کر شہر کی اُس سمت گئے جہاں اتفاق سے ابن زیاد کا فوجی کیمپ قائم تھا اور بارہ ہزار فوجی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور تمام گزرگاہوں کی نگرانی کر رہے تھے۔ اُن میں سے کسی نے مسلم کو دیکھ لیا مگر پہچانتا نہ تھا پوچھا تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو آپ نے فرمایا میں اپنی قوم کے

پاس جا رہا ہوں اُس نے کہا کہ راستے بند ہیں اس طرف جانے کی کسی کو اجازت نہیں ہے مسلم بن عقیل نے یہ سُنکر اپنا راستہ بدل دیا۔ اور دوسری طرف روانہ ہو گئے اُس طرف خالد بن عُبیداللہ بن زیاد دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا وہاں کی حالت دیکھکر اُس راستہ کو بھی ترک کر دیا۔ داہنی اور بائیں طرف دیکھتے ہوئے آگے بڑھے۔ بازار "کُناسہ" پہونچے وہاں خادم شامی دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ پہرا دے رہا تھا وہاں سے بھی پلٹے اور بازار بخاران (بخار بڑھئی) کی طرف رُخ کیا۔ کُناسہ کی طرف سے پلٹتے ہوئے ایک شخص سے ملاقات ہو گئی جس کا حارث نام تھا اس نے جب دیکھا کہ ایک سوار بڑی عجلت سے واپس جا رہا ہے تو خیال کرنے لگا کہ ہو نہ ہو یہ مسلم بن عقیل ہیں یہ صبح کے قریب کا وقت تھا بس اُجالا ہونے ہی والا تھا وہ بھاگا ہوا دارالامارہ گیا اور نعمان (دربان) سے کہا کہ میں نے ابھی ابھی مسلم بن عقیل کو دیکھا ہے کہ وہ نجاروں کے بازار کی طرف جا رہے تھے اور بصرہ کی طرف رُخ تھا۔ لقمان پچاس سواروں کو ہمراہ لے کر فوراً روانہ ہو گیا جب حضرت مسلم نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنی اور محسُوس کیا کہ اُن کا رُخ آپ ہی کی جانب ہے تو سمجھ گئے کہ کسی نے مجھے دیکھ لیا ہے اور میری تلاش شروع کر دی ہے فوراً گھوڑے کو چھوڑ دیا اور خود پیادہ ہو کر ایک دوسرے راستہ سے آگے بڑھ گئے۔ سوار جب اُس جگہ پہونچے تو اُس گھوڑے کے نشانات قدم دیکھ دیکھ کر چلنے لگے۔ جب حلّاجوں (روئی دُھننے والے) کے محلّہ میں پہونچے تو گھوڑے کو پالیا مگر دیکھا تو سوار موجود نہ تھا۔ گھوڑے کو گرفتار کر لیا اور فوراً واپس جا کر ابن زیاد کو اس واقعہ کی خبر دی۔ اُس نے فوج کو پھر تاکید کی کہ شہر کے تمام دروازوں پر پہرا سخت کر دیا جائے اور شہر کے تمام گلی کوچوں پر سپاہی مقرر

معین کر دیئے جائیں تاکہ مُسلم کوفہ سے باہر نہ جا سکیں اور ساتھ ہی مُنادی نے شہر میں ندا دی کہ جو شخص مُسلم کو ہمارے پاس لے آئے گا یا ہمارے آدمیوں کو مُسلم کا پتہ بتا دے گا اُس کو بڑا انعام ملے گا لالچی لوگ یہ سُنکر حضرت مُسلم کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے اور دن رات اُنکی فکر میں بسر کرنے لگے اُدھر حضرت مُسلم لُغمان کے سواروں کو دیکھکر گھوڑے کو چھوڑ چکے تھے اور پیادہ چاروں طرف رواں دواں اور بے حد پریشان تھے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائیں، بھوک پیاسے اِس راہ سے اُس راہ اور اِس محلّہ سے اُس آبادی میں گھوم رہے تھے اور کوئی یارو مددگار ساتھ نہ تھا جو علیؑ کے بھتیجے اور حسینؑ کے چچا زاد بھائی اور سفیرِ اہلبیت کا شریک ہوتا پھرتے پھرتے ایک کوچہ میں پہونچے اور یہ سمجھے کہ اِس گلی سے آگے جانے کا راستہ مِلجائے گا لیکن تھوڑی دور بڑھے تو دیکھا کہ اُس گلی میں کسی طرف باہر جانے کا راستہ موجود نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے داہنے بائیں دوڑنے لگے مگر کوئی راستہ دستیاب نہ ہو سکا تھوڑے فاصلہ پر ایک پُرانی اور شکستہ مسجد نظر آئی اُس میں تشریف لے گئے اور اُس کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر تھوڑی دیر آرام کیا یہاں تک کہ دن گزر گیا، آفتاب غروب ہوا اور تاریکی شب فضا پر محیط ہو گئی اُس وقت نماز و وظائف سے فراغت کے بعد مسجد سے باہر آئے پھر کوشش کی مگر کوئی راستہ نہ ملا آخر بنو جبلہ کے مکانوں کی طرف گزر ہوا ایک مکان پر نگاہ پڑی ڈیوڑھی پر ٹھہر گئے تاکہ کچھ آرام کر یں یہ ایک کنیز کا گھر تھا جس کا طوعہ نام تھا پہلے یہ اشعث بن قیس کی کنیز تھی اور جب اُس نے آزاد کر دیا تو اُسید حضرمی کے نکاح میں آئی اِسی شوہر سے اس کا ایک فرزند بھی تھا جس کا نام بلال تھا۔ یہ بلال اپنے کاموں میں صبح کو گھر سے نکلا تھا اور شب تک واپس نہیں آیا تھا۔ شہر کی حالت کو معلوم

ہی تھی طوعہ اپنے لڑکے کی فکر میں پریشان حال اپنے دروازے ہی پر بیٹھی انتظار کر رہی تھی کہ حضرت مسلم وہاں پہونچے۔ آپ نے اُسے سلام کیا اس نے جواب دیا۔ فرمایا۔ اے کنیز خدا! مجھے تھوڑا سا پانی دیدے بہت پیاسا ہوں۔ طوعہ دوڑی ہوئی گئی اور پانی لے آئی۔ آپ نے پیا اور خدا کا شکر ادا کیا پھر وہیں بیٹھ گئے۔ طوعہ گھر میں گئی پھر باہر آئی تو دیکھا کہ مسافر ابھی تک وہیں بیٹھا ہوا ہے تو ڈری اور کہا، اے بندۂ خدا آپ نے پانی پی لیا اچھا اب آپ اپنے گھر چلے جائیے حضرت مسلم نے کوئی جواب نہ دیا اُس نے دوبارہ کہا مگر آپ خاموش رہے تیسری بار وہ گھبرا کر کہنے لگی۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا عَبْدَ اللّٰهِ قُمْ عَافَاكَ اللّٰهُ إِلَىٰ أَهْلِكَ فَإِنَّهُ لَا يَصْلُحُ لَكَ الْجُلُوسُ عَلَىٰ بَابِي "اے بندۂ خدا خدا تیرا بھلا کرے اب اپنے گھر جا تیرا یہاں میرے مکان پر بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔ اُس وقت حضرت مسلم کھڑے ہو گئے اور فرمایا یَا أَمَةَ اللّٰهِ مَا لِي فِي هٰذَا الْمِصْرِ أَهْلٌ وَلَا عَشِيرَةٌ فَهَلْ لَكِ فِي أَجْرٍ وَمَعْرُوفٍ وَلَعَلِّي مُكَافِئُكِ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ۔ اے کنیز خدا میرا اس شہر میں کوئی مکان نہیں ہے نہ میرے اقرباء ہیں جہاں میں چلا جاؤں کیا تو میرے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے گی، ثواب حاصل کرے گی اور مجھے ٹھہرنے کی جگہ دے گی، میں آج کے بعد تجھے اس کی جزا دوں گا اور اُس نیکی کی تلافی کر دوں گا طوعہ نے کہا اچھا بتاؤ تمھارا نام کیا ہے، کون ہو، اور کہاں سے آئے ہو؟

آپ نے فرمایا۔ اے کنیز خدا میرا نام مسلم بن عقیل ہے۔ اس شہر کے لوگوں نے مجھے بلایا تھا اور جب میں آگیا تو میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ مسلم نام سنتے ہی اس نے مکان کا دروازہ کھول دیا اور ادب سے عرض کی گھر کے اندر تشریف لائیے۔ طوعہ نے آپ کو اپنے گھر کے ایک حصہ میں ٹھہرا دیا اور خود آب و غذا کے اہتمام میں مصروف ہو گئی مسلم ٹھہر تو گئے مگر شب کو کھانا نہیں کھایا کچھ

رات گئے اُس کا فرزند بلال واپس آیا تو اس نے اپنی ماں کو دیکھا کہ وہ گھر کے ایک حصّہ میں بار بار جاتی ہے اور آتی ہے اُس کو فکر ہو گئی آخر ماں سے دریافت کیا کہ آپ آج بار بار اس طرف کیوں آتی جاتی ہیں کیا خاص بات ہے ؟ آپ کو تو کبھی میں نے اس طرح اُدھر جاتے نہیں دیکھا۔ طوعہ نے جواب دیا کہ تجھے اس سے کیا تعلق کہ میں کہاں جاتی ہوں اور کہاں نہیں جاتی تو تھکا ہوا آیا ہے اب سو جا۔ لڑکے نے بڑی منّت وسماجت کی کہ آپ مجھے ضرور بتا دیجئے کہ اس میں کیا راز ہے ورنہ فکر سے مجھے نیند نہیں آئے گی جب اُس نے بہت زیادہ اصرار کیا تو طوعہ نے کہا کہ مجھ سے اس کا عہد کر کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرے گا، اُس نے عہد کیا اور قسمیں کھائیں کہ وہ حکم کی تعمیل کرے گا اس وقت طوعہ نے حضرت مسلم بن عقیل کے آنے کا واقعہ بیان کر دیا اُدھر عبیداللہ بن زیاد کو بھی مُسلم کی بڑی تلاش تھی اُس نے دیکھا کہ یکبارگی مسلم اور اصحاب مسلم کا تذکرہ زبانوں سے محو ہو گیا اور کہیں مُسلم کا پتہ و نشان باقی نہ رہا اُسے بڑی فکر پیدا ہو گئی کہ یہ ماجرا کیا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ مسلم کسی جگہ برخاموشی سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اور جب تیاری مکمل ہو جائیگی تو ایکدم سے حملہ کر دیں گے اور میں بے خبری میں مارا جاؤں گا اسی لئے اُس نے دارالامارۃ کے دروازے کھولنے کا فرمان جاری نہیں کیا اور احتیاطاً اُن کو بند ہی رکھا اور مسجد میں بھی آنا کر دیا بالآخر ایک روز اس نے حکم دیا کہ مسجد کے قرب وجوار میں ہر جگہ پوری تفتیش کی جائے اور اطمینان کر لیا جائے کہ کوئی سازش تو نہیں ہے۔ لوگوں نے اچھے طریقہ سے مسجد کا گوشہ گوشہ تلاش کر لیا، تاریک حجروں اور کنووں میں چراغ کی مدد سے ایک ایک جگہ دیکھ لی اور جب پورا اطمینان ہو گیا تو ابن زیاد کو خبر کی کہ اب کوئی خطرہ باقی نہیں ہے اُس وقت اُس نے حکم دیا کہ جو دروازہ قصر کا مسجد کی طرف کھلتا تھا

اور بند کر دیا گیا تھا اس کو کھول دیا جائے پھر خود مسجد میں آیا محافظ دستہ ساتھ تھا نماز عشاء کے وقت کا انتظار تھا عمرؔ بن نافع سے کہا کہ تم شہر میں یہ منادی کر دو "تمام لوگ آگاہ ہو جائیں کہ اُن لوگوں کی جان اور مال و دولت کی حفاظت کی ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے خواہ وہ پولیس کے ہوں، فوج کے ہوں، حکام ہوں یا رعیّت سے تعلق رکھتے ہوں، جو آج نماز عشاء مسجد کوفہ میں نہ پڑھیں یہ اعلان سنتے ہی مخلوق ٹوٹ پڑی اور مسجد النساؤں سے چھلکنے لگی۔ محافظ دستے کے لوگ ابن زیاد کی نشست کی طرف کھڑے ہو گئے اور اُسنے نماز جماعت ادا کی پھر منبر پر گیا اور کہنے لگا اَمَّا بَعۡدُ اِبۡنُ عَقِيۡلِ السَّفِيۡهُ الۡجَاهِلُ قَدۡ اَتٰى مَا رَاَيۡتُمۡ مِنَ الۡخِلَافِ وَالشِّقَاقِ فَبَرِئَتۡ ذِمَّةُ اللّٰهِ مِنۡ رَجُلٍ وَجَدۡنَاهُ فِيۡ دَارِهٖ وَمَنۡ جَاءَ بِهٖ فَلَهٗ دِيَتُهٗ، اِتَّقُوا اللّٰهَ عِبَادَ اللّٰهِ وَالۡزَمُوۡا طَاعَتَكُمۡ وَبَيۡعَتَكُمۡ وَلَا تَجۡعَلُوۡا عَلٰى اَنۡفُسِكُمۡ سَبِيۡلًا"، کہنے لگا ایّھا الناس تم نے دیکھ لیا کہ مسلم بن عقیل (پھر وہ الفاظ استعمال کئے جن کا ترجمہ کرنا خلاف تہذیب ہے) نے کیا ہنگامہ برپا کیا تھا اور مسلمانوں میں کیسی پھوٹ ڈالی تھی۔ پھر کہنے لگا کہ اُس شخص کے جان و مال کی کوئی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے جس کے گھر میں ہم نے اُن کو پایا اور جو اُن کو ہمارے پاس لے آئے گا اُس کو انعام ملے گا اے خدا کے بندو! خدا سے ڈرو اور یزید کی بیعت و اطاعت پر ثابت قدم رہو اور اپنے نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس کے بعد حصین بن تمیم تمیمی کو کوتوال شہر کو بلاکر کہا کہ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے اگر تو کوفہ کے کوچہ و بازار میں پہرے نہ لگادے اور پوری نگرانی کا انتظام نہ کرے تاکہ اگر مسلم بن عقیل کسی مکان سے نکلیں تو انھیں گرفتار کر لیا جائے اور اُن کی گردن میں ہاتھوں کو کس کر میرے پاس حاضر کیا جائے دیکھ اسی غرض کے لئے میں تجھے پورے

کوفہ کے گھروں پر حکومت دیتا ہوں تاکہ تو کوفہ کی پوری ناکہ بندی کر سکے اور تمام عورت و مرد کے راستے بند کر دے اور ایک ایک گھر گھر کی تفتیش کر سکے اور شہر کا کوئی گوشہ نہ چھوڑے یہ سن کر حصین بن تمیم تمیمی کار منصبی پر روانہ ہو گیا اور خود ابن زیاد دارالامارۃ میں داخل ہو گیا اور عمرو بن حریث کو علم لشکر دے کر فوج کی سرداری سپرد کر دی۔ رات گذری جب صبح ہوئی تو لوگوں کو دارالامارۃ میں اذن دخول دیا گیا۔ محمد بن اشعث حاضر ہوا۔ ابن زیاد نے اس کی بڑی تعریف و توصیف کی اور بنی امیہ سے اس کی ارادت و عقیدت کی ثنا و صفت کرتا رہا اور اپنے پہلو میں جگہ دی وہاں حضرت مسلم نے شب کو خواب دیکھا جس کی وجہ سے روتے ہوئے اٹھے اور سمجھ گئے کہ میرا قتل نزدیک ہے، روئے اس لئے نہیں کہ موت سے ڈرتے تھے بلکہ اس لئے کہ امام حسین کو لکھ چکے تھے کہ تشریف لائیے، طوعہ آئی اور عرض کی اے میرے سید و آقا آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں خیر تو ہے؟ فرمایا، میں نے خواب میں اپنے چچا امیرالمومنین علی بن ابیطالب علیہ السّلام کو دیکھا وہ فرما رہے ہیں کہ "مسلم! اب تم جلدی آ جاؤ۔ دیر نہ کرو، اور مجھے یقین ہے کہ اب میری حیات کے یہ آخری لمحات ہیں"

ادھر بلال بھی خواب سے بیدار ہو گیا اور جلدی جلدی دارالامارۃ پہونچا اور آواز دی۔ "النّصیحۃ النّصیحۃ"، اس کا باپ حضرمی موجود تھا اس نے پوچھا بیٹا! کیسی نصیحت ہے اور کیا خبر ہے۔ بتاؤ تو! اس نے کہا میری ماں نے امیر کے دشمن کو پناہ دی ہے اور وہ میرے ہی گھر میں ہے یعنی مسلم بن عقیل اسید نے یہ خبر سنتے ہی محمد بن اشعث کو اطلاع دی اور اس نے ابن زیاد کو آگاہ کر دیا۔ اس نے یہ خبر سنتے ہی بلال کو طوق زرّین اور تاج زر انعام میں دیا اور ایک قیمتی گھوڑا بھی دیا پھر محمد بن

اشعث کو بلا کر پانچ سو سواروں کے ساتھ طوعہ کے گھر کی طرف روانہ کر دیا۔ ابن اشعث نے اس گھر کو حصار میں لے لیا اور چاروں طرف سے تمام راستے بند کر دئیے جب تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی آوازیں حضرت مسلم کے کانوں تک پہونچیں تو فرمانے لگے کہ یہ لوگ صرف میری جستجو میں یہاں آرہے ہیں ہاں طوعہ! اے کنیز خدا میرا اسلحۂ جنگ مجھے اب دیدے پھر اٹھے اور کمر کو مضبوط باندھا، زرہ پہنی، تلوار کھینچی پھر بپھرے ہوئے شیر کی طرح جست کی عمرو بن دینار اور دوسروں نے بتایا ہے کہ حضرت مسلم کے بازوؤں میں اتنی طاقت تھی کہ اگر وہ کسی کو پکڑ کر اچھال دیتے تھے تو وہ مکان کی چھت پر گرتا تھا غرض یہ انقلاب دیکھکر طوعہ دستِ ادب باندھ کر حاضر ہوئی اور عرض کی مولا! میں تو یہ دیکھ رہی ہوں کہ اب آپ مرنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں فرمایا خدا کی قسم موت سے اب کوئی چارہ نہیں باقی نہیں یہ کہا اور کہتے ہی برق کی طرح کوند کر گھر سے باہر آگئے اور تلوار کو جنبش دینا شروع کیا۔ اس بہادر کی تلوار جس کو موت کا یقین ہو اور بچنے کی تمنا نہ ہو۔ اس بہادر کی تلوار جس کی رگوں میں ہاشمی خون کروٹیں لے رہا ہو، اس بہادر کی تیغ جس پر حسین کو فخر ہو۔ امام حسین کے بھائی کی تلوار، علی کے بھتیجے کی تلوار، کون تھا جو سامنے ٹھہرتا اور مقابلہ کی تاب لاتا۔ لاشے گرنے لگے اور مسلم کی خون آشام تیغ موت اور عذاب الٰہی کا پیغام بن کر ابن زیاد کے کمینے اور خود غرض غلاموں کے خرمنِ حیات پر بجلیاں گرانے لگی اور پہلے ہی حملہ میں حضرت مسلم کی تیغ نے اکیس اشقی فوجیوں کو خاک پر لوٹتا ہوا چھوڑ دیا یہ دیکھکر سواروں کے قدم اکھڑ گئے اور محمد بن اشعث نے فوراً دارالامارۃ کی طرف آدمی روانہ کئے اور ابن زیاد سے کہلوایا کہ اور کمک جلدی روانہ کرو ورنہ مسلم ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ ابن زیاد نے پانچ سو سوار

روانہ کئے اور پھر جنگ شروع ہو گئی مُسلم اکیلے اور ادھر کمک پر کمک آ رہی ہے مگر کسی کی مجال نہ تھی جو بنی ہاشم کے اس شیر کے قریب آ سکتا حضرت مُسلم نے پھر شدید حملہ کر دیا اور پھر وہی حالت ہونے لگی جو سامنے آیا وہ گرا، جو قریب آیا وہ قتل ہوا اور جب بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو سپاہی گلیوں میں بھاگنے لگے محمدؒ نے گھبرا کے پھر ایلچی روانہ کیا کہ ابن زیاد جلد ہی خبر لے اور کمک روانہ کر ورنہ لڑائی کا پانسا پلٹ جائے گا اور کہلوایا کہ امیر سوار ہی نہیں بلکہ پیادے بھی روانہ کر اب کوئی باقی نہیں رہا ہے یا قتل ہو چکا ہے یا زخمی ہے۔ ابن زیاد کو یہ سن کر غصہ آیا اور کہا۔ محمد بن اشعث! تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے اور تیرا نام و نشان باقی نہ رہے صرف ایک شخص نے اتنے آدمی قتل کر دیئے تو پھر اس وقت تمھارا کیا حال ہوتا اگر تم کو ہم اُس شخص کے مقابلہ میں روانہ کرتے جو مُسلم سے بھی زیادہ بہادر ہے اور جسکی صولتِ جنگ اور شجاعت و بسالت مُسلم کی بہادری سے کہیں بڑھی چڑھی ہوئی ہے، اُس کا رعب و دبدبہ ان سے بھی زیادہ ہے۔ اور اُس کا زور بازو ان سے کہیں زیادہ ہے تو پھر تیرا کیا حشر ہوتا۔ مطلب یہ تھا کہ یہ مُسلم کی جنگ ہے جس نے تمھاری ہمتیں پست کر دیں اور حوصلے توڑ دیئے اگر حسینؑ سے لڑو تو کیا ہو گا۔ ابن اشعث سے یہ سن کر رہا نہ گیا اور فوراً جواب دیا:۔

اَیُّھَا الْاَمِیْرُ اَتَظُنُّ اَنَّکَ بَعَثْتَنِیْ اِلٰی بَقَّالٍ مِّنْ بَقَّالِی الْکُوْفَۃِ اَوْ اِلٰی جَرْمَقَانِیٍّ مِّنْ جَرَامِقَۃِ الْحِیْرَۃِ اَوَ لَمْ تَعْلَمْ اَنَّکَ بَعَثْتَنِیْ اِلٰی اَسَدٍ ضِرْغَامٍ وَّسَیْفٍ حُسَامٍ فِیْ کَفِّ بَطَلٍ ھُمَامٍ مِّنْ اٰلِ خَیْرِ الْاَنَامِ ھٰذَا مُسْلِمُ بْنُ عَقِیْلٍ عَمُّہٗ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ۔

محمد بن اشعث کہتا ہے کہ ابن زیاد! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو نے مجھے "کوفہ" کے کسی سبزی فروش یا "حیرۃ" کے کسی موچی کے مقابلہ کے لئے بھیجا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ تو نے مجھے گرجتے ہوئے شیر کے سامنے روانہ

کیا ہے اور ایک ایسی صاعقہ بار تلوار کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا ہے جو اُس شخص کے ہاتھ میں ہے جس کی رگوں میں محمدؐ عربی کا خون ہے جو میدان کارزار کا شہسوار اور تیغ کا دھنی ہے یہ سنکر ابن زیاد نے پھر محمد بن اشعث کو پانچ سو سپاہی اور پیغام بھیجا کہ بس مُسلم کو امان دیدو۔ پیغام امن سے قبل جنگ دوبارہ شروع ہو چکی تھی اور حضرت مسلم کی تیغ نے خون اُگلنا شروع کر دیا تھا۔ آپ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

هُوَالْمَوْتُ فَاصْنَعْ وَيْكَ مَا اَنْتَ صَانِعٌ ـ فَاَنْتَ بِكَاْسِ الْمَوْتِ لَاشَكَّ جَارِعٌ فَصَبْرٌ لِاَمْرِ اللّٰهِ جَلَّ جَلَالُهٗ ـ فَحُكْمُ قَضَاءِ اللّٰهِ فِى الْخَلْقِ ذَائِعٌ

مُراد یہ ہے کہ اے میرے نفس تو جو چاہے کر لے اب تو موت آہی رہی ہے اور جام مرگ پینا ہی ہے خدائے جلیل کے حکم و مشیّت پر صبر کر کیونکہ فیصلۂ خداوندی سے اُس کی مخلوق کو کوئی مفر نہیں۔" یہ کہا اور پھر حملہ کیا اور پھر تلوار کی بجلی نے کوندنا شروع کر دیا لومڑ صفت سپاہی، ذلیل اور کمینے انسانی درندے اور کوفہ و شام کا یہ لشکر مع محمد بن اشعث گلی کوچوں میں چھپتا پھر رہا تھا اور فرزندِ عقیل اور جعفر و علی کے بھتیجے حضرت مُسلم سے آنکھ ملانے والا کوئی نظر نہیں آرہا تھا، موت کو بھی ضد تھی کہ آج کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گی اور ہاشمی خون کی گرمی دارالامارۃ کو ابن زیاد کے لئے جہنّم بنا دے گی۔ حضرت مُسلم کے حملوں سے اُن روباہوں کا یہ عالم تھا کہ بھاگنے میں ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا مگر پھر اکیلا دیکھکر یہ ٹڈی دل اکٹھا ہوتا تھا اور گھیر گھیر کر زخم لگانے کی کوشش کرتا تھا آخر کچھ بن نہ پڑا تو محمد بن اشعث نے آواز دی کہ اے مسلم بن عقیل امیر ابن زیاد نے تم کو امان دے دی ہے۔ اب جنگ بیکار ہے۔ لڑنا بند کر دو۔ یہ سُنکر حضرت مُسلم نے جواب دیا، میں نے تمھیں امان نہیں دی ہے۔ اے خُدا و رسولؐ کے دشمنو! حضرت مُسلم رجز پڑھتے جاتے تھے اور

پے در پے حملہ کر رہے تھے۔ اسی عالم میں بکر بن حمران کی دیوار سے پُشت لگا کر کچھ دیر آرام کیا یکبرؔ بھی مشہور بہادر تھا گھر سے باہر آیا اور حضرت مسلم کے سامنے جا کے حملہ کیا اور انھوں نے بھی جواب دیا کچھ دیر دونوں اُلجھے رہے ناگاہ بکرؔ کو موقع ملا تو اس نے آپ کے دہن مبارک پر وار کیا اور آپ کا اوپر کا ہونٹ کٹ گیا اسی حالت میں آپ نے اُس پر حملہ کیا اور حضرت مسلم کی تلوار اُس کے سر میں اُتر گئی کچھ لوگ اور بڑھے اُن کو بھی قتل کیا جب آپ کو شکست دینے کی تمام کوششیں بیکار ہو گئیں تو لوگ مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور وہاں سے پتھروں کی بارش شروع کر دی اور نرکل میں آگ لگا کر حضرت مسلم پر آگ بھی پھینکنا شروع کر دی یہ حالت دیکھکر آپ ایک گوشہ میں ہٹ گئے تاکہ آگ اور پتھروں سے محفوظ ہو جائیں پھر بزدل کوفیوں سے خطاب فرمایا۔

مَالَكُمْ تَرْمُوْنِيْ بِالْاَحْجَارِ كَمَا تُرْمَى الْكُفَّارُ وَاَنَا مِنْ اَهْلِ بَيْتِ الْاَنْبِيَاءِ الْاَبْرَارِ اَلَا تَرْعُوْنَ حَقَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْ ذُرِّيَّتِهٖ "

اے کوفیو! تم کو کیا ہو گیا ہے تم میرے اوپر پتھر برسا رہے ہو جیسے کافروں پر اور مشرکوں پر برسائے جاتے ہیں حالانکہ میں تو انبیاء کے اہل بیت میں سے ہوں کیا تم رسول اللہؐ کی ذرّیت کے حق کی رعایت نہ کرو گے اُس وقت ایک کوفی محمد بن اشعث کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے اسی جگہ ایک گڑھے کو خس و خاشاک سے ڈھک دیا ہے اب بہتر یہ ہے کہ سب کے سب ملکر ان پر حملہ کریں اور جب وہ غصہ میں آکر جوابی حملہ کریں تو مصنوعی پسپائی اسی راستہ سے کی جائے جدھر وہ گڑھا ہے مسلم کو جوش شجاعت میں کچھ نظر نہ آئے گا اور وہ اسی گڑھے میں گر جائیں گے۔ پھر اس وقت ان کا گرفتار کر لینا آسان ہو جائے گا۔ محمد بن اشعث نے اس رائے کو پسند کیا اور جس طرح اُس شخص نے بتایا تھا اسی طرح

حملہ کیا گیا اور وہی ہوا کہ حضرت مسلم نے جوابی حملہ کیا اور لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں، لشکر پسپا ہونے لگا مگر اب کی یہ پسپائی بڑے مکر و فریب کے ساتھ عمل میں لائی گئی آخر لڑتے لڑتے حضرت مسلم اسی گڑھے کی طرف آ گئے اور جوش شجاعت میں سمجھ نہ سکے کہ یہاں گڑھا ہے اور اس پر گھاس پھوس ڈال کر اسے ڈھک دیا گیا ہے بس اس پر قدم پڑتے ہی آپ زمین کے نیچے پہونچ گئے یہ دیکھتے ہی لشکر بھاگا ہوا سمٹ آیا اور اس گڑھے کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور نیزوں اور تلواروں سے زخم پر زخم لگائے جانے لگے محمد بن اشعث خود آگے بڑھا اور آپ کے چہرے پر ایسی تلوار لگائی جو دہن اقدس میں اُتر گئی اور بہت سے دانت کٹ کے گر گئے ایک دوسرے سنگدل نے پشت پر نیزہ مارا جس کے صدمے سے حضرت مسلم جھوم کر زمین پر گر گئے۔ پھر اسی طرح خاک و خون میں غلطاں دارالامارہ کے دروازے پر لائے گئے عمارہ بن عقبہ بن ابی معیط اور عمرو بن حریث، مسلم بن عمرو، اور کثیر بن شہاب بھی وہاں موجود تھے ان کے قریب سرد پانی کا ایک بڑا ظرف رکھا ہوا تھا حضرت مسلم پیاسے تھے سر سے پاؤں تک خون میں ڈوبے ہوئے اور زخمی تھے خون رگ رگ سے اُبل رہا تھا ظاہر ہے کہ پیاس کتنی ہوگی آخر رہا نہ گیا اور اس سنگدل گروہ سے فرمایا کہ پیاسا ہوں مجھے تھوڑا پانی دے دو۔ مسلم بن عمرو نے کہا اے پسرِ عقیل دیکھتے ہو یہ کتنا ٹھنڈا پانی ہے مگر خدا کی قسم ایک قطرہ بھی اس میں سے تم کو نہیں ملے گا اور اس کے بعد اس نے کچھ ایسا ہی جملہ استعمال کیا جس کا ترجمہ کرنے کی مجھ میں قوت نہیں ہے۔

حضرت مسلم نے پوچھا تو ہے کون؟ نام اور قبیلہ تو بتا! کہنے لگا میں وہ ہوں جس نے حق کو اس وقت پہچانا جب تم نے حق سے انکار کیا تھا اور میں نے اپنے امام سے سچّی اور پُرخلوص عقیدت کا ثبوت دیا جب کہ تم نے اس کو دھوکا دیا اور میں نے اس کی اطاعت کی جبکہ

تم نے اس امام یعنی یزید کی مخالفت کی، میرا نام مسلم بن عمرو الباھلی ہے
آپ نے جواب دیا کہ تو کس قدر سنگدل ہے اور کتنا ظالم و قسیّ القلب ہے
اے ابن باھلہ! جہنم میں جانے کے لائق تو خود ہی ہے اور جہنم کے آب گرم
کے پینے کا تجھ ہی کو استحقاق ہے حضرت مسلم کی اس حالت اور پیاس کو
دیکھکر عمرو بن حریث نے اپنے غلام سے کہا کہ پانی مسلم کو پلا دو۔ اس نے
پانی ایک ظرف میں اُنڈیل کر حضرت مسلم کو دیا لیکن جب آپ نے
پانی پینا چاہا تو منھ کے خون سے پیالہ بھر گیا غلام کو واپس دیا کہ اسے
پھینکدے اس نے پھر پانی دیا اب کی پھر پانی خون ہو گیا اور جب تیسری
مرتبہ ارادہ کیا تو دہن کا ایک کٹا ہوا حصّہ پیالے میں گر گیا۔ فرمایا۔
خدا کی حمد و ثنا اگر اس پانی کا پینا میرے مقدّر میں ہوتا تو میں ضرور پی
لیتا مگر اب میری قسمت ہی میں پانی نہیں ہے! اُٹھکر بیٹھ گئے اور دیوار
سے تکیہ لگا لیا پھر رونے لگے یہ دیکھکر ایک شخص نے کہا اِنَّ من
یَطْلُبُ مِثْلَ الَّذِیْ طَلَبْتَ اِذَا نَزَلَ بِہٖ مِثْلُ مَا نَزَلَ بِکَ لَمْ
یَبْکِ" وہ شخص جو اُس مقصد کا طلبگار ہو جس کو تم نے طلب کیا
تھا جب اُس پر وہ مصیبت نازل ہو جو تم پر نازل ہوئی تو وہ کبھی نہیں
روتا پھر تم کیوں روتے ہو۔
فرمایا۔ خدا کی قسم میں اپنی جان کے لئے نہیں روتا اگرچہ مجھے اپنی
جان عزیز ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی میں اس کو تلف کرنا پسند نہیں
کرتا لیکن حقیقتہً میں روتا ہوں اپنے اُن گھر والوں کے لئے جو میری
طرف آرہے ہیں میں روتا ہوں امام حسین کے لئے اور اولادِ حسین
کے لئے کہ وہ اس کوفہ کی طرف آرہے ہیں اور یہاں کے لوگ بے وفا
ہیں۔ اس کے بعد محمّد بن اشعث کی طرف رُخ کیا اور فرمایا۔
اے بندۂ خدا تو امان کا میرے لئے اعلان کر رہا تھا لیکن مجھے یقین
ہے کہ تو میرے لئے امان حاصل نہیں کر سکے گا۔ تو کیا ممکن ہے کہ میرے
ساتھ کچھ نیکی کا سلوک کرے؟ کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے کسی آدمی کو

مدینہ کی طرف روانہ کردے اور میری جانب سے میرے آقا حسین سے کہلوادے کہ میرے ماں باپ حضور پر سے فدا ہو جائیں مدینہ کی طرف پلٹ جائیے اور اپنے اہلبیت کو بھی واپس لے جائیے اور کوفہ کا رخ نہ کیجئے گا اُن کو بتادے کہ مسلم بن عقیل دشمنوں کے ہاتھوں میں قیدی ہے اور شاید دن نہ ڈھلنے پائے کہ وہ قتل ہو جائے گا۔ محمد بن اشعث مجھے یقین ہے کہ میرا آقا مکہ سے آج روانہ ہوا ہوگا یا زیادہ سے زیادہ کل روانہ ہوگا اور سب گھر والے بھی ہمراہ رکاب ہوں گے۔ اپنے قاصد سے کہنا کہ وہ میری طرف سے حسین کو بتادے کہ اہل کوفہ غدار ہیں ان کی باتوں میں نہ آئیے گا۔ یہ تو آپ کے اُس باپ کے مخالفین ہیں جو ان سے ہمیشہ نفرت کرتا رہا اور ہمیشہ ان سے جدائی کا متمنی تھا خواہ وہ موت کے ذریعہ سے ممکن ہو یا قتل کے ذریعہ سے وہ تو ایک لمحہ بھر بھی ان میں رہنا پسند نہیں کرتے تھے انھوں نے آپ سے جھوٹا وعدہ کیا اور جو جھوٹے ہوں اُن کی رائے کی کوئی وقعت و حیثیت نہیں ہوتی۔

محمد بن اشعث نے کہا خدا کی قسم میں وہی کروں گا جو میں نے کہا تھا اور ابن زیاد سے تم کو امان دلواؤں گا۔ اُس نے اندر اطلاع کی اور ابن زیاد نے ایک آدمی بھیجکر حضرت مسلم کو دارالامارۃ کے اندر بُلوالیا۔ عُبیداللہ سامنے بیٹھا ہوا تھا درباری لوگ صف بستہ حاضر تھے حضرت مسلم بن عقیل نے داخلہ کے وقت ابن زیاد کو سلام نہیں کیا فَقَالَ لَہٗ الحَرَسِیُّ سَلِّمْ عَلَی الْاَمِیْرِ فَقَالَ لَہٗ اُسْکُتْ وَیْحَکَ وَاللّٰہِ مَا ھُوَ لِیْ بِاَمِیْرٍ ایک محافظ سپاہی نے کہا مسلم! امیر کو سلام کرو۔! آپ نے جواب دیا" خاموش رہ! خدا کی قسم یہ میرا امیر نہیں ہے۔ ابن زیاد نے کہا کوئی حرج نہیں تم سلام کرو یا نہ کرو کوئی فرق نہیں پڑتا! کیونکہ بہر صورت تم کو تو اب قتل ہونا ہی ہے" فَقَالَ لَہٗ مُسْلِمٌ اِنْ قَتَلْتَنِیْ فَلَقَدْ قَتَلَ مَنْ ھُوَ شَرٌّ مِنْکَ مَنْ ھُوَ خَیْرٌ مِنِّیْ "، حضرت مسلم نے جواب دیا کہ اگر تو مجھے قتل کرے گا تو کوئی نئی بات نہ ہوگی کیونکہ تجھ سے کبھی بدتر لوگوں نے

خود مجھ سے بھی بہتر لوگوں کو قتل کیا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ خُبثِ
طبیعت اور بداطواری و بے حیائی میں تیرا کوئی ثانی نہیں ہے ابن زیاد
نے کہا کہ اپنی جان کی قسم میں زندہ نہیں چھوڑوں گا اور ضرور قتل
کروں گا حضرت مُسلِم نے کہا کہ اگر یہی ارادہ ہے تو مجھے اتنا موقع دے
کہ میں وصیّت کرلوں اُس نے کہا ہاں یہ ممکن ہے مُسلِم! یہ سنکر حضرت
مُسلِم نے چاروں طرف نظر دوڑائی کہ کوئی شناسا ملجائے۔ ناگاہ عُمر بن
سعد بن ابی وقاص پر نگاہ پڑی۔ اے عمر بن سعد! مجھ میں اور تجھ میں
قرابت و رشتہ داری ہے اور اس وقت مجھے ایک خاص ضرورت
ہے اور اس قرابت کی وجہ سے تجھ پر واجب ہے کہ میری حاجت کو پورا
کرے اور وہ ایک راز ہے۔ حضرت مُسلِم دشمن کے ہاتھوں قید تھے۔
اس لئے عُمر بن سعد نے اُنکی بات پر کوئی توجہ نہ کی۔ اس شقی القلب نے کچھ
اسقدر بے رحمی کی کہ خود ابن زیاد نے بھی اُس ظلم و ستم کے باوجود
اور اس قساوتِ قلبی کے باوجود جو اُس میں تھی کہا کہ تو اپنے ابن
عم کی وصیّت کو کیوں نہیں سُنتا۔ قریب آ! دیکھ یہ کیا کہتے ہیں۔
آخر عمر بن سعد آیا اور حضرت مُسلِم کو ایک گوشہ میں لے گیا اور پوچھا
کیا کہنا چاہتے ہو تم؟ آپ نے فرمایا پہلی وصیّت یہ ہے کہ میں گواہی
دیتا ہوں کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور
پھر اس کی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے عبد اور رسول ہیں اور علی خدا
کے ولی ہیں دوسری وصیّت یہ ہے کہ میں نے تمہارے شہر میں ایکہزار
درہم قرض لئے تھے اس قرضہ کو ادا کرنا ہے اس لئے میری زرہ کو فروخت
کرنا اور اس کی رقم سے میرے قرض کو ادا کر دینا تیسری وصیّت یہ
ہے کہ میرے آقا حسین بن علی کو لکھدو کہ وہ یہاں تشریف نہ لائیں
کیونکہ مجھے اس کی اطلاع مل چکی ہے کہ وہ عورتوں اور بچّوں کے ساتھ
روانہ ہو چکے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہاں آجائیں اور اُن کو وہی دن
دیکھنا پڑے جو میں نے دیکھا ہے۔ بس یہ میری وصیّتیں ہیں اُس کے

علاوہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

عمر بن سعد نے جواب دیا کہ جہاں تک کلمۂ شہادت کا تعلق ہے ہم سب اس میں متفق ہیں۔ دوسری بات جو تم نے زرہ کے متعلق کہی اس میں ہمیں اختیار ہوگا چاہیں گے تو فروخت کر دیں گے اور نہ چاہیں گے تو نہ فروخت کریں گے اور یہ تو ہماری مرضی پر ہوگا کہ ہم تمہارا قرضہ ادا کریں یا نہ کریں۔ آخری وصیّت جو تم نے حُسَین کے متعلق بیان کی ہے تو یہ سمجھ رکھو کہ اُن کو تو یہاں آنا ہے اور تمہاری طرح قتل ہونا ہے۔ پھر ابن زیاد کی طرف رُخ کیا اور کہا کہ امیر! تجھے معلوم ہے کہ مسلم نے کیا وصیّت کی ہے اور اُن کو کیا جواب ملا؟ اور جو کچھ راز میں گفتگو ہوئی تھی وہ سب ظاہر کر دی تاکہ ابن زیاد خوش ہو جائے۔ ابن زیاد نے سب باتیں سنکر جواب دیا کہ امین شخص تمہاری کبھی خیانت نہیں کرتا لیکن کبھی خائن کو لوگ غلطی سے امین سمجھنے لگتے ہیں، خدا تجھے رُسوا کرے کہ تو نے رازداری کی امانت کو ضائع و برباد کیا اور افشائے راز کی پروا نہ کی اب تو تیری سزا صرف یہی ہوگی کہ جب حُسین آئیں گے تو سب سے پیشتر اُن سے جنگ کے لئے تجھ ہی کو روانہ کیا جائے گا پھر حضرت مسلم کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہا کہ تم نے اپنے امام (یزید) پر خروج کیا۔ خلیفۂ وقت کی عزّت پر حملہ کیا مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی، فتنۂ خوابیدہ کو جگا دیا اور صرف تمہاری ہی وجہ سے اس قدر خون ریزی ہو گئی تم اور صرف تم ان سب فسادات اور جان و مال کے نقصانات کے اصلی سبب ہوئے فرمایا: ابن زیاد تو جھوٹ بولتا ہے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی ہے معاویہ اور اُن کے لڑکے یزید نے اور فتنہ و فساد تو نے اور تیرے باپ زیاد بن عُبَید نے برپا کیا جو قبیلۂ بنو ثقیف میں بنو علاج کا غلام تھا۔ مسلم بن عقیل نے بھرے مجمع میں عُبیداللہ بن زیاد کے نسب کو آشکارا کر دیا جو قانونی طور پر معاویہ کا بھتیجا اور

ابو سفیان کا پوتا بنا ہوا تھا لیکن حضرت مسلم نے درباریوں کے سامنے اس کی قلعی کھول دی اور آج تک تاریخ میں اُن کے الفاظ محفوظ رہ گئے اور کوئی طاقت مورخین کے قلم کو ان جملوں کے لکھنے اور نسلاً بعد نسلٍ محفوظ رکھنے سے باز نہ رکھ سکی یہ تھا سچائی کا اعجاز اور حق کا زور۔ جو باطل کی سطوت و اقتدار کے سامنے کبھی سرنگوں نہ ہو سکا اور خون کی موجوں اور تلواروں کے شعلوں میں بھی اپنا کام کرتا رہا۔ حضرت مسلم تو گرفتار ہی تھے مگر ابن زیاد کے لئے ذلّت و توہین کا وہ سامان پیدا ہو گیا جس کا کوئی علاج ممکن نہ تھا اور مسلم بن عقیل کے اس ایک فقرہ سے ابوسفیان، معٰویہ اور یزید کی برسوں کی کوششیں اور سیاسی جوڑ توڑ خاک میں مل گئے۔ اس کے بعد حضرت مسلم نے فرمایا کہ میں تو خدا سے یہ تمنّا رکھتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی بدترین مخلوق کے ہاتھوں شہادت کا شرف عطا فرمائے۔

ابن زیاد بولا کہ مسلم! تم نے تو اس منصب جلیل کی تمنّا کی تھی جو خُدا نے تمہارے لئے نہیں چاہا تھا بلکہ دوسرے کے لئے چاہا اور وہ عہدہ اس کے سپرد ہو گیا اور تم رہ گئے تو یقیناً اسی دوسرے شخص میں اس عہدۂ جلیل کی اہلیّت بھی تھی۔ مسلم نے کہا کہ مرجانہ کے فرزند یہ تو بتا کہ وہ دوسرا شخص ہے کون؟ اس کا ذرا نام تو لے! اس نے کہا وہ یزید بن معٰویہ ہے مسلم نے جواب دیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ حَکَمًا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ۔ یعنی اے ابن زیاد ہم اس پر راضی ہیں کہ خدا ہم میں اور تم میں حَکَم بن جائے اور وہ فیصلہ کر دے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔! اُس نے کہا کہ مسلم! کیا تمہیں اس کا خیال ہے کہ خلافت کے عہدہ میں تمھارا کوئی حصّہ اور حق ہے؟ آپ نے فرمایا خدا کی قسم خیال نہیں ہے بلکہ اس کا یقین ہے کہ خلافت ہمارا حق ہے ابن زیاد بولا۔ مسلم اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم اس شہر میں کیوں داخل ہوئے؟ لوگ آرام سے تھے تم نے اُن کو پریشان کیا اُن کے امن وامان

کو برباد کیا اور جھگڑے پیدا کر دیئے آخر ان سب باتوں کا ذمہ دار سوائے تمہارے دوسرا کون ہے؟

حضرت مسلم نے کہا۔ ابن زیاد! میرے آنے کی غرض یہ نہ تھی جو تو نے بیان کی بلکہ میں تو اس سبب سے آیا تھا کہ تم لوگوں نے بدی کو آشکارا کر دیا ہے اور نیکی کو خاک میں چھپا دیا پھر عوام کی مرضی اور پسند کے خلاف زبردستی اُن کی گردنوں پر سوار ہو گئے اُن کے حاکم بن بیٹھے اور خدائی احکام کو پس پُشت ڈال کر اپنا حکم چلانا شروع کر دیا اس لئے میں یہاں آیا تھا کہ تم لوگوں نے قیصر و کسریٰ کی ملوکیت اور اقتدار پرستی کو مسلمانوں میں داخل کر دیا تھا اور دولت و اقتدار کی پرستش شروع کر دی تھی اسلام کی مزدورانہ، سادگی، اخوت و یگانگت، تقویٰ شعاری اور انسانی مساوات کی حکیمانہ تعلیمات پر زنگ لگ چکا تھا۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو رسولؐ کے بتائے ہوئے راستہ سے ہٹا کر شہنشاہیت کے خواب دکھائے جارہے تھے اور عام مسلمانوں کی زندگیوں کو چوس کر چند افراد کے لئے دولت کے انبار وقف کر دیئے گئے تھے اسلام دنیا کے لئے امن کا پیام لے کر آیا تھا مگر تم نے اس کو بے چینی اور بدامنی میں تبدیل کر دیا۔ اسلام نے خدا کی نعمتوں میں سب ہی کا حق مقرر کیا تھا مگر تم نے دوسروں کا حق چھین کر اپنے ہی لئے مخصوص کر لیا تھا اور تم یہ سمجھتے تھے کہ زندہ رہنے کا تم ہی کو حق ہے دوسروں کو نہیں۔ غرض جسقدر بھی بُرائیاں ممکن ہیں وہ سب پھیلائی جارہی تھیں اور بھلائیوں کو پیروں سے کچلا جارہا تھا۔ یہ دیکھکر مجھے یہاں آنا پڑا تاکہ میں حق و باطل کو الگ کر دوں اور منکر و معروف میں فرق بتا دوں۔ اچھے اور بُرے کا امتیاز سمجھا دوں اور یہ بتا دوں کہ حقیقی اسلام کیا ہے۔ خدائی احکام کیا ہیں، قرآنی تعلیم کیا ہے، محمدؐ کی زندگی کیا ہے تاکہ دُنیا دھوکے میں نہ رہے۔ اور کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اسلام وہی ہے جو یزید بن معاویہ کے دربار میں نظر آتا ہے۔ اور وہی ہے جو

"الخضراء"، (دمشق کا مشہور قصر) کی رنگین محفلوں میں نظر آتا ہے۔ بلکہ اسلام صرف وہی ہے جو محمدؐ عربی کی زندگی نے پیش کیا اور اُن کے اہلبیت نے اسے اپنے عمل سے ظاہر کیا ابن زیاد کے غیظ و غضب اور اشتعال کی حد نہ رہی اور غصہ کے مارے ہونٹ چبانے لگا۔ پھر کہنے لگا مسلم! تم اپنی بڑی تعریف کر رہے ہو کیا تم مدینہ میں (معاذاللہ) شراب نوشی نہیں کرتے تھے۔ یہ سُننا تھا کہ آپ نے فرمایا ابن زیاد! تجھے شرم نہیں آتی تو مجھے شراب کی طرف نسبت دیتا ہے یقیناً خدائے عزّوجل واقف ہے کہ تو ذات نہ مجھ پر جھوٹ کا طوفان باندھ رہا ہے اور افترا پردازی کر رہا ہے تو یقیناً جھوٹا ہے، مفتری ہے اور کاذب ہے، میں ہرگز ویسا نہیں ہوں جیسا تو نے مجھے ظاہر کیا ہے تو خود شراب خواری کے لئے زیادہ سزاوار ہے اور اس کا حقیقی حقدار ہے۔

ابن زیاد! شراب خواری اور تمام بُرائیوں کا حقدار، تیرے علاوہ وہ شخص بھی ہے جو مسلمانوں کے خون کو چاٹتا رہتا ہے اور اُن نفوسِ قدسیہ کو ہلاک اور اُن مظلوموں کو ذبح کرتا ہے جن کا قتل خدا نے حرام کیا ہے اور اُس خون کو بہاتا ہے جس کا بہانا اللہ نے جائز نہیں قرار دیا۔ پھر یہ سب کچھ وہ محض اپنے کردارِ بد، خبثِ طبیعت، کینہ پروری، بغض و حسد اور بلاوجہ کی بدگمانیوں کی وجہ سے کر رہا ہے اور اتنے شدید گناہ کے ارتکاب کے بعد وہ کھیل کود اور لہو و لعب میں مشغول رہتا ہے جیسے اس نے کچھ کیا ہی نہیں۔ یہ تلخ ترین اور کھری کھری گفتگو ابن زیاد کے دل پر تیر کی طرح لگ رہی تھی اور اُس کے دماغ سے دھوئیں اُٹھ رہے تھے آخر اُس سے رہا نہ گیا اور بے تحاشا اس نے امیرالمومنین اور سیدۂ عالم علیہما السلام پر زبان سبّ و شتم کو پوری طرح آزاد کر دیا اور بیہودہ بکواس کرنے لگا۔ ابن زیاد اپنے آپے میں نہ تھا اور اُسے ہوش ہی نہ تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کسے کہہ رہا ہے کیونکہ حضرت مسلم کے الفاظ میں وہ سُلگتی ہوئی چنگاریاں

تھیں جنہوں نے اُس کے دل و جگر کو بھون ڈالا تھا اُس کے خرمن اقتدار میں شعلے بھڑکا دیئے تھے اس کی ساری سطوت و اقتدار کو ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار بنا دیا تھا۔ وہ مُسلم جو خون میں ڈوبے ہوئے بیٹھے ہوئے اور اُس دربار میں قیدی تھے جہاں اُن کا کوئی دوست نہ تھا وہ مُسلم جن کو اپنے قتل کا یقین کامل تھا اور جو جانتے تھے کہ میں اب چند لمحوں کا مہمان ہوں وہ مُسلم جن کے دہن سے خون اُبل رہا تھا اور جن کے جبڑے کٹے ہوئے تھے اور دانت گر چکے تھے نہ اُن سے بولا جاتا تھا اور نہ فصیح و بلیغ تقریروں کی توقع تھی مگر بنی ہاشم کی زبانیں تلواروں سے زیادہ کام کرتی تھیں اور شجاعت و بسالت اور حق پرستی اُن کا شعار تھا، ایسے ہی مواقع پر اُن کے اصلی جوہر کھلتے تھے۔ جب دنیا خاموش رہتی ہو وہ اُسی وقت بولا کرتے تھے جب دنیا درد و غم میں چیخ اُٹھتی ہو وہ اُس وقت صبر و سکون کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے حضرت مسلم کو کوئی تکلیف ہی نہ تھی وہ برجستہ جوابات اور دنداں شکن باتیں جو آرام و راحت میں بھی کسی کی سمجھ میں نہ آئیں!

جب حضرت مُسلم نے دیکھا کہ ابن زیاد اب گالیوں پر اُتر آیا اور کوئی جواب اس سے بن نہیں پڑتا تو آپ نے پھر فرمایا:۔ اَنْتَ وَاَبُوكَ اَحَقُّ بِالشَّتِيمَةِ فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ يَا عَدُوَّ اللهِ۔ تو اور تیرا باپ اِن گالیوں کا زیادہ مستحق ہے، اب جو تیرا ارادہ ہو اُس کو پورا کر لے اے خدا کے دشمن!

ابن زیاد نے آواز دی کہ بکر بن حمران کو بلاؤ اس لئے کہ مُسلم نے اُس کے سر پر تلوار ماری تھی وہی ان کو قتل کرے جب وہ آیا تو اُس سے دریافت کیا کہ تو انھیں قتل کرے گا اُس نے کہا ضرور کروں گا ابن زیاد بولا کہ انھیں قصر کی چھت پر لے جاؤ اور وہاں لے جا کر قتل کر دو۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابن زیاد اگر

مجھ میں اور تجھ میں قرابت ہوتی تو تجھے تو کبھی قتل نہ کرتا مگر اب تو یہ معلوم ہی ہو گیا کہ تو زنا زادہ اور غلام کا لڑکا ہے ابوسفیان کا نہیں ہے بلکہ تیرا تو کوئی حسب و نسب ہی نہیں ہے اور تو قریش سے کوئی دور کا بھی علاقہ نہیں رکھتا۔

اس کے بعد بکر بن حمران حضرت مسلم کو قصر کی چھت پر لے گیا راستہ بھر آپ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے اور زبان پر ذکرِ خدا کے سوا کسی کا ذکر نہ آیا۔ آپ نے خدا کی بارگاہ میں عرض کی۔ اے پروردگار ہم میں اور اس قوم میں تو فیصلہ فرما۔ اس نے ہم سے جنگ کی ہماری تکذیب کی، ہماری نصرت نہ کی اور ہم کو قتل کیا۔ جب قصر کے اوپر پہونچ گئے تو فرمایا اے بکر بن حمران مجھے اتنی مہلت دیدے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں پھر جو تجھے حکم دیا گیا ہے اس کو پورا کرنا۔ بکر نے جواب دیا مسلم! تمہیں اس کی اجازت نہیں ہے۔ یہ سنکر آپ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور یہ اشعار پڑھنے لگے۔

جزی اللہ عنا قومنا شر ما جزی + شرار الموالی بل اعق و اظلما
ھم منعونا حقنا و تظاھروا + علینا و راموا ان نذل و نرغما
اغاروا علینا یسفکون دماءنا + ولم یرقبوا فینا ذماما ولا دما
فنحن بنو المختار لا خلق مثلنا + نبی ابت ارکانہ ان تھدما

خدا ہماری قوم کو بدترین سزا دے جس کے مستحق وہ خبیث غلام ہوا کرتے ہیں جو بے حد نافرمان اور سرکش و ظالم ہوں۔ کیونکہ اس نے ہمارے حق کو برباد کر دیا۔ اور ہم پر تسلط حاصل کیا ہے اور یہ چاہتی ہے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوں اس نے ہم پر حملے کئے اور ہمارا خون بہایا اور ہمارے متعلق نہ قرابت رسول کا خیال کیا اور نہ کسی عہد کا یقیناً ہم اس کی اولاد ہیں جو خدا کا برگزیدہ اور پسندیدہ تھا اور عالم میں ہمارا کوئی مثل و نظیر موجود نہیں ہے ہم اس کی اولاد ہیں جو خدا کا نبی تھا اور جس کی فضیلت و شرف لازوال ہے۔ اس

وقت بکر بن حمران نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَقَادَنِیْ مِنْکَ۔ اُس خدا کی حمد جس نے مجھے تم پر اقتدار عطا کیا کہ میں تم سے اپنا بدلہ و انتقام لوں یہ کہا اور تلوار اُٹھا کر حضرت مُسلم کی گردن پر ماری لیکن تلوار نے کام نہ کیا فَقَالَ لَہٗ مُسْلِمٌ اَوَمَا یَکْفِیْکَ فِی الْخَدْشِ وَفَاءٌ مِنِّیْ بِدَمِکَ اَیُّھَا الْعَبْدُ "اے غلام اُس خون کے بدلہ جو میں نے تیرے سر سے ایک ہی ضرب میں بہا دیا تھا تیری اس تلوار سے میری گردن پر جو ذرا سی خراش آگئی ہے تیرے لئے کافی نہیں ہے؟ یہ توہین آمیز جملہ سُنکر اُس نے پھر دوسری ضرب لگائی اور علیؑ و محمدؐ کے بھتیجے مُسلم بن عقیل کو شہید کر دیا مگر گھبرایا ہوا اور بھاگتا ہوا ابن زیاد کے پاس پہونچا۔ اُس نے پوچھا یہ گھبراہٹ کاہے کی ہے جلدی بتا؟ اس نے کہا کہ جیسے ہی میں نے مُسلم کو قتل کیا میں نے دیکھا کہ ایک بڑا سیاہ اور بدشکل آدمی اپنی انگلیاں اپنے دانتوں سے چبا رہا ہے۔ یہ دیکھکر مجھے اس قدر خوف ہوا کہ آج تک کبھی کسی چیز سے میں اتنا نہیں ڈرا تھا۔

لیکن بعض لوگ لکھتے ہیں کہ جب "بکر" نے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار چلانا چاہی اُس کے ہاتھ بیکار ہو گئے اور وہ بھاگ کر ابن زیاد کے پاس آیا اور اِس واقعہ کو بتایا پھر اُس نے کسی دوسرے کو بھیجا اُسنے دیکھا کہ رسولِ خدا سامنے کھڑے ہیں یہ دیکھکر وہ دہشت سے کانپنے لگا اور زمین پر گر کر اُس نے دم توڑ دیا۔

ابن زیاد نے اِس کے بعد ایک شامی شخص کو حکم دیا کہ تو جا اور مُسلم کو قتل کر دے اُس نے اُنھیں قتل کیا اور اُن کا سر کاٹکر قصر کے نیچے پھینکدیا پھر اُن کی لاش بھی قصر کے نیچے گرا دی جس کی وجہ سے اُن کے جسم کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔

بعض تشریحات:-

(طوعہ کے گھر میں) وَعَرَضَتْ عَلَیْہِ مِنَ الْمَاکُوْلِ فَاَبٰی عَنْ ذٰلِکَ لِمَا بِہٖ

مِنَ الْاَکْلِ ۔ یعنی طوعہ نے جب کھانا حاضر کیا تھا تو حضرت مسلم نے رنج وصدمہ کی وجہ سے کچھ نوش نہ فرمایا ۔ صبح ہوئی تو طوعہ وضو کے لئے پانی لائی اور عرض کی ۔ آقا ! آپ نے شب میں بالکل آرام نہیں فرمایا اور جاگتے ہی رہے ۔

آپ نے فرمایا کہ اے کنیز خدا شب کو میری آنکھ لگ گئی تھی ، میں نے اپنے چچا امیرالمؤمنین علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرماتے ہیں مسلم ! اَلْعَجَلَ اَلْعَجَلَ " اے مسلم ! اب جلدی سے آجاؤ میں تمھارا منتظر ہوں ۔ وَمَا هٰذَا اِلَّا آخِرُ اَیَّامِیْ " اور اب مجھے یقین ہے کہ یہ میری زندگی کا آخری دن ہے اور آج میں ضرور شہید ہو جاؤں گا ۔

غرض ابن زیاد نے محمد بن اشعث کو بلایا اور اُس کے ساتھ ایکہزار سوار اور پانچسو پیادے کئے جب یہ خانۂ طوعہ کے قریب پہونچے تو طوعہ نے فوراً خبر دی آپ نے یہ سُنکر زرہ پہنی اور کمر مضبوط باندھی ۔ طوعہ نے عرض کی ، آقا ! کیا آپ مرنے پر تیار ہو گئے ۔ ؟ فرمایا ۔ مجھے ڈر یہ ہے کہ کہیں یہ ظالم تیرے گھر میں نہ گھس آئیں اور میری وجہ سے تجھے تکلیف ہو ۔ یہ دیکھکر آپ نے دروازے کا رُخ کیا اور اُسے کھولکر باہر نکلے اور بڑی سخت جنگ کی ۔

حضرت مسلم اسقدر زخمی تھے کہ " صَارَ جِلْدُہٗ کَالْقُنْفُذِ " سَاہی کی طرح جسم کی کھال ہو گئی تھی یعنی اس قدر تیر لگے تھے جیسے سَاہی کے بدن پر کانٹے ۔

پھر ابن زیاد نے حکم دیا :۔ اَنْ یُّصْعَدَ بِہٖ اَعْلَی الْقَصْرِ وَیُرْمٰی بِہٖ مُنَکَّسًا ۔ مسلم کو بالائے قصر لے جایا جائے اور انھیں سر کے بھل قصر کے نیچے گرا دیا جائے (ابصار العین فی انصار الحسین ۵۲)

حضرت مسلم کی والدۂ گرامی ۔ ان کا نام " عُلَیَّۃ نَبَطِیَّۃ " تھا اُمّ ولد (کنیز) تھیں جن کو حضرت عقیل نے شام میں خریدا تھا ۔

دربار ابن زیاد میں حضرت مسلم بن عقیل کا مشہور فقرہ جب دربان نے ٹوکا کہ تم نے امیر کو سلام نہیں کیا فَقَالَ وَاللّٰہِ مَا لِی اَمِیْرٌ سِوَی الْحُسَیْنِ خدا کی قسم امام حسین کے سوا امیر اکوئی امیر نہیں ہے۔

(ثمرات الاعواد حالات مسلم بن عقیل صفحہ ۶۴)

حضرت مسلم بن عقیل بڑے بہادر اور مشہور سوار تھے شَھِدَ مَعَ عَمِّہٖ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ع صِفِّیْنَ وَکَانَ مِنَ الْقُوَّادِ الَّذِیْنَ جَعَلَھُمْ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْمَیْمَنَۃِ یَوْمَ صِفِّیْنَ ۔ یہ اپنے چچا حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ تھے جنگ صفین میں اور انکی فوج کے مَیْمَنَہ (داہنے بازو) کے سردار تھے۔ جب انھیں امام حسین علیہ السلام نے کوفہ روانہ کیا ہے تو انکی عمر چالیس سال سے کچھ زیادہ تھی۔

حضرت مسلم جب گڑھے میں گرے تو بے ہوش ہو گئے تھے اسی حالت میں بکر بن حمران تلوار لے کر آیا، آپ کے اوپر کے ہونٹ پر وار کیا اور اسے کاٹ دیا پھر چاروں طرف سے ابن زیاد کے تمام تند دل بھگوڑے فوجی سمٹ آئے کسی نے نیزہ مارا، کسی نے تلوار لگائی، کسی نے پتھر مارا۔ آخر مسلم گرفتار ہو گئے ضعف بے حد تھا ظالموں نے اُن کے ہاتھوں کو ستانوں کی پرلیشت کی طرف کس کے باندھ دیا اور چاہا کہ وہ دار الامارۃ پیدل چلیں مگر نہ چل سکے تو سواری لائی گئی۔ اس پر بٹھایا گیا اور تلوار ہاتھ سے چھین لی گئی جیسے ہی تلوار ہاتھ سے لی گئی مسلم کے آنسو بہہ کے رخسار پر آگئے۔ عمرو السلمی نے کہا کہ مسلم! جو شخص اس چیز کا طالب ہو جسکے تم طالب تھے جب اُس پر مصیبت نازل ہو تو وہ کبھی روتا نہیں ہے۔ فرمایا۔ میں اپنی اس مصیبت پر ہرگز نہیں روتا بلکہ اپنے اُن گھر والوں پر روتا ہوں جو کوفہ آنے والے ہیں۔ میں اپنے آقا حسین اور اُن کی اولاد پر روتا ہوں کہ اُن کو بھی یہی مصیبت اٹھانا پڑے گی۔ کس طرح اُن سے کہلوا دوں کہ اب وہ ادھر کا رُخ نہ فرمائیں۔ پھر حضرت مسلم نے عمر بن سعد سے وصیت کی پہلی وصیت شہادت

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ وَعَلِیٌّ وَلِیُّ اللہِ وَوَصِیُّہٗ خَلِیْفَتُہٗ فِیْ اُمَّتِہٖ"۔ دوسری وصیّت یہ تھی کہ سات سو درہم میرے اُوپر قرض ہیں میری زرہ بیچ کر اس کو ادا کر دیا جائے (بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ زرہ، تلوار اور گھوڑا فروخت کر کے قرض ادا کیا جائے) تیسری وصیّت یہ تھی کہ کسی کو امام حسین کے پاس روانہ کرے تاکہ وہ اُن کو یہاں آنے سے منع کر دے۔

عمر بن سعد نے ابن زیاد سے کہا۔ اے امیر آپ جانتے ہیں کہ مسلم نے کیا وصیّت کی ہے یہ کہکر اُس نے وہ کل گفتگو نقل کر دی۔ ابن زیاد نے کہا کہ زرہ بیچ کر قرض ادا کرنے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ رہی لاش تو جب ہم اُن کو قتل کر ڈالیں گے تو پھر ہمیں اُن کی لاش سے کیا مطلب رہے گا تم جو چاہنا کرنا۔ حسین بن علی کا جہاں تک تعلق ہے اگر وہ ہمارا ارادہ نہ کریں گے تو ہم بھی اُن کا ارادہ نہ کریں گے۔ پھر بکر بن حمران کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ قصر کے اوپر لے جا کر مسلم کو قتل کرے۔

حضرت مسلم نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملی اور نماز ادا کی۔ جب نماز پڑھ چکے تو مکّہ کی طرف رُخ کر کے آواز دی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللہِ پھر بکر بن حمران نے قتل کر کے اُن کا سر اور اس کے ساتھ آپ کی لاش کو قصر کے نیچے گرا دیا۔ (ثمرات الاعواد ص۲۰۱)

ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت علیؑ بن ابی طالب نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ کیا آپ کو عقیل سے محبّت ہے؟ فرمایا بیشک مجھے اُن سے دو طرح کی محبّت ہے ایک تو خود اُن کی ذات کی وجہ سے دوسرے حضرت ابو طالب کے سبب سے۔ اے علی! عقیل کا فرزند تمہارے فرزند کی محبت میں قتل کیا جائے گا۔ فَتَدْمَعُ عَلَیْہِ عُیُوْنُ الْمُؤْمِنِیْنَ

وَتُصَلِّیْ عَلَیْہِ الْمَلَائِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ ثُمَّ بَکٰی حَتّٰی جَرَتْ دُمُوْعُہٗ عَلٰی خَدِّیْہِ۔ یعنی عقیل کے فرزند پر ایماندار دل کی آنکھیں روئیں گی۔ اور اُس پر ملائکۂ مقربین نماز پڑھیں گے۔ پھر خود بھی رونے لگے یہاں تک کہ آپ کے آنسو رُخسارہ مُبارک پر جاری ہو گئے۔

۸ ذی الحجہ ۶۰ھ (یوم الترویہ) کو حضرت مُسلم کو شہید کیا گیا تھا۔ اور اسی روز حضرت امام حسین مکہ سے روانہ ہوئے تھے۔ مگر ارشاد شیخ مفیدؒ میں ہے کہ ۸ ذی الحجہ کو حضرت مسلم نے جنگ شروع کی تھی اور ۹ ذی الحجہ یعنی یوم عرفہ میں اُن کو شہید کیا گیا (روضۃ الشہداء صفحہ ۲۱۲)

عمر بن سعد سے حضرت مُسلم کا وصیّت کرنا:- پہلی وصیّت یہ ہے کہ میں نے اِس شہر میں سات سو درہم قرض لئے ہیں۔ میرا گھوڑا النعمان ربان کے پاس رہے وہ اُس سے لے لینا اور میرے بدن سے اسلحہ اُتار لینا اور اِس سب کو فروخت کر کے میرا قرض ادا کر دینا۔ عمر بن سعد نے اِس وصیّت کو قبول کیا۔

دوسری وصیّت۔ ابن زیاد سے میری لاش لے کر دفن کرنا۔ (ابن زیاد نے وہی جواب دیا جو مذکور ہوا۔)

تیسری وصیّت امام حسینؑ کے متعلق تھی جس کا ذکر کیا گیا۔

بُکیر بن حُمران کا لڑکا بلایا گیا (روضۃ الشہداء کے نزدیک بُکیر بن حُمران کو حضرت مسلم نے قتل کر دیا تھا) اُس نے کہا کہ مُسلم نے میرے باپ کو قتل کیا ہے میں ان کو قتل کروں گا۔ آخر وہ آپ کو قصر کے اوپر لے گیا حضرت مُسلم اُس وقت تسبیح و تہلیل میں مشغول تھے جب قصر کی چھت پر پہونچے تو مکّہ کی طرف رُخ کیا اور آواز دی۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ! کیا مُسلم کی آپ کو کچھ خبر ہے! پھر کچھ اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ اے بادِ صبا ذرا حرم کی طرف رُخ کرنے۔ اور میرے آقا حسینؑ کو میری خبر پہونچا دے اور بتا دے کہ آپ کے مُسلم پر کیا گزر گئی ہے۔ اور کہدینا کہ میرے آقا

آپ کا ستم رسیدہ بھائی آپ کی محبّت میں قتل کر دیا گیا اب آپ اس طرف تشریف نہ لائیے گا یہ کوفہ والے غدّار ہیں انھوں نے بے وفائی کی اور مہمان کا ساتھ نہ دیا۔ اور اسے دشمنوں میں اکیلا چھوڑ دیا۔ یابن رسول اللہ! میری آخری تمنّا یہ ہے کہ ایک مرتبہ روئے انور کی زیارت کر لوں لیکن مجھے امان نہ ملی اور اب تو قیامت میں زیارت سے مشرّف ہوں گا۔ اور یہ آرزو دل ہی میں لئے جا رہا ہوں۔ (از مقتلِ خوارزمی) (بحوالہ روضۃ الشہداء ص ۲۲۲) اس کے بعد حضرت نے قصر کی چھت سے نیچے کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ ہزارہا کوفی قصر کے نیچے منتظر کھڑے ہیں اور قصر کی طرف غور سے دیکھ رہے ہیں یہ دیکھکر مسلم نے کچھ اشعار پڑھے جن میں اہل کوفہ سے خطاب تھا کہ اے کوفہ والو! جب میرا سر تن سے جدا ہو جائے تو میری لاش کو دفن کر دینا۔ اور جب کوئی قافلہ مکّہ جانے لگے تو میرا خون بھرا لباس میرے آقا حسین کو روانہ کر دینا اور کہلوا دینا کہ یہ آپ کے مسلم کی یادگار ہے اے کوفہ والو! دیکھو خیال رکھنا کہ جب میرے مرنے کی خبر میرے چھوٹے بچّوں سے بیان کرنا اور وہ رونے لگیں تو ان کے آنسوؤں پر رحم کرنا۔ اور ترس کھانا ان پر سختی نہ کرنا اور جب میرے بچّے مجھے ڈھونڈیں تو ان کو میرا آخری سلام کہنا۔ اور میری طرف سے تسلّی اور دلاسا دینا۔ حضرت مسلم اپنے قتل کے منتظر تھے کہ بکر بن حمران کے لڑکے بکیر نے تلوار اُٹھائی اور چاہتا تھا کہ سر پر لگائے کہ اُس کے ہاتھ خشک ہو گئے جب ابن زیاد کو خبر ہوئی تو اُس نے بلایا اور پوچھا کیا واقعہ ہوا اس نے کہا امیر! ایک بڑا مہیب انسان میرے سامنے آ گیا اور وہ اپنی انگلیاں اپنے دانتوں سے چبا رہا تھا میں اُس سے اتنا ڈرا کہ مجھے کبھی اپنی عمر میں کسی سے اس قدر خوف نہیں معلوم ہوا تھا۔ ابن زیاد نے ایک دوسرے شخص کو روانہ کیا اُس نے چاہا کہ حضرت مسلم کو قتل کر دے کہ دفعتہً وہ چیخنے لگا کہ میرے سامنے رسول اللہ صلعم کھڑے ہیں۔ یہ کہہ کے زمین پر گرا اور دم توڑ دیا۔ آخر

ایک مردِ شامی کو ابن زیاد نے بھیجا اور اُس نے حضرت مسلمؑ کا سر جدا کر دیا۔ سر کو ابن زیاد کے پاس لے گیا اور لاش کو قصر کے نیچے گرا دیا جس سے جسم اقدس چور چور ہو گیا۔

کچھ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت مسلمؑ کو زندہ قصر کے نیچے گرایا گیا تھا اور پھر اُن کا سر جدا کیا گیا۔

شہادتِ ہانی بن عُروہ :۔ شہادت حضرت مسلمؑ کے بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ ھانی کو بھی قتل کر دیا جائے۔

محمدؔ بن اشعث سے کہا کہ وہ انھیں اُس بازار میں لے جائے جہاں بھیڑیں اور بکریاں فروخت ہوتی ہیں اور وہاں اُن کا سر جدا کیا جائے یہ حکم ملتے ہی ہانی کی مشکیں باندھ کر اُس بازار میں لے گئے یہ ہانی بن عروہ کون تھے اس کو بھی سن لیجئے۔ (ثمرات الاعواد صد ۹۲) ھانی اور اُن کے والد عُروہ شیعیان علیؑ میں امتیاز رکھتے تھے اور یہ دونوں صحابیِ رسولؐ تھے ہانی حضرت امیرالمؤمنین کے ساتھ جنگ صفین و جمل میں شریک رہے۔ مُروجُ الذہب میں مسعودی لکھتے ہیں کہ ھانی قبیلۂ مُراد کے زعیم اور لیڈر تھے۔ ان کے ساتھ چار ہزار زرہ پوش سوار اور آٹھ ہزار پیادہ سپاہی رہتے تھے۔ جن پر ان کی حکومت تھی اور جب ان کا حلیف اور ہم عہد قبیلۂ کندہ بھی شامل ہو جاتا تو لشکر کی تعداد چار ہزار زرہ پوش سے بڑھ کر تیس ہزار زرہ پوشوں تک پہونچ جاتی تھی۔

ان کی عمر تراسی سال کی تھی بلکہ بعض نے نوّے سے بھی اوپر لکھی ہے ان کے ہاتھ میں ایک عصا رہتا تھا جس میں نیچے کی طرف دھاردار لوہا لگا ہوا تھا۔ اور اسی پر یہ تکیہ کرتے تھے۔ اسی عصا سے ابن زیاد نے انھیں مارا تھا۔

جب انھیں بازار میں لایا گیا تو پس گردن سے مشکیں بندھی ہوئی تھیں۔ نوّے سال کا بوڑھا، کمر خمیدہ، ابھی بیماری سے اُٹھے تھے

تو کمزوری کی وجہ تھی۔ پھر قید و بند کی مصیبت اور موت کا یقین مگر امام حسینؑ کی محبت دل میں اتری ہوئی تھی۔ "بازارِ اغنام" میں آئے تو چاروں طرف مڑ مڑ کے دیکھا کہ میرے قبیلہ والے کہاں ہیں، میرے شہسوار کدھر ہیں، میرے محافظ کدھر ہیں۔ جب کسی کو نہ پایا تو آواز دی۔ "وَا مَذْحِجَاہْ وَلَا مَذْحِجَ لِیَ الْیَوْمَ وَا مَذْحِجَاہُ وَاَیْنَ عَنِّیْ مَذْحِجُ"، ہائے مذحج ہائے مذحج! آج مذحج کہاں چلے گئے۔ آج مذحج کے بہادر میری مدد نہیں کرتے!

جب دیکھا کہ کوئی ناصر و مددگار نہیں ہے تو پشتِ گردن سے بندھے ہوئے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور ایک ہی جھٹکے میں ہتھکڑی توڑ دی اور آواز دی کوئی لکڑی یا چھری یا پتھر نہیں ہے۔ مجھے دو کہ میں اپنے دشمنوں کا دِفاع کروں۔ یہ دیکھکر لوگ چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور ہانی کو مضبوط پکڑ لیا اور بے حد کَس کر جکڑ دیا۔ پھر جلاد نے کہا کہ ہانی اپنی گردن جھکا دو تو تلوار لگائی جائے۔ کہا: یہ گردن دشمن کے آگے جھکنے کے لئے نہیں خلق ہوئی ہے۔ یہ دیکھکر ابن زیاد کے ایک غلام نے ہانی پر تلوار سے حملہ کر دیا لیکن تلوار نے ہانی پر کوئی اثر نہ کیا۔ فَقَالَ هَانِیٌ اِلَی اللّٰہِ الْمَعَادُ اَللّٰھُمَّ اِلٰی رَحْمَتِكَ وَرِضْوَانِكَ۔ یعنی پروردگارِ عالم ہی کی طرف ہماری بازگشت ہے۔ اے اللہ میں تیری رحمت و رضوان کی طرف آ رہا ہوں۔

پھر ان کا بھی سر کٹ گیا اور یہ بوڑھا صحابیِ رسولؐ زمین پر گر پڑا اس کے بعد لوگوں نے لاشہائے مسلم و ہانی کے پیروں میں رسّیاں باندھیں اور اِن لاشوں کو شہر کی گلیوں میں اور سڑکوں پر گھسیٹنا شروع کر دیا

حضرت مسلم و ہانی دونوں ۸ / ذی الحجہ یعنی یوم الترویہ میں شہید ہوئے تھے۔ (ثمرات الاعواد ص۹۹)

شیخ مفیدؒ کی روایت گزر چکی یعنی روز ترویہ (۸ / ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ) کو آغازِ جنگ اور شہادت یوم العرفہ (۹ / ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ)۔ حضرت مسلم و ہانی کی لاشیں کوفہ کی سڑکوں پر کھینچی گئیں اور سروں کو دمشق یزید کے پاس روانہ کیا گیا۔ مسلم بن عقیل کا سر پہلا ہاشمی سر تھا جو

جو شاہی دربار میں روانہ کیا گیا تھا اور پہلا ہاشمی لاشہ تھا جو دار پر لٹکایا گیا۔ ہانی و مسلم کی لاشوں نے اسکے بعد بازارِ اغنام میں دار پر لٹکا دیا گیا اور تین روز تک یہ لاشیں لٹکے رہے پھر قبیلۂ مذحج کو شرم آئی اور انھوں نے جنگ کر کے ان لاشوں کو دار پر سے اتارا اور رکھیں اپنے قبضہ میں لے کر ان پر نماز پڑھی اور دفن کیا۔ ابن زیاد نے ہانی و مسلم کے سروں کو دمشق بھیجنے کے لیئے اپنے کاتب عمرو بن نافع کو طلب کیا اور اس سے فرمائش کی کہ مسلم و ہانی کے پورے واقعہ کو لکھے۔ تاکہ یزید کو بذریعۂ تحریر جلد از جلد صورتِ حال سے مطلع کیا جائے۔ عمرو نے تفصیل سے اس پورے واقعہ کو تحریر کیا لیکن ابن زیاد نے اس کی تحریر کو کاٹ دیا اور کہا کہ مختصر لکھو اور یوں تحریر کرو کہ اَمَّا بَعْدُ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَخَذَ لِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِحَقِّہٖ وَکَفَاہُ مُؤْنَۃَ عَدُوِّہٖ الخ یعنی اس خدا کی حمد و ثنا جس نے آپ کا حق لے لیا اور آپ کے دشمن کے خطرہ کو دور کر دیا مسلم بن عقیل نے اس شہر میں ہانی بن عروہ کے مکان میں پناہ لی تھی میں نے ان دونوں پر جاسوس اور نگراں مقرر کر دیئے تھے اور ان کے گرد ایسے مضبوط حلقے بنا دیے تھے جن کو توڑ کر یہ بھاگ نہ سکتے تھے آخر میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا میں نے ان کو نکال لیا اور خدا نے مجھے موقع دیا کہ میں ان پر قبضہ حاصل کروں اس کے بعد میں نے ان کے سر تن سے جدا کر دیئے اور یہ دونوں سر آپ کے پاس ھانی بن ابی حیۃ الوادعی اور زبیر بن الاروح التمیمی کے ساتھ روانہ کرتا ہوں اور یہ لوگ بڑے فرماں بردار و اطاعت گزار ہیں آپ ان سے مسلم و ہانی کے متعلق جو چاہیں دریافت کریں ان کو تمام واقعات کا علم ہے اور یہ ہر بات بتائیں گے کیونکہ یہ معتبر اور سچے لوگ ہیں یزید ان سروں کو دیکھکر بے حد خوش ہوا۔ اور قاصدوں کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور ابن زیاد کو جواب میں لکھا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّكَ لَمْ تَعْدُ، كُنْتَ كَمَا اُحِبُّ وَعَمِلْتَ عَمَلَ الْحَازِمِ وَصُلْتَ صَوْلَةَ الشُّجَاعِ الرَّابِطِ الْجَأْشِ وَقَدْ اَغْنَيْتَ وَكَفَيْتَ وَصَدَّقْتَ

ظَنِّیْ بِكَ وَرَأْیِیْ فِیْكَ وَقَدْ دَعَوْتُ رَسُوْلَیْكَ وَسَأَلْتُهُمَا وَنَاجَیْتُهُمَا فَوَجَدْتُهُمَا فِیْ رَأْیِهِمَا وَفَضْلِهِمَا كَمَا ذَكَرْتَ فَاسْتَوْصِ بِهِمَا خَیْرًا وَاِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِیْ اَنَّ حُسَیْنًا قَدْ تَوَجَّهَ نَحْوَ الْعِرَاقِ فَضَعِ الْمَنَاظِرَ وَالْمَسَالِحَ وَاحْتَرِسْ وَاحْبِسْ عَلَى الظِّنَّةِ وَاقْتُلْ عَلَى التُّهْمَةِ وَاكْتُبْ اِلَیَّ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ مَا یَحْدُثُ مِنْ خَبَرٍ"

اے پسر زیاد! بے شک تو نے میرے حکم سے عدول نہیں کیا اور تو نے وہ عمل کیا جو مجھے بے حد پسند تھا اور اس کام کو بہت دور اندیشی اور سوجھ بوجھ کے ساتھ تو نے انجام دیا اور تو نے اس طرح حملہ کیا جیسے ایک قوی القلب بہادر حملہ کرتا ہے تو نے خدمت کی تکمیل کر دی اور تیرے متعلق جو کچھ میرا خیال تھا اس کی تو نے اپنے عمل سے تصدیق کر دی۔ میں نے تیرے قاصدوں کو طلب کیا اور اُن سے سوالات کئے اور رازدارانہ گفتگو کی اور جیسا کہ تو نے اپنے خط میں ذکر کیا تھا میں نے ان کو ویسا ہی صاحب فضل و رائے مستقیم پایا اس لئے میری ہدایت ہے کہ ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا۔ ابن زیاد! مجھے اس کی خبر ملی ہے کہ حسین بن علی عراق کی طرف آ رہے ہیں اس بنا پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دیدبانوں کو اور مسلح دستوں کو تمام اہم مقامات پر مقرر کر دیا جائے تاکہ اُن کی نقل و حرکت کا صحیح پتہ چلتا رہے اور جس کسی کے متعلق مخالفت کا احتمال پیدا ہو جائے اُس کو فوراً قید خانہ میں ڈال دینا اور جس کسی پر جرم عائد ہو جائے خواہ تہمت ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔ اُس کو فوراً قتل کر دینا اور ہر روز کی خبریں میرے پاس روانہ کی جائیں۔ یہ جواب لکھ کر اُن ہی دونوں قاصدوں کے ساتھ ابن زیاد کے پاس روانہ کر دیا۔ اس کے بعد فوراً ہی یزید کو اس کی اطلاع ملی کہ حسین بن علیؑ کوفہ سے بہت نزدیک پہونچ گئے ہیں تو پھر اُس نے لکھا اور ابن زیاد کو تاکید کی کہ حسینؑ کی روک تھام میں کوتاہی نہ کرے۔ وہ لکھتا ہے :-

"اما بعد فقد بلغنی ان حسینا قد سار الی الکوفۃ وقد ابتلی بہ زمانک من بین الازمان و بلدک من بین البلدان وابتلیت بہ من العمال و عندھا تعتق او تعود عبدا کما تعبد العبید" —

اے ابن زیاد تجھے اطلاع مل گئی ہے کہ حسین بن علی کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے - اور یقیناً تیرا دور حکومت اور تیرا شہر محل ابتلا ہو گیا ہے اور میرے تمام حکام میں سے خاص طور پر تو اس بلا میں پھنس گیا ہے ایسے عظیم مہلکہ اور دور ابتلاء و مصیبت میں اب دیکھنا ہے کہ تو آزاد بہادروں کی طرح کام کرتا ہے یا غلاموں کی سی سیرت اختیار کرتا ہے اور بجائے آزاد کے غلام بن جاتا ہے - ان فقروں سے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ تیرا اصلی دادا ابوسفیان نہ تھا بلکہ عبید غلام بنو ثقیف تھا - (ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۰۵)

ادھر حسین ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ سے نکل کر کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے اور منزلیں طے کرتے ہوئے مقام "زرود" تک پہونچ گئے تھے۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن مشمعل جو بنی اسد سے تھے جب یہ حج سے فارغ ہو گئے تو کوشش کی کہ فوراً امام حسین تک پہونچ جائیں - یہ ارادہ کر کے اونٹ دوڑا دیئے تاکہ کسی طرح جلد سے جلد حسینی قافلہ سے ملجائیں یہاں تک کہ یہ لوگ منزل "زرود" پر فرزند رسولؐ سے جا ملے - یہ کہتے ہیں کہ جب ہم دونوں امام حسین سے نزدیک پہونچ رہے تھے تو ہم نے ایک شخص کو کوفہ کی طرف سے آتے دیکھا اور خود امام حسین علیہ السلام نے بھی اُسے آتے دیکھ لیا تھا - مگر جب اُس شخص کی اُن پر نگاہ پڑی تو اُس نے فوراً اپنا راستہ بدل دیا اور دوسری راہ اختیار کر لی - یہ دیکھکر آپ بھی خیمہ میں تشریف لے آئے اور اس کا خیال ترک کر دیا - لیکن ہم نے آپس میں یہ

طے کر لیا کہ ہم ضرور اس سے مل کر کوفہ کے حالات معلوم کریں۔ گئے آخر اُس تک پہونچ کر ہم نے اسے سلام کیا اور اُس کا نام و نسب دریافت کیا اس نے اپنا نام بُکیر بن مثعبۃ الاسدی بتایا ہم نے کہا ہم بھی قبیلہ بنو اسد سے تعلق رکھتے ہیں پھر ہم نے اُس سے کوفہ کا حال معلوم کیا۔

اُس نے کہا کہ میں کوفہ سے اس وقت نکلا تھا جب مسلم بن عقیل اور ھانی بن عُروَہ دونوں کو میں نے اپنی آنکھوں سے شہید ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا اُن کی لاشوں کے پیروں میں رسّیاں بندھی ہوئی تھیں اور وہ کوفہ کی سڑکوں پر کھینچی جا رہی تھیں یہ سُنکر ہم نے اُس ناقہ سوار کو وہیں چھوڑا اور حضرت امام حسین کے پاس حاضر ہو گئے اور سلام کر کے قافلہ کے ساتھ رَوانہ ہو گئے یہاں تک یہ قافلہ منزل زُبالہ تک پہونچ گیا اس اثنا میں ہم کو خدمت فرزندِ رسولؐ میں حاضر ہونے کا نہ وقت ملا اور نہ جراءت ہوئی کہ ہم اس خبر کو عرض کر سکیں لیکن کہاں تک چھپاتے آخر جب امام حسین منزل زُبالہ پہونچ گئے تو ہم سے نہ رہا گیا اور اجازت لے کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی۔ یا ابنَ رسول اللہ ہمیں ایک خاص اور اہم خبر معلوم ہوئی ہے آپ اگر حکم دیں تو ہم خفیہ طور پر عرض کریں اور اگر اجازت ہو تو علانیہ طریقہ پر گذارش کر دیں۔

آپ نے یہ سُنکر چاروں طرف حاضرین پر نظر ڈالی اور فرمایا ان لوگوں سے کسی بھید کو چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب امام عالی مقام کا حکم مل گیا تو ہم نے عرض کی: حضور نے وہ ناقہ سوار تو ضرور ملاحظہ کیا ہو گا جو کوفہ کی سمت سے "منزل زَرُود" پر ملا تھا، کل شام کے وقت، فرمایا، ہاں دیکھا تو تھا اور میں اُس سے وہاں کا حال معلوم بھی کرنا چاہتا تھا ان لوگوں نے عرض کی ہم نے اُس سے ملاقات کر لی تھی اور تمام حال معلوم کر لیا تھا تاکہ حضور کو اطلاع دے سکیں۔ اور وہ تو ہمارے ہی قوم و قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور بہت زیادہ قابل اعتبار آدمی ہے فرزندِ رسولؐ! اُس نے ہم سے بیان کیا ہے کہ میں کوفہ سے اُس

وقت نکلا تھا جب مسلم بن عقیل اور ہانی قتل ہو چکے تھے یہ سُنکر امام حسین
نے فرمایا "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"، خدا ان دونوں پر اپنی رحمت
نازل فرمائے اور بار بار یہی جملہ فرماتے رہے اس کے بعد ہم نے عرض کی
کہ ہم خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ اب حضور وہاں تشریف نہ لے جائیں۔
اور مع اہلبیت واپس جائیں کیونکہ ایسی حالت میں اب آپ کا کوفہ
میں کوئی ناصر و مددگار نہیں معلوم ہوتا بلکہ ہمیں خوف ہے کہ وہ سب
کے سب آپ کے دشمن کے ساتھ ہو جائیں گے اور آپ کی مخالفت
کریں گے۔

ان لوگوں کی گفتگو سماعت فرما کر آپ اولادِ عقیل کی طرف مڑے
اور دریافت فرمایا اب تمہاری کیا رائے ہے بیان کرو؟ انھوں نے
عرض کی کہ حضور ہم تو کسی طرح بھی اب واپس نہ جائیں گے اور خون
مُسلم بن عقیل کا بدلہ لئے بغیر نہ رہیں گے یا اسی طرح جان دیں گے
اور قتل ہوں گے جس طرح مُسلم قتل ہوئے۔ یہ جواب سُنکر امام
نے ہمیں دیکھا اور فرمایا اگر یہ لوگ زندہ نہ رہے تو پھر میری زندگی
بھی بیکار ہے۔ یہ الفاظ سُنکر ہم کو یقین ہو گیا کہ فرزندِ رسولؐ کا ارادہ
واپس پلٹنے کا نہیں معلوم ہوتا۔ بعض مقاتل میں اس طرح لکھا ہے۔
وَجَاءَ اِلَی الْخَیْمَۃِ وَدَعَا بِنْتَ مُسْلِمٍ وَکَانَ عُمُرُھَا حِیْنَئِذٍ
اِحْدیٰ عَشْرَۃَ سَنَۃً۔ یہ خبر سُنکر امام خیمہ میں تشریف لے گئے اور
مسلم بن عقیل کی کمسن بچّی کو جس کی عمر گیارہ سال کی تھی طلب فرمایا فَلَمَّا
جَاءَتْ قَرَّبَھَا اَدْنَاھَا یعنی جیسے ہی وہ بچّی آئی آپ نے اس کو
اپنے قریب بٹھایا ثُمَّ طَلَبَ الْقُرْطَیْنِ وَوَضَعَھُمَا فِیْ اُذُنَیْھَا پھر دو
گوشوارے منگائے اور وہ اس کے کانوں میں پہنا دیئے۔ وَکَانَ یَمْسَحُ
یَدَہُ الشَّرِیْفَۃَ عَلٰی نَاصِیَتِھَا وَرَاْسِھَا کَمَا یُفْعَلُ بِالْاَیْتَامِ وَ
ھُوَ مَعَ ذٰلِکَ یَبْکِیْ۔ کانوں میں گوشوارے پہنا کے سر پر شفقت سے
دستِ مبارک پھیرنا شروع کیا اور اس طرح اظہارِ شفقت فرمانے لگے

جیسے یتیم بچوں سے شفقت کی جاتی ہے اور ساتھ ہی امام حسین کی آنکھوں سے آنسو بھی گر رہے تھے فَقَالَتْ یَا عَمِّ مَا رَأَیْتُكَ قَبْلَ هٰذَا الْیَوْمِ فَعَلْتَ لِیْ مِثْلَ مَا فَعَلْتَ الْیَوْمَ ۔ بچی گھبرائی اور عرض کی چچا جان! آپ کو میں نے آج سے پہلے کبھی اس طرح کی عنایت فرماتے ہوئے نہیں دیکھا، خیر تو ہے! ایسی شفقت تو یتیموں کے ساتھ کی جاتی ہے۔ فَلَمَّا رَأَیْتَ ذٰلِكَ الْحُسَیْنُ مِنَ الْبُكَاءِ وَبَكٰی بُكَاءً شَدِیْدًا

یہ سُننا تھا کہ امام حسین نے رونا شروع کر دیا۔ اور بہت روئے۔ پھر فرمایا یَا ابْنَتِیْ اَنَا اَبُوْكِ وَبَنَاتِیْ اَخَوَاتُكِ" اے بیٹی اگر تیرا باپ نہ رہا تو میں تیرا چچا موجود ہوں اور میری بیٹیاں تیری بہنیں ہیں۔ یہ خبر سُننا تھی کہ اولادِ عقیل نے عمامے سروں پر سے پھینک دیئے اور رونا شروع کر دیا۔ حسین ایک ایک کو دلاسا دیتے تھے اور گلے سے لگاتے تھے۔ (اولادِ عقیل کی جو گفتگو نقل ہوئی وہ اس روایت کا جزو نہیں معلوم ہوتی)

(دوسری روایت ثمراتُ الاعواد ص۱۱۱)

وَالْمَوْطِنُ الثَّالِثُ یُرْوٰی اَیْضًا عَنْ زُهَیْرِ بْنِ الْقَیْنِ الْبَجَلِیِّ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ جُلُوْسٌ فِیْ "زَرُوْدَ" الخ

زہیر بن القین کہتے ہیں کہ ہم لوگ مقام "زرود" میں بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ ہم نے دیکھا کہ کوفہ کی سمت سے ایک شخص سامنے آیا جس کے ہاتھ میں ایک سیاہ علم تھا وہ قریب آیا اور علم کو میرے خیمہ کے دروازہ پر نصب کر دیا پھر وہ خیمہ کے اندر داخل ہو گیا۔

وَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَیْنُ الخ

خیمہ کے اندر آکر اس نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَیْن"۔ یہ سنکر میں نے کہا کہ تو کس سے ملنا چاہتا ہے۔ اُس نے کہا حسین بن علیؑ سے! لوگوں نے پوچھا کہ اُن سے ملنے کی کیا غرض ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں اُن کو خبر دینا چاہتا ہوں کہ اُن کے بھائی مُسلم بن عقیل

قتل کر دیے گئے۔ فَاَشَارُوْا لَہٗ عَلٰی خَیْمَۃِ الْحُسَیْنِ الخ لوگوں نے جب
خیمۂ امام کا پتہ بتایا تو وہ وہاں سے اُٹھکر اسی طرف چلا گیا قریب پہونچ
کر امام کے خیموں کے گرد اس نے دیکھا کہ کچھ بچے کھیل میں مشغول تھے،
اُن سے کہنے لگا کہ مجھے تم میں سے کون فرزند رسولؐ کے خیمہ کا پتہ بتائے
گا۔ فَقَامَتْ اِلَیْہِ بِنْتٌ صَغِیْرَۃٌ۔ یہ سنکر ایک بچی کھڑی ہو گئی۔ اور
اُس نے دریافت کیا کہ تجھے اُن سے کام کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ میں چاہتا
ہوں کہ اُن کو اس خبر سے آگاہ کروں کہ اُن کے ابن عم مسلم بن عقیل قتل
کر دیئے گئے یہ سننا تھا کہ اُس بچی نے فریاد کی ہائے بابا! ہائے مسلم
بن عقیل! پھر وہ بیہوش ہو گئی۔!

یہ دیکھکر تمام بنی ہاشم اور خود امام حسین تشریف لے آئے اور اس
شخص سے دریافت فرمایا کہ تو نے کیا کہا جو یہ بچی بیہوش ہو گئی۔ اور
اسقدر روئی! اس نے کہا کہ میں نے صرف اس سے دریافت کیا
تھا کہ مجھے فرزند رسولؐ کے خیمہ کا پتہ بتا دیجئے تو اس نے کہا کہ تجھے انسے
کیا کام ہے؟ میں نے جواب دیا کہ کام صرف اس قدر ہے کہ میں اُن کو
آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ اُن کے ابن عم مسلم بن عقیل قتل کر دیئے گئے۔
یہ سُنکر اُس نے رونا شروع کر دیا اور بے ہوش ہو گئی لوگوں نے
کہا کہ اے مسافر یہ مسلم کی بیٹی ہے۔ باپ کے مرنے کی خبر سن کر
اس کی یہ حالت ہو گئی

یہ سنکر امام حسین اُس بچی کو خیمہ میں لے گئے اور زانو پر جگہ دی پھر
سر پر ہاتھ پھیرا اُس بچی نے عرض کی چچا! ہم یتیم ہو گئے ہمارے
باپ مسلم بن عقیل شہید ہو گئے، امام نے فرمایا بیٹی! اب میں تیرا چچا موجود
ہوں اور یہ میری بیٹیاں تیری بہنیں ہیں۔

حضرت مسلم کی اس بیٹی کا نام بعض لوگوں نے "حمیدہ" لکھا ہے۔
ان کے کچھ حالات ہم امام حسین کے سفر کوفہ کے سلسلہ میں لکھیں گے۔
حضرت مسلم کی بیٹی یتیم ہو گئی تھی لیکن جب امام حسین سا چچا موجود ہو اور

زینب سی پھوپھی کا سایہ سر پر ہو تو پھر یتیمی کیسی ! چچا کی شفقت نے باپ کا غم بھلا دیا۔ بنی ہاشم نے آنکھوں پر بٹھایا۔ پھوپھیوں نے دل پر میل نہ آنے دیا۔ اور ہر ایک یتیمۂ مسلم کا دل بہلاتا رہا۔ جب کسی منزل پر امام حسین اترتے تھے تو اس بچی کو طلب فرماتے تھے اور تسلی و دلاسا دیتے تھے جب سے حضرت مسلم کی خبر آئی تھی اس بچی کا ہر ایک خیال رکھتا تھا کہ بن باپ کی بچی ہے، دل ٹوٹا ہوا ہے، باپ کے مرنے کا صدمہ ہے اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔

حالاتِ فرزندانِ مسلم بن عقیل

(ناسخ التواریخ ج ۶ صفحہ ۲۰۲ از تاریخ اعثم کوفی و روضۃ الشہداء) جب حضرت مسلم ہانی بن عروہ کے مکان سے نکلے تھے اور اپنے ساتھیوں کو جمع کیا تھا تاکہ دار الامارۃ پر حملہ کریں تو اس وقت اپنے فرزندوں کو قاضی شہر "شریح" کے سپرد کر دیا تھا مگر اعثم کوفی نے نہ شہادت فرزندانِ مسلم کو لکھا ہے اور نہ ان کا نام ہی بتایا ہے۔ متقدمین کی کتابوں میں بہت کم اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ لیکن روضۃ الشہداء میں تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا گیا ہے اسی کے حوالہ سے صاحبِ ناسخ لکھتے ہیں:۔ یہ دونوں فرزند شریح قاضی کے گھر میں محفوظ تھے یہاں تک کہ حضرت مسلم شہید ہو گئے پھر ابن زیاد کو اس کی بھی اطلاع دی گئی کہ اسی شہر میں مسلم کے فرزند بھی کہیں نہ کہیں پوشیدہ ہیں یہ سنکر اس نے تمام شہر میں منادی کرا دی کہ جس شخص کے گھر میں یہ دونوں فرزند دستیاب ہوں گے اور وہ خود سے ان کو دربار میں پیش نہ کرے گا تو اس کا گھر لوٹ لیا جائے گا اور اس کا خون تلواروں کے لئے مباح ہو جائے گا۔ شریح قاضی نے جب یہ آواز سنی تو محمد و ابراہیم کو اپنے سامنے بلوایا جب وہ آ گئے تو شریح نے رونا شروع کر دیا۔ بچوں نے رونے کا سبب معلوم کیا تو کہنے لگا، بچو! تمہارے باپ مسلم کو قتل کر دیا گیا اور تم یتیم کر دیئے گئے یہ سننا تھا کہ بچے بھی رونے لگے اور

گریبان چاک کر کے سروں پر خاک ڈالنا شروع کی۔ شریح نے تسلّی دی اور کہا اب ابن زیاد تمہارے خون کا بھی پیاسا ہے۔ وہ تم کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے۔ اور شہر میں تمہاری تلاش ہو رہی ہے۔ اور جب تک تم کو گرفتار نہیں کرے گا اُس کو چین نہیں آئے گا۔ اور جس کے گھر میں تمہیں پایا جائے گا وہ گھر والا بھی ماخوذ ہوگا اور قتل کیا جائے گا۔ ان بچوں نے جیسے ہی یہ سُنا تو سہم گئے اور رونا بند کر دیا کہ ایسا نہ ہو کوئی ہماری آواز سُن لے اور ہم گرفتار ہو جائیں شُریح نے کہا کہ اب مُناسب یہ ہے کہ میں تمہیں کسی امین کے سپرد کئے دیتا ہوں وہ تمکو مدینہ لے جاکر تمہارے رشتہ داروں کے پاس پہونچا دے یہ کہکر اُس نے اپنے لڑکے "اسد" کو بُلایا اور کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ دروازہ عراقین کی طرف کوئی قافلہ مدینہ جانے کے لئے تیار ہے ان بچوں کو لے جا اور قافلہ والوں کے سپرد کر دے تاکہ وہ امانت و حفاظت کے ساتھ ان کو مدینہ پہونچا دیں۔ اور پھر ان میں سے ہر ایک بھائی کو پچاس دینارِ سُرخ دیئے۔ جب رات ہوگئی اور تاریکی پھیل گئی تو "اسد" نے دونوں بچوں کو ساتھ لیا اور شہر کی آبادی سے روانہ ہوا اور اُس وقت وہاں پہونچا جب قافلہ کچھ دور روانہ ہو چکا تھا "اسد" نے غور سے دیکھا تو اُس کا دُور سے کچھ نشان نظر آرہا تھا۔ فرزندانِ مُسلم سے کہنے لگا کہ اب تم اسی سمت روانہ ہو جاؤ تاکہ قافلہ تک پہونچ جاؤ اور ذرا جلدی جاؤ ورنہ قافلہ آگے نکل جائے گا۔ یہ کہکر بچوں کو وہیں چھوڑا اور خود گھر واپس آگیا۔ یہ بچّے چونکہ راہ سے واقف نہ تھے کچھ دور دوڑتے ہوئے گئے اور آخر تھک گئے۔ پھر قافلہ کا رُخ بھی بھول گئے۔ اور اِدھر اُدھر بھٹکنے لگے۔ چند آدمی ملے انھوں نے پہچان لیا کہ یہ مُسلم کے فرزند ہیں۔ ان دونوں کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ اُس نے حکم دیا کہ انھیں قیدخانہ میں بند کر دیا جائے

اور یزید کو خط لکھا کہ مسلم کے فرزند گرفتار ہو چکے ہیں پتراان کے متعلق جو حکم ہو اس پر عمل کیا جائے۔ جس زندان میں یہ بچے قید کئے گئے اس کا منتظم مشکور اہلبیت کا ماننے والا تھا آخر اس سے ان بچوں کا رونا نہ دیکھا گیا تو اس نے ان کے لئے اچھے کھانے اور رہنے کی جگہ کا انتظام کیا اور جو راحت بھی ممکن تھی وہ پہونچانے کی کوشش کی جب دوسرا دن گذر گیا اور رات ہو گئی تو اس نے ان بچوں کو ہمراہ لیا اور "قادسیہ" کی راہ پر آیا پھر انھیں اپنی ایک انگوٹھی دی اور کہا کہ یہ انگوٹھی تمہارے پاس میری علامت و نشانی ہے جب قادسیہ پہونچ جاؤ گے تو میرے بھائی کے پاس چلے جانا اور اس کو یہ انگوٹھی دکھا دینا تاکہ وہ تمہاری ہر ممکن خدمت کرے اور تمہیں مدینہ راحت و آرام کے ساتھ پہونچا دے گا۔ "مشکور" واپس پلٹا اور یہ بچے راہ قادسیہ پر روانہ ہو گئے۔ قادسیہ کوفہ کے قریب ایک بڑا اہم فوجی مرکز تھا اور حجاز سے آنے والے اسی راہ سے کوفہ میں داخل ہوا کرتے تھے۔ غرض کچھ دور جا کر یہ بچے پھر راہ بھولے اور چاروں طرف بھٹکنے لگے رات بھر گھومتے رہے جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ کوفہ ہی میں ہیں آگے نہیں بڑھے بچے ڈر گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر گرفتار ہو جائیں، ایک باغ میں چلے گئے۔ اور پانی کے چشمے کے کنارے درخت پر چڑھ گئے۔ اور شاخوں میں چھپ کر بیٹھ گئے ایک کنیز اُس چشمہ پر پانی لینے کے لئے آئی تو اس نے ان بچوں کا عکس پانی میں دیکھا اب جو دیکھتی ہے تو درخت پر بچے بیٹھے ہوئے ہیں اس کنیز نے ان سے شفقت کی گفتگو کی اور تسلّی دی۔ کمھلائی ہوئی صورتیں تھیں۔ معلوم ہو رہا تھا کہ خوف زدہ ہیں اس لئے اُس نے تسکین دی اور کہا میں اور میری مالکہ دونوں محبّ آل رسول ﷺ ہیں۔ جب بچوں کو یقین ہوا کہ یہ ہماری دشمن نہیں ہے اور ہم کو دھوکا نہ دے گی تو اُترے اور اس کے ساتھ ہو لئے وہ اپنے گھر میں لائی اپنی مالکہ کو آگاہ کیا۔ اُس نے بھی بہت خاطر کی اور چہروں اور سروں کے بوسے لئے پھر کنیز سے کہا کہ تو نے یہ بڑی

خدمت انجام دی ہے کہ ان بچوں کو مجھ تک پہونچا دیا اس لئے میں تجھے خدا کی راہ میں آزاد کرتی ہوں۔ پھر اُس نے ان بچوں کے لئے رہائش کی مناسب جگہ تجویز کی اور آب و غذا کا مناسب بند و بست کر دیا۔ اور اپنی آزاد کردہ کنیز سے تاکید کر دی کہ میرے شوہر کو اس راز سے (یعنی ان بچوں کے آنے سے) قطعاً آگاہ نہ کرنا۔

اُدھر ابن زیاد نے مشکورؔ کو طلب کیا اور دریافت کیا کہ بچے کہاں ہیں اُس نے کہا کہ میں نے انھیں خدا کی راہ میں آزاد کر دیا۔ ابن زیاد بولا تو مجھ سے نہ ڈرا کہ میں تجھے سزا دوں گا۔ مشکورؔ نے جواب دیا کہ میں خدا کے سوا کسی دوسرے سے نہیں ڈرتا۔ اے ابن زیاد تو نے ان کے باپ کو تو قتل کر دیا اب ان سے کیا چاہتا ہے اُسے غصّہ آیا اور کہنے لگا بس ابھی میں تیرا سر قلم کرائے دیتا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ وہ سر جو راہِ محمدؐ میں نہ ہو وہ مجھے نہیں چاہیئے۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ مشکور کو پانچ سَو تازیانے لگائے جائیں۔ پھر اِس کا سر تن سے جُدا کر دیا جائے۔ "عُقابینؔ"، (زمین میں گڑی ہوئی وہ لکڑیاں جن میں مجرموں کو سزا کے لئے باندھا جاتا ہے) میں مشکورؔ کو کس کر باندھ دیا گیا اور کوڑے پڑنا شروع ہو گئے۔ پہلا تازیانہ جب پڑا تو مشکورؔ نے کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، دوسرا تازیانہ پڑا تو اس نے کہا پروردگارا! مجھے صبر عطا فرما! تیسرا پڑا تو اس نے کہا مالک الملک مجھے محبّتِ اہلبیت میں یہ لوگ قتل کر رہے ہیں۔ اس کے بعد جب تازیانے پڑے تو اُس نے کہا، خدایا مجھے محمدؐ و آل محمدؐ سے ملا دے اور اُن کی خدمت تک پہونچا دے۔ اِس کے بعد چُپ ہو گیا اور تازیانے کھاتا رہا یہاں تک کہ پانچسو تازیانے پورے ہو گئے۔ اُسوقت اس نے کہا کہ اب مجھے تھوڑا پانی دے دو پیاسا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا کہ اسے پانی نہ دینا بلکہ پیاسا ہی قتل کر دو۔ عمرو بن الحارث نے ابن زیاد سے سفارش کی کہ اسے چھوڑ دیا جائے اور منّت و سماجت

کر کے اپنے گھر لے آیا تاکہ اُسکی خدمت کرے اور اُس کے زخموں کا علاج کرے یشکور نے آنکھ کھولی اور کہا کہ مجھے میری حالت پر چھوڑ دو اب مجھے پانی کی بھی حاجت نہیں اس لئے کہ میں کوثر کے پانی سے سیراب ہوچکا ہوں - یہ کہا اور دم توڑ دیا -

وہاں پسرانِ مُسلم اسی کنیز کے ساتھ اُس کی مالکہ کے گھر میں تھے اور وہ اُن کی خدمت میں مشغول تھی دن بھر گزر گیا - شب آئی تو اُس نے کھانا حاضر کیا بچّوں نے کھانا کھایا پھر سو رہے کچھ رات گئے اس کا شوہر جس کا نام "حارث" تھا وہ گھر میں آیا اور بہت پریشان حال اور تھکا ہوا تھا زوجہ نے پوچھا تیرا یہ کیا حال ہے کیا کوئی حادثہ گزر گیا جو تو اس قدر پریشان ہے - کہنے لگا کہ صبح کو میں دارالامارۃ کے دروازے پر تھا کہ میں نے مُنادی کی آواز سُنی کہ "مشکور" نے قیدخانے سے فرزندانِ مُسلم کو رہا کر دیا ہے - جو اُن کو ڈھونڈ لائے گا اس کو بہت کچھ انعام و اکرام ملے گا - یہ سُن کر میں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ دی اور کوفہ کی تمام گلی کوچوں میں جستجو کی مگر کہیں ان کا سراغ نہ پایا - شہر کا گوشہ گوشہ چھان کر اب تھک گیا ہوں اور ہاتھ پیروں میں اب بالکل دم باقی نہیں ہے - میرا گھوڑا بھی تھک کر گر گیا - اور میں بھی اُس کی پشت پر سے بے حال ہو کر گرا آخر بھوکا پیاسا بہزار دشواری و زحمت بڑی مشکل سے گھر تک پہونچ سکا ہوں - مگر اُن بچّوں کا مجھے کوئی پتہ و نشان نہیں ملا -

زوجہ نے کہا کہ اے بندۂ خدا ! یہ تو کیا کہہ رہا ہے - خدا کا تجھے کوئی خوف نہیں - فرزندانِ رسولؐ کے متعلق بڑے خیالات دل سے نکال دے - حارث نے جواب دیا تو خاموش رہ - ابن زیاد مجھے انعام دے گا - مجھے بڑی دولت ہاتھ آئے گی - اور سونے چاندی سے میرا گھر بھر جائے گا مجھے ان فضول باتوں سے کیا سروکار ہے، تو جا اور مجھے کھانا پانی دے - زوجہ اُٹھی اور آب و غذا لائی، یہ کھا پی کر

سو گیا۔ رات گئے بڑے بھائی محمدؔ کی آنکھ کھلی اُنھوں نے ابراہیم کو جگایا
اور کہا کہ بھائی اُٹھو اب ہم بھی قتل ہوں گے میں نے ابھی ابھی خواب
میں دیکھا کہ (نانا) علی مرتضٰی اور پیغمبرؐ خدا بہشت میں ہیں ناگاہ
رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہم دونوں کو دُور سے ملاحظہ
فرمایا تو ہمارے باپ مُسلم بن عقیل کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ مُسلم
تم نے کیونکر گوارا کیا کہ تم میرے پاس چلے آئے اور ان چھوٹے چھوٹے
بچوں کو دشمنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ آئے یہ سُنکر پدر بزرگوار نے
عرض کی، اے خدا کے رسولؐ یہ بچےؐ بھی میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں اور
کل ہمارے پاس آجائیں گے۔

ابراہیم نے کہا بھیّا! بالکل ایسا ہی خواب میں نے بھی دیکھا ہے کہ
یہ کہکر دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کی گردن میں باہیں ڈالدیں۔
اور رونے لگے۔ ان کے رونے کی آواز بلند ہوئی تو حارث کی آنکھ
کھل گئی۔ اُس نے تکیہ سے سر اُٹھایا اور بیوی سے پوچھا کہ یہ رونے کا
شور کیسا ہے۔ اُٹھو! اور چراغ روشن کرو! دیکھیں کیا چیز ہے اور کون
شور کر رہا ہے۔ یہ سُنکر اُس کنیزِ خدا کے ہوش و حواس جاتے رہے اور
اُس میں اُٹھنے کی قوت ہی باقی نہ رہی۔ آخر حارث بن عُروہ خود ہی
اُٹھ بیٹھا۔ چراغ روشن کیا اور تہہ خانے میں گیا تو دیکھا کہ فرزندان
مُسلم ایک دوسرے کی گردن میں باہیں ڈالے ہوئے رو رہے ہیں
اُس نے پوچھا تم کون ہو۔ اور یہاں کس لئے آئے ہو۔؟

اُن بچوں نے اس گھر کی مالکہ کا اچھا برتاؤ، حُسن سلوک دیکھا تھا
اور جانتے تھے کہ یہ ہماری دوست اور محبّ اہلبیت ہے اس لئے
دھوکا کھا گئے اور سمجھے کہ اس کا شوہر بھی محبّ آل رسولؐ ہوگا۔

کہنے لگے اے بھائی ہم یتیمانِ مسلم بن عقیل ہیں۔ حارث نے کہا
کہ کل تو میں نے اس شہر کی خاک چھان ڈالی اور زمین و آسمان
ایک کر دیئے اور ہر جگہ تم کو تلاش کیا اور اسی تلاش میں میرا گھوڑا

بھی مر گیا اور تم تو خود میرے ہی گھر میں مہمان ہو اور بڑے آرام سے سو رہے ہو یہ کہکر اس ملعون نے اُن بچوں کو زدو کوب کرنا شروع کر دیا پھر رسّی میں خوب جکڑ کر اسی کوٹھڑی میں ڈال کر دروازے کو خوب مضبوطی کے ساتھ بند کر دیا۔ زوجہ دوڑی ہوئی آئی اور بڑی خوشامد کی کہ اِن بچوں کو چھوڑ دے اور کھولدے اور ان پر ظلم نہ کر مگر حارث نے کچھ نہ سُنا اور صبح ہوتے ہی اُٹھا۔ بدن پر اسلحہ لگایا اور بچوں کو لے کر نہر کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ تاکہ وہاں قتل کرے اس کی زوجہ اُس کے پیچھے دوڑتی ہوئی آئی اور فریاد کرنے لگی کہ ان معصوموں کو قتل نہ کر۔ جب وہ قریب آتی تھی تو حارث اس پر تلوار لے کر جھپٹتا تھا اور اُسے واپس کر دیتا تھا۔ وہ پھر دوڑتی تھی اور پھر بے چین ہو کر آتی تھی۔ یہاں تک کہ حارث بچوں کو لئے ہوئے نہر کے کنارے پہونچ گیا تو پہلے غلام کو آواز دی اور اپنی تلوار اُس کے حوالہ کی اور کہا کہ اُن بچوں کو قتل کر دے۔ غلام نے جواب دیا کہ مجھے پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰؐ سے شرم آتی ہے کیونکہ قتل کروں یہ تو بے گناہ ہیں۔ اور اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مجھ سے یہ کام نہ ہوگا۔

حارث نے کہا اچھّا تو پہلے میں تجھ ہی کو قتل کروں گا۔ حارث نے غلام کے قتل کا ارادہ کیا اور غلام واقف تھا کہ اس کی فطرت میں رحم بالکل نہیں ہے اور یہ مجھے ضرور ہلاک کر دے گا۔ آخر کار وہ بھی حارث سے اُلجھ گیا اور یہ دونوں آپس میں دست و گریبان ہو گئے یہ دونوں جنگ کر رہے تھے کہ حارث کا پیر اُلجھا اور وہ زمین پر گرا۔ غلام چاہتا ہی تھا کہ تلوار چلا دے مگر حارث نے جست کی اور غلام کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اس کے بعد غلام نے اپنی کمر سے تلوار نکال لی اور حارث پر حملہ کر دیا۔ لیکن حارث جنگی آدمی تھا غلام کے حملہ کو سپر پر روک کر اس نے غلام پر وار کیا اور اُس کا

داہنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ غلام نے بائیں ہاتھ سے جنگ شروع کر دی۔
اور اس کے لپٹ گیا تاکہ وہ دوسرا وار نہ کر سکے اسی وقت زوجۂ حارث
اور اُس کا فرزند بھی آ گیا۔ لڑکا دَوڑ کر غلام کے لپٹ گیا اور کہنے
لگا کہ بابا! یہ غلام تو میرا دودھ شریک بھائی ہے اور میری ماں
نے اس کو بیٹا بنایا ہے۔ اِسے کیوں قتل کر رہے ہو۔ اِس نے کیا خطا
کی ہے حارث نے کوئی جواب نہ دیا اور تیغ چلا کر غلام کو قتل کر ڈالا۔
اس کے بعد اپنے فرزند سے کہنے لگا کہ اَب تو اِن بچوں کو ہلاک کر دے
اور جلدی سے اِن کے سر کاٹ لے۔ لڑکے نے کہا کہ یہ دونوں بچے
خاندان رسالت سے ہیں ان کا سر کیسے کاٹوں۔ ان کو تو میں قتل
نہیں کروں گا۔ مگر تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

زوجۂ حارث بھی فریاد کر رہی تھی کہ ان بچوں کو قتل نہ کر اور ان پر
رحم کر یہ مظلوم اور بے خطا ہیں کیا نقصان ہے کہ تو اِن کو زندہ ابن
زیاد کے پاس لے جائے وہ جو چاہے کرے اِن کی زندگیاں تباہ نہ کر
یہ بن باپ کے بچے ہیں اور رحم کے مستحق ہیں مگر اُس ظالم نے کچھ نہ
سُنا اور کہنے لگا کہ اس شہر میں ان کے دوست بہت ہیں اگر میرے
ہاتھ سے نکل گئے تو پھر مجھے ابن زیاد کا انعام نہ مل سکے گا اس کے
بعد اُس نے تلوار اُٹھائی اور بچوں کا رُخ کیا عورت دوڑی، تلوار
سے لپٹ گئی اور پھر خوشامد کرنے لگی حارث کو غصہ آیا اُس نے تلوار
سے اُس کو بھی زخمی کر دیا۔ اور وہ زخم کھا کے گر گئی۔ بیٹا یہ دیکھ کر
دَوڑا اور باپ کی تلوار پکڑ لی۔ کہنے لگا "اے پدر ذرا اپنے ہوش میں
آ، تو نے اپنے ہوش و حواس کیوں کھو دئیے ہیں۔ تجھے کچھ خبر بھی ہے
کہ تو کیا کر رہا ہے۔ حارث نے بیٹے پر بھی تلوار چلائی اور اس کو بھی
قتل کر ڈالا۔ پھر دیوانے بھیڑیے کی طرح فرزندانِ مسلم کی طرف جھپٹا
ان بچوں نے بہت منت کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر انہوں نے
اس شقی سے کہا کہ ہمیں دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دیدے

لیکن نماز کی بھی اجازت نہ مل سکی پھر اُن بچوں میں سے ہر ایک کا ہاتھ پکڑ کر
زور سے وہ ظالم گھسیٹتا تھا کہ قتل کر ڈالے مگر دوسرا بھائی دوڑ کر آتا تھا
کہ اسے نہیں مجھے پہلے قتل کر۔ میں اِس کی لاش نہیں دیکھ سکوں گا۔
آخر حارث نے پہلے محمدؑ کا سَر کاٹا اور بدن کو نہر میں ڈال دیا۔ اور سر
کو خاک پر رکھ دیا۔ ابراہیم دوڑے اور بھائی کا سَر لے کر سینہ سے
لپٹا لیا اور چیخیں مار کر رونا شروع کر دیا۔ حارث نے محمدؑ کے سَر
کو ابراہیم سے چھین لیا اور اُنھیں بھی قتل کر دیا۔ پھر ابراہیم کی
لاش بھی پانی میں ڈال دی۔ اور اِن دونوں بچوںؑ کے سَر لے کر
ابن زیاد کے پاس لایا۔ اُس نے پوچھا کہ یہ کیا لایا ہے حارث نے جواب
دیا کہ یہ تیرے دشمنوں کے سَر ہیں یہ اس لئے لایا ہوں کہ جس عطا کا تو نے
وعدہ کیا تھا اُس کو پورا کر دے۔ ابن زیاد نے پوچھا کون دشمن؟
اس نے جواب دیا فرزندانِ مُسلمؑ! اُس نے حکم دیا کہ سروں کو صاف
کیا جائے اور دھو کر ایک طبق میں رکھا جائے لیکن ابن زیاد کو حارث
کی یہ حرکت ناگوار ہوئی کہ اُسنے کہا میں نے تو یزید کو لکھا تھا کہ ان بچوںؑ
کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اب تیرا جو حکم ہو وہ کیا جائے۔ اگر اس
خط کو دیکھ کر یزید نے ان بچوں کو زندہ طلب کر لیا تو میں اب کیا
جواب دوں گا۔ آخر تو اُنھیں میرے پاس زندہ کیوں نہیں لایا۔
حارث کہنے لگا مجھے خوف تھا کہ لوگ اِنھیں میرے ہاتھ سے لے کر
خود یہ اِنعام حاصل کر لیں گے۔ اور میں محروم ہو جاؤں گا۔ ابن زیاد
نے کہا تو ان کو اپنے گھر میں مقیّد رکھ سکتا تھا اور مجھے اطلاع دے
سکتا تھا تاکہ میں کسی کو بھیجکر خفیہ طریقہ پر اِن کو اپنے پاس بُلوا لیتا۔
حارث کے پاس اِس کا کوئی جواب نہ تھا تو اس نے سَر جھکا لیا۔
اور خاموش ہو گیا۔ ابن زیاد کا ایک خاص مُصاحب تھا اس کا نام
مقاتل تھا اور اس پر اسے بے حد بھروسا تھا۔ ابن زیاد جانتا
تھا کہ یہ مُحبّ اہلبیتِ رسولؐ ہے لیکن اِس کے باوجود اُس سے بے حد

خوش رہتا تھا۔ ابن زیاد نے مُقاتل کو بلایا اور کہا کہ حارث نے بغیر میرے حکم کے ان بچوں کو قتل کیا ہے اب اس کو لے جا اور اُسی جگہ جہاں اس نے فرزندان مُسلم کو قتل کیا ہے اس کو بھی قتل کر اور جسقدر بھی ذلّت و خواری ممکن ہو وہ عمل میں لانا۔ اور فرزندان مُسلم کے سروں کو اس مقام پر جہاں اس نے لاشیں ڈالی ہیں پانی میں ڈال دینا۔ یہ سُنکر مُقاتل کا دل خوش ہو گیا اور کہنے لگے کہ اگر ابن زیاد اپنی پوری حکومت میرے سپرد کر دیتا تو مجھے اُس قدر خوشی نہ ہوتی جتنی اب ہوئی ہے۔

مُقاتل نے جلّاد کو حکم دیا کہ حارث کے ہاتھوں کو گردن سے باندھے اور کوفہ کے بازاروں میں لے جائے تاکہ دنیا دیکھے کہ ظلم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور بچوں کے چھوٹے چھوٹے سروں کو بھی دکھاتے تھے کہ حارث نے ان معصوموں کو قتل کیا۔

جب لوگ حارث کو لے کر نہر کے کنارے پہونچے تو دیکھا کہ دو لاشیں اور پڑی ہیں اور ایک عورت بھی زخمی پڑی ہے۔ حارث نے مُقاتل سے کہا کہ میں تجھے دس ہزار دینار دُوں گا مجھے چھوڑ دے۔ مُقاتل نے کہا اگر تیرے پاس ساری دنیا ہوتی اور تو مجھے دیتا جب بھی میں تجھے نہ چھوڑتا۔ تیرے قتل کے عوض میں تو اب خدا سے بہشت حاصل کروں گا۔ پھر جب مُقاتل کی نظر اُس جگہ پر پڑی جہاں ان بچوں کا خون بہا تھا تو بہت روئے۔ اور زمین پر لوٹنے لگے اپنے غلام سے کہا کہ پہلے حارث کے ہاتھوں کو قطع کرے اس کے بعد پیر کاٹے پھر خود اُس کی آنکھیں باہر نکالیں۔ اور شکم چاک کر ڈالا۔ پھر اُس کے جسم پر ایک پتھر باندھ کر نہر میں ڈالدیا لیکن پانی نے اُسے قبول نہ کیا۔ اور تین مرتبہ اس کی لاش پانی میں پھینکی گئی اور ہر مرتبہ اُس کو پانی نے کنارہ پر واپس کر دیا۔ آخر اُس کی لاش جلاکر اُس کی خاک کو ہوا میں منتشر کر دیا گیا۔ لیکن عجیب

بات یہ ہوئی کہ نہر پانی میں اُس جگہ پڑ ڈالے گئے جہاں پر حارث نے اُن کی لاشوں کو پھینکا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہ لاشے پانی کی تہہ سے اُبھرے اور ہر ایک بھائی کا لاشہ اپنے اپنے سر سے متصل ہو گیا اور پھر ایک نے دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالیں اور پانی میں ڈوب گئے۔ (شہیدوں کو اللہ زندگی دوام عطا کرتا ہے اِس لئے اگر ایسا ہوا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں)

(دوسری روایت از ثمرات الاعواد صاا)

شیخ صدوق رحمہ نے امالی میں لکھا ہے کہ جب امام حُسین کی شہادت ہو چکی، خیموں میں آگ لگائی گئی اور مخدّراتِ عصمت کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے صحراء میں منتشر ہو گئے تو اُن بچوں میں دو فرزند حضرت مُسلم بن عقیل کے بھی تھے۔ جن کو اشقیاء نے گرفتار کیا اور کوفہ میں لا کر ابن زیاد کے دربار میں پیش کر دیا اُس نے حکم دیا کہ اِن کو قید کر دو چنانچہ یہ مقیّد ہو گئے یہاں تک کہ ان کی قید کو ایک سال گذر گیا اور یہ بچے قید خانے میں پڑے رہے۔ آخر چھوٹے بھائی نے بڑے سے کہا بھیّا! بھیّا ہماری عمریں تباہ ہوئی جاتی ہیں اِس قید خانہ میں اور معلوم نہیں کتنے دن رہیں اور اب ہم کب اس سے رہا کئے جائیں گے اِس زنداں بان کو اپنے نام و نسب سے مطلع کر کے دیکھیں شاید اِس کو رحم آجائے۔ اب کی جب داروغۂ زندان کھانا لے کر آیا تو چھوٹے بچّے نے آگے بڑھ کر کہا اے بھائی! کیا تو محمّد مصطفےٰ کو پہچانتا ہے جو مُسلمانوں کے نبی تھے اُس نے کہا کیوں نہیں جانتا وہ تو ہمارے پیغمبر تھے پھر بچّہ نے دریافت کیا کہ تو اُن کے ابن عم حضرت علیؑ بن ابی طالب کو بھی جانتا ہے؟ اُس نے کہا ضرور جانتا ہوں وہ تو میرے امام تھے۔ پھر اُس بچہ نے پوچھا کہ تو مُسلم بن عقیل سے بھی واقف ہے کہا ہاں، ان سے بھی واقف ہوں بچّہ نے کہا اے شیخ ہم اُن ہی کے فرزند ہیں۔ تجھے کیا ہے کہ تو ہم پر رحم نہیں کرتا اور ہماری کمسنی پر ترس نہیں کھاتا۔ قید خانہ کے منتظم نے جب یہ سُنا تو رونے لگا اور اور ان بچوں کے ہاتھ پیروں کے بوسے لینے لگا پھر عرض کی، میری جان آپ پر فدا ہو جائے۔ میں آپ کو

پہچانتا نہ تھا، جو کچھ تکلیف ہوئی ہو وہ معاف فرمائیے اور جو خدمت میں کمی ہو گئی ہو اس کو میرے شہزادو! عفو کر دیجئے گا۔ میں نے بڑی خطا کی، آپ کو ایک سال تک قید میں رکھا۔ اب میں سرورِ عالم کو کیا مُنہ دکھاؤں گا۔ امیر المومنین کے سامنے کیونکر جاؤں گا۔ اے شاہزادو! اے سیّدۂ عالم کی آنکھوں کے تارو! قید خانہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے آپ جہاں چاہیں چلے جائیں یہ سُنکر بچے دروازۂ زندان سے باہر نکلے سال بھر کے بعد آزادی ملی تھی، راستے معلوم نہ تھے کہاں جائیں، کس کے پاس جاکر پناہ لیں آخر یہ بچّے کوفہ کی سڑکوں پر اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ رات بھر پھرتے رہے صُبح کے قریب شہر کوفہ کے باہر ایک باغ میں یہ بچے اور درختوں میں چھپ گئے۔ اس باغ میں ایک کنیز آئی اور اُس نے اِن بچوں کو دیکھ لیا (اس کے بعد یہ واقعہ وہی ہے جو اس سے قبل بیان ہوا۔ (بحر صـ۱۱۲ پر تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہ ہے) فَبَيْنَا هِيَ تُكَلِّمُهُ وَيُكَلِّمُهَا اِذْ سَمِعَ هَمْهَمَةً فِي دَاخِلِ الْحُجْرَةِ الخ

زوجہ اپنے شوہر حارِث کو سمجھا رہی تھی کہ یتیمانِ مُسلم کا خیال دل سے نکالدے اور ان کے درپئے آزار نہ بن یہ اولادِ رسُول ہیں۔ ان کی عزّت کرنا تیرا فرض ہے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حُجرے کے اندر سے کسی کے بولنے کی آواز آئی۔ تو حارث نے پوچھا، یہ آواز کیسی ہے۔ کیا کوئی اس حجرہ میں ہے۔ زوجہ نے چاہا کہ کسی نہ کسی طرح بات کو ٹال دے مگر وہ شقی فوراً کھڑا ہو گیا اور روشنی لے کر حجرے میں گیا تو دیکھا کہ دو بچے نماز میں مشغول ہیں جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو اس نے دریافت کیا کہ تم کون لوگ ہو۔؟ اور یہاں کیوں آئے ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہمارے باپ مُسلم بن عقیل تھے۔ اور ہمیں اس کنیز۔ خدا نے اپنے گھر میں پناہ دی ہے یہ سُنکر اس نے وہی جملے ادا کئے جن کا پہلے ذکر ہوا الخ

پھر اس شقی نے بڑے بھائی کے مُنہ پر طمانچہ مارا۔ اور رسّی لاکر دونوں کو مضبوط باندھا اور ہاتھوں کو پس گردن سے کس دیا۔ ان بچوّں نے کہا ہم نے تیری کونسی خطا کی ہے۔ جو تو ہمیں یہ سزا دے رہا ہے تیری زوجہ نے ہمیں یہاں طلب کیا تھا اور ہمیں پناہ دی تھی۔ کیا تجھے خدا سے ڈر نہیں معلوم ہوتا۔ کیا تجھے ہماری یتیمی پر رحم نہیں آتا۔ کیا تجھے ہماری قرابتِ رسولؐ کا مطلق پاس و لحاظ نہیں ہے۔ لیکن اُس نے پرواہ نہ کی اور ان بچوں کو رسّیوں میں جکڑ کر حجرے میں ڈالدیا یہاں تک کہ صبح ہوگئی پھر اُن کو اپنے ساتھ نہرِ فرات کے کنارے پر لے گیا یہ دیکھکر اُس کی زوجہ، بیٹا اور غلام ہمراہ ہوگئے زوجہ برابر خوشامد کرتی رہی مگر اُس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ یہ بچوّں کو لئے ہوئے نہر پر آگیا۔ پھر اپنے غلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ یہ تلوار لے اور ان بچوں کو قتل کردے اور ان کے سَر مجھے دے۔ غلام نے تلوار لی اور بچوں کے قتل کا ارادہ کیا تو بچوں نے کہا اے غلام تیرا چہرہ کسقدر بلال مؤذن و غلام رسول اللہؐ سے مشابہت رکھتا ہے۔ تو ہمیں قتل نہ کر کیونکہ اگر تو نے ہم کو قتل کردیا تو قیامت کے روز رسولِ خداؐ تیرے دشمن ہوں گے یہ سُننا تھا کہ اُس نے دریافت کیا کہ آپ ہیں کون؟ بچوں نے کہا ہم اولادِ رسولؐ ہیں، ہم یتیمانِ مُسلم بن عقیل ہیں۔ یہ سُنتے ہی غلام بچوں کے قدموں پر گر پڑا۔ اور پیروں کے بوسے لینے لگا تلوار ہاتھ سے پھینکدی اور خود فرات میں کود کر دوسرے کنارے پر چلا گیا یہ دیکھکر حارث نے کہا کہ تو نے میرے حکم پر عمل نہ کیا اور وہاں چلا گیا۔ اُس نے کہا کہ تو نے خدا کا حکم نہ مانا تو میں نے تیرا حُکم نہ مانا۔ یہ سُنکر اُس لعین نے تلوار اُٹھائی اور کہا کہ ان کو سوائے میرے کوئی اور قتل نہ کرے گا۔ پھر اُن کے قریب گیا اور چاہا کہ قتل کرے اتنے میں اُس کا فرزند نزدیک آیا۔ اور باپ سے رحم کی درخواست کی اور کہا کہ اِن بچوّں کی قرابتِ رسولؐ کا خیال کر اور انھیں قتل نہ کر

یہ بہت کم سن ہیں۔ لیکن اُس نے نہ مانا۔ جب بچوں نے اس کی شقاوت
دیکھی اور یقین ہوگیا کہ اب وہ زندہ نہ رہیں گے تو ایک بھائی دوسرے
بھائی سے لپٹ گیا۔ اور چیخ چیخ کر رونے لگا۔ اس کے بعد حارث
کی طرف مڑے اور کہا کہ اے بدبخت ایسا نہ کر کہ قیامت کے دن ہم
رسول اللہ کے سامنے جاکر اپنے خونِ ناحق کا تجھ سے مطالبہ کریں۔ تو
ہمارے خون میں ہاتھ نہ رنگ اور ہمیں معاف کردے۔ ہمیں ابن
زیاد کے پاس زندہ لے چل اور اُس کے سپرد کردے پھر وہ جو
چاہے کرے اُس نے کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ بچوں نے کہا کہ اچھا
اگر یہ بھی ممکن نہیں تو ہم کو بازار میں لے جا اور فروخت کردے اور
ہماری قیمت سے فائدہ اُٹھا۔ لیکن ہمیں قتل نہ کر اُس نے کہا یہ بھی
ممکن نہیں۔ تمہیں قتل تو ضرور ہی کرنا ہے۔ بچوں نے کہا اے شقی القلب
اگر ہم کو قتل کرنا ہی ہے تو اجازت دیدے کہ ہم دو رکعت نماز
ادا کرلیں اُس نے کہا ہاں نماز پڑھ سکتے ہو۔ اگر وہ تمہیں فائدہ
دے تو ضرور پڑھو۔ ان بچوں نے وضوء کیا اور قبلہ کی طرف رُخ
کرکے آخری نماز ادا کی جب یہ نماز سے فارغ ہوگئے تو پھر اُس نے
تلوار کھینچی اور بڑے بھائی کے سامنے آیا تاکہ اُس کو قتل کرے
یہ دیکھنا تھا کہ فوراً چھوٹا بھائی اُس کے سامنے آگیا اور اصرار کرنے
لگا کہ پہلے مجھے قتل کر اور جب چھوٹے کی طرف بڑھا تو بڑے بھائی
نے اصرار کیا کہ میں اپنے بھائی کو ذبح ہوتے ہوئے نہیں دیکھ
سکتا پہلے مجھے قتل کر۔ اس شقی نے تلوار چلادی اور پہلے بڑے
کو قتل کیا اور اُس کا سر جسم سے الگ کیا یہ دیکھنا تھا کہ چھوٹے نے
اپنے آپ کو بھائی کے خون پر گرادیا۔ اور اُس کے خون میں لوٹنے لگا
اور فریاد کرنے لگا ہائے میرا بھائی۔! اُس شقی نے بچہ کو ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا
اور اُس پر بھی حملہ کردیا اور سر تن سے علیحدہ کردیا۔ دونوں کے
سر جدا کرکے لاشے فرات میں ڈالدیئے۔ پھر سروں کو لے کر ابن زیاد

کے پاس گیا ابن زیاد نے پوچھا کیا لایا ہے؟ اس نے کہا: یہ یتیمانِ مُسلم بن عقیل کے سر ہیں اُس نے سروں کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوتا تھا چادر میں چاند کے دو ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں، ابن زیاد نے کہا تو نے ان کو کیوں قتل کیا؟ اُس نے کہا تیرے انعام کے لئے امیر! پوچھا یہ کہاں ملے تھے اور کیونکر گرفتار ہوئے کہنے لگا یہ تو میرے ہی گھر میں خود آ گئے۔ اور میری زوجہ کے مہمان تھے۔ ابن زیاد نے کہا کہ تجھے مہمانی کا حق ادا کرنا نہیں آتا۔ اگر تو انھیں میرے پاس زندہ لے آتا تو میں انعام کو دوچند کر دیتا۔ پھر اُس نے دریافت کیا کہ اچھا یہ بتا کہ ان بچوں نے تجھ سے کیا کہا تھا جب تو اِن کو قتل کر رہا تھا کہنے لگا کہ اُنھوں نے کہا کہ ہماری یتیمی پر رحم کر۔ اور ہم کو قتل نہ کر کیونکہ اگر تو ہمیں قتل کرے گا تو قیامت میں رسولِ خدا تیرے دشمن ہوں گے۔ ہمیں ابن زیاد کے پاس زندہ لے چل اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ہمیں بازار میں فروخت کر دے اور ہماری قیمت سے فائدہ اُٹھا۔ وہ بولا: تو نے کیا جواب دیا؟ اس نے بتایا کہ یہی کہا کہ میں تم کو ضرور قتل کروں گا اور تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گا۔ یہ سُنکر ابن زیاد نے اپنے دربار پر غور سے نظر کی اور حکم دیا کہ اس کو فوراً قتل کر دو حُکم ملتے ہی وہ ملعون بھی قتل کر دیا گیا اور ابن زیاد کے حُکم سے بچوں کے سر اُسی مقام پر دفن کر دیئے گئے جہاں اُن کو قتل کیا گیا تھا

شیخ صدوقؒ "امالی"، میں اس واقعہ کو اس طرح لکھتے ہیں کہ "واقعۂ کربلا کے بعد یہ دو بچے گرفتار ہو کر دربارِ ابن زیاد میں لائے گئے تو اُس نے قید خانہ کے منتظم کو بُلایا اور حُکم دیا کہ انھیں قید کر دیا جائے اور ان پر خوب سختی کی جائے نہ تو اِنھیں اچھا کھانا دینا اور نہ کبھی آبِ سرد پلانا۔ اس طرح وہ یتیم دن کو روزہ رکھتے تھے اور شام کو دو جو کی روٹیاں اور ایک چھوٹا سا برتن پانی کا زندان بان لاکر دیتا تھا تو اِفطار کرتے تھے اسی مصیبت میں ایک سال گزر گیا تو پھر

ایک دن چھوٹے بھائی نے بڑے سے وہی کہا جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اور وہی انھیں جوابات ملے۔
منتظمِ زندان شدت سے رونے لگا اور قدموں پہ گر کر بوسے لینے لگا۔ اور یہ کہتا تھا: خدا کی قسم محمدؐ کو قیامت کے روز اپنا دشمن نہیں بناؤں گا اے شہزادو! جہاں چاہیے چلے جاؤ۔ رات کو چلنا اور دن کو چھپے رہنا۔

اس روایت میں گھر کی مالکہ کے شوہر کے بجائے "داماد" کا ذکر ہے اور اُس کی بیٹی کی گفتگو داماد کے ساتھ مذکور ہے۔

پھر دونوں بھائیوں کا خواب اور ایک کا دوسرے کو جگانا۔ پھر کہا گیا ہے کہ داماد نے جب ان بچوں کی آواز سُنی تو دیوار پکڑتا ہوا اندھیرے میں بچوں کے پاس آیا حَتّٰی وَقَعَتْ یَدُہٗ عَلٰی جَنْبِ الْغُلَامِ الصَّغِیْرِ یہاں تک کہ اُس کا ہاتھ چھوٹے بچے کے پہلو پر پڑا، پوچھا تم کون ہو فَقَالَ مَنْ اَنْتُمَا اس نے جواب میں دریافت کیا کہ تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟ بچوں نے کہا کہ اے شیخ! اگر ہم سچ بتا دیں تو ہمیں امان دے گا۔ اس نے کہا: ہاں دوں گا۔ دونوں کہنے لگے یا شَیْخُ نَحْنُ مِنْ عِتْرَۃِ نَبِیِّکَ ھَرَبْنَا مِنَ السِّجْنِ اے شیخ ہم ذریت رسولؐ سے ہیں ہم قید خانہ میں تھے مگر وہاں سے نکل آئے۔ وہ کہنے لگا۔ مِنَ الْمَوْتِ ھَرَبْتُمَا وَاِلَی الْمَوْتِ وَقَعْتُمَا۔ تم دونوں موت سے بھاگے ہو مگر اتفاقاً موت ہی نے تمہیں گرفتار کر لیا۔ اُس خدا کا شکر جس نے مجھے تمہاری جستجو میں کامیاب کیا اس کے بعد اُس نے بڑے بچے کے مُنھ پر اتنے زور سے طمانچہ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ پھر بہت کَس کَس کر اسکی مُشکیں باندھیں پھر چھوٹے بھائی کو اُس سے زیادہ زور سے طمانچہ مارا کہ وہ بھی مُنھ کے بَل گرا۔ پھر اُس کی بھی مُشکیں باندھیں یہ دیکھکر دونوں بھائی شدت سے رونے لگے مگر اُس ظالم و شقی انسان نما درندے کو ان ننھے بیگناہ یتیم بچوں کے آنسوؤں پر رحم نہ آیا۔ اور پھر وہی گفتگو کی جو گزشتہ روایت میں ذکر کی گئی۔ آخر ان بچوں کی مُشکیں باندھکر

باہر لایا۔ اور رات بھر کھڑا رکھا یہ کھڑے رہے اور روتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو وہ بے دین ان کو فرات کی طرف لے گیا۔
پھر جب ایک بھائی قتل ہوا تو دوسرا بھائی اس کے خون میں لوٹنے لگا اور آواز دی وااَخاہُ وَاقِلّۃَ نَاصِرَاہُ ہائے میرا بھائی ہائے میرا کوئی ناصر و مددگار نہیں! اب تو میں اسی شان سے نانا کے پاس جاؤں گا اور فریاد کروں گا۔

اس روایت میں اس طرح لکھا ہے۔
جب اُس شقی نے پہلی لاش فرات میں ڈالی تو وہ پانی پر تیرتی رہی پھر جب دوسری لاش بھی ڈالدی تو ایک نے دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالدیں۔ اور دونوں لاشیں پانی میں ڈوب گئیں۔
بچوں نے حارث سے جب یہ کہا تھا کہ ہم کو فروخت کر کے ہماری قیمت سے فائدہ اُٹھا تو یہ بھی کہا تھا کہ ہماری زلفوں کو ترا ش لے اور ہمیں غلاموں کی طرح بازار میں فروخت کر دے مگر قتل نہ کر اور رحم کھا!
روضۃ الشہداء صفحہ ۲۳۲ پر ہے کہ ان دونوں لاشوں کو پانی سے مقاتل نے باہر نکال کر ساحل پر دفن کر دیا تھا جہاں اب بھی روضہ بنا ہوا ہے۔
مقاتل نے حارث کے ہاتھ پیر کٹوا کر اُس کے پیٹ کو چاک کیا اور اُس کے کٹے ہوئے اعضا کو اُس کے پیٹ میں بھر کر باندھ دیا اور ایک لکڑی میں اُس کی لاش کو باندھ کر فرات میں ڈالدیا۔ کچھ دیر کے بعد لاش کنارے پر آ گئی تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ جب فرات نے اس کو قبول نہ کیا تو ایک کنواں کھودا گیا۔ اور اُس میں اسے ڈالا گیا لیکن ذرا دیر میں زمین کانپی اور اس کی لاش زمین کے باہر آ گئی۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ اور جب یہ دیکھ لیا گیا کہ اُس کو نہ پانی قبول کرتا ہے اور نہ زمین تو لکڑیاں جمع کر کے آگ لگائی گئی اور اس میں اس کو

جلا کر اُس کی خاک کو ہوا میں منتشر کر دیا گیا۔ (شہداءِ راہ خدا کے لئے یہ چیزیں ہر طرح ممکن ہیں)

اب ہم کوفہ کے متعلق کچھ تاریخی تفصیلات درج کرتے ہیں۔

کوفہ کے مختصر تاریخی حالات

فاضل محترم سید سبط الحسن صاحب ہنسوی اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں۔" حضرت علیؑ کو تجربہ تھا کہ مقدس شہر (یعنی مدینہ) کے باشندوں نے آپ کی علمی تحریک سے دلچسپی نہیں لی۔ جبکہ خلیفہ سوم کے بعد شہر (مدینہ) میں بڑے بڑے سرمایہ دار و جاگیردار رہتے تھے وہ کیونکہ علیؑ کی تحریک علمی میں حضرت کے معین و مددگار بن سکتے تھے ان کے اور علیؑ کے نصب العین اور نظریہ میں بڑا فرق تھا۔ اس لئے علیؑ نے ایک ایسے شہر کو اپنا مرکز بنایا جہاں سے آپ بیک وقت ہر دو لڑائیوں کو لڑ سکتے تھے تبلیغ فکر و دانش، اور تعلیم علوم و فنون کے لئے بھی نوجوانوں کی ضرورت تھی اور دشمن سے حرب و ضرب کے لئے بھی چنانچہ حضرت نے ایسے مقام کو تبلیغ فکر و دانش و تعلیم علم و فنون کا مرکز اور اپنا معسکر (کنٹونمنٹ) قرار دیا جہاں کی اکثریت اقتصادی و معاشرتی حیثیت سے دکھی اور ستائی ہوئی ضرور تھی لیکن وہ سرزمین بابل و نینوی کی قدیم ترین تہذیب کا گہوارہ تھی جہاں بادشاہ عرب نعمان بن المنذر نے عربی ادبیات و اشعار کو سپرد زمین کر کے محفوظ کیا تھا۔ (المزھر للسیوطی) جہاں ایرانی تہذیب و تمدن کے گہرے نشانات نمایاں تھے نوائی اور نجبوں کی لنڈ آبادیاں تھیں جہاں کے لوگ مرقیونی دیصانی اور مانی کے فلسفہ و رجحانات سے آشنا تھے جہاں صائبین مزدکی، زنادقہ اور سمنیہ پائے جاتے تھے[1]

---

[1] مرقیون Marcion دوسری صدی مسیحی کا ایک عیسائی

عالم تھا جو اپنے ملحدانہ خیالات کی وجہ سے چرچ کی جانب سے کافر و مرتد بنا دیا گیا تھا۔ عیسائیت سے الگ ہونے کے بعد اس نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا تھا جو مسیحیت سے ملتا جلتا تھا اس نے عہد عتیق و جدید کی بعض کتابوں کا کتب آسمانی ہونے سے انکار کیا اور نور و ظلمت جو دو متضاد چیزیں ہیں ان کا اس حیثیت سے معتقد تھا کہ چونکہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور بالاصالتہ آپس میں اجتماع و اتحاد کا امکان نہیں رکھتیں اس لئے ایک تیسری چیز جو نور سے پست اور ظلمت سے بالاتر ہے وہ ان دونوں کی آمیزش و اختلاط کا باعث ہو کر وجود عالم کا سبب بنی اس طرح گویا ثنویت و تثلیث دونوں کو اس نے سمو دیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اور بھی نظریات ہیں۔ اس کے پیرو مرقیونی کہلاتے ہیں اس فرقہ کے لوگ روم و شام۔ ایران و عراق میں منتشر تھے (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الملل والنحل لشہرستانی بحار الانوار وغیرہ)

ابن دیصان (BARDASANE ۱۵۴ء — ۲۲۲ء) یہ شخص حکماء شام سے تھا ۱۷۹ء میں مسیحی ہو گیا، عیسائیت کی حمایت کرتا رہا اور مرقیونی فرقہ کی رد کرتا رہا لیکن بعد میں اس نے خود ایک نیا مذہب ایجاد کیا جس کی وجہ سے چرچ نے اس کے ارتداد و کفر کا فتویٰ دیا۔ ابن دیصان شاعر، نجومی، اور مورخ تھا اور ثنویت کا عقیدہ رکھتا تھا اس کا خیال تھا کہ نور فاعل خیر باختیار ہے اور ظلمت فاعل شر باضطرار ہے۔ نیکی، خیر، نفع، خوشبو۔ نور کی تخلیق ہیں اور قبح، شر، ضرر و عفونت (بدبو) کو ظلمت نے پیدا کیا ہے۔ نور۔ حی، عالم، مدرک و قادر ہے۔ اور حرکت و زندگی کا وہی باعث ہے اور ظلمت مردہ، جاہل، عاجز، بے شعور اور بے حرکت ہے۔ قابل عمل و تمیز نہیں ہے۔ ابن دیصان کے پیرو دیصانی

کہلاتے ہیں۔ اس عقیدے کے لوگ خراسان اور فرات کے نشیبی علاقہ میں پائے جاتے تھے۔ تیسری صدی ہجری میں بھی اس عقیدے کے لوگ عراق میں موجود تھے جن میں ابو شاکر دیصانی مشہور ہے۔ (ملاحظہ ہو الملل والنحل، کتاب التنبیہ والاشراف اور بحار الانوار ج ۲)

مانی مذہب (MANES)۔ ابن دیصان اور مرقیونی عقائد کی باہمی ترکیب کا ایک نیا بہروپ ہے اس لئے مرقیون اور ابن دیصان کو بھی مانی مذہب کا پیشرو سمجھا جاتا ہے مانی نے اپنے مذہب کو شاپور بن اردشیر کے زمانہ میں ظاہر کیا تھا یہ عہد حضرت عیسٰیؑ کے بعد کا ہے۔ یہ شخص حضرت عیسٰیؑ کی نبوت کا قائل تھا۔ اور اُن کو کلمۃ اللہ و روح اللہ مانتا تھا لیکن حضرت موسٰیؑ کی نبوّت سے انکار کرتا تھا۔ آدم، شیث، نوح ابراہیم کی نبوّت کے ساتھ ہی ساتھ مہاتما بودھ کا بھی قائل تھا مسیح کے بعد پولوس کو پیغمبر تسلیم کرتا تھا اور اس کا یقین رکھتا تھا کہ آخری نبی سرزمین عرب میں پیدا ہوگا۔ (الملل والنحل للشہرستانی)

کبھی ان مذاہب کے متبعین کو زندیق سے بھی خطاب کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر عبداللہ بن المقفع کو زندیق سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ اسی نے سب سے پہلے ان مذاہب کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا ہے۔ (مروج الذھب مسعودی ج ۲ صفحہ ۱۰۱) زندیق مندرجۂ ذیل چار معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) جس شخص نے علانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرکے دین و شریعت سے قولاً و عملاً بغاوت کی اس پر زندیق کا اطلاق ہوا جیسے یزید و ولید و امثالہما۔

(۲) متبعین دینِ مجوس خاص کر مانی مذہب والے جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے جیسے بشار و حماد و ابن المقفع۔

(۳) متبعین دینِ مجوس خاص کر مانی عقیدے کے وہ لوگ جو ظاہری اسلام کو بھی نہیں ظاہر کرتے تھے۔

(۴) ملحدین جو کوئی دین و مذہب نہیں رکھتے تھے چنانچہ ابو العلاء

المعرّیؔ نے اپنے رسالۃ الغفران" میں لکھا ہے کہ زندیق دہریئے کو کہتے ہیں جو نبوت اور کتاب کو نہیں مانتا۔ ایسے ہی شمنیہؔ فرقہ کے عقائد بھی اس عہد میں اثر انداز تھے۔ دراصل یہ ہندوستانی مذہب ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ "شمن" اس فرقہ کے بانی کا نام ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ بُت "سومنات" کا نام ہے۔ علامہ بیرونی لکھتے ہیں کہ یہ فرقہ براہمہ سے شدید بغض رکھتا تھا اور خراسان، فارس، عراق، موصل اور حدود شام تک اس فرقہ کے لوگ پائے جاتے تھے مگر جب آذربائیجان سے زردشت نے ظہور کیا اور زردشتی مذہب پھیلا تو شمنیہؔ مذہب ان مقامات سے زائل ہوگیا (مَالِلْھِنْدِ مِنْ مَقُوْلَۃِ الْبِیْرُوْنِی صنا) فرقۂ شمنیہ مثل ہندوؤں کے تناسخِ ارواح کا قائل ہے، قیامت کا عقیدہ نہیں رکھتا اور نظر واستدلال کا منکر ہے اس فرقہ کا خیال ہے کہ اشیائے عالم کی معرفت کا ذریعہ سوائے ظاہری حواسِ خمسہ کے اور کچھ نہیں۔ دوسری صدی ہجری میں بھی عراق میں اس فرقہ کے لوگ تھے چنانچہ بصرہ میں جریر بن عازم ازدی اس فرقہ کا مشہور شخص تھا (مفتاح العلوم للخوارزمی ص۵ مطبوعہ مصر، اغانی ج ۳ ص۱۱۱) "مزدکی"، مزدک کے پیرو تھے یہ شخص قباد پدر نوشیروان کے زمانہ میں ایک نئے اشتراکی مذہب کا بانی ہوا بہت سے خیالات اور رجحانات مانی مذہب سے ملتے جلتے تھے اس مذہب میں عورت اور مال پر تصرف کرنے کا سب کو یکساں حق حاصل تھا۔ (الملل والنحل) صابی وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ خالق عالم متّصف باصفاتِ کمال ہے لیکن ہم اس کا تقرّب بغیر کسی واسطہ کے حاصل نہیں کرسکتے اور ستارے جو خدا کی طرف سے مدبّر عالم ہیں وہی واسطہ ہیں اس لئے یہ سیّارگان ہفت گانہ کی پرستش کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ سے خدائے بزرگ کی قربت حاصل ہو۔ ہر سیّارہ کے لئے ایک مخصوص ہیکل بناکر وہاں اس کی پرستش کرتے تھے اس کے علاوہ ان کے اور بھی مقالات ہیں۔

(نوٹ ختم ہوا۔ دیکھو اصل عبارت کا سلسلہ)

جہاں مسیحی اور یہودی دُعاۃ (مشنری) دورے کرتے تھے اور جہاں عیسائیوں کے دَیر اور کینسے بکثرت تھے جن میں صُحُفِ انبیاء و حواریّین اور اَساقِفہ کے نوشتہ جات محفوظ تھے اور ان صحیفوں اور تحریروں کے پڑھنے والے دَیرانی و راھب الٰہیات کے دقیق مسائل پر بحثیں کرتے رہتے تھے اور تصنیف و تالیف سے ذوق رکھنے والے راھب تحریر و تصنیف میں مصروف رہتے تھے اور اُن کے لئے سامانِ نوشت و اَدَواتِ کتابت فراہم رہتے تھے۔ جہاں مزاراتِ انبیاء ۔ ذوالکِفل، یونس، ھود کی زیارت کے لئے دور دراز سے یہود و نصاریٰ زائر و سیّاح کی حیثیت سے جُوق در جوق آتے رہتے تھے۔ یہ کوفہ وہ سرزمین ہے جس پر حضرت ابراہیم اور حضرت لوط نے آکر قیام کیا تھا اور اس خطّہ ارض کو حضرت ابراہیم نے خرید کر ارشاد کیا تھا اِنّہ یُحشَر مِن وُلدِی مِن ذالکَ الموضِع سَبعُونَ اَلفَ شَھِید ،، میری اولاد سے اس خطّہ میں ستّر ہزار شہید روزِ قیامت اُٹھائے جائیں گے۔ جس کی بناء پر یہود اس ارضِ مقدّس میں اپنے مُردے لاکر دفن کیا کرتے تھے۔ (مُعجم البُلدان جلد دوم صفحہ ۵۰ طبع مصر) جہاں ہند اور چین کے سیّاح خراسان و ترکستان اور سمندری راستوں سے آیا جایا کرتے تھے۔ امیرالمؤمنین حضرت علیؑ نے اس خصوصیّت کی بناء پر عراق کو منتخب فرمایا اور کوفہ کو اپنا دارالسّلطنت بنایا۔

الاُستاذ عبّاس محمود اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

حضرت علیؑ ہی سب سے پہلے وہ خلیفہ تھے جنھوں نے مدینہ سے مرکزِ حکومت کو ہٹا کر غیر ارضِ حجاز کی طرف منتقل کیا حالانکہ حضرت خود حجازی اور آپ کے آباؤ اجداد بھی حجازی تھے آپ نے کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنایا اور در اصل اُس زمانہ میں کوفہ مناسب ترین مقام تھا جس کو مرکزِ حکومت بنایا جاتا۔ کوفہ مختلف اقوام و ملل کے ملنے کی جگہ بھی اور بین الملّی تجارت کی منڈی بھی تھی جہاں ہندوستان و

فارس، یمن، عراق اور شام کے بیوپاری خرید و فروخت کے لئے آتے جاتے رہتے تھے بلکہ وہ ایک علمی مرکز بھی تھا۔ جہاں کتابت، لغت، قراءت انساب، فنونِ شعر و روایات کے مدارس و مکاتب کی نشو و نما ہوئی درحقیقت امام علیہ السلام کی حکمت کے لئے کوفہ ایک مناسب ترین مقام تھا (عبقریۃ الامام صفحہ ۱۶ طبع مصر)

علیؑ نے کوفہ کو دارالعلم بنایا۔ اب امیرالمومنین کوفہ کی مسجد میں ہزاروں اصحاب کے سامنے جن میں صرف عرب ہی نہیں بلکہ غیر عرب موالی و عجم، قبطی سب ہی ہوتے تھے روزانہ مختلف عنوانوں، الہیات طبیعیات، اخلاق و سیاسیات، تمدن و معاشرت، فنونِ جنگ و نظام عسکری پر برابر تقریریں فرماتے رہتے تھے۔ اور اپنے اُن عُمّال کو جو مرکز سے دُور تھے مکتوبات کے ذریعہ ان مضامین کی تعلیم دیتے تھے۔ گویا اس طرح دنیا کو فکر و نظر، علوم و ادب کی طرف آمادہ کرتے تھے تاریخ پر نظر رکھنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ علیؑ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور کوفہ دُنیائے اسلام کا ایک مشہور علمی مرکز بن گیا جہاں سے اسلامی علوم و فنون، عربی لسانیات و ادبیات، کیمیا اور علمِ ہیئت کے چشمے پھوٹے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دارالعلم کوفہ سے نکلے ہوئے حضرت کے شاگرد جیسے ابوالاسود الدؤلیؒ (قبیلۂ دُئل سے تعلق رکھنے والے تھے جو بنو کنانہ کی ایک شاخ تھی۔ دیکھو لسان العرب) جہاں گئے اُس جگہ کو بھی علمی گہوارہ بنانے میں کامیاب ہوئے چنانچہ کوفہ کے بعد بصرہ علمی مرکز بنا۔ یہ کوفان (یعنی کوفہ و بصرہ) ہی وہ مقامات ہیں جو عربی لسانیات و ادب کی دو مشہور درسگاہ ہیں (لفظ کوفان) سے مُراد کوفہ و بصرہ نہیں ہے بلکہ "کوفان" اصل میں کوفہ ہی کا ابتدائی اور اصلی نام ہے۔ ۱۲ مؤلف)

علامہ جلال الدین السیوطیؒ لکھتے ہیں۔ تمام اہلِ عرب میں صرف اہل کوفہ و بصرہ ہی ہیں جنہوں نے قریش سے لُغت اور زبانِ عربی کو نقل کیا ہے اور کتابوں میں محفوظ کر کے اس کو علمی و اَدبی حیثیت دی۔

(کتاب المزھر ج ۱ صفحہ ۱۰۵ طبع مصر) پھر لکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ علم انھیں دو
شہروں میں منتہی ہوا پہلے کوفہ میں اس کے بعد بصرہ میں اور تمام عرب
میں یہی لوگ صاحبِ تصنیف و تالیف ہوئے اور علوم و فنون میں انھیں
کی طرف رجوع کی جاتی ہے۔ سوائے ان دو شہروں، کوفہ اور بصرہ
کے عرب کے کسی شہر میں علم نہ تھا۔ شہر مدینہ میں لغت کا ماہر میرے
علم میں کوئی نہیں مکہ میں ایک غیر عرب تھا جس نے نحو میں ایک کتاب
لکھی جس کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ (کتاب المزھر الجزء الثانی
صفحہ ۲۱۰) یہی کوفہ ہے جہاں سے اسلامی فقہ (قانون) کی اشاعت
ہوئی یہیں سب سے پہلے فقہاء، متکلمین و فلاسفہ پیدا ہوئے اور انھیں
دونوں مقامات پر اسلامی مفکرین کی نشو و نما ہوئی جنہوں نے فلسفہ،
طبعیات، الٰہیات، کیمیا و ہیئت کے مسائل پر روشنی ڈالی۔
اور دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں علوم و فنون کو پہنچایا، اور یہ درس
و تعلیم گاہوں کا رواج ہوا جہاں ظلمت کدہ یورپ کے تشنگانِ علوم سیراب
ہونے کے لئے آتے تھے۔ علامہ ابن ابی الحدید مدائنی نے اس کی
وضاحت کی ہے کہ اوّلین مفکرین اسلام جنہوں نے الٰہیات کے علوم
پر بحث و نظر کی ہے اور توحید و عدل، جبر و اختیار و قضاء و قدر
کے مسائل حل کئے ہیں، وہ اس علم میں علی بن ابی طالب ہی کے
شاگرد تھے اسی طرح فقہائے اسلام اور آئمہ اربعہ ابو حنیفہ،
شافعی، احمد بن حنبل، مالک بن انس۔ (ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، ۸۰ - ۱۵۰ھ / ۶۹۹ - ۷۶۷ء
احمد بن حنبل ۱۶۴ھ - ۲۴۱ھ / ۷۸۰ - ۸۵۵ء - شافعی = محمد بن ادریس۔
۱۵۰ھ - ۲۰۴ھ / ۷۶۷ - ۸۲۰ء - مالک بن انس الاصبحی الحمیری ۹۳ھ - ۱۷۹ھ / ۷۱۲ - ۷۹۵ء
ان سب کے معلّمِ اوّل بھی جن سے علم فقہ ان تک پہنچا علی بن
ابی طالب ہی ہیں، آئمہ مفسرین بھی علیؑ ہی کے شاگرد تھے لیکن شاگردوں
کے عقائد کی ذمّہ داری استاد پر نہیں ہوتی۔ مؤلف)
کوفہ کے متعلق اب ہم "تاریخ کوفہ"، مؤلفہ السید حسین النجفی المتوفیٰ

۱۳۳۳ھ کے حوالہ سے کچھ معلومات درج کرتے ہیں۔ (ص ۲) خانۂ کعبہ کے بعد دنیا کی ہر عمارت سے مسجدِ کوفہ مقدم ہے اس مسجد میں حضرت آدم اور دوسرے انبیاءِ کبار نے عبادتیں کی ہیں اس میں مسافر کو قصر و اتمام نماز میں اختیار حاصل ہے۔

خانۂ کعبہ اور مسجد نبیؐ پر اس کو فضیلت حاصل نہیں ہے۔ باقی تمام مساجد پر فضیلت ہے۔ پھر صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں مسجد کوفہ کو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ اور اس سے بھی پہلے اس جگہ کو فرشتوں نے آباد کیا تھا۔

مسجد کے دروازے بہت سے تھے، ہر قبیلہ کا دروازہ الگ تھا ان دروازوں میں سے ایک "باب السُّدَّۃ" تھا جس سے امیر المؤمنین داخل ہوتے تھے۔ دوسرا "باب کِنْدہ" تھا۔ تیسرا "باب الأنماط" تھا، چوتھا "باب الفیل" جو اصل میں باب الثُّعبان تھا۔ ایک مرتبہ حضرت امیر المؤمنین خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک اژدہا اسی دروازے سے داخل ہو کر منبر پر چلا گیا اور دیر تک آپ سے مصروفِ گفتگو رہا اور پھر واپس چلا گیا۔ آپ نے بعد میں فرمایا کہ یہ جنوں کا حاکم ہے۔ ایک مسئلہ معلوم کرنے آیا تھا۔ اس وقت سے اس دروازے کو جس سے وہ داخل ہوا تھا "باب الثعبان" کہا جانے لگا مگر بعد میں بنی اُمیّہ نے اس فضیلت کو چھپانے کے لئے وہاں ایک ہاتھی باندھ دیا اور اس دروازہ کا نام "باب الفیل" رکھ دیا جس سے اُس کی شہرت اسی نام سے ہو گئی۔

اب قبائل کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں اور صرف "باب الثُّعبان" باقی ہے۔

کوفہ کی تاسیس

سعد بن ابی وقاص نے ابو الهیجاء الاسدی کو حکم دیا کہ وہ سرزمین کوفہ کی حد بندی کرے یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب فتحِ مدائن کے بعد سعد بن ابی وقاص

واپس ہوئے اور یہ ۱۶ھ تھا (بعض مقامات پر مدائن کی جگہ "قادسیہ" لکھا ہے) شہر قادسیہ عراق میں واقع تھا جہاں عربوں نے ایرانیوں کو شکست دی تھی اور پھر ایرانی شہروں پر یلغار کر دی۔ اور ان کو فتح کر لیا تھا۔ اس موقع پر عرب لشکر کی تعداد سولہ ہزار تھی اور ایرانیوں کی تعداد اسی ہزار۔ عربوں کا سپہ سالار سعد بن ابی وقاص اور ایرانیوں کا رستم تھا۔

سعد بن ابی وقاص کے لڑکے عمر بن سعد نے امام حسین علیہ السلام سے کربلا میں جنگ کی تھی۔

کوفہ کی ابتدائی تعمیر اور حد بندی بھی سعد نے ہی کی تھی۔

(معارف لابن قتیبہ صفحہ ۱۰۶) پر ہے کہ سعد بن ابی وقاص کو خلیفہ ثانی نے والی کوفہ بنایا تھا۔ پھر انہی نے ان کو لوگوں کی شکایت کی بناء پر معزول بھی کر دیا تھا۔

حضرت عثمان نے اپنے عہد میں پھر ان کو حکومت کوفہ سپرد کی اور بعد میں معزول بھی کر دیا۔ اور "ولید بن عقبہ" کو ان کی جگہ والی کوفہ بنا دیا تھا۔ بالآخر ۵۵ھ میں یہ اپنے قصر میں جو مقام "عقیق" میں تھا۔ وفات پا گئے۔ یہ مقام مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر تھا وہاں سے ان کی میت مدینہ لائی گئی۔ وقتِ وفات ان کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔

سعد بن ابی وقاص ہی کے عہد میں کوفہ میں پہلے دارالامارۃ کی تعمیر بھی ہوئی تھی۔ اس دارالامارۃ کی تاریخی عمارت کو ۷۱ھ میں عبدالملک بن مروان نے گروا دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ اس کے دربار میں عبدالملک بن عمیر بھی تھا۔ اس نے عبدالملک کے سامنے مصعب بن الزبیر کا کٹا ہوا سر دیکھ کر کہا۔ "اے امیر! میں اس وقت بھی موجود تھا جب عبیداللہ بن زیاد کے دربار میں اس کے سامنے سر حسین بن علی رکھا ہوا تھا۔ اسی قصر اور اسی دربار میں پھر

میری آنکھوں نے مختار بن ابی عُبیدہ کے دور کو بھی دیکھا جن کے سامنے خود عُبیداللہ بن زیاد کا سر رکھا ہوا تھا۔ پھر میں نے مُصْعَب بن زُبیر کے دربار کو بھی دیکھا جن کے سامنے مختار کا سر رکھا ہوا تھا۔ اب میں آپ کے دربار میں بھی حاضر ہوں اور مُصعَب بن زُبیر کا کٹا ہوا سر آپ کے سامنے دیکھ رہا ہوں۔

اے امیر! میں ایسے درباروں سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ یہ سُنکر عبدالملک کانپنے لگا اور فوراً کھڑا ہو گیا اور حکم دیا کہ اس قصر کو کھود ڈالا جائے۔ (تاریخ کوفہ ص۶۷)

ظہورِ حضرت حجتہ

حضرت امام عصر کا ظہور مکہ میں ہوگا۔ پھر مدینہ میں تشریف لائیں گے اس کے بعد کوفہ جائیں گے۔ اور وہاں جنگ کریں گے اور مسجدِ کوفہ سے احکام جاری فرمائیں گے۔

کوفہ کے معنی

کوفہ کے معنی کی تشریح ص۸۳ پر ہے اس کا نام "کُوفان" بھی تھا۔

حجر اسود کا مسجدِ کوفہ میں نصب ہونا

ص۷۹ علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں اَصْبَغ بن نُباتہ سے حضرت امیرالمومنین کا ارشاد نقل کیا ہے۔ "آپ نے فرمایا تھا کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد حجرِ اسود مسجدِ کوفہ میں نصب کیا جائے گا۔ نیز اس مسجد کو میری اولاد میں وہ شخص اپنا مُصلّٰی بنائے گا جس کا نام مہدیؑ ہوگا۔

چنانچہ ۲۹۳ھ میں زکرویہ دالقرمطی نے ایک نئے دین کی تبلیغ کرنا شروع کی۔ پھر مسلمانوں سے جنگیں ہوئیں بالآخر وہ قتل ہو گیا۔ اور اُس کی جگہ ابو طاہر القرمطی نے حاصل کی اور ۳۱۷ھ تک قتل دغارت کرتا رہا۔ پھر اس نے مکہ کا قصد کیا اور ۸/ ذیحجہ کو وہاں داخل ہوا اور بیشتر حاجیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اور بُری طرح لوٹا پھر حجرِ اسود کو اُکھاڑ لیا۔ اس ملعون ابو طاہر نے خانۂ کعبہ کے دروازے

کو بھی اُکھاڑ دیا اور ایک شخص کو کعبہ کی چھت پر بھیجا کہ وہ میزاب کعبہ کو توڑ دے۔ وہ شخص کعبہ کی چھت سے گر کر مر گیا پھر ابو طاہر نے مقتولوں کو چاہِ زمزم میں ڈال دیا۔ اور جو رہ گئے تھے انھیں مسجد الحرام میں دفن کرا دیا۔ اس نے کعبہ کی پوشش کو بھی لوٹ لیا اور اُسے آپس میں تقسیم کر لیا۔ اہلِ مکّہ کے گھروں کو لوٹا اور برباد کیا اور خود کعبہ پر چڑھ گیا اور یہ شعر پڑھتا تھا۔

أنا بالله وبالله أنا	يخلق الخلق وأفنيهم أنا

"خدا کی قسم خدا مخلوقات کو خلق کرتا ہے اور میں ہی اُن کو فنا کرتا ہوں"۔

اس کے بعد جب اُس نے حجرِ اسود کو اُکھاڑا تو یہ اشعار پڑھے۔

لو كان هذا البيت معبد ربنا	لصبّ علينا النار من فوقنا صبّا
لأنا حججنا حجة جاهلية	محللة لم تبق شرقا ولا غربا
وانا تركنا بين زمزم والصفا	جنائز لا تبغي سوى ربها ربّا

ترجمہ (۱) اگر یہ گھر ہمارے پروردگار کی عبادت گاہ ہوتا تو وہ یقیناً ہم پر آگ کو اُنڈیل دیتا۔

(۲) کیونکہ ہم نے ایسا حج کیا ہے جو جہل پر مبنی ہے۔ اور اس میں مکّاری ہی مکّاری ہے اور اس نے مشرق و مغرب کسی کو نہیں چھوڑا ہے یعنی اس مکّاری میں ساری دُنیا مُبتلا ہے۔

(۳) اور اب تو ہم نے زمزم و کوہِ صفا کے درمیان میّتیں چھوڑی ہیں جنکی سوائے خدا کے اور کوئی خبر گیری کرنے والا موجود نہیں۔

یہ اُس کے کُفریات کا ایک نمونہ ہے۔ بہر حال حجرِ اسود نکال کر لے گیا اور کوفہ کی جامع مسجد میں اُسے نصب کر دیا۔ ۲۲ برس تک حجرِ اسود قرامطہ کے قبضہ میں باقی رہا اور ۳۳۹ھ میں پھر ان لوگوں نے اُسے خانۂ کعبہ میں واپس کر دیا۔

کتاب الخرائج والجرائح سے نقل کرتے ہوئے صاحب تاریخ الکوفہ نے لکھا ہے "حضرت ابو القاسم جعفر بن محمد بن قولویہ کہتے ہیں کہ

میں ۳۳۹ھ میں جب بغداد پہونچا تو میں نے حج کا ارادہ کیا اور یہ وہی سال تھا جس میں قرامطہ نے حجر اسود کو خانۂ کعبہ میں واپس کیا تھا۔ یہ خبر سُنکر میری یہی کوشش تھی کہ میں اُن بزرگ کی زیارت کروں جو حجر اسود کو نصب کریں کیونکہ سوائے امام زمانہ کے کوئی دوسرا حجر اسود کو نصب نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ حجّاج کے زمانہ میں امام زین العابدین علیہ السلام نے اُسے نصب کیا تھا۔ مگر میں سخت بیمار ہو گیا اور بچنے کی اُمید نہ رہی تو میں نے ابن ہشام کو اپنے مرض سے آگاہ کیا اور ایک خط لکھا اور اُن کے حوالہ کر دیا اُس خط میں میں نے حضرت امام عصر علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ میری مدّت عمر کتنی باقی ہے اور کیا اِسی مرض میں مجھے موت آئے گی یا نہیں؟ ابن ہشام سے میں نے کہا کہ جو شخص بھی حجر اسود نصب کرے اُسی کو یہ خط دینا کسی اور کو نہ دینا۔!

ابن ھشام کہتے ہیں کہ میں حرم میں گیا اور میں نے اپنے ساتھ ایک شخص کو لیا جو مجھے مجمع کے ہجوم سے بچائے وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ جو شخص بھی حجر اسود کو اُٹھا کر چاہتا ہے کہ اُسے نصب کرے تو وہ پتھر کانپنے لگتا ہے اور سیدھا نہیں رہتا۔ دفعتہً ایک نوجوان ظاہر ہوئے جن کا رنگ گندمی تھا۔ اور بہت خوبصورت تھے انھوں نے حجر اسود کو فوراً اُٹھا لیا اور اس کی جگہ پر نصب کر دیا اور وہ ٹھہر گیا۔ اور اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ جیسے یہاں سے کبھی ہٹا ہی نہ تھا۔ اُس کے بعد لوگوں نے نعرے لگانا شروع کر دیئے پھر وہ نوجوان دروازے سے باہر کی طرف واپس جانے لگے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ میں یہ دیکھکر اُٹھا اور اُن کے پیچھے ہو لیا۔ مجمع اُن کے آگے سے ہٹتا جاتا تھا اور میری نگاہیں اُن پر لگی ہوئی تھیں کہ وہ کہیں میری نگاہ سے اوجھل نہ ہو جائیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے مجمع سے دور پہنچ گئے۔ اور تنہا رہ گئے۔ اور میں بہت تیزی سے اُن کے پیچھے جا رہا

تھا مگر وہ خود آہستہ اور اطمینان سے چل رہے تھے جب وہ ایسی جگہ پر آ گئے جہاں میرے اور اُن کے سوا کوئی نہ تھا تو وہ ٹھہر گئے۔ اور میری طرف متوجہ ہوئے۔ پھر فرمایا۔ جو چیز تمہارے پاس ہے وہ مجھے دیدو۔ تو میں نے وہ رقعہ ابن قولویہ رح کا ان کو دیا۔ رقعہ لیتے ہی بغیر اُس رقعہ کے مضمون کو دیکھے فرمانے لگے: اُن سے کہدینا کہ اس مرض میں تمہارے لئے کوئی خوف نہیں ہے جو کچھ بھی ہونا ہے وہ تیس برس کے بعد ہوگا۔ یہ فرماکر چلے گئے۔

علامہ ابوالقاسم ابن قولویہ رح فرماتے ہیں کہ ابن ہشام میرے پاس واپس آئے اور مجھ سے اُن کا جواب نقل کیا۔ پھر ابن ہشام نے بیان کیا کہ جب تیس سال گزر گئے اور تیسواں سال آ گیا تو ابن قولویہ رح بیمار پڑ گئے، فوراً انھوں نے ایک وصیّت لکھی اور اپنے تمام اُمور درست کئے اور قبر وغیرہ کا انتظام کیا تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ اس قدر خائف کیوں ہیں۔ خدا آپ کو تندرست کر دے گا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ اب میرے بچنے کی اُمید باقی نہیں ہے چنانچہ اُسی مرض میں وفات پا گئے۔

علامہ سیّد محمّد طباطبائی رح نے بھی اپنے رسالہ میں جو انھوں نے فضیلتِ مسجدِ کوفہ کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ اس واقعہ کو لکھا ہے مگر اس طرح پر کہ محمّد بن قولویہ رح نے جب یہ سُنا کہ حجر اسود کعبہ میں واپس لایا جا رہا ہے تو اس وقت وہ بغداد میں تھے اس کے بعد انھوں نے اپنے ایک خاص امین کو بہت کچھ مال و زر کے ساتھ مسجد الحرام کے منتظم کی خدمت کے لئے روانہ کیا اور کہا کہ اُن سے کہنا کہ وہ تم کو رُکن کے پاس کھڑا رہنے کی اجازت دیدیں۔ جس وقت حجر اسود وہاں نصب کیا جائے۔ اور ایک مُہر شدہ خط بھی اس شخص کے حوالہ کر دیا جو صاحبُ الامر علیہ السلام کے نام تھا تاکہ وہ امین شخص اُس خط کو اُن کی خدمت میں اُس وقت پیش کر دے جب وہ حجر کو

نصب کرنے لگیں۔ یہ شخص مکہ پہونچا یہاں تک کہ منتظم مسجد الحرام نے اس کو رکن کے پاس کھڑا کر دیا اس نے دیکھا کہ مشائخ عرب اور دوسرے بڑے بڑے اشخاص آئے اور انھوں نے ایک چادر لے کر اس میں حجر اسود کو رکھا اور سب نے ملکر اس چادر کو اٹھایا یہاں تک کہ وہ چادر اس جگہ کے مقابل آگئی جہاں حجر اسود کی جگہ ہے دفعتہً ایک خوبصورت نوجوان سامنے آگیا اس نے فوراً چادر سے حجر اسود کو اٹھا لیا اور اس کی اصلی جگہ پر رکھ دیا۔ پھر لوگوں کے ساتھ مسجد الحرام سے واپس چلا گیا۔ یہ امین شخص جسے ابن قولویہؒ نے مامور کیا تھا اُن کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ مکہ کے پہاڑوں کے پیچھے چلے گئے وہاں جاکر انھوں نے اس شخص کو اس کا نام لے کر آواز دی۔ اور فرمایا کہ محمد بن قولویہؒ کا رقعہ کہاں ہے؟ تو اس نے وہ رقعہ اُن کو دے دیا۔ رقعہ لیتے ہی اُنھوں نے فرمایا کہ ابن قولویہؒ سے کہدینا کہ میں نے تمہارے لئے دعا کی تھی خدا نے تم کو شفا اس مرض سے دے دی ہے۔ اور تیس۳۰ سال تمہاری عمر بڑھا دی ہے اور عنقریب تم پھر مریض ہو گے لوگ بالکل مایوس ہو جائیں گے مگر تم کو شفا حاصل ہو گی اور تمہاری زندگی ختم نہ ہو گی مگر تیسویں سال فلاں رات اور فلاں ساعت میں تم کو خدا اپنے پاس بُلا لے گا۔ بغیر کسی مرض کے۔ پھر وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ اس شخص نے یہ تمام واقعہ دیکھکر کہا کہ اُس وقت میں سمجھ گیا کہ یہی حضرت صاحب الامر علیہ السلام ہیں۔ پھر بغداد آکر ابن قولویہؒ سے یہ سب واقعہ نقل کر دیا۔

اس کے بعد ابن قولویہؒ کئی مرتبہ سخت بیمار پڑے اور اُن لوگوں کو اُن کی طرف سے مایوسی ہو گئی مگر وہ لوگوں کو تسکین دیتے رہے لیکن جب تیس برس کے بعد وہ رات آئی اور وہ وقت آیا تو انہوں نے تمام اقربا اور دوستوں کو جمع کیا اور ان سے رخصت ہوئے اور وصیتیں کیں لوگوں نے یہ دیکھکر کہا کہ آپ شدید امراض میں بھی اس طرح مایوس نہ تھے

مگر اب کیوں مایوس ہو گئے تو اُس وقت اُنھوں نے سارا قصّہ بیان کیا پھر اُسی ساعت میں حبس کا امام نے ذکر کیا تھا اُن کی رُوح قبض ہو گئی۔

غالباً حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے حجر اسود کا مسجد کوفہ میں نصب ہونا جو بیان فرمایا تھا اُس کا مطلب یہی ہوگا کہ زبردستی اُسے کعبہ سے لے جا کر کوفہ میں نصب کیا جائے گا۔

ص۹۸ قزوینی بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کوفہ کو بصرہ کی تاسیس کے دو سال بعد آباد کیا تھا۔

سراج الدین عمر ابن الوردی خریدۃ العجائب میں لکھتے ہیں کہ کوفہ "علوی شہر" ہے جسے حضرت علیؑ بن ابی طالب نے آباد کیا تھا اس کے نزدیک وہ قبّہ ہے جہاں حضرت علیؑ کا مرقد ہے جسے ابوالعباس بن حمدان نے بنی عباس کے دورِ حکومت میں تعمیر کیا تھا۔

فتوح البلدان میں بلاذری نے لکھا ہے کہ اُس کی ابتدا سعد ابن ابی وقاص نے زمانۂ خلیفہ ثانی میں کی تھی۔ اور اصلی آبادی اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی۔

ص۹۰۔ سعد بن ابی وقاص نے پہلے قادسیہ کو ۱۴ھ اور بعض کے نزدیک ۱۵ھ یا ۱۶ھ میں پھر مدائن کو ۱۶ھ میں فتح کیا تھا۔ اسی دور میں کوفہ کو آباد کیا جہاں لشکر ٹھہرا تھا پھر وہاں لوگ آباد ہو گئے۔

ابوالھیاج الاسدی عمرو بن مالک بن جنادہ نے شہر کوفہ کا نقشہ تیار کیا تھا۔

سرحدیں | کوفہ کی سرحدیں چار تھیں حلوان، ماسبذان، قرقیسیاء، موصل۔ مقام "حیرہ" اور "کوفہ" میں ایک فرسخ یعنی تین میل کا فاصلہ تھا۔ ص۱۰۱

بصرہ و کوفہ | بصرہ اور کوفہ کو فتحِ مدائن کے بعد آباد کیا گیا تھا

کوفہ کی تاسیس | علامہ قزوینی متوفی ۶۸۲ھ نے نزھۃ القلوب میں

لکھا ہے کہ ایک شخص ھوشنگ نے کوفہ کی بنا ڈالی تھی مگر وہ کچھ عرصہ کے بعد تباہ ہو گیا تھا پھر سعد بن ابی وقاص نے اُس کی تجدید کی تھی۔ صد ۱۰۱

حضرت امیر المومنین علیؑ نے اس کے قرب و جوار میں قریوں کو آباد کیا منصور دوانیقی نے دار الامارۃ کی ابتدا کی۔

صد ۱۰۲ عبد الرحمٰن ابن ملجم نے جب حضرت علیؑ کے سر پر ضربت لگائی تھی تو آپ کا ہاتھ مسجد کے ستون پر پڑا جس سے اُس ستون پر نشان پڑ گیا تھا ایک مدت تک اُس کا اثر باقی رہا مگر لوگوں کے چومنے اور مس کرنے سے بالآخر وہ نشان محو ہو گیا۔

کنویں | کوفہ کے تمام کنویں نمکین تھے صرف وہ کنواں میٹھا تھا جو حضرت امیر المومنین نے کھدوایا تھا۔

فرات | کوفہ نہر فرات پر واقع ہے۔

جھونپڑیاں | کوفہ اور بصرہ دونوں شہروں میں صرف نرکل کی جھونپڑیاں تھیں اور ساری آبادی اسی کی تھی پھر دونوں شہروں میں آگ لگی اور کوفہ میں زیادہ شدت کے ساتھ لگی۔ اس کے بعد خلیفہ ثانی کے حکم سے یہ دونوں شہر اینٹوں سے بنائے گئے اور جھونپڑیاں ہٹا دی گئیں (صد ۱۰۵)

خلفاء در کوفہ | امیر المومنین، امام حسن، کوفہ میں رہے۔ معاویہ کی رہائش بھی کچھ عرصہ تک رہی۔ عبد الملک، ابو العباس السفاح، ابو جعفر المنصور، مھدی، ھارون الرشید، یہ سب کوفہ میں رہے تھے۔

کناسہ | کوفہ کے ایک بڑے تجارتی مرکز کا نام ہے جو سارے عربستان کی بڑی تجارتی منڈیوں اور مرکزوں میں شمار ہوتا تھا۔ جیسے بصرہ میں بازار "مربد"۔ اسی بازار میں ہر قسم کے تجارتی معاملات انجام پاتے تھے۔
و اسی مقام پر حضرت زید بن علی بن الحسین کی لاش کو سولی پر لٹکایا گیا تھا۔

نخیلہ | نخیلہ شام و مدائن و کربلا جانے کے راستہ میں کوفہ کا ایک اہم مقام تھا۔ حضرت امیر المومنین نے صفین کی جنگ میں اسی

مقام پر لشکر آراستہ کیا تھا امام حسن نے بھی معاویہ سے جنگ کے لئے اسی جگہ پر لشکر جمع کیا تھا اور عبید اللہ بن زیاد نے بھی اسی جگہ سے امام حسین علیہ السلام پر لشکر کشی کی تھی۔

نُعمانؒ بن المنذر نعمانؒ بن المنذر، بادشاہِ عرب نے کوفہ ہی میں اشعارِ عرب اور ادبی جواہر پاروں کو اپنے "قصرِ ابیض" کے خزانہ میں رکھا تھا۔ کوفہ والے اُس جگہ کو بتاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہاں خزانہ ہے۔ مختار بن ابو عبیدہ نے اس مقام کو کھدوایا تو عربی ادب کے ذخائر برآمد ہوئے۔ آج کل "قصرِ ابیض" جس جگہ تھا وہ مقام "جعارہ" کہلاتا ہے۔ یہ ایک مُضِیف (یعنی مسافروں کے ٹھہرنے کی جگہ) ہے جس کو ابتک "قصر" کہتے ہیں۔ اس طرح مقام "حیرۃ" سے وہ ادبی آثار اور خزانے کوفہ آئے اور وہاں سے نجف لائے گئے۔

نہرِ ہندی یحییٰ خان المُلقب بہ آصفُ الدَّولہ نے یہ نہر بنوائی تھی۔ فرات سے نکال کر نجف اشرف تک۔ یہ نہر ۱۲۰۸ھ میں بنی تھی۔ "صَدَقہ جارِیہ" اس کی تاریخ کہی گئی ہے۔

والیانِ کوفہ والیانِ کوفہ کی تفصیل ص۲۱۹ سے شروع ہوئی ہے سعد بن ابی وقاص سے شروع ہو کر زمانۂ معتزؔ باللہ میں ابو احمد محمد بن جعفر بن الحسن بن الحسین بن علیؑ بن ابی طالب تک۔

کوفہ کے مَعائب کوفہ کے عیوب و نقائص ص۲۴۶ پر مندرج ہیں کوفہ کے متعلق حضرت علیؑ کا ارشاد بھی درج ہے۔

قَاتَلَکُمُ اللّٰہُ لَقَدْ مَلَأْتُمْ قَلْبِیْ قَیحاً

"خدا تم کو ہلاک کر ڈالے تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے"

واقعۂ زیدؑ شہید ص۲۴۷ کوفہ والوں کی غداری کے واقعات میں حضرت زید شہید کا واقعہ بھی بڑا اہم ہے۔ ۲۵ ہزار اہل کوفہ نے آپکے ہاتھ پر بیعت کی تھی مگر پھر سب نے ساتھ چھوڑ دیا یہاں تک کہ

ان کو قتل کیا گیا اس کے بعد جسد مبارک کو سُولی پر لٹکا یا گیا۔ اُلٹا کر کے بازار "کناسہ" میں اور اس طرح دو برس تک جسد اطہر لٹکا رہا یہاں تک کہ طائروں نے اُس میں آشیانے بنا لئے تھے دو سال کے بعد اُسے اُتارا گیا اور آگ میں جلا کر فرات میں اُس کی خاک بہا دی گئی۔

قنبر | حضرت قنبر غلام امیرالمؤمنین کے حالات صفحہ ۳۱۸ پر ہیں۔

یہیں پر ایک واقعہ لکھا ہے۔ جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

"قنبر، حضرت امیرالمؤمنین سے بے حد محبّت رکھتے تھے اور جب حضرت کہیں جاتے تھے تو یہ تلوار لے کر آپ کی حفاظت کی غرض سے آپ کے عقب میں روانہ ہو جاتے تھے۔ ایک شب میں قنبر اسی طرح حفاظت علیؑ کی غرض سے نکلے تو امیرالمؤمنین نے دریافت فرمایا۔ قنبر! تم کیوں آرہے ہو؟ اُنھوں نے عرض کی۔ آپکی حفاظت کے لئے ساتھ چلنا چاہتا ہوں کیونکہ لوگوں کی حالت مجھے معلوم ہے اِس لئے مجھے خوف ہے کہ کہیں شرارت نہ کریں۔ آپ نے فرمایا۔ قنبر! تم میری حفاظت آسمان والوں سے کرنا چاہتے ہو یا زمین والوں سے۔ قنبر نے عرض کی، مولا! زمین کے رہنے والوں سے تو آپ نے فرمایا اے قنبر! اہل زمین میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بغیر حکمِ خدا کے۔ اس لئے تم پلٹ جاؤ یہ سُنکر قنبر نے حکم کی تعمیل کی اور پلٹ آئے۔

اَب ہم حضرت زید بن علی بن الحسین علیہم السّلام کی شہادت پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کرتے ہیں۔ تاریخ الکوفہ کے حوالہ سے۔

(خلاصۂ واقعات حضرت زید شہید) صفحہ ۳۲۶ (تاریخ الکوفہ)

حضرت زید شہید صلیبُ الکُناسَہ | آپ کی کنیّت ابوالحسین تھی اور "ذوالدّمعۃ" بھی کہے جاتے تھے آپ نے امام زین العابدین

علیہ السّلام کے زیرِ سایۂ عاطفت تربیت حاصل کی اور اپنے بھائی امام محمّد باقرؑ اور بھتیجے امام جعفر صادقؑ کے دَور دیکھے اور ان تمام حضرات سے رموزِ دین اور اسرارِ حکمت حاصل کئے۔ بڑے بڑے علماء کو اپنی وسعتِ علمی کے ذریعہ شکست دی اس لئے کہ آپ نے مدرسۂ نبوّت اور مرکزِ عصمت سے علوم کو حاصل کیا تھا۔ آپ بے حد سریعُ الجواب تھے اور لاجواب مُقرّر تھے۔ دُنیا بھر کے علماء و محققین نے آپ کی فضیلت کا اقرار کیا ہے اور خاص طور پر محققین عالمِ اسلام نے۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں۔

شَاهَدْتُ زَيْدَ بْنَ عَلِيّ فَمَا رَأَيْتُ فِي زَمَانِهِ أَفْقَهَ مِنْهُ وَلَا أَسْرَعَ جَوَاباً وَلَا أَبْيَنَ قَوْلاً (الخُطَطُ المقریزیّہ ج ۴ صہ ۳۰)

یعنی میں نے زید بن علیؑ سے بہتر اُن کے زمانہ میں کسی کو فقیہ، جلد جواب دینے والا اور زیادہ واضح اور صاف بات کہنے والا نہیں دیکھا

شعبی کہتے ہیں:- لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ مِثْلَ زَيْدٍ فِي الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ یعنی دُنیا بھر کی عورتوں نے زید بن علی سے بہتر علمِ فقہ اور دیگر عُلوم میں کوئی بچہ نہیں پیدا کیا۔

(ابو عامر بن شراحیل الشّعبی، علّامۃُ الکوفۃ، مُحدّث، من تلامیذہ ابو حنیفہ)

ابنِ حجر فی الصّواعق صہ ۱۳۱۔ الذّھبی فی مختصر تاریخِ الاسلام و ابنُ تیمیّہ۔ فی منہاجِ السُّنّۃ ج ا صہ ۔ ان سب مقامات پر حضرت زید کی عظمتِ علمی کا ذکر موجود ہے۔

ہماری شخصیتوں میں سے عمر بن موسیٰ الوجھی کہتے ہیں۔ میں نے زید بن علی سے زیادہ کسی کو تفسیرِ قرآن کا عالم نہیں پایا۔ (الفہرست للشیخ طوسیؒ)

ابو خالد الواسطی کہتے ہیں۔ علم و فضل میں اُن کا مثل میں نے کسی کو نہیں پایا۔ (الرّوضُ النّضیر ج ا صہ ۱۲۸)

ابو غسان الازدی کہتے ہیں۔ زید بن علیؑ شام میں تشریف لائے ہشام بن عبدالملک کے دور سلطنت میں تو اُن سے بڑھ کر میں نے کسی شخص کو کتاب اللہ کا عالم نہ پایا۔ ہشام نے پانچ ماہ اُن کو قید میں رکھا اور ہم بھی مقید تھا۔ قید خانہ میں وہ ہمارے سامنے تفسیر قرآن کریم بیان کیا کرتے تھے۔

ابو حنیفہ نے بھی دو سال تک حضرت زید بن علیؑ سے تلمذ حاصل کیا تھا ان کے علاوہ دوسرے مشاہیر نے بھی۔ خود آلِ محمدؐ کے اکثر و بیشتر افراد نے بھی (ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے سوا) ان سے فیض علمی حاصل کیا تھا۔

اس تبحر علمی کے ساتھ آپ بے حد عبادت گزار تھے اور ہر وقت ذکر و فکر میں بسر کرتے تھے۔ آپ کو حلیف القرآن والعبادۃ ،، بھی کہا جاتا تھا نیز " اسطوانۃ المسجد ،، کہا جاتا تھا (از سر السلسلۃ العلویۃ)

بخاری، ذہبی، شبلنجی، احمد بن حمید نے آپ کو اکابر صلحاء اور اعاظم اہلبیت میں شمار کیا ہے۔ باعتبار عبادت و زھد و ورع اور علم کے۔ آپ کا کلام بلاغت و فصاحت میں اپنے جد حضرت علی بن ابیطالبؑ کے کلام سے مشابہ تھا۔ (الحدائق الوردیۃ)

،، جاحظ "نے آپ کو خطباء بنی ھاشم میں شمار کیا ہے۔

جب سے جناب زید کوفہ میں آئے تھے ہشام بن عبدالملک اپنے عامل کوفہ کو خط پر خط بھیج رہا تھا کہ زید کو کوفہ سے خارج کر دو اور لوگوں کو اُن کے پاس بیٹھنے سے منع کرو۔ کیونکہ وہ دلوں پر سحر کرتے ہیں اور اُن کی زبان تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

ایک خاص رُخ

آلِ محمدؐ کی تحریکوں سے جو انہوں نے بنی اُمیّہ اور بنی عباس کے خلاف جاری رکھیں ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ تصویر کا دوسرا رُخ سامنے آگیا۔ اگر یہ لڑائیاں اور

خونریزیاں نہ ہوتیں تو دنیا والوں کو صرف وہی ایک رُخ تصویر کا نظر آتا جو بنی اُمیہ اور بنی عباس کے اعمالِ بد سے متعلق تھا دوسرے رُخ کی اُن کو خبر بھی نہ ہوتی اور خصوصاً غیر مسلم قومیں اور آنےوالی نسلیں یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتیں کہ اسلام وہی ہے جو ان لوگوں نے پیش کیا اور اس طرح اسلام کی اصلی تصویر سے ساری دُنیا بے خبر ہو جاتی۔ آلِ محمدؐ کا احسان ہے کہ اُنھوں نے اپنے لئے ہر قسم کا خطرہ حاصل کر لیا مگر کوشش کی کہ اسلام کی سچی تصویر مٹنے نہ پائے۔ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے حکمرانوں کا عیش و عشرت اور ملوکانہ رنگ رلیاں کون نہیں جانتا۔ ان حالات اور واقعات کو سامنے رکھ کر یہ ضروری تھا کہ دوسری تصویر جو اسلام کی حقیقی تصویر تھی دُنیا کے سامنے لائی جائے اور وہ بغیر عظیم قربانیوں اور سلطنتِ وقت سے ٹکر لئے ممکن نہ تھی۔ بے شک دینِ اسلام اِن ہی قربانیوں کی بدولت زندہ رہ گیا۔

امام جعفر صادق کا ایک ارشاد اسی حقیقت پر دلالت کر رہا ہے: خیرُ الناسِ بعدَنا مَن ذاکرَ بامرِنا و دعا الیٰ ذکرِنا، (از تاریخِ کوفہ ص۳۳) ہمارے بعد بہترین شخص وہی ہوگا جو ہمارے واقعات کو یاد رکھے اور ہمارے ذکر کی طرف لوگوں کو دعوتِ فکر دے۔

حضرت زید نے جابر بن عبد اللہ الانصاری صحابیِ رسولؐ سے فرمایا تھا (ص۳۳ تاریخ کوفہ) اِنّی شَھِدتُ ھِشاماً و رَسُولُ اللہ یُسَبُّ عِندَہٗ فواللہِ لَو لَم یکُن اِلّا اَنَا و آخَر لَخَرَجتُ عَلَیہِ "میں نے ہشام بن عبدالملک کی بزم میں دیکھا کہ وہاں رسول اللہؐ کی شان میں خلافِ ادب باتیں کہی جا رہی تھیں۔ خدا کی قسم اگر میرے ساتھ صرف ایک ہی آدمی ہوتا جب بھی میں اُس کے خلاف خروج کرتا۔

ایک متواتر حدیث میں جو اہلبیت کرام سے منقول ہے۔ یہ الفاظ ہیں: "اِنَّمَا دَعَا اِلَی الرِّضَا مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ وَلَوْ ظَفَرَ لَوَفٰی بِمَا دَعَا اِلَیْہِ اِنَّمَا خَرَجَ اِلٰی سُلْطَانٍ مُجْتَمِعٍ لِیَنْقُضَہٗ"۔ زید بن علیؑ نے آل محمدؐ کی اطاعت کی دعوت دی تھی اور اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو ضرور اپنے اس ارادے کو پورا کرتے، وہ ایک مضبوط و مستحکم اقتدار کے خلاف اُٹھے تھے تاکہ اُس کو توڑ ڈالیں۔"

حضرت زید کا قیام شام میں کچھ عرصہ تک رہا اور ہشام بن عبدالملک کے دربار میں متعدد بار آپ کا جانا ہوا لیکن وہ آپ کی بہت زیادہ تذلیل و توہین کیا کرتا تھا۔ آپ اُس کو جو جوابات دیتے تھے وہ تلوار اور تیر سے زیادہ کاری ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ بھرے مجمع میں ہشام نے آپ سے دریافت کیا۔ مَا یَفْعَلُ اَخُوْکَ الْبَقَرَۃُ "بقرہ" گائے کو کہتے ہیں۔ اس لفظ سے اُس نے امام محمدؐ باقر کی توہین کرنا چاہی تھی) یہ سُنکر حضرت زید کو بہت غصّہ آیا اور معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی رُوح جسم سے نکل جائے گی۔ پھر فرمایا "باقر" رسولُ اللّٰہ کا رکھا ہوا نام ہے۔ اور تم اس نام کی توہین کرتے ہو۔ تمہیں شرم نہیں آتی! آخرت میں وہ جنّت میں ہوں گے اور تم جہنّم میں ہو گے۔"

یہ سُنکر ہشام نے حکم دیا کہ اِن کو میرے دربار سے نکال دیا جائے۔

(۳۳) عبدالاعلیٰ شامی بیان کرتے ہیں۔ جب زید بن علیؑ شام میں تشریف لے گئے تو ہشام بن عبدالملک کو بہت گراں گذرا اسلئے کہ آپ کا اخلاق بے حد وسیع تھا اور گفتگو میں بے انتہا کشش تھی اس لئے وہ ڈر گیا کہ لوگ ان کی طرف مائل ہو جائیں گے۔

پھر ہشام نے اپنے ایک غلام سے مشورہ کیا تو اس نے رائے دی کہ آپ اپنے دربار میں عوام کو اِذنِ عام داخلہ کا دے دیجئے اور اس کا اعلان کر دیجئے لیکن یہ خیال رکھئے کہ زید بن علیؑ

کو اندر آنے کی اجازت سب کے آخر میں دیجئے گا۔ جب تمام لوگ آچکیں تو آخر میں ان کو اجازت دیجئے تاکہ لوگوں میں ان کی کوئی حیثیت باقی نہ رہے۔ اور جب یہ داخلِ دربار ہوں تو ان کے سلام کا جواب بھی نہ دیجئے گا۔ اور نہ بیٹھنے کی اجازت دیجئے گا۔ اس طرح یہ عوام کی نظر میں خود بخود ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور آخر میں جب حضرت زید داخلِ دربار ہوئے اور سلام کیا تو ہشام نے اس کا جواب نہ دیا یہ دیکھ کر زید نے کہا: السلامُ علیکَ یا اَحولُ (اے بھینگے) (تاریخ الشام لابن عساکر ج ۶ صـ۲۲) ہشام خاموش ہو گیا مگر پھر دل نہ مانا اور کہنے لگا۔ زید تم خلافت کے متمنی ہو حالانکہ تم کسی طرح اس کے مستحق نہیں کیونکہ تم کنیز کے بطن سے ہو فقالَ لہٗ زیدُ اِنّ الاُمّھاتِ لَایَقْعُدْنَ بِالرِّجالِ عَنِ الغایاتِ "یعنی مائیں مردانِ روزگار کو عظیم مقاصد تک پہنچنے سے کبھی روکا نہیں کرتیں"

(مطلب یہ تھا کہ کنیزی اور غلامی دوسروں کی لائی ہوئی ہوتی ہیں جو انسان کے اصلی جوہر میں عیب نہیں پیدا کر سکتیں۔ حضرت یوسف و حضرت ہاجرہ۔ اور جناب نرجس کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں) غرض یہ جواب سن کر ہشام کو غصہ آیا۔ اور اس نے حضرت زید کو اٹھی کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ (العِقدُ الفرید ج ۲ صـ۳۶۱) اسکے بعد حضرت زید دربار سے چلے گئے یہ کہتے ہوئے لَنْ یُحِبَّ قومٌ حَرَّ السّیوفِ اِلّا ذُلّوا .. جو قوم تلوار کی گرمی پسند نہیں کرتی وہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہتی ہے۔ یہ جملہ لوگوں نے ہشام تک پہنچا دیا اور وہ اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ زید آغازِ جنگ کریں گے۔ یہ بھی ہشام کا مقولہ ہے جو اسی سلسلہ میں اس نے لوگوں سے کہا تھا۔ (ترجمہ) "تم لوگ تو کہتے تھے کہ اس گھر کے لوگ سب ختم ہو گئے۔ میرے دین کی قسم جن لوگوں کی اولاد میں ایسا شخص

موجود ہو وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔

حضرت زید کچھ عرصہ تک کوفہ میں قیام پذیر رہے پھر مدینہ واپس ہونے لگے تو مقام قادسیہ یا ثعلبیہ میں اہل کوفہ کی ایک جماعت آئی اور بنی امیہ کے جور و ستم کی شکایت کرنے لگی پھر درخواست کی کہ آپ کوفہ واپس چلیں وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے پاس چالیس ہزار جنگجو سپاہی موجود ہیں جو آپ کے حکم پر چلیں گے اور اہل شام تو ہمارے مقابلہ میں بہت تھوڑے سے ہیں اور بہت کچھ وعدے کئے آخر حضرت زید آمادہ ہو گئے یہ خبر آپ کے مخلصین کو ملی تو انھوں نے آپ کو بہت کچھ سمجھایا اور تمام گزشتہ بدعہدیاں کوفہ والوں کی یاد دلائیں مگر حضرت زید نے کوفہ جانے کو ترجیح دی اور روانہ ہو گئے۔

حضرت زید کوفہ میں شوال سنہ ۱۲۰ھ یا سنہ ۱۱۹ھ میں واپس ہوئے اور پانچ ماہ مقیم رہے تھے اور بصرہ میں صرف دو ماہ۔ اس زمانہ میں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ پچیس ہزار آدمیوں نے بیعت کی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ چالیس ہزار آدمیوں نے۔ (الخطط المقریزیہ ج ۴ صفحہ ۳۱)

ابو معمر راوی ہے کہ اسی ہزار آدمیوں نے بیعت کی تھی۔ (الروض النضیر ج ۱ ص ۵۵) اور یہ سب کے سب صرف اہل کوفہ تھے اہل مدائن و بصرہ و واسط ٭ (اس شہر واسط میں حضرت زید کا قیام رہا ہے اس لئے آپ کی اولاد اپنے کو زیدی الواسطی لکھتی ہے۔ تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ حجاج بن یوسف جو عبدالملک بن مروان کا مشہور گورنر اور کمانڈر تھا اس نے شہر واسط کی بنا ڈالی تھی۔ سنہ ۸۳ھ میں۔

عبدالملک بن مروان کی خلافت سنہ ۶۵ھ سے مروان بن الحکم کے مرنے کے بعد شروع ہوئی اور شوال سنہ ۸۶ھ تک باقی رہی۔

حجاج بن یوسف کی ولادت ۴۱ھ میں اور وفات ۹۵ھ میں ہوئی
عبدالملک کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی تھی اور وفات ۸۶ھ میں
ولید بن عبدالملک نے اپنے باپ کے بعد بھی حجاج بن یوسف کو
عراق و خراسان پر گورنر باقی رکھا اور حجاز پر عمر بن عبدالعزیز
کو والی بنا دیا تھا۔
(رسالہ الدَّوْلَۃُ الاُمَوِیَّۃ وَالعَبَّاسِیَّۃ صہ ۲۶) ولید کی ولادت
۵۰ھ اور وفات ۹۶ھ میں ہوئی۔

حجاج بن یوسف ہی نے دو لشکر بھیجے تھے ایک تاتار اور
چین کی فتح کے لئے جس کا امیر قتیبہ بن مسلم تھا اور دوسرا لشکر
ہندوستان کی فتح کے لئے جس کے امیر محمد بن قاسم تھے۔ (صہ ۲۷
رسالہ الدَّوْلَۃُ الاُمَوِیَّۃ وَالعَبَّاسِیَّۃ)

"وَاسِط" نام کے بہت سے شہر تھے لیکن مشہور ترین شہر
وہ "وَاسِط" تھا جسے حُجاج بن یوسف نے بنایا تھا۔ یہ کوفہ
اور بصرہ کے درمیان واقع تھا۔ اور عراقِ عجم کی حکومت کا مرکز
تھا۔ ایام بنی اُمیہ میں پھر عباسیوں کے عہد میں تباہ ہو گیا۔
اور "دجلہ" کے پانی اور صحرائی ریگ نے اُس کے نشانات مٹا دیئے)

٭ مُوصل، جزیرۃ، رَی، خُراسان، جُرجان کے لوگ اہل کوفہ
کے علاوہ تھے جن فقہاءِ اُمّت نے حضرت زید سے کوفہ میں بیعت
کی تھی ان میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں۔

(۱) عبداللہ بن شبرمہ جو قاضی کوفہ از طرف منصور مقرر ہوئے تھے۔
(۲) الاعمش سلیمان بن مہران متوفی ۱۴۸ھ
(۳) مسعر بن کدام از بنی صعصعہ (متوفی ۱۵۲ھ) (۴) قیس بن الربیع الاسدی
متوفی ۱۶۸ھ (۵) حسن بن عمارۃ (متوفی ۱۵۳ھ) (۶) ابو حصین عثمان بن عاصم
متوفی ۱۲۸ھ (۷) یزید ابن ابی زیاد القرشی الھاشمی متوفی ۱۳۶ھ

(۸) ھارون بن سعید (۹) حجّاج بن دینار (۱۰) ابو ھاشم الرّمانی۔ یحییٰ بن دینار (۱۱) منصور بن المعتمر۔ متوفی ۱۳۲ھ (۱۲) ابو الیقظان۔ عثمان بن عُمیر الثقفی الکوفی البجلیؔ۔ ۱۲۰ھ اور ۱۳۰ھ کے درمیان وفات پائی۔ (۱۳) سفیان الثوری متوفی ۱۶۱ھ (۱۴) محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلی الانصاری متوفی ۱۴۸ھ (۱۵) زبید بن الحارث الیامی (۱۶) حسن بن سعید الفقیہ۔ یہ بھی کوفہ میں تھے۔ (۱۷) ھلال بن حباب متوفی ۱۴۴ھ (۱۸) سلیمان بن خالد (اشعث بن قیس کے چچا)۔ جب یہ قید ہوکر یوسف بن عمر الثقفی والیِ کوفہ کے پاس لائے گئے تو اس نے ان کے ہاتھ کٹوا دیئے اس وقت سے ان کو لوگ "اقطع" کہنے لگے۔ ان کا اِنتقال حیات اِمام جعفر صادق علیہ السلام ہی میں ہوا تھا۔ اور امام کو بہت قلق ہوا تھا۔ آپ نے ان کی اولاد کے لئے دُعا فرمائی۔ اور اپنے اصحاب کو ہدایت کی تھی کہ ان کے بچوں کا خیال رکھیں۔

یہ حالات طبقات ابن سعد ج ۶ اور تھذیبُ التّھذیب مولفہ ابن حجر اور وَفیاتُ الاعیان مولّفہ ابن خلّکان نیز میزانُ الاعتدال مولّفہ مورّخ ذہبی میں بھی موجود ہیں۔

اِن لوگوں کے علاوہ ابوحنیفہ نے بھی حضرت زید کی ہمنوائی کی تھی۔ انھوں نے پہلے تو حضرت زید کی بیعت کی پھر جب ھشام بن عبدالملک نے انھیں دربار میں بلاکر "اِمام اعظم" کا خطاب دیا تو یہ حکومت کے ساتھ ہوگئے۔ اور حضرت زید کی بیعت توڑ دی۔ اسی وجہ سے ان کے تمام ماننے والے حضرت زید کو چھوڑ کر چلے گئے۔ تو آپ نے فرمایا "رَفضتُمُونی"، یعنی تم لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ اسی قول حضرت زید کی وجہ سے کوفیوں کو رافضی کہا جانے لگا۔ جہاں اُس وقت چند افراد کے سوا کوئی بھی شیعۂ علیؑ نہ تھا۔ (اب پھر تاریخ کوفہ کی طرف رجوع کی جاتی ہے):۔

ہشام بن عبدالملک برابر گورنر عراق یوسف بن عمر الثقفی سے خط کتابت کرتا رہا اور تاکید کرتا رہا کہ کسی طرح زید بن علی بن الحسین کو کوفہ سے خارج کر دیا جائے تاکہ وہ بغاوت پر لوگوں کو نہ اکسا سکیں اور کوئی ہنگامہ برپا نہ کر سکیں۔ کیونکہ ان کی تقریریں بے حد مؤثر تھیں اور لوگوں کے دل ان کی طرف بے پناہ طریقہ پر کھنچتے تھے، ان کا علم وسیع تھا۔ صاحب ورع و تقویٰ عدیم المثال خطیب اور نسب کی عظیم شرافت کے حامل تھے یعنی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے پڑپوتے تھے۔ گورنر عراق یوسف بن عمر الثقفی نے خلیفہ کے تمام خطوط کا مطلب سمجھ لیا اور حضرت زید کے لئے عامل کوفہ حکم بن الصلت کو جو آل بنی عقیل میں سے تھا لکھا (اور خود گورنر اس وقت مقام "حیرۃ" میں تھا) کہ وہ حضرت زید کو طلب کرے مگر عامل کوفہ کو اس کا علم نہ تھا کہ حضرت زید کہاں پوشیدہ ہیں تو حکم بن الصلت نے اپنے ایک خراسانی غلام کو پانچ ہزار درہم دے کر روانہ کیا اور ہدایت کی کہ شیعیان علیؑ میں سے کسی سے ملاقات کرے اور ان سے بتائے کہ وہ خراسان سے اہلبیت کرام کے لئے کچھ سامان لایا ہے تاکہ اُسے ان کی خدمت میں پیش کر دے اور بہت کافی مال و زر بھی ساتھ لایا ہے تاکہ وہ بھی اُن کو دیدے۔ اور اُن کی تحریک کو اس مال سے قوت حاصل ہو اور مدد ملے۔ یہ ہدایت حاصل کر کے وہ غلام برابر شیعیان علیؑ سے ملتا جلتا رہا اور یہ سب باتیں پروگرام کے مطابق اُن سے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ خبریں حضرت زید تک پہونچیں اور اُنھوں نے اس غلام کو طلب فرمایا چنانچہ اس نے ہدایت حاکم کوفہ کے مطابق وہ سب رقم حضرت زید کے حوالہ کر دی اور واپس آکر یوسف بن عمر ثقفی گورنر عراق کو تمام اطلاعات پہنچا دیں (تاریخ طبری ج ۸ ص ۲۷۰) پھر سلیمان بن سراقۃ البارقی یوسف بن عمر کے پاس گیا اور اس نے خبر دی کہ دو آدمی ہیں جو زید بن علیؑ کے پاس

آتے جاتے رہتے ہیں اور ان لوگوں نے ان کی بیعت بھی کی ہے ان میں سے ایک کا نام عامر ہے اور دوسرے کا نام طعمۂ۔۔ یہ بنی تمیم میں سے ہیں اور "بارق"، کی بہن کے فرزند ہیں اور زید ان کے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں یہ سُنکر یوسف بن عمر نے ان دونوں اشخاص کو طلب کیا بالآخر وہ دربار میں لائے گئے مگر زید ان کے گھر میں نہ ملے۔ پھر جب یوسف بن عمر نے ان لوگوں سے گفتگو کی تو سب امور ظاہر ہو گئے اور یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت زید کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں اور کون کون لوگ ان کے ساتھ ہیں یہ سُنکر یوسف بن عمر نے اُن دونوں کو قتل کرا دیا (تاریخ الطبری ج ۸ ص ۲۷۲)

جب حضرت زید نے یہ واقعات سُنے اور اُن کو یقین ہو گیا کہ یوسف بن عمر اُن کو تلاش کر رہا ہے تو آخر کار انھوں نے اعلانِ جنگ میں جلدی کی۔ اور اپنے تمام ساتھیوں کو جلد از جلد منظم کر کے جنگ کے لئے سامنے آ گئے اُس معین وقت و تاریخ سے پہلے جو آپ کے تمام ساتھیوں کو معلوم تھا اور تمام شہروں کے لوگ خفیہ طور پر اس سے باخبر تھے (مقاتل الطالبین)

اس طرح حضرت زید نے کوفہ میں ۱۲۱ھ ماہ صفر کی پہلی رات کو جو بدھ کی رات تھی اعلانِ جنگ کیا تھا۔

ابن جریر الطبری لکھتے ہیں کہ حکم بن الصلت نے یہ ترکیب کی تھی کہ تمام اہل کوفہ کو مسجدِ اعظم میں بلا لیا تھا۔ حضرت زید کے اعلان جنگ کرنے سے قبل ہی اس طرح تمام سپاہی، فوج اور حکام شہر نیز پبلک سب کے سب مسجدِ کوفہ میں جمع تھے۔ تین دن اور رات ان لوگوں کو مسجد سے باہر نہیں نکلنے دیا گیا۔ ان کے گھروں سے کھانا پانی آ جایا کرتا تھا مگر وہ مسجد سے باہر نہیں جا سکتے تھے اور ایک منادی پکار پکار اعلان کر رہا تھا کہ جس گھر میں زید پائے جائیں گے اُس سے حکومت بری الذمہ ہو گی یعنی وہ قتل کر ڈالا جائے گا۔

منگل کے روز یعنی حضرت زید کے خروج سے ایک روز قبل حکم بن الصلت نے شہر کوفہ کے تمام راستے اور تمام دروازے بند

کرا دیئے تھے اور اہل کوفہ کو مسجد اعظم میں بند کر دیا گیا تھا اور مسجد کے دروازوں میں قفل ڈال دیئے گئے تھے اس کے ساتھ ہی عامل کوفہ نے گورنر یوسف بن عمر کو جو مقام حیرہ میں تھا ان حالات کی اطلاع دی۔ حضرت زید کی تلاش بڑی کوشش سے جاری تھی سخت سردی کا زمانہ تھا۔ ٹھنڈی راتوں میں آپ کے اصحاب لمبی لمبی لکڑیوں میں مشعلیں جلاتے تھے اور جنگ بدر کے مسلمانوں کی طرح "شعار جنگ" یامنصور امت، پکارتے تھے یہ ماہ صفر کی پہلی رات یعنی بدھ کی شب کا ذکر ہے۔ بدھ کے روز یعنی یکم صفر ۱۲۱ھ کو گورنر یوسف بن عمر مقام حیرہ کے قریب ایک ٹیلے پر آیا اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا اس کے ساتھ قریش کے بڑے بڑے سردار اور اکابر تھے۔ اس نے ریان بن سلمہ اراشی کو دو ہزار تین سو سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر دیا تاکہ یہ اس کے صاحب الشرطہ (پولیس کا افسر اعلیٰ) عباس بن سعید المزنی کی مدد کرے۔ اور ان کو مقام "قیقانیہ" سے روانہ کیا۔ ادھر حضرت زید نے قاسم بن کثیر بن یحییٰ حضرمی اور صدام کو روانہ کر دیا جو "یامنصور امت" کی آواز میں لگا رہے تھے ان دونوں سے جعفر ابن عباس کندی کی کوفہ کے ایک محلہ میں جس کا نام "صحراء عبد القیس" تھا مڈبھیڑ ہوئی۔ (صحراء کے نام سے کوفہ میں بہت سے محلے تھے) جنگ کے نتیجہ میں اصحاب حضرت زید میں سے صدام قتل ہو گئے اور قاسم بن کثیر زخمی حالت میں گرفتار ہو گئے اور ابن الصلت کے پاس لائے گئے۔ اس نے کچھ کلام کرنا چاہا مگر قاسم بن کثیر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد ابن الصلت کے حکم سے ان کی گردن کاٹ دی گئی۔

جن ہزاروں آدمیوں نے حضرت زید سے بیعت کی تھی ان میں سے صرف دو سو اٹھارہ ۲۱۸ آدمیوں نے وفا کی تھی بقیہ لوگوں میں کوئی بھی ان کی مدد کے لئے نہ نکلا۔ یہ دیکھکر آپ نے دریافت کیا کہ سب

لوگ کہاں چلے گئے ؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ان سب کو مسجد اعظم میں نظر بند کر دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی عذر صحیح نہیں ہے۔ اس کے بعد اصحاب حضرت زید میں سے نصر بن خزیمہ نے "یا منصور اَمِت" کی آواز سنی تو وہ اُس آواز کی طرف چلے آئے۔ اور عمرو بن عبدالرحمان کے سامنے پہنچے جو کوفہ کی پولیس کا افسر اعلیٰ تھا۔ زبیر بن حکیمہ کے گھر کے قریب اُس راستہ پر جو مسجد بنی عدی کی طرف جاتا تھا۔ نصر بن خزیمہ نے عمرو بن عبدالرحمان کو دیکھکر آواز دی "یا منصور اَمِت" مگر اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد نصر نے اُس پر حملہ کر دیا۔ بالآخر عمرو قتل ہو گیا اور اُس کے تمام ساتھی بھاگ گئے۔ پھر نصر بن خزیمہ حضرت زید کے پاس حاضر ہوئے۔ اور اُن کے ساتھ پانچ سو اہل شام پر حملہ آور ہوئے۔ جو "جبّانۃ الصّائدین" میں جمع تھے اور اُن سب کو شکست دی۔ حضرت زید اُس وقت ایک تُرکی گھوڑے پر جسے "برذون" کہا جاتا ہے سوار تھے۔

اس کے بعد حضرت زید بازار "کناسہ" پہنچے جہاں شام والوں کی ایک جماعت موجود تھی، اُن پر حملہ کیا اور شکست دی۔ پھر مقام "جبّانہ" میں آئے جو "حیرہ" اور کوفہ کے درمیان تھا اور یوسف بن عمر مقام حیرہ کے قریب ایک ٹیلہ کے نزدیک موجود تھا اُس وقت اُس کے ساتھ دو سو اشراف و سرداران قریش تھے۔ اگر حضرت زید سیدھے اُس پر حملہ آور ہو جاتے تو اُسے یقیناً قتل کر ڈالتے ریّان بن سلمہ حضرت زید کی تلاش میں تھا۔ اور یہ اہل شام میں سے تھا۔ اس نے یوسف بن عمر کی طرف آپ کو جانے نہ دیا۔ حضرت زید پھر کوفہ پلٹ آئے۔ مگر جب انھوں نے "جبّانہ" کا ارادہ کیا تو اُن کے تمام ساتھی متفرق ہو گئے تھے۔ بعض لوگ جبّانہ مخنف بن سُلیم کی طرف چلے گئے پھر انھوں نے جبّانہ کندہ کا رُخ کیا۔ جب وہ راہ طے کر رہے تھے تو اسی اثناء میں ایک لشکر اُن کے سامنے ظاہر

ہوا یوسف بن عمر کا۔ اس لشکر کو دیکھکر یہ لوگ گلیوں میں روپوش ہو گئے اور لشکر سے نجات حاصل کی سوائے ایک شخص کے جس نے مسجد کوفہ میں پہلے جا کر دو رکعت نماز پڑھی پھر باہر نکلا۔ اور تنہا لشکر یوسف بن عمر سے جنگ کرنے لگا۔ چاروں طرف سے لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور اُسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد جو لوگ گلیوں میں منتشر ہو گئے تھے وہ بھی نکل آئے اور گھمسان کا رن پڑا۔ پھر اہل شام نے ایک شخص کو اصحاب زید میں سے گرفتار کیا جو عبداللہ بن عوف کے گھر چھپ گیا تھا اور اُس کو یوسف بن عمر کے پاس لائے جہاں وہ قتل کر دیا گیا اُس کے حکم سے۔

جب حضرت زید کوفہ میں داخل ہوئے تو نصر بن خزیمہ نے عرض کی کہ آپ مسجد کوفہ کا رخ فرمائیں کیونکہ وہاں تمام اہل کوفہ کا مجمع ہے۔ نصر نے عرض کی کہ میں آپ کے ساتھ ملکر جنگ کروں گا یہاں تک کہ قتل ہو جاؤں۔ حضرت زید مسجد کوفہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں عبیداللہ بن العباس الکندی سامنے آیا جو اہل شام میں سے تھا اور دونوں کی مڈ بھیڑ عمر بن سعد بن ابی وقاص کے دروازہ پر یعنی اُس کے مکان کے سامنے ہوئی۔ عبیداللہ نے حضرت زید پر حملہ کا ارادہ کیا لیکن اُس کا غلام جو علمدار لشکر تھا ہچکچایا تو عبیداللہ نے چیخ کر کہا: اے خبیث عورت کے بیٹے حملہ کیوں نہیں کرتا! اس کے بعد اس نے حملہ کر دیا۔ اور پلٹا نہیں یہاں تک کہ علم لشکر خون میں رنگین ہو گیا۔ بڑی شدید جنگ ہوئی۔ عبیداللہ کے اصحاب بہت سے مارے گئے۔ آخر وہ چند آدمیوں کے ساتھ جو باقی رہ گئے تھے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور عمرو بن حریث کے مکان تک پہنچا جو "سبخہ" میں تھا اور مسجد اعظم کے نزدیک تھا۔ حضرت زید اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد کوفہ کے باب الفیل پر پہنچ گئے (یہ باب الفیل اصل میں باب الثعبان تھا جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں)

حضرت زید کے ساتھیوں نے اپنے علم مسجد کے اندر دروازوں کے اوپر سے داخل کر دیئے اور وہ کہتے جاتے تھے اے اہل مسجد باہر نکل آؤ۔ تم کو دین اور دنیا دونوں کی لذتیں حاصل ہوں گی۔ تم کو سب کچھ ملے گا اور اس وقت نہ تمہارے پاس دین ہے اور نہ دنیا یہ سنکر اہل شام نے جو مسجد کے اندر تھے دیواروں پر سے پتھر مارنا شروع کر دیئے۔ بدھ کی شام کو ریان بن سلمہ "حیرۃ" کی طرف روانہ ہو گیا اور حضرت زید اپنے ساتھیوں سمیت "دار الرزق" میں اترے۔ یہ سنکر ریان بن سلمہ وہاں آیا اور اس نے حضرت زید پر حملہ کر دیا اور شدید جنگ ہوئی آخر ریان کو شکست ہوئی اور وہ اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ بھاگ گیا۔ بھاگنے والوں کا اصحاب حضرت زید نے پیچھا کیا مسجد کوفہ تک۔ دوسرے روز پنجشنبہ تھا اور دوسری ماہ صفر سنہ ۱۲۱ھ۔ یوسف بن عمر نے عباس بن سعید المزنی اپنی پولیس کے افسر اعلیٰ کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ لوگ "دار الرزق" پہونچے جہاں حضرت زید فروکش تھے شدید جنگ ہوئی۔ حضرت زید کی فوج کے میمنہ پر خود زید تھے اور میسرہ پر نصر بن خزیمہ عبسی اور معاویہ بن اسحٰق انصاری۔ مخالف لشکر کے امیر عباس بن سعید نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ "الارض الارض" یہی زمین، یہی زمین! یہ سنتے ہی سب سپاہی گھوڑوں پر سے اتر پڑے اور گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔

نائل بن فروہ نے نصر بن خزیمہ عبسی کی ران پر تلوار لگائی اور نصر نے بھی پلٹ کر اس پر ضرب لگائی جس نے اس کا کام تمام کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں نصر بھی ختم ہو گئے۔ اس جنگ میں عباس بن سعید کے بہت سے ساتھی مارے گئے۔ جن کی تعداد تقریباً ستر تھی باقی بھاگ گئے۔ جمعرات کی شام کو یوسف بن عمر نے نئے سرے سے اپنی فوج کی تنظیم کی اور دوبارہ لشکر کو

حضرت زید سے جنگ کے لئے روانہ کیا۔ شدید جنگ ہوئی۔ آخر مقام "سبخہ" تک حضرت زید کے لشکر نے دشمن کو بھگا دیا۔ پھر وہاں بھی شدید لڑائی ہوئی مگر یوسف بن عمر کی فوج وہاں سے بھی شکست کھا کر بھاگی۔ حضرت زید نے پیچھا کیا یہاں تک کہ ان کو بنو سلیم تک بھگا دیا۔ اس کے بعد انھوں نے "بارق" اور "رواس" کے درمیان پھر مورچا قائم کیا وہاں مخالف لشکر کا علمدار عبدالصمد بن ابی مالک تھا۔ "سبخہ" کی جنگ میں (محمد بن فرات کوفی کی روایت کے مطابق) كَانَ النَّاسُ يَنْظُرُونَ اِلَىٰ زَيْدٍ يُقَاتِلُ يَوْمَ السَّبْخَةِ وَعَلٰى رَاسِهٖ سَحَابَةٌ صَفْرَاءُ تَدُوْرُ مَعَهٗ حَيْثُمَا دَارَ"

ترجمہ:- لوگ دیکھ رہے تھے کہ اس جنگ میں جہاں بھی حضرت زید جاتے تھے ان کے سر پر ایک زرد رنگ کا ابر سایہ فگن رہتا تھا۔

——— میدان جنگ میں یوسف بن عمر کی فوج سے بنو کلب کا ایک شخص نکلا، ایک خوبصورت گھوڑے پر اور حضرت زید کے قریب آکر حضرت فاطمہ زہراؑ کی شان میں بے حد خلاف تہذیب جملے کہنے لگا۔ یہ سنکر حضرت زید کے غصہ کی حد نہ رہی اور رونے لگے کہ آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہو گئی۔ اور اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر کہنے لگے کیا کوئی نہیں ہے جو سیدۂ عالم کی طرفداری کرے اور ان کا انتقام لے"

حضرت زید کے یہ الفاظ سنکر سعید بن خیثم کہتے ہیں کہ مجھے تاب ضبط نہ رہی اور میں اپنے غلام کے پاس آیا جس کے پاس "مشمل" تھی یعنی ایک چھوٹی سی تلوار جو کپڑوں کے اندر چھپائی جاسکتی تھی میں نے اس سے وہ تلوار لی اور تماشائیوں کے غول کے پیچھے ہو لیا کیونکہ وہاں کا مجمع دو قسم کا تھا کچھ تو جنگ کر رہے تھے۔ اور کچھ صرف کھڑے ہوئے اس جنگ کو دیکھ رہے تھے۔ اس کے بعد میں آہستہ آہستہ قبیلۂ بنی کلب کے اس شخص کے پاس آیا جس نے حضرت فاطمہ زہراؑ کی شان میں گستاخی کی تھی اس وقت

وہ اپنے گھوڑے سے اُتر کر ایک خچر پر بیٹھا ہوا تھا میں نے فوراً بڑھ کر اس کی گردن پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا کہ اس کا سر کٹ کر خچر کے سامنے گر گیا یہ دیکھکر اس کے ساتھیوں نے مجھ پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ یہ دیکھتے ہی میرے ساتھی بھی دوڑ پڑے اور اُن کی "اللہ اکبر" کی صدا سے فضا گونج اُٹھی اور اُنھوں نے میرے دشمنوں پر سخت حملہ کر دیا اور مجھے بچا لیا۔

میں اُسی خچر پر سوار ہوا اور حضرت زید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بس مجھے دیکھتے ہی حضرت زید نے میری پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا "خدا کی قسم تم نے ہمارا عوض لے لیا۔ خدا کی قسم تم نے دُنیا و آخرت کا شرف حاصل کیا۔ پھر حضرت زید مقام "دارِ جسر" تک آئے اور اپنے ساتھیوں کو پکارا۔ اور فرمایا:-

"خدا کی قسم! اگر مجھے اس کا علم ہوتا کہ ان لوگوں سے جنگ کرنے سے زیادہ ثواب کسی اور عمل میں ہے تو میں وہی عمل کرتا۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ اس جنگ سے زیادہ ثواب کسی عمل میں نہیں ہے"

پھر فرمایا: میں نے تمھیں منع کیا تھا کہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا اور نہ کسی زخمی کو قتل کرنا۔ اور نہ کسی بند گھر کے دروازے توڑنا یا اُسے کھولنے کی کوشش کرنا مگر میں سُن رہا ہوں کہ وہ میرے جد حضرت امیر المومنین علیؑ کو گالیاں دیتے ہیں اس لیئے اب میری اجازت ہے کہ جہاں اور جس طرح بھی ممکن ہو ان کو قتل کر ڈالو۔ خدا کی قسم آج کے دن جو شخص میری نصرت کریگا میں اُس کا ہاتھ تھام کر جنّت میں لے جاؤں گا"

یہ آواز سُننا تھی کہ لشکر حضرت زید کے تمام سپاہی دشمنوں پر بجلی کی طرح گرے اور بالآخر اہل کوفہ میں لشکر حضرت زید سے لڑنے کی ہمت باقی نہ رہی یہ دیکھکر عباس ابن سعید مزنی نے یوسف بن عمر کے پاس پیغام بھیجا کہ اور کمک روانہ کرو۔ پیادے بھی روانہ کرو

اور سوار بھی بھیجو۔ چنانچہ یوسف بن عُمر نے تیر اندازوں کی فوج روانہ کردی پھر جنگ ہوئی اور اس مرتبہ معاویہ بن اسحاق (لشکر زید کے میسرہ کے دوسرے امیر) شہید ہو گئے۔ پنجشنبہ کا دن گزر گیا اور شب جمعہ آئی یعنی تیسری ماہ صفر سنہ ۱۲۱ھ کی شب تو رُمِیَ زَیْدٌ بِسَھْمٍ غَرَبٍ اَصَابَ جَبْھَتَہٗ" حضرت زید کے سر پر ایک نامعلوم شخص کا تیر آکر لگا (سَھْمٌ غَرَبٌ اُس تیر کو کہا جاتا ہے جس کا چلانے والا معلوم نہ ہو) یہ تیر حضرت زید کے بھیجے میں اُتر گیا اس کے بعد حضرت زید اور اُن کے ساتھی میدان سے پلٹ گئے۔ مگر یوسف بن عمر کا لشکر یہی سمجھتا رہا کہ محض شب ہونے کی وجہ سے لشکر زید میدان سے واپس گیا ہے۔ اور اصل میں اس تیر کا مارنے والا ایک شخص تھا جو یوسف بن عمر کے غلاموں میں سے ایک غلام تھا اُس کا نام راشد تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا مارنے والا لشکرِ یوسف بن عُمر کا کوئی شخص تھا جس کا نام داؤد بن کیسان تھا۔ پھر حضرت زید کو اُن کے ساتھی حرّان بن کریمہ کے گھر میں لے آئے جو ایک غلام تھا وہاں جاکر فوراً ایک طبیب کو بلایا گیا جس کا نام "شُقَیْر" تھا "مَقَاتِلُ الطَّالِبِیْن" میں اس کا نام "سُفیان" لکھا ہے۔ اُس طبیب نے آکر کہا کہ اگر میں یہ تیر آپ کے سر سے نکالوں گا تو آپ زندہ نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ یہ دماغ کے اندر بیٹھ گیا ہے۔

فَقَالَ اَلْمَوْتُ اَھْوَنُ عَلَیَّ مِمَّا اَنَا فِیْہِ یعنی اس تکلیف سے جو اس وقت ہے موت میرے لئے آسان تر ہے۔ یہ سُنکر طبیب نے اپنے آلات نکالے اور تیر کو دماغ سے گھسیٹ لیا۔ بس فوراً جناب زید کی روح بھی جسم سے نکل گئی۔ وقت شہادت آپ کی عمر شریف بیالیس ۴۲ سال تھی (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۹) شیخ مفید نے بھی یہی لکھا ہے اور جمہور مؤرخین کا بھی یہی مختار ہے۔

جب یوسف بن عمر کو حضرت زید کی شہادت کی اطلاع ملی تو وہ مقام

"خیرہ" سے کوفہ میں آگیا اور منبر پر ایک مجمع میں گیا اور تقریر کی جس میں اہل کوفہ کو بڑی دھمکیاں دیں اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ کوفہ کے تمام گلی کوچوں میں دورہ کریں اور زخمیوں کو تلاش کریں چنانچہ سپاہیوں اور فوجیوں نے دورہ شروع کر دیا۔ یہ لوگ عورتوں کو گھروں سے نکال کر صحن میں کھڑا کر دیتے تھے اور گھر کا ایک ایک گوشہ ڈھونڈتے تھے اور زخمیوں کو تلاش کرتے تھے۔ یوسف بن عمر نے پھر اعلان کرایا کہ جو اصحاب زید کے مقتولوں میں سے کوئی ایک سر لائے گا اُسے پانچسو درھم انعام میں دیئے جائیں گے۔

اس اعلان کے بعد محمد بن عباد، نصر بن خزیمہ کا سر لایا تو اُسے ایکہزار درہم انعام میں دیئے گئے پھر "احول"، غلام اشعریین آیا اور معاویہ بن اسحٰق کا سر لایا۔ یوسف بن عمر نے دریافت کیا کہ کیا تم نے اُسے قتل کیا ہے اس نے کہا نہیں۔ صرف میں نے اسے دیکھکر پہچان لیا اس پر اسے سات سو درہم ملے۔

پھر جب حضرت زید شہید ہو گئے تو اُن کے دفن کرنے میں لوگوں کی رائے مختلف ہوئی کہ انھیں کس طرح دفن کیا جائے تاکہ دشمن اُن کی قبر کی شناخت نہ کر سکیں اور ان کی لاش کو قبر سے نکال کر مثلہ نہ کر سکیں کسی نے کہا کہ انھیں زرہ پہنائی جائے۔ اور نہر میں ڈال دیا جائے تاکہ لوہے کے بوجھ سے پانی میں ڈوب جائیں (تاریخ طبری ج ۸ ص۲۷۶) (یہ صورت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی تجویز فرمائی تھی) آپ نے سلیمان بن خالد سے دریافت فرمایا تھا کہ جہاں حضرت زید کو دفن کیا گیا ہے وہاں سے نہر فرات کا کسقدر فاصلہ تھا تو سلیمان نے کہا کہ پتھر پھینکنے کا فاصلہ جتنا ہوتا ہے۔ اس پر امام جعفر صادق نے فرمایا کہ "سبحان اللہ! اگر تم اُن پر لوہے کا بوجھ اس قدر کر دیتے کہ اُن کی لاش اُس کے وزن سے ڈوب جاتی پانی میں تو زیادہ بہتر تھا (الوسائل للحر العاملی۔ کتاب الطہارۃ

فی باب طرح المیّت فی الماء) بعض اصحاب حضرت زید نے اس کا مشورہ دیا کہ انھیں مقام "عباسیہ" میں دفن کر دیا جائے یعنی نخیلہ میں (نخیلہ کا ایک نام عبّاسیہ ہے) (مثیر الاحزان از علامہ ابن نما) کسی نے کہا کہ ان کا سر کاٹ لیا جائے اور مقتولوں میں ڈال دیا جائے تاکہ کوئی اُن کی لاش پہچان ہی نہ سکے۔ (الخطط المقریزیۃ ج ۴ صلا۳) اس رائے کو اُن کے بیٹے حضرت یحییٰ نے پسند نہ کیا۔ اور کہا کہ لا واللہ میرے باپ کے گوشت کو جنگلی درندے نہیں کھا سکتے (المقاتل لابی الفرج) سلمہ بن ثابت کہتے ہیں کہ جب اختلافات زیادہ ہوئے تو میں نے یہ رائے دی کہ ہم لوگ حضرت زید کی لاش مبارک کو لے جاکر نہر کے حدود کے اندر دفن کر دیں جس طرح بھی ممکن ہو سکے تاکہ پانی کے اندر قبر ہو جانے کی وجہ سے کوئی اُس جگہ کا علم حاصل نہ کر سکے۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا اور لاش کو پانی کے اندر جہاں پانی بہت گہرا تھا کسی طرح مٹی ہٹا کر اور پانی کو چاروں طرف سے روک کر لاش کو زمین میں داخل کر دیا گیا اور اس پر گھاس وغیرہ ڈالدی گئی تاکہ لاش باہر نہ آ سکے۔ پھر پانی کو جاری کر دیا گیا۔ (مروج الذہب ج ۲ ص۱۸۲) یہ واقعہ نہر کے اُس مقام کا ہے جو ایک باغ کے درمیان واقع تھا اور وہ باغ ایک شخص کی ملکیت میں تھا جس کا نام "زائدۃ" تھا (امالی الصدوق مجلس ۶۲) یا اُس کا نام یعقوب تھا (تاریخ الطبری ج ۸ صلا۲۷) اب اس کے بعد دوسرا رُخ یہ ہے کہ اُدھر یوسف بن عمر الثقفی کوفہ میں داخل ہو گیا اور اُس کو حضرت زید کی شہادت کی خبر ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اُن کو دفن کر دیا گیا اُس نے ایک شخص کو مقرر کیا جس نے کوفہ کے گلی کوچوں میں اعلان کیا کہ جو شخص اُس مقام کی نشان دہی کرے گا جہاں زید مدفون ہیں اُسے بھاری انعام و اکرام ملے گا۔ یہ اعلان سنکر وہ طبیب اُس کے پاس گیا جس نے تیر سر سے نکالا تھا اور وہ خود بھی دفنِ

دفن موجود تھا۔ اُس نے گورنر کو اُس جگہ کی خبر دے دی اور نشان دہی کردی (مُروج الذّھب ج ۲ ص ۱۸۲) اور یہ طبیب غلام تھا عبدالحمید رواسی کا۔ بعض مؤرّخ لکھتے ہیں کہ ایک دوسرے شخص نے یہ اطلاع پہونچائی تھی جو خود حضرت زید بن علیؑ کا غلام تھا۔ (تاریخ طبری ج ۸ ص ۲۷۶) لیکن ابو مخنف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نبطی کسان تھا جو اپنے کھیت میں پانی دے رہا تھا اور وہ کھیت اس جگہ کے بالکل سامنے تھا جہاں آپ مدفون تھے اور وہ ان کو دفن ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا اُس نے اس کی اطلاع گورنر عراق یوسف بن عمر کو پہنچائی۔ (مقاتل الطالبین) جب مقامِ دفن کی اطلاع حکومت کو مل گئی تو یوسف بن عمر نے عباس بن سعید مُزنی کو وہاں روانہ کیا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُسنے حجّاج بن قاسم بن محمدؐ بن ابی عقیل کو بھیجا تھا اور کوئی کہتا ہے کہ خراش بن حوشب بن یزید الشیبانی کو روانہ کیا تھا جو یوسف بن عمر کی پولیس کا افسر اعلیٰ تھا (تاریخ طبری ج ۸ ص ۲۷۸) بہرحال ان میں سے کوئی شخص گیا اور ان کی لاشِ اقدس کو پانی سے نکال کر ایک اونٹ پر رکھا اس وقت حضرت زید کے جسم پر صرف ایک بھری ہوئی قمیص تھی۔ یہ لاش لاکر قصرِ کوفہ کے پھاٹک پر پھینک دی گئی تو اس طرح زمین پر گری "کَاَنَّہٗ جَبَلٌ" جیسے کوئی پہاڑ پھٹ پڑے۔

اس کے بعد یوسف بن عمر نے حکم دیا کہ ان کا سر جدا کر دیا جائے۔ ابو مخنف کہتا ہے کہ سر کاٹنے والا حکم ابن الصلت کا لڑکا تھا۔ کیونکہ حکم ابن الصلت نے پولیس کے افسر اعلیٰ عباس بن سعید مُزنی کے ساتھ اپنے لڑکے کو بھی لاش لانے کے لئے روانہ کیا تھا مگر جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو عباس بن سعید نے یہ نہ چاہا کہ حکم بن الصلت کا لڑکا اس پر فوقیت لے جائے اس لئے اُس نے ایک تیسرے شخص حجّاج بن القاسم بن محمدؐ بن الحکم بن ابی عقیل کو یوسف

بن عمر کے پاس مبارکباد دینے اپنی طرف سے پہلے ہی روانہ کر دیا تاکہ یہ
معلوم ہو جائے کہ یہ سب کارگذاری اسی کی ہے۔ اور حکم ابن الصلت
کے لڑکے کو نہ بھیجا اس کی وجہ سے حاکم کوفہ حکم ابن الصلت نے
اپنے لڑکے سے حضرت زید کے سر کو جدا کرایا تاکہ اس کی فضیلت ثابت
ہو۔ بہرحال جب لاش اقدس گورنر کے سامنے لائی گئی تو وہاں حضرت
زید کے اصحاب کی اور بھی لاشیں کثرت کے ساتھ موجود تھیں۔
پھر جب آپ کا سر جدا ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ ان کی لاش کو
سولی پر الٹا لٹکا دیا جائے۔ (کامل لابن الاثیر) بازارِ کناسہ میں
(العقد الفرید باب مقتل زید) حضرت زید کی لاش کے ساتھ انکے
اصحاب کی لاشیں بھی سولی پر بازارِ کناسہ میں لٹکا دی گئیں (الکامل
للمبرد ج ۳ ص ۲۴۷ اور الروض النضیر ج ۱ ص ۶۰) ان ہی اصحاب
زید میں معاویہ بن اسحٰق، نصر بن خزیمہ عبسی، زیاد الھندی بھی
تھے (مقاتل الطالبین) پھر یوسف بن عمر نے کچھ نگہبان مقرر
کر دیئے کہ کہیں حضرت زید کی لاش سولی پر سے اتار نہ لی جائے۔
جو لوگ نگہبان مقرر ہوئے تھے ان میں زہیر ابن معاویہ بن خدیج
بن رحیل بھی تھا۔ (تاریخ طبری ج ۸ ص ۲۷۷) ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ
میں روایت ذکر کی ہے ______ منہاج السنۃ
ج ۱ ص ۸) جب حضرت زید کی لاش بے سر سولی پر لٹکا دی گئی تو
اہل کوفہ رات کے وقت وہاں آتے تھے اور اس کے قریب نمازیں
پڑھتے اور اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ یہ لاش اطہر عرصہ دراز تک اسی
طرح لٹکی رہی یہاں تک کہ طائروں نے آپ کے جسم اقدس کے ڈھانچے
میں آشیانہ لگا لیا تھا۔ (منتخب الطریحی) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ
یہ لاش ایک سال اور کچھ ماہ تک لٹکی رہی۔ بعض کہتے ہیں کہ
تین سال تک لٹکی رہی۔ بعض نے چار سال کی مدت لکھی ہے بعض
نے پانچ سال اور کچھ لوگوں نے چھ برس تحریر کئے ہیں۔ پھر ہشام

بن عبدالملک نے حکم دیا کہ اس لاش کو جلا ڈالا جائے اور بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جلانے کا حکم ھشام نے نہیں دیا تھا بلکہ یہ واقعہ ھشام کے بعد کا ہے اور اس کے جانشین اور بھتیجے ولید بن یزید بن عبدالملک نے جلانے کا حکم دیا تھا۔ جب حضرت زید کے فرزند حضرت یحییٰ نے ۱۲۵ھ میں خروج کیا تھا ولید مذکور نے یوسف بن عمر گورنر عراق کو خط لکھا تھا: جب میرا خط تجھے مل جائے تو اہل عراق کے "عجل" (گائے کا بچہ) کو (اشارہ تھا بنی اسرائیل کے "عجل" کی طرف جس کی سامری نے پرستش کرائی تھی اور اس سے معاذاللہ حضرت زید کی لاش کو تشبیہ دی تھی) اب تختۂ دار پر سے اتار لو اور دریا میں اس کی خاک کو منتشر کر دو۔ جب اس کے پاس یہ خط آیا تو اس نے خراش ابن حوشب کو حکم دیا کہ لاش کے ڈھانچے کو سولی کے تختہ پر سے اتارے اور آگ میں جلا ڈالے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اس کی خاک کو زنبیل کے بوروں میں بھرا اور کشتی میں رکھکر نہر فرات کے درمیان جاکر اس خاک کو پانی میں بہا دیا۔

حضرت ابو حمزہ ثمالی نے بیان کیا ہے کہ لاش کو جلانے کے بعد ہڈیوں کو ھاون دستے میں خوب کوٹ کر باریک کیا گیا اور فرات کے کسی بڑے وسیع پانی میں جہاں پاٹ اس کا بہت بڑا تھا خاک کو پانی میں بہا دیا گیا یوسف بن عمر نے جب حضرت زید کا سر جدا کر دیا تھا تو اس سر کو اور آپ کے اصحاب کے سروں کو ھشام بن عبدالملک کے پاس روانہ کر دیا تھا۔

ھشام نے زید کے سر کو پہلے تو مدینہ روانہ کیا اور وہ قبر رسول اللہ صلعم کے پاس ۲۴ گھنٹے لٹکا رہا اس وقت مدینہ کا حاکم محمد بن ابراہیم بن ھشام المخزومی تھا سر کو لٹکا ہوا دیکھکر اہل مدینہ میں شدید ہیجان پیدا ہوا اور انھوں نے حاکم مدینہ سے مطالبہ کیا کہ اس سر کو وہاں سے اتار دیا جائے۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر سارے شہر میں گریہ و بکا کا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا پھر اس سر کو مصر روانہ کیا گیا اور وہاں کی جامع مسجد میں نصب

کیا گیا۔ اہل مصر نے اسے ٹھیکے سے اُتار لیا اور مسجد محرس الخصی میں دفن کر دیا۔
الکِندی نے کتاب الامراء میں لکھا ہے :۔ ابوالحکم بن ابی الابیض القیسی
سنہ ۱۲۲ھ میں حضرت زید بن علیؑ کا سر لے کر مصر آیا تھا۔ وہ اتوار کا دن
تھا اور دس (۱۰) جمادی الثانیہ۔
محمد بن اسعد بھی کتاب الجوھر المکنون میں لکھتے ہیں کہ زید بن
علیؑ کا سرِ اقدس مسجدِ محرس الخصی میں مدفون ہے۔ مقاتل الطالبین
لابی الفرج الاصفہانی متوفی سنہ ۳۵۶ھ میں ص ۱۰۵ پر یہ بھی لکھا ہے (راویوں
کے ناموں کے بعد) کہ بازارِ کناسہ میں جہاں زید کی لاش بے سر کو
لٹکایا گیا تھا جبکہ لاش پر کوئی کپڑا بھی نہ تھا مگر کسی شخص نے بھی انھیں
برہنہ نہ دیکھا۔ وہ لکھتے ہیں :۔ اِسْتَرْسَلَ جِلْدٌ مِنْ بَطْنِہٖ مِنْ قُدَّامِہٖ
وَمِنْ خَلْفِہٖ حَتّٰی سَتَرَ عَوْرَتَہٗ ،، آپ کی پشت کی طرف سے اور سامنے سے
ایک کھال ظاہر ہوئی جس نے پھیل کر اعضائے ستر کو چھپا لیا اور کوئی
اُن پر نظر نہ ڈال سکا۔

ابوالفرج اس کے بعد لکھتے ہیں۔ ابو حاتم الرازی نے بیان کیا اور
انھوں نے جریر بن حازم سے نقل کیا، وہ لکھتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول اللہ
کو دیکھا کہ وہ اس شاخ درختِ خرما سے ٹیک لگائے کھڑے ہیں جس سے
لاشِ حضرت زید لٹکی ہوئی تھی اور وہ لوگوں سے فرما رہے ہیں : اَھٰکَذَا
تَفْعَلُوْنَ بِوَلَدِیْ ،، کیا میرے فرزند کے ساتھ تمہارا یہی عمل ہے۔
علامہ ابوالفرج نے "مقاتل،، کے صفحہ ۱۰۶ پر شہادت حضرت زید کو
جمعہ کے روز ماہ صفر سنہ ۱۲۱ھ میں لکھا ہے۔
اب ہم حضرت زید کے متعلق ائمہ کرام علیہم السلام اور خود حضرت رسالتمآب
کے اقوال درج کرتے ہیں۔ یہ احادیث اُن فضائل کے علاوہ ہیں جو
ہم نے اُن کے متعلق ابتدا میں لکھے ہیں۔ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۲۷
ابوالجارود کہتے ہیں۔ میں حضرت امام ابو جعفر الباقرؑ کی خدمت میں
حاضر تھا کہ حضرت زید بن علیؑ بھی آتے ہوئے نظر آئے۔ جیسے ہی حضرت امام

محمد باقر کی نظر اُن پر پڑی کہ وہ آرہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ اپنے خاندان کے سردار ہیں اور یہ اہلبیت پر جو ظلم ہوئے ہیں اُن کا ظالموں سے انتقام لیں گے۔ اے زید! وہ ماں بڑی مبارک اور بلند مرتبہ ہے جس کے بطن سے آپ کی ولادت ہوئی۔

حضرت امام باقر فرماتے ہیں (اپنی اسناد کے ساتھ) حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امام حسین سے فرمایا تھا۔ "اے حسین تمہاری نسل میں ایک شخص ہوگا جس کا نام "زید" ہوگا۔ وہ اور اس کے اصحاب بغیر حساب جنّت میں داخل ہوں گے۔

امام جعفر صادق نے فرمایا۔ میرے چچا حضرت زید اور اُن کے اصحاب شہدائے راہِ خدا ہیں جس طرح میرے جد حضرت علی بن ابیطالب اور اُن کے اصحاب "شہداء" تھے۔

امام جعفر صادق نے فرمایا۔ اللہ حضرت زید کے قاتل اور آپ کے رُسوا کرنے والوں پر لعنت کرے۔ میں اُس کی بارگاہ میں ان مصائب کی شکایت کرتا ہوں جو ہم اہلِ بیت رسولؐ پر حضرت زید کی شہادت کے بعد نازل کیے گئے اور اللہ ہی سے ہم نصرت کے طلبگار ہیں۔ اور وہی بہترین مددگار ہے۔

عمرو بن خالد کہتے ہیں کہ حضرت زید بن علی بن الحسین فرماتے تھے ہم اہلبیت رسولؐ میں سے ہر زمانہ میں ایک شخص ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے اللہ اپنی مخلوق پر اپنی حجّت تمام کر دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہمارے دور میں اللہ کی حجت میرے بھتیجے جعفر بن محمد (امام جعفر صادق) ہیں جو شخص بھی اُن کی پیروی کرے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا اور جو اُن کی مخالفت کرے گا وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتا۔

حضرت امام رضا فرماتے ہیں۔ زید بن علی، آلِ محمدؐ کے علماء میں سے تھے صرف رضائے خدا کے لئے انھوں نے اللہ کے دشمنوں سے جہاد کیا یہاں تک کہ وہ اس کی راہ میں شہید ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ میرے

والد معظم حضرت امام موسیٰ الکاظم کا ارشاد ہے کہ انھوں نے اپنے والد محترم حضرت امام جعفر صادق کو فرماتے ہوئے سُنا کہ خُدا میرے چچا زید بن علی پر رحم فرمائے انہوں نے تحریک "رضائے آلِ محمدؐ" کی طرف لوگوں کو دعوت دی تھی اور اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو ضرور اپنے وعدہ کو پورا کرتے۔ میرے چچا نے آغاز جنگ سے قبل مجھ سے مشورہ کیا تھا تو میں نے اُن سے کہا تھا کہ اے چچا! اگر آپ اس بات پر راضی ہیں کہ آپ شہید ہوں اور آپ کو بازار "کُناسہ" میں سولی پر چڑھایا جائے تو پھر آپ کو اختیار ہے۔

اس کے ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ میرے چچا زید نے کبھی امامت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ صرف "رضائے آلِ محمدؐ" کی دعوت دیتے رہے۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔ میرے چچا زید بن علیؑ بہترین چچا تھے۔ وہ اسی مرتبہ کے شہید تھے جس مرتبہ کے وہ لوگ تھے جو حضرت رسالت مآبؐ اور حضرات علی و حسن و حسینؑ کے ساتھ شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

حضرت زید بن علیؑ کی جنگ کے اسباب

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ جہاد سلطنت حاصل کرنے یا اپنی امامت کے لئے نہ تھا بلکہ خون حسینؑ کا انتقام لینے نیز رضائے آلِ محمدؐ کیلئے اور امام جعفر صادق کی امامت کو تسلیم کرانے کے لئے تھا اور ہشام بن عبد الملک کی بدتہذیبی کے جواب میں تھا جو اُس نے حضرت فاطمہ زہراؑ کی شان میں کی تھی۔ اور آلِ محمدؐ کو ذلیل کرنے کی کوشش کی تھی۔

حُذیفہ بن الیمان کہتے ہیں۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کی نظر زید بن حارثہ پر پڑی تو فرمایا کہ میرے اہلبیت (اولاد) میں سے راہ حق کا ہمنام شہید ہوگا، اُسے پھانسی پر چڑھایا جائے گا اور اس پر ظلم کیا جائے گا۔ پھر زید بن حارثہ کو اپنے نزدیک بلایا اور فرمایا

تم سے مجھے اس لئے بھی زیادہ محبت ہے کہ تم میری اولاد میں ایک میرے محبوب فرزند کے ہمنام ہو۔

۵۴۔ ابو ولاد کاھلی سے امام جعفر صادق نے پوچھا کہ تم نے کیا میرے چچا زید کی زیارت کی تھی۔؟ انھوں نے عرض کی۔ جی ہاں میں نے انھیں سولی پر لٹکا ہوا دیکھا تھا اور یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ کچھ لوگ خوش تھے اور کچھ لوگ غمزدہ تھے اور رو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ اُن کی شہادت پر رو رہے تھے وہ ان کے ساتھ جنت میں ہوں گے اور جو لوگ خوش تھے وہ اُن کے خون میں شریک سمجھے جائیں گے اس کے بعد علامہ مجلسیؒ نے ایک اور واقعہ درج کیا ہے۔ سلیمان بن خالد حضرت زید بن علیؑ کی فوج میں تھے کسی نے ان سے پوچھا کہ تمھاری کیا رائے ہے؟ زید بن علیؑ افضل ہیں یا جعفر بن محمد؟ سلیمان نے جواب دیا خدا کی قسم حضرت جعفر صادق کا ایک دن زید کی پوری زندگی سے افضل ہے۔ یہ سنکر وہ شخص حضرت زید کے پاس آیا اور پورا قصّہ بیان کر دیا۔ سلیمان کہتے ہیں کہ پھر میں بھی اُن کے پاس گیا تو وہ فرما رہے تھے جعفر صادق تمام احکام شریعت میں ہمارے امام ہیں۔

۵۵ حضرت یحییٰ بن زید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت زید بن علیؑ سے ائمۂ کرام کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ ائمہ علیہم السلام بارہ ہیں ان میں سے چار گزر چکے ہیں اور آٹھ (۸) ان کے علاوہ ہیں جو آتے رہیں گے۔ میں نے دریافت کیا کہ اُن کے نام کیا ہیں تو فرمایا۔ جو گزر چکے ہیں ان کے نام یہ ہیں:۔ علی بن ابی طالب، حسن، حسینؑ، علی بن الحسین اور جو آٹھ ان کے علاوہ ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ میرے بھائی الباقر، جعفر الصادق، موسی بن جعفر، علی بن موسیٰ، محمد بن علی، علی بن محمد، حسن بن علی پھر مھدی بن حسن یحییٰ کہتے ہیں بابا! کیا آپ امام نہیں ہیں؟

فرمایا نہیں میں امام نہیں ہوں، مگر میں عترتِ رسولؐ میں داخل ہوں۔
یحییٰ نے عرض کی۔ آپ کو ان اماموں کے نام کیسے معلوم ہو گئے؟
حضرت زید نے فرمایا کہ یہ ہمارے بعد رسول اللہؐ کا ایک مقررہ عہد و قرار ہے
جو ہم تک پہنچا ہے۔
اس نسخے کے بعد علامہ مجلسی رح لکھتے ہیں۔ جبکہ حضرت زید بن علی کو یہ
سب کچھ معلوم تھا اور وہ ائمۂ کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی بھی جانتے
تھے تو انھوں نے اپنے "وَرَع و تقویٰ" کے باوجود اعلانِ جہاد کیوں کیا اور
امامِ وقت حضرت جعفر صادق کی مخالفت کیوں کی؟ تو میں اس کے
جواب میں یہ کہوں گا کہ حضرت زید بن علی نے ہرگز امامت کا دعویٰ
نہیں کیا بلکہ ان کا جہاد محض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی غرض
سے تھا ان کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ وہ امام جعفر صادق کی مخالفت
کریں۔ اب جہاں تک اختلاف ظاہر ہونے کا تعلق ہے وہ خود اُن
حضرات میں نہ تھا بلکہ عوام میں تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت
زید جہاد کیلئے نکلے مگر حضرت امام جعفر صادق اس جہاد میں شریک نہ
ہوئے تو عوام الناس نے خیال کیا کہ امام جعفر صادق حضرت زید کے
خلاف تھے۔ ایسا نہیں بلکہ یہ حسنِ تدبیر کی ایک صورت تھی لیکن عوام
اسے نہ سمجھے اور وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے کہ امام وہ
نہیں ہے جو گھر میں بیٹھا رہے۔ اور تبلیغِ احکام کے لئے میدان میں
نہ نکلے۔ اس کے برخلاف امام وہی ہے جو اسلام کی راہ میں جہاد
کرے یہی ایک ایسا خیال تھا جو عوام الناس میں تفرقہ کا سبب بن گیا
اور وہ دو حصوں میں بٹ گئے ورنہ خود حضرت امام جعفر صادق اور
حضرت زید میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ غرض حضرت زید کا جہاد خود اُنکی
امامت کے لیئے نہ تھا بلکہ امام جعفر صادق کی امامت اور احقاقِ حق
کے لئے تھا اور امام عالی مقام اس جہاد سے پوری طرح راضی تھے
چنانچہ حضرت زید فرمایا کرتے تھے جو شخص جہادِ راہِ خدا میں

شرکت چاہتا ہو وہ میرے پاس آئے اور جو علم شریعت حاصل کرنا چاہتا ہو وہ میرے بھتیجے جعفر کے پاس جائے "۔ تو اگر حضرت زید مدّعی امامت ہوتے تو کبھی ہرگز اپنی ذات سے کمالِ علمی کی نفی نہ کرتے مگر انھوں نے اس کی نفی کی جو اس کی دلیل ہے کہ وہ ہرگز مدّعی امامت نہ تھے۔

علاوہ بریں حضرت امام جعفر صادق کا ایک مشہور ارشاد ہے۔

"اللہ میرے چچا زید پر اپنی رحمت نازل کرے اگر وہ اپنے جہاد میں کامیاب ہو جاتے تو ضرور اپنے وعدہ کو پورا کرتے کیونکہ انہوں نے رضائے آلِ محمدؐ کی طرف لوگوں کو دعوت دی تھی۔ اور رضائے آلِ محمدؐ سے مُراد خود میری ہی ذات ہے"۔

اس بات کی تصدیق ایک اور واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔

متوکل بن ھارون کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید کی شہادت کے بعد ایک موقع پر ان کے فرزند یحییٰ بن زید سے ملاقات کی جب کہ وہ خراسان کی طرف جا رہے تھے اس ملاقات سے مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے اس علم و فضل اور عقل و ذہانت کا کوئی آدمی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

میں نے یحییٰ سے اُن کے والد کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ وہ شہید کر دیئے گئے اور بازار "کناسہ" میں ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ یہ کہتے ہی وہ رونے لگے اور میں بھی رونے لگا۔ آخر روتے روتے اُن کو غش آگیا۔ جب انھیں ہوش آیا تو میں نے عرض کی۔ اے فرزند رسولؐ! آپ کے والد کس وجہ سے جہاد پر مجبور ہو گئے تھے جبکہ وہ اہل کوفہ کی غداریوں سے پوری طرح باخبر تھے؟ یحییٰ نے جواب دیا کہ یہی سوال خود میں نے اپنے والد سے کیا تھا۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ میرے جد حضرت امام حسین نے فرمایا تھا کہ اُن کے نانا حضرت رسالتمآبؐ نے ایک موقع پر اُن کے پہلو پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ "اے حسین! تمہاری اولاد میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام "زید" ہوگا وہ راہِ خدا میں شہید کیا جائے گا۔ پھر جب قیامت کا دن آئے گا

تو زید اور اُس کے اصحاب جنّت میں داخل ہوں گے اس لئے (زید فرماتے ہیں) کہ میں نے اس بات کو پسند کیا کہ جس طرح میرے جد رسول اللہؐ نے پیشین گوئی فرمائی تھی، میں اپنے عمل سے اُس کی تصدیق کروں۔

حضرت یحییٰ بن زید نے اس کے بعد فرمایا۔ اللہ میرے والد پر رحمت نازل کرے، قسم اللہ کی! وہ بڑے عبادت گزار تھے، رات بھر عبادت کرتے تھے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔ اُنھوں نے راہ خدا میں جہاد کرنے کا جو حق تھا وہ ادا کیا۔ راوی کہتا ہے، میں نے عرض کی یہی تو امام کی شان ہوتی ہے اس پر یحییٰ نے فرمایا کہ نہیں ہرگز نہیں میرے والد "امام" نہ تھے بلکہ سادات کرام میں سے تھے اور بہت عابد و زاہد انسان تھے اور اُن کا شمار اُن لوگوں میں تھا جو مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔

متوکل بن ہارون نے کہا۔ اے فرزند رسولؐ! آپ کے والد نے تو امامت کا دعویٰ کیا تھا اور اسی وجہ سے جہاد بھی کیا درآنحالیکہ حضور سرورِ کائنات نے فرمایا ہے کہ جو (ائمہ ھُدیٰ کے علاوہ) امامت کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔ حضرت یحییٰ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں! میرے والد ناسمجھ نہ تھے کہ وہ اپنے لئے اس بات کا دعویٰ کرتے جس کا اُن کو حق نہ تھا بلکہ اُنھوں نے لوگوں سے ہمیشہ یہی فرمایا کہ تم کو میں "رضائے آلِ محمدؐ" کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اس سے میرے والد کی مراد میرے چچازاد بھائی حضرت امام جعفر صادق کی ذات ہوا کرتی ہے۔

متوکل نے کہا تو کیا اس زمانہ میں حضرت جعفر صادق ہی صاحب الامر ہیں یحییٰ نے کہا بیشک وہی اس وقت صاحبُ الامر ہیں، وہ تمام بنی ہاشم میں سب سے زیادہ فقیہ اور حاکم و عالمِ شریعت ہیں۔ پھر اُنھوں نے کہا کہ میرے والد کی عبادت و تقویٰ کا عالم یہ تھا کہ وہ دن بھر عبادت الٰہی میں بسر کرتے تھے پھر جب رات آتی تھی اس وقت بھی عبادت ہی میں وقت گزارتے تھے اور بہت کم سوتے تھے۔ جب آنکھ کھلتی

بھی تو پھر قیام و رکوع و سجود میں مشغول ہو جاتے تھے، خوفِ خُدا سے روتے رہتے تھے یہاں تک کہ طلوعِ فجر کا وقت آجاتا تھا پھر وہ نماز صبح میں منہمک ہو جاتے تھے۔ پھر اُن کی تعقیبات کا سلسلہ دن چڑھے تک رہتا تھا۔ اس کے بعد زوال کے وقت تک دنیوی ضروریات میں وقت گذرتا تھا۔ زوال کے قریب وہ مصلّے پر بیٹھکر تسبیح و تہلیل شروع کر دیتے تھے۔ پھر نماز مع نوافل ادا کرتے تھے پھر نماز عصر کو مع نوافل اُس کے وقتِ فضیلت پر ادا کرتے تھے تعقیبات کا سلسلہ شام تک رہتا تھا۔ غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ مغرب اور پھر نمازِ عشاء میں مشغول ہو جاتے تھے۔ غرض اے متوکل میرے والد کے دن رات اسی طرح ذکر و عبادتِ خدا میں گزر جاتے تھے۔

متوکل نے پوچھا۔ کیا حضرت زید ہمیشہ دن میں روزہ رکھا کرتے تھے فرمایا نہیں۔ بلکہ وہ سال میں تین ماہ روزہ رکھتے تھے پھر ہر ماہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔

اُنھوں نے عرض کی۔ کیا آپ کے والد کسی اجتماع میں مسائل دینیہ بھی بیان کرتے تھے اور فتاوی بھی تعلیم دیتے تھے۔ فرمایا۔ مجھے یہ یاد نہیں۔ متوکل کہتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد حضرت یحییٰ نے مجھے "صحیفۂ کاملہ،، عطا کیا جو مجموعہ ہے حضرت امام زین العابدین کی دعاؤں کا۔

(ص ۵۶ از بحارالانوار بحوالہ سابق)

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں حضرت زید بن علی کی خدمت میں ایکبار حاضر ہوا تو میں نے عرض کی۔ کچھ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ امامِ وقت اور صاحبُ الامر ہیں۔ فرمایا نہیں! بلکہ عترتِ رسول اللہ میں سے ہوں۔ میں نے کہا کہ موجودہ زمانہ کے بعد کتنے امام ہوں گے؟؟ فرمایا سات امام ہوں گے۔ اور امام مہدی بھی ان میں شامل ہیں۔

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ یہ سُنکر میں امام محمد باقر کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت زید کے اس قول کا اُن سے ذکر کیا تو اُنھوں نے اس کی

تائید فرمائی اور کہا، میرے بھائی زید نے درست و صحیح کہا ہے۔ میرے بعد سات امام یکے بعد دیگرے ہوں گے اور مہدی بھی ان میں شامل ہیں۔ یہ کہکر امام محمد باقر علیہ السلام رونے لگے اور فرمایا میں اس وقت کو دیکھ رہا ہوں جب کوفہ میں میرے بھائی زید کو بازار "کناسہ" میں سولی پر لٹکایا جائے گا اے محمد بن مسلم! میرے والد حضرت امام زین العابدین نے اپنے والد امام حسین سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ امام حسین فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرے نانا رسول اللہؐ نے میرے شانے پر اپنا دستِ مبارک رکھا اور فرمایا، اے حسین! تمہارے صلب سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام "زید" رکھا جائے گا۔ اور وہ ظلم کے ساتھ شہید کیا جائے گا۔ پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو زید اور اس کے اصحاب سب کے سب جنت میں داخل ہوں گے۔

تاریخ شہادت حضرت زید

بحار الانوار بحوالۂ سابق ص۱۵۷ پر بجائے سنہ ۱۲۰ھ اور ۳ ماہ صفر، اس طرح لکھا ہے۔ پہلی ماہِ صفر سنہ ۱۲۱ھ کو حضرت زید کی شہادت ہوئی۔ پھر ص۵۹ پر لکھتے ہیں۔ جابر بن عبداللہ نے حضرت امام محمد باقر سے روایت کی ہے۔ امام عالی مقام نے فرمایا (اپنی اسناد کے ساتھ) حضرت رسالت مآبؐ نے ارشاد کیا امام حسین سے کہ تمہارے صلب سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام "زید" ہوگا وہ اور اس کے اصحاب روز قیامت جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔

مقاتل الطالبین ص۱۲۷: حضرت زید کو ابوالحسین کہا جاتا ہے آپکی والدہ اُمّ ولد (کنیز) تھیں جنہیں حضرت مختار نے امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تھا جن کے بطن سے زید، عمرو، علی اور خدیجہ کی ولادت ہوئی۔

زیاد بن منذر بیان کرتے ہیں۔ مختار بن ابی عبیدہ نے ایک کنیز تیس ہزار درہم میں خریدی پھر کہا کہ تم واپس چلو یعنی میری طرف پشت

کر کے چلو اس کے بعد کہا کہ اچھا اب تم میری جانب رخ کر کے واپس آؤ یعنی دونوں طرح اُن کی رفتار دیکھکر سمجھ لیا کہ کنیز میں کوئی عیب نہیں ہے تو مختار نے کہا ایسی بے عیب کنیز کے حقدار میری نظر میں سوائے علی بن الحسین امام زین العابدین کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا چنانچہ انھیں امام کے پاس بھیجدیا۔ یہی حضرت زید کی والدہ گرامی ہوئیں۔

پھر لکھتے ہیں۔ خصیب والنسی کا بیان ہے کہ جب میں حضرت زید بن علی کو دیکھتا تھا تو مجھے نورانی علامتیں اُن کے چہرہ پر نظر آتی تھیں۔

پھر ایک دوسری روایت ابوقرہ سے لکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ کسی رات حضرت زید بن علی کے ساتھ میں مقام "جبان" کے لئے روانہ ہوا۔ میں نے دیکھا تھا کہ اُن کے ہاتھ بالکل خالی تھے اور اُن کے پاس کوئی چیز بھی نہ تھی۔ راستے میں مجھ سے فرمایا۔ ابوقرہ کیا تمہیں بھوک لگ رہی ہے؟ میں نے عرض کی، جی ہاں، ہے تو کچھ ایسا ہی۔ بس فوراً انھوں نے مجھے ایک بڑا امرود عطا کیا۔ جو میری پوری ہتھیلی میں سما گیا۔ اس قدر خوشبو دار کہ میں بیان نہیں کر سکتا، پھر بے حد مزیدار فرمایا۔ ابوقرہ! جانتے ہو کہ اب ہم کس مقام پر ہیں۔ ہم اس وقت جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ہیں۔ ہم اس وقت مرقد حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کے نزدیک ہیں پھر فرمایا۔ اے ابوقرہ! اس ذاتِ اقدس کی قسم! جو زید بن علی کی رگ گردن سے زیادہ نزدیک ہے جب سے زید نے (خود اپنی طرف اشارہ تھا) داہنے اور بائیں کا فرق سمجھا ہے اللہ کی کوئی نافرمانی نہیں کی۔ اے ابوقرہ! جو شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اللہ کی مخلوق خود اس شخص کی اطاعت کرتی ہے۔

عاصم بن عبیداللہ العمری کہتے ہیں کہ میں سن میں زید بن علی سے بڑا ہوں میں نے انھیں مدینہ میں دیکھا تھا جب وہ نوجوان تھے۔ اس وقت جب وہ ذکر خدا کرتے تھے تو انھیں غش آجاتا تھا۔ یہ دیکھکر

لوگ کہنے لگتے تھے کہ اب انھیں ہوش نہیں آسکتا اور ان کی روح بدن سے نکل چکی ہے۔

مقاتل الطالبین صفحہ ۱۲۹ پر ہے۔ عبداللہ بن جریر کہتے ہیں۔ میں نے جعفر بن محمد (امام جعفر صادق) کو دیکھا کہ وہ اپنے چچا زید بن علی کی رکاب اپنے دستِ مبارک سے تھامے ہوئے تھے اور زین پر گھوڑے کی اس کے کپڑے درست فرما رہے تھے۔

محمد بن فرات بیان کرتے ہیں۔ میں نے "سبخہ" کی جنگ میں حضرت زید بن علی کو دیکھا کہ فضا میں ان کے سر پر ابر کا ایک زرد ٹکڑا رہتا تھا اور وہ جہاں بھی جاتے تھے وہ زرد ابر ان پر سایہ فگن رہتا تھا۔ صفحہ ۱۵۲۔ (حالات یحییٰ بن زید)۔ آپ کی والدہ ریطہ بنت ابی ہاشم عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ تھیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت زید شہید ہوگئے اور انھیں ان کے فرزند یحییٰ نے دفن کر دیا (جس کی تفصیل ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں) تو وہ واپس آکر مقام "جبّانۃ السبیع" میں ٹھہر گئے۔ جو لوگ ان کے ساتھ تھے سب منتشر ہوگئے۔ صرف دس آدمی باقی رہ گئے تھے سلمہ بن ثابت کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ اب آپ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں؟ یحییٰ نے جواب دیا کہ "نہرین" کا۔ یہ سُنکر سلمہ نے کہا کہ اگر آپ کا "نہرین" جانے کا ارادہ ہے تو بہتر یہ ہے کہ آپ وہاں جانے کے بجائے یہیں جنگ کا آغاز کر دیں اور ہم سب شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو جائیں۔ یحییٰ نے کہا کہ میری مُراد کربلاء کی دو "نہریں" ہیں۔ سلمہ نے عرض کی تو پھر بہتر یہ ہے کہ صبح ہونے سے پہلے ہم اور آپ اس جگہ سے نکل چلیں۔ پس اس کے بعد فوراً ہم لوگ کوفہ سے روانہ ہو گئے۔ جب ہم شہر کی آبادی کے آخری حصہ سے آگے جا رہے تھے تو صبح کی اذان ہونے لگی نماز سے فارغ ہو کر جلدی سے روانہ ہو گئے راستہ میں قبائل کی آبادی سے گزر رہا تھا ہر جگہ لوگ ہماری میزبانی کرتے تھے یہاں تک کہ ہم لوگ

نینوی پہنچ گئے۔
میں وہاں پہنچکر کسی گھر پر گیا اور ایک شخص کو آواز دی۔ جب وہ باہر آیا تو یحییٰ گھر کے اندر چلے گئے۔ میں نے یحییٰ کو اسی گھر میں محفوظ کر دیا اور خود واپس دوسری جگہ چلا گیا اس کے بعد میری یحییٰ سے پھر ملاقات نہ ہو سکی وہ آخری ملاقات تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ پھر حضرت یحییٰ بن زید مدائن کی طرف روانہ ہو گئے کہ وہی خراسان جانے کا اس وقت راستہ تھا۔ یہ سُنکر یوسف بن عمر (گورنر کوفہ) نے ان کی گرفتاری کے لئے حُریث بن ابی الجہم الکلبی کو ایک فوجی دستہ کے ساتھ روانہ کیا جب یہ مدائن پہنچا تو یحییٰ وہاں سے جا چکے تھے۔

اس کے بعد حضرت یحییٰ بن زید شہر "رے"، پہنچے پھر "رے" سے چلکر سرخس آ گئے اور یزید بن عمرو التیمی کے پاس آ ٹہرے پھر حکم بن یزید کو جس کا تعلق قبیلۂ بنو اُسید سے تھا طلب کیا اور اُس کے ساتھ چھ ماہ تک وہاں قیام کیا اُس زمانہ میں، عمرؔ بن ہُبیرہ (گورنر خراسان وعراق) کی جانب سے ابن حنظلہ وہاں کی فوج کی کمانڈر تھا۔ ان ہی ایام میں کچھ لوگ حضرت یحییٰ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ بنو اُمیّہ کے خلاف جہاد کریں اور ہم سب آپ کا ساتھ دیں گے۔ یحییٰ راضی ہو گئے لیکن یزید بن عمرو نے منع کیا اور کہا کہ یہ سب لوگ امیرالمومنین علیؑ اور اُن کی اولاد کے مخالف ہیں اور اُن سے اظہار بیزاری کرتے ہیں پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ آپ سے وفاداری پر قائم رہیں گے۔ حضرت یحییٰ نے اس رائے کو مان لیا اور حُسن اخلاق کے ساتھ اُن لوگوں کو واپس کر دیا۔ سرخس میں کچھ عرصہ قیام کے بعد پھر آپ شہر "بلخ" گئے اور وہاں کچھ زمانہ تک قیام کیا ان ہی دنوں میں ہشام بن عبدالملک کی وفات کی خبر آ گئی پھر ولید بن یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔

اس وقت یوسف بن عمر والی کوفہ نے نصر بن سیّار کو لکھا جو

خراسان کا والی تھا کہ یحییٰ بن زید وہاں مقیم ہیں اور حریش بن عبدالرحمٰن الشیبانی کے گھر میں رہتے ہیں۔ حریش کو گرفتار کر لو اور اسے مجبور کرو کہ وہ یحییٰ کو تمہارے سپرد کر دے۔ چنانچہ نصر بن سیار نے عقیل بن معقل اللیثی کو خط بھیجا اور حکم دیا کہ وہ "حریش" کو فوراً گرفتار کرے۔ عقیل بن معقل "نصر" کی طرف سے "بلخ" کا حاکم تھا۔ اس کا بھی حکم دیا گیا تھا کہ وہ "حریش" پر بے حد سختی کرے اور اگر چاہے تو اُسے قتل بھی کر دے۔ اور صرف اس صورت میں اُسے رہائی دے کہ وہ یحییٰ بن زید کو لا کر پیش کرے۔ غرض عقیل بن معقل نے "حریش" کو طلب کر لیا اور حکم دیا کہ اُسے چھ سو کوڑے مارے جائیں پھر اُس سے کہا کہ میں تجھے قتل کرا دوں گا۔ بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ تو یحییٰ کو میرے سامنے پیش کر دے۔ "حریش" نے کہا خدا کی قسم میں ہرگز تیرے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا۔ چاہے اس کا نتیجہ میرے حق میں کچھ بھی ہو۔ مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔ تیرا جو جی چاہے کر لے۔ "حریش" کا بیٹا "قریش" وہاں موجود تھا اور یہ سب حال دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً اٹھا اور "عقیل" سے کہنے لگا کہ تم میرے باپ کو قتل نہ کرو۔ میں ابھی یحییٰ بن زید کو تمہارے سامنے پیش کئے دیتا ہوں یہ سُنکر عقیل نے ایک فوجی دستہ قریش کے ساتھ کر دیا اور یہ سب لوگ حضرت یحییٰ کی قیام گاہ پر پہنچ کر حملہ آور ہوئے۔ اُسے ہر طرف سے حصار میں لے لیا۔ اور یحییٰ کو گرفتار کیا جو ایک ایسے مکان میں محفوظ تھے جو ایک دوسرے بڑے مکان کے اندر تھا۔ حضرت یحییٰ کے ساتھ کوفہ کا ایک باشندہ یزید بن عمر الفضل بھی گرفتار ہوا جو وہیں موجود تھا اس گرفتاری کے بعد عقیل نے یحییٰ کو نصر بن سیار کے پاس روانہ کر دیا جس نے انھیں زنجیروں میں جکڑ دیا اور قید خانہ میں ڈالدیا۔ پھر اس پورے واقعہ کی اطلاع یوسف بن عمر کو دیدی۔

اس کے بعد ایک وقت وہ آیا جب یحییٰ بن زید کو قید سے رہائی

ملی اور اُن کے پیروں سے اُن کی زنجیریں کاٹی گئیں تو شیعیان علیؑ میں سے کچھ دولتمند لوگ اُس لوہار کے پاس گئے جس نے بیڑیاں کاٹ کر یحییٰ کو رہا کیا تھا۔ لوہار نے کہا کہ میں ان بیڑیوں کے ٹکڑے آپ لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دوں گا۔ اگر آپ لوگوں کی خواہش ہو ان لوگوں نے کہا اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔

پھر ہر شخص چاہتا تھا کہ اُن زنجیروں کا ایک معمولی ٹکڑا بھی اگر مل سکے تو حاصل کر لے۔ قیمت بڑھنے لگی یہاں تک کہ اُس زنجیر کی قیمت بڑھکر بیس ہزار درہم تک پہونچ گئی۔ بالآخر لوہار نے زنجیر کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیئے اور وہ ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کئے۔ ان عقیدتمندوں نے اُن چھوٹے ٹکڑوں کو اپنی انگوٹھیوں کے نگینوں کی جگہ جڑکر بطور تبرک انھیں پہننا شروع کر دیا۔

اُدھر یوسف بن عمر نے ولید بن یزید بن عبد الملک کو یحییٰ بن زید کی گرفتاری کا جب حال لکھا تھا تو اس نے جواب میں یوسف بن عمر کو حکم بھیجا تھا کہ انھیں رہا کر دیا جائے اور امان دے دی جائے اور ان کے تمام ساتھیوں کو بھی رہا کر دیا جائے۔ یہ حکم ملتے ہی یوسف بن عمر نے نصر بن سیار کو اس کی اطلاع دی۔ "نصر" نے یحییٰ کو طلب کیا اور بہت کچھ سمجھایا اور نصیحتیں کیں کہ اب سکون کی زندگی لبر کرو اور فتنہ و فساد سے دور رہو یہ سب کچھ سُنکر یحییٰ نے نصر بن سیار سے کہا کہ فتنے تو خود تم ہی لوگوں نے برپا کر رکھے ہیں اور مسلمانوں کی خون ریزی کا ذمہ دار تمہارے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ اس سے بڑا فتنہ و فساد اور کیا ہو سکتا ہے کہ تم نے حقداروں کے حقوق غصب کر لئے ہیں۔ اور ناکردہ گناہ اہل ایمان کا خون بہایا، اللہ کے احکام کی بے عزتی کی اور اس کی نافرمانی کا ارتکاب کرتے رہے لوگوں کے اموال پر ناجائز طریقہ پر قبضہ کر لیا۔ اللہ اور اس کے بندوں کے حق کو ضائع و برباد کر ڈالا۔ نصر بن سیار نے یحییٰ کی ان

باتوں کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ دو ہزار درہم اُن کی خدمت میں حاضر کئے اور کہا کہ اب آپ ولید بن یزید بن عبدالملک کے پاس فوراً روانہ ہو جائیں۔ راستہ میں جسقدر بھی شہر آتے تھے وہاں کے حُکام کو لکھا کہ یحییٰ پر کوئی سختی نہ کی جائے اور انھیں ایک لمحہ کے لئے بھی کسی جگہ نہ روکا جائے۔

خلاصہ یہ کہ یحییٰ بن زید شہر "بلخ" سے روانہ ہو کر "سرخس" پہنچے پھر طوس گئے پھر "ابرشہر" یعنی نیشاپور پہنچے۔ ان تمام مقامات کے حاکموں کو نصر بن سیار نے لکھدیا تھا کہ یحییٰ بن زید کو کسی ایک جگہ بھی ٹھہرنے نہ دیا جائے اور انھوں نے یہی کوشش کی کہ یحییٰ کسی مقام پر ٹھہر نہ سکے۔ حسن بن زید تمیمی والی طوس نے یحییٰ پر سرحان بن نوح عنبری کو بحیثیت نگراں مقرر کیا۔ یہ سرحدی فوج کا کمانڈر تھا۔ پھر انھیں اسکی نگرانی میں وہ نیشاپور (ابرشہر) کے پاس بھیجدیا۔ یہ صورت حال دیکھکر حضرت یحییٰ نے کہا کہ مجھے حسن بن زید تمیمی پر حیرت ہے کہ وہ مجھ پر کسی کو حکم دے دوں تو وہ اُسے پیروں سے روند ڈالے۔ یہ سنکر نگراں مقرر کرتا ہے حالانکہ اگر میں چاہوں تو اُسے گھسیٹ بلاؤں اور سرحان نے کہا کہ، اللہ کی قسم۔! یہ انتظام آپ کی ذات کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ نگرانی ان اطراف میں مال واسباب کی حفاظت کے لئے عموماً کی جاتی ہے۔!

غرض سرحان کی نگرانی میں حضرت یحییٰ، عمرو بن زرارہ کے پاس نیشاپور (ابرشہر) پہنچ گئے۔ اُس نے یحییٰ کو ایکہزار درہم دیئے، ان کے اخراجات کے لئے۔ اور انھیں مقام "بیہق" روانہ کردیا۔ یحییٰ نے اس رقم سے گھوڑے خریدے، اُن ستر ساتھیوں کے لئے جو اِن کے ساتھ تھے۔ اس طرح گویا یہ ایک مختصر سی فوج ہو گئی جسکو ساتھ لے کر یحییٰ مقام "بیہق" سے واپس نیشاپور کی جانب پلٹے۔ عمرو بن زرارہ نے فوراً اس کی اطلاع نصر بن سیار کو دی کہ یحییٰ واپس آرہے ہے

ہیں اور ان کا ارادہ جنگ کرنے کا معلوم ہو رہا ہے۔ نصر نے جلدی سے عبداللہ بن قیس البلخی والی سرخس کو خبر کی اور حسن بن زید تمیمی والی طوس کو بھی لکھا کہ تم دونوں فوج لے کر عمرو بن زرارہ کی مدد کے لئے نیشاپور (ابرشہر) جلد پہنچو اور عمرو کی کمان میں یحییٰ سے جنگ کرو۔ چنانچہ یہ لوگ پہلی فرصت میں نیشاپور پہنچ گئے اور دس ہزار فوجیوں پر مشتمل ایک لشکر تیار ہو گیا۔ ادھر یحییٰ بن زید کے ساتھ صرف ستر سپاہی تھے۔ پھر لڑائی شروع ہوئی اور قیامت کی لڑائی! آخر عمرو بن زرارہ کے دس ہزار سپاہی کھیت رہے۔ یحییٰ نے اپنے ستر بہادروں کی مدد سے دس ہزار سپاہیوں کی فوج کو شکستِ فاش دیدی۔ اور کثیر مالِ غنیمت قبضہ میں لے لیا۔ عمرو بن زرارہ بھی اس لڑائی میں مارا گیا پھر یحییٰ نے "ہرات" کا رخ کیا جہاں اس زمانہ میں "معلس بن زیاد" حاکم تھا لیکن نہ تو خود یحییٰ نے اس سے کوئی تعرض کیا اور نہ اس نے یحییٰ سے! وہاں سے گزر کر پھر آپ صوبہ "جوزجان" میں داخل ہو گئے جب یہ خبر نصر بن سیار کو ملی تو اس نے سلم بن احوز کو آٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر کے ساتھ یحییٰ کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا، جس میں شامی اور غیر شامی فوجی شامل تھے۔ سلم بن احوز بہت تیزی سے روانہ ہوا اور قریہ "ارغوی" میں یحییٰ بن زید تک پہنچ گیا۔ اس وقت صوبہ "جوزجان" کا گورنر حماد بن عمرو السعیدی تھا ادھر خود یحییٰ بن زید کے پاس ان کی مدد کے لئے ابوالعجارم الحنفی اور خشخاش ازدی پہنچ گئے۔ جنگ کا آغاز ہونے لگا۔ "سلم" نے اپنے لشکر کی صفیں درست کیں اور ادھر یحییٰ بن زید نے بھی اپنے اصحاب کو جنگ کے لئے آراستہ کیا پھر تو تین روز تک مسلسل بڑا سخت رن پڑا۔ اور بڑی خون ریز لڑائی ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت کے تمام ساتھی مارے گئے۔ اور ایک بھی نہ بچ سکا۔ یحییٰ کے سر اور ماتھے پر بھی ایک تیر پڑا جس نے ان کا کام

تمام کر دیا۔ جب خالد نے کمانڈر سورہ بن محمد الکندی کو ان کی موت کا علم ہو گیا تو اس نے آکر ان کا سر کاٹ لیا۔ اور جس "عنزی" غلام نے ان کے تیر مارا تھا اس نے ان کا اسلحہ اور لباس لوٹ لیا۔

یہ دونوں ظالم اس وقت تک زندہ تھے جب ایران پر (عباسی دور میں ابو مسلم خراسانی کا اقتدار قائم ہوا تو پھر انھوں نے ان دونوں کے ہاتھ اور پیر کٹوائے اور انھیں قتل کرا دیا اور لاشوں کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔

غرض جوزجان کے مرکزی شہر کے بڑے دروازے میں حضرت یحییٰ کی لاش کو لٹکا دیا گیا جو عرصۂ دراز تک لٹکی رہی۔ حضرت یحییٰ کا سر نصر بن سیار کے پاس روانہ کر دیا گیا جس نے اسے ولید بن یزید بن عبد الملک کے دربار میں بھیجدیا۔

حضرت یحییٰ بن زید کی شہادت ۱۲۵ھ میں ہوئی تھی اور آپکی لاش اس زمانہ تک دروازۂ "جوزجان" میں لٹکی رہی جب عباسیوں کو اقتدار حاصل ہوا اس وقت اسے دروازے سے اتار کر غسل و کفن اور نماز کے بعد وہیں دفن کر دیا گیا۔ (سنہ ۱۳۲ھ میں بنو عباس کا پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح تخت نشین ہوا اس کے بعد ہی ابو مسلم خراسانی کو خراسان کی حکومت دی گئی تھی اس طرح تقریباً سات سال تک حضرت یحییٰ کی لاش دروازۂ جوزجان پر لٹکی رہی تھی۔)

جب ابو مسلم خراسانی کو حکومت ملی تو انھوں نے چن چن کر یحییٰ بن زید کے قاتلوں سے انتقام لیا اور ان کا قتل عام کرایا یہاں تک کہ ایک شخص بھی ایسا باقی نہ بچا جو یحییٰ کے قتل میں کسی طرح سے بھی شریک رہا ہو اور اسے قتل نہ کر دیا ہو۔

کوفہ کے واقعات پر ایک سطحی تبصرہ از تاریخ کوفہ صفحہ ۲۵۰

کوفہ میں مختلف قسم کے لوگوں کی آبادی تھی جو تجارت پیشہ

تھے، علوم کے طلبگار تھے، جنگجو تھے، سیاستداں تھے، دُنیادار تھے یا دین پرستی سے قائم تھے بہرحال طرح طرح کے لوگ وہاں موجود تھے۔ دہشت پسند اور صلح پسند، غربا اور اُمراء سب ہی لوگوں کی آبادی تھی اسی وجہ سے وہاں روزانہ ایک نئی تحریک جنم لیتی تھی اور ایک نئے زمین و آسمان کی تخلیق ہوا کرتی تھی۔ ایک ہنگامہ ختم ہوتا تھا تو دوسرا شروع ہو جاتا تھا ایک پارٹی برسرِ اقتدار آتی تھی پھر وہ ختم ہو کر دوسری جماعت اُس کی جگہ لیا کرتی تھی سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ کوفہ حضرت امیر المؤمنین کا دار السلطنت تھا اس کے باوجود اسی کوفہ میں جتنے حادثے موالیانِ علیؑ پر واقع ہوئے کسی دوسری جماعت کے افراد پر نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ آپ کی حکومت کے بعد وہاں زیادہ تر وہی لوگ برسرِ اقتدار ہوتے رہے جو آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے سخت ترین مخالف تھے اور بنی اُمیّہ کے ہوا خواہوں میں تھے۔ اور اُن کے درباروں سے اِن لوگوں کو بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ کوفہ والوں کی حالت یہ تھی کہ وہ ہر کھینچنے والے کے پیچھے ہو جایا کرتے تھے مگر ان تمام حادثوں اور طوفانوں کے باوجود حضرت امیر المؤمنین علیؑ اور اولادِ علیؑ نیز شیعیانِ علیؑ کی منزلت و شرف ایک بے داغ صحیفہ کی طرح ہمیشہ روشن رہا اور اس میں کوئی دھبّا نہ آسکا۔ اور اس شرف کو لیل و نہار کی گردشیں مٹانے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس کے برخلاف جو اِن حقیقتوں کو مٹانے کی کوشش کر رہے تھے وہ خود برباد ہو گئے اور زمانہ کی کروٹوں نے اُن کو فنا کر ڈالا۔

───────

امام حسینؑ کا سفرِ عراق

اب ہم پھر سفرِ امام حسین علیہ السلام کی تفصیلات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

جب مکہ میں لوگوں نے عرض کی کہ "اہلِ کوفہ کے دل تو حضور کے ساتھ ہیں مگر تلواریں آپ کے خلاف ہیں فاوما بیدہ نحو السماء الخ آپ نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو لوگوں نے دیکھا آسمان کے دروازے کھل گئے اور بیشمار نوری مخلوق نظر آنے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں جنگ کرنا چاہوں تو اس لاتعداد فوج کے ساتھ ایسا کرسکتا ہوں لیکن میرا کام صرف اتمام حجت اور صبر کرنا ہے اور میں پوری طرح جانتا ہوں کہ میرا اور میرے اصحاب و انصار کا مقتل کہاں ہے اور اس سے بھی واقف ہوں کہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی مرد نہیں بچ سکے گا سوائے میرے فرزند زین العابدین علی بن الحسینؑ کے۔

آخر ۸ ذیحجہ ۶۰ھ کو آپ خانۂ کعبہ کے پاس گئے، طواف کیا پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی اور حج کو عمرہ سے بدل کر، مناسکِ عمرہ کو تمام کیا (شرعی ضرورت، خوف وغیرہ کی حالت میں اس طرح کرنا جائز ہے) اس کے بعد اپنے ساتھیوں اور عقیدتمندوں کے ایک مجمع سے خطاب فرمایا۔ الحمد للہ وما شاء اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ وصلی اللہ علی رسولہ وسلم الخ (ترجمہ) موت اولادِ آدم کے گلے کا ہار ہے میں اپنے اسلاف و اجداد کی ملاقات اور زیارت کا کسقدر مشتاق ہوں! ایسا اشتیاق جیسا یعقوب کو یوسف کی ملاقات اور دیدار کا اشتیاق تھا۔ میرے لئے بہترین جگہ وہ ہوگی جہاں میں قتل کرکے گرایا جاؤں گا۔ میرے سامنے وہ منظر ہے جب میرے جوڑ بند وحشی اور درندہ خصلت لوگ کاٹ رہے ہوں گے۔ مقام نواویس اور کربلا کے مابین وہ اپنے بغض اور کینے کی پیاس مجھ سے بجھا رہے ہوں گے۔ اور اپنی حسرتیں میرے قتل کرنے سے نکال رہے ہوں گے۔ اس دن سے کوئی چارہ اور مفر نہیں، جو تقدیر کے

قلم نے لکھدیا ہے۔ جو خدا کی رضا ہو، وہی ہم اہلبیت رسولؐ کی مرضی ہے۔ ہم اس کی آزمائش پر صبر کرتے ہیں۔ اور وہ ہمیں صبر کرنے والوں کا پورا اجر و ثواب عطا کرے گا۔ حضرت رسول اللہؐ سے اُن کے جگر کے ٹکڑے کہیں الگ ہو سکتے ہیں! نہیں، بلکہ وہ بارگاہِ قدس میں اُن کے پاس جمع ہونے والے ہیں جس سے اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، اُن کا وعدہ پورا ہو گا۔ پھر فرمایا کہ جو شخص اپنی جان میرے ساتھ خدا کی راہ میں فدا کرنا چاہتا ہو اور مرنے پر کمر باندھے ہوئے ہو وہ میرے ساتھ اس سفر میں چلے۔ میں کل صبح کو انشاء اللہ تعالیٰ روانہ ہو جاؤں گا۔"

یہ تقریر جب حضرت محمد بن حنفیہؓ نے سُنی جو مکہ میں آگئے تھے اور اُس وقت وہیں مقیم تھے تو عرض کی۔ اے میرے لائق صد احترام بھائی! آپ تو کوفہ کے لوگوں کو خوب جانتے ہیں کہ اُنھوں نے ہمارے بابا حضرت علیؑ مرتضیٰ اور ہمارے بھائی حضرت حسن مجتبیٰؑ کے ساتھ کس طرح غداری کی اور کیسا توہین آمیز برتاؤ کیا اور کس طرح اُنھیں شہید کر ڈالا۔ میں ڈرتا ہوں کہ کوفیوں کے یہ سب وعدے کہیں مکر و فریب نہ ہوں! اور اس بہانے سے آپ کو طلب کر کے آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کیا جائے جو اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ اگر آپ حرمِ خدا مکہ میں مقیم رہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے لئے زیادہ مناسب اور محفوظ تر ہوگا!

فَقَالَ يَا اَخِىْ خِفْتُ اَنْ يَّغْتَالَنِىْ يَزِيْدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الخ میرے بھائی محمدؒ! مجھے تو اِس کا خوف ہے کہ کہیں یزید بن معاویہ مجھے دھوکے سے قتل نہ کرا دے، اسی حرمِ خدا (مکہ) میں اور میری ذات اِس حرمِ الٰہی کی بے عزتی اور توہین کا سبب نہ ہو جائے۔!

محمد بن حنفیہؓ نے عرض کی۔ حضور! اگر یہاں اس کا خوف ہے تو پھر یمن تشریف لے جائیے یا پھر بیابانوں اور پہاڑوں میں اقامت کیجئے مگر کوفہ نہ جائیے۔ امام نے فرمایا۔ اچھا بھائی! اس رات میں

تمہاری رائے اور مشورہ پر غور کروں گا۔ محمد بن حنفیہؓ اس گفتگو کے بعد اپنی قیام گاہ پر واپس آگئے۔ یہاں امام حسین علیہ السلام نے قرآن پاک کھولا تو اس آیت پر نظر پڑی "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ"، (آل عمران ۱۸۵) ہر نفس کے لئے موت کا مزہ مقرر ہے"۔ امام حسینؑ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسولؐ سب سچے ہیں"۔ آخر جب صبح ہوگئی تو قافلہ کی تیاری کا حکم دے دیا لوگوں نے فوراً محمد بن حنفیہؓ کو اطلاع کی کہ آپ کے بھائی عراق جا رہے ہیں یہ سنتے ہی وہ دوڑے ہوئے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے گھوڑے کی باگ پر ہاتھ رکھ دیا پھر عرض کی۔ حضور! میں تو آپ کو عراق نہیں جانے دوں گا۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اس امر میں آپ غور فرمائیں گے۔ محمد بن حنفیہؓ رو رہے تھے اور امام حسین کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔

امام حسین نے فرمایا۔ بھائی! میں نے شب کو نانا رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا تھا کہ وہ فرما رہے ہیں: حسین جلدی روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں مرتبۂ شہادت پر فائز ہونا ہے۔ یہ سننا تھا کہ محمد رونے لگے۔ اور امام حسین نے گھوڑے کی باگ پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ محمد بن حنفیہؓ نے عرض کی اگر حضور کو سفر کرنا ہی ہے تو پھر عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ کیوں لئے جا رہے ہیں ان کو یہیں چھوڑ دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ محمد! ان کا جانا اس لئے ضروری ہے کہ یہ بھی میرے مصائب میں شرکت اور دین حق کی خدمت کریں گی۔

اسی اثناء میں عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیر بھی آگئے۔ اور اصرار کرنے لگے کہ نواسۂ رسولؐ! آپ عراق تشریف نہ لے جائیں۔ امام نے فرمایا۔ میرا وہاں جانا ہر صورت میں لازم و ضروری ہے۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ آگئے اور انھوں نے بھی اسی طرح اصرار کیا۔ اور مشورہ دیا کہ یزید سے صلح کر لیجئے۔ امام حسین نے جواب دیا اے ابو عبدالرحمان کیا آپ دنیا کی ذلت و پستی کے مناظر سے بے خبر ہیں!

آپ کیا اس سے واقف نہیں کہ یحییٰ بن زکریّا کا سر اقدس بنی اسرائیل کی ایک بیشہ ور فاحشہ کے پاس بطور تحفہ کے بھیجا گیا تھا کیا آپ نے نہیں سنا کہ بنی اسرائیل طلوع فجر سے سورج نکلنے تک کے قلیل وقت میں ستر پیغمبروں کو قتل کر کے اس طرح اپنی دوکانوں پر بیٹھ کر سودا فروخت کرنے لگتے تھے جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی اور جیسے انھوں نے کچھ کیا ہی نہیں اور نہ کوئی قابل ذکر حادثہ وقوع ہی میں نہیں آیا۔ لیکن ان گناہوں کے باوجود اللہ نے ان پر فوراً عذاب نازل نہیں فرمایا بلکہ انھیں ڈھیل ملتی رہی اور وقت آنے پر وہ معذّب ہوئے۔ اللہ کو جلدی کی کیا ضرورت ہے اس لئے کہ اس کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ اس کے قبضہ اور اقتدار سے کوئی نکل سکتا ہے۔ اسی عرصہ میں عمرو بن سعید الاشدق گورنر برائے مدینہ و مکہ کو اطلاع ملی کہ امام حسینؑ عراق تشریف لئے جا رہے ہیں۔ اس نے سیاسی مصالح کے پیش نظر کوشش کی کہ امام وہاں نہ جائیں کیونکہ اسے خوف ہوا کہ کہیں یزید کے خلاف عام بغاوت نہ ہو جائے اس بنا پر اس نے اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو کچھ لوگوں کے ہمراہ مدینہ سے مکہ روانہ کیا۔ یہ لوگ اس وقت پہنچ چکے تھے جب امام عالی مقام کا سفر شروع ہونے والا تھا۔ ان لوگوں نے بھی بہت اصرار کیا کہ امام حسینؑ عراق کا سفر منسوخ کر دیں اور مدینہ واپس چلیں۔ اصرار اس حد تک بڑھا کہ گفتگو میں تلخی پیدا ہو گئی۔ اور انصار امام حسین اور یحییٰ بن سعید کے ساتھیوں کے درمیان تازیانے چلنے لگے پھر امام نے مداخلت فرمائی۔ اور یحییٰ اپنے ساتھیوں سمیت واپس چلا گیا۔ مگر یہ سب زور زور سے چیخ رہے تھے۔ اے حسین کیا آپ قوم کے دائرے سے الگ ہو گئے۔! کیا آپ امّت میں تفرقہ ڈالیں گے! آپ نے فرمایا۔ تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے اور میرے اعمال میرے ساتھ۔ تم میرے اعمال سے بے تعلق ہو

اور ہیں تمہارے اعمال ہے (درحقیقت اُمت میں تفرقہ تو اُن ہی لوگوں نے ڈالا تھا جنہوں نے امامتِ اُمت کے روحانی منصب کو ملوکیت میں تبدیل کیا اور اللہ کے مقرر کردہ اصول توڑ کر من مانی کارروائیاں کیں اور ایسی بنیادیں قائم کیں کہ حقوق تلفی، ظلم و جبر اور فتنہ و فساد کے مقاصد کو قوت حاصل ہوئی امام حسین کے سفر کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ دنیا اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ حق اور باطل میں کیا فرق ہے۔ اور وہ محض اس غرض سے عراق گئے تھے کہ اُمتِ مسلمہ کو امن و سلامتی اور حق و صداقت کی تعلیم دیں۔) عبداللہ بن زبیر پر اگرچہ امام حسینؑ کا مکہ میں قیام بے حد گراں تھا کیونکہ وہ تو خود اپنی خلافت و حکومت کے منصوبے بنا رہے تھے اور امام کا مکہ میں وجود ان منصوبوں کی راہ میں زبردست رکاوٹ بن سکتا تھا! مگر صرف ظاہرداری کی بناء پر زبان سے وہ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ آپ مکہ ہی میں مقیم رہیں اور عراق یا کسی اور جگہ نہ جائیں۔ چنانچہ امام حسین کی روانگی کے بعد عبداللہ بن عباس ان کے پاس گئے اور کہا۔ اے ابن زبیر! حسینؑ مکہ سے چلے گئے۔ اب تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

مکہ سے مدینہ دوبارہ روانگی

سپہر کاشانی ناسخ التواریخ جلد ۶ صنا۲ پر ابو مخنف کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ امام حسین نے جب مکہ سے عراق کے سفر کا ارادہ کیا تو پہلے دوبارہ مدینہ گئے اور وہیں سے عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔ مدینہ پہونچکر آخری مرتبہ قبر رسول اللہ سے رُخصت ہوئے۔

امام حسین کے چھوٹے بھائی محمد بن حنفیہؓ پھر حاضر خدمت ہوئے اور بہت روئے اور کہنے لگے۔ یا اخی لا اقدر اقبض قائم سیفی ولا کعب رمحی ثم لا فرحت بعد ذلک ابدًا الخ اے میرے برادر معظمؓ! خدا کی قسم، ہاتھوں میں رعشہ کی وجہ سے میں تلوار پکڑنے پر قدرت نہیں رکھتا اور نہ نیزہ ہی اُٹھا سکتا ہوں کہ جنگ کرسکوں ورنہ ضرور میں

اس سفر میں آپ کے ساتھ ہوتا لیکن حضور کے جانے کے بعد کبھی میں خوش نہیں رہوں گا اس کے بعد بڑے بھائی کو رخصت کرتے ہوئے محمدؓ نے کہا۔ اے میرے مظلوم اور شہید ہونے والے بھائی! جائیے میں نے آپ کو خدا کی امان میں سونپا۔

غرض امام حسین تمام اہل مدینہ اور اپنے رشتہ داروں سے دوبارہ رخصت ہوئے اور عراق کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس طرح جب آپ مکہ سے یوم ترویہ (۸ ذی الحجہ) کو مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تھے تو یقیناً شاہراہ سے تقریباً پانچ روز میں مدینہ پہنچے ہوں گے۔ اور ۱۳ یا ۱۴ ذیحجہ سنہ ۶۰ھ کو عراق کی طرف آپ کی روانگی ہوئی ہو گی۔

مکہ سے دوبارہ مدینہ کے سفر سے متعلق علامہ ابن طاؤسؒ نے "لہوف" میں ایک روایت تحریر فرمائی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں۔ ذکر المفید محمد بن محمد بن النعمانؒ فی کتاب مولد النبیؐ و مولد الاوصیاء باسنادہ الی ابی عبد اللہ جعفرؑ بن محمدؑ الصادق الخ۔ شیخ مفید رح کتاب مولد النبیؐ و مولد الاوصیاءؑ" میں امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوعبداللہ حسینؑ بن علیؑ مکہ سے مدینہ کے ارادہ سے دوبارہ روانہ ہوئے تو راستہ میں فرشتوں کی ایک فوج قریب آئی جو (بشری صورت میں) پوری طرح مسلح تھے اور حجت خدا حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کی۔ اے اللہ کی حجت اس کی مخلوق پر اپنے نانا، اپنے بابا اور اپنے برادر معظمؑ کے بعد! بیشک اللہ عزّوجلّ نے آپ کے جدّ امجد حضرت رسالتمآبؐ کی بہت سے موقعوں پر ہمارے ذریعہ سے امداد فرمائی اور ہمیں ان کی نصرت کے لئے بھیجا (غزوۂ بدر وغیرہ میں) اور اب اس نے حکم دیا ہے کہ ہم آپ کی نصرت کریں، اے حجتِ خدا!۔ یہ سنکر نواسۂ سیّد المرسلین نے فرمایا۔ اس وقت تم واپس چلے جاؤ پھر جب میں اپنے مقتل میں پہونچ جاؤں۔ جہاں میری شہادت ہوگی تو وہاں آجانا یعنی میری لاش پر آنا اور میری قبر پر

حاضری دینا۔

فرشتوں نے عرض کی۔ اللہ عزوجل کا حکم ہے کہ ہم آپ کے ہر حکم کی اطاعت کریں اگر آپ کو اپنے دشمنوں سے کچھ خوف ہو تو ہم حفاظت کے لئے آپ کے ساتھ رہیں آپ نے جواب دیا میرے دشمن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جب تک میں اپنی شہادت گاہ تک نہ پہنچ جاؤں پھر راہ میں ایک مقام پر جنوں کی ایک فوج آئی اور انھوں نے بھی عرض کی۔ آپ ہمارے امام ہیں اور حجّت خدا ہیں۔ ہمیں آپ حکم دیں تاکہ ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کا شرف حاصل کریں۔ اگر آپ اس کا حکم دے دیں کہ آپ کے تمام دشمنوں کو قتل کر دیا جائے تو آپ یہیں رہینگے اور ہم آپ کے ایک ایک دشمن کو پہلے ہی قتل کر ڈالیں گے۔ امام عالی مقام نے اُن سب کو دُعائے خیر دی اور فرمایا۔ کیا تُم نے قرآنِ پاک میں اللہ کے اس ارشاد پر غور نہیں کیا ہے! جن لوگوں کی موت (قتل یا شہادت کے ذریعہ سے) معیّن ہو چکی ہے وہ اپنی اَبدی خواب گاہوں تک ضرور پہنچیں گے۔ پھر اگر میں نہیں رہوں اور اپنی شہادت گاہ پر نہ جاؤں تو اللہ اپنی مخلوق کے ایمان کا امتحان اور آزمائش کس طرح کرے گا۔ اُس قبر میں کون ساکن ہو گا جسے اللہ نے میرے لئے زمین کی پیدائش کے وقت ہی سے منتخب فرمالیا ہے اور جو میرے چاہنے والوں کا ہمیشہ مرکز رہے گا۔ پھر فرمایا۔ تم لوگ "عاشورا" کے روز کربلا میں آنا جو یوم السّبت یعنی شنبہ کا دن ہو گا۔ (دوسری روایت میں "یوم الجمعہ" ہے) اُس روز غروبِ آفتاب سے قبل میں قتل کیا جاؤں گا پھر میرا سر یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا جائے گا۔ جنوں نے خدمتِ امام میں عرض کی۔ اے خدا کے محبوب اور اے حبیبِ خدا کے نواسے! اگر آپ کے حکم کا ماننا فرض نہ ہوتا تو ہم آپ کے تمام دشمنوں کا پوری طرح استیصال کر دیتے اور انھیں ہلاک و تباہ

کر ڈالتے اس کے بعد امام حسینؑ ایک منزل پر پہنچے جس کا نام "تنعیم" ہے۔ اسی منزل "تنعیم"، پر حضرت عبد اللہ بن جعفر (شوہر حضرت زینبؑ) نے اپنے دونوں فرزندوں عون و محمد کو امام حسینؑ کی خدمت میں روانہ کیا تھا اور ایک خط بھی لکھا تھا۔ اما بعد فانی اسئلک باللہ الخ (ترجمہ) میں آپ سے اللہ کے نام پر عرض کرتا ہوں کہ آپ میرا خط دیکھتے ہی اپنا ارادہ سفر عراق منسوخ کر دیں کیونکہ اس سفر میں آپ کی اور آپ کے اہلبیت کی ہلاکت کا خوف ہے اس لئے میری یہ مخلصانہ درخواست ہے کہ آپ عراق نہ جائیں کیونکہ اگر آپ اس دنیا میں نہ رہے تو اللہ کا نور اس زمین پر بجھ جائے گا، آپ ہدایت کا نشان ہیں اور تمام اہل ایمان کی امیدیں آپ ہی سے وابستہ ہیں۔ آپ سفر میں جلدی نہ کیجئے اس خط کے بعد میں خود بھی حاضر ہو رہا ہوں۔

اس خط کو روانہ کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر فوراً حاکم مدینہ عمرو بن سعید الاشدق کے پاس گئے اور کہا۔ جلدی ایک امان نامہ امام حسین کے لئے لکھو اور اسے ان کے پاس روانہ کر دو اس امان نامہ میں صاف طور پر لکھو کہ آپ کے مال و جان کی پوری طرح حفاظت کی جائے گی اور آپ پہلی فرصت میں اپنے وطن مدینہ میں واپس تشریف لے آئیے۔ عمرو بن سعید نے بہت جلد ایک تحریر تیار کی جس میں امام حسینؑ کو لکھا کہ آپ کے لئے ہر طرح کی امان ہے آپ مدینہ میں واپس تشریف لے آئیں۔ پھر یہ امان نامہ اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کے ہمراہ امام حسینؑ کے پاس روانہ کر دیا۔ عبداللہ بن جعفر بھی یحییٰ کے ساتھ ہی روانہ ہوئے۔ منزل "تنعیم" پر امام کی خدمت میں ان لوگوں نے وہ امان نامہ پیش کر دیا۔ اور واپسی کے لئے بے حد اصرار کیا مگر آپ نے یہی جواب دیا کہ میں نے اپنے نانا رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا ہے اور انھوں نے مجھے جو حکم دیا ہے اس پر مجھے

لازمی طور پر عمل کرنا ہے۔ آخر عبداللہ اور یحییٰ مجبور ہو کر واپس ہو گئے۔
اسی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جعفر نے اپنے دونوں بیٹوں کو امام حسین کے ساتھ کر دیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ وقت پڑنے پر جان فدا کرنے سے دریغ نہ کریں۔ اور امام کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوں۔

عبداللہ بن جعفر کے متعلق بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ اُس وقت نابینا ہو چکے تھے اور اسی وجہ سے امام حسین کے ساتھ نہ جا سکے۔ اس کے بعد ہی امام حسین آخری مرتبہ رخصت ہونے کے لئے مدینہ گئے تھے اور محمد بن حنفیہؓ اُن کے ساتھ تھے مدینہ میں حضرت محمد بن حنفیہؓ اور حضرت امام حسین میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ ہم لکھ چکے ہیں۔

اسی منزل "تنعیم"، پر امام عالی مقام نے ایک قافلہ دیکھا جو یمن سے یزید کے لئے بہت کچھ قیمتی سامان لئے جا رہا تھا جس کو بحیر بن یسار الحِمیری عامل یمن نے بھیجا تھا آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے جس کا یزید کو کوئی استحقاق نہیں اس لئے اسے یہیں روک لیا جائے اس مال کے مصارف کی تعیین صرف امام وقت کے حکم سے ہو سکتی ہے اس لئے میں بحیثیت امام کے اس کو روک لینے کا حکم دیتا ہوں۔ اس قافلۂ یمن کے جو لوگ واپس جانا چاہیں اُن کے کرایہ وغیرہ کا سامان کر دیا جائے گا۔ اور جو ہمارے ساتھ عراق جانا پسند کریں اُنھیں ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ یہ سُنکر کچھ لوگ تو امام حسین کے ساتھ روانہ ہو گئے اور کچھ واپس یمن کی طرف چلے گئے۔

منزل "تنعیم"، سے گذر کر ایک دوسری منزل پر فروکش ہوئے جس کا نام "ذاتِ عِرق"، ہے۔ یہاں آپ کی ملاقات ھمام بن غالب سے ہوئی جو "فرزدق"، شاعر کے نام سے معروف ہیں۔

یہ اپنی والدہ کو ساتھ لے کر حج کے لیئے جا رہے تھے۔ ان کا پورا نام یہ ہے۔ ھَمّامُ بن غالب بن صعصعۃ التمیمی "، یہ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ ایک زمانہ میں قحط پڑا تھا تو یہ وہاں سے چلے گئے تھے اور قریب کی ایک بستی میں رہنے لگے۔ جب قحط ختم ہوا تو پھر واپس کوفہ میں آ گئے تھے (سفینۃ البحار جلد ۲ ص۳۵۵ تا ص۳۵۶) اس کا مطلب یہ ہوا کہ "فرزدق"، امام کی خدمت میں حج کے پہلے حاضر ہوئے تھے۔

ملاقات فرزدق پر تبصرہ ہم اس سے قبل تحریر کر چکے ہیں کہ امام حسینؑ مدینہ منورہ سے مکّہ معظمہ تقریباً پانچ روز میں پہنچے تھے اس لیئے اگر آپ مکّہ سے کوفہ جانے کے لیئے دوبارہ مدینہ گئے ہوں گے تو پھر اتنی ہی مدّت صرف ہوئی ہوگی اس طرح آپ تقریباً ۱۴/ ذیحجہ کو مدینہ سے عراق کے لیئے روانہ ہو سکے ہوں گے۔ اس کے بعد راستہ میں "فرزدق"، سے ملاقات ہوئی ہوگی۔ تو ظاہر ہے کہ پھر حج کا زمانہ باقی نہ رہا ہوگا۔ اس بنا پر یہ دونوں باتیں کہ فرزدق حج سے قبل ملے ہوں اور حج کے بعد بھی ملے ہوں جمع نہ ہو سکیں گی۔ اس کا حل صرف یہ ہے کہ یا تو مکّہ سے مدینہ کی طرف روانگی کے وقت ہی منزل " ذات عرق "، یا کسی دوسری جگہ پر فرزدق سے ملاقات ہوئی تھی جو کوفہ سے حج کے لیئے مکّہ جا رہے تھے یا وہ روایت صحیح و درست ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ امام حسینؑ مکّہ معظمہ سے ۳/ ذیحجہ سنہ۶۰ھ کو عراق کی غرض سے روانہ ہو کر پہلے مدینہ گئے تھے۔

اس روایت میں اس بات کی پوری گنجائش موجود ہے کہ امام نے مدینہ کا سفر بھی کیا ہو اور وہاں سے روانہ ہو کر قبل حج فرزدق سے ملاقات بھی کی ہو۔

۳/ ذیحجہ کو امام حسین کی مکّہ سے روانگی کا ذکر مختلف "مقاتل" میں موجود ہے یہاں ہم صرف کتاب "لھوف "، کے حوالہ سے اس روایت کو پیش کرتے ہیں۔

(لهوف از علامہ ابن طاؤس ؒ صد ۵۲) :- (ترجمہ) امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے ۳ ذیحجہ سنہ ۶۰ھ منگل کے روز مدینہ منورہ کی طرف سفر شروع کیا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ بدھ کا دن تھا اور ۸ ذیحجہ کی تاریخ تھی۔ اس وقت تک آپ کو حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر نہیں ملی تھی۔ غرض اگر ۸ ذیحجہ کے قول کو تسلیم کر لیا تو پھر فرزدق کی ملاقات قبل حج ممکن نہ تھی بلکہ حج کے بعد ہوئی تھی لیکن ۳ ذیحجہ کی روایت مانی جائے تو یہ ممکن ہے کہ فرزدق حج سے قبل ہی ملے ہوں یا یہ بھی ممکن ہے کہ امام حسینؑ کے مکہ معظمہ سے روانہ ہوتے ہی فرزدق کسی قریبی مقام پر مل گئے ہوں مگر یہ بات کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتی کہ حج کے ارادہ سے کوئی مکہ میں آنے والا "یوم ترویہ" تک وہاں نہ پہنچ سکے۔ عام طور پر حاجی ۸ ذیحجہ سے قبل لازمی طور پر مکہ میں آجاتے ہیں۔

اس کا امکان ضرور ہے کہ فرزدق مکہ میں وارد ہو رہے ہوں اور امام حسین وہاں سے روانہ ہو رہے ہوں۔ چنانچہ "تاریخ احمدی صد ۲۶۱" پر لکھا ہے۔ (پہلے مصنف نے تاریخ روانگی از مکہ معظمہ ۳ ذیحجہ ہی تحریر کی ہے۔ پھر کہتے ہیں) :- "روضۃ الاحباب" میں ہے کہ امام حسینؑ نے قصد سفر کیا اور اپنے متعلقہ افراد (اور ساتھیوں کو) مال و زر اور دوسرا ضروری سامان عطا فرما کر محملیں تیار کرائیں اور ۳ ذیحجہ کو مکہ سے باہر نکلے۔ اسی دن کوفہ میں مسلم بن عقیل قتل ہوئے تھے اور بعض مورخین کا قول ہے کہ ۸ ذیحجہ روز سہ شنبہ کو روانہ ہوئے تھے۔

اس روایت سے بھی ۳ ذیحجہ کی تائید ہوتی ہے۔ پھر لکھتے ہیں تاریخ ابن جریر طبری میں خود فرزدق سے منقول ہے وہ کہتے ہیں میں سنہ ۶۰ھ میں بزمانۂ حج اپنی ماں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو امام حسین اپنے مسلح رفقاء کے ساتھ مکہ سے باہر تشریف لے

جا رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ قافلہ کس کا ہے تو لوگوں نے بتایا کہ یہ حسینؑ بن علیؑ کا قافلہ ہے پھر فرزدق کی پوری گفتگو لکھی گئی ہے۔ غرض فرزدق جب منزل "ذات عرق" پہنچے تو ایک قافلہ وہاں ٹھہرا ہوا دیکھا (مشہور روایت کی بنا پر) اور چاروں طرف خیمے لگے ہوئے نظر آئے انھوں نے وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کس کا قافلہ ہے؟ جواب ملا کہ یہ امام حسینؑ کا قافلہ ہے۔ یہ سنتے ہی فرزدق امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اُس وقت در خیمہ پر قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھے۔ انھوں نے ادب سے سلام عرض کیا امام حسینؑ نے جواب سلام دیا۔ انھوں نے عرض کی۔ میرے ماں باپ حضور پر فدا ہو جائیں اے فرزند رسولؐ! آپ کو خدا ہر طرح کا آرام عطا فرمائے۔ اور ہمیشہ آپ بامراد رہیں۔ حضور! حج کو چھوڑ کر کہاں تشریف لئے جا رہے ہیں؟ امام نے فرمایا اگر میں جلدی سے مکّہ نہ چھوڑ دیتا تو مجھے گرفتار کر لیا جاتا اس لئے کہ یزید نے عمرو بن سعید کو لشکری سپاہیوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مقرر کر دیا تھا اور حکم دیا ہے کہ جہاں بھی وہ مجھے پائیں گرفتار کر یں یا قتل کر ڈالیں۔ اس کے بعد فرمایا۔ کوفہ کے لوگوں کا کیا حال ہے؟

فرزدق نے عرض کی:۔ حضور نے یہ سوال ایسے ہی (اپنی ذات کی طرف اشارہ تھا) شخص سے کیا ہے جو تمام حالات سے باخبر ہے حضور! کوفہ والوں کی حالت تو یہ ہے کہ اُن کے دل تو آپ ہی کے ساتھ ہیں۔ فیصلہ تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور وہ جو بھی مناسب ہوتا ہے وہی کرتا ہے۔

آپ نے فرمایا:۔ تم نے درست کہا۔ حکومت اور اقتدار تو صرف اللہ ہی کا ہے۔ اگر اللہ کا فیصلہ ہماری تمنّاؤں کے مطابق ہوتا ہے تو ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور

وہی تو شکر ادا کرنے کی طاقت بھی عطا فرماتا ہے۔ لیکن اگر فیصلۂ خداوندی ہماری امیدوں کے خلاف ہو جب بھی جو لوگ سچے دیندار اور حقیقی پرہیزگار ہوتے ہیں وہ مایوس اور حق سے دور نہیں ہوتے بلکہ رضائے خدا پر راضی رہتے ہیں اور صبر کرتے ہیں۔ پھر فرزدق نے حج کے مسائل دریافت کئے۔ امام کو رخصت کیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

"ذاتِ عِرق" اہل عراق کے ایک چشمہ کا نام ہے جو تہامہ اور نجد کے درمیان حدِ فاصل تھا اور بعض نے کہا ہے کہ "عِرق" مکہ کے راستہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے اور اسی مناسبت سے اس جگہ کو "ذاتِ عِرق" کہتے ہیں۔

"ذاتِ عِرق" سے آگے روانہ ہو کر امام حسین علیہ السّلام زوال کے قبل ہی "ثعلبیہ" پہنچ گئے۔ پھر نماز کے بعد کچھ دیر کے لئے آنکھ لگ گئی۔ جب خواب سے بیدار ہوئے تو فرمایا۔ میں نے ایک ہاتفِ غیبی کی آواز سُنی وہ کہہ رہا تھا۔ اَنتم تسرعون والمنایا تسرع بکم اِلی الجنۃ "تم لوگ راستہ طے کرنے میں جلدی کر رہے ہو اور موت تم کو جنت کی طرف لے جانے کے لئے جلدی کر رہی ہے" حضرت علیؑ بن الحسینؑ (علیؑ اکبر) حاضر خدمت تھے۔ یہ سُنکر عرض کی بابا! کیا ہم حق پر نہیں ہیں! امام عالی مقام نے جواب دیا۔ فرزند اُس خدا کی قسم جس کی طرف ہم سب کو پلٹنا ہے، ہم یقیناً حق پر ہیں۔ یہ جواب سُنکر حضرت علیؑ اکبر نے عرض کی بابا! تو پھر ہمیں کسی تکلیف اور مصیبت کی کوئی پرواہ نہیں! ہم موت سے بالکل نہیں ڈرتے امام نے فرمایا۔ فرزند! اللہ تجھے وہ بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی بھی بیٹے کو اُس نے عطا فرمائی ہو۔

اُس رات امام حسینؑ نے منزل "ثعلبیہ" ہی میں قیام فرمایا۔ جب صبح ہوئی تو کوفہ کی طرف سے ابوھرہ نامی ایک شخص آپ کے پاس حاضر

ہوا اور سلام عرض کیا۔ پھر پوچھا۔ فرزند رسولؐ! حرم خدا و رسولؐ سے کون سی چیز آپ کو اس زمانہ میں باہر لے آئی۔ مجھے بھی بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابوھرہ! بنو امیہ نے میرے اموال پر قبضہ کر لیا مگر ہم نے صبر سے کام لیا اور کچھ نہ کہا۔ انھوں نے میری عزت و آبرو پر حملے کئے پھر بھی میں نے صبر کیا اب وہ اس کے درپے ہیں کہ مجھے قتل کر ڈالیں تو جان کی حفاظت کی غرض سے میں یہاں آگیا خدا کی قسم یہ باغی گروہ میرے قتل کی کوشش کرے گا اور اس کا ارتکاب کرے گا اور اس کے بدلہ میں اللہ ان کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ اور انھیں دائمی ذلت و رسوائی نصیب ہوگی پھر فرمایا کہ اللہ ان ظالموں پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو انھیں ذلیل و خوار کریں گے اور قوم "سبا" سے بھی زیادہ ذلیل ہونگے جن پر ایک معمولی عورت حکومت کرتی تھی۔

علامہ ریاشی نے اپنی اسناد سے لکھا ہے کہ عراق کا ایک شخص حج کو جا رہا تھا۔ کسی روز وہ اپنے راستہ سے جدا ہوگیا پھر نظر اٹھی تو دور پر صحرا میں دیکھا کچھ خیمے لگے ہوئے ہیں یہ دیکھتے ہی بہت تیزی سے یہ ان خیموں کے نزدیک گیا وہاں پہنچکر دیکھتا کیا ہے کہ نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؑ اپنے خیمہ کے دروازے پر کوئی خط پڑھ رہے ہیں۔ اس شخص نے سلام کیا۔ امام نے جواب سلام دیا۔ اس کے بعد یہ کہنے لگا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں! اس بیابان میں حضور اپنے بچوں اور ساتھیوں کے ساتھ کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ نہ تو یہاں کوئی چراگاہ ہے اور نہ کوئی آبادی ہی دکھائی دیتی ہے۔ فرمایا: میرے دشمنوں نے مجھے ستایا ہے اور وہ میرے اور میرے گھر والوں کی جان کے درپے ہیں۔ وہ مجھ سے عنقریب جنگ کریں گے اور مجھے قتل کریں گے۔ اور جب وہ ایسا کریں گے تو پھر کوئی حکم خدا ایسا نہ رہے گا جسکی وہ بے عزتی

نہ کریں اور اس حُرمت خداوندی کو ضائع و برباد کرنے کے نتیجہ میں خدا ان پر ایسے لوگوں کو مسلّط کرے گا جو انھیں ہلاک کر دیں گے اور قوم بلقیس (ملکۂ یمن) سے زیادہ انھیں ذلیل کریں گے۔

طِرِمّاح بن حَکَم اسی منزل ثَعلبیّہ پر امام حسینؑ سے ملے تھے۔ اِن کے ساتھ ان کے گھر والوں کے کھانے کا سامان تھا جسے یہ اپنے گھر لئے جا رہے تھے۔ ثَعلبیّہ سے قریب ہی ایک پہاڑ تھا جس کا نام "اَجاء" تھا۔ اِس پہاڑ میں "طِرِمّاح" مع اپنے گھر والوں اور اپنے قبیلہ کے رہتے تھے۔ اس پہاڑی علاقہ کے دو نام ملتے ہیں۔ ایک "اَجاء" دوسرا "فَیْد"۔ ناسخ ج ۶ ص۲۱۵ کے حاشیہ پر لکھا ہے:۔ "اَجاء"، بہ تحریک (یعنی الف اورج پر زبر ہے) اور وزن "فَعَل"، پر ہے۔ یہ ہمزہ (ہمزہ کے ساتھ) "اَجاء"، کبھی بولا جاتا ہے اور مقصور (بغیر ہمزہ کے) "اَجا"، بھی بولتے ہیں۔ شہر "فَیْد"، کی غربی سمت میں یہ قبیلۂ طَی کے دو پہاڑوں میں سے ایک کا نام ہے۔ یہ شہر راہِ کوفہ میں مکّہ اور کوفہ کے وسط میں ہے۔ غرض یہ اپنے گھر والوں کے کھانے پینے کا سامان لادے ہوئے واپس جا رہے تھے کہ منزل ثَعلبیّہ پر امام حسین سے ملاقات ہو گئی۔ اور طِرِمّاح بن حَکَم کو تمام حالات کا علم ہو گیا۔ کوہِ "اَجاء"، اور شہر "فید"، کے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ ایک ایک سال کے لئے اپنی اور اپنے جانوروں کی غذا وغیرہ کا ذخیرہ کر لیتے تھے تاکہ اگر کبھی کسی سے جنگ ہو جائے تو وہ غذا کی طرف سے بالکل مطمئن رہیں اس پہاڑ اور شہر کا محلِ وقوع ایسا تھا کہ ان لوگوں پر کوئی بیرونی حملہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ان کی آبادی کو چاروں طرف سے پہاڑی دیو ہیکل دیواریں گھیرے ہوئے تھیں اس طرح دشمن کے دفاع کا یہ قدرتی انتظام موجود تھا

مختصر یہ کہ طِرِمّاح بن حَکَم نے عرض کی۔ حضور سے میری گزارش یہ ہے کہ آپ اہل کوفہ کے دھوکے میں نہ آئیے اور وہاں کا سفر

ملتوی کر دیجئے۔ خدا کی قسم! اہلِ کوفہ آپ کو ضرور قتل کریں گے اور مجھے خوف ہے کہ آپ کوفہ تک پہنچ بھی نہ سکیں گے۔ پھر اگر آپ نے جنگ کرنے کا ارادہ پختہ کر لیا ہے تو آپ "اجاء" پہاڑ پر ہمارے قبیلہ کے مہمان ہو جائیے۔ یہ ایک ایسا پہاڑ ہے جس کی پناہ میں آجانے کے بعد آج تک ہم نے کبھی شکست کی رسوائی نہیں اٹھائی اگر حضور وہاں رہیں گے تو ہماری پوری آبادی آپ کی حفاظت میں جان لڑا دیگی اور کسی فوج کی یہ مجال نہ ہوگی کہ وہ آپ پر حملہ آور ہو سکے۔

یہ سب کچھ سُنکر امام حسین نے فرمایا۔ میں نے اہلِ کوفہ کو زبان دیدی ہے اور وعدہ کر لیا ہے کہ وہاں جاؤں گا اس لئے اب تو میں کسی حالت میں بھی وعدہ کے خلاف نہیں کر سکتا۔ وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے وہاں جنگ کی صورت میں اگر اللہ نے مجھے فتح عطا کی تو اُس کی نعمتیں ہمیشہ ہی ہمارے شاملِ حال رہا کرتی ہیں اور ہم یہ اُن کی بارشیں ہوا کرتی ہے اور اگر وہی ہوا جس کے سوا کوئی چارہ اور چھٹکارا ممکن نہیں ہے تو یقیناً یہ بھی بہترین کامیابی ہوگی اور راہِ خدا اور بقاءِ دین کے لئے مجھے شہادت کا مرتبہ حاصل ہوگا انشاءاللہ تعالیٰ۔

طِرِمّاح بن حَکم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر اور خاندان والوں کا تمام سامانِ غذا اور مویشی وغیرہ کا چارا اپنی بستی تک پہنچا دیا اور تمام انتظامات کیلئے اپنے خاندان اور گھر والوں نیز اپنی ساری قوم کو ہدایات جاری کر دیں ان انتظامات میں کئی روز صرف ہو گئے۔ پھر جب میں تمام امور کی تکمیل کر چکا تو وہاں سے تیزی کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ امام حسین سے ملحق ہو جاؤں۔ میں راستہ میں تھا کہ سماعہ بن زید سے ملاقات ہو گئی۔ میں اپنی بدنصیبی پر بے حد افسوس کرنے لگا۔ جب میں نے سماعہ سے سنا کہ امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے۔ یہ سُنکر میں روتا ہوا اپنے شہر اور اپنے خاندان کی طرف واپس ہو گیا۔ عہ

عہ بعض لوگوں نے یہ واقعہ طرمّاح بن عدی کی طرف منسوب کر دیا ہے جو غلط ہے، مولف

امام حسینؑ کے سفرِ کوفہ سے عبیداللہ بن زیاد کی آگاہی

اُدھر جب عُبیداللہ بن زیاد گورنر کوفہ کو اطلاع ملی کہ امام حسینؑ مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں تو اُس نے حُصَین بن تمیم کو جو اس کی پولیس کا افسرِ اعلیٰ تھا ایک بڑے لشکر کے ساتھ "قادِسیہ" (کوفہ کے باہر ایک اہم ترین فوجی مرکز) کی طرف بھیجا۔ عہ

ابصار العین صہ ۱۶ پر ہے (ترجمہ) بعض کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ یہ شخص "حُصَین بن نُمَیر سکونی" تھا مگر یہ بات غلط ہے کیونکہ "ابن نُمَیر" سانحہ کربلا میں موجود نہ تھا بلکہ شام میں تھا۔ البتہ یہ شخص جنگِ حَرّہ کے موقع پر یزید کی اُس فوج کا کمانڈر تھا جس نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا تھا۔ خاص مدینہ پر حملہ کے وقت مُسلم بن عُقبہ مُرّی سپہ سالار تھا مگر وہ مدینہ کے باہر کچھ فاصلہ پر ایک جگہ جس کا نام "قدید" ہے مر گیا تو اس کی جگہ حُصَین بن نُمَیر کمانڈر بنا تھا۔ جنگِ حَرّہ ۶۴ھ میں واقع ہوئی تھی (حَرّہ مدینہ سے متصل ایک مقام کا نام ہے یہ تمام تفصیلات ہم اپنی اِس کتاب میں تحریر کر چکے ہیں۔)

غرض حُصَین بن تَمیم کو عُبَیداللہ بن زیاد نے ایک لشکر کے ساتھ قادِسیہ اور "خفّان" کی طرف روانہ کر دیا۔ "خفّان" مقام "قادِسیہ" سے کچھ آگے ہے اور "قادِسیہ" ایک قریہ کا نام ہے جو کوفہ سے ۴۵ میل پر واقع تھا۔

پھر ایک دوسرے لشکر کو مقام "قُطقُطانہ" (یہ کوفہ کے نزدیک صحرا کی طرف واقع تھا۔) بھیجا اور خِطّۂ کربلا (طفّ) کو بھی اِسی

عہ کچھ لوگوں نے غلطی سے بجائے "حُصَین بن تَمیم کے "حُصَین بن نُمَیر لکھا ہے جس کی کوئی تاریخی سند نہیں ہے۔ مولّف

لشکر کے زیرنگرانی مقرر کردیا۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ بغیر خصوصی اجازت نامہ کے کوئی شخص بھی ان حدود میں داخل نہ ہونے پائے اور جو مسافران مقامات سے عبور کرنا چاہیں وہ پہلے سے فوج کو اطلاع دیکر اجازت حاصل کریں۔

اُدھر امام حسینؑ منزلِ "حاجر" تک مقام "لطنِ رُمہ" سے عبور کر چکے تھے۔ (بطنِ رُمہ: اہلِ بصرہ کی ایک منزل کا نام ہے۔ جب وہ لوگ مدینہ کا سفر کرتے تھے تو یہاں بھی ٹھہرتے تھے اور اسی طرح یہاں بصرہ اور کوفہ والوں کا اجتماع ہو جاتا تھا)

منزلِ "حاجر"، تک حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر قافلۂ حسینی تک نہیں پہنچ سکی تھی اس منزل پر پہنچکر امام حسین نے سرداران و زعمائے کوفہ کے نام ایک خط تحریر فرمایا جس میں لکھا تھا۔ (ترجمہ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — یہ خط حسین بن علی کی طرف سے ہے اپنے مومن و مسلم سربرآوردہ بھائیوں کے نام۔ تم سب پر میرا سلام ہو۔ میں اللہ کی حمد و ثنا بجالاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں امابعد! مسلم بن عقیل کا خط مجھے مل چکا ہے جس میں انھوں نے تمہاری تعریف کی ہے اور تمہارے اس فیصلہ سے مجھے اطلاع دی ہے کہ تم ہماری نصرت کرو گے۔ اور ہمارے حقوق کو طلب کرو گے۔ میں اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ وہ ہم سب پر لطف و کرم فرمائے اور تمہیں اس نصرتِ حق پر بہترین اجر و ثواب عطا کرے۔

میں مکۂ معظمہ سے دوشنبہ کو جبکہ ۸ ذیحجہ تھی یعنی یوم الترویہ کوفہ کے ارادہ سے روانہ ہو چکا ہوں۔ جب میرا قاصد یہ خط لیکر تمہارے پاس پہنچے تو اپنے امور میں عجلت سے کام لینا اور سستی نہ کرنا میں عنقریب انہی دنوں میں وہاں پہنچنے والا ہوں"

حضرت مسلم بن عقیل نے جو خطِ امام کی خدمت میں روانہ

کیا تھا وہ ستائیس روز پہلے لکھا تھا اُس دن سے جب یہ خط آپ نے اہل کوفہ کے نام روانہ فرمایا تھا۔
یہ خط تحریر کرنے کے بعد امام حسین نے اس پر اپنی مہر لگائی اور بند کر کے عبداللہ بن یقطرؑ کو دیا کہ وہ کوفہ والوں تک اسے پہنچا دیں۔
عبداللہ نے خط لیا اور کوفہ کی طرف تیزی سے روانہ ہو گئے یہاں تک کہ بہت ہی کم مدت میں مقام "قادسیہ" پہنچ گئے۔ حصین بن تمیم کے سپاہیوں نے انھیں گرفتار کر لیا اور حصین کے پاس لے گئے۔ اس نے حکم دیا کہ ان کی تلاشی لی جائے۔ جب عبداللہ کو ان لوگوں کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انھوں نے امام کا خط پھاڑ ڈالا اور اس کے باریک ریزے کر کے ہوا میں اڑا دیئے۔ حصین نے عبداللہ بن یقطرؑ کے ہاتھ ان کی گردن کے پیچھے بندھوا دیئے اور اسی حالت میں انھیں عبیداللہ بن زیاد کے پاس بھیجدیا۔ اس نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور اس علاقہ میں کیوں داخل ہوئے تھے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں شیعیان علیؑ میں سے ہوں اور امام حسینؑ کی طرف سے آیا ہوں۔ اُس نے کہا۔ جو خط تمہارے پاس تھا وہ کیوں پھاڑ ڈالا۔ عبداللہ نے کہا کہ میں نے اُسے اس وجہ سے پھاڑا کہ تم اس کو نہ پڑھ سکو اور اس کے مضمون پر مطلع نہ ہو سکو۔ پوچھا کس کا خط تھا اور کس کے پاس لئے جا رہے تھے انھوں نے جواب دیا کہ امام حسین کا خط تھا جو کوفہ کے سرداروں کے نام تھا۔ اُس نے پھر دریافت کیا۔ اُن لوگوں کے نام کیا ہیں عبداللہ بولے کہ میں اُن کے نام نہیں جانتا۔ ابن زیاد کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا کہ اُن لوگوں کے نام تمھیں بتانا پڑیں گے اور یہ بھی تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم حسین، اُن کے بھائی حسن اور اُن کے والد علی بن ابیطالب پر میرے سامنے لعنت کرو۔ ورنہ میں ابھی تمہارے قتل کا حکم دے دوں گا۔ اور تمہارے جسم کے ٹکڑے کر دیئے جائینگے۔

عبداللہ بن یقطر نے جواب دیا۔ میں اُن لوگوں کے نام ہرگز نہیں بتاؤں گا جب تک تم مجھے منبر پر مجمع عام میں جانے کی اجازت نہ دو گے اور جس طرح تم کہتے ہو مجمع کے سامنے لعنت بھی کروں گا۔ عُبیداللہ بن زیاد نے انھیں منبر پر جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ عبداللہ بن یقطر منبر پر گئے۔ یہ اطلاع ملتے ہی کوفہ کے لوگ ٹوٹ پڑے تھے اور بے حد مجمع ہو گیا تھا۔ انھوں نے خدا کی حمد و ثنا کی پھر امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالب اور آل محمدؐ پر بار بار درود بھیجتے رہے اس کے بعد عُبیداللہ اور اس کے باپ زیاد پر لعنت بھیجی اور بنو اُمیہ کی مذمت میں جو کچھ بھی کہہ سکتے تھے کہتے رہے۔ پھر بلند آواز کے ساتھ اعلان کر دیا۔ "اے اہلِ کوفہ! میں حسینؑ بن علیؑ کا قاصد ہوں تمہاری طرف۔ اُنھیں میں نے "بطن رُمہ" کے بعد منزل "حاجر" میں چھوڑا تھا اب وقت ہے کہ تم سب اپنے امام کی آواز پر لبیک کہو اور اُنکی نُصرت کرو۔ یہ سُنتے ہی ابن زیاد کے غیظ و غضب کی کوئی حد نہ رہی اور اس نے فوراً حکم دیا کہ عبداللہ کو منبر سے گھسیٹ لیا جائے یہ حُکم ملتے ہی اُس کے سپاہی جھپٹے اور عبداللہ کو منبر سے گھسیٹ لیا پھر ابن زیاد کے حُکم سے ان کو قصر کی چھت پر لے گئے اور اسی حالت میں کہ ان کے ہاتھ پس گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ انھیں قصر کی بلند چھت سے زمین پر گرا دیا گیا جس سے ان کے بدن کی ساری ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔ لیکن ابھی ان میں کچھ دم باقی تھا کہ عبدالملک بن عمر اللخمی دوڑا اور ان کے قریب آکر ان کا سر کاٹ لیا۔ تماشائیوں نے پوچھا کہ تم نے عبداللہ کو اسقدر جلد کیوں قتل کر دیا اُس نے کہا کہ محض اس لئے کہ انھیں جلد راحت مل جائے۔

دہاں امام حسینؑ منزل حاجر و بطن رُمہ سے آگے روانہ ہو چکے تھے راستہ میں ایک چشمہ پر پہنچے جہاں عبداللہ بن مُطیع العدوی بھی آئے ہوئے تھے۔ جب اُن کی نظر امام حسینؑ کے قافلہ پر پڑی تو ٹھہر گئے

اور عرض کی، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اے فرزندِ رسولؐ! آپ یہاں
کیسے تشریف لائے۔ پھر وہ امام کو اپنے خیمے میں لے گئے۔
امام حسینؑ نے فرمایا کہ تمھیں معاویہ کے انتقال کا حال تو معلوم
ہی ہو چکا ہوگا۔ اب عراق والوں نے مجھے خطوط لکھے ہیں کہ میں انکی
قیادت کروں۔ چونکہ ان لوگوں نے بے حد اصرار کیا ہے اس لئے کوفہ
جا رہا ہوں۔

یہ سُنکر عبداللہ بن مطیع نے عرض کی۔ حضور! بنو اُمیّہ نے آپ کی
جن چیزوں پر قبضہ کر لیا وہ اب آپ کو واپس نہیں دیں گے بلکہ آپ کو
قتل کر ڈالیں گے۔ اور اگر ایسا ہو گیا کہ انھوں نے آپ کی مخالفت
کی اور آپ کو قتل کر دیا تو پھر قیامت تک یہ باغی گروہ نسلاً بعد نسلٍ
کسی گناہ کے ارتکاب سے نہیں ڈرے گا۔ اور نافرمانیِ خدا میں انکی
ہمّتیں بے حد بڑھ جائیں گی۔ خدا کی قسم آپ کے قتل ہو جانے سے
اسلام، قریش اور تمام عرب کی حُرمت و عزّت ختم ہو جائے گی۔
اس لئے میری رائے یہی ہے کہ حضور کوفہ کا قصد نہ کریں۔ اور
بنو اُمیّہ کے سامنے نہ آئیں کہ وہ آپ کی توہین کر سکیں۔"
اس کے جواب میں امام حسینؑ نے عبداللہ بن مطیع کو صورتِ حال
کی اہمیت سمجھائی اور فرمایا کہ اگر میری شہادت ہی مقدر ہو چکی ہے
تو اسلام کی بقا اور عزّت اسی میں ہے۔
اگر میں ان سرکشوں کے سامنے جا کر اتمامِ حجّت نہ کروں گا
تو دنیا گمراہی میں مبتلا رہے گی۔ اور پھر کوئی حق و باطل میں فرق
کرنے کے قابل نہ رہے گا۔ واپس جانے سے ممکن ہے کہ میری
جان بچ جائے لیکن اسلام ہمیشہ کے لئے مرٹ جائے گا اور
پھر حق کا نام لینے کی کسی میں جراءت باقی نہ رہے گی۔ یہ فرما کر
آپ وہاں سے آگے روانہ ہو گئے۔

عبداللہ بن یقطرؑ

ان کی والدہ امام حسینؑ کے بچپنے میں اُنھیں

پرورش کرنے کی خدمت پر مامور تھیں اور عبداللہ بن یقطر اور خود امام حسینؑ کا زمانۂ ولادت بھی ایک ہی تھا اس لئے عبداللہ کو امام حسینؑ کا دودھ شریک بھائی کہدیا جاتا ہے لیکن دراصل آپ نے اگر کسی کا دودھ پیا تھا تو وہ صرف حضرت فاطمہ زہراؑ تھیں۔ یا کثیر روایتوں کی بنا پر رسول اللہؐ کے صرف انگوٹھے کو چوس کر آپ سیر و سیراب ہوتے رہے۔ (البصارۃ العین ص ۵۲)

اسی سلسلہ میں تاریخ کامل میں ایک دوسری روایت بھی ہے کہ جب امام حسینؑ منزل "حاجر" پر پہنچے تو قیس بن مسہر صیداوی کو آپ نے اہل کوفہ کی جانب بطور قاصد کے روانہ کیا تاکہ وہ انھیں امام حسینؑ کے سفر اور منزل "حاجر" تک پہنچ جانے کی خبر کر دیں مگر جب قیس مقام قادسیہ تک پہنچے تو حصین بن نمیر[ع] کی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ ان کا وہی واقعہ درج ہے جو ہم نے ابھی عبداللہ بن یقطر کے متعلق لکھا ہے۔

عبیداللہ بن زیاد یہ فرمان تو پہلے ہی جاری کر چکا تھا کہ "واقصہ" اور شام و بصرہ کے تمام راستوں کی زبردست نگرانی کی جائے (واقصہ مکہ کے راستہ میں ایک منزل کا نام ہے) امام حسین راہ طے کر رہے تھے اور قبائل عرب کی طرف سے گزر رہے تھے۔ آپ جہاں پہنچتے تھے وہاں کے لوگوں سے گرد و پیش کے حالات دریافت کر لیتے تھے۔ لوگوں نے عرض کی۔ فرزند رسول! ہمیں کسی بات کی بھی اطلاع نہیں سوائے اس کے کہ ان حدود اور ان راستوں سے نہ کوئی گزر سکتا ہے اور نہ یہاں کوئی داخل ہو سکتا ہے۔

بعض لوگوں نے اس روایت کو بھی لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ مکہ معظمہ سے عراق کی طرف سفر کر رہے تھے تو قوم فزارہ اور قبیلہ بجیلہ کی ایک جماعت بھی مکہ سے کوفہ کی طرف جا رہی تھی۔ یہ لوگ

[ع] حصین بن نمیر پر ہم اس سے قبل اپنا نوٹ لکھ چکے ہیں، مولف

حج سے فارغ ہو کر اپنے وطن جا رہے تھے۔

اس جماعت کے سردار زُہیر بن القینؒ البجلیؒ پہلے یہ شیعیان
علیؑ میں شامل نہ تھے بلکہ مخالفین میں ان کا شمار ہوتا تھا اِسی
بنا پر ان کی کوشش یہ رہتی تھی کہ اِمام حسینؑ کے قافلہ سے
ہٹ کر چلیں اور اُس کے ساتھ نہ رہیں۔ جب کسی منزل پر
پہنچ کر یہ خیمے لگاتے تھے تو اُس مقام پر لگاتے تھے جو امام کے
قافلہ کے اُترنے کی جگہ سے دور ہوتا تھا۔ آخر اتفاق سے ایک
منزل پر دونوں قافلے ایک ہی جگہ اور نزدیک ٹھہر گئے کیونکہ دوسری
کوئی جگہ ہی نہ تھی جہاں یہ اُتر سکتے۔ اس منزل کا نام بعض مصنّفین
نے "زرود" لکھا ہے، لیکن ہم نے کسی معتبر مقتل میں اس منزل
کا نام نہیں دیکھا۔ ہر جگہ یوں لکھا ہوا ہے "فی منزل"، یعنی کسی
منزل پر ٹھہرے۔ بعض نے علامہ ابن طاؤسؒ سے نقل کر کے
کہا ہے کہ اسی منزل "ذاتِ عرق" پر امام سے فرزدق شاعر کی
ملاقات ہوئی تھی۔ حالانکہ علامہ ابن طاؤسؒ کی کتاب "لہوف"
میں لکھا ہے کہ اس منزل پر بشر بن غالب سے ملاقات ہوئی تھی
فرزدق کا نام "ھمّام بن غالب" تھا اس لئے یہاں فرزدق سے
ملاقات ہونا درست نہیں ہے۔ بہرحال یہ منزل کسی طرح "ذاتِ
عرق" نہ تھی۔ غرض یہ دونوں قافلے اس منزل پر جس کا معتبر
کتابوں میں کوئی نام نہیں لکھا ہے، ایک دوسرے کے نزدیک
اُترے۔ یہاں کسی وقت زُہیر اور اُن کے ساتھی کھانا کھا
رہے تھے کہ امام حسینؑ کی جانب سے ایک آدمی آیا اور کہنے لگا
اے زُہیر بن قین! تمہیں ابو عبداللہ الحسین یاد فرما رہے ہیں۔
زُہیر اور ان کے ساتھی بنو امیہ اور عبیداللہ بن زیاد کی مخالفت
کرنے سے بہت زیادہ خائف تھے اور ساتھ ہی امام حسینؑ
کے فرمان سے اختلاف کی بھی جرأت نہ تھی اس بنا پر یہ پیغام

ملتے ہی ہاتھوں کے لقمے ان کے ہاتھوں میں رہ گئے اور سب کے سب خاموش اور سکتہ کے عالم میں ہو گئے۔ پہلے تو دیر تک سوچتے رہے مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں۔ آخر "دیلم بنت عمرو" زوجۂ زہیر بن قین نے کہا۔ سبحان اللہ! فرزند رسولؐ تمہیں بلا رہے ہیں اور تم ان کے پاس جانے میں پس و پیش کر رہے ہو! جلدی اٹھو اور ان کی خدمت میں حاضری دو۔ اور دیکھو کہ وہ کیا فرماتے ہیں! یہ سنکر زہیر فوراً اٹھ بیٹھے اور دوڑتے ہوئے امام کی خدمت میں آ گئے۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ہنستے ہوئے واپس ہوئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا چہرہ سورج کی طرح دمک رہا ہے اور خوشی کے مارے پھولوں نہیں سما رہے تھے۔ اپنے خیمہ میں واپس آتے ہی حکم دیا، میرا خیمہ بھی امام حسین کے خیموں کے پاس لگا دیا جائے اور ہم لوگوں کا تمام سامان وہیں پہنچا دیا جائے۔

بس اس کے ساتھ ہی زوجہ کو طلاق بھی دے دی اور کہا۔ تم اب اپنے میکے چلی جاؤ اور اپنے قبیلہ والوں میں رہو مجھے یہ بات پسند نہ ہو گی کہ تم اسیری کی ذلّت اور تکلیف برداشت کرو۔ (زہیر بن قین کو اس حقیقت کا پورا علم ہو گیا تھا کہ امام حسین کی شہادت کے بعد رسول اللہ کی نواسیاں اور تمام مخدّرات قید ہوں گی۔ اس لئے انھوں نے اپنی زوجہ کو طلاق دے کر ہدایت کی کہ وہ اپنے خاندان سے ملحق ہو جائیں۔ اس کی ضرورت بھی نہ تھی کہ زوجۂ زہیر کو وہاں روکا جاتا کیونکہ جن مخدّراتِ عصمت کی اسیری اسلام میں نئی روح پھونک سکتی وہ تو صرف حضرت زینب و امّ کلثوم و رقیہؑ، فاطمہ، سکینہ، رباب، لیلیٰ جیسی عظیم خواتین ہی ہو سکتی تھیں۔

اس کے بعد زہیر بولے کہ میں نے تو اب اس بات کا پکّا ارادہ

کر لیا ہے کہ اپنے آقا حضرت امام حسینؑ ہی کے ساتھ کوفہ جاؤں گا۔ اور اپنے گھر واپس نہ ہوں گا اور ان ہی کے قدموں پر اپنی جان نثار کروں گا۔

زھیر نے اپنا تمام اسباب اور اثاثہ اپنی زوجہ، اپنے چچا زاد بھائیوں اور بہنوں کو ھبہ کر دیا۔ اور ساتھیوں کو ہدایت کی کہ اُن کی زوجہ "دَیلم" کو اُن کے رشتہ داروں کے پاس پہنچا دیں

یہ باتیں سُنتے ہی زوجۂ زُھیر بن قین گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئیں اور زار و قطار رونے لگیں اور زُھیر کے حکم اور فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے ان سے رخصت ہوئیں۔

پھر زُھیر سے کہا۔ اے زُھیر! اللہ عزّ و جل تمھیں بواسطہ رسولؐ حضرت حسینؑ کی خدمت و نصرت کا بہترین عوض عطا فرمائے۔ میں نے تمہاری عرصہ دراز تک خدمت کی ہے جس میں تم سے ایک آخری التجا کرتی ہوں کہ قیامت کے روز جب تم امام حسینؑ کے جد حضرت رسالت مآب کی خدمت میں پہنچنا تو مجھکو بھول نہ جانا۔

اعثم کوفی لکھتے ہیں کہ "دَیلم" نے یہ بھی کہا تھا: تم خود تو یہ چاہتے ہو کہ فرزندِ رسولؐ کی خدمتِ اقدس میں رہو اور اُن پر جان نثار کر دو تو پھر کیوں اس کی اجازت نہیں دیتے کہ میں بھی اپنی شہزادیوں اور رسول اللہ کی بیٹیوں کے ساتھ اسیری اور قید و بند کی عزت اور سعادت حاصل کروں۔ مگر بہر حال زُھیر کی ہدایت کے مطابق "دَیلم" اپنے خاندان والوں کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

(غالبًا زُھیر نے اس وجہ سے اپنی زوجہ کو روانہ کر دیا تھا کہ امامِ مظلوم کے لئے اور آپ کی شہادت کے بعد خانوادۂ رسالت کے لئے "دَیلم" کی حفاظت کی فکر کا بوجھ نہ رہے۔)

ان ہدایتوں کو جاری کرنے کے بعد زُھیر بن قین اپنے ساتھیوں کی طرف مڑے اور کہا۔ تم میں سے جس شخص کی بھی خواہش ہو کہ

وہ میرے ساتھ رہے وہ تو آجائے اور میرے ساتھ خدمتِ امام حسینؑ میں چلے اور جو نہ چاہتا ہو اُسے پورا اختیار ہے کہ وہ جہاں چاہے چلا جائے۔ اب اس کے بعد کبھی مجھ سے اس دنیا میں ملاقات نہ ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی زُھیر نے کہا۔ میں تم لوگوں سے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ایک موقع پر ہم لوگ حضرت سلمان فارسی کے ساتھ ایک لڑائی میں شریک تھے اور ہمیں اس میں فتح حاصل ہوئی تھی بہت سا مالِ غنیمت بھی ملا تھا۔ ہم سب مسلمان بہت خوش تھے اُس فتح پر۔ یہ حال دیکھکر حضرت سلمان نے ہم سے کہا:- کیا تم لوگ اس فتح پر بہت مسرور ہو؟ ہم نے عرض کی۔ بیشک ہم بہت ہی خوش ہیں کہ اللہ نے ہمیں فتح کی عزت عطا فرمائی۔

حضرت سلمان نے فرمایا۔ نہیں! یہ خوشی تو کچھ بھی نہیں ہے! ہاں جب تم سردار جوانانِ جنت حضرت امام حسینؑ کی معیت میں اور اُن کے ہمراہ رکاب رہ کر اُن کے دشمنوں سے جنگ کرنے کی سعادت حاصل کرنا تو اُس وقت تم پوری طرح خوش و مسرور ہونا کیونکہ دراصل وہ عزت و سعادت ہی تو ایسی نعمت ہوگی جس پر تمہیں فخر اور خوشی کا حق ہوگا۔ آج کی فتح اور مالِ غنیمت کا حصول اُس عظیم سعادت کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ رہا میں خود تو موت مجھے مہلت نہ دے گی۔ اور میں تم لوگوں سے اس کے قبل ہی رخصت ہو جاؤں گا۔ میں تمہیں اللہ کی حفاظت میں دیتا ہوں اور اسکے سپرد کرتا ہوں، وہ تمہاری نصرت و حمایت فرمائے۔"

پھر اس منزل سے امام حسینؑ روانہ ہو گئے اور ایک دوسری منزل "خزیمیہ"، (کوفہ سے حج کے لئے روانہ ہونے والوں کے لئے یہ "ثعلبیہ" کے بعد دوسری منزل ہے۔ معجم البلدان) پر نزول فرمایا وہاں ایک شب و روز قیام کیا۔ صبح کو جب حضرت زینب اپنے بھائی امام حسینؑ کے پاس حاضر ہوئیں تو عرض کی۔ بھیّا! میں نے

گزشتہ رات کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سُنا مگر وہ کہنے والا مجھے نظر
نہ آیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ اَلَا یَا عَیْنُ فَاحْتَفِلِیْ بِجُھْدٍ + وَمَنْ یَّبْکِیْ
عَلَی الشُّھَدَاءِ بَعْدِیْ ۔ عَلٰی قَوْمٍ تَسُوْقُھُمُ الْمَنَایَا + بِمِقْدَارٍ
اِلٰی اِنْجَازِ وَعْدٍ ۔ اے میری آنکھ پھوٹ پھوٹ کر رونا۔ میرے
بعد شہیدوں پر کون روئے گا! ـــــ ایسے لوگوں پر (میرے
بعد) کون روئے گا جنھیں ایک صحیح اندازے کے مطابق موتیں
وعدہ پورا کرنے کے لئے لے جا رہی ہیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ میری بہن! جس بات کا فیصلہ ہوچکا
ہے وہ ہو کے رہے گی!

شہادتِ حضرت مسلم بن عقیل سے آگاہی

شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے عبد اللہؒ بن سلیمان
اور منذر بن اسمٰعیل جو قبیلۂ بنو اسد سے تعلق رکھتے تھے جب
حج سے فراغت حاصل کر چکے تو عراق کی جانب روانہ ہو گئے اور
اس کی کوشش میں تھے کہ کسی طرح امام حسینؑ کے قافلہ سے
ملحق ہو جائیں اور دیکھیں کہ اُن کے اس سفر کا نتیجہ کیا نکلتا
ہے۔ غرض اونٹوں کو تیز دوڑاتے رہے۔ اور بالآخر "منزل
زرود" پر پہنچکر امام حسینؑ کے قافلہ سے ملحق ہو گئے۔ جب یہاں
پہنچے تو ایک مسافر کو دیکھا جو کوفہ کی طرف سے آرہا تھا۔ مگر جیسے
ہی اُس کی نظر ان دونوں پر پڑی تو اس نے فوراً اپنا راستہ
بدل دیا اور دوسری سمت اپنا رُخ کر لیا۔ امام حسینؑ نے بھی اُس کو
دیکھ لیا تھا اور تھوڑی دیر تک اپنے خیمہ کے آگے اس کے انتظار
میں کھڑے بھی رہے تاکہ جب وہ آئے تو اُس سے کوفہ کی حالت
معلوم کریں لیکن وہ دوسری طرف مڑ گیا اور ادھر نہ آیا۔ یہ
دیکھکر عبد اللہ اور منذر تیزی سے اونٹوں کو دوڑاتے ہوئے اُسکے
پاس جا پہنچے۔ اور کوفہ کا سارا حال اُس سے دریافت کر لیا اور بتادیا

کہ مسلم بن عقیل اور ھانی بن عُروہ شہید کر دیئے گئے۔

(اس پوری روایت کو ہم حالاتِ حضرت مسلم بن عقیل میں لکھ چکے ہیں مگر فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں ہم نے جو روایت لکھی ہے اس میں منذرِ بن اسمٰعیل، کے بجائے "منذر بن مُشمعلؔ"، ہے دوسرے وہاں منزل "زَرُود"، میں ان دونوں کی اس مسافر کے ساتھ ملاقات کے ذکر کے بعد لکھا گیا ہے کہ ان لوگوں نے اس منزل پر امام کو یہ اطلاع نہیں دی تھی بلکہ جب آپ منزل ثَعْلَبِیَّہ پر پہنچے تو وہاں شہادتِ مسلم و ھانی کی خبر پہنچائی۔

ناسخ التواریخ جلد ۶ میں یہ لکھا ہے کہ ان لوگوں نے یہ خبر منزلِ "زُبَالہ"، پر پہنچکر امام حسین تک پہنچائی۔ (منزل زَرُود، خزیمیہ اور ثعلبیہ کے درمیان ایک ریتیلے مقام کا نام ہے۔ جو کوفہ کے حاجیوں کے راستہ میں آتا ہے جب وہ مکہ کا سفر کرتے ہیں معجم البلدان) حضرت مسلم بن عقیل کی گیارہ سال کی بیٹی کا نام ہم نے کسی جگہ "حَمِیدہ"، دیکھا ہے۔ یہ کسی مضمون نگار نے لکھا ہے مگر کسی معتبر کتاب میں نظر سے نہیں گزرا۔ منزل "خُزَیمِیَّہ"، کے بعد امام حسین کا قافلہ ایک اور منزل پر اُترا جس کا نام "زُبَالَہ"، تھا جو واقِصَہ اور ثَعْلَبِیَّہ کے مابین واقع ہے)

زبالہ میں فرزدق کی آمد

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حج سے فارغ ہو کر فرزدق شاعر اہلبیت بہت تیزی سے راہ طے کر کے امام حسینؑ کی خدمت میں منزل "زبالہ"، پہنچ گئے تھے اور یہ اُن کی امام سے دوسری ملاقات تھی۔ امام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:۔ فرزندِ رسولؐ! آپ نے اہلِ کوفہ پر کیوں اعتماد کر لیا اور انکی باتوں اور وعدوں کا کیوں یقین کیا؟ حالانکہ اُنھوں نے آپ کے چچا زاد بھائی حضرت مسلم کو بھی شہید کر ڈالا ہے اور آپ کے شیعوں کو بھی تہِ تیغ کر دیا۔ یہ

یہ سُنکر امام رونے لگے اور فرمایا۔ اللہ مسلم بن عقیل پر رحم فرمائے وہ یقیناً اللہ کی رحمتوں اور جنّت کے باغوں کے سایہ میں ہیں۔ اور انھوں نے اس کی رضا حاصل کر لی ہے لیکن بہر حال جو باتیں ان کے لئے مقدر تھیں وہ ان پر گزر گئیں اور اب ہم پر وہ مصائب گزرنا باقی ہیں جو ہمارے لئے مقدر ہیں۔ وہ اپنا حق اور فرض ادا کر چکے اب ہمیں اپنا حق اور فرض ادا کرنا ہے۔ پھر یہ اشعار پڑھنے لگے۔

فَاِنْ تَکُنِ الدُّنْیَا تُعَدُّ نَفِیْسَۃً　　فَدَارُ ثَوَابِ اللّٰہِ اَعْلیٰ وَاَنْبَلُ

اگر دنیا کوئی واقعی اچھی اور نفیس چیز ہے تو اس کے مقابلہ میں اللہ کا گھر یعنی دارِ آخرت بدرجہا افضل اور بہتر ہے۔

وَاِنْ تَکُنِ الْاَبْدَانُ لِلْمَوْتِ اُنْشِئَتْ　　فَقَتْلُ امْرِءٍ بِالسَّیْفِ فِی اللّٰہِ اَفْضَلُ

اگر یہ بدن اسی لئے پیدا ہوئے ہیں کہ آخر کار انھیں موت سے دوچار ہی ہونا ہے تو پھر مرد کا اللہ کی راہ میں تلوار سے قتل ہو جانا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

فَاِنْ تَکُنِ الْاَرْزَاقُ قِسْمًا مُقَدَّرًا　　فَقِلَّۃُ حِرْصِ الْمَرْءِ فِی الرِّزْقِ اَجْمَلُ

پس جبکہ اللہ کی جانب سے طرح طرح کے رزق مقدر و معیّن ہیں تو پھر رزق کی خواہش میں حرص و طمع جسقدر بھی کم ہو زیادہ پسندیدہ اور بہتر ہے۔

وَاِنْ تَکُنِ الْاَمْوَالُ لِلتَّرْکِ جَمْعُھَا　　فَمَا بَالُ مَتْرُوْکٍ بِہِ الْحُرُّ یَبْخَلُ

اور اگر مال و دولت کو اسی لئے جمع کیا جاتا ہے کہ اُسے صرف کر دیا جائے (اور اپنی ضروریات و خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اس دولت کو اپنے پاس سے ہٹا دیا جائیگا۔) تو پھر جس چیز کا مقصد صرف کرنا اور اپنے پاس سے ہٹانا ہی ہو اس میں عزت دار اور آزاد آدمی کے لئے بخل اور کنجوسی سے کام لینا کیسا ہے! یعنی کسی طرح درست نہیں۔

(ناسخ ۶ صلـ ۲۱۹ پر ان اشعار کا تذکرہ منزل "زبالہ" پر قافلۂ امام حسینؑ کے مکہ سے کوفہ جاتے ہوئے، ٹھہرنے کے موقع پر کیا گیا ہے۔

لیکن بحارالانوار ج۱۰ میں ان اشعار کا ذکر میدانِ کربلا میں امامؑ کی جنگ کے سلسلہ میں ہے۔)

سپہر کاشانی مصنف ناسخ التواریخ کے نزدیک منزل "زبالہ" ہی میں امام حسینؑ کو عبداللہ بن یقطرؒ کی شہادت کی بھی اطلاع ملی تھی جسے سُنکر آپ بہت روئے اور ایک بیان تحریر فرمایا جسے اپنے ساتھیوں کے سامنے پڑھا تاکہ سب اس بیان سے مطلع ہو جائیں۔ وہ بیان یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ اَتَانَا خَبَرٌ فَظِیۡعٌ الخ یعنی ہمارے پاس ایک بڑی افسوسناک اور دہشتناک خبر آئی ہے، وہ یہ کہ مسلم بن عقیل ھانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطرؒ شہید کر دیئے گئے ہیں اور اہل کوفہ نے ہماری بیعت توڑ دی اور ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اب ایسے حالات میں وہاں کوئی امید باقی نہیں رہی اس لئے تم لوگوں میں سے جس کا جی چاہے وہ واپس چلا جائے۔ میری اجازت ہے اُس سے کوئی مواخذہ اور جواب طلبی نہ ہوگی"

جب امام حسینؑ نے اپنی یہ تحریر پڑھی اور آپ کے ساتھیوں کو اس کا یقین ہو گیا کہ اب سوائے موت کے اس سفر کا کوئی نتیجہ نہ نکلے گا تو ایسے لوگ جو قبائل عرب میں سے راستہ میں اس لالچ سے آپ کے ہمراہ ہو گئے تھے کہ متوقع کامیابی کی صورت میں انھیں دنیوی فائدے حاصل ہوں گے انھوں نے آہستہ آہستہ ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا مگر جو لوگ آپ کے ساتھ مدینہ اور مکہ سے آئے تھے اور جو پہلے ہی سے اس مقصد کے تحت امام حسینؑ کے ہمراہ چلے آئے تھے کہ اُنھیں آپ کی خدمت میں رہنے اور آپ کی اطاعت سے دنیا اور آخرت کی فلاح اور نجات حاصل ہوگی اُن میں سے ایک شخص بھی الگ نہ ہوا اور وہ سب کے سب امام عالی مقام کے ساتھ رہے۔

سپہر کاشانی نے ناسخ التواریخ جلد ۶ میں اس بات کا ذکر کیا

ہے کہ اس تحریری اجازت نامہ کو سننے کے بعد بہت سے لوگ امام حسین کے پاس سے اِدھر اُدھر روانہ ہو گئے اور یہ صورتِ حال منزل "زبالہ" پر پیش آئی۔

جیسا کہ ہم نے ابھی لکھا ہے کہ اس کی ایک وجہ تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ راستہ سے ہمراہ ہو گئے تھے انھیں یہ توقع تھی کہ امام کو لازمی طور پر فتح ہو گی تو پھر ہم کو بھی بہت کچھ فوائد حاصل ہوں گے اس تحریر کے سننے کے بعد اُن کی اُمیدیں ختم ہو گئیں۔ اُن کی غرض یہ ہرگز نہ تھی کہ انھیں اس سے اللہ کی رضا اور نجات اُخروی ملیگی بلکہ ایک دنیوی فاتح کا ساتھ دینے سے جو مقاصد پورے ہو سکتے ہیں وہ حاصل ہوں گے۔

دوسرا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یزید اور ابن زیاد نے امام کے اس قافلہ کے ساتھ ایسے جاسوس بھی کر دیئے تھے جو اس قافلہ کی نقل و حرکت کی تفصیلات مسلسل طور پر حکومت کو روانہ کرتے رہتے تھے اور ظاہر میں اپنی دوستی اور عقیدت کا اظہار کرتے تھے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ جب حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر پہنچانے کے لئے منزل زبالہ ہی پر یا دوسری روایت کی بنا پر منزل ثعلبیہ میں عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن مشمعل نے امام حسین سے عرض کی:۔ کیا حضور مناسب سمجھتے ہیں کہ ایک اہم خبر ہم آپ سے سب کے سامنے بیان کر دیں یا تنہائی میں کہیں تو امام نے چاروں طرف دیکھکر فرمایا تھا کہ تم اس مجمع ہی میں بیان کر سکتے ہو، ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو راز کی بات کو ظاہر کر دے امام حسین کا چاروں طرف ملاحظہ کرنا اور یہ فرمانا کہ اس وقت یہاں اور اس مجمع میں سب معتمد لوگ موجود ہیں اور ان میں کوئی بھی غیر معتبر اور غیر معتمد نہیں ہے"۔

اس کی دلیل ہے کہ آپ کے ساتھ حکومت کے جاسوس ضرور کر دیئے

گئے تھے ایسے مواقع پر جاسوسوں کا وجود کسی حال میں بھی قابلِ شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔ اس قدر اہم شخصیت کو فریب میں جاری ہی تھی اور جاسوسوں کا جال نہ بچھایا گیا ہو، یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ پھر جب امام حسین نے مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر اور قیس بن مسہر صیداوی کی شہادت کی خبر سنائی اور بتا دیا کہ اب میرے ساتھ جو لوگ ہیں ان کی شہادت بھی یقینی ہے تو یہی جاسوس یا دنیا پرست جو دنیوی لالچ یا حکومت کے اشارہ پر امام کے ساتھ ہو گئے تھے کھسکنے لگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان جاسوسوں کی یہ سمجھی بوجھی اسکیم ہو کہ جب ہم خوف اور مایوسی کا اظہار کریں گے اور ادھر اُدھر بھاگنے لگیں گے تو جو لوگ واقعی طور پر امام حسین کے مخلص اور عقیدتمند ہیں وہ بھی ہماری اس صورتِ حال سے ضرور متاثر ہوں گے، اُن کے دل بھی ٹوٹ جائیں گے اور اس طرح وہ لوگ بھی ہمت ہار کر امام کے ساتھ سے الگ ہو جائیں گے اور نتیجہ میں آپ کے ساتھ سوائے گھر والوں کے کوئی بھی نہ رہے گا۔ غرض امام حسین کا کوئی سچا فدائی اور ساتھی کبھی الگ ہو جانے کا تصور بھی نہ کر سکا۔ اور جن لوگوں نے منزل زبالہ پر علیحدہ ہونے کا نمائشی مظاہرہ کیا وہ یا تو دنیوی اغراض کے بندے تھے یا پھر حکومت کے نمائندے اور جاسوس تھے۔

ہمارے اس بیان کی تائید علامہ ابن طاؤسؒ کی حسبِ ذیل عبارت سے ہوتی ہے۔

فعرف ذٰلک جماعۃ ممن تبعہ فتفرق عنہ اھل الاطماع والارتیاب وبقی معہ اھلہ وخیار الاصحاب (لہوف)

جب حضرت مسلم بن عقیل وغیرہ کی شہادت کی خبر لوگوں کو معلوم ہو گئی تو امام کے ساتھ سفر کرنے والوں میں سے جو لوگ دنیوی حرص و طمع کے مقاصد رکھتے تھے اور جن کی حالت مشکوک تھی

وہ سب کے سب متفرق ہو گئے اور آپ کے ساتھ صرف آپ کے منتخب اور چنے ہوئے انصار واعوان اور آپ کے گھر والے باقی رہ گئے (درحقیقت امام حسین علیہ السّلام کا مقصد ہی یہ تھا کہ غلط قسم کے لوگ اُن کے ساتھ باقی نہ رہیں اور صرف وہی لوگ رہیں جو وفاداری خلوص، ایمان اور دیانت کا مثالی پیکر ہوں اور جو پوری انسانیت کے سامنے قیامت تک کے لئے حسنِ سیرت اور خوبی کردار کا اعلیٰ ترین نمونہ بن سکتے ہوں) ان مخلص وَ فاداروں میں وہ لوگ تھے جو مدینہ سے آپ کے ساتھ چلے تھے اور کچھ وہ بھی تھے جو راستہ میں ساتھ ہو لئے تھے۔ جیسے حضرت زُھیر بن القین۔

پھر منزل "زُبَالَہ" سے چلکر امام عالی مقام "قصرِ بنی مُقاتِل" کی منزل پر اُترے جو "قطقطانہ" کے نزدیک ہے۔ جب آپ کی سواری اس جگہ پر آئی تو آپ نے دیکھا کہ وہاں ایک عالیشان خیمہ نصب ہے اور ایک بارگاہ سی سجی ہوئی ہے۔ ایک لمبا نیزہ زمین میں گڑا ہوا ہے جو سرداری کا نشان تھا۔ اُس خیمہ کے ستون میں ایک تلوار لٹک رہی تھی اور ایک بہترین عربی گھوڑا اصطبل میں بندھا ہوا تھا۔

امام حسین نے پوچھا۔ یہ کس کا خیمہ ہے اور یہ کون شخص ہے جو یہاں ٹھہرا ہوا ہے؟ لوگوں نے عرض کی یہ عُبَیدُاللہ بن حُرّ جُعفی کا خیمہ ہے جو کوفہ کا مشہور سردار اور نامور بہادر ہے۔ آپ نے حجّاج بن مَسروق جُعفی کو جو عُبیداللہ بن حُر کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اُس کے پاس بھیجا اور حُکم دیا کہ عُبیداللہ کو میرے پاس بُلاؤ۔ حجّاج بن مَسروق وہاں گئے اور امام کے حُکم سے عُبیداللہ کو آگاہ کر دیا۔

اس نے حجّاج سے دریافت کیا حسین بن علی مجھے کیوں طلب کر رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس غرض سے کہ تم ان کی نصرت کرو۔ اُن کے دشمنوں سے شمشیر زنی کرو۔ اور اگر اس نصرت کے کام میں شہید ہو جاؤ تو ثوابِ عظیم حاصل کرو۔ عُبیداللہ نے کہا: —

مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ حسین بن علی سے کوفہ والوں کی جنگ ہو گی اور اِسی لئے میں کوفہ سے باہر نکل آیا تاکہ اگر حسین قتل ہو جائیں تو میرا شمار اُن کے قاتلوں میں نہ ہونے پائے۔ اے حجّاج بن مسروق! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ کوفیوں نے دنیا کو آخرت پر مقدم کر دیا ہے اور ابن زیاد کے اِنعام و عطیّات کے مقابلہ میں خاندانِ رسالت کی محبت و اطاعت کو ہوا میں اُڑا دیا۔ اِس معاملہ میں مجھے اُن سے شدید اختلاف تھا اور میں اُن کے ارادوں سے متفق نہ تھا مگر ساتھ ہی اُن کی مخالفت کے اظہار اور اُن سے مقابلہ کی قوت بھی نہ رکھتا تھا۔ اِس لئے مجبور ہو کر میں نے کوفہ سے ہجرت کی اور یہاں چلا آیا اور گوشہ نشین ہو گیا ہوں اَب جو خدا کی مرضی ہو گی وہ ہو گا۔ حجّاج بن مسروق وہاں سے پلٹ کر امام کی خدمت میں آگئے۔ اور عُبید اللّٰہ کی ساری گفتگو بیان کر دی۔ یہ سُنکر امام حسین نے فرمایا کہ اچھا میں خود عبید اللّٰہ بن حر کے پاس چلتا ہوں اور اِتمام حجّت کروں گا یہ فرما کر آپ اُٹھے اور اس کے خیمہ پر تشریف لائے۔ عُبید اللّٰہ کی جب امام پر نظر پڑی تو وہ استقبال کے لئے دوڑا۔ اور آپ کو خیمہ میں اِنتہائی عزّت و اِحترام کے ساتھ بٹھایا۔ اور خود ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

امام نے فرمایا۔ اے عبید اللّٰہ بن حُر! تمہارے سرداروں نے مجھے ہزاروں خطوط لکھے اور کوفہ میں آنے کی دعوت دی۔ اس کا انھوں نے ہر خط میں بار بار عہد کیا تھا کہ وہ میری نصرت و حمایت میں کسی قسم کی بھی کوتاہی اور کمی نہیں کریں گے۔ پوری طاقت و عزم و اتحاد کے ساتھ راہِ حق میں جہاد کریں گے اور کسی قربانی سے دریغ نہ کریں گے۔ مگر اَب میں یہ سُن رہا ہوں کہ اُن لوگوں نے حق کی طرف سے روگردانی کر لی ہے اور اُس کے مقابلہ میں باطل کو اختیار کر لیا ہے۔

اے عُبید اللّٰہ! تمھیں خوب معلوم ہے کہ نیک اور بُرے

کاموں کے نتیجے ضرور حاصل ہوں گے۔ اور قیامت کے روز ہر عمل کی باز پرس کی جائے گی آج میں تم کو اپنی نصرت و امداد کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم نے اس دعوت کو قبول کر لیا تو کل قیامت کے دن میرے جد حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو تم اپنے آپ سے خوش و مسرور پاؤ گے۔ عبید اللہ جعفی نے عرض کی۔ اس بات میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ جو کچھ حضور فرما رہے ہیں وہ بالکل صحیح اور حق ہے کہ ہر وہ شخص جو آپ کی اطاعت کرے گا اور آپ کے حکم کو مانے گا اُسے جنّت اور حیاتِ جاوید حاصل ہو گی۔ مگر فرزندِ رسولؐ! کوفہ والوں نے تو یہ طے کر لیا ہے کہ وہ آپ کی نصرت نہیں کریں گے اور وہ آپ کے خلاف علمِ مخالفت و عداوت بلند کر چکے ہیں۔ یزید کا لشکر بڑی کثرت کے ساتھ جمع ہو چکا ہے۔ جو حساب و شمار سے بھی باہر ہے۔ (یہ روایت بھی اس امر کی شاہد ہے کہ لشکرِ یزید کی تعداد تیس ہزار نہ تھی بلکہ لاکھوں تک اس کا شمار تھا۔ جیسا کہ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے جسے ہم آئندہ کسی موقع پر تفصیل سے لکھیں گے اور جس میں کہا گیا ہے کہ یزید کے لشکر کی تعداد چھ لاکھ بیس ہزار سواروں اور پیادوں پر مشتمل تھی)

عبید اللہ بن حر نے عرض کی۔ اب اس نتیجہ میں تو کوئی شبہ ہی نہیں رہا کہ حضور کو شکست ہو گی اور ابن زیاد کے لشکر کو لازمی طور پر فتح حاصل ہو گی تو ایسی صورت میں اکیلا میں آپ کی کس طرح نصرت کروں گا اور میری امداد سے آپ کو کیا فائدہ ہو گا۔

اس بنا پر بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے اس خدمت سے معاف کر دیں میری یہ گھوڑی جس کا نام "ملحقہ" ہے اور یہ اسقدر تیز رفتار ہے کہ آج تک کوئی سوار اس کی گرد کو بھی نہ پا سکا اور یہ میری تلوار جو شیر کے دانتوں سے بھی زیادہ تیز اور خونخوار ہے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ ان چیزوں کو قبول فرما کر حضور

مجھے عبرت عطا فرمائیں۔

امام حسین نے فرمایا۔ میں تلوار اور گھوڑے کے حاصل کرنے کے لئے تمہارے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ تم خود میری نصرت کرو اور میری حمایت کی توفیق حاصل کرو تاکہ تمہیں قیامت کے روز اجر عظیم ملے۔ مجھے مال و متاع کی حاجت نہیں ہے بلکہ تمہاری جان کی ضرورت ہے اور اسی کی طلب میں تمہارے پاس آیا ہوں۔

بیشک میں نے اپنے جد رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ جو شخص میرے اہلبیت کی فریاد کو سنے گا اور ان کی مدد نہ کرے گا خدا اس کو منھ کے بھل جہنم میں ڈالدے گا۔ یہ فرماکر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا۔ میں گمراہوں کو اپنا مددگار نہیں بنانا چاہتا" خیمہ سے باہر تشریف لاکر اپنے مقام پر واپس آگئے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ عبید اللہ جعفی عمر بھر اپنی اس حرکت پر بے حد نادم و پشیمان رہا کہ اس نے امام حسین کی نصرت کیوں نہ کی اور اس شرف سے کیوں محروم رہا۔ وہ جب تک زندہ رہا کف افسوس ملتا رہا اور یہ اشعار اکثر پڑھتا رہتا تھا۔

فَيَالَكِ حَسْرَةً مَادُمْتُ حَيًّا ۔ تُرَدَّدُ بَيْنَ صَدْرِي وَالتَّرَاقِي

ہائے وہ حسرت و پشیمانی! جو زندگی بھر میرے سینے (دل) میں باقی رہے گی۔!

حُسَيْنٌ حِيْنَ يَطْلُبُ نَصْرَ مِثْلِي ۔ عَلَى اَهْلِ الْعَدَاوَةِ وَالشِّقَاقِ

امام حسین مجھ جیسے انسان سے اپنے دشمنوں اور باغیوں کے مقابلہ میں نصرت کے طلبگار ہوئے!

مَعَ ابْنِ الْمُصْطَفٰى رُوْحِيْ فِدَاهُ ۔ فَوَيْلِيْ يَوْمَ تَوْدِيْعِ الْفِرَاقِ

کاش میں محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند حسین کے ساتھ رہتا میری روح و جان ان پر فدا ہو جائے۔ ہائے میری بدنصیبی اس دن جب میں ان سے جدا ہو گیا تھا۔!

فَلَوْ اَنِّیْ اُوَاسِیْهِ بِنَفْسِیْ   لَنِلْتُ الْفَوْزَ فِیْ یَوْمِ التَّلَاقِ

اگر میں اُن پر اپنی جان نثار کر دیتا تو یقیناً مجھے قیامت کے دن بڑی کامیابی نصیب ہوتی!

لَقَدْ فَازَ الَّذِیْ نَصَرُوْا حُسَیْنًا   وَخَابَ الْاٰخَرُوْنَ ذَوُو النِّفَاقِ

جس (خوش قسمت) گروہ نے امام حسین کی نصرت کی یقیناً انھیں فوزِ عظیم حاصل ہوا اور جن (بدنصیب) لوگوں نے منافقت سے کام کیا ان کی دُنیا و آخرت دونوں برباد ہوئیں۔ اور وہ گھاٹے میں رہے۔

عُبَیدُاللّٰہ بن الحر الجعفی متوفی ۶۸ھ

خلاصۂ بیان از الاعلام للزرکلی ج ۳/۴ ص ۳۴۶

ان کا پورا نام عُبَیدُاللّٰہ بن الحُر بن عَمرو الجُعفی ہے یہ قبیلۂ بنو سَعد العشیرة سے تھے۔ مشہور بہادر اور نامور سردار تھے۔ باعتبار شرافت و فضیلت اپنی قوم کے بہترین زعماء میں سے تھے عام طور پر انھیں "عثمانی" کہا جاتا ہے۔ حضرت عثمان کی وفات کے بعد یہ معاویہ کے پاس چلے گئے تھے اور "جنگِ صِفّین" میں حضرت علیؑ کے مقابلہ میں مُعاویہ ہی کے ساتھ رہے پھر بعد میں بھی ان کا قیام شام ہی میں رہا یہاں تک کہ حضرت علیؑ شہید ہو گئے اس کے بعد یہ کوفہ میں واپس آ گئے آخر جب وہ وقت آیا کہ ابن زیاد نے امام حسین سے جنگ کی تیاری شروع کی تو یہ کوفہ سے کہیں باہر غائب ہو گئے کیونکہ یہ امام سے جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ سانحۂ کربلا میں یہ ابن سعد کی فوج میں موجود نہ تھے۔ حالانکہ ان کا شمار کوفہ کی نمایاں ترین اور بہادر ترین شخصیتوں میں ہوتا تھا کربلا کے واقعہ کے بعد یہ کوفہ میں واپس آئے تو عُبَیدُاللّٰہ بن زیاد نے ان سے پوچھا کہ تم کیوں اور کہاں غائب ہو گئے تھے؟ پھر انھیں بہت کچھ سخت سُست کہا اور بہت لے دے کی۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ تم خفیہ طور پر حسین بن علی کے ساتھیوں میں تھے اور بھیس بدل کر ہماری

فوج سے جنگ کر رہے تھے۔
انھوں نے کہا۔ ابن زیاد! اگر میں حسینؑ کے ساتھ ہوتا تو کیا لوگ مجھے پہچان نہ سکتے! میری چال، میرا اندازِ جنگ، میرا طور طریقہ ایسا نہیں ہے کہ اہلِ کوفہ مجھے نہ پہچان سکتے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ میں کربلاء میں موجود ہی نہ تھا
اِس تلخ گفتگو کے بعد یہ کوفہ سے پھر باہر چلے گئے اور نہرِ فرات کے کنارے کسی محفوظ جگہ پر رہنے لگے اور اپنے ساتھ ایک مضبوط اور بہادر لڑاکا جماعت بھی رکھی۔ ابن زیاد نے اس کے بعد انھیں بہت مرتبہ بلانے کی کوشش کی مگر یہ اس کے پاس نہیں گئے۔
جب مختار بن ابی عُبَیدَہ ثقفی اور مُصْعَب بن زُبیر کی جنگ چھڑی تو یہ مُصْعَب کی فوج میں چلے گئے تھے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر انھوں نے مُصْعَب کی حمایت کی تھی۔ پھر کچھ حالات کے پیشِ نظر مُصْعَب کو ان سے خوف پیدا ہوا کہ یہ کہیں اس کے خلاف نہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ اس ڈر سے اُس نے انھیں قید کر دیا تھا۔ مگر کچھ لوگوں کی سفارش کے بعد رہا کر دیا اس کے بعد ایک موقع پر مُصْعَب سے ان کی جنگ بھی ہوئی تھی۔
غرض امام حسینؑ نے "قصرِ بنی مُقَاتِل" سے روانہ ہونے سے قبل حُکم دیا کہ تمام برتنوں اور مشکوں میں پانی اچھی طرح بھر لیا جائے جب پانی کا انتظام مکمل ہو گیا تو قافلہ کو چلنے کی ہدایت فرمائی۔ کافی مسافت طے کر کے آپ کا قافلہ "بطنِ عَقَبَہ" پہنچا (عَقَبَہ، مکہ کے راستہ میں ایک منزل کا نام ہے جو "وَاقِصَہ" اور "قَاع" کے درمیان ہے۔) یہاں امام حسینؑ نے قبیلۂ بنو عِکْرِمَہ کے سرداروں میں سے ایک بوڑھے سردار کو دیکھا جس کا نام عمرو بن لُوذَان تھا اس نے آپ کو دیکھتے ہی انتہائی لجاجت کے ساتھ عرض کی میں حضور کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ کوفہ نہ جائیں اور اس

سفر کو ترک کر کے مدینہ واپس چلے جائیں۔ جن ہزارہا آدمیوں نے آپ کو خطوط لکھے ہیں اور آپ کو کوفہ جانے کی دعوت دی۔ اگر وہ آپ کی نصرت وحمایت کرتے اور آپ کی امداد سے پہلو تہی نہ کرتے تو یہ ممکن تھا کہ آپ کا یہ سفر کامیاب ہو سکتا مگر اس وقت جس طرح حالات نے پلٹا کھایا ہے اور جو صورتیں میرے پیش نظر ہیں وہ بہت زیادہ مایوس کرنے والی ہیں اور حالات اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ اب میری یہ رائے ہرگز نہیں کہ آپ ایک قدم بھی اس مقام سے آگے بڑھائیں یہ سُنکر امام حسین نے فرمایا: اے اللہ کے بندے! ایسا نہیں ہے کہ میں ان حالات اور کیفیات سے بے خبر ہوں۔ مجھے اس صورت حال کا پوری طرح علم ہے لیکن اللہ جو کچھ فیصلہ کر دیتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اُس کے فیصلہ اور حکم پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا اور نہ اُس کا فیصلہ کسی کے بدلنے سے بدل سکتا ہے۔ (مطلب یہ تھا کہ اللہ میرے ذریعہ سے اپنے بندوں کی آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے لئے یہی ایک صورت معین ہے کہ میں اتمام حجت کا ذریعہ بنوں، پختہ یقین اور کامل ایمان کا مظاہرہ کروں اور سیرت و کردار اور صبر و استقامت کا ایسا نمونہ پیش کروں جو قیامت تک انسانیت کی رہنمائی کرتا رہے اور اس طرح میں اللہ کی راہ میں عظیم ترین قربانیاں پیش کر کے اُس کے پیغام کی تکمیل کروں اور اسلام کی سچی تصویر دکھا کر قیامت تک کے لئے اُس کی بقا کا انتظام کر دوں اس طرح کی آزمائشیں اللہ کے سچے پرستار ہر دور میں پیش کرتے رہے اور میرے لئے اس آخری دور میں پوری انسانیت کے لئے سچے مومن کی زندگی اور موت کا نمونہ بننا اور بلند ترین مثال کا مظاہرہ کرنا مقدر ہو چکا ہے۔ اس لئے میرا رزم گاہِ کربلا میں جانا ضروری ہے)

آخر میں امام حسین نے فرمایا۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ لوگ کہیں

بھی نہ چھوڑیں گے جبتک گوشت کے اس ٹکڑے (میرے قلب) کو میرے سینے سے نہ نکال لیں گے۔ خواہ میں کوفہ جاؤں یا مکہ اور مدینہ واپس چلا جاؤں اور جب وہ ایسا کریں گے تو خدا اُن پر ایسے شخص کو مُسلّط کرے گا جو اُنھیں بُری طرح ذلیل و خوار کر دے گا اور اسقدر ذلیل کرے گا کہ وہ دُنیا کی بدترین قوموں سے کھبی بہت زیادہ ذلیل و حقیر ہو جائیں گے۔

عَمرو بن لُوذان کو "بُطنِ عَقَبہ" پر چھوڑ کر امام عالی مقام آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ آپ منزل "شراف" پہنچے ("شَرافُ" مقام وَاقِصَہ اور قَرعاد کے درمیان کوفہ سے مکہ کے راستہ میں ہے شَراف اور واقصہ کے مابین دو میل کی مسافت ہے۔ "اُحُد" سے شراف آٹھ میل پر واقع ہے۔ یہاں پانی کے بڑے بڑے کنویں حوض اور ذخائر تھے اور پانی بھی بہت شیریں تھا۔)

اِس منزل پر پہونچ کر خیمے لگائے گئے اور شب وہیں گذاری گئی جب صبح ہوئی تو امام حسین نے حکم دیا کہ جسقدر ممکن ہو یہاں سے پانی بھر لیا جائے چنانچہ تمام برتنوں اور مشکوں میں اچھی طرح پانی بھر لیا گیا اس کے بعد قافلہ تیار ہوا اور قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔

چلتے چلتے دوپہر ہو گئی۔ قیامت کی گرمی۔ بدن جھلسا دینے والی گرم ہوا کے تھپیڑے، کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے صحرا حدنگاہ تک تنور کی طرح بھڑک رہا ہو۔ اسی حالت میں قافلہ رواں دواں تھا کہ یکایک امامؑ کے ساتھیوں میں سے کسی نے تکبیر کہی "اللہ اکبر" آپ نے فرمایا۔ بیشک اللہ سب سے بڑا ہے، اُس سے بڑا تو کوئی بھی نہیں! مگر ہر بات کا ایک خاص موقع ہوتا ہے۔ تم نے یہاں تکبیر کیوں کہی؟ تم نے کیا عجیب چیز دیکھی!

تکبیر کہنے والے نے عرض کی۔ فرزند رسولؐ! مجھے دور پر ایک باغ نظر آرہا ہے کھجور کا اور یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس ریتیلے

بے آب و گیاہ اور چٹیل میدان میں جہاں دور دور تک سبزہ اور پانی کا تصور بھی ممکن نہیں اور لق و دق صحرا چاروں طرف میلوں پھیلا ہوا ہے، نخلستان اور کھجور کے خوشنما اور ہرے بھرے درخت موجود ہوں اسی لئے تو میں نے بے تحاشا تکبیر کہی۔ حضور! یہ تو بس اللہ کی قدرت کا نشان ہے۔ کچھ دوسرے ساتھیوں نے بھی اس کی تائید کی کہ یہ نخلستان ہی ہے اور اب ہم اس گرمی سے جلد نجات پا جائیں گے۔ امام عالی مقام نے فرمایا۔ تم لوگ جلدی فیصلہ نہ کرو۔ ذرا پھر غور سے دیکھو اس صحرائی اور ریگستانی خطّہ میں نخلستان کا کہیں وجود نہیں ہے۔ اس کے بعد جب دوبارہ سب نے ملکر خوب غور سے نظر دوڑائی تو کہنے لگے۔ نہیں فرزند رسولؐ! ہرگز نہیں! یہ نخلستان نہیں بلکہ کوئی فوج آرہی ہے۔ اور یہ کھجور کی شاخیں نہیں بلکہ نیزے اور برچھیاں ہیں اور ہمیں تو گھوڑوں اور اونٹوں کے منھ بھی دکھائی دے رہے ہیں جن پر مسلّح سپاہی بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سنکر امام حسین نے فرمایا۔ خدا گواہ ہے کہ تم لوگ سچ کہتے ہو۔ یہ کھجور کا باغ نہیں بلکہ ایک لشکر آرہا ہے۔ اس کے بعد پوچھا۔ کیا یہاں نزدیک کوئی پناہ کی جگہ ہے؟ جہاں ہم لوگ پناہ لے سکیں اور اس کو اپنی پشت کی طرف قرار دے کر سامنے سے دشمن کا مقابلہ کریں ورنہ اگر ہم یہیں رک گئے تو یہ لوگ ہم کو چاروں طرف سے گھیر لیں گے اصحاب و انصار نے عرض کی۔ یہاں سے ایک مقام بہت ہی قریب ہے جس کا نام "ذوحسُب" ہے۔ یہ دیکھئے ہمارے بائیں طرف وہ نظر آرہا ہے۔ وہاں پناہ لینے کا بڑا اچھا اور مناسب موقع ہوگا۔ یہ سنتے ہی آپ نے اسی سمت میں گھوڑے کا رُخ موڑ دیا۔ (بہت سے مورخوں نے اس مقام کا نام "ذوحُسُب" ہی لکھا ہے لیکن بعض نے جیسے صاحب ثمرات الاعواد اور ابصار العین نے اس کا نام "ذوحُسُم" لکھا ہے جو "ذوحسَم" بھی پڑھا جاتا ہے۔

صحاح جوہری) غرض امام حسین علیہ السلام، مقام "ذوخشب"، یا ذوحسم کی طرف روانہ ہو گئے اور آنے والے لشکر سے پہلے ہی وہاں پہونچ گئے پھر ذرا سی دیر میں دشمن کا مقدمۃ الجیش بھی آ پہونچا۔ سپاہی پوری طرح مسلح اور اسلحہ میں غرق تھے۔ اُن کے نیزوں کی انیاں شرخ سانپ سے بھی زیادہ زہریلی اور بدن کو تیزی سے پھاڑ دینے والی تھیں اور اُن کے کالے پرچموں کے پھریرے غُراب اسود سے زیادہ پرواز کرنے والے تھے۔ امام کا قافلہ بڑی پھرتی کے ساتھ شاہراہ کو چھوڑ کر قریبی راستوں سے وہاں پہونچ چکا تھا وہاں پہنچتے ہی خیموں کو فوراً جنگی ترتیب کے ساتھ نصب کر دیا گیا اور آپ کے انصار یاوفا دفاع کے لئے پوری طرح آمادہ ہو گئے۔

مختصر یہ کہ پہلے تو دشمن کا مقدمۃ الجیش آیا پھر ذرا دیر میں حُر بن یزید ریاحی بنو تمیم کے ایک ہزار مسلح جنگجو سپاہیوں کے ساتھ آ گئے۔ حُر کا لشکر سر سے پیروں تک لوہے میں چھپا ہوا تھا "ذوحُسم" پہونچکر اُنھوں نے بھی اپنے خیمے نصب کر دئیے۔ ("ذوحسم ایک پہاڑ کو کہتے ہیں جو کوفہ کے نسبتاً قریب تر مکہ کے راستہ میں ہے۔ یہاں نعمان بن مُنذر مشہور عربی بادشاہ کی شکار گاہ تھی۔)

اِدھر امام حسین کے تمام انصار بھی پوری طرح مسلح اور جنگ پر تیار تھے جب سورج نصف النہار پر آ گیا تو گرمی کی شدت اور بڑھ گئی اور ہر طرف آگ سی برسنے لگی۔ امام حسین کے ساتھ پانی کی کوئی کمی نہ تھی مگر حُر کے لشکر میں پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ تھا۔ سپاہی اور جانور پیاس سے جاں بلب تھے اور شدتِ عطش موت بنکر سب کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ یہ حال دیکھکر ساقیٔ کوثر کے فرزند امام حسین ضبط نہ کر سکے اور فوراً اصحاب باوفا کو حکم دیا کہ جلدی سے لشکر تک پانی پہنچا دو اور اچھی طرح سب آدمیوں اور جانوروں کو سیراب کر دو۔ اس کے ساتھ ہی اِن کے برتنوں اور مشکوں میں بھی پانی بھر دو پھر

جب تمام سپاہی سیراب ہو چکے اور نوبت اونٹوں اور گھوڑوں کی آئی تو اصحاب نے ہر ایک جانور کو بھی خوب اچھی طرح سیراب کر دیا
علی بن الطعان المحاربی بیان کرتا ہے کہ میں بھی حر بن یزید ریاحی کی فوج میں تھا مگر کچھ پیچھے رہ گیا تھا اور اس وقت پہونچا جب سب لوگ پانی پی چکے تھے۔ دفعتہ امام حسینؑ کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی اور جب انھوں نے میری پیاس اور میرے گھوڑے کی تشنگی کا حال ملاحظہ فرمایا تو مجھے خطاب کر کے حکم دیا۔ "انخ الراویۃ" اس اونٹ کو جس پر پانی کی مشکیں لدی ہوئی ہیں بٹھالو" چونکہ میرے خطہ کی عربی زبان میں "راویۃ" کا لفظ خود مشک کے لئے بولا جاتا تھا اس وجہ سے میں حجاز کے محاورہ کو سمجھ نہ سکا اور سوچتا رہا کہ امام حسین کیا فرما رہے ہیں۔ ! میری اس پریشانی کو دیکھکر انھوں نے دوبارہ فرمایا یا بن الاخ "انخ الجمل" اے بھتیجے! اونٹ کو بٹھالو۔! پھر مشک سے پانی لے کر پی لو! یہ سنتے ہی میں نے اونٹ کو زمین پر بٹھا دیا اور پانی پینے کی کوشش کرتا رہا مگر کسی طرح مجھ سے پانی نہیں پیا جا رہا تھا اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح پانی پیوں۔ جب مشک سے پانی پینے کی کوشش کرتا تھا پانی گر جاتا تھا اور میں پیاسا رہ جاتا تھا۔
یہ دیکھکر امام حسینؑ نے پھر فرمایا۔ "اُخنث السقاء" میں اس مرتبہ بھی اُن کا مطلب نہ سمجھ سکا تو امام حسینؑ خود ہی اُٹھے اور مشک کے دہانے کو میری طرف جھکا دیا جس کے بعد میں خود بھی سیراب ہو گیا اور میرے گھوڑے نے بھی خوب اچھی طرح پانی پی لیا۔ پانی پلانے سے فراغت کے بعد نماز کا وقت آگیا۔ امام حسینؑ نے حجاج بن مسروق کو حکم دیا کہ اذان کہیں پھر جب اقامت کا وقت آیا تو آپ نے اپنی عبا دوش پر ڈالی اور نماز ظہر پڑھانے کے لئے اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے۔
اقامت شروع ہونے سے قبل آپ نے مجمع کے سامنے مختصر سا خطاب فرمایا (ترجمہ) اے مسلمانو! میں یہاں خود اپنی خواہش سے نہیں

آیا ہوں بلکہ اہل کوفہ نے میری طلبی کے لئے ہزارہا خطوط بھیجے اور مختلف وفود بھی روانہ کئے تھے اور درخواست کی تھی کہ یہاں ہمارا کوئی امام موجود نہیں ہے جو ہمیں ہدایت کرے اس لئے آپ جلد تشریف لے آئیے تاکہ خدا آپ کے ذریعہ سے ہمیں راہ ہدایت و حق پر جمع ہونے کی توفیق عطا کرے تو پھر اگر تم اہل کوفہ اپنے عہد و قرار پر باقی ہو تو جو تم نے وعدے کئے ہیں انھیں پورا کرو۔ اور میری نصرت و مدد کے فرض کو انجام دو۔ اور اگر تم اس عہد سے پھر چکے ہو اور کوفہ میں میری آمد کو پسند نہیں کرتے تو مجھے وہاں جانے کی کوئی خواہش نہیں اور میں مدینہ کی طرف واپس ہونے کے لئے بالکل تیار ہوں۔"

حر کے لشکر نے امام کی پوری تقریر سنی مگر کوئی جواب نہ دیا پھر جب حرؑ امام حسین کے سامنے آئے تو سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب سلام دیا اور پوچھا تم کون ہو۔ انھوں نے جواب دیا۔ میں کوفہ سے آیا ہوں اور میرا نام حرؑ بن یزید ریاحی ہے۔

امام نے پھر پوچھا۔ کیا تم میری نصرت کے لئے آئے ہو یا مجھ سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہو۔ اور میرے خلاف ہو۔

حرؑ نے عرض کی۔ فرزند رسولؐ! بھیجا گیا تو مجھے اسی لئے ہے کہ میں آپ سے جنگ کروں لیکن میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ قیامت کے دن مجھ کو قبر سے اس طرح اٹھایا جائے کہ میری پیشانی کے بال پشت کی طرف سے میرے پیروں سے بندھے ہوئے ہوں، میرے ہاتھ پس گردن سے باندھ دئیے گئے ہوں اور اس کے بعد منھ کے بھل مجھے جہنم میں جھونک دیا جائے۔ یہ کہکر حرؑ نے پھر سوال کیا کہ فرزند رسولؐ! آپ کہاں جانا چاہتے ہیں! آپ یقیناً قتل کر دئیے جائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ حرم رسولؐ (مدینہ) کی طرف واپس چلے جائیے۔ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ امام حسینؑ نے اپنے فرزند حضرت علیؑ اکبر کو حکم دیا کہ نماز کے لئے اقامت کہو۔ پھر حرؑ سے فرمایا۔ اگر تم چاہو تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ علیحدہ

نماز ادا کرو۔ مگر حُر نے عرض کی۔ نہیں ایسا نہ ہوگا ہم سب آپ ہی کی اقتدا
میں نماز پڑھیں گے۔ غرض دونوں گروہوں نے امام حسین ہی کی اقتداء
میں نماز ادا کی۔ نماز کے بعد حُر اپنے خیمہ میں چلے گئے۔ امام عالیمقام
کے پاس آپ کے ساتھیوں کا ہجوم تھا اور اُدھر لشکر حُر نے بھی اپنی
صفیں درست کر رکھی تھیں۔ ہر سپاہی اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے
اُسی کے سایہ میں منتظر بیٹھا تھا کہ دیکھیں آخری فیصلہ کیا ہوتا ہے!
اس کے بعد نمازِ عصر دونوں جماعتوں نے نماز ظہر کی طرح امامؑ ہی کی اقتداء
میں پڑھی۔ جب عصر کی نماز بھی تمام ہوگئی تو امام نے لوگوں سے خطاب
فرمایا۔ اے لوگو! اگر تم اللہ کا خوف کرو اور حق کی معرفت حاصل کرلو
تو اس سے بہتر رضائے خداوندی کے حصول کا کوئی اور ذریعہ نہیں
ہو سکتا۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم اہلبیت رسولؐ اس بات
کے اصلی حقدار ہیں کہ ہماری اطاعت کی جائے نہ کہ ان لوگوں کی جو مسلمانوں
کی امامت و قیادت کا کوئی حق نہیں رکھتے اور انھوں نے امّت
مُسلمہ پر ظلم و جور کی انتہا کر دی ہے لیکن اگر تم باطل کا ساتھ چھوڑنا
نہیں چاہتے اور حق و دیانت کے راستہ پر چلنا پسند نہیں کرتے اور
اب تمہاری رائے اپنی اُس رائے کے خلاف ہے جس کا ذکر تم نے
اپنے خطوط میں کیا تھا جو میرے پاس تم نے بھیجے تھے اور جس کا اظہار
اُن لوگوں نے میرے سامنے کیا تھا جنہیں تم نے مختلف وفدوں کی
شکل میں روانہ کیا تھا تو پھر مجھے تمہارے پاس رہنے کی کیا ضرورت ہے
میں فوراً واپس چلا جاؤں گا۔

امام کی یہ تقریر سُنکر حُر نے عرض کی۔ خدا کی قسم مجھے اُن خطوط
کا کوئی علم نہیں ہے، یہ سُنتے ہی امام نے عُقبہ بن سمعان کو حکم
دیا۔ "اَخرِج الخُرجَین الذَین فیھما کُتُبُکُم اِلَیَّ"، وہ دونوں
بڑے تھیلے لاکر کھولو جن میں اہل کوفہ کے خطوط بھرے ہوئے ہیں
(فارسی زبان میں ایک تھیلے کو "خورجین" کہتے ہیں اور "خرجین"

بھی کہتے ہیں۔ لیکن عربی میں واحد کے لئے "خُرْجُ" بولتے ہیں۔ یہاں عربی کے لحاظ سے تثنیہ کا صیغہ بولا گیا ہے) خطوط دیکھکر حُرؒ نے کہا۔ میرا ان خطوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ مجھے ان کی خبر ہے۔ مجھے تو عبیداللہ بن زیاد گورنر کوفہ نے حکم دیا ہے کہ جہاں بھی آپ مجھے ملیں، آپ کی نگرانی کروں اور آپ کے ساتھ ساتھ رہوں اور کسی حال میں بھی الگ نہ ہوں یہاں تک کہ آپ کوفہ میں پہنچ جائیں پھر آپ کو دربار ابن زیاد میں لے جاؤں۔ یہ انتہائی اشتعال انگیز گفتگو سُنکر امام حسینؑ نے فرمایا۔ اَلْمَوْتُ اَدْنٰی اِلَیْکَ مِنْ ذٰلِکَ ثُمَّ قَالَ لِاَصْحَابِہٖ قُوْمُوْا فَارْکَبُوْا "تم نے جس کام کا ارادہ اور جرارت کی ہے اُس سے بہت زیادہ آسان تمہارے لئے موت ہے یعنی تم میں یہ طاقت کہاں کہ تم اس شر انگیز حکم کی تعمیل کرسکو اور زندہ بھی رہ سکو۔ پھر اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اٹھو اور سواریوں پر سوار ہو جاؤ۔ بس اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے" حکم امامؑ کی دیر تھی بس حکم ملتے ہی اصحاب بادفا سوار ہو کر روانگی کے لئے تیار ہو گئے، محملوں میں عورتیں اور بچے بھی بیٹھ گئے۔

اس طرح آپ نے مدینہ کی طرف رُخ کیا اور روانگی شروع ہو گئی۔ یہ دیکھکر حرؒ کا لشکر دوڑا اور قافلۂ حسینی کے سامنے راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ امامؑ نے حرؒ کو سختی کے ساتھ ڈانٹا۔ حرؒ نے ادب سے عرض کی۔ میں آپ کی کسی طرح سے بھی توہین نہیں کرسکتا اور نہ آپ پر سختی کرنے کی جرارت کرسکتا ہوں!

امام حسینؑ نے فرمایا۔ حرؒ! تم پھر چاہتے کیا ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ میری کوشش صرف یہ ہے کہ آپ ابن زیاد کے پاس چلیں۔ آپ نے فرمایا:- یہ تو کسی طرح بھی ممکن نہ ہوگا۔ حرؒ نے جواب دیا تو پھر میں بھی آپ کے ساتھ ہی رہوں گا اور آپ کو مدینہ نہیں جانے دوں گا۔ تین بار اس گفتگو کی تکرار امام حسینؑ اور حرؒ

کے درمیان ہوئی۔ آخر جب بات بہت بڑھنے لگی تو امامؑ نے فرمایا بہتر تو یہ ہے کہ میں اور تم اے حُر! اپنی اپنی جماعتوں سے الگ ہٹ کر جنگ کر لیں۔ یا میں تمھیں قتل کر دوں گا یا تم مجھے، اس طرح معاملہ ختم ہو جائے گا۔ حُر نے عرض کی، مجھے آپ سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بس وہی حکم دیا گیا ہے جو میں نے بیان کر دیا۔ اور اگر آپ کو وہاں جانا پسند نہیں ہے تو پھر آپ کسی ایسی سمت میں جا سکتے ہیں جو کوفہ کی طرف نہ ہو اور نہ مدینہ کی جانب ہو۔ جب آپ اس پر اپنی رضامندی ظاہر کریں گے تو میں عبیداللہ بن زیاد کو لکھوں گا اور معلوم کروں گا کہ اب اُنکا کیا حُکم ہے۔ کیونکہ اب تک تو اُن کا حُکم یہی تھا کہ آپ کو مدینہ واپس نہ جانے دیا جائے اور نہ کوفہ کی طرف سفر کرنے کی آزادی اور اجازت دی جائے بلکہ آپ کو گرفتار کر لیا جائے دیکھتا ہوں کہ اس نئی تجویز پر ابن زیاد کا کیا ردِّ عمل ہوتا ہے ممکن ہے کہ میں اس ذہنی اُلجھن اور پریشانی سے نجات پا جاؤں اگر وہ میری اس بات کو مان جائے۔ نیز آپ کی خدمت میں جسارت کے گناہ سے محفوظ رہ سکوں۔

سپہر کاشانی نے "نور العین" کے حوالہ سے لکھا ہے۔

حضرت سکینہؑ بنت الحسینؑ فرماتی ہیں:۔ میں اپنے خیمہ کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ دفعتہً میں نے رونے کا ایک شور سُنا مگر میں نے یہ نہ چاہا کہ اس کی خبر میں اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کو بھی دے دوں، ایسا نہ ہو کہ وہ سب گھبرا جائیں ستو رہ سُنتے ہی میں فوراً اپنے بابا کی خدمت میں آئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ آبدیدہ اور رو رہے ہیں۔ اور اپنے اصحاب و انصار سے فرما رہے ہیں۔

(ترجمہ) اے میری قوم اور میرے ساتھیو! جب تم نے میرے ساتھ سفر اختیار کیا تھا تو تم یہ سمجھتے تھے کہ میں ایک ایسی قوم کی

جانب جا رہا ہوں جس نے اپنی زبانوں اور دلوں کے ساتھ میری بیعت کی ہے اور ہر قدم پر اور ہر صورت میں وہ لوگ میری نصرت کریں گے اور میرا ساتھ دیں گے۔ مگر یہاں تو صورت حال اب بالکل اس کے برعکس ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اہل کوفہ پر شیطان کا پورا تسلّط ہو چکا ہے اور اس نے ان لوگوں کو اللہ کی یاد اور اُس کے اقتدار کے تصور سے بالکل غافل بنا دیا ہے۔ اَب تو اُن کا واحد مقصد صرف یہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں اور جو لوگ میری حمایت کریں ان کو بھی قتل کریں اور میرا تمام اُثاثہ اور سامان لوٹ کر میرے اہل حرم کو بھی قیدی بنائیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ اس صورت حال سے بے خبر ہو یا اگر با خبر ہو تو میرے ساتھ سے الگ ہونے میں کچھ حیا و شرم اور ہچکچاہٹ محسوس کر رہے ہو۔ ہم اہلبیت رسولؐ کے لئے یہ بات ممکن نہیں ہے کہ ہم کسی کو دھوکا دیں یا دھوکے میں مبتلا رکھیں اس لئے میں نے تمہارے سامنے یہ کھلی ہوئی حقیقت رکھدی ہے۔ تاکہ تم لوگ کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں نہ رہو۔ جب حالات یہ ہیں تو اب تم میں سے جو شخص بھی چاہے وہ بڑی خوشی سے میرا ساتھ چھوڑ کر اپنے گھر جا سکتا ہے اور اس آفت و مُصیبت سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ یہ رات کا وقت ہے۔ کسی کو خبر بھی نہ ہو گی کہ کون کہاں چلا گیا۔ اور ابھی تک واپسی کے راستہ میں بھی کوئی خطرہ موجود نہیں ہے۔ دن بھی نہیں ہے کہ گرمی کی تکلیف ہو یا کسی کی نظر پڑ جائے۔ غرض میری پوری طرح اجازت ہے اور واپس جانے کے لئے ہر قسم کی آسانیاں موجود ہیں، تم میں سے جو بھی واپس ہونا چاہے بڑی خوشی اور پوری آزادی کے ساتھ جا سکتا ہے لیکن اگر تم میں سے کوئی میرے ساتھ ہی چلنا چاہے، ان خراب حالات اور ناامیدی و مایوسی کے باوجود تو وہ یقیناً جنّت میں ہمارے ساتھ رہے گا۔ اور اللہ کے غضب

جانب جا رہا ہوں جن نے اپنی زبانوں اور دلوں کے ساتھ میری بیعت کی ہے اور ہر قدم پر اور ہر صورت میں وہ لوگ میری نصرت کریں گے اور میرا ساتھ دیں گے۔ مگر یہاں تو صورت حال اب بالکل اس کے برعکس ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اہل کوفہ پر شیطان کا پورا تسلط ہو چکا ہے اور اس نے ان لوگوں کو اللہ کی یاد اور اس کے اقتدار کے تصور سے بالکل غافل بنا دیا ہے۔ اب تو ان کا واحد مقصد صرف یہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں اور جو لوگ میری حمایت کریں ان کو بھی قتل کریں اور میرا تمام اثاثہ اور سامان لوٹ کر میرے اہل حرم کو بھی قیدی بنائیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ اس صورت حال سے بے خبر ہو یا اگر باخبر ہو تو میرے ساتھ سے الگ ہونے میں کچھ حیا و شرم اور ہچکچاہٹ محسوس کر رہے ہو۔ ہم اہلبیت رسولؐ کے لئے یہ بات ممکن نہیں ہے کہ ہم کسی کو دھوکا دیں یا دھوکے میں مبتلا رکھیں اس لئے میں نے تمہارے سامنے یہ کھلی ہوئی حقیقت رکھدی ہے۔ تاکہ تم لوگ کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں نہ رہو۔ جب حالات یہ ہیں تو اب تم میں سے جو شخص بھی چاہے وہ بڑی خوشی سے میرا ساتھ چھوڑ کر اپنے گھر جا سکتا ہے اور اس آفت و مصیبت سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ یہ رات کا وقت ہے۔ کسی کو خبر بھی نہ ہو گی کہ کون کہاں چلا گیا۔ اور ابھی تک واپسی کے راستہ میں بھی کوئی خطرہ موجود نہیں ہے۔ دن بھی نہیں ہے کہ گرمی کی تکلیف ہو یا کسی کی نظر پڑ جائے۔ غرض میری پوری طرح اجازت ہے اور واپس جانے کے لئے ہر قسم کی آسانیاں موجود ہیں، تم میں سے جو بھی واپس ہونا چاہے بڑی خوشی اور پوری آزادی کے ساتھ جا سکتا ہے لیکن اگر تم میں سے کوئی میرے ساتھ ہی چلنا چاہے، ان خراب حالات اور ناامیدی و مایوسی کے باوجود تو وہ یقیناً جنت میں ہمارے ساتھ رہے گا۔ اور اللہ کے غضب

سے محفوظ ہوگا۔ بیشک میرے جد رسول اللہؐ کا یہ ارشاد ہے۔ میرا فرزند حسینؑ اطف کربلا میں شہادت کے درجہ پہ فائز ہوگا وہ مسافرت کی حالت میں ہوگا! اور پیاسا ہوگا! جو شخص اس کی نصرت کرے گا یقیناً وہ میرا نصرت کرنے والا ہے۔ اور یقیناً اس کا شمار قائمِ آلِ محمدؐ کے ناصروں میں بھی ہے۔ پھر اگر کسی نے میرے فرزند حسینؑ کی صرف زبان ہی سے نصرت کی تو وہ بھی قیامت کے روز ہمارے حزب اور ہمارے گروہ میں شامل ہوگا۔"

حضرت سکینہ کہتی ہیں:۔ جب میرے بابا کی تقریر یہاں تک پہنچی لوگ ادھر اُدھر سے اُٹھنے لگے اور تقریباً ستّر ساتھی باقی رہ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے اپنے بابا کے چہرہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنا شروع کیا اور روتے روتے میرے گلے میں پھندا پڑ گیا۔ پھر تو مجھ سے بات بھی نہیں کی جاتی تھی لیکن اسکے باوجود میں نے یہ نہ چاہا کہ میرے رونے کی آواز میرے بابا سن لیں یا کسی اور گھر والے کو خبر ہو جائے اس لئے میں نے آسمان کیطرف رُخ کیا اور خدا سے فریاد کی!

اے میرے اللہ! ان لوگوں نے بیوفائی کی ہے اور ہمارا ساتھ چھوڑ دیا، اس کی سزا میں تو بھی ان سے اپنی رحمت کو سلب کر لے۔ ان کی کوئی دُعا قبول نہ فرما، انھیں تیری زمین میں رہنے کی کوئی جگہ نہ مل سکے۔ انھیں کبھی کوئی عزّت حاصل نہ ہو۔ ان پر فقیری، اور محتاجی و تنگدستی کو مسلط کر دے اور زندگی بھر یہ بھیک مانگتے رہیں۔ یہاں تک کہ یہ اپنی قبروں میں پہونچ جائیں۔ اور قیامت کے دن ہمارے نانا محمد مصطفےٰؐ کی شفاعت انھیں ہرگز نصیب نہ ہو۔ اے اللہ تو اپنے رسولؐ کے نواسہ کی اس کمسن بیٹی کی دعا قبول فرما!

حضرت سکینہؑ کہتی ہیں:۔ میں اس کے بعد وہاں سے نکلی

آنسوؤں سے میرا چہرہ تر تھا اور وہ میرے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ میری پھوپھی حضرت اُمّ کلثوم نے جب میرا یہ حال دیکھا تو مجھ سے پوچھا۔ بیٹی سکینہ! کیوں یہ تم کیوں پریشان ہو! کیوں رو رہی ہو! میں نے سارا واقعہ ان سے عرض کر دیا۔ بس یہ سنتے ہی انھوں نے ایک چیخ ماری اور رو رو کر فریاد کرنے لگیں واجدّاہ، واعلیّاہ، واحسناہ، واحُسیناہ، واقلّۃ ناصراہ، اَینَ الخلاصُ من الاعداء!

ہائے میرے نانا رسول اللّٰہ، ہائے میرے بابا علیؑ مرتضیٰ، ہائے میرے بھائی حسنؑ مجتبیٰ، ہائے میرے بھائی حسینؑ مظلوم، ہائے میرے بھائی حسینؑ کے مددگاروں کی کمی! اب ان دشمنوں سے ہمیں بچاؤ نہیں مل سکتا۔

حضرت اُمّ کلثوم کی آواز سنتے ہی تمام مخدّرات رونے لگیں اور ہر خیمہ میں گریہ و بکا کا شور بلند ہو گیا۔ اس شور کی آواز میرے بابا نے بھی سنی تو وہ فوراً ہمارے خیمے میں تشریف لائے، وہ خود بھی آبدیدہ تھے اور آنسو رخسار ہائے مبارک پر بہہ رہے تھے۔

خیمہ میں آکر دریافت کیا، تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟ میری پھوپھی حضرت اُمّ کلثوم نے عرض کی:۔ اَخی! رُدّنا الیٰ حرمِ جدّنا۔ میرے بھیّا! ہمارے نانا کے روضہ پر ہمیں پہنچا دیجئے۔ میرے بابا نے جواب دیا۔ اے میری بہن! اب تو اس کی کوئی صورت ممکن نہیں رہی! تم نے دیکھا نہیں! کل مجھے حرؑ نے مدینہ کی طرف واپس ہونے سے کس طرح روکا تھا۔ پھوپھی نے عرض کی:۔ جی ہاں میرے بھائی! دیکھا تو تھا میں نے، مگر ایک مرتبہ پھر ان لوگوں کو آپ اپنے جد رسول اللّٰہؐ کی حرمت و عزت یاد دلائیے، اپنے بابا علی مرتضیٰ کا مرتبہ بتا دیجئے، اپنی مادرِ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ اور اپنے بھائی امام حسنؑ کی شان و عظمت بیان کیجئے۔ شاید یہ لوگ راستہ

دیدیں اور ہم مدینہ واپس ہو سکیں۔ (ہم سب اس بات سے پوری طرح
واقف ہیں کہ حضرت اُمِّ کلثوم بنتِ علیؑ بھی مصائب اور تکلیفوں
سے گھبرانے والی نہ تھیں پھر خصوصیت کے ساتھ دینِ حق اور
اللہ کی راہ میں انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ انھیں کربلا کی قربانیوں
میں شرکت کرنا ہے جبکہ اہلبیتؑ کرام کا بچہ بچہ اس حقیقت
کو پوری طرح جانتا تھا تو حضرت اُمِّ کلثومؑ بھی خوب واقف
تھیں کہ انھیں امام حسینؑ کے ساتھ کربلا جانا ہے اور بھائی
کی شہادت کے بعد اسیری اور دوسری روح فرسا تکلیفیں
بھی برداشت کرنا ہوں گی۔

غرض ایک طرف تو یہ تمام حضرات ان حقائق سے آگاہ تھے مگر
ساتھ ہی انھیں بشری فطرت کے تقاضوں کو بھی پورا کرنا تھا
اور اُن کی نمائندگی بھی کرنا تھی اس لئے اس بشری فطرت
کے اظہار کے لئے بھائی کی خدمت میں عرض کی تھی کہ ہمیں
نانا رسول اللہؐ کے روضہ پر پہنچا دیجئے۔ خود امام حسینؑ نے
بھی اسی بشری فطرت کی مختلف موقعوں پر نمائندگی کی جبکہ
وہ شہادت کے رموز و حقائق اور اپنے فرائضِ امامت سے
بخوبی واقف تھے۔ اس بنا پر اس قسم کے واقعات کو پڑھ کر
جو ان حضرات سے وقوع میں آئے کسی شخص کو بھی غلط فہمی کا شکار
نہیں ہونا چاہئے بلکہ اُس رُخ کو سامنے رکھنا چاہئے جسے
ابھی ہم نے پیش کیا ہے۔ حقائق کے بھرپور علم کے باوجود انبیاءؑ
و مرسلینؑ اور ائمۂ ھدیٰؑ کی زندگی بشریت کے معتدل
اور غلطی و کجروی سے پاک اقدار اور تقاضوں کی نمائندگی
بھی کرتی ہے۔ اور وہ عام حالاتِ زندگی میں ——
—— Super Natural نہیں ہوا کرتی۔ اسی میزان نظر
پر ائمہ کرام کے عموماً اور امام حسین علیہ السلام کے خصوصاً حالات کو تولنا چاہیئے۔

امام حسینؑ نے اُمِ کلثوم کی تمام باتیں سُنیں اور فرمایا۔ میں نے ان لوگوں کو اچھی طرح سمجھانے کی کوشش کی اور ہر ممکن طریقہ سے نصیحت کی ہے۔ لیکن یہ تو اب میری بات سُنتے ہی نہیں! اور اب اے بہن! مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ وہ لوگ مجھے قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر چکے ہیں اور مجھے زمین پر کشتہ پڑا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ اور کچھ نہیں چاہتے۔ پھر فرمایا:۔ اے اُمِّ کلثوم! میں اب تم کو اور دوسری تمام خواتین کو وصیّت کرتا ہوں کہ تم سب ہمیشہ دل میں خُدا کا خوف رکھو، مصیبتوں پر صبر کرنا اور بلاؤں سے کبھی گھبرانا نہیں۔ اے بہن! میرے نانا رسول اللہؐ اس مصیبت اور اس حادثہ کی خبر پہلے ہی دے چکے ہیں اور جو کچھ وہ فرما چکے ہیں اُس کے خلاف ہرگز وقوع میں نہیں آئے گا اور اب میں تم سب کو اُس اللہ کے سپرد کرتا ہوں جو قوی و مقتدر ہے۔ وہ اگر کسی چیز کی پردہ پوشی کرتا ہے تو کائنات کی کوئی طاقت بھی اُس کو ظاہر اور فاش نہیں کر سکتی۔

(اس روایت میں بھی امام حسینؑ کی ایک تقریر کے موقع پر حضرت سکینہ کے متعلق تذکرہ ہوا ہے کہ اُنھوں نے بعض لوگوں کو اِدھر اُدھر اُٹھتے اور امام حسینؑ کا ساتھ چھوڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہم نے اس قسم کے ابن الوقت اور موقع و مفاد پرست لوگوں نیز دشمن کے جاسوسوں کے متعلق جو اس سے قبل تبصرہ کیا ہے۔ اس روایت کو بھی اُسی کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے، دُنیا کی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

خود سرورِ کائناتؐ کے ساتھ بھی عبداللہ بن اُبیّ جیسے مشہور منافقین موجود تھے جن کے حالات سے قرآنِ پاک کا سورۂ منافقون بھرا ہوا ہے۔ اور قرآن کی دوسری جگہوں پر بھی ان مفاد پرستوں اور منافقوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اس لیئے امام حسینؑ کے ساتھ

بھی اگر ایسا ہوا تو کیا تعجب ہے۔ البتّہ جو سچّے اور پکّے ساتھی تھے وہ کسی حال میں بھی جُدا نہ ہوئے۔ اور امام کا مقصد بھی یہ تھا کہ ان تقریروں کو سُنکر کھرے اور کھوٹے الگ ہو جائیں۔

دوسری اہم بات جو ان واقعات اور امام کی تقریروں اور طرزِ عمل سے پوری طرح ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کو حصُولِ سلطنت کی ذرّہ برابر خواہش نہ تھی اور آپ کا یہ سفر صرف احقاقِ حق اور ابطالِ باطل اور محض اتمامِ حجّت کے لئے تھا ورنہ وہ ہلاکت خیز نتائج کو پوری طرح جانتے ہوئے کوفہ کا کس طرح ارادہ کر سکتے تھے جبکہ کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس نے آپ کے اس سفر کی مخالفت نہ کی ہو۔ اور بالاتفاق ہر شخص نے یہی رائے دی کہ آپ وہاں کا سفر نہ کریں۔

یہ اس حقیقت کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ آپ کا مقصد حصُولِ اقتدار نہ تھا اور یہ سفر سیاسی اور ملکی مصالح پر مبنی نہ تھا بلکہ آپکی غرض خالص دینی تھی۔ رہا یہ امر کہ بعض اوقات امام ؑ نے پریشانی کا اظہار فرمایا تو یہ وہی بشری اقدار اور انسانی فطری تقاضوں کا مظاہرہ تھا جسکی طرف ہم اس سے پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ اس قسم کے بشری تقاضوں کے مظاہرے رسُولِ اسلام اور دوسرے انبیاء ؑ و مرسلین کی زندگیوں میں نمایاں طور پر ملتے ہیں۔) بالآخر جب امام حسین کو حُر کے لشکر نے مدینہ کی طرف پلٹنے سے روک دیا تو آپ نے وہیں یعنی منزل ذوحسم میں رات گزاری اور صبح کو آپ نے مقام "عذیب"، اور "قادسیہ" کی طرف سے رُخ پھیر لیا۔ اور اپنے بائیں طرف روانہ ہو گئے۔ (عذیب"، ایک چشمہ کا نام ہے جو "قادسیہ"، کے داہنی سمت میں تھا اور یہ چشمہ بنو تمیم کا تھا۔ اس کے اور قادسیہ کے مابین چار میل کی مسافت تھی۔ رہا "قادِسیّہ"، تو وہ کوفہ

سے صحرا کی سمت واقع تھا۔ قادسیۂ اور کوفہ کے درمیان ۵۴ میل کی مسافت تھی۔

غرض امام عالی مقام اپنے بائیں طرف روانہ ہو چکے ہیں اور حُرؑ کا لشکر نگرانی کے مقصد سے آپ کے ساتھ ہی چل رہا ہے۔ حُرؑ خود امام علیہ السّلام کے قریب ہیں اور بار بار عرض کر رہے ہیں۔ یا ابن رسول اللہؐ! میں حضور کو پوری طرح آگاہ کئے دیتا ہوں اور خدا کو گواہ کر کے عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ نے ابن زیاد اور یزید کی مخالفت کی اور اختلاف مول لیا تو اس بات میں اب کوئی شبہ نہیں رہا ہے کہ آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔

آپ نے جواب میں فرمایا۔ اے حُرؑ! عجیب بات ہے! کہ تم مجھے موت سے ڈراتے ہو۔ اے حُرؑ! اگر میں قتل کر دیا جاؤں گا تو میرے قاتل عظیم ترین بلاؤں میں گرفتار ہوں گے اور میں اس سلسلہ میں وہی اشعار پڑھتا ہوں جو قبیلۂ بنو اوس کے ایک شخص نے اپنے چچا زاد بھائی کے سامنے پڑھے تھے جو اُس کو رسول اللہؐ کی نصرت سے روک رہا تھا۔ اور اُسے موت سے ڈرا رہا تھا اور یہ کہتا تھا کہ تم رسول اللہؐ کے ساتھ میدانِ جنگ میں نہ جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ وہ اشعار یہ ہیں۔

سَأَمْضِیْ وَمَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَی الْفَتٰی ۔۔۔ اِذَا مَا نَوٰی خَیْرًا وَّجَاهَدَ مُسْلِمَا

میں تو عنقریب میدانِ جنگ میں ضرور جاؤں گا اور جوان مرد کے لیے مرنے میں کیا ننگ و عار ہے جب وہ نیک راستہ پر ہو اور ایک سچے مسلمان کی طرح جہاد راہِ خدا میں شریک ہو۔

وَوَاسَی رِجَالًا صَالِحِیْنَ بِنَفْسِهٖ ۔۔۔ وَخَالَفَ مَثْبُوْرًا وَّفَارَقَ مُجْرِمَا

اور جبکہ وہ نیک اور صالح لوگوں کی حمایت و نصرت کرے اپنی جان کے ذریعہ سے اور قابلِ لعنت لوگوں اور گناہ کرنے والوں کی مخالفت کرے۔

فَاِنْ عِشْتُ لَمْ اَنْدَمْ وَاِنْ مِتُّ لَمْ اُلَمْ ۔۔۔ کَفٰی بِکَ ذُلًّا اَنْ تَعِیْشَ وَتُرْغَمَا

اس جنگ کے بعد اگر میں زندہ بچا تو مجھے ہرگز کوئی ندامت نہ ہوگی اور
اگر مر گیا تو کوئی مجھے برا نہ کہے گا۔ رہے تم، تو تم ذلت و رسوائی
کے ساتھ زندہ رہو اور اسی طرح ذلیل رہنا اب بس تمھارے لئے
کافی ہے (کیونکہ تم اسی کے مستحق ہو)
علامہ مجلسی رح لکھتے ہیں۔ محمد بن ابی طالب نے آخری شعر سے
پہلے اس شعر کو بھی لکھا ہے۔

اُقَدِّمُ نَفْسِی لَا اُرِیدُ بَقَاءَهَا   لِتَلْقَی خَمِیْساً فِی الْوَغیٰ وَعَرَمْرَمَا

میں اپنی جان ہرگز بچانا نہیں چاہتا اور میں ضرور اپنے آپ کو دشمن
لشکر کے روبرو پیش کرونگا۔ چاہے وہ کیسا ہی زبردست اور
عظیم لشکر ہو۔

اس کے بعد امام عالی مقام نے اپنے انصار و اصحاب کی طرف
رخ کر کے فرمایا۔ کیا تم میں سے کوئی شخص یہاں کے راستوں سے
واقفیت رکھتا ہے تاکہ ہمیں شاہراہ سے ہٹ کر قریبی راستوں سے
منزل مقصود تک جلد پہنچ سکوں۔ یہ سنتے ہی طرماح بن عدی نے
عرض کی۔ فرزند رسول ص! یہ حقیر یہاں کے راستوں سے اچھی طرح
واقفیت رکھتا ہے۔

طرماح بن عدی اور طرماح بن حکم پر تبصرہ

طرماح بن حکم اور طرماح بن عدی دو الگ
شخصیتیں تھیں۔ طرماح بن عدی نے امام حسین کی نصرت میں ابن سعد
کی فوج سے جنگ کی تھی اور بے حد زخمی ہو گئے تھے۔ یہ لاشوں میں
پڑے سسک رہے تھے۔ جب عاشور کا سورج غروب ہو چکا اور
شب کی تاریکی پھیل گئی تو انھوں نے آسمان سے کچھ نورانی سواریاں
اترتے ہوئے دیکھی تھیں۔ ممکن ہے طرماح بن عدی کو زخمی حالت
میں ان کے رشتہ دار اسی طرح اٹھا لے گئے ہوں جس طرح حسن مثنیٰ
کو اٹھا لے گئے تھے ورنہ اگر یہ بعد میں زندہ نہ رہتے تو طرماح بن عدی

سے نورانی سواریوں کی روایت کیسے نقل کی جاسکتی۔

بہرحال اس وقت جن طرماح کا ذکر کیا جارہا ہے اور جنھوں نے منزل "ذوحسم" کے قریب وجوار کے راستوں سے اپنی واقفیت کا اظہار کیا تھا وہ "عدی" کے فرزند تھے نہ کہ "حکم" کے۔ وہ طرماح جنھوں نے مکہ اور کوفہ کے درمیان کسی جگہ امام حسین سے التجا کی تھی کہ "اجاء" پہاڑ پر قیام فرمائیں۔ وہ "حکم" کے بیٹے تھے۔ بعض مصنفین نے غلطی سے انھیں طرماح بن عدی لکھدیا ہے جو ہمارے خیال میں درست نہیں ہے۔ منزل "ثعلبیہ" کے تذکرہ میں ہم طرماح بن حکم کی اس پیشکش کو تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔ اب یہاں ہم اس بحث کو مفصل طور پر تحریر کرتے ہیں۔

علامہ ابن اثیر جزری مولف تاریخ الکامل جلد ۳ نیز بعض دیگر مورخین نے یہ غلطی کی ہے اور طرماح بن حکم کے بجائے طرماح بن عدی لکھدیا ہے۔ درآنحالیکہ شہر "فید" اور کوہ "خطۂ اجاء" میں رہنے والے ابن حکم تھے، ابن عدی نہ تھے۔

سپہر کاشانی اور بعض دیگر سیرت نگاروں نے تو اسی طرح لکھا ہے کہ طرماح بن عدی پہلے ہی سے امام حسین کے ہمراہ تھے اور جب آپ منزل "ذوحسم" سے "عذیب الہجانات" کی طرف جارہے تھے تو یہی طرماح بن عدی راستہ بتانے پر امام کی طرف سے مامور تھے۔

لیکن علامہ ابن اثیر جزری نے الکامل میں اور کچھ دوسرے مشاہیر نے لکھا ہے کہ طرماح بن عدی امام حسین کے ساتھ اس وقت ملحق ہوئے تھے جب آپ منزل "عذیب الہجانات" پر وارد ہوچکے تھے۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔

عمرو بن خالد صیداوی منزل "عذیب الہجانات" پر امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کے ساتھ کوفہ سے سات آدمی

دوسرے بھی تھے (۱) ان کا غلام "سعد"، (۲) حضرت مذحجی سلمانی کا غلام "واضح"، (۳) مجمع بن عبداللہ العائذی (۴) عائذ بن مجمع العائذی (۵) جنادہ بن حرث سلمانی (۶) خود طرماح بن عدی (۷) نافع بن ھلال جبلی (یا بجلی) کا غلام جو انکا گھوڑا "کامل" اپنے ساتھ لایا تھا۔ واضح و طرماح کے علاوہ اور لوگ عمرو کے ساتھ ایک ہی وقت میں شہید ہوئے تھے جن کا حال اپنے مقام پر لکھا جائے گا۔ واضح کا حال بھی واقعاتِ کربلا میں آئے گا طرماح بن عدی کا مسئلہ چونکہ اس وقت محلِ بحث ہے اس لئے ہم ان کا حال تحریر کرتے ہیں۔ منتہی الآمال ج اول صفہ ۲۱ پر یہ ہے کہ امام حسین منزل ذو حسم سے چلکر عذیب الھجانات پر پہنچے تو آپ کی نظر چار مسافروں پر پڑی جو کوفہ کی طرف سے آرہے تھے یہ لوگ اونٹوں پر سوار تھے اور ان کے پیچھے نافع بن ھلال کا سجا ہوا گھوڑا بھی ساتھ تھا۔ اس گھوڑے کا نام "کامل" تھا۔ ان مسافروں کے راہبر "طرماح بن عدی" تھے یہ لوگ امام حسین کی خدمت میں آکر آپ کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ حُر نے ان لوگوں کے آنے اور امامؑ کے ساتھ ہو جانے پر اعتراض کیا اور کہا۔ یہ لوگ آپ کے ساتھ مکہ سے نہیں آئے ہیں اس لئے انھیں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ یہ آپ کے پاس رہیں۔ امامؑ نے فرمایا۔ یہ بھی میرے اصحاب و انصار ہیں، یہ میرے ساتھ ہی رہیں گے اور میں ان کی حفاظت کروں گا۔ اگر تم انھیں روکو گے تو میں جنگ کا آغاز کر دوں گا۔ یہ سُنکر حُر خاموش ہو رہے پھر آپ نے ان لوگوں سے کوفہ کا حال دریافت کیا تو مجمع بن عبداللہ نے عرض کی۔ بڑے بڑے ذی اثر لوگوں نے بھاری رشوتیں لے لی ہیں اور اپنے گھر مال و دولت سے بھر لئے ہیں اسلئے وہ سب تو آپ کے خلاف ہو چکے ہیں اور ظلم کرنے، آپ سے جنگ کرنے اور آپ سے عداوت پر تلے ہوئے ہیں۔ رہے دوسرے لوگ تو اُن کے دل آپ کے ساتھ ضرور ہیں مگر اُن کی تلواریں آپ کا خون

بہانے کے لئے تیار ہیں پھر انھوں نے قیس بن مسہر قاصد امام حسینؑ کی شہادت کی خبر دی۔ اس کے بعد طرماح بن عدی نے عرض کی: میں آپ کے ساتھ کوئی خاص فوج یا بڑی جماعت نہیں دیکھ رہا ہوں اگر یہی لشکر حر آپ سے جنگ شروع کر دے تو بڑی آسانی کے ساتھ لڑ سکتا ہے چہ جائیکہ وہ کثیر فوج جو میں نے کوفہ میں دیکھی ہے میں نے کوفہ کے باہر اتنا بڑا لشکر دیکھا ہے جس کے برابر آج تک میری نگاہ سے کوئی لشکر نہیں گزرا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا تھا کہ اسقدر بڑے لشکر کے جمع کرنے کی ضرورت اور غرض کیا ہے؟ اور یہ کس پر چڑھائی کی تیاری ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ تیاری حسین بن علی سے جنگ کے لئے ہے۔ طرماح بن عدی نے کہا۔ اب حضور میری رائے یہ ہے کہ آپ ایک قدم بھی کوفہ کی طرف نہ اٹھائیں بلکہ ہمارے پہاڑ "اَجَاء" اور کوہ "سَلمیٰ" جو یہاں سے نزدیک ہیں وہاں تشریف لے چلیں، ہم آپ کے لئے کم از کم بیس ہزار شمشیر زن فوج جمع کر دیں گے جو آپ کی حفاظت کرے گی۔ ہم پر جب کبھی سلاطین غسان و حمیر۔ نعمان بن منذر یا کسی اور بادشاہ کے لشکر نے حملہ کیا تو ہم نے ان ہی پہاڑوں میں پناہ لی پھر کوئی بھی ہمارا کچھ بگاڑ نہ سکا ہمارا قبیلہ "طیّ" اسی جگہ رہتا ہے اور وہ سب ایک مسلح فوج کی حیثیت کا مالک ہے۔ مگر امام حسینؑ نے اس طرح پناہ لینے کو منظور نہ فرمایا۔

(اس روایت سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ کوہ "اَجَاء"، وہ "سَلمیٰ" میں پناہ لینے کی رائے طرماح بن عدی نے دی تھی اور یہ کوفہ سے اس وقت آئے تھے جب امام حسینؑ "عُذَیبُ الھِجَانَات" پہنچ چکے تھے۔ یہ اکیلے نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ چند آدمی اور بھی تھے۔ اس روایت کا آخری حصہ وہی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے

مؤلف ابصار العین کے نزدیک یہ طرماح، عدی بن حاتم طائی کے فرزند نہ تھے بلکہ کسی دوسرے عدی کے بیٹے تھے ۱۲ (ص ۶۷)

کہ امام کا جواب نفی میں سُنکر ابن عدی اپنے قبیلہ میں چلے گئے کیونکہ اپنے گھر کا راشن لئے ہوئے تھے اور اُسے وہاں پہنچانا تھا۔ ان کا یہ ارادہ تھا کہ گھر کا راشن پہنچاکر فوراً امام حسینؑ کی خدمت میں آجائیں گے لیکن بدقسمتی سے جب یہ اسی منزل عُذیبُ الھجانات پر واپس آئے تو سَمّاعہ بن زید سے مُلاقات ہوئی جس نے امامؑ کی شہادت کی خبر دے دی اور یہ کوہ "اَجاد" واپس ہوگئے۔" اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ طِرمّاح بن عدِی محاربۂ کربلا میں شریک نہ ہوسکے تھے حالانکہ بہت سے اصحاب تاریخ نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ شریک ہوئے اور بے حد زخمی بھی ہوئے تھے۔ اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ طِرمّاح بن حَکَم، ہی تھے "ابن عدی" نہ تھے جو "کوہ اَجاد" میں مقیم تھے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ "ثَعلَبیّہ" کے بجائے "عُذیبُ الھجانات" میں ملاقی ہوئے ہوں)

طِرمّاح بن عَدِی اور جنگ کربلاء

مقتل ابی مخنف میں ہے طِرمّاح بن عدِی نے بیان کیا۔ میں لاشوں کے درمیان انتہائی زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا لیکن اللہ کی قسم میں جاگ رہا تھا، ہوش میں تھا اور سب کچھ سمجھتا اور دیکھتا تھا۔ عاشور کا دن گذر چکا تھا امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب و اَنصار سب کے سب شہید ہوچکے تھے۔ جب رات کی تاریکی پھیل گئی تو میں نے دیکھا کہ بیسؔ سوار سامنے آئے جو سفید براق لباس میں ملبوس تھے اور مشک و عنبر کی خوشبو اُن کے کپڑوں سے پھیل رہی تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہو نہ ہو یہ عُبَیدُ اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھی ہیں اور یہ صرف اس غرض سے یہاں آیا ہے کہ امام حسینؑ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرے اور اُس کو مُثلہ کرے غرض یہ سوار امامؑ کی لاشِ اَقدس کے نزدیک گئے پھر ان بیسؔ سوارو

میں سے ایک شخص آگے بڑھ کر لاش کے قریب بیٹھ گیا اور اُس کو بھی اٹھا کر
بٹھا دیا اس کے بعد کوفہ کی طرف اشارہ کیا تو فوراً امام حسین کا سرِ اطہر
کوفہ کی طرف سے وہاں آ گیا۔ اُس بزرگ نے سر کو جسدِ حسین سے
ملا دیا تو امام حسین بالکل اپنی اصلی حالت میں ہو گئے۔ یہ حالت
دیکھتے ہی وہ بزرگ رونے لگے وہ کہتے تھے۔ اے میرے نورِ نظر
حسین! تجھے ظالموں نے قتل کیا، تیرے حق کو نہ پہچانا، تجھے پیاسا
رکھا اور پانی کا ایک قطرہ تک نہ دیا۔ اللہ کے مقابلہ میں ان ظالموں
کی جراءت کسقدر بڑھ چکی ہے۔! پھر وہ بزرگ اپنے ساتھیوں
کی طرف مڑے اور فرمایا۔ اے میرے باپ آدم! اے میرے
باپ ابراہیم! اے میرے باپ اسمٰعیل! اے میرے بھائی موسیٰ!
اے میرے بھائی عیسیٰ! آپ نے دیکھا کہ میرے بچہ کے ساتھ ان
درندوں نے کیا سلوک کیا اور اس پر کیسا ظلم کیا۔ میں ان کی
قیامت کے دن ہر گز شفاعت نہیں کروں گا۔"

طرماح بن عدی کہتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ حضور سید الانبیاء
محمد مصطفٰےؐ ہیں۔ جو اپنے نواسہ کی لاش پر تشریف لائے ہیں۔

(اس روایت سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ طرماح بن
عدی امام حسینؑ کے ساتھ آپ کے انصار میں شامل تھے اور
لڑائی میں زخمی ہو گئے تھے پھر کسی طرح زندہ بچ گئے اور یہ روایت
بیان کرنے کے قابل ہو سکے۔)

خود عدی کون تھے

البصار العین ص۶۷ "ضبط الغریب" کے
سلسلہ میں لکھا ہے:۔ طرماح کے لفظی معنی ایسی چیز کے ہیں جو طویل
اور لمبی ہو۔ لیکن زیرِ بحث تذکرہ میں، یہ قبیلہ "طیؔ" کے ایک
شخص کا نام تھا۔ مگر یہ عدی بن حاتم طائی نہ تھے جن کی سخاوت
مشہورِ زمانہ تھی اس لئے کہ حاتم طائی کے تمام لڑکے حضرت علیؑ
کے ساتھ رہے اور ان کے زمانہ کی جنگوں میں سب کے سب

شہید ہو گئے تھے اور خود عدی کا اس کے بعد انتقال ہو گیا جبکہ وہ لاولد ہو گئے تھے۔

(اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عدی، حاتم طائی کے فرزند نہ تھے بلکہ کسی دوسرے کی اولاد تھے۔ یہ بات بعض دوسرے مصنفوں نے بھی لکھی ہے۔

"اسرار الشہادۃ" میں علامہ دربندی نے ص۲۳۳ پر صرف طرماح لکھا ہے، ان کی ولدیت کا ذکر ہی نہیں کیا لیکن منزل "عذیب الھجانات" ہی پر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان کا امامؑ کی خدمت میں حاضر ہونا مذکور ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے ہی انھوں نے امام حسین کو دیکھا تو آپ کے ناقہ کی مہار پکڑ کر یہ اشعار پڑھنا شروع کر دئیے۔ یَا نَاقَتِی لَا تَذعَرِی مِن زَجرِی الخ۔ حالانکہ ہم نے ناسخ التواریخ کے حوالہ سے ان اشعار کے پڑھنے کا ذکر اس وقت کیا ہے اور آئندہ کریں گے جب طرماح بن عدی خود اپنے ہی ناقہ پر سوار تھے اور منزل عذیب الھجانات، کی طرف قافلۂ حسینی کے آگے آگے بطور راہبر چل رہے تھے۔ اور وہی روایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال علامہ دربندی نے "اسرار الشہادۃ" میں نہ تو ان کی ولدیت کا ذکر کیا ہے اور نہ کوہ اجاء و سلمیٰ کی طرف ان کے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اور نہ امام حسین کو اس طرح کی کوئی دعوت اور رائے دینے کا بیان ہے۔ صرف اس قدر لکھا ہے کہ طرماح بن عدی نے بھی امامؑ کو سفر کوفہ سے منع کیا تھا۔ علامہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ طرماح بن عدی آپ کے ساتھ ہی رہے انھوں نے یہ بھی کہا کہ کوفہ کے باہر میں نے اتنا بڑا لشکر دیکھا ہے جیسا لشکر میری دونوں آنکھوں نے آج تک نہیں دیکھا اور وہ حضور سے جنگ کرنے کے لئے بالکل تیار ہیں۔)

طرماح بن حکم اور طرماح بن عدی ہمارے گزشتہ بیانات سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے "کوہ اجاء و سلمیٰ" میں پناہ لینے کی دعوت دینے والے کا نام "طرماح بن حکم" لکھا ہے نہ کہ طرماح بن عدی۔ اس کو ہم نے ناسخ التواریخ سے نقل کیا تھا۔ اب اس کا مزید ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔

بحار الانوار ج ۱۰ ص ۱۸۵:- طرماح بن حکم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت امام حسینؑ سے راہ مکہ و کوفہ میں ملا تھا۔ میرے ساتھ خاندان والوں کا راشن تھا۔ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے عرض کی حضور اپنی ذات مبارک کی حفاظت کا خیال رکھیں اور اہل کوفہ کے دھوکے میں نہ آئیں۔ خدا کی قسم اگر آپ وہاں گئے تو وہ دھوکے باز آپ کو ضرور قتل کر دیں گے اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کوفہ تک پہنچ بھی نہ سکیں گے اور راستہ ہی میں قتل کر دیئے جائیں گے پھر اگر آپ جنگ کرنے کی ٹھان چکے ہیں تو آیئے! ہمارے "کوہ اجاء" پر چلیئے وہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی اور ہر طرح آپ محفوظ رہیں گے آج تک ہمیں وہاں کبھی شکست کی ذلت نصیب نہیں ہوئی میرا پورا قبیلہ اور خاندان سب ملکر آپ کی حمایت و نصرت میں جان لڑا دیں گے امام نے وہی جواب دیا جو ہم لکھ چکے ہیں کہ میں زبان دے چکا ہوں اور کوفہ والوں سے جو وعدہ کر چکا ہوں اُسے ضرور پورا کروں گا۔ اور اگر میری فتح نہ ہوئی اور قتل ہو گیا تو شہادت سے بڑھ کر اور کون سی عزت ہو سکتی ہے۔!

طرماح بن حکم کہتے ہیں۔ یہ سُنکر میں کوہ "اجاء" کی طرف جلدی سے روانہ ہوا اور چند روز ہی میں پھر امام حسین کی نصرت کے پختہ ارادہ سے واپس ہوا تو سماعہ بن زید النبہانی سے آپ کی شہادت کی خبر کا علم ہوا جس کے بعد میں پھر اپنے قبیلہ میں افسوس کرتا ہوا واپس آ گیا۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ طرماح بن حکم تھے دوسری بات یہ کہ

اس روایت میں کسی منزل کا نام نہیں ہے نہ ثَعْلَبِیَہ اور نہ عُذَیبُ الھِجَانَات
اور نہ کوئی اور منزل)

طِرِمّاح بن عدی یہ حضرت امیر المومنین کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ ان کے متعلق علامہ مجلسی بحار الانوار ج ۸ صفحہ ۵۸۹ پر لکھتے ہیں۔

شیخ ابو بکر بن عبد العزیز نے اپنی اِسناد کے ساتھ لکھا ہے۔ جب امیر المومنین علی بن ابیطالب جنگ جمل سے واپس ہوئے تو آپ نے معاویہ بن ابی سفیان کو خط لکھا۔ جنگ جمل ختم ہو جانیکے بعد معاویہ نے حضرت علیؑ کو ایک انتہائی اشتعال انگیز خط بھیجا تھا جس میں دھمکی دی تھی کہ عنقریب وہ آپ پر حملہ کر دیں گے۔ اس خط کا آپ نے جواب لکھا۔ آپ نے معاویہ کو بتایا کہ اگر انھوں نے اس قسم کی کوئی حرکت کی تو اس کی ایسی سزا دی جائے گی جو یادگار ہو گی۔ اسی کے ساتھ آپ نے جنگ بدر و اُحُد کی طرف اشارہ بھی کیا پھر یہ خط "طِرِمّاح بن عدی بن حاتم الطائی کو دیا کہ شام جاکر یہ معاویہ کو دے دیں۔

طِرِمّاح بن عَدِیُ بہت طویلُ القد اور بھاری بھرکم تھے۔ وہ بڑے ادیب، عقلمند، اچھے خطیب اور بہت عمدہ مقرر تھے اور گفتگو میں ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا تھا۔ زورِ کلام وہ تھا کہ زبان کبھی تھکتی ہی نہ تھی، ہر بات کا بالکل صحیح اور برجستہ جواب دیتے تھے۔ حضرت علیؑ نے ان کے سر پر اپنا عمامہ پہنایا اور ایک سُرخ رنگ کا اُونٹ منگایا جس پر سفر کے لئے آپ کے حُکم سے تمام سامان دُرست کیا گیا پھر انھیں اُس پر بٹھاکر دمشق کی طرف روانہ کر دیا۔

طِرِمّاح بن عَدِی جب دمشق پہنچے تو اُنھوں نے "دارُالامارۃ" کا پتہ دریافت کیا اور وہاں گئے۔ دربانوں نے پوچھا، تم کس سے ملنا چاہتے ہو، اُنھوں نے جواب دیا کہ پہلے میں تمہارے امیر کے اصحاب سے ملنا چاہتا ہوں اس کے بعد خود تمہارے امیر سے۔!
لوگوں نے دریافت کیا کہ امیر کے اصحاب میں سے کس خاص

آدمی سے مُلاقات کرو گے؟ اُنھوں نے جو جواب مناسب تھا وہ دیا۔

طِرمَاح بن عَدِیٰ کے لمبے قد اور لمبی لمبی ٹانگوں کو دیکھکر دمشق کے لوگ بہت ہنستے تھے اور مذاق سے پوچھتے تھے کہ اے بَدَوی عرب کچھ تجھے آسمان کی خبریں بھی معلوم ہیں؟ یہ جواب دیتے تھے کہ ہاں کیوں نہیں، آسمان کی تمام خبریں جانتا ہوں۔! لوگ کہتے تھے اچھا بتاؤ آسمان میں کیا ہے؟ یہ جواب دیتے تھے۔ اَللّٰہُ تعالیٰ فی السَّمَاءِ وَمَلَکُ الموتِ فی الھواءِ وَامیرُ المؤمنینَ علی بن ابیطالِبِ فی القفاءِ فَاستَعِدُّوا لِمَا یَنزِلُ عَلَیکُم مِنَ البلاءِ یَا اَھلَ الشَّقَاوۃِ وَالشَّقَاءِ "،

یعنی اللہ آسمان میں ہے۔ ملک الموت ہوا میں (بس عنقریب ہی تم پر نازل ہوگا تاکہ تمہاری روحیں گھسیٹ لے) اور امیر المؤمنین علی بن ابیطالب (مع اپنے لشکر کے) تمہارے عقب میں موجود ہیں۔ (یعنی بہت جلد تمہیں کیفر کردار تک پہنچادیں گے۔) تو اب تم سب کے سب مصیبت و بلا میں مبتلا ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اے بد نصیبو اور بد اعمال لوگو!"،

غرض طِرمَاح بن عَدِیٰ اسی قسم کی باتیں کیا کرتے تھے جب معاویہ سے مُلاقات ہوئی تو اُن سے بے انتہا درشت اور سخت لہجہ میں کلام کرتے رہے خود معاویہ بہت تجربہ کار اور عمیق اور گہرے مزاج کے آدمی تھے۔ وہ ہمیشہ سیاست سے کام لیا کرتے تھے جو لوگ اُن کے منھ پر انھیں گالیاں دیا کرتے تھے وہ اُن کے جواب میں ہنسا کرتے تھے۔ پھر یا تو اپنے مخالف کو مال و دولت کی بے پناہ بارش سے رام کر لیتے تھے اور اگر کسی طرح بھی قابو میں نہیں آتا تھا تو اُسے قتل کرا دیتے تھے ان کا ظاہر اور تھا، باطن اس سے بالکل مختلف رہتا تھا۔

طِرمَاح بن عدِی نے بھی اُن کے سامنے جاکر کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی جو مُنھ میں آیا وہ کہہ ڈالا۔ معاویہ کے سامنے ان کی سخت ترین مذمّت کی اور امیر المؤمنین حضرت علیؑ کی بے حد تعریف کرتے رہے مگر معاویہ

سب کچھ سنکر ہنستے ہی رہے پھر معاویہ نے حضرت علیؑ کی تحریر کے جواب میں ایک انتہائی اشتعال انگیز خط لکھکر طرماح کو دیا اور کہا کہ یہ انھیں واپس جاکر دیدینا۔

ساتھ ہی طرماح کو بہت کچھ انعامات دیئے جو انھوں نے یہ کہکر قبول کر لئے کہ یہ تو اللہ کا مال ہے، معاویہ کا تو نہیں، میں اسے کیوں نہ قبول کروں!

غرض طرماح بن عدی کو حضرت علیؑ سے بڑا خلوص تھا اور یہ آپ کے مخصوص اصحاب میں داخل تھے۔

اب رہی یہ بات کہ طرماح کے والد عدی کون تھے تو ہم ابھی بحارالانوار جلد ۸ کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔ کہ یہ عدی،، فرزند تھے" حاتم طائی مشہور سخی کے۔ ساتھ بحارالانوار جلد (۱۰) میں جن طرماح کا ذکر ہے۔ وہاں ان کے والد کا نام "حکم" تحریر ہے۔

اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ علامہ مجلسیؒ کے نزدیک طرماح بن عدی۔ حاتم طائی کے پوتے تھے اور زیادہ امکان اسی بات کا ہے کہ یہی حاتم طائی کے پوتے کربلاء میں امام حسینؑ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے تھے مگر ابصار العین اور منتہی الآمال میں اس ولدیت سے انکار یا کم از کم اس میں شبہ ظاہر کیا گیا ہے مگر کوئی دلیل نہیں پیش کی گئی "ابصار العین کی دلیل بھی حتمی اور یقینی نہیں ہے"

عدی بن حاتم کا سال وفات ۶۸ھ ہے۔ محدثین نے ان سے ۶۶ حدیثیں نقل کی ہیں انھوں نے ایک سو سال سے زیادہ عمر پائی تھی۔ بعض نے ان کی عمر ایکسو بیس ۱۲۰ سال اور کچھ لوگوں نے ایکسو اسی ۱۸۰ سال تک لکھی ہے۔ ان کے حالات الاصابہ اور الاعلام وغیرہ میں موجود ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ مورخین کی تصریحات سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ جب ان کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی تھی تو یقیناً یہ واقعہ

کربلا کے زمانہ میں زندہ تھے اور کوفہ ہی میں تھے۔ یہ بھی مسلّمہ حقیقت ہے کہ اصحاب امیر المؤمنین میں شامل تھے اور اُن سے بے حد عقیدت رکھتے تھے نیز اُن کی جنگوں میں بھی اُن کے ساتھ رہنے کی سعادت حاصل کی چنانچہ جنگ جملؔ، صفّینؔ و نہروانؔ میں ان کے واقعات اور ان کا تذکرہ ہر سیرت کی کتاب میں موجود ہے جہاں حضرت علیؑ کے واقعات درج ہیں۔

خود عدی بن حاتم الطائیؓ ممکن ہے اپنی کبر سنی کی وجہ سے واقعۂ کربلا میں شریک نہ ہو سکے ہوں لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے (مولّف ابصار العین ص۶۷ یہ اسے تسلیم نہیں کرتے) کہ ان کے لڑکوں میں سے طِرمّاح زندہ بچ گئے تھے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ طِرمّاح جن کا ذکر واقعۂ کربلا میں ہے، عدی بن حاتم طائی کے فرزند تھے اور یہی منزل "عُذَیبُ الھجانات" میں عمرو بن خالد صیداوی کے ساتھ امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور یہی کربلا میں امام کے انصار میں رہکر جنگ میں شریک ہوئے پھر زخمی ہو گئے مگر مرنے سے قبل "حسن مثنیؓ" کی طرح کوئی ان کا دوست یا رشتہ دار انھیں اُٹھا لے گیا اور یہ اس کے بعد کچھ عرصہ تک زندہ رہے۔

اور اگر اس بات کو تسلیم نہ کیا جائے کہ عدی بن حاتم طائیؓ کا کوئی فرزند اُس وقت زندہ موجود تھا تو پھر یہ طِرمّاح کسی دوسرے عدی کے فرزند تھے مگر بہر حال قرین قیاس یہی ہے کہ جس طِرمّاح نے کوہِ "اجاء و سلمی" جانے کی امام عالی مقام کو دعوت دی تھی وہ طِرمّاح بن حکم تھے، طِرمّاح بن عدی نہ تھے اور جن لوگوں نے انھیں ابن عدی لکھا ہے اُن کا یہ قول درست نہیں ہے۔

خلاصۂ روایت یہ ہوا۔

(۱) طِرمّاح بن عدی نے جہاد کربلا میں شرکت کی اور شہادت کا درجہ حاصل کیا جیسا کہ دمعۂ ساکبہ وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔

(۲) یہ زخمی تو ہوئے مگر شہید نہیں ہوئے اور زخمی حالت میں انھوں نے گیارہویں محرم کی شب میں بیس نورانی سوار دیکھے۔ پھر یہ کسی طرح بچ گئے اور کچھ عرصہ تک زندگی پائی۔

یہ بات بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ "طِرِمّاح" نام کے دو شخص ہوں اور دونوں ہی قبیلۂ طیّ سے تعلق رکھتے ہوں لیکن ولدیت میں فرق ہو اس لئے بعض لوگوں نے جیسے علامہ ابن اثیر جزری مولّف تاریخ الکامل وغیرہ نے انھیں طِرِمّاح بن حَکَم کے بجائے ابن عدی لکھ دیا ہو۔ اور یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ طِرِمّاح بن عدیؔ، حاتمِ طائی کے پوتے ہوں اور واقعۂ کربلا میں شریک ہوئے ہوں۔ صاحبِ اِبصارُ العین اور مولّف منتہی الآمال نے اپنے موقف نفی پر کوئی یقینی دلیل نہیں پیش کی ہے۔

قافلۂ حسینی کی ذوحسم سے روانگی

غرض امام حسینؑ کا قافلہ مقام "ذو خشَب" (ذوحسم) سے عُذَیبُ وقادِسیّہ کا رُخ چھوڑ کر اپنی بائیں سمت تیزی سے غیرمعروف قریبی راستوں سے آگے بڑھنے لگا۔ طِرِمّاح بن عدیؔ، قافلہ کے آگے آگے اپنے ناقہ پر بیٹھے ہوئے چلے جارہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

یَا نَاقَتِیْ لَاتَذْعَرِیْ مِنْ زَجْرِیْ   وَامْضِیْ بِنَا قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ

(یہ قافلہ رات ہی کے وقت "ذوحسم" روانہ ہوگیا تھا)

اے میری اونٹنی جب میں تجھے جھڑکوں تو ڈر نہ جانا اور طلوعِ فجر سے قبل ہی ہم کو لے کر منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوجانا۔

بِخَیْرِ فِتْیَانٍ وَخَیْرِ سَفْرٍ   اٰلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ اٰلِ الْفَخْرِ

بہترین جوانوں کو ساتھ لے کر اور بڑے اچھے مسافروں کو ساتھ لے کر جو اللہ کے رسولؐ کی اولاد ہیں اور اُن کی اولاد ہیں جو فخر و عزت و بزرگی کا مجسمہ ہے اور اس کی جو عینِ فخر ہے۔

السَّادَةِ الْبِيضِ الْوُجُوهِ الزُّهْرِ   الطَّاعِنِينَ بِالرِّمَاحِ السُّمْرِ

وہ جوان ایسے سردار ہیں جو ماہ رو اور انتہائی حسین اور خوبصورت ہیں، جو بہترین انداز میں وقت جنگ، نیزہ بازی کرنے والے ہیں

الضَّارِبِينَ بِالسُّيُوفِ الْبُتْرِ   حَتّٰى تَخَلّٰى جِكْرَ يَمِ الْفَجْرِ

وہ جوان بڑی تیز اور برّاں تلواروں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں غرض ایسے فخر روزگار جوانمردوں کے قافلہ کو توڑ کر تیزی کے ساتھ فجر سے پہلے ہی منزل کی طرف روانہ ہو جا تاکہ مجھے انعام میں ایسی ہستی زیور سے آراستہ کرے جو بڑی کریم النسل ہے اور جس سے بہتر کسی کا خاندان ہی نہیں ہو سکتا۔

الْمَاجِدِ الْجَدِّ الرَّحِيبِ الصَّدْرِ   أَصَابَهُ اللّٰهُ بِخَيْرٍ أَمْرِ

وہ ہستی صاحب مجد و بزرگی، بڑی مرتبہ والی اور انتہائی وسیع الصدر ہے یعنی بے حد بلند نظر ہے کوتاہ بیں نہیں ہے۔ اللہ اس ذات اقدس کو بہترین نتیجہ تک پہنچا دے!

عَمَّرَهُ اللّٰهُ بَقَاءَ الدَّهْرِ   يَا مَالِكَ النَّفْعِ مَعًا وَالضَّرِّ

اللہ اس ذات گرامی کو ہمیشہ زندہ رکھے! اے نفع اور ضرر و نقصان کے مالک اللہ!

أُمْدُدْ حُسَيْنًا سَيِّدِي بِالنَّصْرِ   عَلَى الطُّغَاةِ مِنْ بَقَايَا الْكُفْرِ

تو حسین بن علیؑ کی نصرت فرما جو میرے سردار ہیں، ان سرکشوں اور باغیوں کے مقابلہ میں جو کافروں میں سے ابھی تک باقی رہ گئے ہیں۔

عَلَى اللَّعِينَيْنِ سَلِيلَيْ صَخْرِ   يَزِيدَ لَا زَالَ حَلِيفَ الْخَمْرِ

دو لعینوں کے مقابلہ میں جو ابو سفیان کی اولاد ہیں ایک تو یزید جو ہمیشہ شراب خواری میں مبتلا اور مست رہتا ہے۔

وَابْنِ زِيَادِ عَهَرِ بْنِ الْعُهْرِ۔

دوسرے ابن زیاد جو خود بھی زناکار ہے اور زنا کی اولاد ہے۔

طرماح بن عدی سے جب حُر بن یزید ریاحی نے یہ اشعار سُنے تو وہ امام حسینؑ کے پاس سے دُور ہٹ گئے۔ تاکہ یزید اور ابن زیاد کے متعلق طرماح کے الفاظ دوبارہ نہ سُنیں۔

یا ایسا نہ ہو کہ کوئی جاسوس اس کی خبر عُبیداللہ بن زیاد کو پہنچا دے کہ حُر تمہاری اور یزید کی سخت ترین ہجو اور بُرائی سُنتے رہے اور اُنھوں نے کوئی جواب تمہاری طرف سے نہ دیا کیونکہ اُس وقت حُر بہرحال ظاہر میں امام حسین کے مخالفین میں تھے اور ابن زیاد کے فرستادہ تھے۔

حُر اس کے بعد اپنے لشکر کو بھی دُور ہٹا لے گئے اور کسی قدر نزدیک رہ کر راستہ طے کرتے رہے رات ابھی باقی تھی اسی حالت میں امامؑ نے اپنا سرِ اقدس گھوڑے کی پشت پر رکھدیا اور کچھ غنودگی طاری ہونے لگی۔ پھر کچھ دیر میں آپ نے سر اُٹھایا اور فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ دو تین بار اسی جملہ کو دہرایا اور ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن بھی فرماتے رہے۔ یہ دیکھکر حضرت علیؑ اکبر قریب آئے اور عرض کی کہ یہ الفاظ اس وقت آپ نے کس سبب سے ارشاد کئے؟ فرمایا۔ اے میرے فرزند ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی تو میں نے خواب میں دیکھا ایک شخص گھوڑے پر سوار میرے سامنے ہے اور وہ کہہ رہا ہے اَلْقَوْمُ یَسِیْرُوْنَ وَالْمَنَایَا تَسِیْرُ اِلَیْھِمْ" "یہ لوگ اپنی منزل کی طرف جارہے ہیں اور موتیں خود ان کی طرف آرہی ہیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری موت بہت نزدیک ہے۔ حضرت علیؑ اکبر نے عرض کی۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام حسینؑ نے فرمایا۔ اُس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری جان ہے اور اسی کی طرف ہمیں پلٹنا ہے بیشک ہم حق پر ہیں" علیؑ اکبر نے عرض کی، تو پھر ہمیں مرنے کا کیا خوف ہو سکتا ہے! امامؑ نے بیٹے کے یہ الفاظ سُنکر فرمایا۔ اے علی اکبر! اللہ تم کو بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی فرماں بردار بیٹے کو مل سکتی ہو۔!

یہ قافلہ اپنے بائیں رُخ پر سفر کر رہا تھا کہ فجر کی روشنی اُفق سے اُبھرنے لگی۔ امام حسینؑ گھوڑے سے اُترے وضو کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد جلدی سے گھوڑا طلب کیا۔ سوار ہوئے اور بائیں طرف روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ منزل "عُذَیبُ الہِجانات" پر پہونچ گئے۔

(یہ "عُذَیب" کی اُس منزل سے الگ تھی جس کا رُخ چھوڑ کر امام حسینؑ نے اس طرف کا رُخ کیا تھا۔ "عُذَیبُ الہِجانات" ایک سبزہ زار تھا جہاں کسی زمانہ میں نُعمان بن مُنذِر "سلطان عرب کے شاہی اونٹ چرا کرتے تھے اس طرح یہ نُعمان کے جانوروں کی شاہی چراگاہ تھی۔ "ہِجانات" سے مراد نُعمان بن مُنذِر کے عمدہ نسل کے شاہی اونٹ ہیں۔ (تاریخ الکامل ج ۳ از علامہ ابن اثیر جزری) اسی منزلِ عُذَیبُ الہِجانات پر بعض لوگوں نے طِرِمّاح بن عدی اور اُن کے ساتھیوں کی آمد کا تذکرہ کیا ہے لیکن ہم یہاں جس شخص کا ذکر رہے ہیں وہ سپہر کاشانی کی ناسخ التواریخ کی تصریحات کے مطابق ہے۔

یہاں پہونچ کر اصحاب امامؑ نے ایک شخص کو دیکھا جو پوری طرح مُسلّح تھا، اونٹ پر سوار تھا اور دوش پر کمان رکھے ہوئے تھا یہ شخص کوفہ کی طرف سے بڑی تیزی کے ساتھ آرہا تھا۔ دونوں لشکروں کی نگاہیں اس شخص پر جمی ہوئی تھیں اور سب کے سب اُس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ جب وہ نزدیک آگیا تو اُس نے یہ ظاہر کیا کہ گویا اس نے امام حسین کو دیکھا ہی نہیں اور ادھر سے رُخ موڑے ہوئے سیدھا حُر کے لشکر کی طرف چلا گیا۔ سلام کیا پھر ابن زیاد کا خط اُن کے حوالہ کر دیا جس میں لکھا تھا۔

(ترجمہ) جس وقت تمہیں میرا خط ملے بس اُسی وقت سے حسین بن علی پر انتہائی شدّت اور سختی شروع کر دینا اور انھیں ایسے مقام

پر اُترنے اور قیام کرنے پر مجبور کر دینا جہاں دُور دُور تک سبزہ اور پانی موجود نہ ہو۔ میں نے اپنے قاصد کو یہ حکم بھی دے دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ رہے اور تم سے الگ نہ ہو تاکہ تمہاری نگرانی کرتا رہے یہاں تک کہ وہ میرے پاس یہ خبر لے کر واپس آئے کہ تم نے میرے حکم کی پوری طرح تعمیل کر دی ہے یعنی حسین بن علی کو بے آب و گیاہ، چٹیل مقام پر اُترنے کے لئے مجبور کر دیا ہے"۔

یہ خط حُر نے پڑھا اور امام حسینؑ نیز آپ کے اصحاب کے سامنے اسے پڑھ کر سب کو سُنا بھی دیا۔

پھر کہنے لگا کہ اب اس حکم کے بعد آپ یہاں سے کہیں آگے نہیں جا سکتے۔ امامؑ کے اصحاب میں سے یزید بن مُہاجر الکندی نے ابن زیاد کے قاصد کو پہچان لیا اور اُس سے کہا:- تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے! یہ خط لانے اور پیغامبری کا کام جو تو نے اپنے ذمہ لیا ہے، کسقدر نفرت انگیز اور لائق مذمت ہے! اُس نے کہا کہ مَیں نے اپنے امام (ابن زیاد) کی اطاعت کی ہے، اس کے حکم پر عمل کیا ہے اور اس خدمت کے ذریعہ سے اُس بیعت کو بھی میں نے عملی جامہ پہنایا ہے۔ جو میں نے اپنے امام سے کی ہے۔ یہ سُنکر ابن مہاجر نے جواب دیا۔ مگر اسی کے ساتھ تو نے اپنے اللہ کی نافرمانی کی اور تو نے اپنے امام کی اطاعت کر کے اپنے نفس کو ہلاک کر دیا۔ دُنیا میں رُسوائی اور آخرت میں جہنم کا مستحق ہو گیا تیرا امام کسقدر قابلِ نفرت اور بدترین ہے! اللہ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے:-

(ترجمہ) اور ہم نے انھیں ایسا امام قرار دیا ہے جو لوگوں کو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور قیامت کے دن اُن کی مدد نہیں کی جائے گی۔ تو تیرا امام ایسے ہی اماموں میں سے ہے جو گمراہ کرتے ہیں اور لوگوں کو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں۔

بالآخر امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ جس طرف وہ جا رہے

تھے، روانہ ہو جائیں اور کسی شخص کی پروا نہ کریں۔ یہ دیکھکر حرُ کا لشکر قریب آگیا اور قافلۂ حسینی کے راستہ میں حائل ہوگیا۔

حرُ نے عرض کی :۔ میں آپ کو اس صحرا سے کسی طرح بھی آگے نہیں جانے دوں گا۔ آپ ایسی جگہ اُتریں اور اسی جگہ خیمے لگوا دیں۔

امام حسین نے فرمایا :۔ اچھا اے حُر! تم مجھے اس قریہ میں جو سامنے ہے جانے دو یا اُس دوسرے قریہ میں جو اُس کے نزدیک ہے۔ (آپ کی مراد نینوی اور غاضریّہ کے قریے تھے) اور اگر ان دونوں میں کسی ایک میں تم نہیں چاہتے کہ میں اُتروں تو پھر ایک تیسرا قصبہ بھی قریب ہے یعنی شفیّۃ (اِبصار العین میں یہ نام بغیر نون کے "شفیّہ" ہے) وہاں ٹھہر جاؤں اے حرُ! تم میرا راستہ چھوڑ دو کہ میں ان قریوں میں سے کسی قریہ میں اُتر سکوں۔

حرُ نے عرض کی! حضور، میری طاقت سے یہ بات باہر ہے کہ میں آپ کو یہاں کے کسی قریہ میں بھی اُترنے اور ٹھہرنے کی اجازت دے سکوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ابن زیاد کا فرستادہ شخص میرے ساتھ ہے اور پوری طرح حالات کی نگرانی کر رہا ہے۔

زہیر بن القین کو یہ سُنکر سخت غصّہ آیا اور عرض کی :۔ میرے آقا! خدا کی قسم اب اس کے بعد جو صورتِ حال پیش آنے والی ہے وہ اس سے بہت ہی زیادہ سخت و شدید ہو گی۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسی مقام پر جنگ شروع کر دی جائے کیونکہ ان کی تعداد کم ہے اور ہم آسانی کے ساتھ ان سے لڑ سکتے ہیں مگر بعد میں جو ٹڈی دل لشکر آئے گا اُس سے مقابلہ کرنا ہمارے لئے آسان نہ ہوگا۔

امام حسینؑ نے فرمایا :۔ زہیر یہ سب جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اس کا موقع ابھی نہیں ہے۔ ہم جنگ کی ابتدا نہیں کر سکتے جب تک پوری طرح حجّت تمام نہ کر دیں اور ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔ یہ

فرمایا، کھڑے ہوئے اور پھر خطبہ ارشاد کیا۔ پہلے خدا کی حمد و ثنا، پھر رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام اور اُن کی تعریف و توصیف کی اور کہا: "جو کچھ صورتِ حال ہے وہ تمہارے سامنے ہے، دنیا بالکل بدل چکی ہے اور حالات نے زبردست پلٹا کھایا ہے اس وقت دنیا میں نیکیاں تو پیچھے ہٹا دی گئی ہیں اور انہیں پس پُشت ڈال دیا گیا ہے اور بس کچھ اتنی ہی نیکی رہ گئی ہے جیسے کسی بھرے ہوئے ظرف کا پانی سب کا سب بہا دیا جائے اور اس میں چند قطرے باقی رہ جائیں۔ دُنیا کی زندگی انتہائی حقیر ہو چکی ہے اور اس دُنیا کی حیثیت ایسی چراگاہ کی سی ہے جو بے حد ردّی ہو اور جو طرح طرح کی خطرناک وباؤں اور امراض کا گھر ہو۔ تم لوگ اس بات کو دیکھتے نہیں کہ حق کی طرف آنے میں کسی ضرورت اور عجلت کا لوگ خیال تک نہیں کرتے اور باطل سے اُن کا دل نہیں بھرتا اور اُس سے کسی حال میں بھی ہٹنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ مگر سچے مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے حضور میں جانے کی طرف دل سے راغب ہو۔ اور پورے اخلاص کے ساتھ اس مقصد کا طلبگار رہے۔ تو میں بلاشبہ موت کو بہترین سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو بڑی ذلّت جانتا ہوں"۔

امام عالی مقام کے اس تاریخی خطاب کو سُنکر، زُہیر بن قین کھڑے ہو گئے اور عرض کی: "ہم نے آپ کے ارشادات کو پورے غور اور توجہ کے ساتھ سُن لیا (حضور کو اللہ عزّ وجلّ نے ہمیشہ ہدایت پر رکھا اور کبھی آپ سے ہدایت و حق کی جُدائی ممکن نہیں ہو سکتی۔ اے فرزند رسول اللہ ﷺ! بس ہم اتنا ہی عرض کرنا کافی سمجھتے ہیں کہ اگر ہمیں اس دنیا کی زندگی اس طرح دیدی جائے کہ ہمیں اس کا یقین کامل ہو جائے کہ اب ہمیں

موت آ ہی نہیں سکتی اور ہم ہمیشہ اسی دنیا میں چین اور عیش کے ساتھ زندگی گزارتے رہیں گے جب بھی ہم اس دنیا کی پُر عیش و آرام دائمی حیات کو حضور کے قدموں میں شہید ہونے پر کبھی ہرگز ترجیح نہ دینگے اور یہاں کے بقائے دوام کو (اگر وہ ممکن بھی ہو سکے) آپ کے اشارہ پر راہ حق میں دم توڑنے پر مقدم نہیں کریں گے اور آپ کا جو بھی حکم ہو گا اس پر عمل کرنے کو اپنی سعادت اور نجات سمجھیں گے۔"

ان کے بعد ھلال بن نافع بجلیؓ ("بجیلہ"، بروزن "سفینہ"، یمن کا ایک مشہور قبیلہ ہے جس کی نسبت سے اُس کے افراد "بجلیؓ"، کہا جاتا ہے) اُٹھے اور عرض کرنے لگے۔

اللہ عزّ و جلّ کی قسم! ہم اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری کو دل سے چاہتے اور پسند کرتے ہیں اور ہر صورت اور قیمت پر اس کے طلبگار ہیں! ہمارے دلوں میں بصیرت وہدایت کا نور ہے اور ہماری نیّت خالص ہے اور اس میں اللہ کی رضا کی طلب کے سوا کچھ نہیں۔ ہم اے فرزند رسولؐ! اُس کے دوست ہیں جو آپ کا دوست ہے اور اس کے سخت ترین دشمن ہیں جس کو آپ سے عداوت ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔"

ھلال کی تقریر کے بعد "بُریرؓ بن خُضیر"، اُٹھے اور کہنے لگے۔ "اللہ کی قسم اے فرزند رسولؐ! ہم پر یہ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اُس نے ہم کو اس کا موقع اور سعادت عطا کی کہ ہم آپ کے ساتھ جہاد کا شرف حاصل کریں اور آپ کی معیّت میں اور آپ کے زیر سایہ اس جہاد میں ہمارے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ہمیں شہادت کا مرتبہ نصیب ہو پھر قیامت کے دن آپ کے جد رسول اللہؐ کی ہمیں شفاعت حاصل ہو۔"

ان ولولہ انگیز اور شجاعت و بسالت میں ڈوبی ہوئی تقریروں

کے بعد امام حسین علیہ السّلام نے پھر کوچ شروع کر دیا اور آگے آگے آپ کے جاں نثار اور اصحاب و انصار چلنے لگے مگر ساتھ ہی حُر کی فوج ہر طرف سے اس قافلہ کو آگے بڑھنے سے روک رہی تھی اور یہ لوگ کسی طرح بھی رُکنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اسی کشمکش کے عالم میں کچھ دور یہ قافلہ آگے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اُس وقت زُھیر بن القین نے عرض کی حضور! میری رائے میں بہتر یہ ہے کہ اب ہم بس سر زمینِ کربلاء" میں ٹھہر جائیں جو یہاں سے بالکل قریب ہے اور وہاں نہرِ فُرات کے کنارے اپنے خیمے نصب کریں تاکہ پانی کی کوئی تکلیف نہ ہو۔ پھر اگر یہ لوگ ہم سے جنگ کریں گے تو ہم بھی جواب میں لڑیں گے اور اپنی تلواروں کے جوہر دکھائیں گے۔ ساتھ ہی اَللہ سے نصرت اور مدد کی دُعا کریں گے۔!

زُھیر کے منھ سے جب امام عالی مقام نے "کربلاء" کا ذکر سُنا تو فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکَرْبِ وَالْبَلَاءِ" پروردگار! میں "کرب اور بلاء" سے تیری بارگاہِ اقدس میں نصرت اور پناہ کا طلبگار ہوں!

مختصر یہ کہ کچھ تھوڑی مسافت طے کر کے یہ مُقدّس اور حق پرستوں کا قافلہ خطۂ "کربلاء" تک پہونچ گیا۔ جب "کربلاء" کی زمین کی حد شروع ہوئی تو امام حُسینؑ کا گھوڑا "مُرتجز" جو سرورِ کائنات کی سواری میں رہتا تھا۔ دفعتہً ٹھہر گیا۔ (اس کتاب میں جہاں ہم نے "مُرتجز" کے حالات اور دوسرے گھوڑوں کا مفصّل ذکر کیا ہے، وہاں تشریح کے ساتھ زمینِ کربلاء میں اس گھوڑے کے ٹھہر جانے اور دیگر متعلقہ حالات کو بیان کر دیا ہے۔ وہاں تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں) جب آپ کا گھوڑا ٹھہر گیا تو آپ نے لوگوں سے اُس خطۂ زمین کا نام دریافت کیا۔ اُنھوں نے عرض کی: حضور نواسۂ

رسولؐ! اس زمین کا نام "غاضریّہ" ہے۔ فرمایا اس کے علاوہ کوئی اور نام بھی ہے؟ عرض کی گئی: اسے نینوٰی بھی کہتے ہیں۔ پوچھا: کیا اس کا اور بھی کچھ نام ہے؟ کسی نے جواب دیا اسے "شاطئ الفرات" (نہر فرات کا کنارہ) بھی کہتے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا کیا اس زمین کے بس اتنے ہی نام ہیں، کوئی اور نام نہیں! کچھ لوگوں نے عرض کی۔ نواسۂ رسولؐ! اس کو "کربلاء" بھی کہا جاتا ہے۔ اُس وقت جب یہ نام سُنا تو ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا "اَرْضُ کَرْبٍ وَّبَلاءٍ" بیشک یہی زمین "کرب و بلاء" ہے۔ پھر اصحاب و انصار کی طرف رخ کیا۔ اور فرمایا۔ قِفُوْا وَلَا تَرْحَلُوْا مِنْھَا فَھٰھُنَا وَاللّٰہِ مَنَاخُ رِکَابِنَا وَھٰھُنَا وَاللّٰہِ سَفْکُ دِمَائِنَا وَ ھٰھُنَا وَاللّٰہِ ھَتْکُ حَرِیْمِنَا وَھٰھُنَا وَاللّٰہِ قَتْلُ رِجَالِنَا وَ ھٰھُنَا وَاللّٰہِ ذَبْحُ اَطْفَالِنَا وَھٰھُنَا وَاللّٰہِ تُزَارُ قُبُوْرُنَا وَ بِھٰذِہِ التُّرْبَۃِ وَعَدَنِیْ جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَلَاخُلْفَ لِقَوْلِہٖ"

بس اب تم لوگ یہاں ٹھہر جاؤ۔ اور یہاں سے آگے نہ بڑھو! اللہ کی قسم! یہی وہ جگہ ہے جہاں ہمارے خونِ ناحق بہائے جائیں گے۔ اللہ کی قسم! یہی وہ خطۂ زمین ہے جہاں ہمارے اہلِ حرم کی تذلیل و توہین ہوگی۔ اللہ کی قسم! یہی وہ سرزمین ہے جہاں ہمارے بچّوں کو ذبح کیا جائے گا۔ اللہ کی قسم! یہی وہ ریگستان اور چٹیل میدان ہے جہاں ہماری قبریں ہوں گی اور اُن کی لوگ زیارت کریں گے۔ اسی زمین کا تو میرے جد رسول اللہؐ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور جو کچھ اُنھوں نے ارشاد کیا تھا، اُس کے خلاف تو ہو ہی نہیں سکتا۔"

(ناسخ التواریخ اور دیگر تمام مقاتل اور معتبر تاریخوں میں لکھا ہے کہ "کربلاء" میں امام حسین علیہ السّلام کا وُرود پنجشنبہ (جمعرات) محرم سالہؔ ھ کی دوسری تاریخ ہوا تھا۔

ناسخ میں اس سال کو ۶۰ھ لکھ دیا ہے جو فاش غلطی ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل کے واقعات یعنی مدینۂ منورہ سے مکۂ معظمہ کی طرف روانگی وغیرہ میں انھوں نے ۵۹ھ لکھا ہے۔

یہ بہر حال سپہر کاشانی کی غلطی ہے اور ان کی قلتِ تتبّع کی علامت ہے۔ صحیح وہی ہے جو تمام معتبر مورّخین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے یعنی مدینہ سے مکّہ کی طرف روانگی پھر مکّہ سے کوفہ کی طرف کوچ، یہ سب ۶۰ھ کے واقعات ہیں۔ اور کربلا میں وُرود اور شہادت سے متعلق تمام واقعات ۶۱ھ میں ہوئے)۔

منازلِ سفر کی ترتیب

اب ہم مکّۂ معظمہ اور کوفہ کے درمیان ان منزلوں کی ترتیب پر مختلف مورّخین کے نقطہ ہائے نظر کے مطابق بحث کرنا چاہتے ہیں اور جس سیرت نگار یا مورّخ نے جس ترتیب کے ساتھ ان منازل کا ذکر کیا ہے اُسے الگ الگ اختصار کے ساتھ لکھیں گے اور اپنی رائے کا بھی اِظہار کریں گے کہ کونسی ترتیب زیادہ قرینِ صحت ہے، اِس سلسلہ میں ہم تمام لوگوں کی تصانیف کا احاطہ تو نہیں کر سکتے البتّہ صرف چند مورّخوں کا حوالہ دیں گے جس سے صحیح خطوطِ سفر کو سمجھنے میں آسانی ہوگی

سب سے پیشتر ہم سپہر کاشانی مولّف ناسخ التواریخ کی لکھی ہوئی ترتیب منازل کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ جیسے ہم بہ تفصیل تحریر کر چکے ہیں۔

(ناسخ التواریخ جلد ۶ صہ ۲۱۲) جب امام حسینؑ نے مکّہ سے عراق جانے کا ارادہ کیا تو بہت سے اکابرِ مسلمین نے آپ کو روکنے کی کوشش کی مگر آپ کے سامنے آپ کا عظیم مقصد تھا اس لئے آپ کسی طرح نہ رُکے۔ آخر عمرو بن سعید بن العاص الاشدق (مکّہ اور مدینہ کا گورنر جو یزید کی طرف سے مقرر تھا)

نے اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو کچھ لوگوں کے ساتھ بھیجا اور امامؑ کو اس سفر سے باز رکھنے کی سعی کی مگر امام حسینؑ نے مکہ میں ٹھہرنے اور سفر عراق کے ارادہ کو ترک کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جس پر وہ لوگ برہم ہو گئے اور کچھ نازیبا اور گستاخانہ الفاظ کہتے ہوئے واپس ہو گئے۔ پھر بالآخر امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہو گئے۔

وفات معاویہ اور واقعاتِ کربلا کی تاریخ پر ایک نظر

ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۱۵۷ پر سپہر کاشانی نے معاویہ کی وفات اور امام حسینؑ کے واقعات کے سال اور مہینے پر کچھ بحث کی ہے جس کو ہم یہاں لکھتے ہیں۔ اس سے پیشتر بھی ہم اپنی کتاب میں کچھ لکھ چکے ہیں۔

"وہ لکھتے ہیں کہ بیشتر مؤرخین نے کہا ہے کہ معاویہ کی وفات ۶۰ھ میں ہوئی تھی اور شہادت امام حسین علیہ السلام روز عاشورہ محرم ۶۱ھ میں واقع ہوئی۔ ساتھ ہی عاشورہ کس دن پڑا تھا اس میں ان مؤرخین نے اختلاف کیا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ جمعہ تھا۔ بعض کے نزدیک سنیچر (ہفتہ) تھا بعض دوشنبہ (پیر) کے قائل ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ ہم نے زائچہ کا حساب کر کے دیکھ لیا ہے تو ۶۱ھ کا عاشورہ نہ تو جمعہ اور نہ شنبہ یا دوشنبہ کے مطابق ہوتا ہے بلکہ ۶۰ھ کے عاشورہ کی مطابقت جمعہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے ہم نے (سپہر کاشانی نے) یہی رائے اختیار کی ہے کہ معاویہ کی وفات ۵۹ھ میں اور شہادت امام حسین عاشور (۱۰ر محرم) ۶۰ھ میں واقع ہوئی تھی۔

پھر لکھتے ہیں:- عبداللہ بن نوراللہ مقتل عوالم کی جلد ۱۷ میں

لکھتے ہیں کہ ہم نے ہندی زائچوں سے حساب کیا ہے تو اس کا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس سال امام حسین شہید ہوئے تھے اُس سال محرم کی پہلی تاریخ کو بدھ (چہار شنبہ) تھا تو یقیناً عاشور یعنی روز شہادت امام حسین جمعہ تھا اور یہ صرف ۶۰ھ ہی میں ممکن ہو سکتا ہے نہ کہ ۶۱ھ میں۔ بعض حدیثوں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے کہ یہ واقعہ ۶۰ھ کا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:۔ میں (سپہر کاشانی) نے اسی بناء پر سال شہادت ۶۰ھ قرار دیا ہے اگرچہ بیشتر محدثین و مورخین نے شہادت عظمیٰ کا سال ۶۱ھ ہی لکھا ہے"

بہرحال شہرت اسی بات کی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت ۶۱ھ میں اور معاویہ کی وفات ۶۰ھ ماہ رجب میں واقع ہوئی (مگر سپہر کاشانی اور صاحب عوالم کے نزدیک معاویہ کی وفات ۵۹ھ اور امام حسینؑ کی شہادت ۶۰ھ میں ہوئی تھی۔) دیکھو ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۱۶۰ اور اس کے قبل کے صفحات)

غرض امام حسین ۸ ذیحجہ ۶۰ھ کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف اس ارادہ سے روانہ ہوئے کہ دوبارہ قبر مطہر سرور کائنات کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔ اور ایک مرتبہ اہل مدینہ سے رخصت ہوں گے اور اس سے فراغت کے بعد جلد از جلد کوفہ کی طرف کوچ کریں گے۔ مدینہ کے لئے مکہ سے روانگی کے بعد آپ منزل "تنعیم" پر ٹھہرے تھے۔ اسی منزل پر حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابیطالبؑ نے اپنے دونوں بیٹوں، عونؑ و محمدؑ، کو امامؑ کی خدمت میں بھیجا تھا اور ایک خط بھی لکھا تھا۔ جس میں اس پر زور دیا تھا کہ آپ کوفہ کا سفر منسوخ کر دیں۔ ساتھ ہی تحریر کیا تھا کہ میں خود بھی حاضر ہو رہا ہوں۔ پھر جلد ہی عبداللہ بن جعفر ایک امان

نامہ گورنر عمرو بن سعید سے لکھوا کر اس کے بھائی یحییٰ بن سعید کے ساتھ امامؑ کی خدمت میں لائے مگر آپ نے یہ تجویز منظور نہ کی بالآخر عبداللہ اور یحییٰ واپس گئے۔ پھر عبداللہ نے عرض کی کہ میں عون و محمدؑ اپنے بیٹوں کو اپنی نیابت میں آپ کے ساتھ کرتا ہوں۔

"تنعیم" (۱) حرم کے حدود سے باہر "حل" میں واقع۔ مکہ سے اس منزل کا فاصلہ ۶ میل ہے اور بعض کے نزدیک ۱۲ میل ہے۔ (معجم البلدان حمویؒ)

امام حسین علیہ السلام (۲) مدینہ سے دوبارہ رخصت ہو کر عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔ مکہ معظمہ سے مدینہ جاتے ہوئے جب آپ منزل "تنعیم" پر پہنچے تھے تو اسی مقام پر آپ کو یمن کا ایک قافلہ ملا تھا جس کے ساتھ والیٔ یمن بُجیر بن ریسان (یا بُجیر بن یسار) نے یزید بن معاویہ کے لئے تحائف بھیجے تھے۔ چونکہ یہ امامِ وقت کا حق تھا اس لئے آپ نے اپنے حکم سے اس قافلہ کو روک لیا اور ان تحائف و اموال کے مصارف مقرر فرما دیئے۔

مدینہ سے عراق کی طرف روانگی میں پہلی منزل "ذاتِ عرق" پڑی تھی۔ اسی منزل پر ھمام بن غالب (فرزدق شاعر) سے ملاقات ہوئی تھی جو حج کے لئے اپنی والدہ کے ساتھ جا رہے تھے۔

(۳) ذاتِ عرق، عراق کے حاجیوں کی میقات کا آخری حصہ جہاں سے وہ احرام باندھتے ہیں اور وہ تہامہ اور نجد کی حدِ فاصل ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ "عرق"، مکہ کے راستہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے اسی کے سامنے کی آبادی کو "ذاتِ عرق" کہتے ہیں۔

"ذاتِ عرق" سے روانہ ہو کر "ثعلبیہ" (۴) کی منزل میں تشریف لائے (الثعلبیہ، کوفہ سے مکہ کی مسافت کے دو تہائی حصہ پر اور مکہ سے کوفہ آنے والوں کے لئے ایک تہائی مسافت پر واقع ہے) منزل "ثعلبیہ" ہی میں امام حسین نے قیلولہ کے وقت خواب

میں کسی ہاتف کو کہتے ہوئے سنا تھا۔ تم لوگ اپنی منزل کی طرف تیزی سے جا رہے ہو اور موتیں تمہیں جنت کی طرف لئے جا رہی ہیں اس سے متعلق حضرت علیؑ اکبر اور امام عالی مقام کی گفتگو ہم نقل کر چکے ہیں اس منزل میں آپ رات کو ٹھہر گئے تھے۔ صبح کو یہیں ابو ہرہ سے ملاقات ہوئی تھی اسی کے ساتھ ہم نے ہر یاشی کی روایت بھی نقل کر دی ہے۔ اسی منزل "ثعلبیہ" کے تذکرہ میں سپہر کاشانی نے طِرماح بن حَکَم کی ملاقات کا بھی ذکر کیا ہے مگر یہ تشریح نہیں کی کہ طرماح بن حکم اسی منزل ثعلبیہ پر ملے تھے بلکہ صرف اسقدر لکھا ہے کہ کوفہ کے راستہ میں ملے تھے لیکن بہر حال تذکرہ اسی منزل کے واقعات میں ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر طِرماح بن حَکَم کی ملاقات خود منزل ثعلبیہ پر نہیں ہوئی تو اس کے نزدیک ہی کسی جگہ پر راستہ میں ہوئی تھی۔ سپہر کاشانی نے حاشیہ پر لکھا ہے۔ اَجا مہموز اور مقصور ہے اس کا وزن فَعَلُ ہے۔ یہ قبیلۂ طَیّ کے دو پہاڑوں میں سے ایک کا نام ہے۔ یہ پہاڑ شہر "فَیدُ"⑤، کی مغربی سمت میں واقع ہیں۔ یہ شہر اور پہاڑ مکہ اور کوفہ کی نصف راہ پر ملتے ہیں۔" ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ منزل "ثعلبیہ"، مکہ سے کوفہ کی طرف جانے میں ایک تہائی مسافت پر ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طِرماح بن حَکَم کی ملاقات یقینی طور پر "ثعلبیہ"، کے بعد کافی فاصلہ پر ہوئی تھی۔ پھر وہ اپنے قبیلہ میں واپس جا کر تمام لوگوں تک اُن کا راشن پہنچانے سے جب فارغ ہوئے اور نصرتِ امام حسین کی غرض سے دوبارہ "کوہ اَجا"، سے باہر آئے تو راستہ میں خبر شہادت ملی جسے سُنکر یہ اپنے گھر واپس چلے گئے اور جہادِ کربلا میں شرکت نہ کر سکے جبکہ ان کے ہمنام طِرماح بن عَدِیّ کربلا کی جنگ میں امام حسینؑ کے ساتھ تھے۔ امام

حسینؑ کے سفرِ کوفہ کی خبر اور اس کے تفصیلات کا جب ابن زیاد کو علم ہوا تو اس نے حُصین بن نُمیر (اپنے اعلیٰ پولیس افسر) کو ایک بڑی فوج کے ساتھ قادسیہ پر متعین کر دیا اور کوفہ میں ہر طرف سے آنے والوں کا داخلہ بند کر دیا۔ (قادسیہ، کوفہ کے نزدیک ایک مضبوط فوجی مرکز تھا۔ یہ ایک قریہ تھا کوفہ سے پینتالیس[۴۵] میل کی مسافت پر)۔ (صاحب ابصار العین کے نزدیک یہ افسر حُصین بن نُمیر نہ تھا بلکہ حُصین بن تمیم تھا۔ اُن کی تحقیق کے مطابق حُصین بن نُمیر کربلاء کی جنگ میں موجود ہی نہ تھا بلکہ اس نے جنگ حرّہ میں حصہ لیا تھا اور کچھ عرصہ تک مکہ پر حملہ آور فوج یزید کی کمان بھی کی تھی) غرض حُصین نے کچھ فوج تو قادسیہ میں رکھی جسے مقامِ خفّان تک پھیلا دیا (خفّان، قادسیہ سے کچھ آگے ہے۔) اور کچھ فوج کو قادسیہ سے "قُطقُطانہ" اور کربلاء تک سرحدی ناکہ بندی کے لئے مقرر کر دیا (قُطقُطانہ کوفہ سے نزدیک صحرائی سمت میں ایک مقام کا نام ہے)[۷]

وہاں امام حسینؑ "بطن الرُّمّہ"[۶] سے گزر کر منزل "حاجر" پر آ چکے تھے۔ ("حاجر"، معدن النقرہ کے قریب ہے جبکہ بوخرالذکر کوفہ کے حاجیوں کی ایک منزل کا نام ہے۔ "بطن الرُّمّہ"، خطہ نجد کے ایک وادی کا نام ہے جس میں بصرہ کے حاجیوں کی ایک منزل بھی واقع ہے اور کوفہ کے حجّاج بھی وہاں ٹھہرتے ہیں) منزل "حاجر" تک حضرت مسلم کی شہادت کی خبر قافلۂ حسینی کو نہیں ملی تھی۔ اسی منزل پر امام حسینؑ نے کوفہ والوں کے نام خط لکھکر عبداللہ بن یقطر کو دیا تھا جو کوفہ میں شہید کر دیئے گئے تھے۔

منزل "حاجر" سے روانہ ہو کر امام ایک چشمہ[۸] پر پہنچے تھے جہاں آپ کی ملاقات عبداللہ بن مطیع العَدَوی سے ہوئی۔ یہاں سے گزر کر ایک منزل پر "زُہیر بن القین" سے ملاقات ہو گئی۔

ابو حنیفہ دینوری نے "الاخبار الطوال" میں ملاقات کی منزل کا نام "زرود" لکھا ہے (9) لیکن کسی دوسرے مصنف نے اس جگہ کا نام نہیں بتایا (تفصیل اس ملاقات کی ہم لکھ چکے ہیں) "زرود" ثعلبیہ اور خزیمیہ کے درمیان ایک ریتیلے مقام کا نام ہے۔ زہیر بن القین کے ساتھ ان کی زوجہ دلھم بنت عمرو بھی تھیں۔ بعض نے ان کا نام دلیم بنت عمرو لکھا ہے۔ ابصار العین ص۹۵ پر بھی "دلھم" بنت عمرو ہے۔

"زرود" سے روانہ ہو کر امام کا قافلہ منزل خزیمیہ (10) میں وارد ہوا۔ یہاں ایک شب و روز آپ نے قیام فرمایا صبح کو حضرت زینبؑ نے امامؑ سے عرض کی میں نے گذشتہ شب میں کسی شخص کو کچھ اشعار پڑھتے ہوئے سنا۔ (تفصیل لکھی جا چکی ہے)

جب امام "منزل زرود" پر تشریف لائے تھے عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن اسماعیل (یا منذر بن مشمعل) نے اپنے قبیلہ بنو اسد کے ایک شخص کو دیکھا تھا کہ وہ کوفہ سے آرہا ہے اس سے ان لوگوں کی ملاقات ہوئی تو خبر شہادت حضرت مسلم بن عقیل معلوم ہوئی یہ دونوں حج سے فراغت کر کے بہت تیزی کے ساتھ امام حسینؑ کے قافلہ سے منزل "زرود" پر ملحق ہوئے تھے۔ مگر ان لوگوں نے امام حسین سے اس خبر کا ذکر (ایک روایت کی بنا پر) منزل "زبالہ" (11) میں کیا تھا جہاں آپ "زرود" اور "خزیمیہ" کے بعد پہنچے تھے۔ اسی منزل "زبالہ" پر امام عالیمقام کو عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر بھی ملی تھی۔

اسی مقام پر آپ نے لوگوں سے فرمایا تھا کہ جس کا جی چاہے میرے ساتھ چلے اور اگر نہ چاہے تو واپس چلا جائے میری اجازت ہے جسے سنکر جو لوگ دنیوی اغراض کے لئے امام کے ساتھ ہو گئے تھے منتشر ہو گئے۔ اور جو مخلصین تھے انھوں نے آپ کا ساتھ

نہ چھوڑا۔ (اس روایت پہ تبصرہ ہم کر چکے ہیں)
"زُبالہ" سے روانہ ہو کر آپ "قصرِ مُقاتِل" پہ ٹھہرے اسی منزل پہ عُبیداللہ بن الحُر بن عمرو الجعفی سے آپ کی ملاقات ہوئی جو کوفہ کا ایک مشہور سردار تھا (الاعلام للزرکلی ج ۳ ص ۳۴۶ میں عُبیداللہ کے کچھ حالات درج ہیں) اس ملاقات اور گفتگو سے متعلق تمام تفصیلات ہم بیان کر چکے ہیں۔

اسی "قصرِ مُقاتِل" پہ امام حسینؑ نے ساتھیوں کو حکم دیا تھا کہ تمام برتنوں اور مشکیزوں میں پانی بھر لیا جائے پھر یہاں سے روانگی کے بعد آپ کا قافلہ بُطنِ عَقَبَہ پہنچا۔

"بطنِ عَقَبَہ" میں عمرو بن لُوذان سے ملاقات ہوئی اُس نے بھی سفرِ کوفہ کی مخالفت کی مگر نہ رُکے۔

(بطنِ "عَقَبَہ" راہ مکہ و کوفہ کی ایک منزل کا نام ہے جو "واقصہ" کے بعد اور منزلِ "قاع" سے پہلے ہے اور "قاع" ایک سطح خطہ ہے جہاں پہاڑ اور ٹیلے نہیں ہیں یہاں ایک چشمہ بھی ہے جو بنو عکرمہ کی ملکیت ہے)

عمرو بن لوذان کو بطنِ عَقَبہ میں چھوڑ کر امام حسینؑ منزلِ "شَراف" میں تشریف لائے۔ ("شَراف" واقِصہ اور قرعاء کے درمیان واقع ہے۔ ———————— اور واقصہ سے دو میل پر واقع ہے۔ (مُعجم البلدان) شراف میں پانی کے زبردست ذخائر اور بڑے بڑے کنوئیں موجود ہیں یہاں پہنچکر امامؑ نے پھر پانی بھرنے کا حکم دیا۔ شب اسی منزل میں گذاری گئی صبح کو پانی کا مکمل انتظام کر کے دن ہی میں روانگی کا حکم ہوا۔ اب روانگی کوفہ کی سمت میں تھی اور وہیں کے ارادہ سے کوچ کیا گیا تھا۔ چلتے چلتے دوپہر ہو گئی تو ایک شخص کو اُس بے آب و گیاہ ریگستانی خطہ میں بڑی دور پر ایک باغ نظر آیا۔ اس نے یہ محسوس کرتے ہی بلند آواز سے تکبیر کہی۔

یہ باغ نہیں بلکہ حُر بن یزید رِیاحی کا لشکر تھا جو امام حسینؑ کی گرفتاری کے لئے کوفہ سے ابن زیاد کے حکم سے آرہا تھا۔ (تفصیلات لکھی جا چکی ہیں) اس لشکر سے بچنے اور اس کا دفاع کرنے کے لئے امام حسینؑ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نزدیک ایک پہاڑی مقام پر چلے گئے جس کا نام "ذوحُسَم" تھا۔ (یہ خطہ نُعمان بن مُنذِر بادشاہ کی شکارگاہ تھا۔ نُعمان بن مُنذِر کا پائیہ تخت شہر "حِیرَہ" تھا جو کوفہ کے نزدیک تھا)

"ذوحُسَم" میں حُر بن یزید رِیاحی کے لشکر سے ملاقات ہوئی جس کی تفصیل لکھی جا چکی ہے۔ یہاں حُر کی مزاحمت کی وجہ سے امام حسینؑ نے قافلہ کو واپسی مدینہ کا حکم دے دیا اور حُر کا اس پر اصرار تھا کہ آپ کوفہ چلکر عبیداللہ بن زیاد کے دربار میں چلیں۔ مدینہ کا ارادہ ختم ہو گیا کہ حُر نے مزاحمت شدید تر کر دی اور بالآخر وہ اس پر راضی ہوا کہ امامؑ نہ تو مدینہ واپس جائیں اور نہ کوفہ بلکہ کسی تیسری سمت روانہ ہو جائیں۔ اس منزل "ذوحُسَم"، (جسے بعض مورخوں نے "ذوخُشُب" کہا ہے اور بعض نے اس کے کچھ اور نام بھی لکھے ہیں لیکن بقول "اِبصارُ العین"، اس جگہ کا صحیح نام یہی ہے) میں امام حسینؑ نے رات گزاری تھی۔ صبح کو روانگی شروع ہوئی۔ امام نے مقام عُذَیب اور قادِسِیَّہ کی سمت سے رُخ موڑ لیا اور بائیں طرف روانہ ہو گئے۔ ("عُذَیب"، ایک چشمہ ہے "قادِسِیَّہ" کے داہنی طرف۔ یہ چشمہ بنی تمیم کا ہے۔ عُذَیب اور قادسیَّہ کے درمیان چار میل کا فاصلہ ہے۔ یہ بھی ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قادسیَّہ پینتالیس ۴۵ کے فاصلہ پر ہے کوفہ سے) اس طرح قافلہ روانہ ہو گیا۔ راستہ میں امام اور حُر کے درمیان جو گفتگو ہوئی اور آپ نے شاعر بنی اوس کے جو اشعار پڑھے سب کچھ ہم لکھ چکے ہیں۔

اِسی مقام پر امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ تم میں

کیا کوئی ایسا شخص بھی ہے جو اس خطہ کی راہوں سے پوری واقفیت رکھتا ہو تاکہ ہمارا قافلہ قریب کی راہ سے جلد منزل مقصود پر پہنچ جائے؟ اس کے جواب میں طرماح عدی نے اپنے کو پیش کیا کہ میں اس خدمت کو انجام دوں گا چنانچہ وہ قافلہ کے آگے آگے عقیدت و محبت آل محمدؐ میں ڈوبے ہوئے اشعار پڑھتے ہوئے چلنے لگے۔ ان اشعار میں ابن زیاد اور یزید کی سخت ترین ہجو بھی تھی جسے سُنکر حُر اس قافلہ سے دور ہٹ گئے تھے۔ یہ قافلہ شب میں چلتا رہا طلوعِ فجر کے بعد امامؑ اور سب ساتھی سواریوں پر سے اُترے، امام حسینؑ نے نمازِ جماعت پڑھائی نماز کے بعد پھر جلد روانہ ہو گئے اور اپنے بائیں طرف ہی چلتے رہے۔ یہاں تک کہ منزل "عُذَیبُ الهجانات" پر پہنچ گئے (عُذَیبُ الھجانات، قادسیہ سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ دراصل نعمان بن منذر بادشاہ کے پایۂ تخت "حِیرَۃ"، کے قریب اُس کے شاہی اونٹوں کی چراگاہ تھی اور بہت ہی سرسبز مقام تھا۔ (ابصار العین صفحہ ۶۸ میں لکھا ہے:- عُذَیب الھجانات، قادسیہ کے آگے چار میل پر واقع ہے۔ یہاں نعمان بن منذر کے شاہی اونٹ چرتے تھے۔ ہجانات سے عمدہ نسل کے بہترین اونٹ مُراد ہیں۔ یہ خطّہ پانی اور سبزہ کی فراوانی میں مشہور تھا۔ معجم البلدان میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔)

ایک روایت کی بنا پر اسی منزل "عُذَیبُ الھجانات" پر طرمّاح بن عدیؑ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوفہ سے امامؑ کی خدمت میں آئے تھے۔ پہلے سے ساتھ نہ تھے۔ تیسری روایت کے مطابق یہ طرمّاح بن عدی وہی تھے جنھیں ناسخ التواریخ میں طرمّاح بن حکم لکھا گیا ہے اور انہی نے کوہ "اجاء"، میں تحفظ کا امام حسینؑ کو مشورہ دیا تھا جسے آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ پھر یہی طرمّاح

بن عدی جب نصرت امامؑ کے ارادہ سے اپنے گھر سے کوفہ کی طرف واپس جانے لگے (اپنے گھر کا راستہ پہنچا کر) تو انھیں راستہ میں خبر شہادت ملی "عذیب الھجانات" پر پہنچنے کے بعد اصحاب امام حسین اور لشکر حرؑ نے دور سے کوفہ کی سمت میں ایک سانڈنی سوار کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا اس کے کاندھے پر کمان تھی۔ دونوں جماعتیں اسے غور سے دیکھ رہی تھیں۔ اور اس کے آنے کی منتظر تھیں مگر جب وہ قریب آگیا تو امامؑ کی طرف سے رخ پھیر کر اور آپ کو بغیر سلام کیئے ہوئے حرؑ کے لشکر میں چلا گیا اور انھیں ابن زیاد کا خط دیا۔ (تفصیل ذکر کی جا چکی ہے) ابن زیاد کے اس خط کو پڑھ کر حرؑ نے امامؑ اور آپ کے اصحاب کو سنا دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میرا حکم یہ ہے کہ حسین بن علی پر بے حد سختی کرو۔ اور انھیں ایسی جگہ اترنے کی اجازت دو جہاں نہ پانی ہو اور نہ سبزہ اور یہ قاصد میرا نمائندہ ہے جو تمہاری نگرانی کرے گا کہ تم کس حد تک میرے حکم پر عمل کرتے ہو۔"

اپنے اصحاب کو اس کے بعد امام نے حکم دے دیا کہ وہ روانہ ہو جائیں اور اس خط کی کوئی پروا نہ کریں۔ حرؑ کا لشکر سدِّ راہ ہو گیا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ امام جس جگہ ہیں وہاں سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھیں (ظاہر ہے کہ یہ جگہ عذیب الھجانات سے کافی دور تھی اور صحرائی علاقہ تھا جہاں پانی اور سبزہ کا وجود ہی نہ تھا دور دور تک۔ مگر کچھ فاصلہ پر متعدد آبادیاں تھیں یعنی نینوی، غاضریہ شفینّہ (ابصار العین ص۳۳ پر اس کو بغیر نون کے "شفیّہ" تحریر کیا گیا ہے) امام حسینؑ نے حرؑ سے فرمایا کہ ان آبادیوں میں سے مجھے کسی قریہ میں اترنے دو مگر انھوں نے عذر پیش کیا کہ ابن زیاد کا گماشتہ یہاں موجود اور نگراں ہے۔ میں آپ کو اس کی اجازت کسی طرح بھی نہیں دے سکتا۔ زہیر بن قین وغیرہ نے چاہا کہ

جنگ شروع کر دی جائے مگر امامؑ نے فرمایا کہ میں جنگ کی ابتدا نہیں کر سکتا غرض قافلۂ حسینی اسی کشمکش میں آگے آگے بڑھتا رہا اور حُر کا لشکر سخت اور شدید مزاحمت کرنے میں مشغول رہا اور بھرپور کوشش کرتا رہا کہ امام حسین آگے نہ بڑھ سکیں آخر ایک صحرائی خطّہ میں آئے جس کے سامنے نہر فرات تھی۔ زہیر بن قین نے رائے دی کہ اب حضور اسی مقام پر ٹھہر جائیں اور فرات کے کنارے خیمے نصب کرادیں۔ سب سے زیادہ ضروری چیز پانی ہے جو ہمارے نزدیک رہے گا اور ہم یہاں دشمن کا مقابلہ پوری قوت کے ساتھ کر سکیں گے۔ امام حسین نے دریافت کیا، اس زمین کا نام کیا ہے؟ زہیر نے جواب دیا اسے "کربلاء" کہتے ہیں۔

ابو مخنف نے لکھا ہے کہ امامؑ کا گھوڑا اس سرزمین پر پہنچکر ٹھہر گیا آپ نے دوسرا گھوڑا بدلا مگر وہ بھی آگے نہ بڑھا یہاں تک کہ سات یا آٹھ گھوڑے بدلے مگر کوئی بھی ایک قدم آگے نہ بڑھا پھر آپ نے اس مقام کے نام پوچھے کئی نام لئے گئے اور آخر میں کہا گیا کہ اسے "کربلاء" بھی کہتے ہیں۔ بس یہ سنتے ہی آپ نے حکم دے دیا کہ یہاں ہمارے خیمے لگا دیئے جائیں۔

یہ واقعہ دوسری محرم سالٹھ کا ہے جب امام حسینؑ سرزمین کربلاء میں اُترے تھے۔

یہ پوری تفصیل آپ کو اُس نقشہ میں ملجائے گی جو ہم اس کے بعد ناسخ التواریخ میں مندرج ترتیبِ منازلِ سفر امام حسین از "مکہ معظمہ" بہ سمت "کوفہ" سے متعلق درج کرتے ہیں اس ترتیب میں کچھ جغرافیائی غلطیاں بھی ہیں۔ لیکن دوسری کتابوں کی بہ نسبت تفصیل زیادہ ہے۔ اس نقشہ کو سامنے رکھکر جب اُن تفصیلات اور ترتیبِ منازل کو دیکھا جائے گا جو دوسرے مصنفین نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں تو ہر شخص آسانی

کے ساتھ ان منازل کی ترتیب سمجھ سکتا ہے پھر امام حسین علیہ السلام کے سفر عراق کا پورا سلسلہ اس کے ذہن میں آجائے گا۔

ہم نے یہاں ناسخ التواریخ، منتہی الآمال، بحار الانوار، تاریخ الکامل لابن الاثیر الجزری، الاخبار الطوال از ابو حنیفہ دینوری۔ تاریخ طبری لابن جریر الطبری سے معلومات و تفصیلات کو اخذ کیا ہے۔

ان چھ کتابوں کی تفصیلات کا خلاصہ پڑھنے کے بعد پھر کسی دوسری کتاب کے مطالعہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ ہر مقتل اور ہر تاریخ میں تقریباً یہی ترتیب اور یہی اسماء لکھے گئے ہیں۔ یہاں مقصود صرف اس قدر ہے کہ ہماری اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو اس بات کا بڑی حد تک اندازہ ہو جائے کہ امام حسین علیہ السلام کے سفرِ کوفہ میں منازل کی ترتیب کیا تھی۔

سپہر کاشانی نے ناسخ التواریخ میں مکّہ سے "ذاتِ عِرق" کے بعد پہلی منزل "ثعلبیّہ" لکھدی ہے جو کسی دوسرے مؤرخ نے نہیں لکھی ہے بلکہ "ثعلبیّہ" کافی فاصلہ پر ہے۔ اگر کوئی مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو تو پوری مسافت کے ایک تہائی حصہ پر یہ ملے گی اور اگر کوئی کوفہ سے مکّہ کا سفر کرے تو پوری مسافت کے دو تہائی حصہ پر اس کا وقوع ملے گا۔

بعض کتابوں کے اقتباسات یہاں پیش کیے گئے ہیں وہ تقریباً سب ہی اہمیت کی حامل ہیں لیکن غلطیاں ہر کتاب میں پوری طرح ممکن ہیں اس بنا پر مطالعہ کنندہ کا بھی فرض ہے کہ وہ آنکھ بند کر کے کسی کی تحریر پر بھروسا نہ کرے بلکہ خود بھی غور و فکر اور تدبّر سے کام لے اور دوسرے مآخذ و مدارک پر نظر رکھنے کی سعی کرے۔

اس کے بعد آپ ہمارا نقشۂ منازل اور مختلف کتابوں کے اقتباسات پڑھیں۔ ان اقتباسات کے اختتام پر ہم "کربلاء" کے جغرافیائی حدود اور محلِ وقوع پر ایک جامع تبصرہ کریں گے قبل

اس سے کہ ہم دیگر حالات اور تفصیلات کو بیان کریں۔ واقعاتِ شہادت کو لکھنے سے قبل ان تمام حالات و کیفیات اور تفصیلات کا تحریر کرنا ضروری ہے تاکہ قارئین کو واقعات کی نوعیت اور ترتیب سمجھنے میں آسانی ہو۔

اس چودہ سو سال کے عرصہ میں تاریخ نے ہزاروں پلٹے کھائے ہیں۔ انسانوں کے مزاج بدل گئے ملکوں اور خطوں کے نام تبدیل ہو گئے بہت سی نئی آبادیاں اُبھر آئیں۔ کتنے ہی شہر اور آبادیاں اس طرح تباہ ہو گئیں کہ اُن کا نشان بھی نہیں ملتا۔ اس لئے ہمیں لازمی طور پر ان تغیرات کے پیچھے کی تاریخ کو سامنے رکھنا ہوگا پہلے اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعہ عربستان میں عام طور پر سفر کیا جاتا تھا، اب ریلوں، موٹروں اور ہوائی جہازوں سے سفر ہوتا ہے۔ پہلے پہاڑوں کی وجہ سے راستے بہت طویل ہو جاتے تھے۔ اب پہاڑوں کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور ضرورت ہوتی ہے تو اُن کے اندر سُرنگیں بنا کر ان میں ریلیں اور موٹریں چلائے جاتے ہیں مختصر یہ کہ ان تمام واقعات کو سمجھنے کے لئے اُسی دَور کی تاریخ اور حالات نیز اُسی زمانہ کے جغرافیائی تفصیلات کو اپنے سامنے رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔

مطابق منتہی الآمال مولفہ عباس قمی رح

منازل سفر امام حسین علیہ السلام

مکہ:۔ تنعیم۔ ذات عرق، حاجر (اس منزل پر امام نے عبداللہ بن یقطر یا قیس بن مسہر صیداوی کو بطور اپنے قاصد کے کوفہ روانہ کیا تھا) پھر ایک چشمہ پر اُترے (جہاں ابن مطیع سے ملاقات ہوئی)

پھر ایک منزل پر (جسے ابو حنیفہ نے زرود لکھا ہے) زہیر بن قین سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے اپنی زوجہ دیلم بنت عمرو کو طلاق دیکر رخصت کیا۔ پھر منزل "زرود" میں عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن مشمعل اسدی سے ملاقات ہوئی پھر "ثعلبیہ" پر جب قافلہ ٹھہرا تو صبح ان لوگوں نے حضرت مسلم کی خبر شہادت بیان کی۔ منزل "ثعلبیہ" ہی میں ابو ہرہ سے ملاقات ہوئی تھی یہاں سے پانی کی کافی مقدار ساتھ لی اور منزل "زبالہ" آئے۔ (یہاں عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر ملی) یہاں سے چلکر "بطن عقبہ" میں نزول فرمایا۔ پھر منزل "شراف" پر آئے (یہ رات کا وقت تھا) صبح کو یہاں پانی کی کافی مقدار ساتھ لے کر دن ہی میں روانہ ہو گئے۔ دوپہر کو حر کے لشکر سے ملاقی ہوئے۔ امام یہاں سے کچھ بائیں طرف چلکر کوہ "ذو حسم" پر ٹھہر گئے اسکے بعد لشکر حر کے سد راہ ہونے کی وجہ سے اپنے بائیں جانب چلکر اور قادسیہ و عذیب سے رخ پھیر کر مقام "عذیب الھجانات" پر پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ کوفہ سے چار آدمی اونٹوں پر آرہے ہیں اور نافع بن ھلال کا مشہور گھوڑا "الکامل" ان کے ساتھ ہے۔ "طرماح بن عدی" ان کی قیادت کر رہے تھے۔ کوفہ کے تفصیلی حالات ان لوگوں نے امام کو بتائے پھر "عذیب الھجانات" سے

"قصرِ بنی مقاتل" پر پہنچے وہاں عبیداللہ ابن الحر الجعفی سے ملاقات ہوئی پھر وہاں سے شب میں روانہ ہوئے طلوع فجر کے وقت نماز صبح ادا کی اور فوراً آگے روانہ ہو گئے (اپنے بائیں طرف)۔ اب لشکر حرؑ چاہتا تھا کہ امامؑ کو ابن زیاد کے پاس کوفہ لے جائے اور آپ وہاں جانے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ کشمکش جاری تھی اور آپکے ساتھی آگے بڑھ رہے تھے کہ سرزمین کربلا پر پہنچ گئے۔ یہاں ابن زیاد کا قاصد حرؑ کے پاس آیا اور اس کا خط دیا کہ حسینؑ پر سختی کرو۔ اس لئے حرؑ نے بے حد شدّت شروع کر دی اس بنا پر آپ اُسی صحرا میں ٹھہر گئے۔ جس کا نام شطِّ فرات یا کربلا تھا۔ علّامہ ابن طاؤسؒ نے لکھا ہے کہ ابن زیاد کا خط "عذیبُ الھجانات" میں پہنچا تھا۔

(نوٹ) اس ترتیب میں بہت سی منزلوں کا ذکر نہیں ہے۔ نیز آخری منزل "عذیبِ الھجانات" کے بجائے قصرِ بنی مقاتل (قصرِ مقاتل) کو لکھا ہے۔

اب ہم بحار الانوار ج ۱۰ کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کی منازل برائے کوفہ از مکہ

مکّہ :- تنعیم (فرزدق سے حرم مکّہ میں ملاقات ہوئی)، ذاتِ عرق، (یہاں بشر بن غالب سے ملاقات ہوئی) پھر دوپہر کے وقت "تعلبیہ" پہنچے (یہاں ابوھرّہ ازدی سے ملاقات ہوئی) پھر آگے بڑھکر "طرمّاح بن حکم" سے ملاقات ہوئی۔ پھر امام حسینؑ "بطن رمّہ" سے منزل "حاجر" پر آگئے (یہاں قیس بن مسہر الصیداوی یا عبداللہ بن یقطر کو اپنے قاصد کی حیثیت سے کوفہ روانہ کیا جو گرفتار ہوئے اور شہید کر دیئے گئے۔) منزل حاجر، کے آگے بڑھ کر ایک مشہور چشمہ پر ٹھہرے جہاں عبداللہ بن مطیع العدوی سے ملاقات ہوئی

پھر کسی منزل پر زُھیر بن القین سے ملے (اس کا نام ابو حنیفہ دینوری نے "زَرُود" لکھا ہے) پھر امام حسین منزل "خُزَیمیہ" میں ایک دن رات ٹھہرے۔ پھر "زَرُود" میں عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن مشمعل جو بنو اسد سے تھے حاضرِ خدمت ہوئے اس کے بعد انھیں ایک شخص سے جو کوفہ سے آرہا تھا شہادتِ حضرت مُسلم و حضرت ھانی کا حال معلوم ہوا۔ مگر انھوں نے امامؑ سے نہیں بیان کیا یہاں تک کہ آپ شام کو منزل "ثعلبیہ" میں وارد ہوئے اس وقت ان لوگوں نے یہ خبر بیان کر دی۔ علامہ ابن طاؤسؒ نے لکھا ہے کہ خبرِ شہادت حضرت مُسلم "زُبالہ" میں ملی تھی۔ شیخ مفیدؒ کے نزدیک "زبالہ" میں عبداللہ بن یقطر کی خبر شہادت ملی تھی۔ یہاں سے روانہ ہو کر "بطنِ عقبہ" میں آئے۔ (یہاں عمرو بن لوذان سے ملاقات ہوئی) "بطنِ عقبہ" سے چلکر "شراف" کی منزل پر تشریف لائے پھر صبح کو نماز سے فارغ ہو کر دن ہی میں روانہ ہو گئے۔ دوپہر کو ریگستان میں دُور سے لشکرِ حُر کو دیکھا گیا پھر تحفظ کے خیال سے "ذو حُسُم" پر آئے جسے "ذوخشب" بھی کہا جاتا ہے۔ (لشکرِ حُر کے واقعات بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں سے طرماح کے مشورہ کے مطابق قافلہ آگے بڑھنے لگا۔ بالآخر "عُذَیبُ الھجانات" میں وارد ہوئے۔ پھر آگے بڑھ کر "قصرِ بنی مُقاتل" پہنچے (یہاں عُبیداللہ بن الحُر الجُعفی سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد "قصرِ بنی مُقاتل" سے بھی آگے روانہ ہو گئے۔ (روانگی شب میں ہوئی تھی۔ طلوعِ فجر کے بعد نمازِ صبح پڑھی گئی۔ پھر روانگی شروع ہوئی۔ حُر کی کوشش تھی کہ امامؑ کو اور آپ کے اصحاب کو، کوفہ کی طرف لے جائے مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا یہاں تک کہ آپ نینوی میں وارد ہوئے۔ اسی جگہ ابن زیاد کا قاصد حُر کے نام خط لے کر آیا کہ حسین بن علی پر بھرپور سختی کرو۔ اور ریگستانی خطے سے آگے نہ بڑھنے دو۔ پھر مطابق پنجشنبہ ۲/ محرم سنہ ۶۱ھ آپ

جگہ پر اُترپڑے ۔ یہ جگہ "کربلا" تھی ۔ یہاں پہونچکر امام نے اہل کوفہ کو پھر خط لکھا تھا (بعض نے "یوم وُرود کربلاء چہارشنبہ بھی لکھا ہے) ۔

— تاریخ الکامل لابن اثیر الجزری جلد ۳ کی تشریح کے مُطابق

ترتیب منازلِ سفر جانب کوفہ از مکہّ

(مکّہ) امام حسین ۸ ذیحجہ (یوم الترّویہ) کو مکہّ سے چلکر مقام تنعیم پہنچے پھر منزل "صِفاحُ" میں پہنچے جو مکہ سے کچھ فاصلہ پر "حُنَین" کے نزدیک ہے (یہاں فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی تھی) پھر جب آپ منزل "حَاجِرُ" میں آئے تو قیس بن مسہر الصّیداوی کے ہاتھ کوفہ والوں نے خط روانہ کیا وہاں سے روانہ ہوکر ایک چشمہ پر اُترے یہاں عبداللہ بن مطیع سے مُلاقات ہوئی وہاں سے چلے تو کسی منزل پر زہیر بن القین سے ملاقات ہوگئی اور وہ بھی آپ کے انصار میں شامل ہوگئے ۔ جب امام حسین ثعلبیہ میں آئے تو حضرت مسلم کی خبر شہادت معلوم ہوئی ۔

ثعلبیہ سے روانہ ہوکر "زبالہ" میں ٹھہرے ۔ یہاں آپ کو عبداللہ بن یقطر کی خبر شہادت ملی ۔ (ان کو امام حسینؑ نے حضرت مسلم کے پاس بھیجا تھا جبکہ ان کی (مسلم کی) خبر شہادت نہیں آئی تھی ۔ اس منزل سے چلکر آپ "بطنُ العَقبہ" میں آئے "بطنُ العقبہ" سے روانہ ہوکر امام حسین منزل "شَراف" وارد ہوئے ۔ (یہاں دوپہر کو ریگستان میں حر ریاحی کا لشکر ملا) اس لشکر سے تحفظ کی غرض سے آپ کوہ "ذوحُسَم" کی طرف گئے اور وہاں ٹھہر گئے اس کے بعد لشکر حر ساتھ رہا وہاں سے بڑھ کر امام "عُذَیب وقادِسیّہ" کا رُخ چھوڑ کر اپنے بائیں جانب روانہ ہوگئے غرض کچھ مسافت طے کرکے "عذیب الہجانات" میں نزول فرمایا (یہاں چار آدمی کوفہ سے آئے ہوئے ملے جن میں طرّماح بن عدی شامل تھے اور ان کی قیادت کر رہے تھے ۔ یہ لوگ اونٹوں پر تھے

اور ان کے ساتھ نافع بن ھلال "کا گھوڑا "الکامل" پیچھے پیچھے تھا۔ طرماح بن عدی کچھ اشعار پڑھتے جا رہے تھے جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں ابن اثیر کے نزدیک ان ہی طرماح بن عدی نے امام کو "اجا اور سلمی" پہاڑوں میں قیام کی رائے دی تھی مگر امام نے اسے منظور نہ کیا پھر یہی طرماح بن عدی حضرت امام کی غرض سے اپنا غذا وغیرہ کا سامان اپنے قبیلہ والوں تک پہنچا کر جس میں کئی روز لگ گئے تھے جب کوفہ کی طرف جانے کی غرض سے "عذیب الھجانات" تک پہنچے تو امام حسین کی شہادت کی خبر ملی جسے سُنکر یہ افسوس کرتے ہوئے اپنے قبیلہ میں واپس ہو گئے۔

الغرض امام "عذیب الھجانات سے آگے بڑھ کر "قصر بنی مقاتل" پر اُترے۔ وہاں پر عبید اللہ بن الحر الجعفی سے ملاقات ہوئی۔ پھر وہاں سے رات ہی کو روانہ ہو گئے۔ پھر صبح کی نماز پڑھ کر یہ قافلہ فوراً آگے چلنے لگا۔ (رُخ قافلہ کا اپنے بائیں طرف ہی تھا۔) اس دوران حُر چاہتے تھے کہ امام کو کوفہ لے جائیں اور امام دوسری طرف نکل جانا چاہتے تھے۔ اسی کشمکش میں قافلۂ حسینی کچھ اور آگے بڑھ کر "نینویٰ" میں اُتر گیا۔ وہاں اُترتے ہی سامنے کوفہ کی طرف سے ایک ناقہ سوار نظر آیا جس نے حُر کو ابن زیاد کا خط دیا آخر یہ قافلہ حُر کی شدید مزاحمت کی وجہ سے شطِ فرات پر "نہر فرات" سے کچھ فاصلہ پر چٹیل میدان میں اُتر گیا۔ یہ پنجشنبہ ۲ محرم الحرام ۶۱ھ کی تاریخ تھی۔

ترتیب منازلِ سفرِ امام حسینؑ

مطابق "الاخبار الطوال" مولفہ ابو حنیفہ دینوری (امام حسینؑ کے حالات)

(مکہ) حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کوفہ میں منگل ۳ ذی الحجہ ۶۰ھ مطابق ستمبر ۶۷۹ء واقع ہوئی تھی اسی سنہ ۶۰ھ میں معاویہ کا بھی

انتقال ہوا تھا۔ غرض امام حسینؑ اسی روز یعنی منگل اور اسی تاریخ یعنی ۳ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو مکہ سے کوفہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے پہلے آپ کا قافلہ "منزل تنعیم" پہونچا (یہ مقام مکہ اور مدینہ کے مابین مگر مکہ سے قریب تر ہے) اسی جگہ یمنی قافلہ ملا جو یزید بن معاویہ کے لئے تحائف لئے جا رہا تھا اس قافلہ کے سامان پر بحیثیت امام وقت اپنے اصحاب کو آپ نے حکم دے دیا اور قبضہ کر لیا گیا۔ "تنعیم" سے روانہ ہو کر "صفاح" میں نزول فرمایا (یہ جگہ حنین سے قریب ہے) اسی مقام پر فرزدق شاعر سے ملاقات ہو گئی جو حج کے لئے جا رہے تھے عراق سے۔ پھر یہاں سے بھی روانہ ہوئے اور "بطن الرُّمّہ" میں وارد ہوئے۔ (یہاں پہنچکر امامؑ نے اہل کوفہ کے نام خط لکھا۔ اے اہل کوفہ تم میں سے اہل ایمان پر میرا اسلام ہو۔ میں "بطن رُمّہ" تک آچکا ہوں۔ میرے بھائی مسلم بن عقیل کے خط سے مجھے تمھاری عقیدت کا حال معلوم ہو چکا ہے" یہ خط قیس بن مسہر کے ہاتھ بھیجدیا جو جلدی سے قادسیہ کی طرف روانہ ہو گئے مگر وہاں تو صورت حال ہی بدل چکی تھی۔ مسلم بن عقیل قتل ہو چکے تھے۔ قادسیہ پر حصین بن نمیر (تمیمی) کی فوج کا پہرا لگا ہوا تھا۔ قیس گرفتار ہو گئے اور پھر شہید کر ڈالے گئے۔

ادھر امامؑ "بطن الرمّہ"، (حجاج بصرہ و کوفہ کی منزل) سے چل کر راہ طے کر رہے تھے کہ راستہ میں ایک جگہ "عبداللہ بن المطیع" سے ملاقات ہو گئی (تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں۔) پھر آپ منزل "زَرُود" پر تشریف لائے۔ یہاں "زُہیر بن القین" سے اتحاد ہو گیا اور وہ آپ کے انصار میں شامل ہو گئے اور زوجہ کو اُس کے رشتہ داروں کے ساتھ (طلاق دے کر) کوفہ بھیجدیا۔ جب منزل "زَرُود" سے چلے تو قبیلہ بنو اسد کے ایک مسافر سے ملاقات ہوئی تو اُس نے کہا کہ میں کوفہ سے اُس وقت روانہ ہوا تھا جب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ قتل کر دیئے گئے تھے اور

شہر کے لڑکے اُن کی لاشوں کے پیروں میں رسیاں باندھ کر سڑکوں اور گلیوں میں انھیں گھسیٹتے پھر رہے تھے پھر جب وہاں سے آگے بڑھکر منزل "زُبالہ" میں آئے تو محمدؐ بن اشعث اور عمر بن سعد کا قاصد ملا جس نے حضرت مُسلم کے حالات کی اطلاع دی (یہ اس وصیت کی بنا پر تھا جو مسلم بن عقیل نے ان دونوں سے کی تھی کہ امام حسینؑ کو اہل کوفہ کے طرزِ عمل، بیوفائی اور میری شہادت کی خبر فوراً پہنچا دینا) پھر اسی قاصد نے "قیس بن مسہر الصَّیداوی" کی شہادت کی خبر دی۔ "منزل زُبالہ" سے روانہ ہو کر "بطنُ العقیق" میں نزول فرمایا۔ (بطنُ العقیق "عراق سے حج کے لئے آنے والوں کے لئے "ذاتِ عِرق" سے ایک "مرحلہ" کی مسافت کے بقدر پہلے پڑتا ہے۔ ("مرحلہ" اسقدر مسافت کو کہتے ہیں جسے ایک پورے دن میں کوئی ناقہ سوار طے کر لیا کرتا ہے) الغرض امام حسین "بطنُ العقیق" پر ٹھہرے۔ (یہ بھی یاد رہے کہ "ذاتِ عِرق" حُجّاجِ عراق کی مِیقات ہے جہاں سے وہ احرام باندھتے ہیں۔) اس منزل سے چلکر آپ منزل "شَراۃ" پر ٹھہرے۔ رات کو وہیں قیام کیا۔ صبح کی نماز کے بعد دن ہی میں روانہ ہو گئے۔ ("شَراۃ" ایک مرتفع خطۂ زمین کا نام ہے جو "عُسفان" کے نزدیک ہے مگر بظاہر یہ کتابت کی غلطی چلی آرہی ہے اور اصل میں یہ منزل "شَراف" ہے۔ کیونکہ "شَراۃ" مکہؐ کے نزدیک ہے اور امام حسین علیہ السّلام مکہؐ سے بہت دور پہونچ چکے تھے۔ اس لئے اس جگہ کا "شَراۃ" ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔)

بہر حال اس منزل سے روانہ ہوئے گرمی بہت تیز تھی۔ دوپہر کو کسی نے نخلستان دیکھکر تکبیر کہی مگر وہ نخلستان نہ تھا بلکہ حُرؑ بن یزید ریاحی کا لشکر تھا۔

حُرؑ بن یزید سے تلخ گفتگو کے بعد امام حسینؑ نے حجاز کی طرف واپسی کا

ارادہ ظاہر فرمایا مگر لشکرِ حُر بیچ میں حائل ہو گیا اور آپ واپس نہ ہو سکے کیونکہ وہاں جنگ کرنا آپ کا مقصود نہ تھا۔ آخر حُر نے عرض کی کہ اگر آپ کوفہ ابن زیاد کے پاس نہیں جانا چاہتے اور ہم آپ کو حجاز واپس جانے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے تو صرف ایک ہی صورت ممکن ہے کہ آپ ایسی راہ اختیار کریں جو نہ تو حجاز جاتی ہو اور نہ کوفہ کی طرف جاتی ہو۔ ہم اس صورت میں آپ کو آگے بڑھنے کی اجازت دیدیں گے۔

امام حسینؑ نے فرمایا:۔ اچھا میں "عُذَیب" کا راستہ چھوڑ کر بائیں طرف جاتا ہوں۔ (" عُذَیب " اور قادسیہ کے درمیان چار میل کی مسافت تھی اور جہاں امام حسین اور حرؒ ریاحی کی یہ گفتگو ہو رہی تھی وہاں سے "عُذَیب" ۳۸ میل کے فاصلہ پر تھا) مختصر یہ کہ دونوں لشکر ایک ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ "عُذَیبُ الحمامات" پر پہونچ گئے۔ (یہاں بھی بظاہر یہ جگہ "عُذَیبُ الهجانات" ہے کیونکہ اس نام کی کوئی جگہ اس علاقہ میں موجود نہ تھی اس کے بعد وہاں سے امام حسین کوفہ کی راہ سے داہنی طرف روانہ ہو کر "قصرِ بنی مُقاتِل" پر پہنچے جہاں آپ سے عُبَیدُ اللّٰہ بن الحُرّ الجعفی سے ملاقات ہوئی۔ "قصر بنی مُقاتِل" سے وہاں کچھ وقت ٹھہر کر امام آگے روانہ ہو گئے حُر کی بار بار مزاحمت جاری تھی۔ اور بالآخر آپ صحرائے کربلا پہونچ گئے جو کوفہ سے صحرائی رُخ کی طرف واقع ہے۔ پھر تھوڑا رُخ آپ نے داہنی طرف کیا یہاں تک کہ آپ قریۂ نینوی میں ٹھہر گئے۔ اسی مقام پر کوفہ سے ایک ناقہ سوار آیا جس نے حرؒ کو ابن زیاد کا خط دیا۔ جس میں امام حسین پر انتہائی سختی کرنے اور بے آب و گیاہ چٹیل میدان میں اُتارنے کی ہدایت تھی۔ حرؒ نے خط پڑھا اور امام حسین اور آپ کے ساتھیوں کو دیا کہ وہ بھی پڑھ لیں۔ پھر حرؒ نے کہا کہ اب میرے لئے ناممکن ہے کہ میں آپ کو ایک قدم بھی آگے جانے

دوں، آپ نے فرمایا کہ "غاضریہ" اور سقبہ (جسے بعض نے شُغیۃ اور کسی نے شُفینہ لکھا ہے) یہاں سے بالکل ہی نزدیک قریے ہیں میں تیار ہوں کہ ان ہی قریوں میں سے کسی میں وارد ہو جاؤں لیکن حُر نے اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا۔ زُہیر بن قین نے یہ حالت دیکھکر امام کی خدمت میں عرض کی کہ یہاں ان لوگوں سے جنگ کر لینا آسان ہے ورنہ بعد میں جنگ آسان نہ ہو گی جب کوفہ کی فوج بھی یہاں پہنچ جائے گی۔ مگر امام حسین نے فرمایا کہ ہم جنگ کی ابتداء نہیں کریں گے پھر زُہیر کے مشورہ سے آپ نے "کربلاء" میں ٹھہرنا پسند فرمایا۔ یہ بُدھ کا دن اور یکم محرم ۶۱ھ تھی جب امام کربلاء میں وارد ہوئے (دوسرے بیشتر مورخوں نے ۲ محرم ۶۱ھ لکھی ہے)

ترتیبِ منازلِ سفرِ امام حسین علیہ السلام از مکہ بہ سمتِ کوفہ

مطابق تاریخ طبری (حالات امام حسین در ۶۰ھ)

(مکہ) امام حسین مکہ سے روانہ ہو کر پہلے منزل "تنعیم" پہنچے جہاں یمن کا قافلہ ملا جو یزید کے لئے تحائف کا سامان لئے جا رہا تھا پھر منزل "صفاح" آئے جہاں فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی پھر وہاں سے روانہ ہو کر امام "ذاتِ عرق" تشریف لائے (عبداللہ بن جعفر، عمرو بن سعید گورنر، یحییٰ بن سعید اور عون و محمد کے واقعات وہی ہیں جو ہم تحریر کر چکے) ادھر عبیداللہ بن زیاد کو جب امام حسین کے سفر کوفہ کی اطلاع ملی تو اسنے اپنے پولیس (یا حفاظتی فوج) کے افسر اعلیٰ حصین بن نمیر (یا ابن تمیم) کو ایک بڑی فوج دے کر "قادسیہ" پر متعین کیا (جو کوفہ سے ۴۵ میل پر واقع ہے) "حصین نے اپنی فوج

تمام سرحدی مقامات حقائق، قُطقُطانہ، لعلع وغیرہ میں پھیلا دی تاکہ کوفہ جانے کا ہر راستہ مکمل طور پر بند ہو جائے۔ یہاں امام حسینؑ "بطن الرُّمّۃ" کے مقام "حاجر"، پر پہنچ گئے اسی جگہ سے امام نے کوفہ والوں کو اپنے ارادہ کی اطلاع دی اور بتایا کہ میں کوفہ کے ارادہ سے "حاجر"، میں وارد ہو چکا ہوں۔ یہ خط "قیس بن مُسہر صیداوی"، کے ہاتھ بھیجا تھا۔ (جو کوفہ میں شہید کر دیئے گئے) امام "حاجر"، سے چلکر راستہ میں ایک "جھیل"، پر پہنچے۔ یہاں کچھ قیام فرمایا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عبداللہ بن المُطیع سے ملاقات ہوئی تھی اس کے بعد وہاں سے بھی روانہ ہو گئے۔ راہ میں کسی مقام پر "زُھَیر بن القین"، سے ملاقات ہوئی اور وہ اسی جگہ سے آپ کے ساتھ ہو گئے اور سب گھر والوں کو رخصت کر دیا۔ زوجہ کو طلاق دے دی اور کوفہ روانہ کر دیا۔ پھر منزل "زرود"، پر ان دو شخصوں کا ذکر ہے جن سے کوفہ کے ایک مسافر نے حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر بیان کی تھی۔ یہ دونوں منزل "زرود"، کے قریب پہونچ ہی رہے تھے تاکہ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوں ناگاہ کوفہ کی طرف سے ایک ناقہ سوار کو آتے دیکھکر بجائے امامؑ کی خدمت میں پہلے حاضری دینے کے، لپک کر اس مسافر کے نزدیک گئے، جو کسی دوسری طرف رُخ موڑ کر جا رہا تھا وہ بھی بنو اسد سے تھا اور یہ دونوں بھی قبیلہ بنو اسد سے تعلق رکھتے تھے اسلئے اس نے مسلمؑ و ھانی کا پورا حال ان سے بیان کر دیا۔ یہ سُنکر یہ لوگ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو گئے مگر اس خبر کو دل میں چھپائے رہے اور کسی پر اس کا اظہار نہ کیا۔ کوفہ کے مسافر کا نام "بُکیر بن ثعبہ (یا مُثعبہ)" تھا۔ یہ دن کا وقت تھا، پھر جب شام کو امام منزل "ثعلبیہ"، سے چلکر "زبالہ"، پہنچے۔ یہاں آپ کو "عبداللہ بن یقطر"، کی شہادت کی خبر ملی جنہیں راستہ ہی سے آپ نے حضرت مسلمؑ کے پاس بھیجا تھا۔ "زبالہ"، سے چلکر امام حسینؑ "بطن العقبہ"، میں

وارد ہوئے۔

علّامہ طبری لکھتے ہیں :- اِسی سال یعنی ۶۰ھ میں یزید نے "وَلید بن عُتبہ" اپنے چچا زاد بھائی کو مکّہ و مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا اور اُس کے بجائے عمرو بن سعید بن العاص کو گورنر بنا دیا تھا "بطن العقبہ" سے روانہ ہوکر امام منزل "شَراف" میں ٹھہرے۔ پانی کے ذخائر وہاں کافی تھے اس لئے جسقدر بھی پانی لینا ممکن تھا ساتھ لیا گیا۔ یہاں سے دن میں ہی روانگی ہوئی دوپہر کو لشکر حُر بن یزید ریاحی ملا (جسکے واقعات لکھے جا چکے ہیں) غرض وہاں سے بائیں جانب چلے اور "کوہ ذوحُسم" کو پشت کی طرف قرار دے کر ٹھہر گئے۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے۔ حُر نے عرض کی آپ اگر ابن زیاد کے پاس کوفہ نہیں جانا چاہتے تو اسی جگہ سے عُذَیب و قادِسیّہ کے راستہ سے اپنے بائیں جانب مُڑ کر آگے جہاں چاہیں چلے جائیے۔ یہ سمت نہ تو کوفہ کی ہے اور نہ مدینہ اور مکّہ کی۔ عُذَیب اُس جگہ جہاں حُر سے یہ گفتگو ہوئی اڑتیس ۳۸ میل کی مسافت پر تھا۔ غرض آپ اپنے انصار کے ساتھ روانہ ہو گئے اُسی طرف جس کی حُر نے رائے دی تھی۔ اور خود حُر کا لشکر بھی نگرانی کی غرض سے ساتھ رہا۔ یہاں تک کہ آپ مقام "بیضہ" پہنچ گئے۔ (یہ ایک جھیل کا نام ہے جو "وَاقِصَہ" اور "عُذَیب" کے درمیان واقع ہے۔ یہ مقام "حَزن" کے قریب ہے جو قبیلۂ یربوع کی سرزمین میں ہے) مقام "بیضہ" اور "کوہِ ذوحُسم" میں امام حسین نے انتہائی مُصلحانہ اور مُدبّرانہ تقریریں کیں جو شانِ مُصلح اور وقارِ امامت کے مُطابق تھیں اور آپ نے تمام مُشکلات اور ہلاکت آفریں نتائج سے اپنے ساتھیوں کو مطلع فرما دیا تھا۔ آپ کے انصار میں زبردست جوشِ جہاد اُبھر آیا مگر امام حسینؑ بار بار حکم دیتے تھے کہ ہم جنگ کی ابتدا نہیں کر سکتے۔ اور جنگ سے قبل پوری طرح

حجت تمام کریں گے پھر جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ اُن لوگوں میں جنہوں نے امام حسین کی تقریروں سے متاثر ہوکر جوابی پرجوش مظاہرے کئے اور اپنی ولولہ انگیز تقریروں میں وفاداری کا اظہار کیا۔ زہیر بن قین اور بُریر بن خُضیر، شامل ہیں مقام "بیضہ" سے آگے چلکر "عذیب الھجانات" میں نزول فرمایا۔ اسی جگہ طِرمّاح بن عدیؔ ملے جو کوفہ سے آرہے تھے۔ یہ چار آدمی تھے۔ رہنمائی طِرمّاح کے ذمہ تھی۔ ان کے اونٹوں کے ساتھ "نافع بن ہلال" کا مشہور گھوڑا "کامل" بھی تھا جسے یہ لوگ دوڑاتے ہوئے ساتھ لارہے تھے۔ اسی موقع پر طِرمّاح بن عدیؔ اپنی اونٹنی سے خطاب کرکے کچھ اشعار پڑھ رہے تھے (اس واقعہ کو ناسخ و بحار میں دوسرے طریقہ پر لکھا ہے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔) ان ہی لوگوں سے "قیس بن مسہر صیداوی" کی شہادت کی اطلاع بھی امامؑ کو ملی تھی۔ (طبری نے بھی یہی لکھا ہے کہ) ان ہی طِرمّاح بن عدیؔ نے امام حسینؑ کو "اجاء" پہاڑ پر پناہ لینے کا مشورہ دیا تھا اور ساتھ ہی اپنے قبیلہ کی پوری حمایت و نصرت کا وعدہ کیا تھا اور کہا کہ صرف دس روز کی کوشش میں قبیلہ طیؔ کے ہزاروں جنگجو سپاہی کوہِ "اَجاء"، "سَلمیٰ" اور تمام قرب و جوار سے جمع ہو جائیں گے اور پھر آسانی کے ساتھ آپ دشمن کو شکست دیدیں گے۔ (طِرمّاح کا پورا واقعہ ہم لکھ چکے ہیں) پھر یہاں سے روانہ ہوکر امام حسینؑ قصر بنی مقاتل" میں آئے۔ اسی جگہ پر عبیداللہ بن الحر الجعفی" سے ملاقات ہوئی۔

پھر "قصر بنی مقاتل" سے بھی آپ آگے روانہ ہو گئے۔ رات بھر چلتے رہے۔ صبح کو نماز سے فارغ ہوئے اور فوراً پھر سوار ہوکر آگے جانے لگے اور چاہتے تھے کہ آپ اپنے ساتھیوں کو چاروں طرف پھیلا دیں مگر حُرؔ نے ایسا کرنے کی مخالفت کی اور آپ نے انصار میں سے کسی کو بھی ادھر اُدھر جانے کی اجازت نہ دی۔ بائیں رُخ پر

اس کشمکش کے باوجود امام کا سفر جاری رہا۔ بالآخر آپ نینویٰ پہنچ گئے۔ وہیں ایک سانڈنی سوار کوفہ کی سمت سے آیا اور رسید معاصرہ کے پاس گیا اور انھیں ابن زیاد کا خط دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ حسین کو اُس جگہ اُتارنا جو چٹیل میدان ہو۔ جہاں کوئی پناہ کی جگہ نہ ہو اور جس جگہ پانی کا وجود نہ ہو۔ میرا قاصد تمھاری برابر نگرانی کرتا رہے گا۔" انصار امامؑ میں سے "ابوشعثاد"، یزید بن مہاجر کِندی اس قاصد کو پہچانتے تھے۔ یہ اُس کے سامنے آئے اور بہت سختی کے ساتھ اُس کو ڈانٹا کہ تو نے ابن زیاد کا قاصد بننا اور اس قسم کا خط لانا کیوں گوارا کیا۔ (یہ قاصد بھی قبیلۂ کِندہ سے ہی تعلق رکھتا تھا) اُس نے جواب دیا کہ اس خط کے لانے میں، میں نے اپنے امام (ابن زیاد) کی اطاعت کی ہے اور اپنی اُس کے ساتھ بیعت کے فرض کو ادا کیا ہے۔

ابوشعثاد نے کہا:۔ لیکن تو نے اپنے خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف عمل کیا اور اُن کی نافرمانی کی اور تو نے دُنیا و آخرت کی ہلاکت و عذاب کو حاصل کر لیا۔ غرض زہیر بن قین نے عرض کی: یہ سامنے ایک قریہ ہے۔ وہاں نزول فرمائیے اس جگہ سے نہر فرات نزدیک ہے پانی کی کوئی تکلیف نہ ہوگی بالآخر امام حسینؑ نہر فرات کے قریب میدان کربلا" میں اُتر پڑے۔ اس مقام پر صرف مشرقی حصّہ میں نہر فرات تھی اور اس کے کنارے کچھ چھوٹی آبادیاں کچھ کچھ فاصلہ پر تھیں مگر تین سمتوں یعنی جنوب مغرب، مغرب، نیز شمال مغرب میں نہ تو کوئی آبادی تھی اور نہ پانی یا پناہ کی جگہ کا وجود تھا (یہ بات ہم سب کو معلوم ہے کہ امام حسینؑ کے دُرود کربلا کے کچھ ہی روز بعد نہر فرات پر ابن سعد نے فوجی پہرا لگا دیا تھا اور اس طرح امام عالی مقام، تمام خاندان نبوّت اور آپ کے تمام ساتھی پانی سے بھی محروم ہو گئے تھے اور

تین روز پیاسے رہ کر امام حسین اور آپ کے انصار مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ طبری کے نزدیک امام حسینؑ کربلاء میں محرم ۶۱ھ کی دوسری تاریخ پنجشنبہ کو وارد ہوئے تھے۔

حرؓ بن یزید ریاحی کے لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ پھر ورود امامؑ کے دوسرے دن یعنی محرم کی تیسری تاریخ عمر بن سعد چار ہزار فوجی سپاہیوں کے ساتھ کوفہ سے "نینویٰ" میں آ گیا جس کے بعد فوجوں پر فوجیں آتی ہی رہیں۔

"کربلاء" پہنچکر امام حسینؑ گھوڑے سے اُتر پڑے اور خیمے لگانے کا حکم دیا۔ آپ خود بھی اپنی تلوار صاف کرنے لگے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:-

یَا دَهْرُ اُفٍّ لَکَ مِنْ خَلِیْلٖ — کَمْ لَکَ بِالْاِشْرَاقِ وَالْاَصِیْلٖ

اے زمانے! تف ہو تجھ پر تو میرا کیسا دوست ہے کتنی مرتبہ تجھ میں صبح ہوتی ہے اور پھر شام ہو جاتی ہے!

مِنْ طَالِبٍ بِحَقِّهٖ قَتِیْلٖ — وَالدَّهْرُ لَا یَقْنَعُ بِالْبَدِیْلٖ

(تجھ میں) کتنے ایسے لوگ ہیں جو اپنا حق طلب کرتے ہیں مگر دُنیا والے اُن کا حق دینے کے بجائے انھیں قتل کر دیتے ہیں۔ اور (اتنی) یعنی زمانہ کی یہ حالت ہے کہ کسی کا عوض قبول ہی نہیں کرتا جس کی موت مقدر ہو جاتی ہے پھر وہ اپنا عوض دے کر بچ نہیں سکتا۔

وَکُلُّ حَیٍّ سَالِکٌ سَبِیْلِیْ — مَا اَقْرَبَ الْوَعْدَ مِنَ الرَّحِیْلٖ

ہر زندہ شخص اُسی راستہ پر گامزن ہوگا جو میرا راستہ ہے (یعنی کوئی بھی موت سے بچ نہیں سکتا اور وعدۂ سفر روانگی و مسافرت سے کسقدر نزدیک ہے!

وَاِنَّمَا الْاَمْرُ اِلَی الْجَلِیْلٖ — سُبْحَانَ رَبِّیْ مَا لَهٗ مَثِیْلٌ

(یہاں "مَثِیْلٌ" کے قبل لفظ "مِنْ" پوشیدہ ہے) ہر امر، فیصلہ اور ہر بات خدائے جلیل و برتر ہی کے ہاتھ میں ہے اور اُسی کو ہر چیز کا اختیار ہے۔

میرا پروردگار پاک و پاکیزہ ہے۔ اس کا کوئی مثل و نظیر نہیں۔

امام زین العابدین فرماتے ہیں۔ میرے بابا نے یہ شعر بار بار پڑھے جنھیں سُنکر مجھ پر اسقدر اثر ہوا کہ غم کی شدّت سے میں بات بھی نہیں کر سکتا تھا پھر بھی میں نے اپنی آواز ذرا بھی بلند نہ ہونے دی مگر جب یہ شعر میری پھوپھی حضرت زینبؑ نے سُنے تو چیخیں مار کر رونے لگیں اور اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا مینھہ سا برسنے لگا پھر وہ روتی ہوئی اپنے بھائی کی خدمت میں آئیں اور عرض کرنے لگیں۔ اے میرے بھائی، اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک، اور اے دُنیا سے گزر جانے والوں کے جانشین اور اے زندہ رہ جانے والوں کی زندگی کی زینت! کاش میں اس وقت زندہ نہ ہوتی اور آپ کی زبان سے یہ الفاظ نہ سُنتی۔ امام حسین نے فرمایا۔ اے بہن اپنی طبیعت پر صبر و تحمل کے ساتھ قابو رکھو کیونکہ اہل زمین اور آسمانوں میں رہنے والے سب ہی موت سے ہمکنار ہوں گے سوائے اللہ کے ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے وہی ہمارا اصلی حاکم ہے اور اُسی کی طرف ہمیں پلٹنا ہے۔ اے زینب! میرے نانا اور میرے بابا جو مجھ سے بہتر تھے اب موجود نہیں ہیں اور مجھے نیز ہر مسلمان کو اُن کی پیروی کرنا ہے امام حسین کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور فرماتے تھے اگر طائر "قَطَا"، تو چھوڑ دیا جاتا تو وہ آرام کرتا۔ پھر فرمایا اے میری بہن زینب! تم کو میرے حق کی قسم جب میں شہید ہو جاؤں تو میرے غم میں پوری طرح صبر کرنا۔ اس طرح تسلّی دے کر امامؑ نے اپنی بہن کو اُن کے خیمہ میں پہنچا دیا مگر روتے روتے حضرت زینبؑ کو غش آگیا اور خیموں میں تمام سیدانیاں رو رہی تھیں کچھ دیر کے بعد حضرت زینبؑ کو غش سے افاقہ ہوا۔ امام حسینؑ دیر تک بہنوں کو تسلّی دیتے رہے اور صبر کی ہدایت کرتے رہے۔

پھر آپ نے حکم دیا کہ تمام خیمے اسی سرزمین پر نصب کر دیئے جائیں اور قافلہ کو یہیں پر ٹھہرا دیا جائے۔ دوسری جانب حر بن یزید ریاحی نے بھی اپنے لشکر سمیت قیام کیا اور اپنے خیمے لگا دیئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسین نے کربلا پہنچکر ایک مرتبہ پھر اہل کوفہ کو خط لکھا تھا۔ اس روایت کی بنا پر یہ خط قیس بن مسہر صیداوی کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ (اس سے قبل ہم معتبر مورخین کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ قیس کو امامؑ نے راستہ ہی سے کوفہ روانہ فرمایا تھا۔)

جو خط امامؑ نے روانہ کیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے:-

یہ حسین بن علی کا خط ہے سلیمان بن صرد، مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد، عبداللہ بن وال اور تمام اہل ایمان کی طرف۔

تم سب پر میرا سلام ہو! تم لوگ اس بات سے واقف ہو کہ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا جو شخص ایسے ظالم و جابر حاکم و بادشاہ کو دیکھے جو اللہ کے احکام اور سنت رسولؐ کے خلاف عمل کر رہا ہے اور اس کی مخلوق پر ظلم و جور کرتا ہو اور یہ شخص قول یا فعل سے اس کی مخالفت کا اظہار اور اسے روکنے کی کوشش نہ کرے تو اللہ اس شخص کو بھی اسی عذاب میں مبتلا کرے گا جس میں اس حاکم کو مبتلا کرے گا۔

پھر تم خوب جانتے ہو کہ یزید اور اس کے ساتھی شیطان کے راستہ پر گامزن ہیں اور اللہ کی اطاعت کے بجائے اس کی اطاعت میں مشغول ہیں انھوں نے اللہ کی زمین کو فساد سے بھر دیا ہے، اس کے مقرر کئے قوانین کو معطل کر ڈالا ہے۔ مسلمانوں کے مال پر ناجائز طریقہ پر قبضہ جما رکھا ہے۔ اللہ کا مقرر کیا ہوا حلال ان لوگوں نے حرام کر دیا ہے۔ اور اس کے قرار دیئے ہوئے حرام کو حلال بنا ڈالا ہے۔ اس کے ساتھ تم سب جانتے ہو کہ میں

قرابت رسولؐ کے لحاظ سے اس کا پورا حق رکھتا ہوں کہ تمہیں احکامِ الٰہیہ سے آگاہ کر دوں اور تمہیں ہدایت کر دوں۔

تم نے مجھے خطوط بھی لکھے تھے اور میرے پاس وفود بھی بھیجے تھے اور تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم میری بیعت پر قائم رہو گے اور میرا پوری طرح ساتھ دو گے پھر اگر تم نے اپنے عہد کو پورا کیا تو تم بارگاہِ خداوندی سے اس کی جزا پاؤ گے اور اگر تم نے عہد شکنی کی تو یہ تو تمہاری پرانی عادت ہے۔ یہی نقضِ عہد تم نے میرے بابا اور میرے بھائی امام حسنؑ کے ساتھ بھی کیا تھا مگر اس میں نقصان تو صرف تمہارا ہی ہے۔ اور اگر کرو گے تو ہمیشہ کے لئے تم خسارہ میں رہو گے"

اس خط کو بند کر کے قیس بن مسہر کے سپرد کیا اور کوفہ روانہ کر دیا۔

سپہر کاشانی ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۲۹ پر لکھتے ہیں :۔

جب سے امامؑ مکہؐ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ کربلا میں وارد ہونے تک آپ نے دو مرتبہ کوفہ والوں کو خط لکھا۔ پہلا خط عبداللہ بن یقطر کے ہاتھ روانہ کیا اور دوسرا خط قیس بن مسہر کے ہاتھ!

لیکن کتب تاریخ میں اس بات کو صاف طور پر نہیں لکھا گیا کچھ لوگوں نے تو صرف پہلے ہی خط کا تذکرہ کیا ہے اور بعض نے دونوں خطوں کا ذکر کیا لیکن وہ کن لوگوں کے ذریعہ سے روانہ کئے گئے اُن کے نام تحریر نہیں کئے۔ میں نے (صاحب ناسخ نے) جو تحقیق کی ہے اُس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا خط عبداللہ بن یقطر لے گئے تھے اور دوسرا خط قیس بن مسہر۔ ان دونوں کو حصین بن تمیم نے گرفتار کر کے ابن زیاد کے سپرد کر دیا جس نے انہیں قتل کرا دیا تھا۔ جب قیس بن مسہر کے قتل کی خبر بھی امامؑ

کو ہوئی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمانے لگے :- پروردگارا! ہمارے لئے اور ہمارے عقیدتمندوں کے لئے جنّت میں بہترین جگہ اور منزلت عطا فرما اور انھیں ہمارے ساتھ اپنی منزلِ رحمت میں جمع کر دے!

اس موقع پر ہلال بن بجلی اُٹھے اور عرض کی :- اے فرزند رسولؐ! حضور واقف ہیں کہ آپ کے جدّ اللہ کے رسولؐ ہیں پھر بھی وہ ہر شخص کے دل میں اپنی محبت نہ ڈال سکے اور نہ وہ ہر شخص کو اس پر مجبور کر سکے جو اُن کی خواہش تھی اور زبان پر اُن کی تعریف اور محبت کیا کرتی تھی یہاں تک کہ وہ اس دُنیا سے تشریف لے گئے۔

یہی صورتِ حال آپ کے والد کے ساتھ رہی۔ حضور! اب اس وقت بھی صورتِ حال ویسی ہی ہے، بدلی نہیں۔ جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی ہے اگر وہ اس پر قائم رہیں گے تو اُن ہی کا فائدہ ہوگا اور اگر نہ قائم رہیں گے تو اپنا ہی نقصان کریں گے۔ رہے ہم لوگ تو آپ کا ساتھ ہم ہر حالت میں دیں گے اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپ سے الگ نہیں ہو سکتے۔ جو آپ کا دوست ہے وہ ہمارا بھی دوست ہے اور جو شخص آپ کا دشمن ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔

جب ہلال کی تقریر ختم ہوئی تو بُریر بن خضیر اُٹھ کر عرض کرنے لگے :- اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے کہ آپ کی نصرت میں آپ کے دشمنوں سے جہاد کا ہم کو موقع عطا کیا تاکہ راہِ خدا میں آپ کے ساتھ ہمارے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور قیامت کے دن ہمیں رسول اللہؐ کی شفاعت نصیب ہو۔ وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جسنے اپنے نبیؐ کے نواسہ کے حق کو برباد کر دیا اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گی۔

اس کے بعد امام حسینؑ خیمہ میں تشریف لائے اور تمام اہلبیتؑ کو جمع کیا۔ دیر تک سب کو دیکھتے رہے پھر آنکھوں میں

آنسو آگئے اور فرمایا۔ پروردگارا! ہم تیرے نبی محمدؐ کی عترت ہیں ہمیں ہمارے وطن اور ہمارے جدؐ کی آرام گاہ سے نکالا گیا اور بنو امیہ نے ہم پر دستِ ظلم دراز کیا۔ اے پروردگار! تو ہمارے حقوق کی حفاظت فرما اور ظالموں کے مقابلہ میں ہماری نصرت فرما۔

پھر اصحاب و انصار کے مجمع میں آئے اور ان سے خطاب فرمایا:۔

"لوگ تو دنیا کے غلام ہیں! اور دین گویا اُن کی زبان کی ایک لذت اور چاٹ ہے جب تک اُن کے حسبِ منشاء دین کے ذریعہ سے انھیں عیش و آرام ملتا رہتا ہے وہ دین کے گرد گھومتے رہتے اور اُس سے چمٹے رہتے ہیں اور جب اُن کا عیش اور رنگ رلیاں غائب ہو جاتی ہیں تو اُس آزمائشی سختی اور امتحانی وقت میں دین پر قائم رہنے والے بہت ہی کم رہ جاتے ہیں"۔

سفرِ امام حسینؑ پر پھر ایک اجمالی نظر

مکہؔ سے کربلا تک کے سفر میں امام حسینؑ جن منزلوں میں ٹھہرے یا اُدھر سے گذرے اُن کے نام ترتیب کے ساتھ مختلف مورخین نے لکھے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہم کر چکے ہیں اب ہم بعض معاصر اہلِ قلم کی لکھی ہوئی ترتیبِ منازل بھی نقل کرتے ہیں تاکہ اس سلسلہ میں کچھ مزید روشنی پڑ سکے۔

پہلی منزل مکہ کے بعد (۱) "صفاح" تھی۔ اس منزل پر بقول علامہ طبری فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی تھی۔

(۲) "ذاتِ عرق" اس منزل پر عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید بن العاص نے امام حسینؑ سے آکر ملاقات کی۔ اس منزل پر امامؑ کا قیام ثابت نہیں ہے۔

(۳) "بطنُ الرُّمّہ"، یہ ایک وادی کا نام ہے (پہاڑوں کے درمیان
پھیلے ہوئے میدان کو وادی کہتے ہیں) اس وادی کے ایک
مقام کا نام "حاجر" ہے۔ اس منزل پر آپ نے اہل کوفہ کے
نام خط لکھکر قیس بن مُسہر صیداوی کے ہاتھ روانہ کیا تھا
(بحوالہ الاخبار الطوال)

جب امامؑ یہاں سے آگے بڑھے تو ایک جگہ پر عبداللہ بن المطیع
سے ملاقات ہوئی جو عراق سے واپس آرہے تھے

(۴) "زرُود"، اس منزل پر "زُھَیر بن القین" سے ملاقات ہوئی
تھی۔ (بحوالہ الاخبار الطوال) یہ پہلا وہ مقام ہے جہاں
سے روانہ ہونیکے بعد پریشانی کا آغاز ہوا جبکہ عبداللہ بن سُلیم
(دوسروں نے سُلیمان لکھا ہے) اور منذر بن مُشمعِل (دوسروں
نے "اسمعیل" لکھا ہے) سے بھی یہاں ملاقات ہوئی۔

(۵) منزل "زبالہ"، اس منزل پر عبداللہ اور منذر نے حضرت مُسلم
"وھانی" کی خبر شہادت امام حسینؑ تک پہنچائی (ابو حنیفہ دینوری
مصنف الاخبار الطوال، کہتے ہیں کہ اسی منزل پر محمد بن اشعث اور
عُمر بن سعد کا قاصد بھی امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کیونکہ حضرت
مُسلم نے ان دونوں ظالموں سے وصیّت کی تھی کہ امام حسینؑ کو
سفر کوفہ سے منع کر دیں اور وہ یہاں تشریف نہ لائیں اس بناء پر
ان دونوں نے امامؑ کو خط لکھکر بھیجا تھا اور اس وصیّت کا اس میں
ذکر کیا تھا۔ یہ قاصد اس کتاب کے مصنّف کے نزدیک اسی منزلِ
"زبالہ" پر امامؑ کے پاس پہنچا تھا۔ اسی قاصد نے قیس بن مُسہر
کی شہادت کی بھی اطلاع دی تھی پھر آپ کو عبداللہ بن یقطر کی
شہادت کا بھی حال معلوم ہوا۔ جنھیں آپ نے ایک دوسرا خط
دے کر بعد میں کوفہ روانہ کیا تھا۔

اسی منزل پر امامؑ نے اصحاب کے سامنے اس کا اعلان فرمایا کہ

لوگوں نے ہماری بیعت توڑ دی ہے اس لئے اب میں تم سب کو آزادی دیتا ہوں جس کا دل چاہے ہمارے ساتھ چلے اور جو نہ چاہے وہ آزادی کے ساتھ جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ اس اعلان کو سنکر جو راستہ سے لوگ دنیوی لالچ اور طمع کے پیشِ نظر آپ کے ساتھ ہو گئے تھے وہ سب متفرق ہو گئے۔

(۶) " بطنِ عقیق " ، اس منزل پر بنو عکرمہ کا ایک شخص ملا اس نے بتایا کہ ابن زیاد گورنر نے " قادسیہ " اور " عذیب " کے گرد فوجی ناکہ بندی کر رکھی ہے اس نے یہ بھی عرض کی۔ آپ برائے خدا واپس جائیے، آپ کے سامنے سوائے تلواروں اور نیزوں کے کوئی چیز آنے والی نہیں ہے آپ خطوط لکھنے والوں پر بھروسا نہ کیجئے یہی لوگ سب سے پیشتر آپ سے جنگ کرنے کے لئے آئیں گے۔ امامؑ نے اس کی خیر خواہی پر اسے دعا دی اور آگے روانہ ہو گئے۔

حقیقتِ حال یہ تھی کہ حضرت مسلم کو شہید کرنے کے بعد ایک تو خود عبیداللہ بن زیاد کو خیال تھا کہ عنقریب حسینؑ بن علیؑ تشریف لانے والے ہیں اور اس کو اندیشہ تھا کہ اگرچہ ہمتیں پست ہو چکی ہیں لیکن ان کے کوفہ میں آجانے سے کہیں پھر انقلاب نہ پیدا ہو جائے دوسرے مکّہ سے یزید کے جاسوسوں نے اسے اطلاع دے دی تھی کہ امام حسین روانہ ہو چکے ہیں اس لئے اس نے حضرت مسلم کے قتل ہونے کی خبر معلوم ہونے کے بعد ابن زیاد کو لکھا کہ مجھے اس کی اطلاع مل گئی ہے کہ حسینؑ بن علیؑ عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں اب تم ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کردو اور اگر وہم و گمان بھی خطرہ کا ہو تو اس سے تحفظ کرو۔ اور جس شخص پر بھی بدگمانی ہو اسے فوراً گرفتار کر لو (بحوالۂ الاخبار الطوال) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو وہ سب افراد گرفتار کر لئے گئے جن سے اہلبیتِ رسولؐ کی حمایت کا ذرا سا بھی اندیشہ تھا

امام حسین علیہ السلام کے سفرِ کوفہ کی منزلیں
مکۂ معظمہ (کوفہ کے حاجیوں کا عام راستہ) تنعیم۔ ذات عرق۔ فید۔ بطن رمہ۔ معدن النقرہ۔ حاجر۔ اجفر۔ خزیمیہ۔ زرود۔ ثعلبیہ۔ شقوق۔ زبالہ۔ قاع۔ بطن عقبہ۔ واقصہ۔ قرعاء۔ مغیثہ۔
[قافلۂ حسینی کا راستہ ناسخ التواریخ کے مطابق]
تنعیم ۔ مدینہ ۔ ذات عرق ۔ ثعلبیہ ۔ بطن رمہ ۔ چشمہ حاجر ۔ زرود ۔ خزیمیہ ۔ زبالہ
مشرق
مغرب
شمال
جنوب
دارالحکومت
کوفہ
بادیہ
خفان
قادسیہ
حصین بن تمیم
کمانڈر قادسیہ کا فوجی حصار
عذیب
قطقطانہ
سلام
قصر بنی مقاتل
عذیب الہجانات
شراف
بطن عقبہ
خطۂ کربلاء
خیام حسینی
میدان جنگ
صحرائی ٹیلے
نوٹ از مرتبِ نقشہ
مؤلف ناسخ التواریخ اور بعض دیگر مؤلفین نے
مکے سے کوفہ کی طرف جانے میں خزیمیہ کو ثعلبیہ کے بعد لکھا ہے حالانکہ
کوفے سے مکہ جاتے وقت خزیمیہ ثعلبیہ کے بعد پڑتا ہے اور مکے سے کوفہ جانے
میں پہلے آتا ہے۔ اس لئے امام حسینؑ مکہ سے جب کوفہ تشریف لیجا رہے تھے تو خزیمیہ
میں پہلے اور ثعلبیہ میں اس کے بعد پہنچے ہوں گے۔ نیز "ناسخ"
کی ترتیب منازل میں بعض دیگر جغرافیائی غلطیاں بھی ہیں جن کی طرف
ہم نے اسی نقشہ میں نشان دہی کر دی ہے اور جو تفصیلات اصل کتاب
میں درج ہیں ان میں بھی انھیں ظاہر کر دیا ہے
(علامہ) سید محمد رضی (مجتہد)
(جملہ حقوق بحق ادارہ نشر علوم دینیہ محفوظ ہیں)

اور اس طرح شہر کوفہ کے داخلی حالات کی طرف سے پورا اطمینان حاصل ہو گیا اور دوسری طرف کوفہ کے باہر جتنے راستے مختلف سمتوں کی طرف جاتے تھے ان سب کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ تاکہ بصرہ اور مدائن نیز دیگر اطراف کے لوگ جہاں دوستانِ علیؑ کافی تعداد میں بسے ہوئے تھے کوئی مداخلت نہ کر سکیں اور امام حسینؑ کا ساتھ دینے کے لئے کوئی جماعت اور کوئی لشکر کسی طرف سے نہ آسکے اسی بنا پر "قادسیہ" میں جو حجاز و عراق و شام کے راستوں کا مقامِ اجتماع تھا کئی ہزار سواروں کے ساتھ حصین بن تمیم (جسے دوسروں نے ابن نمیر لکھا ہے) کو مقرر کیا گیا جو اس وقت تک شہر کے کوتوال کی حیثیت رکھتا تھا اور "واقصہ" سے لے کر "قطقطانہ"، "لعلع اور خفان"، نیز تمام اطراف و جوانب میں جو شام اور بصرہ کے راستہ میں تھے اس سب علاقہ میں لشکر پھیلا دیا گیا۔ نہ کوئی اس فوجی حصار کی وجہ سے اندر آسکتا تھا اور نہ باہر نکل سکتا تھا چنانچہ قیس بن مسہر صیداوی اور عبداللہ بن یقطر جو امام حسینؑ کے فرستادہ اہل کوفہ کے نام خط لئے جا رہے تھے وہ اسی قادسیہ میں پہنچ کر "حصین" کے ہاتھوں گرفتار ہوئے (پھر انھیں اس نے ابن زیاد کے سپرد کیا جس نے ان دونوں کو انتہائی ظلم کے ساتھ قتل کر ڈالا) حضرت امام حسینؑ جب ان حدود میں پہنچے اور صحرائی عربوں سے حالات دریافت کئے تو انھوں نے کہا کہ بخدا ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں سوائے اس کے کہ نہ تو ہم اندر جا سکتے ہیں اور نہ باہر نکل سکتے ہیں۔

جہاں تک اندازہ کیا جاتا ہے "بطن عقیق" تک امام حسینؑ بالکل اس راستہ پر جا رہے تھے جو سیدھا کوفہ پہنچتا تھا لیکن یہ سن کر کہ قادسیہ کے ناکہ پر فوجوں کا پہرا ہے اور وہاں جانا اپنے آپ کو یقینی طور پر دشمن کے ہاتھ میں گرفتار کرا دینا ہے، آپ اس شاہراہ سے ذرا ہٹ کر روانہ ہوئے اور اسی لئے قادسیہ کو جو ہر کوفہ جانے والے

کے محلّ گذر میں واقع ہونا ضروری تھا اور جہاں قیس بن مسُہر اور عبداللہ بن یقطرؓ گرفتار ہوئے تھے، آپ کے منازل میں واقع نہیں ہوا اور آپ کا اس فوج سے تصادم نہیں ہوا جو حصینؔ کی سرکردگی میں قادسیہؔ کے حدود میں مقیم تھی۔

(۷) "شراۃ"، بطن عقیق سے روانہ ہو کر امامؑ نے یہاں رات بسر کی (بحوالۂ الاخبار الطوال) صبح کو حکم دیا کہ پانی خوب بھرلیا جائے اور مشکیں اور چھاگلیں پانی سے بھر لی گئیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام کسی چشمے کے کنارے واقع تھا اور یہاں پانی کا کثرت سے ساتھ لینا اسی غرض سے تھا کہ اب شاہراہ کو چھوڑ کر صحرائی اور غیر معروف راستہ اختیار کرنا تھا۔ عام شاہراہ پر تو تھوڑی تھوڑی دور پر چشمے یا کنویں وغیرہ موجود ہوا کرتے ہیں (لیکن ہم نے اپنے گذشتہ اوراق میں تحقیق کے ساتھ لکھا ہے کہ اس نام کی کوئی جگہ قادسیہؔ کے قرب و جوار میں موجود نہ تھی بلکہ معجم البلدان میں اس نام کی جگہ کو مکہؔ اور مدینہ کے درمیانی راستہ پر کوہ عسفان کے قریب بتایا گیا ہے۔ جس کا کوفہ اور قادسیہؔ سے دُور تک کوئی بھی ربط نہیں ہے۔) ہم نے لکھا ہے کہ یہ دراصل ابو حنیفہ دینوری کی غلط فہمی ہے۔ یہ جگہ "شراۃ" نہیں بلکہ "شراف"، ہی ہے۔ (مؤلف)

(۸) "شراف"، ۶۰ھ ختم ہو چکا ہے اور پہلی محرم ۶۱ھ آگئی ہے تقریباً دن میں دوپہر کا وقت ہو گا امام حسینؑ کا قافلہ منزل "شراف" کے حدود سے آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک شخص نے آپ کے اصحاب میں سے بلند آواز سے کہا "اللہ اکبر"، (اس کے بعد لشکرِ حرؔ کی آمد کا ذکر ہے۔)

(۹) "ذو حُسم"، اس منزل اور اس سے قبل کے حالات وہی ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

(۱۰) "بُیضہ"۔ اس منزل پر امام حسینؑ نے اپنے اصحاب اور لشکرِ حُر کے سامنے تقریر کی جس میں اسلام کی تعلیمات کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے فرائض کو بتایا اور ہر مسلمان کے فرائض و حقوق سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔

(۱۱) "عُذَیبُ الھِجانات"۔ یہاں بھی آپ نے قیام فرمایا اور حُر کے لشکر نے بھی بہت نزدیک ہی پڑاؤ ڈال دیا۔

(۱۲) "قصرِ بنی مُقاتِل"۔ عُذَیبُ الھِجانات سے امام حسینؑ روانہ ہوئے تو کوفہ کے راستہ کو چھوڑ کر اُس کے داہنی طرف چلے۔ یہاں تک کہ "قصرِ بنی مُقاتِل" پر پہنچے۔ "قصرِ بنی مُقاتِل" سے روانہ ہوئے اور تھوڑا ہی راستہ طے ہوا تھا کہ امام حسینؑ پر کچھ نیند کے آثار طاری ہونے لگے (یہ سفر رات کے وقت ہوا تھا)۔ جب آنکھ کھلی تو فرمانے لگے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (اس موقع پر حضرت امام حسین اور آپ کے فرزند علیؑ اکبر کی گفتگو لکھی جا چکی ہے)

(۱۳) "نِینوٰی"۔ مملکتِ آشور کے دارالسلطنت کا نام تھا جو آٹھویں اور ساتویں صدی قبل مسیح، شباب پر تھی اور یہ مملکتِ دجلہ اور فرات کے دامن میں پھیلی ہوئی تھی مگر یہاں "نینوٰی" سے مراد ایک قریہ ہے جو نہر فرات پر "غاضریہ" سے کوفہ جانے والوں کے راستہ میں واقع تھا اور جس کا ایک حصّہ نہر فرات کی مشرقی سمت میں اور دوسرا حصّہ مغربی سمت میں تھا جو نہر فرات پر ایک پُل کے ذریعہ سے ملے ہوئے تھے۔ نینوٰی غربی میدان کربلاء سے متصل تھا۔ عمر ابن سعد کی فوج کا بڑا کیمپ "نینوی" شرقی میں تھا۔ مولّف)

غرض "نینوٰی" پہنچکر ایک مسلّح ناقہ سوار کوفہ کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا اور سب کے سب کھڑے ہو کر اُس کا انتظار کرنے

لگے جب وہ آگیا تو اس نے حُر اور اُن کے ساتھیوں کو تو سلام کیا مگر امام حسین اور آپ کے اصحاب کو سلام نہیں کیا۔ یہ قاصد ابن زیاد کا تھا جو اُس کا خط حُر کے نام لایا تھا (تفصیل گذر چکی ہے)۔

(۱۴) "کربلا"، یہ امام حسینؑ کی آخری منزل تھی۔

اب اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر امام حسینؑ کے مختلف پہلوؤں پر ایک سیر حاصل تبصرہ کیا جائے جس سے اس جگہ کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ بحیثیت مجموعی یہ سفر امامؑ کے مقصد کے لئے کسقدر ضروری تھا۔ ہمیں یہ تو معلوم ہی ہے کہ امام حسینؑ کا مقصد یزید سے اُس طرح کی جنگ نہ تھی جیسی دُنیا میں عام طور پر ہوا کرتی ہے۔ اُنھیں نہ سلطنت حاصل کرنا مقصود تھا اور نہ براہِ راست یزید کی سلطنت سے مادّی جنگ لڑنا بلکہ اُن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کریں اور چاہے اپنی اور اپنے تمام عزیزوں کی جانیں ضائع کرکے ہی کیوں نہ ہو ملّتِ مسلمہ میں ایک ایسا ذہنی انقلاب پیدا کر دیں کہ وہ یزید اور اُس کے کردار کو اُس کی اصلی شکل میں دیکھنے لگیں اور اُن کے ظاہری اسلام سے دھوکا نہ کھائیں اس کے لئے آپ نے مدینہ سے روانگی اختیار کی۔ جہاں تک مدینہ سے نکلنے کا تعلق ہے اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے اور معاویہ کی سیاست پر بھی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

اگر امام حسینؑ مدینہ میں رہتے اور وہاں رہ کر یزید کے مقابلہ میں جنگ کرتے یا قربانی پیش کرتے تو اس میں وہ نوعیت اور خصوصیت پیدا ہی نہ ہوتی جو آپ کے پیش نظر تھی۔ یا زہر کام کرتا یا تلوار۔ مگر تلوار کیسی جس کی ذمہ داری کسی صورت سے بھی سلطنت شام پر عائد نہ ہو سکتی۔ بلکہ عبدالرحمان ابن ملجم کی طرح کا کوئی خارجی نکلتا

اور وہ امام حسینؑ کو شہید کر ڈالتا۔ یا کوئی تیر لگتا جو امامؑ کی زندگی تمام کر دیتا۔ جس طرح سعد بن عبادہ صحابی رسولؐ کو رات کے وقت کسی نامعلوم شخص نے تیر مار کر قتل کر دیا تھا اور عرصہ تک شہرت یہ رہی کہ کسی "جن" نے تیر مارا تھا (سعد بن عبادہ متوفی سنہ ۱۴ھ قبیلۂ خزرج کے سردار اور جلیل القدر صحابی رسولؐ تھے انھوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی بیعت سے انکار کیا اور مرتے دم تک بیعت نہ کی پھر مدینہ چھوڑ کر شام کے مقام "حوران" چلے گئے اور وہیں رہے حضرت سعد بن عبادہ اُن بارہ نقیبوں میں سے تھے جنھیں سرور کائناتؐ نے مدینہ والوں کی ہدایت اور مذہبی امور کی انجام دہی کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ (ضروری حوالوں کے ساتھ "الاعلام ج ۳/۴ ص ۱۳۵ میں علامہ زرکلی نے ان کے واقعات کا خلاصہ لکھا ہے۔)

بہر حال امام حسینؑ نے مدینہ اسی وجہ سے چھوڑا تھا کہ اُن کا واقعۂ شہادت کوئی اچانک اور بے سان گمان کا معمولی حادثہ ہو کر نہ رہ جائے۔ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ میں قیام کیا جو قلب عالم اسلام اور مرکز جزیرہ نمائے عرب تھا اور جہاں حج کے لئے ہر طرف سے کھنچ کھنچ کر لاکھوں مسلمان جمع ہوا کرتے تھے۔ علاوہ فریضۂ حج کے جو اسلامی شریعت کی رُو سے ہر استطاعت و قدرت رکھنے والے مسلمان پر عمر میں ایک مرتبہ فرض قرار دیا گیا ہے خود عرب کے قدیم روایات اور سابق عملدرآمد کی وجہ سے جو صدیوں سے قائم تھا عرب کے اس خطہ کو تمام مختلف الخیال قبائل عرب میں بڑی اہمیت حاصل تھی اور اسی لئے وہ ہر سال یہاں جمع ہو کر مذہبی مراسم کے ساتھ ادبی و سیاسی مسائل طے کیا کرتے تھے۔ وہ مشہور کانفرنسیں جو شعر و سخن اور تجارتی مسائل کے سلسلہ میں منعقد ہوتی تھیں جن کو "اسواق العرب"، "عرب کی بازاریں" کہا جاتا تھا، ماہِ ذیقعدہ

سے لے کر محرّم تک، مکّہ، طائف اور مدینہ کے درمیان ہی قائم و منعقد ہوئی تھیں۔ امام حسینؑ کی شخصیت دنیائے عرب میں کوئی اجنبیت نہ رکھتی تھی اگرچہ مذہبی احساسات مُردہ ہو گئے ہوں اور حسینؑ کو اُن کے واقعی مراتب کے ساتھ لوگ نہ پہچانتے ہوں لیکن رسول اللہؐ کا نواسہ امیرالمؤمنین علیؑ بن ابیطالب کا فرزند، مشہور سخی جس کے در سے کوئی سائل کبھی محروم نہ پھرا، بنو ہاشم کا اُس وقت سب سے زیادہ قابلِ احترام فرد۔ یہ باتیں وہ تھیں جن سے کوئی بھی بے خبر نہ تھا امام حسینؑ نے حج کا زمانہ اپنے قیامِ مکّہ کے لئے منتخب فرمایا تھا کہ یہاں خاموش قیام بھی مملکت کے تمام اطراف میں بیعتِ یزید سے آپ کے اختلاف کی شہرت کے لئے کافی تھا اور یہی سب سے بڑی وجہ تھی جس سے آپ کی زندگی سیاستِ وقت کے لئے یہاں بھی ناقابل برداشت ہو سکتی تھی اور اسی لئے یزید کی طرف سے حاجیوں کے بھیس میں خاص جاسوس بھیجے گئے تھے کہ آپ کو گرفتار کر لیں یا قتل کر ڈالیں۔ لیکن امامؑ کو یہاں قتل ہونا منظور نہ تھا۔ اوّل تو اُسی وجہ سے جو آپ نے ظاہر کی کہ آپ اپنے سبب سے حرمتِ خانۂ کعبہ کا ضائع ہونا پسند نہ کرتے تھے دوسری بات جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کے گرد و پیش حج کے زمانہ میں ایک بڑا اجتماع ہوا کرتا تھا، ہر قسم کے لوگ اور ہر طرف سے آئے ہوئے لوگ وہاں جمع ہوتے تھے۔ امام حسینؑ کے لئے تو یہ بات بہر حال غیر ممکن تھی کہ آپ عرفات، منیٰ مشعر، مقام ابراہیم، ہر جگہ پر اپنے ساتھ پہرا رکھتے اور پہرا بھی اتنا مستحکم جو اُس ہنگامے اور اژدحام میں پوری نگرانی رکھ سکے۔ بہت ممکن تھا کہ حجرِ اسود کے چومنے ہی کے وقت، عرفات میں وقوف کی حالت میں، مشعر کی طرف واپسی کے موقع پر، منیٰ کی قربانی کے وقت، مقام ابراہیمؑ پر نماز کی حالت میں یا اور کسی وقت بھی

اچانک آپ پر قاتلانہ حملہ ہو جاتا، اس طرح کہ قاتل کا پتہ بھی نہ لگتا
اس کے بعد کس میں طاقت تھی جو یہ کہہ سکتا کہ حسینؑ کا قاتل یزید
ہے یا اس کا کوئی فرستادہ اور جاسوس (جب کہ کربلا کے واقعہ
کے بعد یزید کے قاتل ہونے کی حیثیت پوری طرح متعین اور
واضح ہو جانے کے بعد بھی شام میں یزید نے اس کا اعلان کیا
تھا کہ وہ امام حسینؑ کا نہ قاتل ہے اور نہ اُن کے قتل میں شریک اور
نہ قتل کا حامی تھا اور اس مقصد کے لئے دربارِ عام منعقد کر کے
فوج کے سرداروں میں سے ہر ایک سے پوچھا تھا کہ قاتل حسینؑ کون
تھا؟ بالآخر ایک سردار فوج نے جواب دیا کہ حسینؑ کا قاتل وہ ہے
جس نے فوجیں بھیجیں، علمِ لشکر بلند کئے اور وہ خود تو ہے اے
یزید ـــــ!
غرض ایسی حالت میں جب بالاعلان یزید کا کوئی لشکر اور
ظاہر بظاہر کوئی فوج نہ تھی جس سے امام حسینؑ کا مقابلہ ہوتا تو یزید
کو شہادت امام حسینؑ سے اپنی بے تعلقی ظاہر کرنے میں کوئی
بھی دشواری نہ ہوتی اور آپ کی شہادت ایک اتفاقی حادثہ
سے زیادہ کوئی بھی حیثیت اختیار نہ کر سکتی بلکہ اس واضح حقیقت
کے بعد آج بھی اس کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے کہ یزید کو
بے قصور ثابت کیا جائے۔ (مولف)
بہر حال اس طرح مکہ میں قتل ہو جانے سے حرمتِ کعبہ پر بھی
اثر پڑتا، خونِ حسینؑ بھی بے نتیجہ ہو جاتا، حاجیوں کے قافلوں
اور خود حج کی عبادت بھی ضائع ہو جاتی اور اہلِ مکہ و مدینہ میں
فسادِ عظیم برپا ہو جاتا۔ پھر قاتلوں کی ظاہر داری کے ساتھ تلاش
شروع ہوتی اور اُن کا کہیں پتہ نہ چلتا جس کی مثالیں اس وقت
بھی ہمیں ہر ملک کی سیاست کے ہتھکنڈوں میں ملتی رہتی ہیں۔
کوئی کہتا کہ یزید نے قتل کرایا ہے کوئی کہتا کہ نہیں یہ حرکت

عبداللہ بن زبیر کی ہے اور یہ بھی ممکن تھا کہ عبداللہ بن عمر اور دوسروں کو بھی اس الزام میں شامل کر لیا جاتا کیونکہ مکہ میں امام حسین سے قریب تر تو عبداللہ بن زبیر وغیرہ ہی تھے۔ واقعات بھی اس قسم کی باتوں کا ساتھ دیتے کیونکہ عبداللہ بن زبیر بھی خلافت کے دعویدار تھے اور اسی لئے امام حسینؑ کی موجودگی مکہ میں اُن پر بے حد گراں تھی اور یہ بات اسقدر نمایاں تھی کہ جب امامؑ نے مکہ سے روانہ ہونے کا قطعی ارادہ کر لیا تھا تو عبداللہ بن عباس نے طنز کے طریقہ پر عبداللہ بن زبیر کو مبارکباد دی تھی کہ اب تمھارے لئے میدان بالکل خالی ہو گیا ہے کیونکہ حسینؑ جن سے تمھیں اپنی تحریکِ خلافت کے لئے خوف تھا وہ مکہ سے کوفہ جا رہے ہیں، اب تم جو چاہو وہ کر سکتے ہو، راستہ صاف ہے۔"

یقیناً ابن زبیر کی ناگواری اور اس نیت و خواہش کا اُموی حکومت کو بھی علم ہو گا اور اسی لئے یہ بہت آسان بات ہوتی کہ امام حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری عبداللہ بن زبیر پر ڈال دی جاتی اس شدید خطرہ کی بنا پر آپ نے مکہ کو چھوڑ دیا اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مکہ کے گورنر نے انھیں روکنے کی کوشش کی مگر آپ کے آہنی عزم کے سامنے اُسے اپنی فوج ہٹانا پڑی۔ یزید کے گورنر کا امام حسین کو مکہ سے روانہ ہوتے وقت روکنا اور اُن کی مزاحمت کرنا اس کا واضح ثبوت ہے کہ حسین بن علیؑ مکہ میں آزاد نہ تھے۔ آپ کے پیش نظر دو چیزیں تھیں ایک تو اپنی اور اپنے اعزہ اور واجب الاحترام اہل ایمان کی جانوں کی حفاظت اور دوسری چیز اسلام کے کسی قانون کو برباد نہ ہونے دینا۔ (اور اصلی نصب العین درحقیقت یہی تھا) مگر بہر حال نتیجۃً اور بہت سی حیثیتوں سے بھی آپ کے اس مقصد کو وہ طاقت اور کامیابی حاصل ہو گئی جو کہ بلائے جانے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

آپ کا خلاف توقع حج کو ترک کر دینا اور تمام اہل و عیال کے ساتھ مکّہ معظمہ سے نکل کھڑے ہونا ایسی حالت میں کہ حج کا زمانہ بہت ہی تھوڑا سا باقی رہ گیا تھا یعنی صرف ایک دن، اس بات نے تمام عرب قبائل کے نمائندوں میں ایک بجلی کی سی لہر دوڑا دی اور اگر کوئی تاریخ اس موقع کی مکمل طور پر اُسی وقت قلم بند کی گئی ہوتی تو اُس میں یہ بات ضرور نظر آتی کہ اس موقع پر لوگوں کے کیا خیالات تھے اور کیا کیا تذکرے ہر طرف ہو رہے تھے۔

حسینؑ بن علیؑ کہاں چلے گئے؟ حج بھی نہ کیا! آخر تمام اہل و عیال اور اقرباء کے ساتھ اپنے نانا کی قبر کو کیوں چھوڑ دیا؟ یزید کے خوف سے! یزید کیا چاہتا ہے؟ حسینؑ سے بیعت کا طالب ہے! بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے! فرزند رسولؐ بھلا ایسے شراب خوار اور زنا کار کی بیعت کرے! اچھا پھر مکّہ معظمہ میں قیام کیوں نہ کیا؟ حج کو کس لئے ترک کر دیا؟ جان کا خطرہ تھا! شاید مکّہ میں حسینؑ کو قتل کرنے کے لئے شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے تھے۔ اس سے بڑھ کر سفاکی اور کیا ہو سکتی ہے! فرزند رسولؐ کو حرم میں بھی نہ رہنے دیا گیا!

یہ وہ تذکرے ہوں گے جو مکّہ اور اُس کے اطراف و جوانب میں اکثر باخبر حلقوں میں بڑی قوت کے ساتھ جاری ہوں گے۔ وہ زمانہ جب مراسلت کے ذرائع بہت محدود تھے اور تار ٹیلیفون وغیرہ کے سے خبر رسانی کے وسائل موجود نہ تھے اس سے بڑھ کر کوئی طریقہ واقعات کی اشاعت کا ممکن نہ ہو سکتا تھا۔ مکّہ سے روزانہ لوگ آتے جاتے رہتے تھے جو شخص اپنے شہر میں تازہ وارد ہوا اس کو بھی نئے نئے واقعات کے ضمن میں امام حسینؑ کی نقل و حرکت اور اُس کے اسباب و علل کا بیان کرنا ضروری تھا۔ اس کا مطلب اگرچہ یہ نہ تھا کہ امامؑ کے لئے کوئی بڑا لشکر جمع ہو جائے کیونکہ اس کی

آپ نے دعوت ہی نہیں دی تھی، لیکن اتنا ضرور ہے کہ پہلے سے ان حالات کی اشاعت ہو جانے سے آپ کی شہادت نامعلوم اسباب وعوامل کا نتیجہ قرار نہیں پائی اور اہل شام کو اپنے دل سے اس کے لئے مخصوص بہانے تراشنے کا موقع نہ مل سکا اور اس لئے امام حسین کی مظلومیت مخفی نہ رہ سکی۔ یقیناً اگر امامؑ کی طرف سے نشر واشاعت کے ان طریقوں کو عمل میں نہ لایا جاتا تو سلطنت یزید کی طرف سے امامؑ کی شہادت کو طرح طرح کے مصنوعی لباس پہنائے جاتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ کا خون ناحق رائیگاں جاتا بایں معنی کہ آپ جان بھی کھوتے اور جو غرض تھی یعنی اعلائے کلمۂ حق، وہ بھی حاصل نہ ہو سکتی مگر اب صورت حال اس کے بالکل برعکس ہو گئی یعنی ادھر امام حسینؑ شہید ہوئے اور فوراً ہی ساری دنیا نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ وہ مظلوم اور حق پر تھے اور شام کا بادشاہ یزید اور اس کے ہوا خواہ کسی افترا پردازی اور تہمت تراشنے کا موقع ذرا بھی نہ پا سکے۔ ان ہی اسباب و وجوہ کی بنا پر شہادت حسین دنیا بھر میں مشہور ہو گئی اور چھپائے نہ چھپ سکی اور قاتل بھی روز روشن کی طرح نمایاں ہو گئے اور ان کے چہروں پر کوئی نقاب نہ ڈالی جا سکی (شہادت کی تشہیر اور واقعاتِ شہادت کے نشر ہونے میں علاوہ امام حسینؑ کے اس سفر کوفہ کے، اہلبیتؑ کرام یعنی امام زین العابدینؑ اور بناتِ رسولؐ کے خطبے، دربا روں اور بازاروں میں، اور ان کا قیدی ہو کر، کوفہ اور دمشق کے طویل راستوں سے گزر وغیرہ بھی بڑے موثر عوامل تھے۔ (مؤلف)

امام حسینؑ نے اپنی نقل و حرکت کے اسباب کو اپنی شہادت کے پہلے ہی تمام عالم اسلام میں شائع کر کے دشمنوں کی زبانیں بند کر دی تھیں اور اس طرح اپنی مظلومیت کے سامنے دنیا بھر کا سر خم

کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام حسینؑ کا قافلہ جو مکہ سے نکل کر کوفہ کی طرف جا رہا تھا وہ خود ایک مبلّغ تھا۔ حج کی وجہ سے عراق، یمن، طائف اور دیگر مقامات سے قبائل، مکّۂ معظمہّ میں آ رہے تھے اِدھر امام حسینؑ اپنے اہل و عیالؑ اور انصار و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ خیموں اور تمام اسباب کو ساتھ لئے ہوئے ایک بڑے قافلہ کی صورت میں مکّہ سے جا رہے تھے۔ عالمِ مسافرت میں زندگی گزارنے والے واقف ہیں کہ راستہ میں چار پانچ آدمیوں کا قافلہ بھی نظر آجائے تو کھوج ہوتی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (بلکہ ایک آدمی بھی دکھائی دے تو یہی ہوتا ہے) کہاں سے آتے ہیں اور کیوں آتے ہیں؟ پھر کہاں امام حسینؑ کا شاندار قافلہ اور اصحاب و انصار کا لشکر، اس پر طرّہ یہ کہ حج کو دو دن باقی رہ گئے تھے (بلکہ ایک ہی دن) مکّۂ معظمہّ کی طرف سے آ رہا ہو جبکہ دنیا مکّہ کی طرف حج کے لئے جا رہی ہو۔ یہ وجوہ و اسباب یقیناً جاذبِ نظر اور باعثِ توجہ تھے اور ایک اجنبی شخص کو یہ پوچھنا ناگزیر تھا کہ یہ کس کا قافلہ اور لشکر ہے، کہاں جا رہا ہے؟ پھر جب امام حسینؑ کا نامِ نامی معلوم ہو گیا ہو تو سوالات کی کثرت اور اہمیت کی حد نہیں رہ سکتی تھی چنانچہ تاریخیں شاہد ہیں کہ فرزدق شاعر سے ملاقات امام حسینؑ کی یوں ہی اتفاقی طور سے ہو گئی تھی اور عبداللہ بن مُطیع اور عمر بن عبدالرحمٰن مخزومی سے بھی اسی طرح جب کہ وہ مکّہ کی طرف جا رہے تھے اور امام حسینؑ مکہ کی طرف سے آ رہے تھے اِس سے صاف ظاہر ہے کہ حسینؑ بن علیؑ اور ہاشمی جوانوں کا شاندار قافلہ جو خانۂ کعبہ کو بہ مجبوری چھوڑ کر صحرا میں راہ پیما تھا۔ دور دور کے لوگوں کو حالات کے سمجھنے اور انکی تحقیق پر مجبور کر دیتا تھا اسی کے ساتھ مدینہ میں محمدؑ بن حنفیہؒ اور عبداللہ بن جعفر کو چھوڑ دینا بھی بڑا معنی خیز تھا۔ جیسا بتلایا جاتا ہے کہ یہ دونوں بزرگ بیمار

کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام حسینؑ کا قافلہ جو مکہ سے نکل کر کوفہ کی طرف جا رہا تھا وہ خود ایک مبلّغ تھا۔ حج کی وجہ سے عراق، یمن، طائف اور دیگر مقامات سے قبائل، مکۂ معظمہ میں آ رہے تھے اِدھر امام حسینؑ اپنے اہل و عیال اور اقربا و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ خیموں اور تمام اسباب کو ساتھ لئے ہوئے ایک بڑے قافلہ کی صورت میں مکّہ سے جا رہے تھے۔ عالمِ مسافرت میں زندگی گزارنے والے واقف ہیں کہ راستہ میں چار پانچ آدمیوں کا قافلہ بھی نظر آجائے تو کھوج ہوتی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (بلکہ ایک آدمی بھی دکھائی دے تو یہی ہوتا ہے) کہاں سے آتے ہیں اور کیوں آتے ہیں؟ کجا کہاں امام حسینؑ کا شاندار قافلہ اور اصحاب و انصار کا لشکر، اس پر طرّہ یہ کہ حج کو دو دن باقی رہ گئے تھے (بلکہ ایک ہی دن) مکۂ معظّمہ کی طرف سے آ رہا ہو جبکہ دنیا مکّہ کی طرف حج کے لئے جا رہی ہو۔ یہ وجوہ و اسباب یقیناً جاذبِ نظر اور باعثِ توجہ تھے اور ایک اجنبی شخص کو یہ پوچھنا ناگزیر تھا کہ یہ کس کا قافلہ اور لشکر ہے، کہاں جا رہا ہے؟ پھر جب امام حسینؑ کا نام نامی معلوم ہو گیا ہو تو سوالات کی کثرت اور اہمیت کی حد نہیں رہ سکتی تھی چنانچہ تاریخیں شاہد ہیں کہ فرزدق شاعر سے ملاقات امام حسینؑ کی یوں ہی اتفاقی طور سے ہو گئی تھی اور عبداللہ بن مطیع اور عمر بن عبدالرحمٰن مخزومی سے بھی اسی طرح جب کہ وہ مکّہ کی طرف جا رہے تھے اور امام حسینؑ مکہ کی طرف سے آ رہے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حسینؑ بن علیؑ اور ہاشمی جوانوں کا شاندار قافلہ جو خانۂ کعبہ کو بہ مجبوری چھوڑ کر صحرا میں راہ پیما تھا۔ دور دور کے لوگوں کو حالات کے سمجھنے اور ان کی تحقیق پر مجبور کر دیتا تھا اسی کے ساتھ مدینہ میں محمّد بن حنفیہؒ اور عبداللہ بن جعفر کو چھوڑ دینا بھی بڑا معنی خیز تھا۔ جیسا بتلایا جاتا ہے کہ یہ دونوں بزرگ بیمار

بھی ہوں (حضرت محمد بن حنفیہؒ سخت علیل تھے اور ہاتھ پیروں میں رعشہ کی شدید شکایت تھی اور حضرت عبداللہ بن جعفر نابینا ہو گئے تھے جیسا کہ ہم نے خود بھی اپنی اس کتاب کے بعض حصّوں میں جہاں عبداللہ بن جعفر کا ذکر آیا ہے۔ تحریر کیا ہے۔ مولّف) مگر ہمیں یقین ہے کہ اگر فرض کا احساس حضرت امام حسینؑ کو انھیں اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ کرتا تو بیماری کی صورت میں بھی نہ آپ اس میں کوتاہی کرتے اور نہ یہ افراد ہی ایسے تھے کہ امامؑ کی آواز پر لبّیک کہنے میں تامّل کرتے۔ امام حسینؑ یہ جانتے تھے کہ حج کے بعد تمام مسلمان مدینہ ضرور جاتے ہیں اور وہاں خانوادۂ رسولؐ کے افراد سے بھی شرفِ ملاقات حاصل کرتے ہیں۔ آپ کی مدینہ میں عدم موجودگی ہی ان لوگوں پر بڑا گہرا اثر ڈالے گی مگر یہ واقعات کی منفی passive شہرت ہوتی اس لئے شہرتِ واقعات کا Active (فعّال) اثر ڈالنے کے لئے آپ عبداللہ بن جعفر اور محمدؒ بن حنفیہؒ کو مدینہ ہی میں چھوڑ گئے تاکہ یہ لوگ جو اسلامی دنیا میں کافی ممتاز حیثیت کے مالک ہیں آپ کے مقاصد کی اشاعت کرتے رہیں اور جس اسلامی تحریک کی کامیابی کے لئے آپ قربانیاں دینے جا رہے ہیں اس کے صدر مقام میں مورچا مضبوط رہے۔ عبداللہ بن جعفر تاجر تھے اور اُن کے تجارتی تعلقات نہ صرف اہل مدینہ اور اہل مکّہ سے تھے بلکہ باہر سے آنے والے تمام تاجروں سے بھی تھے۔ مدینہ میں برابر تجارتی قافلے آیا کرتے تھے اور پھر یہ قافلے مدینۂ منوّرہ سے شہروں شہروں گھوم کر واپس ہوتے تھے عبداللہ بن جعفر ان قافلوں کے سرکردہ افراد میں اسلامی تحریک کے اثرات کو اچھی طرح پھیلا سکتے تھے اب یہ دیکھئے کہ مکّہ سے نکلنے کے بعد آپ کا رُخ کس طرف ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ کوفہ کی طرف تھا اس کے اخلاقی اور مذہبی پہلو بیان کئے جا چکے ہیں اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ اہل کوفہ کے انتہائی

اصرار کو اس بناء پر مسترد کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہ تھا کہ ہمیں تم پر اعتماد نہیں ہے جبکہ آپ کے نمائندہ نے کوفہ جا کر وہاں کے حالات کو بھی قول و قرار کے مطابق پایا تھا لیکن اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کوفہ کی جانب روانگی کو آپ کے مقصد یعنی مستقبل میں آنے والے ذہنی و اخلاقی تعمیری اور اسلامی انقلاب میں کتنا بڑا دخل ہے۔

امام حسینؑ اپنے وطن سے بیکسی اور بے بسی کے ساتھ نکل چکے تھے، مکہ میں بھی بھروسے کے قابل صورتِ حال نہ تھی مگر مکہ معظمہ سے آپکا نکلنا اہلِ کوفہ کے مہمان کی حیثیت سے تھا اور عرب کی غیرت و حمیت کے تقاضے مہمانی کے بارے میں سبکو معلوم ہیں۔ اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ عین موقع پر کچھ مجبوریوں سے اہلِ کوفہ کثرت کے ساتھ امام حسینؑ کی امداد کو نہیں پہنچ سکے یا جان بوجھ کر نہیں پہنچے مگر عربی فطرت و جبلت کے لازمی نتیجہ کے طور پر یہ یقینی بات تھی کہ بعد کو اہلِ کوفہ کے دلوں میں ایک عجیب بے قرار احساس پیدا ہوا اس امر کا کہ ہم نے حسینؑ بن علیؑ کو بلایا تو مگر مہمان نوازی کا حق ادا کرنے کے بجائے اُن کی مدد نہ کی اور اُن کی شہادت کا باعث بھی ہو گئے۔ پھر یہی احساس آگے بڑھ کر اور وسیع تر حلقہ میں پھیل کر اور پرورش پا کر ایک عظیم انقلاب کی صورت اختیار کرنے جو اس ظلم و سفاکی کے بیڑے کو ہمیشہ کے لئے ڈبو کر چھوڑے پھر نتیجہ میں امام حسینؑ کے مقصد کی فتح اور دشمنوں کی دائمی شکست تاریخ کا جزو بنکر رہ جائے۔ پھر بعد میں تو ایسا ہی ہوا کہ اِدھر امام حسینؑ شہید ہوئے اور اُدھر اہلِ کوفہ کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو گیا حالات تو کچھ ایسے ہی تھے کہ امام حسینؑ جہاں بھی جاتے انھیں وہاں شہید کرنے کی کوشش کی جاتی لیکن یہ بات نہ ہوتی جو کوفہ کی طرف آنے میں ہوئی جو آپ کی دائمی فتح بن گئی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر سُننے کے بعد بھی اپنے ارادہ کو مضبوطی سے قائم رکھا اور اپنے آخری انجام کی ذمہ داری

اہل کوفہ پر باقی رکھی وہ لوگ جو حضرت مسلم کی شہادت کے بعد آپ کو واپسی کا مشورہ دے رہے تھے یقینی طور پر اُن میں بعض مخلص تھے مگر انھیں حسینی مقصد کا اندازہ نہ تھا آپکی روانگی کا واقعہ اگر حقیقتہً کچھ خوشگوار توقعات پر مبنی ہوتا تو بے شک اب اس ارادہ کو بدل جانا چاہیئے تھا اس لئے کہ وہ توقعات اب مایوسی سے بدل گئے تھے لیکن جبکہ آپ کے سامنے اُمیدوں کا کوئی سبز باغ موجود نہ تھا بلکہ جو چیز آپ کے سامنے تھی وہ کوفہ والوں کی دعوت اور غیر معمولی طلب تھی جس کی قبولیت سے اتمام حجت کا مقصد پورا ہوتا تھا اس لیئے اس ارادہ میں تزلزل کے وقوع پذیر ہونے کا امکان نہ تھا آپ کے استقلال، ثبات قدم، وعدہ کی سچائی اور بات کی پابندی کا تقاضا یہی تھا کہ آپ اپنے دشمنوں کو دکھا دیں کہ ہم اپنے وعدہ پر کس طرح قائم رہ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ابھی تک حضرت مسلم کی شہادت کی تفصیلات بھی نہیں آئی تھیں۔ عام صورت حال کی بنا پر بظاہر یہ بات ممکن تھی کہ وہ بڑی خونریز لڑائی کے بعد شہید ہوئے ہوں جس میں اہل کوفہ نے پورے طور پر داد شجاعت دی ہو مگر حکومت کی فوج کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوئے ہوں اور ممکن ہے کہ اُن کے دلوں میں یہ ارمان ہو کہ اگر امام حسینؑ آجاتے تو انھیں تازہ قوت مل جاتی اور حالات کا ورق بالکل پلٹ جاتا۔ ایسے حالات میں امامؑ کا یہیں سے پلٹ جانا جبکہ کوفہ کے بہت سے لوگ آپ ہی کی خاطر سے ایک بڑی مصیبت اور کشمکش میں مبتلا ہو چکے تھے بڑی کمزوری اور کم ہمتی کا نمونہ سمجھا جا سکتا تھا اس کے علاوہ اگر آپ روانہ ہوتے تو کس طرف! غرض آپ نے اپنے اقدامات سے اُس وقت کے اسلامی ماحول کا آنے والی دُنیا کو اندازہ کرا دیا۔ انھوں نے مکّہ کو خیرباد کہکر وہاں کی حالت زار کو ظاہر

کر دیا اور کوفیوں کے ادّعائے غلط آمیز کو اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم کو کوفہ بھیجکر بالکل نمایاں کر دیا اُس وقت مکہ، مدینہ اور کوفہ، اسلامی تہذیب کے خاص مرکز تھے جہاں رسول اللہ اور حضرت علیؑ نے لوگوں کی حالت سدھارنے کے لئے اپنی زندگیاں ختم کر دی تھیں جب اِن مقامات کی یہ حالت تھی تو شام، فلسطین، بصرہ، مصر اور یمن وغیرہ سے کیا اُمید کی جاسکتی تھی۔

آپ نے اپنے راستہ میں اُس وقت کچھ تبدیلی کی جب حرؓ کا لشکر آپ کے سامنے آیا اور اُس نے کہا کہ ہم آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جائیں گے۔ اَب آپ نے راہ کو بدلا کیونکہ اَب آپ کا آگے بڑھنا دو ہی صورتوں سے ہو سکتا تھا۔ ایک تو یہ کہ آپ جنگی لوعیت سے اپنی مختصر فوج کو آگے بڑھاتے۔ دوسرے یہ کہ آپ صبر اور خاموشی کے ساتھ جس طرح اَب تک آرہے تھے اِسی طرح کوفہ کی طرف اپنی رفتار کو جاری رکھتے۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت اُن حالات میں غیر ممکن تھی کیونکہ ابتک آپ کا آگے بڑھنا خود مختارانہ حیثیت سے اپنے ارادہ سے تھا اور اَب حرؓ کی فوج آجانے کے بعد اِس مقصد سے کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس کوفہ لے جائے، آپکا خاموشی کے ساتھ آگے بڑھنا ابن زیاد کے ہاتھ میں اَسیر اور قیدی بن جانا ہے۔ خود اپنے اختیار سے کوفہ جانا اور بات تھی اور ابن زیاد کا قیدی ہو کر کوفہ جانا ایک ایسی بات تھی جو کہ حسین بن علیؑ کا سا بلند ہمت انسان کسی طرح بھی منظور نہیں کر سکتا تھا اِسی لئے آپ نے حرؓ کی اِس بات کا کہ ہم آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانے کے لئے آئے ہیں۔ انتہائی ترش اور دلیرانہ جواب دیا کہ موت تمھیں اس چیز

سے زیادہ نزدیک نظر آئے گی۔

امام حسینؑ تشدّد کا راستہ کسی حال میں بھی اختیار نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے آپ نے پہلی ہی گفتگو میں جو حُر کے ساتھ ہوئی اپنی اس رواداری کا اظہار کر دیا تھا کہ میں بلایا ہوا آیا ہوں اگر میرا آنا منظور نہ ہو تو میں واپس جاتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ رواداری اُس وقت باقی نہ رہتی اگر آپ کوفہ پر دفعۃً حملہ کر دیتے یا حُر کی فوج سے جنگ شروع کر دیتے جس پر زہیر بن قین وغیرہ اصرار کر رہے تھے۔ مگر آپ نے یہی فرمایا کہ ہم جنگ کی ابتدا نہیں کرنا چاہتے۔ بس یہی سبب تھا کہ آپ نے فوج حُر کی اس مزاحمت کے بعد کوفہ کا خیال ترک کر دیا اور واپس جانے کا ارادہ کیا۔ کہاں؟ مدینہ، یا مکّہ یا طائف و یمن وغیرہ یا کسی اور جانب!

اور یہی جنگ سے حتی الامکان بچنے کا مظاہرہ ہی اس کا باعث تھا کہ جب کربلا کی سرزمین پر پہنچکر حُر کی فوج نے قطعی طور پر آگے بڑھنے میں مزاحمت شروع کر دی تو آپ نے وہیں خیمے نصب کرا دیئے۔ کیونکہ اب بغیر جنگ کئے ہوئے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے پھر آگے بڑھنے کی صورت میں اگر کوئی اہم مرکز آپ کے پیشِ نظر ہوتا جہاں جاکر آپ اطمینان سے زندگی بسر کریں تو اچھا یوں بھی سہی، ان لوگوں سے اپنے مقصد میں سدّراہ ہونے کی وجہ جنگ بھی کر لی جائے لیکن جب آپ کے سامنے کوئی خاص مرکز موجود نہیں ہے اور نتیجہ میں ابن زیاد کی فوج میں گھر جانا ہی ہے تو صرف اس بات پر جنگ کرنا کہ ہم یہاں نہیں ٹھہریں گے، آگے بڑھیں گے، ایک لاحاصل سی بات تھی جنگ ہو تو پھر وہی آخری جنگ ہو جس میں بیعت اور عدم بیعت کا سوال تھا اور جو آپ نے مدافعتی صورت پر بہترین طریقہ سے انجام

دی اس لئے آپ نے اپنی طرف سے اس موقع پر بھی امن پسندی اور رواداری کا ثبوت دیا کہ اچھا تم کہتے ہو تو ہم یہیں قیام کر لیں گے، دیکھیں آئندہ حالات کی رفتار کیا ہوتی ہے! چنانچہ آپ نے کربلا کی زمین پر نہر فرات کے کنارہ سے ہٹ کر خیمے نصب کر لئے۔ مکہ سے کوفہ تک کی منزلوں کی جغرافیائی صورت جو واقعات سے ظاہر ہوتی ہے۔ حسب ذیل تھی:۔

جس زمین کو اب کربلا کہا جاتا ہے یہ حقیقتاً مجموعہ ہے چند زمینوں اور قریوں کا جو اس زمانہ میں بالکل پاس پاس واقع تھے اس کی مثال زمینداریوں، جاگیروں اور مواضعات کی حیثیت سے ہر ملک میں موجود ہے۔ اور خصوصیت سے عرب میں ایسا پایا جاتا تھا کہ چھوٹے چھوٹے قطعات زمین کے مستقل نام ہوا کرتے تھے جنھیں اگر ہر ایک کی خصوصیت کے ساتھ دیکھا جائے تو وہ کئی مقام ہیں اور اگر اُن کے باہمی قرب پر نظر کی جائے تو وہ سب ایک ہی ہیں اور ایک جگہ کا واقعہ دوسری جگہ کی طرف منسوب ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ علامہ ہبتہ الدین شہرستانی مرحوم نے "نہضتہ الحسین" میں لکھا ہے:۔ واقعۂ کربلا کے محلّ وقوع میں جو بہت سے نام گوش زد ہوتے ہیں کربلا، نینوٰی، غاضریہ، شطِ فرات انھیں ایک ہی جگہ کے متعدّد نام نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ وہ متعدد جگہیں تھیں جو باہمی قرب کی وجہ سے ایک ہی سمجھی جا سکتی تھیں اور اس لئے حادثہ کے محلّ وقوع کے اعتبار سے ہر ایک کا نام تعارف کے موقع پر ذکر کیا جانا صحیح قرار پاتا تھا۔

"نینوٰی" یہ ایک قریہ تھا جسے موجودہ زمانہ کے سدّہ ہندیہ کے قریب سمجھنا چاہئے اس کے پہلو میں غاضریہ تھا۔ یہ قبیلۂ

بنو اسد کی ایک شاخ بنو غاضرہ کی طرف نسبت رکھتا تھا اور ان ہی کا محلّ سکونت تھا یہ غالباً وہ زمین ہے جو اب "حُسینیہّ"، کے نام سے مشہور ہے۔ اس جگہ ایک "شُفیہّ"، مقام بھی تھا اور یہیں پر ایک قطعۂ زمین "کَرَبَلہّ"، (لتشدید لام کے ساتھ) پایا جاتا تھا۔ وہ اب موجودہ شہر کربلا کے مشرقی سمت میں جنوب کی طرف واقع ہے۔ اس کے متصل "عقر بابل"، کے نام کا قریہ تھا جو غاضریّات کے شمال غربی حصہ میں واقع تھا وہاں اب کھنڈر ہیں جہاں بہت سے آثار قدیمہ کے انکشاف کی امید ہے اور یہ نہر فرات کے بالکل کنارے پر تھا اور اب قدرتی محلّ وقوع یعنی ٹیلوں میں گھرے ہونے کی وجہ سے ایک قلعہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے مقابل "غاضریّات"، کے دوسری جانب "نواویس"، ایک مقام تھا جو اسلامی فتوحات کے قبل ایک عمومی قبرستان کی حیثیت رکھتا تھا اس کے وسط میں زمین "حَیر"، تھی جو اب "حائرہ"، کے نام سے معروف ہے۔ اور جہاں حضرت امام حسین کی قبر مبارک ہے۔ "حَیر"، ایک وسیع میدان کی حیثیت رکھتا تھا جو تین طرف سے متصل اور پہلو بہ پہلو ٹیلوں سے گھرا ہوا تھا۔ ان ٹیلوں کا سلسلہ شمال مشرقی سمت سے جدھر حرم حسینی کا "بابُ السِّدرہ" اور "مَنارہ عبدُ"، ہے شروع ہوکر مغرب کی جانب "بابِ زینبیہ"، کے حدود تک پہنچتا تھا اور وہاں گھوم کر جنوب کی طرف در قبلہ کے مقام پر آکے ختم ہو جاتا تھا۔ ان متصل ٹیلوں کے اجتماع سے ایک نصف دائرہ کی شکل بنتی تھی جو "ل"، کی صورت سمجھی جا سکتی ہے۔ اس دائرہ میں داخل ہونے کا راستہ مشرقی جہت میں اس جانب سے تھا جدھر روضۂ حضرت عباس میں جانے کا راستہ ہے تحقیق کرنے سے اب تک یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ان مکانات کے آثار میں جو قبر امام حسینؑ کے گرد ہیں شمالی

اور مغربی جانب زمین کی قدیمی بلندی کے نشانات موجود ہیں اور
مشرقی جانب ہوائے نرم مٹی کے، جو پستی کی طرف مائل ہے کچھ نظر
نہیں آتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کی قدیمی صورت
ایسی ہی تھی کہ مشرق کی جانب سے ہموار اور شمال و غرب کی
جانب سے ہلالی شکل پر بلند تھی یہی ہلالی دائرہ وہ تھا جس
میں فرزند رسولؐ کو گھیر کر شہید کیا گیا تھا۔ "فُرات" کی اصلی نہر
(ندی) جسے ہماری اُردو زبان میں دریائے فُرات کہا جاتا ہے۔
اُسے براہ راست کوئی تعلق "کربلاء" کی زمین سے نہ تھا (فارسی
میں "دریا" سمندر یا بہت بڑی ندی جیسے "نیل" وغیرہ کے لئے
بولتے ہیں اور عربی زبان میں اسی کو "بَحر" کہا جاتا ہے لیکن
اُردو میں چھوٹی ندی کو بھی دریا کہدیتے ہیں۔ مولّف) اس کا
خطّ سیر (بہاؤ) "مُسَیّب" وغیرہ مقامات سے ہوتا ہوا کوفہ
کے بیرونی حصّوں کی جانب تھا۔ کربلاء میں اور اس نہر فرات میں
بڑا فاصلہ ہے۔

لیکن اس بڑی نہر فُرات (دریائے فُرات) سے ایک چھوٹی
سی شاخ مقام "رضوانیہ" کے پاس سے نکل کر جُدا ہوتی تھی
جو کربلا کے شمالی مشرقی جانب کے ریگستانوں اور نشیبول
سے ہوتی ہوئی اُس مقام سے ہو کر گذرتی تھی جہاں حضرت عباسؑ
بن علیؑ کی قبر مُبارک ہے اور اس کے بعد موجودہ مقام "ھِندیہ" کی
طرف سے بہتی ہوئی اُس مقام کے مغربی شمالی جانب جس کا نام
قریۂ "ذوالکِفل" ہے اصل دریائے فرات سے مل جاتی تھی یہ چھوٹی
سی نہر "علقمہ" کے نام سے موسوم تھی اور اُسے اپنی اصل کے
اعتبار سے "فُرات" کہا جاتا تھا "طَفّ" کے معنی ہیں "نہر کا کنارہ
(اور کبھی سمندر کے ساحل کو بھی طَفّ کہتے ہیں۔ مولّف) خصوصیت
سے دریائے فرات کے اُس کنارے کو جو جنوبی پہلو میں "بصرہ"

سے "ھیت" تک تھا، "طف" کہا جاتا تھا اور اسی مناسبت سے "فراتِ صغیر" یعنی "نہرِ علقمی" کے اس کنارے کو جس میں کربلاء کی زمین واقع تھی "طف" کہا جانے لگا اور اسی سبب سے "کربلاء" کے واقعہ کو "واقعۃ الطف" کہا جاتا ہے اور کربلاء کو "شطِ فرات" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔"

جغرافیۂ کربلاء پر مزید تبصرہ

اب ہم جغرافیۂ کربلاء پر زیادہ وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ہماری خطی جلد ۵ شہادت کبریٰ صفحہ) اللہ کا ارشاد ہے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(سورۃ القصص/۲۸/۳۰) جب موسیٰؑ اس آگ کے پاس پہنچے تو انھیں ایک آواز سنائی دی اس میدان کے داہنی جانب سے، اس مبارک مقام میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ یہ تو میں اللہ ہوں! تمام جہانوں کا پروردگار!"

راسخین فی العلم (ائمۂ ھدیٰ) کا بیان ہے کہ شاطیٔ وادیِ ایمن، سے مراد "شطِ فرات" ہے اور "بقعۂ مبارکہ" سے مراد "کربلاء" ہے۔ اس بناء پر یہ "بقعۂ مبارکہ" شعائر اللہ میں داخل ہوگا۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں "نہرِ فرات" کربلاء میں موجود تھی اور یہ ارضِ مقدس باعتبارِ فضل وشرف امام حسینؑ کی قبرِ مطہر سے چاروں طرف پچیس پچیس فرسخ ہے۔ یعنی ہر چہار جانب سے پچھتر (۷۵) ستر میل بقعۂ مبارکہ شمار ہوتا ہے اور یہ پورا رقبہ "حرمِ حسینی" کا حکم رکھتا ہے لیکن باعتبار زیادتیِ شرف وکرامت وفضل جو حصہ

سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، وہ ضریح اقدسِ امام حسینؑ کے چاروں طرف پچیس ۲۵ پچیس ۲۵ ہاتھ ہے اس سے کم مساحت یعنی بیس ۲۰ بیس ۲۰ ہاتھ چاروں طرف اُس سے بھی زیادہ محلِ برکت و شرف و فضیلت ہے۔

ایک روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قبر مطہّر سے چاروں طرف دس ۱۰ دس ۱۰ شرعی میل "حرمِ اقدس" کے حکم میں ہے (یعنی بُقعۂ مبارکہ)

کشکول شیخ بہاءالدّین عاملی میں ہے:۔ امام حسینؑ نے اُھلِ "غاضریّہ" سے زمینِ کربلا کو خریدا تھا اور یہ خِطّہ چار در چار یعنی سولہ (۱۶) شرعی میل مربّع تھا اور اس روایت اور ایک دوسری روایت کی بنا پر پچیس ۲۵ فرسخ یعنی پچھتّر ۷۵ شرعی میل زمین کو امام حسینؑ نے ساٹھ ہزار درہم میں خریدا تھا۔ اُس زمین کی جُغرافیائی تفصیل بیان کرنے سے پیشتر اُس بُقعۂ مبارکہ میں انبیاءؑ و مرسلینؑ کے وُرود کا کچھ حال لکھا جاتا ہے۔

بحارُالانوار میں علاّمہ مجلسیؒ نے لکھا ہے:۔ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السّلام جنّت سے زمین پر آنے کے بعد جب حضرت حوّاؑ کی جستجو میں روانہ ہوئے تو آپ کا گزر زمین کربلا کی طرف سے ہوا تھا تو ٹھوکر لگی، پیر دل سے خون بہنے لگا اور پنڈلیوں سے خون بہہ کر زمین پر گرا۔ درگاہِ باری تعالیٰ میں مناجات کی، کیا کوئی اور ترکِ اولیٰ مجھ سے سرزد ہوگیا ہے جس کی یہ سزا ملی ہے؟ میں نے تمام کرۂ زمین کا دورہ کیا مگر جو تکلیف مجھے اِس خِطّۂ ارض میں پہونچی کسی دوسری جگہ نہیں پہونچی تھی۔ ندا آئیؑ، اے آدمؑ! تم سے کوئی گناہ نہیں ہوا بلکہ اُس زمین پر تمہارا فرزند حسینؑ ذبح ہوگا اور اُس کا خون بہے گا اس لئے اُس کی موافقت میں تمہارا خون بھی یہاں بہا۔

آدمؑ نے عرض کی، اے پروردگار کیا حسینؑ کوئی نبی ہوگا

آواز آئی: نہیں بلکہ وہ محمدؐ (آخری پیغمبر) کا نواسہ ہوگا جو تمھاری نسل سے ہوگا اس کے بعد آدمؑ نے کل حال معلوم کیا اور جبرئیلؑ امین کے کہنے سے قاتلان حسینؑ پر چار مرتبہ لعنت اور نفرین کی یہاں تک کہ چند قدم آگے بڑھے اور کوہ عرفات پر پہنچکر حوّا کو پالیا۔

نوحؑ کی کشتی جب کربلا کے خطہ پر پہنچی ہوئی آئی تو موجوں کے تلاطم سے قریب تھا کہ غرق ہو جائے۔ نوحؑ مضطرب ہو گئے مناجات کی۔ ندا آئی کہ یہاں حسینؑ شہید ہوگا۔ اُنھوں نے بھی قاتلان حسینؑ پر نفرین کی یہاں تک کہ گرداب کم ہو گئے اور کشتی کوہِ جودی پر ٹھہر گئی۔ ابراہیمؑ خلیل گھوڑے پر سوار ہو کر کربلا، کی طرف سے عبور کر رہے تھے گھوڑے کو ٹھوکر لگی ابراہیمؑ گر گئے سر شگافتہ ہو گیا خون بہکر زمین پر گرا خلیلؑ نے مناجات کی جبرئیلؑ آئے اور کہا اے خلیلؑ اللہ! آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا ہے، مگر بات یہ ہے کہ اس سرزمین پر سبطِ پیغمبر آخرالزماں قتل ہوگا تو آپ کا خون اُن کے خون کی موافقت میں بہہ رہا ہے تاکہ آپ اُن کی مصیبت میں شریک ہو جائیں۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی بھیڑیں نہر فرات کے کنارے چرا کرتی تھیں گلہ بان نے خبر دی کہ اے خدا کے نبی چند روز سے یہ بھیڑیں نہر فرات سے پانی نہیں پی رہی ہیں آپ نے مناجات کی جبرئیلؑ آئے اور فرمایا کہ خود اُن بھیڑوں ہی سے دریافت کر لیجئے یہ اس کا سبب بتا دیں گی۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ نے اُن گوسفندوں سے دریافت فرمایا تو اُنھوں نے فصیح زبان میں جواب دیا کہ ہمیں خدا نے بتا دیا ہے کہ پیغمبر آخرالزّماں کا فرزند اسی صحرا میں تھوڑا پیاسا شہید ہوگا اس لئے ہم نے بھی دانہ پانی چھوڑ دیا ہے اور اُس کے غم میں مشغول ہیں۔ یہ سُنکر حضرت اسمٰعیلؑ نے بھی قاتلان حسینؑ پر لعنت کی۔ یہ بھی واضح رہے کہ "حیات القلوب"

کی روایت کی بنا پر یہ اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ نہ تھے بلکہ اسمٰعیلؑ بن حزقیل تھے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمٰعیلؑ بن حزقیلؑ کا مسکن نواحِ کوفہ میں تھا نہ کہ حجاز میں۔

ایک روز موسٰیؑ اپنے وصی یوشعؑ بن نون کے ساتھ کربلا سے گزر رہے تھے بندِ نعلین خود بخود ٹوٹ گیا اور پائے مبارک زخمی ہو گیا اور خون پیر سے جاری ہو کر زمین پر گرا۔ آپنے مناجات کی، وحی ہوئی کہ اس سرزمین میں فرزندِ خاتم المرسلینؐ قتل ہوگا۔ کلیم اللہؑ نے سنتے ہی یزید اور اس کے ساتھیوں پر لعنت کی اور یوشعؑ بن نون نے آمین کہی۔ ایک دوسری حدیث میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہے۔ اَلْغَاضِرِیَّۃُ ھِیَ الْبُقْعَۃُ الَّتِیْ کَلَّمَ اللّٰہُ فِیْھَا مُوْسیٰ بْنَ عِمْرَانَ وَنَاجیٰ نُوْحًا فِیْھَا۔ غاضریہ وہ خطۂ زمین ہے جہاں خدا نے موسٰی بن عمران سے کلام کیا تھا اور نوحؑ سے بھی گفت گو کی تھی۔

حضرت سلیمانؑ ایک روز اپنی "بساط" پر ہوا میں جا رہے تھے جب بساطِ سلیمانی خطۂ کربلا پر سے گزری، ہوا نے تین مرتبہ بساط کو پلٹ دیا اور سلیمانؑ کو خوف ہوا کہ کہیں گر نہ جائیں ناگاہ ہوا کو سکون ہوا اور بساطِ سلیمانی زمینِ کربلا میں اتری حضرت سلیمانؑ نے ہوا پر عتاب کیا ہوا نے جواب دیا خدا کے نبی! اس سرزمین پر سبطِ نبیؐ آخرالزماں قتل ہوگا یہ سنکر سلیمانؑ نے بددعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور قاتلانِ حسینؑ پر نفرین کی اور تمام انس و جن نے آمین کہی تو پھر ہوا کو جنبش ہوئی اور بساط فضا میں بلند ہو گئی۔

حضرت عیسٰیؑ بن مریمؑ اپنے حواریوں کے ساتھ زمین کی سیاحت فرما رہے تھے یہاں تک کہ آپ کا گزر زمینِ کربلا کی طرف سے ہوا۔ ایک شیر کو دیکھا کہ وہ ان کا راستہ روکے بیٹھا ہوا

ہے۔ حضرت عیسیٰ نے اُس شیر سے دریافت کیا کہ وہ کیوں راستہ پر بیٹھا ہوا ہے اور اُن کو کیوں آگے نہیں جانے دیتا، اُس نے جواب دیا کہ جب تک تم لوگ سبطِ رسول الثقلین کے قاتلوں پر لعنت نہ کروگے میں تمہیں راستہ نہ دوں گا۔ آپ نے قاتل کا نام دریافت کیا اُس نے جواب دیا کہ اُن کا قاتل وہ ہے جس پر تمام وحشی جانور، بھیڑیئے اور درندے سب کے سب لعنت کرتے ہیں خصوصاً عاشور کے روز یہ سُنکر عیسیٰ نے بھی ہاتھ بلند فرمائے اور یزید پر نفرین کی اور حواریوں نے آمین کہی اسکے بعد وہ شیر اپنی جگہ سے ہٹا اور راستہ دے دیا۔

تہذیبُ الاحکام میں محمد بن سنان سے مروی ہے کہ حضرت امیرالمومنین کا زمین کربلا کی طرف سے گزر ہوا تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا "اس زمین پر دو سو نبی، دو سو وصی اور دو سو اسباط اپنے ساتھیوں اور انصار کے ساتھ شہید ہوئے ہیں" اور مجالسُ المتقین میں محمد تقی برغانی قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت یونسؑ کو مچھلی نے ارضِ نینوی یعنی زمین کربلا ہی میں ڈالدیا تھا۔ اس ارضِ مقدس کربلا کا عرض البلد ۳۲ درجہ اور ۳۷ دقیقہ ہے اور طول البلد بحساب گرینچ ٹائم (greenwich time) ۴۴ درجہ ۴۲ دقیقہ ہے۔ کربلا سے بغداد پچاس میل ہے اور کوفہ بتیس ۳۲ میل۔ جب امام حسین علیہ السلام اس سرزمین پر تشریف لے گئے تھے تو اس زمانہ میں وہاں دو قریے تھے شطِ فرات پر، ایک نینوی دوسرے غاضریہ اور نہر فرات اس مقام پر شمال کی طرف سے جدھر مقام مسیّب ہے۔ جنوب کی طرف بہتی تھی اور جو کچھ آثار ملتے ہیں نہر کے جاری ہونے کے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس نہر کا مجرٰی (بہاؤ) قبہ مرقدِ حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر یا یہ قبہ عون

بن علیؑ ہے) کی طرف سے ہے جو کربلا سے ایک فرسخ یعنی تین میل
جانب شمال ہے، مُسَیَّب کے راستہ میں اور یہ نہر مُسَیَّب کی
طرف سے نینوی کی طرف بہتی تھی بلکہ کوفہ کی طرف مقام نُخَیلہ
کی جانب جو تین فرسخ (۹) میل ہے۔ کربلا سے جنوب کی طرف
مگر مائل بہ شرق ہوکر مطلب یہ ہے کہ نہر فرات شمال کی طرف
سے مقام مُسَیَّب سے ہوتی ہوئی کوفہ کی سمت یعنی جنوب کی
طرف مشرق کی طرف جھکتی ہوئی بہتی تھی (عراق کا قبلہ
جنوب کی طرف ہے مغرب کی طرف نہیں ہے) حضرت عونؑ بن علیؑ
حضرت حبیبؓ بن مظاہر کے ہمراہ بنی اَسَد کی امداد لانے کے
لئے مقام غاضریہ میں ساتویں محرم کو کربلا سے تشریف
لے گئے تھے اور جب بنی اسد کی کمک لائے تو عین موقع پر
ازرق شامی اور اس کے چار سو فوجیوں سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔
حضرت عونؑ اس مقابلہ میں شہید ہو گئے اور بنی اَسَد واپس
ہو گئے مگر حبیبؓ بن مظاہر صحیح و سالم رہے تھے۔ کتاب
"دَمعۂ سَاکِبَہ" اور "روضۃ الشُّہدَاء" میں لکھا ہے کہ یہ جنگ شط
فرات پر واقع ہوئی تھی لہٰذا مقامِ جنگِ حضرت عونؑ سے نہر کے
بہاؤ کا رُخ ثابت ہے۔ اور روضۂ حضرت عونؑ سے روضۂ حضرت
امام حسینؑ جنوب کی طرف ہے نیز روضۂ حضرت عباسؑ جنوب کی
طرف مائل بہ شرق ہے۔ اور روضۂ حضرت حُر جانب مغرب
واقع ہے جو کربلا کی آبادی سے جنوبی سمت میں معلوم ہوتا ہے
لہٰذا نہر فرات کربلا میں حضرت عونؑ کے روضۂ مبارکہ کی طرف
سے جنوب کی طرف مائل بہ شرق ہو کر حضرت ابوالفضل العباسؑ
کے روضۂ اقدس کے نیچے سے گزرتی تھی اور وہاں سے جنوب
ہی کی طرف نینوی پہونچی تھی اور وہاں سے مقام نخیلہ کی طرف
سے۔ خود "نخیلہ" کا وجود ہی بتاتا ہے کہ نہر فرات کا گزر اسی

طرف سے تھا کیونکہ اُس زمانہ میں جدھر نہریں جاری ہوا کرتی تھیں اُسی طرف درخت بھی ہوتے تھے کنویں ایک تو کم تھے دوسرے بڑی مشکل سے اُن میں سے پانی نکالا جاتا تھا کیونکہ وہ بہت گہرے ہوا کرتے تھے اور اکثر کھاری پانی نکلتا تھا اس لیئے باغ زیادہ تر نہروں ہی کے راستوں میں ہوا کرتے تھے تو قریۂ غاضریّہ میں بنی اسد کا قیام تھا جو روضۂ حضرت عونؑ کے قریب تھا مگر وہ یقیناً "شطِّ فرات"، ہی پر تھا لیکن "ارشادِ" شیخ مفیدؒ میں تدفینِ شہداء کے ذیل میں بنی اسد کا حال اس طرح لکھا ہوا ہے:۔ جب ابن سعد کربلاء سے روانہ ہوا تو بنی اسد کے کچھ لوگ نکلے جو غاضریّہ میں ٹھہرے ہوئے تھے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وہاں مستقل طور پر آباد نہ تھے۔ اس کے علاوہ روضۂ امام حسینؑ بنا بر تحقیق شیخ ابو جعفر طوسیؒ غاضریّہ اور نینوی کے درمیان تھا چنانچہ "تہذیب الاحکام جو کتب اربعۂ اہل تشیّع میں سے ہے۔ شیخ موصوف اس کے باب المزار میں لکھتے ہیں"۔ "وَقَبْرُهُ عَلَيْهِ السَّلَام بِطَفِّ كَرْبَلَاءَ بَيْنَ نِيْنَوٰى وَالْغَاضِرِيَّةِ فِي قُرَى النَّهْرَيْنِ"۔ قبر امام حسین علیہ السّلام طفِّ کربلاء میں نینوی اور غاضریہ کے مابین واقع ہے دونوں نہروں کے قریوں میں سے۔ اور جب یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ غاضریّہ طفِّ کربلاء سے جانب شمال میں تھا تو یہ کہنا کہ "بین نینوی والغاضریّہ خود ظاہر کرتا ہے کہ نینوی کربلاء سے جانب جنوب میں ہو گا۔ اور اسی نہر فرات پر۔!

بعض حواشی "تہذیب الاحکام" میں لفظ "غاضریّہ"، کی تحقیق میں ذکر کیا گیا ہے "اَلْغَاضِرَةُ بِالْغَيْنِ وَالضَّادِ الْمُعْجَمَيْنِ قَرْيَةٌ مِنْ قُرَى النَّهْرَيْنِ الدِّجْلَةِ وَالْفُرَاتِ"۔ یعنی غاضرہ (غاضریّہ) ایک قریہ ہے۔ دجلہ اور فرات کے قریوں میں سے۔!

اس کے علاوہ صُراح، قاموس اور مجمع البحرین میں ہے "الغاضِرَۃ قبیلۃٌ من بنی اَسَدٍ" محشّی کتاب "ارشاد" نے نینوی کے تذکرہ میں لکھا ہے "نینوی بکسر النون الاولی وسکون الیاء وفتح النون الثانیۃ والواو ناحِیَۃٌ بسوادِ الکوفۃِ ومنھا کربلاءُ التی قُتِلَ بھا الحُسَینُ" اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ غاضِرِیّہ ایک قریہ تھا جو دجلہ اور فرات کے مابین واقع تھا اور یقیناً اس کو فرات سے جانب شرق ہونا چاہیئے اور نینوی فرات سے جانب مغرب تھا اور طفّ کربلا اس قریۂ نینوی کے جزو کی حیثیت رکھتا تھا لیکن نینوی کے دو حصّے تھے کچھ حصّہ فرات سے مغرب میں تھا اور کچھ حصّہ فرات سے مشرق میں تھا یعنی فرات اس قریہ کے درمیان سے گزرتی تھی اسی مناسبت سے ایک حصہ کو نینوی غربی اور دوسرے حصّہ کو نینوی شرقی کہا جاتا تھا۔ طفِّ کربلا۔ نینوی غربی کا جزو تھا کیونکہ وہ بھی نہر فرات سے جانب مغرب واقع تھا۔ نینوی کا دوسرا حصّہ شرقی تھا چنانچہ صاحب "سُرُورُ المؤمنین" نے لکھا ہے کہ ایک زنِ مؤمنہ نینوی شرقی سے برائے فاقہ شکنی اہل حرم کے لئے شامِ عاشور کو کچھ طعام اور پانی لائی تھی یہ وہی زن مؤمنہ تھی جو وقتِ عصر استغاثۂ امام حسینؑ شکر میدان میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اور اذنِ جہاد طلب کیا تھا مگر آپ نے اذن عطا نہیں کیا تھا۔ ساتھ ہی وصیّت کی تھی کہ میری شہادت کے بعد شام کو تم میرے گھر والوں کی فاقہ شکنی کرا دینا جس کا ثواب وہی ہوگا جو میرے ساتھ جہاد کا ثواب ہے۔

(سُرُورُ المؤمنین مجلس ۱۶ صفحہ ۲۵۳)

نینوی شرقی ہی میں عمر بن سعد کا فوجی کیمپ بھی تھا جو متعدد روایتوں سے ثابت ہے چنانچہ شیخ مفیدؒ اپنی کتاب

"ارشاد" میں تحریر کرتے ہیں۔ فَلَمَّا کَانَ مِنَ الْغَدِ الخ (ترجمہ)
امام حسینؑ کے ورود کربلاء کے دوسرے دن صبح کو عمر بن سعد
بن ابی وقاص کوفہ سے چار ہزار سواروں کی فوج کے ساتھ کربلاء
پہنچا اور "نینوی" میں آ اترا۔
ابو مخنف اپنے مقتل میں لکھتا ہے (ترجمہ) پھر عمر بن سعد نہر
فرات کو عبور کر کے ہر شب میں کربلاء آتا تھا اور کسی جگہ فرش
بچھا کر امام حسینؑ کے ساتھ گفتگو کرتا تھا اور روزانہ شب
کو کافی دیر تک سلسلۂ گفتگو جاری رہتا تھا۔ ان دونوں
روایتوں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ابن سعد "طف" سے
مشرقی سمت میں (یعنی نہر فرات سے مشرقی جانب) مقیم
تھا اور وہیں اُس کی فوج کے خیمے تھے اور امامؑ کے خیمے نہر فرات
سے مغربی سمت میں تھے اسی بنا پر جب ابن سعد کو امام حسینؑ
سے ملاقات کرنا ہوتی تھی تو وہ نہر فرات کو عبور کر کے مغربی
سمت میں آجاتا تھا۔ بہرحال نہر فرات کا بہاؤ تو معلوم ہی ہو گیا۔
کہ وہ شمال کی طرف سے یعنی "مُسَیَّب" کی آبادی کی طرف سے
کوفہ کی جانب تھا یعنی کربلاء سے جنوبی سمت تھا اور اس وقت
"فرات" کا بہاؤ مسیّب کی طرف سے پوری طرح ثابت ہے۔
لیکن نہر فرات کا نام "نہر علقمی" ثابت نہیں ہے اور بعض بعض
مقامات اور بعض عبارتوں کے علاوہ کسی دوسری جگہ کتب
زیارات، احادیث و اشعار و مراثی میں نظر سے نہیں گزرا
(سوائے اس تشریح کے جو علامہ ہبتہ الدین مرحوم کی ہم نے
ابھی نقل کی ہے) ہر جگہ لفظ "فرات" "شاطئ الفرات" یا شط
فرات، منقول ہے اور یہ سب تعبیریں اس حقیقت پر روشنی
ڈالتی ہیں کہ کربلاء میں نہر کا وجود تھا نہ کہ نہر کی کسی شاخ وغیرہ کا۔
"نہر علقمی" کا ذکر دسویں صدی ہجری میں سلطان سلیمان

اوّل کے سلسلہ میں ملتا ہے جنھوں نے دریائے فرات سے کربلاء کی طرف ایک چھوٹی نہر کھدوائی تھی جو نہر علقمی کے نام سے مشہور ہوئی۔
"ارضِ طَفّ"، ساحلُ البحر اور جانبُ البرّ یعنی اُس خشکی کو کہتے ہیں جو سمندر یا ندی کے کنارے دور تک پھیلی ہوئی ہوتی ہے (مجمع البحرین):- وَالطَّفُّ سَاحِلُ البَحرِ وجَانِبُ البرِّ ومنہُ الطَّفُّ الَّذِی قُتِلَ فِیہِ الحُسَینُ سُمِّیَ بِہٖ لِانَّہٗ طَرَفُ البَرِّ مِمَّا یَلِی الفُرات"، یعنی "طفّ"، سمندر یا بڑے دریا کے ساحلی خِطہّ کو کہتے ہیں جو صحرائی علاقہ سے ملا ہوا ہو۔

غرض روایات اور عربی زبان کے مرثیوں میں ہر جگہ نہر فرات کا ذکر ہے نہ کہ اُس کی کسی شاخ کا۔ جبکہ دریا کی کسی شاخ کے کنارے کو "طفّ" کہتے بھی نہیں۔

"مجمع البحرین"، میں اس کے بعد جو عبارت ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے:- اُس ساحلی خِطہّ کو بھی "طفّ"، کہتے ہیں جہاں امام حسینؑ شہید کئے گئے تھے۔ اِسے "طفّ"، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ دریائے فرات کے کنارے ساحلی خشک اور بے آب و گیاہ صحرائی علاقہ تھا۔

یہی وہ چٹیل میدان تھا جہاں امام حسینؑ کے خیمے نصب کئے گئے تھے چنانچہ شیخ مفیدؒ "ارشاد"، میں لکھتے ہیں:- حرؔ نے امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کو اس چٹیل میدان اور ویران ساحلی خِطہّ میں اُترنے پر مجبور کر دیا جہاں نہ پانی تھا اور نہ قریب کوئی آبادی (نہر فرات کچھ فاصلہ پر تھی اور اس پر بھی دشمن کا پہرا تھا) اس پر امامؑ نے حرؔ سے فرمایا کہ تم مجھے سامنے قریوں میں سے کسی قریہ میں اُترنے دو یعنی نینویٰ غاضِریّہ یا شَفِیّہ میں مگر حرؔ نے صاف انکار کر دیا۔
انھوں نے کہا کہ ابن زیاد کا جاسوس موجود ہے میں اس

قسم کی اجازت نہیں دے سکتا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ نے "شطِ فرات" کے مغربی حصہ میں جنوب و شمال کے کناروں پر مشتمل نہر فرات سے کافی دور ہٹ کر اپنے خیمے لگوائے تھے اور ان خیموں کی جگہ مقتل سے مغرب کی سمت میں مائل بہ شمال تھی۔ اور جس جگہ اس وقت روضۂ اقدس ہے وہاں سے براہِ راست مغرب میں تھی۔

یہ غلط ہے کہ خیمہ گاہ، روضۂ امام حسینؑ سے جنوب کی طرف ہو جیساکہ اس وقت خیمہ گاہ بنی ہوئی ہے۔ یہ صحیح نہیں اور جغرافیائی و تاریخی حیثیت سے غلط ہے۔

وہ پانی کا چشمہ جو ساتویں محرم الحرام کے بعد شدت عطش میں امام حسینؑ نے انصار کی مدد سے کھودا تھا وہ خیام کی پشت پر انیس ۱۹ قدم کے فاصلہ سے قبلہ کی طرف یعنی جنوبی سمت میں تھا۔ اس کے متعلق اس طرح کتب مقاتل میں لکھا ہوا ہے۔ فاخذ الحسین الخ (ترجمہ) امام حسینؑ نے کلہاڑی کی قسم کا ایک کھدائی کے لئے استعمال ہونے والا آلہ (فاس) اٹھایا اور خیموں کے پیچھے قبلہ کی طرف یعنی جنوبی سمت میں انیس ۱۹ قدم چلے پھر ٹھہر کر زمین کھودی تو ایک شیریں چشمہ جاری ہوا اس بنا پر وہ کنواں جو موجودہ خیمہ گاہ کے مابین اُس چشمہ کی جگہ پر بنایا گیا ہے۔ تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔

"حائر"، کیا ہے؟ اُس زمین کو جو امام حسینؑ کی شہادت گاہ ہے "حائر" کہتے ہیں۔ لغت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ "حائر"، مجمع الماء، یعنی پانی کے کسی جگہ زمین میں ذخیرے کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ اس مقام پر امامؑ کا مقتل نشیب میں تھا اور جہاں تک روضۂ اقدس کی تعمیر کا تعلق ہے وہ کل نشیبی

علاقہ تھا جیسے ایک تالاب ہوتا ہے، اس لئے اُس کو "حَائِر" کہا گیا۔
کتاب "اِرشاد" کے حاشیہ پر ہے:۔ وفی الحدیث ذکر الحائر الخ
(ترجمہ) :۔ "حائر" اصل میں اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی ذخیرہ
کیا جائے لیکن عام طور پر اس سے مراد "حائرِ الحسینؑ" کو لیا جاتا
ہے اور یہ وہ جگہ ہے جسے شہادت گاہِ حسینی کی چہار دیواری
گھیرے ہوئے ہے۔

اس ارضِ کربلاء میں ایک راستہ تھا جو غاضِریہ تک جاتا تھا
یہ راستہ کوفہ سے شروع ہوتا تھا اور نینوی شرقی سے گزر کر
پُل کے ذریعہ نینوی غربی سے گزرتا ہوا شمالی سمت میں غاضریہ
تک پہنچتا تھا اور وہاں سے مقام "مُسَیّب" اور دوسری
آبادیوں تک۔ "غاضِریہ" فرات کے مشرقی حصّہ میں تھا
اس وجہ سے کربلاء سے وہاں تک جانے کے لئے ایک چھوٹا پُل
بنا دیا گیا تھا جس پر سے عبور کر کے لوگ کربلاء کے خطّہ سے
"غاضِریہ" جاتے تھے اس "پُل" کو "مُسَنَّاة" کہا جاتا تھا
کوفہ سے جو راستہ آتا تھا اس پر پہلے نینوی شرقی ملتا
تھا اور وہاں کے "پُل" سے گزر کر لوگ "نینوی غربی" اور
اس کے بعد "کربلاء" میں آتے تھے۔ غرض نینوی غربی پہنچ کر
پھر براہِ کربلاء، دوسرے پُل کے ذریعہ جو "کربلاء" سے جانبِ
شمال تھا یعنی "مُسَنَّاة" سے گزر کر غاضِریہ جایا کرتے تھے
اس "مُسَنَّاة" کا ذکر شیخ مفیدؒ نے "ارشاد" میں کیا ہے جہاں
اُنھوں نے حضرت ابو الفضل العباسؑ کے مدفن کا ذکر فرمایا ہے۔
وہ لکھتے ہیں:۔

فَاِنَّہٗ دُفِنَ فِی مَوضِعِ مَقْتَلِہٖ عَلَی الْمُسَنَّاۃِ بِطَرِیقِ الْغَاضِرِیَّۃِ
وَقَبْرُہٗ ظَاھِرٌ "

یعنی حضرت عباسؑ کو اُسی مقام پر دفن کیا گیا جہاں پر آپ کی

شہادت ہوئی تھی۔ "مُسَنّاۃ" پل پر (مُراد یہ ہے کہ اس کے قریب) راہِ غاضریّہ میں ___ اور مُراد "مُسَنّاۃ" سے وہ پانی کا بند ہے جو بطور پُل کے کسی نہر یا ندی پر بنایا جاتا ہے تاکہ اِدھر سے اُدھر آسکیں اور جا سکیں۔

المنجد مادّہ "سنو" میں ہے :۔ "مُسَنّاۃ" وہ پُل یا بند ہے جو سیلاب کی بندش کے لئے بنا لیا جاتا ہے۔ اس جگہ پر مراد ایسا "بند" ہے جو "پُل" کی طرح بنایا جائے اور اس پر لوگوں کی آمد و رفت ہو سکے۔

محشّی کتاب "ارشاد" صفحہ ۲۵۵ پر لکھتے ہیں۔

"اَلمُسَنّاۃُ، اَلسَّدُّ المُتَّخَذُ دُوْنَ المَاءِ الخ (ترجمہ) "مُسَنّاۃ" اُس بند کو کہتے ہیں جو پانی کو روکنے کے لئے بنایا جاتا ہے اور جب کہا جائے "رَاکِبُھَا" تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس بند یا پُل پر کوئی پہنچا اور اُس پر سے گزرا۔

بہر حال اس پوری تصریح سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نینوی غربی سے براہِ کربلا اس "مُسَنّاۃ" یعنی "بندِ آب" تک عام راستہ موجود تھا۔

وُرودِ لشکر جانبین

اس بحث کو چھیڑنے کے لئے یہ طریقہ آسان ہوگا کہ ہم سب سے بیشتر روضۂ اقدس امام حسینؑ اور روضۂ مبارک حضرت ابوالفضل العباسؑ اور روضۂ حضرت حرؑ کو مستحکم علامات اور جغرافیائی نشانات تسلیم کرلیں اور ان ہی سے باقی مقامات کا تعین کریں۔

چنانچہ روضۂ حضرت امام حسینؑ سے روضۂ حضرت عباسؑ گوشۂ مشرق و شمال میں واقع ہے اور روضۂ حرؑ، روضۂ امام حسینؑ سے جانبِ مغرب مائل بہ جنوب ہے اور تقریباً اسی مناسبت

سے روضۂ حضرت عونؑ سے روضۂ حرؑ جنوبی سمت میں مائل بہ غرب ہے
اور روضۂ حضرت عونؑ سے روضۂ امام حسینؑ جانب جنوب مائل
بہ شرق ہے اور روضۂ حضرت عباسؑ وہاں سے گوشۂ جنوب و
مشرق میں واقع ہے۔ اس بنا پر نینوی غربی اور شرقی کا فرات
پر ہونا اور امام حسینؑ کی شہادت گاہ سے اس کا جنوب کی سمت
میں ہونا نیز قبۂ حضرت حرؑ امامؑ کے مشہد اقدس سے غربی جنوبی
سمت میں واقع ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہی مقامات لشکرِ
ابن سعد کا صدر مقام تھے۔ لشکر ابن سعد نینوی غربی سے
شروع ہو کر اُس مقام تک پھیلا ہوا تھا جہاں اب حضرت
حرؑ کا مزار ہے۔ اگرچہ لشکرِ ابن سعد کی کثرت اتنی تھی کہ خطہ
کربلا کا ہر حصہ اُس سے بھرا ہوا تھا بلکہ اس لشکر کے بعض ٹکڑے
کوفہ تک پہنچے ہوئے تھے۔

اس وقت کی بحث اس لشکر کے صرف اگلے حصہ سے متعلق
ہے اور صرف سرداروں کی جائے قیام اور اُن کے فوجی کیمپوں کا تذکرہ
مقصود ہے۔ لشکر ابن سعد اور امام حسینؑ کے لشکر کے درمیان
فاصلہ بعض لوگوں کے نزدیک چوتھائی فرسخ تھا یعنی پندرہ سو
(۱۵۰۰) گز۔ غالباً یہ فاصلہ خیام حسینی اور فرات کی حفاظتی فوج کے
مابین تھا اور موجودہ تعمیر شدہ خیمہ گاہ سے روضۂ حضرت عباسؑ جو
فرات کی حفاظتی فوج کے مقام پر تھا کسی طرح بھی اُس کی مسافت
چوتھائی فرسخ نہیں ہے کیونکہ اگر بخطِ مستقیم دیکھا جائے تو
پانچ سو (۵۰۰) قدم سے زیادہ فاصلہ نہ ہوگا۔ یہ بھی اس کا ایک
ثبوت ہے کہ موجودہ خیمہ گاہ صحیح جگہ پر نہیں ہے۔

لیکن بہر حال ایک ہزار پانچ سو (۱۵۰۰ گز) کا فاصلہ ہو سکتا
ہے کہ خیام حسینی اور لشکر ابن سعد کے اگلے حصہ میں ہو جو
خیموں کے بالکل قریب اور سامنے موجود تھا یعنی لشکر ابن سعد کا

وہ حصہ جو جنوبی سمت اور گوشۂ غرب میں تھا۔ اسی کے ساتھ
نینوی اور وہ مقام جہاں حضرت حرؑ کی قبر ہے، یہ پورا خطہ خیام
لشکر ابن سعد کے درمیان واقع ہو گئے تھے اور لشکر کی صفیں
اس پورے خطہ پر محیط تھیں نیز ان کے تمام اطراف و جوانب
میں پھیلی ہوئی تھیں۔ غرض میدان جنگ یعنی وہ فاصلہ جو دونوں
لشکروں کے مابین تھا وہ کم و بیش ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) گز
تھا اسی فرض کی بنا پر فوج یزید کے سرداروں کے خیمے
پندرہ سو گز کے فاصلہ کے آخری کنارے پر (خیام حسینی
سے) شروع ہوتے تھے اور وہ عام لشکری خیموں اور
پڑاؤ کے آگے آگے تھے۔ ان خیموں کا سلسلہ فرات کے پورے
مغربی کنارے اور قریۂ نینوی کے محاذ سے شروع ہو کر مغربی
سمت میں اس مقام تک تھا جہاں اب روضہ حضرت حرؑ ہے۔
آگے تو سرداروں کے خیمے تھے اور ان کی پشت پر دور
تک عام فوجیوں کا پڑاؤ تھا۔ یہاں تک کہ یہ پڑاؤ "کربلا" سے نو میل
"نخیلہ" تک پھیلا ہوا تھا اور پھر وہاں سے روضۂ حضرت حرؑ کے مقام
تک پہنچتا تھا۔ یہ تو تھا اس فوج کا مرکز جو امام حسینؑ سے لڑ رہی تھی۔
اس فوج کے علاوہ وہ فوج تھی جس کے دستے جنوب و شمال کے
پورے طول میں نہر فرات پر جا بجا متعین تھے تاکہ امام حسینؑ اور آپ کا
کوئی ساتھی پانی نہ پی سکے۔ ان فوجیوں کے علاوہ تماشائی بھی
تھے جن کی تعداد ہزاروں آدمیوں پر مشتمل تھی نیز روساء کوفہ
اور محلات شاہی کے منتظمین تھے ان سب کی تعداد بہت بڑی تھی
چنانچہ مؤلف "سرور المؤمنین"، مجلس نمبر ۱۳ میں ابو مخنف
سے نقل کرتے ہیں کہ ابن سعد کی فوج میں اسی ہزار سوار
اور چالیس ہزار پیادے تھے۔ تماشائی، لشکر والوں کی اعانت
و خدمت کرنے والے اور دوسرے فوجی منتظمین تقریباً آٹھ ہزار

تھے اِن کے علاوہ رؤساء اور منتظمین محلّاتِ شاہی نیز پیشہ ور طبقہ کے لوگ جیسے لوہار، بڑھئی، نعل بند اور اسلحہ بنانے اور مرمّت کرنے والے بھی کثیر تعداد میں فوج کے ہمراہ تھے اس صورت حال کے پیش نظر، لشکر کی خدمت کرنے والے، پیشہ ور لوگوں کی بازاریں اور قطاریں، کھانے، پینے کی چیزوں کا انتظام کرنے والوں کے سلسلے اور اسی طرح دوسری قسم کے لوگوں کا ہجوم، حدودِ کربلاء سے کوفہ کی طرف آگے بڑھ کر نہر فرات کے مشرقی حصّہ میں کوفہ کے مضافات اور گردونواح تک پہنچ چکا تھا اس طرح گویا لشکر ابن سعد کی پچھلی صفیں کوفہ تک پہنچ گئی تھیں ۔!

لشکرِ ابن سعد کی پوزیشن

عُمر بن سعد بن ابی وقّاص کے لشکر کا اگلا حصّہ اور اس کی فوجی ٹولیوں کے اگلے مورچے کچھ اس طرح تھے۔ جبکہ ہمیں اس لشکر کی جنوبی اور مغربی و مشرقی سمتیں بھی معلوم ہو چکیں ہیں تو اب یہ بات بھی واضح ہے کہ ابن سعد کا بڑا کیمپ نہر فرات کے مشرقی حصہ، نینویٰ شرقی میں تھا۔ اسکے علاوہ ازرق شامی چار سو سواروں کے ساتھ " غاضریہ ،، کے سامنے نہر فرات کے گھاٹ پر ڈٹا ہوا تھا۔ یعنی " کربلاء ،، سے شمال کی سمت میں۔ شبث بن ربعی ایک ہزار سواروں کے ساتھ اس جگہ سے کچھ ہٹ کر، جنوبی سمت میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اس کے بعد کچھ فاصلہ پر حجر بن الحرؒ چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ پہرا دے رہا تھا، یہ " مُسَنّاۃ ،، پر تھا اس کے بعد عمرو بن الحجاج زبیدی پانچسو سواروں کے ساتھ نہر فرات کے اُس حصّہ پر تھا جو " نینویٰ ،، سے متصل تھا یعنی " نینویٰ ،، کے گھاٹ کا پہرا اسی کے متعلق تھا جیسا کہ روایات میں اس کی

تفصیل موجود ہے۔ فَلَمّا قَرَأَ عُمَرُ بنُ سَعدٍ الکِتابَ مِن عُبَیدِ اللّٰہِ بنِ زِیادٍ دَعیٰ بِحُجرِ بنِ الحُرِّ الخ (ترجمہ) کوفہ کے گورنر عبید اللہ ابن زیاد نے عمر بن سعد (کربلا میں یزیدی فوج کے کمانڈر) کے نام جو خصوصی خط بھیجا تھا اُسے پڑھ کر ابن سعد نے فوراً حُجر بن حُر کو طلب کیا اور چار ہزار سواروں پر اُسے سرداری دے کر حکم دیا کہ وہ "غاضِریَّہ" کے گھاٹ پر پڑاؤ ڈال دے اور امام حسینؑ پر نیز آپ کے ساتھیوں پر پانی بالکل بند کر دے۔ پھر شَبَث بن رِبعی کو بھی ایک ہزار سواروں کے ساتھ اسی "غاضِریَّہ" کے گھاٹ پر متعین کیا تاکہ امام حسینؑ تک پانی نہ جا سکے۔

غرض یہ سب کے سب "غاضِریَّہ" کے گھاٹ پر پہنچے اور اپنی اپنی پوزیشن ان سب نے سنبھال لی۔

حُجر بن الحُر اور شَبَث بن رِبعی "مُسَنّاۃ" پر تھے۔ اور اَزرَق شامی کا کیمپ اُس جگہ تھا جو "غاضِریَّہ" کے قریب شمالی سمت میں تھا اور جہاں حضرت عونؑ نیز بنی اَسَد کے بعض لوگ شہید ہوئے تھے۔

حضرت عباسؑ نے جب فرات پر حملہ کیا تو انھیں فرات کی محافظ چار ہزار سواروں کی فوج نے گھیرے میں لے لیا تھا اور آپ "مُسَنّاۃ" کے قریب شہید ہو گئے۔ (ان شہادتوں کی تفصیل بعد میں لکھی جائے گی۔) ان چار ہزار سواروں کی کمانڈ حُجر بن الحُر کر رہا تھا۔

یہ بھی روایتوں سے ثابت ہے کہ عَمرو بن الحَجّاج زبیدی لشکر ابن سعد کے مَیمَنَہ (Right wing) کا امیر تھا اور جنگ شروع ہونے کے بعد اس نے امام حسینؑ کے لشکر پر فرات ہی کی جانب سے حملہ کیا تھا۔ میمنۂ لشکر کا کیمپ بھی "جنوب مشرق" ہی میں تھا۔ اسی عمرو بن حجاج کے تحت "مَیمَنَہ" کی تمام صفیں

تھیں ان میں وہ فوجیں بھی شامل تھیں جو "مُتَاة" سے جنوبی سمت میں اور "نینویٰ" سے شمال کی طرف تھیں۔ اس طرح "خیام حسینی" سے جنوب مشرقی سمت میں جو نہر فرات کا مغربی خطہ تھا (نینویٰ سے غاضریہ تک) جسقدر بھی فوج تھی وہ سب عمرو بن حجّاج ہی کی کمان میں تھی اور یہ سب "مَیمَنَہ" (Right wing) تھا۔

امام حسینؑ نے جب شدّتِ عطش کی وجہ سے حضرت عباسؑ کو تیس ۳۰ اسپ سوار اور بیس ناقہ سوار مسلح لوگوں کے ساتھ فرات کی طرف روانہ کیا تھا (جسکی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی) تاکہ یہ لوگ کم از کم بیس مشکیں پانی کی حاصل کر لی جائیں۔ یہ لوگ رات کے وقت فرات کی جانب آئے تو ان کا مقابلہ عمرو بن حجّاج ہی سے ہوا تھا۔

شیخ مفیدؒ نے "ارشاد" میں لکھا ہے۔ عُمر بن سعد نے عمرو بن حجّاج کو پانچسو ۵۰۰ سواروں پر مشتمل ایک فوج کے ساتھ فرات پر متعین کیا تھا تاکہ اصحاب حسینؑ پر پانی کی مکمل بندش کر دی جائے۔ "وَذٰلِكَ قَبْلَ قَتْلِ الْحُسَيْنِ بِثَلَاثَةِ اَيَّامٍ الخ" یعنی یہ واقعہ ساتویں محرّم الحرام کا تھا۔ علامہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی بندش ساتویں محرّم سے ہوئی تھی اور اس بندش کا پورا انتظام عمرو بن حجّاج کے سپرد تھا جس کے لشکر میں ہر لمحہ اضافہ ہی ہوتا رہا۔ پھر بالآخر عمرو بن حجّاج کو پورے مَیمَنَہ (Right wing) کا کمانڈر (Commander) بنا دیا گیا تھا۔

عمرو بن الحجّاج زبیدی کے علاوہ دوسرے سرداروں کے نام یہ ہیں:-

حُصَین بن نُمَیر السَّکُونی ؛ جیسے صاحب اِبصار العین وغیرہ نے حُصَین بن تمیم لکھا ہے اور کہا ہے کہ حُصَین بن نُمَیر السَّکُونی جنگِ کربلاء

میں موجود تھا بلکہ یہ جنگ حرّہ ۶۳ھ میں کمانڈر رہا تھا جو واقعۂ کربلا کے بعد مدینہ میں ہوئی تھی اور وہاں سے فراغت پاکر یزید کا لشکر عبداللہ بن زبیر سے جنگ کی غرض سے مکہ روانہ ہوا جسکی آخر میں کمانڈ اسی حصین بن نمیر نے کی تھی ۔ قادسیہ کا فوجی افسر حصین بن تمیم تھا) غرض یہ چار ہزار پیدل سپاہیوں کے ساتھ اس جگہ متعین تھا جہاں حضرت حرؑ کا اس وقت روضہ ہے یعنی نہر فرات اور کربلاء کی مغربی سمت میں "حصینؔ" کے بعد جانب جنوب حرؑ اپنے تین ہزار سواروں کے ساتھ تھے پھر عبداللہ بن الحصین، ایکہزار سواروں کے ہمراہ، اس کے بعد شمر بن ذی الجوشن الضبابی چار ہزار پیدل فوج کے ساتھ (میسرہ لشکر ابن سعد" left wing میں) پھر نفر بن خرشنہ دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ، یزید بن رکاب الکلبی دو ہزار سپاہیوں کے ہمراہ، مضایر بن رھینۃ المازنی کو تین ہزار پیادوں کے ساتھ، خولی بن یزید اصبحی کو دو ہزار پیادوں کے ہمراہ پھر محمد بن اشعث کو ایکہزار سواروں کے ساتھ اور سنان بن انس نخعی کو دس ہزار سواروں کے ہمراہ، بعض نے چار ہزار سوار لکھے ہیں ۔ بکر بن کعب بن طلحہ کو تین ہزار سپاہیوں کے ہمراہ ۔

لشکر کی تعداد

لشکر ابن سعد کی تعداد کے متعلق ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۳ میں یہ تشریح کی گئی ہے :- ابن زیاد نے کوفہ میں سب سے پہلے عمر بن سعد کے لئے نشان فوج تیار کیا اور چھ ہزار سوار اُس کی کمان میں مقرر کر دیئے اور دوسری روایت کی بنا پر نو (۹) ہزار سوار اس کے بعد اُسے کربلاء کی طرف روانہ کر دیا ۔ اس کے بعد شبث بن ربعی بلایا گیا اور اُس کے لئے نشان فوج تیار کیا گیا اور چار ہزار

سوار اس کی کمان میں مقرر ہوئے پھر عُروہ بن قیس (جسے بعض لوگوں نے عزرۃ بن قیس لکھا ہے) کی طلب ہوئی اُسے بھی علم فوج دیا گیا اور چار ہزار سوار اُس کی کمان میں دیئے گئے۔ سنان بن انس کو دس ہزار اور دوسری روایت کی بناء پر چار ہزار سوار ملے۔ حُصین بن نمیر (یا ابن تمیم) کو بھی چار ہزار سوار ملے۔ شمر بن ذی الجوشن الضبابی کو چار ہزار کی فوج دی گئی۔ مضایر بن رُھینہ مازنی کو تین ہزار فوجی دیئے گئے۔ نصر بن خرشہ کو بھی دو ہزار سپاہی ملے، محمد بن الاشعث کو ایکہزار سواروں کی کمان دی گئی۔ عبد اللہ بن الحُصین کو ایک ہزار فوجی سوار ملے۔ یزید بن رکاب کلبی کو دو ہزار سپاہی ملے۔ خولی بن یزید اصبحی کو دس ہزار سوار دیئے گئے۔ بکر بن کعب بن طلحہ کو تین ہزار سپاہی۔ حجار بن ابجر کو ایک ہزار سپاہی، حرہ بن یزید ریاحی کو تین ہزار سوار دیئے گئے۔

اس کے بعد سپہر کاشانی مؤلف ناسخ التواریخ جلد ۶ میں لکھتے ہیں:۔ مورخوں نے تعدادِ لشکر ابن سعد میں اختلاف کیا ہے، لیکن میں نے (سپہر کاشانی نے) جو تعداد لکھی ہے اس کا مجموعہ "ترپن ۵۳" ہزار ہوتا ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے بیس ۲۰ ہزار سپاہی لکھے ہیں اور پورے لشکر کی تعداد تیس ۳۰ ہزار افراد پر مشتمل بتائی ہے۔ علامہ ابن طاؤسؒ نے "لھوف" میں لکھا ہے کہ لشکر ابن سعد کی تعداد بیس ۲۰ ہزار تھی اور لوط بن یحییٰ (ابو مخنف) اس لشکر کو اسّی ہزار سواروں پر مشتمل بتاتا ہے اور یہ بھی لکھتا ہے کہ وہ سب کوفی تھے، اُن میں کوئی بھی حجازی اور شامی نہ تھا۔ علامہ ابن شہر آشوبؒ نے اس لشکر کو پینتیس ۳۵ ہزار افراد پر مشتمل بتایا ہے۔ اعثم کوفی کے نزدیک بھی تعدادِ لشکر بائیس ۲۲ ہزار تھی۔ علامہ ابن جوزی نے "تذکرۃ خواص الامۃ" میں

صرف چھ ہزار ۶۰۰۰ سپاہی لکھے ہیں۔ اور یافعی نے اپنی تاریخ میں
بائیس ہزار ۲۲۰۰۰ لکھے ہیں۔
شرح شافیہ میں تعدادِ لشکر پچاس ہزار ۵۰۰۰۰ سواروں پر مشتمل
لکھی ہے
"مطالب السؤول" میں ہے کہ لشکر کی تعداد بائیس ہزار ۲۲۰۰۰ تھی اس
طرح مختلف سوانح نگاروں نے لشکر ابن سعد کی تعداد کو اپنی
تحقیق کے مطابق تحریر کیا ہے۔

کچھ لوگوں نے ایک لاکھ، دو لاکھ، اور آٹھ لاکھ تک تعداد
بیان کی ہے۔ صاحب ناسخ لکھتے ہیں کہ میں نے جو کچھ تحقیق کی ہے
وہ یہ ہے کہ ان روایات کا اختلاف اس سبب سے پیدا ہوا کہ اگر
امام حسینؑ کوفہ میں اس وقت پہنچ جاتے جب تک عبیداللہ بن
زیاد گورنر ہو کر بصرہ سے کوفہ میں نہیں آیا تھا یا مسلم بن عقیل
ھانیؓ بن عروہ کے مکان میں جب اُن کی عیادت کے لئے ابن زیاد
آیا تھا اُسی وقت اُس کو قتل کر دیتے تو ایسی حالت میں امام
حسینؑ کے ساتھ تمام اہل کوفہ، اہل بصرہ اور کل صحرائی
عرب قبائل جمع ہو جاتے اور یقیناً اُن کی تعداد ایک لاکھ سپاہیوں
سے زیادہ ہو جاتی پھر اس کے علاوہ بھی روز بروز مدینہ، یمن
حجاز اور دوسرے شہروں سے لشکر پہ لشکر آتے رہتے جیسا
کہ حضرت مسلم بن عقیل کے کوفہ میں وارد ہونے پر ہی چالیس ہزار
آدمی بیعت کر چکے تھے اور یہ حقیقت خود یزید اور اُس کے تمام
مشیروں پر پوری طرح آشکار تھی اس لئے یقیناً یزید نے
امام حسینؑ کے اس حملہ کی پیش بندی کے طور پر عام فوجی بھرتی
کا حکم دے دیا ہو گا۔ اور کئی لاکھ سپاہی جمع کر کے جنگ
کی تیاری کی ہو گی۔ تمام مملکت میں اُس نے فرمان جاری کئے
ہوں گے اور ہر جگہ سے وہاں کی آبادی کے مطابق کمک طلب

کی ہو گی اور حکم دیا ہو گا کہ تمام افواج کوفہ کو پہنچ جائیں اور حسین بن علی سے جنگ میں حصّہ لیں چنانچہ تمام عرب لیڈروں اور سرداروں کو فرمان جاری ہو چکے تھے کہ وہ بلا تاخیر اپنی فوجوں کے ساتھ کوفہ پہنچ جائیں ایسی حالت میں اگر تمام مملکتِ یزید سے فوج آ گئی ہوتی تو اس کی تعداد آٹھ لاکھ سپاہیوں سے کم نہ ہوتی اِن تمام اعداد و شمار کا اندراج دفتروں میں کیا جاتا تھا اور ہر سردار قبیلہ کے نام کے ساتھ اُس کی فوج کی تعداد بھی لکھی جاتی تھی۔ نیز خود سردارانِ قبائل اور عمّالِ ادارۂ عسکری اس تعدادِ لشکر کا اظہار کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ اس کا عام چرچا ہو گیا ہو گا کہ اسقدر لشکر وہاں سے آ رہا ہے اور اتنے سپاہی اُس جگہ سے آ رہے ہیں اس طرح لوگ اس کا یقین کر چکے ہوں گے کہ یہ پوری تعداد کوفہ اور کربلاء میں جمع ہو چکی ہو گی۔ اسی بنا پر کچھ لوگ ایک لاکھ کہنے لگے اور کچھ لوگ اِس سے بھی زیادہ تعداد سمجھے یہاں تک کہ آٹھ لاکھ تک کا قول تاریخ میں آ گیا۔

مگر عقلمند لوگ جانتے ہیں کہ آٹھ لاکھ سپاہیوں کی عظیم تعداد اسقدر عجلت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی تھی اور پھر میدانِ کربلاء میں مقیم بھی نہ ہو سکتی تھی اور اُن کے لئے سامانِ خور و نوش نیز اُن کے گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کے لئے دانہ وغیرہ کا اِنتظام ناممکن تھا جبکہ اُن کے مقابلہ میں بہتر سے کچھ زیادہ تعداد تھی کیونکہ دو ہی صورتیں ممکن تھیں یا تو امام حسینؑ الٰہی طاقت اور امامت کی قوّت کے ساتھ جنگ کرتے تو ایسی حالت میں آٹھ لاکھ سپاہیوں کی فوج کیا چیز تھی بلکہ ساری دنیا ملکر بھی اُنھیں شکست نہیں دے سکتی تھی۔ یا پھر وہ بشری طاقت کے ساتھ جہاد کرتے تو ایسی صورت

میں آپ کی قلیل اور تھوڑی سے جماعت سے لڑنے کے لئے زیادہ فوج کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی۔"

یہ تھا وہ تبصرہ جو سپہر کاشانی نے ناسخ التواریخ میں کیا ہے۔

اصحاب امام حسین علیہ السلام

اصحاب و انصار امام حسینؑ کی تعداد علامہ مجلسی رح نے بحار الانوار ج ۱۰ میں اس طرح لکھی ہے۔ چالیس پیادے اور بتیس ۳۲ سوار۔ محمدؐ بن ابی طالب نے بتیس ۳۲ سوار اور بیاسی ۸۲ پیادے لکھے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق جو خانوادۂ امامت سے منقول ہے پینتالیس ۴۵ سوار اور ایک سو پیادے تھے۔

کتاب "اعلام الوریٰ" میں ہے :- امام حسینؑ کے لشکر میں تینتیس ۳۳ سوار تھے اور چالیس پیادے۔

علامہ سبط ابن جوزی نے "تذکرۃ خواص الامّۃ بذکر خصائص الائمۃ" میں لکھا ہے۔ امام حسینؑ کے لشکر میں ستر سوار اور ایک سو پیادے تھے۔

"شرح شافیہ لابی فراس فی مناقب آل الرسولؐ و مثالب بنی العبّاس" میں ہے۔ "امام حسینؑ کا لشکر ایک ہزار پیادوں پر مشتمل تھا۔

علامہ مسعودی نے "مروج الذہب" میں لکھا ہے :- امام حسینؑ کی فوج میں ایک ہزار سوار اور ایک سو پیادے تھے۔

مقتل عوالم جلد ۱۷ مولفہ عبداللہ بن نور اللہ، میں ہے :- "لشکر امام میں بتیس ۳۲ سوار اور چالیس ۴۰ پیادے تھے۔

عبداللہ بن محمدؐ رضا الحسینی اپنی کتاب "جلاء العیون" میں لکھتے ہیں۔ بتیس ۳۲ سوار اور چالیس پیادے تھے۔

علامہ یافعی نے "تاریخ مرآۃ الجنان" میں لکھا ہے۔ کل سوار اور پیادے بیاسی تھے۔ طبری نے چالیس سوار اور ایک سو

پیادے لکھے ہیں۔ تاریخ مُعینی میں ہے:۔ اولاد حضرت علیؑ بن ابی طالب میں سے سات افراد تھے، تین افراد اولاد امام حسینؑ میں سے اور تراسی ۸۳ انصار تھے جو سب شہید ہوئے۔

اس کے بعد سپہر کاشانی نے اپنی رائے لکھی ہے (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۴) امام حسینؑ کے انصار ایکسو پینتالیس (۱۴۵) سے زیادہ نہ تھے اور ابن زیاد کا لشکر کسی طرح بھی بتیس ہزار سے کم نہ تھا اور اگر مختلف روایات کو تسلیم کر لیا جائے جب بھی لشکر ابن زیاد کی تعداد اکیاون ہزار سپاہیوں تک ثابت ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ میں نے (سپہر کاشانی نے) تمام سرداران لشکر ابن زیاد کے اسماء لکھ دیئے ہیں اور پوری تحقیق کر کے فوجیوں کی تعداد بھی لکھی ہے جو ان میں سے ہر سردار کے ساتھ تھی لیکن میرا اجتہاد (سپہر کاشانی کا) یہ ہے کہ ابن زیاد نے اکیاون ۵۱ ہزار فوجیوں کو تقسیم تو کیا تھا ضرور مختلف سرداروں پر اور سب کو یکے بعد دیگرے کربلاء کی سمت روانہ بھی کیا تھا لیکن تیس ۳۰ ہزار فوجیوں سے زیادہ کربلاء نہیں پہنچے تھے۔ چونکہ امام حسینؑ شہید ہو گئے تھے اس لئے مزید فوج بلانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

ہمارا تبصرہ

ان تمام قیاسات کے باوجود جو سپہر کاشانی نے بیان کئے ہیں، دو باتیں ایسی ہیں جن کی بناء پر لشکر ابن زیاد کی تعداد بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ یزید اور عبیداللہ بن زیاد کو اس کا خوف تھا کہ حسینؑ نواسۂ رسولؐ ہیں اور فرزند علیؑ بن ابیطالب ہیں اور یقیناً مملکت اسلامیہ کے ہر گوشے سے انکی امداد کے لئے لوگ دوڑیں گے اس لئے بظاہر یقینی فوجی صورت حال (Military Situation) کے پیش نظر زبردست دفاعی انتظامات کئے گئے ہوں گے اور امکان بھر لشکری کمک مہیا کی گئی ہو گی جس کے بعد تیس ہزار پیادہ

اکیادن ہزار کی تعداد کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

اسی سلسلہ میں "قصر بنی مقاتل"، پر عبید اللہ بن الحرؔ ایک مشہور کوفی سردار سے امامؑ کی ملاقات کے سلسلہ میں "عبید اللہ نے آپ سے عرض کی تھی:۔ یزید کا لشکر بڑی کثرت کے ساتھ جمع ہو چکا ہے جو حساب و شمار سے بھی باہر ہے" عبید اللہ جیسے مشہور و معروف سردار کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ لشکرِ ابن زیاد کی تعداد یقیناً لاکھوں افراد پر مشتمل تھی۔

اس کے علاوہ تاریخ الکامل ج ۳ ص ۲۸۱ کا خلاصہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ منزل "عذیب الہجانات"، پر جب امام حسینؑ کا قافلہ پہنچا تو حسبِ تصریح مؤلف تاریخ کامل علامہ ابن اثیر جزری ایک مختصر قافلہ کوفہ کی طرف سے آیا جس کے راہبر "طرماح بن عدی"، تھے۔ امامؑ نے جب "طرماح سے کوفہ کی حالت دریافت کی تو انھوں نے عرض کی:۔

وَاللہِ مَا اَرٰی مَعَکَ کَثِیْرَ اَحَدٍ وَلَوْ لَمْ یُقَاتِلْکَ اِلَّا ھٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ اَرَاھُمْ مُلَازِمِیْکَ لَکَانَ کَفٰی بِھِمْ وَلَقَدْ رَاَیْتُ قَبْلَ خُرُوْجِیْ مِنَ الْکُوْفَۃِ بِیَوْمٍ ظَھْرَ الْکُوْفَۃِ وَفِیْہِ مِنَ النَّاسِ مَالَمْ تَرَ عَیْنَایَ جَمْعًا فِیْ صَعِیْدٍ وَاحِدٍ اَکْثَرَ مِنْہُ قَطُّ لِیَسِیْرُوْا اِلَیْکَ الخ"،

یعنی قسم خدا کی حضور کے ساتھ تو بہت تھوڑے سے لوگ ہیں اور اگر اس قلیل تعداد سے صرف لشکر حرؔ ہی کا مقابلہ ہوگا جو آپ کے ساتھ نگرانی کے لئے موجود رہے تو صرف یہی لوگ آپ کی جماعت کے لئے کافی ہیں چہ جائیکہ وہ ٹڈی دل فوج جو میں شہر کوفہ کے باہر دیکھ آیا ہوں اور جو آپ سے جنگ کے لئے جلدی ہی روانہ ہو رہی ہے۔ یہ اتنی بڑی فوج ہے کہ اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے میں نے ایسی عظیم فوج اور اسقدر بڑا لشکر آجتک نہیں دیکھا اس لئے حضور کوفہ کا ارادہ ترک کر دیں اور

میرے ساتھ کوہ "اجاء" اور کوہ "سُلمیٰ" پر چلیں اور وہاں قیام فرمائیں وہاں کسی کی مجال نہیں کہ آپ کا بال بیکا کر سکے مگر امام حسینؑ نے اس درخواست کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ میں اہل کوفہ سے وعدہ کر چکا ہوں جسے پورا کرنا ضروری ہے"۔

غرض طِرمّاح بن عدی جیسا مشہور سردار اور تجربہ کار بہادر جس نے بڑے بڑے میدانِ جنگ دیکھ ڈالے تھے اور بڑی بڑی فوجیں اُس کی نگاہ سے گزر چکی تھیں، اگر کسی فوج کے لئے یہ کہدے کہ میری پوری زندگی میں میں نے اپنی آنکھوں سے اتنا عظیم اور اس قدر بڑا لشکر نہیں دیکھا تو کیا ایسا لشکر صرف بیس ۲۰ پچیس ۲۵ یا چالیس ۴۰ پچاس ۵۰ ہزار افراد پر مشتمل سمجھا جا سکتا ہے! جبکہ "اس تعداد کی فوج کی لشکروں کی تاریخ میں کوئی بھی حقیقت نہیں ہوا کرتی اور یہ تعداد تذکرہ کے قابل بھی نہیں سمجھی جاتی۔

دوسری بات یہ کہ صدیقۂ صغریٰ حضرت زینبؑ سے ایک روایت منقول ہے، آپ فرماتی ہیں۔ اِنَّ سَیفَ اَخِی لَمْ یَتْرُکْ بَیْتًا فِی الْکُوْفَۃِ اِلَّا وَفِیہِ بَاکِیًا وَبَاکِیَۃً"، یعنی میرے بھائی حضرت امام حسینؑ کی تلوار نے کوفہ کا کوئی ایسا گھر باقی نہ چھوڑا جس میں اپنے کشتوں اور مقتولوں پر کوئی رونے والا مرد یا رونے والی عورت موجود نہ ہو یعنی شہر کوفہ کے ہر گھر کا کوئی نہ کوئی آدمی امام حسینؑ کی ضربِ شمشیر سے قتل ہوا تھا۔

ظاہر ہے کہ اُس وقت کوفہ کی آبادی کئی لاکھ افراد پر مشتمل تھی اور حضرت امیرالمؤمنین کی خلافت کے دور میں کوفہ کی سیاسی اور جنگی نیز اقتصادی اور تجارتی اہمیت بہت بڑھ چکی تھی بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ کوفہ کی آبادی اسقدر بڑھ گئی تھی کہ اس کا سلسلہ "بصرہ" کے قریب پہنچ گیا تھا۔ ایسی حالت میں جبکہ علاوہ بیرونی فوجوں اور شامی لشکروں کے ("شامی لشکروں

کی شمولیت "کربلا" کے لشکر ابن زیاد میں ثابت ہے جو لوگ کہتے ہیں
کہ "کربلا" میں ابن زیاد کی فوج میں شام کا کوئی ایک سپاہی بھی موجود نہ
تھا اُن کی رائے قطعاً غلط ہے اس کا تذکرہ ہم مختلف موقعوں پر
کریں گے ۔ مؤلف) جن کی خود ہی تعداد بہت بڑی تھی اسکے
ساتھ ہی جب شہر کوفہ کے ہر گھر سے اس فوج میں ہر وہ شخص
شامل کرلیا گیا تھا جس میں جنگ کرنے کی صلاحیت و قابلیت
تھی تو یہ تعداد کسقدر بڑھ گئی ہوگی۔

حضرت زینبؑ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف
امام حسینؑ کے ہاتھ سے اتنے لوگ مارے گئے تھے کہ پورے شہر
کوفہ کے ہر گھر میں کہرام مچ گیا تھا ان مقتولوں کے علاوہ آپ
کے اہلبیت اور انصار کی تلواروں سے قتل ہونے والوں کی بھی ایک
بڑی تعداد ہوگی۔

جب مقتولوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہو تو اس سے
باآسانی اندازہ ہوسکتا ہے کہ خود ابن زیاد کی فوج کتنی بڑی ہوگی۔
اس کے ساتھ ہی امام حسینؑ نے اس فوج کے متعلق خود بھی
فرمایا تھا۔ "كَاَنَّهُ السَّيْلُ مِنْ كَثْرَةِ الرِّجَالَةِ وَالْخَيْلِ"، یعنی ابن زیاد
کا لشکر ایسا تھا جیسے سیلاب ہو۔ اس قدر زیادہ اور سوار
تھے کہ گویا وہ فوج نہ تھی بلکہ انسانوں کا ایک سیلاب تھا"
تیس ہزار یا پچاس اور اکیاون ہزار آدمی کیا ایسے ہو سکتے ہیں
کہ حسین بن علیؑ کا سا شجاع و بہادر جس نے جملؑ و صفین جیسی
جنگوں کے مناظر دیکھے وہ ابن زیاد کی فوج کو آدمیوں کے
سیلاب سے تعبیر کرے۔ امام معصوم کی زبان سے مبالغہ آمیزی
ممکن ہی نہیں ہوسکتی اور وہ حقیقت کے خلاف ایک لفظ بھی
نہیں کہہ سکتے تھے اس بنا پر امام حسینؑ کا یہ جملہ تو لاکھوں افراد
ہی پر منطبق ہوسکتا ہے جبکہ اس سے قبل نہ سرورِ کائنات

نے اور نہ حضرت امیر المؤمنین نے اور نہ خود امام حسینؑ نے کبھی بھی بڑی سے بڑی فوج کے لئے یہ جملہ استعمال فرمایا تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر اس فوج کا اندازہ ہزاروں سے نہیں بلکہ لاکھوں ہی سے کیا جاسکتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی روایات میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔

فَاجْتَمَعَتِ الْعَسَاكِرُ فِيْ سِتِّمِائَةِ اَلْفٍ وَعِشْرِيْنَ اَلْفِ فَارِسٍ وَرَاجِلٍ" یعنی ابن زیاد کے لشکر کی تعداد چھ لاکھ اور بیس ہزار (۶۲۰۰۰۰) سواروں اور پیادوں پر مشتمل تھی۔ اگر ایسا تھا تو اس کے قطعاً قرین قیاس ہونے میں کوئی بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔

ترتیب صفوف لشکر

ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۴۸ کے مطابق ہم یہاں دونوں لشکروں کی ترتیب لکھتے ہیں:۔

امام حسین علیہ السلام کی بددعا کے اثر سے محمد بن اشعث کی موت ایک بچھو کے کاٹنے کی وجہ سے واقع ہو چکی تھی کہ اسی وقت امامؑ نے اپنے مختصر سے لشکر کی ترتیب درست کرنا شروع کر دی! اور تعبیۂ لشکر کا حکم دے دیا۔ (لشکروں کی ترتیب سے بھی جغرافیۂ کربلا پر روشنی پڑے گی۔ اس لئے ہم اس کا بھی ذکر اسی مقام پر کئے دیتے ہیں۔)

لشکر امام حسینؑ میں بتیس ۳۲ سوار اور چالیس ۴۰ پیادے تھے، یہ تو ہمیں معلوم ہی ہو چکا ہے، اس چھوٹی سی فوج کو آپ نے اس طرح ترتیب دیا۔

زہیر بن القین کو بیس ۲۰ سپاہیوں کے ساتھ میمنۂ لشکر (Right wing) کا امیر مقرر کیا اور حبیب بن مظاہر کو بیس ۲۰ سپاہیوں کے ساتھ میسرۂ لشکر (left wing) کا سردار بنایا حضرت عباسؑ بن علیؑ کو اپنی فوج کا علمدار مقرر کیا اور خود بہ نفس نفیس

قلب لشکر میں رہے۔ اس لشکر کو خیموں کے آگے رکھا اور خیموں کو ان کی پشت پر اس طرح قرار دیا کہ کسی سمت سے بھی یعنی مشرق، جنوب اور مغرب کی طرف سے خیموں پر حملہ کا امکان باقی نہ رہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ خیامِ حسینی شمال کی سمت میں تھے اور ان کی جنوبی سمت میں امامؑ کی فوج تھی جو مغرب اور مشرق کی طرف بھی پھیلی ہوئی تھی کیونکہ جنوب کے علاوہ غربی و شرقی سمتوں میں لشکر ابن زیاد متعیّن تھا (مشرق کی طرف نہر فرات تھی اور مغرب کی طرف شمرؔ کی کمان میں ابن زیاد کی فوج کا مَیسَرہ تھا) نینوی غربی و شرقی امامؑ کی فوج سے جنوب مشرقی گوشہ میں تھے۔

اُدھر عمر بن سعد نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کیں چنانچہ میمنہ کا سردار عمرو بن حجّاج زُبیدی کو مقرر کیا اور شمر بن ذی الجوشن الضِبابی کو میسَرہ کی کمان دی۔ عُروَہ بن قیس (یا عَزرۃ بن قیس) کو سواروں پر امیر بنایا۔ شَبث بن رِبعیؓ کو پیادوں کا امیر مقرر کیا اور خود ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ قلب لشکر (Center of The Army) میں ٹھہر گیا۔ اپنے لشکر کا علمدار اپنے غلام "دُرَیدؔ" کو بنایا۔

اس سے قبل ہم نے خیامِ حسینی اور نہر فرات وغیرہ کی سمتوں پر بحث کی تھی۔ اب ہم پھر اسی سلسلہ میں کچھ مزید تبصرہ کرنا چاہتے ہیں۔ امام حسینؑ کے خیامِ مبارک گرم ترین ریگستانی خطہ میں نہر فرات سے غربی سمت میں تھے (یہ ریگستانی خطّہ دن کی دھوپ میں خصوصاً گرمیوں میں آگ کی طرح دہکتا رہتا تھا اور واقعۂ کربلا عین موسم گرما میں واقع ہوا تھا) خیموں کی ترتیب یوں تھی کہ اہلحرم کے خیمے پشت پر اور اصحاب و انصار کے خیمے جنوبی و مشرقی و مغربی سمتوں میں آگے تھے تاکہ حملہ کسی سمت سے بھی

خیام اہلبیتؑ پر نہ ہو سکے اور اصحاب و انصار کے خیمے اُن کے لئے سپر بن جائیں۔ اس صورت یہ کہ تمام خیموں کا سامنے کا رُخ ایک ہی طرف ہو جو خیمہ گاہ سے گوشۂ جنوب و مشرق میں واقع تھا اور عام آمد و رفت خیموں میں اسی ایک ہی رُخ سے تھی دوسری کسی جانب سے خیموں میں آنے کا راستہ نہ تھا۔

موجودہ خیمہ گاہ کی جگہ قطعاً غلط اور خلاف واقع ہے جس سے نقشۂ جنگ کی ترتیب بھی غلط طور پر ذہن میں آتی ہے۔ کیونکہ صدر لشکر ابن سعد "طفؔ" سے جنوب کی طرف تھا اور مقتل یعنی میدانِ جنگ لشکر ابن سعد کی طرف سے اُس کی شمالی سمت میں تھا اور خیمہ گاہ کی طرف سے دیکھا جائے تو جنوب اور مشرقی و مغربی سمتوں میں پھیلا ہوا تھا۔ ساتھ ہی مشرقی سمت کی وسعت شمالی سمت کی طرف بھی پھیلی ہوئی تھی۔

اب جبکہ ہم روضۂ امام حسین علیہ السّلام کو مقتل کی جگہ تسلیم کر چکے ہیں تو یہ بات واضح ہو گئی کہ ابن سعد کا لشکر اور اس کے تمام رسل و رسائل کا سلسلہ جنوب کی طرف تھا اس لئے کہ کوفہ جنوب ہی میں واقع تھا اور روضۂ اقدس سے شمال میں ہرگز نہ تھا اس سے بخوبی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ خیمہ گاہ امام حسینؑ شمال میں تھی اور لشکر ابن سعد جنوب کی طرف تھا۔

اس کے علاوہ اور بھی کچھ حقائق موجود ہیں جن سے خیمہ گاہ کی اصلی جگہ کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ابن سعد جب نینویٰ میں اُترا تھا اور امام حسینؑ "طفِ کربلا" میں تشریف فرما تھے اور قریۂ نینویٰ" کا فرات کے مغربی ساحل سے جنوبی سمت میں ہونا معلوم ہو چکا ہے۔

(۲) خیمۂ حُر بن یزید ریاحی مع تین ہزار فوج کے اُسی جگہ پر نصب تھا جہاں اس وقت ان کا روضۂ مبارک موجود ہے کیونکہ کتاب

"سرور المؤمنین"، وغیرہ میں صراحۃً لکھا ہوا ہے کہ حضرت حُرؑ کی لاش ایک روایت کی بنا پر اُن کی ماں مقتل سے اُٹھا کر اُن کے خیمہ میں لے آئی تھیں (حضرت حُرؑ کی والدہ میدانِ جنگ میں اُن کے ساتھ اُن ہی کے خیمہ میں تھیں) اور دوسری روایت کے مطابق جب حُرؑ کے قبیلے جو ان کی فوج تھی یہ بات سنی کہ لاشوں پر گھوڑے دوڑائے جائیں گے تو ان لوگوں نے ابن سعد سے مُطالبہ کیا کہ اُن کے سردار حُرؑ کی لاش اُن ہی کے سپرد کر دی جائے۔ حُرؑ کو اپنے عمل کا نتیجہ تو مل ہی گیا۔ اب ہمیں اس کی اجازت دے کہ ہم اپنے سردار کی لاش دفن کر دیں۔

چنانچہ ابن سعد نے انھیں اجازت دے دی اور وہ لوگ مقتل سے حُرؑ کی لاش اُٹھا کر اُن کے کیمپ (خیمہ) میں لے آئے اور اسے وہیں دفن کر دیا۔ تو بہر صورت لاشِ حُرؑ مقتل سے لائی گئی اور اسی مقام پر دفن کی گئی جہاں ان کا فوجی کیمپ تھا اور یہ مقام جیسا کہ بار بار بیان کیا جا چکا ہے مقتل کے مغربی حصہ میں تھا مگر مائل بہ گوشۂ جنوب۔

(۳) حضرت حُرؑ بظاہر اپنے گھوڑے کو پانی پلانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے تھے اور راستہ میں لشکرِ حُسینی میں شامل ہو گئے تو یہ بات اُسی وقت مُمکن ہو سکتی تھی جب خیمۂ حضرت حُرؑ ایسے مُقام پر ہوتا جہاں سے فرات تک پہنچنے میں خیامِ حسینی کی طرف سے گزرنا ضروری ہوتا ورنہ حُرؑ کا امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو جانا ممکن نہ تھا اور یہ بات اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت حُرؑ کا لشکر اور کیمپ میسرۂ لشکر ابن سعد میں تھا۔ اور وہ میسرہ گوشۂ جنوب و غرب میں واقع تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حُرؑ گوشۂ جنوب و مغرب کی طرف سے بظاہر گھوڑے کو پانی پلانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے تھے مگر جو اصلی مقصد تھا وہ کچھ اور ہی تھا اور

وہ تھا امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہونا جسے اُنھوں نے اس طرح حاصل کرلیا۔

چنانچہ بحارالانوار ج (۱۰) اور "ارشاد" شیخ مفیدؒ میں ہے فلما رای الحر بن یزید ان القوم قد ھموا الخ (ترجمہ) جب حرؑ بن یزید الریاحی نے دیکھا کہ لشکر ابن زیاد امام حسینؑ سے جنگ کرنے پر پوری طرح آمادہ ہو چکا ہے تو انھوں نے عمر بن سعد سے پوچھا:۔ اے عمرُ! کیا تم اب ضرور حسینؑ بن علیؑ سے جنگ کروگے اور کیا تم اس بات کو بالکل طے کرچکے ہو اور اس کا حتمی فیصلہ ہوچکا ہے تو عمر بن سعد نے جواب دیا کہ ہاں بیشک، خدا کی قسم اب تو یہ طے ہو چکا ہے کہ حسینؑ سے بڑی شدید جنگ ہوگی یہ سُنکر حرؑ وہاں سے ہٹ کر ایک مقام پر ٹھہر گئے جب کہ اُنکے ساتھ اُن ہی کی قوم کا ایک شخص بھی تھا جس کا نام قرۃ بن قیس تھا انھوں نے قرۃ سے دریافت کیا، تم نے کیا اپنے گھوڑے کو پانی پلالیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ نہیں، (یہ جملہ حرؑ نے اس لئے کہا ہوگا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ حرؑ کو گھوڑوں کی پیاس کا خیال ہے اور وہ نہرِ فرات کی طرف صرف اس لئے روانہ ہو رہے ہیں کہ اپنے گھوڑے کو پانی پلاسکیں ورنہ اپنے ساتھی سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ تم نے کیا اپنے گھوڑے کو پانی پلادیا ہے؟)

اس کے بعد حرؑ نہرِ فرات کی سمت جاتے ہوئے آہستہ آہستہ امام حسینؑ سے نزدیک ہوتے رہے اور جب کافی نزدیک ہوگئے تو ایک دم سے گھوڑے کو ایڑ دی اور امامؑ کی خدمت میں آگئے جبکہ لوگ اس غلط فہمی ہی میں رہے کہ حرؑ نہرِ فرات جارہے ہیں۔

غرض حضرت حرؑ گوشۂ مغرب وجنوب کی طرف سے چلکر گوشۂ شمال ومشرق کی طرف آگئے تھے۔

(۴) جہتِ قبلہ کربلا، کوفہ اور تمام عراق کی جانب جنوب ہے اور

امام حسینؑ نے جب میدانِ کربلاء میں ظہر کے وقت نمازِ خوف ادا کی تھی تو دشمنوں کے تیر سامنے کی طرف سے آرہے تھے چنانچہ روایت میں ہے۔ فقال الحسین لزھیر بن قین و سعید بن عبداللہ تقدما امامی اصلی الظھر الخ امام حسینؑ نے زھیر بن قین اور سعید بن عبداللہ الحنفیؒ سے فرمایا۔ میرے آگے کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں نمازِ ظہر ادا کرلوں تو یہ دونوں فوراً امامؑ کے آگے کھڑے ہو گئے اور سعید بن عبداللہ الحنفیؒ بالکل ٹھیک آگے کی طرف فوجِ اشقیاء سے مقابلہ کرنے میں ڈٹ گئے اور نشانہ کی طرح ایک جگہ پر امام حسینؑ کے آگے قائم ہو گئے۔ یہ دیکھکر اُن حملہ آور ظالموں نے اِس پاکباز بہادر پر تیروں کی بارش شروع کر دی یہاں تک کہ سعید بن عبداللہؒ زمین پر گر کر لوٹنے لگے اور چند ہی لمحوں میں شہادت کے درجہ پر فائز ہو گئے۔

بہرصورت تیروں کی بارش نمازیوں پر جنوب ہی کی طرف سے ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خیمہ گاہِ امام حسینؑ میدانِ جنگ سے شمال کی طرف تھی نہ کہ جنوب کی طرف۔

جس وقت سعید بن عبداللہ الحنفیؒ شہید ہو چکے تو اُن کے زخموں کو دیکھا گیا تھا۔ اُن میں تیروں کے علاوہ تلواروں اور نیزوں کے بھی زخم تھے۔ تیرہ زخم تیروں کے تھے علاوہ اُن زخموں کے جو تلواروں اور نیزوں کے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن فوجی اِن مقدس نمازیوں پر صرف تیر ہی نہیں برسا رہے تھے بلکہ اُنھوں نے نیزوں اور تلواروں سے بھی حملے کئے تھے۔ مختصر یہ کہ ابن زیاد کے فوجیوں کا حملہ ان نمازیوں پر سامنے ہی سے تھا یعنی قبلہ کی سمت سے جو کربلاء سے جنوب میں تھا۔ حالانکہ موجودہ خیمہ گاہ قطعاً اس کے خلاف ہے یعنی یہ جنوب میں بنائی گئی ہے تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ میدان جنگ اور قتلگاہ خیمہ گاہِ حسینی سے شمال کی طرف تھی، جو قطعی طور پر غلط اور بے بنیاد

اور خلافِ حقیقت ہے۔ موجودہ خیمہ گاہ میدانِ کارزار سے تقریباً ایک سو ساٹھ ۱۶۰ قدم کے فاصلہ پر جنوب کی طرف ہے بلکہ یہ موجودہ خیمہ گاہ تو خود میدانِ جنگ کے خطہ ہی میں شامل ہے یعنی اُس مقام پر بنا دی گئی ہے جہاں خود میدانِ جنگ تھا تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ دشمنوں کی صفیں مشرق یا شمال میں ہوتیں اور میدانِ قتال سے خیمہ گاہ جنوب میں ہوتی اور نماز کی صفیں وہاں قائم ہو سکتیں ظاہر ہے کہ نماز خیموں کی پشت کی طرف نہیں پڑھی گئی تھی بلکہ خیموں کے آگے ہوئی تھی۔

پھر یہ تو معلوم ہی ہے کہ قبلہ جنوبی سمت میں تھا تو اگر نماز جماعت خیموں کی پشت کی طرف پڑھی جاتی تو نمازیوں کا رُخ بہر حال جنوبی قبلہ ہونے کی وجہ سے، خیموں کی طرف ہوتا یعنی قبلہ اور خیمے ایک ہی سمت یعنی جنوب میں ہوتے۔ ایسی حالت میں تیروں کی بوچھار سامنے کی طرف سے ہونا کسی حال میں بھی ممکن نہ تھا کیونکہ نمازیوں کے سامنے تو خیمے ہوتے پھر تیر کدھر سے آ جاتے نیز تلواروں اور نیزوں کے زخم کس طرح لگائے جا سکتے اور یہ تو بہی طرح روایات سے ثابت ہے کہ تیر سامنے کی سمت سے آتے رہے تھے۔ یہاں یہ بات یاد رہنا چاہیئے کہ خیامِ حسینی امامؑ کی فوج کی پشت پر تھے نہ کہ اُس کے آگے۔

شبِ عاشورہ امام حسینؑ نے خیموں کی ترتیب خاص طور پر درست کی تھی۔ خیموں کی پشت پر ایک چوڑی خندق کھدوائی تھی اور اُس کو آگ سے بھر دیا گیا تھا تاکہ پشت کی طرف سے حملہ نہ ہو سکے کیونکہ لشکر ابن زیاد نے چاروں طرف سے خیموں کو گھیرے میں لے لیا تھا اور اس طرح امام حسینؑ اور آپ کے انصار کے خیمے اور آپ کا چھوٹا سا لشکر ہر طرف سے حصار میں تھا۔ تمام خیمے ایک دوسرے سے متصل تھے۔ امامؑ کا لشکر خیموں کے آگے تھا

اور تمام خیمے اس لشکر کے پیچھے اور داہنے بائیں تھے نیز ہر ایک خیمہ کی طنابیں دوسرے خیمہ کی طنابوں میں داخل تھیں تاکہ حملہ کے وقت مختلف گھر اور متعدد خیمے نہ رہیں بلکہ یہ سب خیمے باہم متصل ہو کر ایک خیمہ کی حیثیت اختیار کر لیں اس طرح اگر جنگ ہو تو صرف ایک ہی طرف سے ہو اور دشمن کا مقابلہ محض ایک ہی سمت سے کیا جائے چاروں طرف سے نہ ہو۔ وہ واحد سمت صرف وہی ہو سکتی تھی جدھر سے نمازیوں پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ ایک ہی جہت و سمت کی طرف اشارہ ایک "روایت" میں بھی ہے جو علامہ شیخ مفیدؒ نے "ارشاد" میں امام زین العابدینؑ سے نقل کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ثُمَّ خَرَجَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِلیٰ اَصْحَابِہٖ الخ (ترجمہ) شب عاشورا امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اصحاب و انصار کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے خیموں کو ایک دوسرے کے قریب اور متصل کر دیں اور تمام خیموں کی طنابیں آپس میں ملا دیں اور ایک کو دوسرے میں شریک کر دیں اور فوج کی صفیں خیموں کے درمیان رہیں تاکہ دشمن کا ایک ہی طرح پر مقابلہ کیا جا سکے اور خیمے یا تو اُن کی پشت پر ہوں یا اُن کے داہنی اور بائیں طرف ہوں یعنی آپ کے اصحاب و انصار خیام حسینی کو پشت اور داہنے، بائیں اطراف سے گھیرے رہیں اور اُن کی حفاظت کریں کتاب "الارشاد" کے علاوہ ابو مخنف اور ابن صباغ مالکی نے "فصول مہمہ" میں بھی اسی طرح لکھا ہے کہ جنگ صرف ایک سمت میں ہو رہی تھی۔

(۵) روایت شہادت حضرت علیؑ اکبر و شہادت حضرت علیؑ اصغر بھی اس بات کی واضح دلیل و ثبوت ہیں کہ خیام حسینی کا رُخ میدان جنگ کی طرف تھا اور وہی لڑائی کا واحد رُخ تھا۔

اس بنا پر لشکر یزید کا خیامِ حسینی کی مقابل سمت میں ہونا ضروری

ہوا اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خیام شمال میں تھے، جنوب میں نہ تھے۔ نیز اگر خیمہ گاہ جنوب میں اور لشکر یزید شمال میں فرض کیا جائے تو پھر لشکر کا ربط کوفہ سے باقی ہی نہیں رہ سکتا تھا اور جغرافیائی، تاریخی اور فوجی نقطۂ نظر سے یہ بات قطعاً غلط ہے۔

روایت شہادت علی اکبر یہ ہے:۔ "الارشاد"، مؤلفہ شیخ مفید رح: فَحَمَلُوهُ حَتّٰى وَضَعُوهُ بَيْنَ الْفُسْطَاطِ الَّذِي كَانُوا يُقَاتِلُونَ اَمَامَهُ" حضرت علی اکبر جب شہید ہوگئے تو اُن کی لاشِ اقدس کو امام حسین اور چھوٹے چھوٹے بچوں نے اُس خیمہ (یا خیموں) کے سامنے لاکر رکھا، جس کے آگے کے رُخ پر جنگ ہو رہی تھی"۔

"اعلام الوریٰ"، میں ہے: ثُمَّ جَلَسَ الْحُسَيْنُ اَمَامَ الْفُسْطَاطِ الخ یعنی امام حسین خیمہ کے آگے بیٹھے اور اُن کے فرزند عبداللہ (علی اصغر) کو اُن کی خدمت میں حاضر کیا گیا جو بہت چھوٹے سے تھے، پھر آپ نے انھیں اپنی گود میں بٹھا لیا۔ یہ دیکھکر بنی اسد کے ایک ظالم شخص نے تیر مارا جس سے وہ بچہ باپ کی گود میں ذبح ہوگیا۔ اِس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یزیدی لشکر خیموں کی سمتِ مقابل میں متعیّن تھا۔

(۶) تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ بعد شہادتِ امام حسین جب آپ کے اہل حرم کو اسیر کرکے کوفہ کی طرف روانہ کیا گیا تو اُن کا گزر میدانِ کارزار کی طرف سے ہوا اور مخدّرات نیز بچوں نے لاشوں کو دیکھا تھا چنانچہ "جلاءُ العیون"، میں ہے کہ جب اہلبیت کی نظر شہداء کی لاشوں پر پڑی تو گریہ و بکا کا فلک رسا شور بلند ہوا اور سیدانیوں نے بیتابانہ اپنے کو سواریوں پر سے زمین پر گرا دیا۔

اس بنا پر یہ ثابت ہوگیا کہ اگر لشکر یزید شمال میں ہوتا اور خیام حسینی جنوب میں اور میدانِ جنگ شمالی سمت میں واقع ہوتا

تو اسیروں کا گذر میدانِ جنگ سے نہ ہو سکتا کیونکہ "کوفہ" کی طرف جانے کا راستہ جنوب میں تھا نہ کہ شمال میں۔ اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے کہ لشکرِ اعداء شمال ہی میں تھا (جو غلط ہے) اور اہلِ حرم کو جنوبی سمت سے قید کر کے شمالی سمت میں لایا گیا تھا تو وہاں سے جانے کے بعد انھیں کوفہ جانے کے لئے پھر جنوب کی طرف واپس لایا جانا ضروری تھا۔ اس طرح اہلحرم کا دو مرتبہ میدان کارزار میں پہنچنا لازمی تھا، حالانکہ کسی روایت میں بھی اہلبیتؑ کا دو مرتبہ میدانِ جنگ میں گزرنا مذکور نہیں ہے بلکہ ہر جگہ صرف ایک ہی مرتبہ کا گزرنا بتایا گیا ہے۔ اس سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ موجودہ خیمہ گاہ کا مقام معتبر نہیں ہے۔

پھر جب یہ طے ہو گیا کہ صدرِ لشکرِ یزید جُنُوب کی سمت میں تھا جس میں مشرق و مغرب کے گوشے بھی شامل تھے تو پھر خیمہ گاہ حسینی کا اس کے مقابل شمال مغربی سمت میں ہونا ضروری ہو جائے گا۔

غرض امام حسینؑ کے خیام "شطِّ فُرات" کی مغربی سمت میں تھے اور صدرِ لشکر ابن زیاد سے جانب شمال میں۔

(۷) ترتیب لشکرِ امام حسینؑ اور لشکرِ یزید اس طرح تھی۔

لشکر ابن زیاد کی صفیں مشرق و جنوب میں پھیلی ہوئی تھیں ان صفوں کے پیچھے ساحلِ فرات اور قریۂ "نینویٰ" پر بھی یہ صفیں محیط تھیں اور ساتھ ہی صدرِ لشکر ابن زیاد حضرت حرؑ کے روضہ کی جگہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس طرح کہ میمنۂ لشکر ابن زیاد (Right - wing) غاضِرِیّہ اور شُیَیْب کی شمالی سمت سے شروع ہو کر جنوب کی سمت سے ہوتا ہوا مغربی سمت تک پھیلا ہوا تھا جس کا سردار عمرو بن الحجّاج الزُبیدی تھا۔ قلبِ لشکر میں سرداری عمر بن سعد کے غلام "دُرَید" کے

سپرد تھی جو علمدار فوج تھا پھر اسی میمنہ کے دوسری طرف میسرہ لشکر (left-wing) تھا جس کا امیر شمر بن ذی الجوشن الضّبابی تھا۔

"الارشاد"، جناب شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں:- ثُمَّ حَمَلَ عَمْرُو بْنُ الْحَجَّاجِ وَاَصْحَابُہٗ عَلَی الْحُسَیْنِ مِنْ نَحْوِ الْفُرَاتِ الخ یعنی پھر عمرو بن الحجاج اور اُس کے ساتھیوں نے امام حسینؑ پر حملہ کر دیا اور یہ حملہ فرات کی طرف سے تھا اور ایک گھنٹہ تک جنگ جاری رہی جس کے نتیجہ میں مُسلِم بن عَوسَجَہ اَسَدِی (صحابی رسولؐ) شہید ہو گئے۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سردارِ میمنۂ لشکر ابن زیاد عَمرو بن حجّاج نے نہر فرات کی جانب سے لشکر امام حسینؑ پر حملہ کیا تھا اور "مِنْ نَحْوِ الْفُرَاتِ"، نے پورا نقشۂ جنگ بتا دیا۔

عمرو بن الحجّاج تو پہلے ہی سے نہر فرات کے مورچے پر مقرر تھا (پانچ سو سواروں کے ساتھ) اور اب تو یہ پورے "میمنہ" کا سردار اور امیر بھی مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس کے معنی صاف یہی ہوتے ہیں کہ میمنۂ لشکر یزید "شطِّ فرات"، ہی پر متعیّن تھا تو میسرہ اور قلب لشکر یزید بھی ان ہی سمتوں میں ہوگا۔

شیخ مفیدؒ "اِرشاد"، میں تحریر فرماتے ہیں:- وَاَصْبَحَ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ الخ یعنی عُمر بن سعد نے عاشور کی صبح کو جو جمعہ تھا یا شنبہ اپنے لشکر کی ترتیب درست کی اور اپنی پوری فوج کے ساتھ امام حسینؑ پر حملہ آور ہوا۔ اُس نے اپنے میمنہ پر عَمرو بن حجّاج کو امیر مقرر کیا اور مَیسرہ پر شمر بن ذی الجوشن کو سرداری دی۔ سواروں پر عُروہ (یا عَزرَہ) بن قیس کو امیر بنایا اور شبث بن ربعی کو پیدل فوج (Army) کا سردار معیّن کر دیا۔ لشکر کا پرچم اپنے غلام "دُرَید"، کو دیا۔ اور یہ فوج تقریباً بائیس ۲۲ ہزار فوجیوں پر مشتمل تھی۔ اس کے مقابلہ میں امام حسینؑ کے متعلق شیخ مفید

مجلسی، طبری اور دیگر محدثین لکھتے ہیں:-

"امام حسینؑ نے بھی روز عاشور نماز صبح کے بعد ہی تعبیۂ لشکر کیا اور اپنی مختصر فوج کے حصوں کی تعیین کر دی۔ آپ کے ساتھ بتیس ۳۲ سوار اور چالیس ۴۰ پیادے تھے۔ چنانچہ آپ نے زھیر بن قین کو میمنہ کا اور حبیب بن مظاہر کو میسرہ کا امیر مقرر فرمایا۔ اور حضرت ابو الفضل العباسؑ کو رایت (علم) لشکر عطا فرمایا۔ اور تمام خیموں کو لشکر کی پشت پر قرار دیا۔ غرض اس طرح میمنۂ لشکر امامؑ کا مقابلہ میسرۂ لشکر ابن زیاد سے تھا اور میسرۂ سپاہ امام حسینؑ کا مقابلہ میمنۂ سپاہ یزید سے تھا۔

موجودہ خیمہ گاہ کے غلط جگہ پر ہونے پر ان تمام دلیلوں کے علاوہ ایک سب سے زیادہ صاف اور واضح دلیل نخیلہ ہے جو امام حسینؑ کے حملوں کا نشان بتا رہا ہے اور اس کے حدود کی وضاحت کر رہا ہے۔

(۹) "نخیلہ"، کوفہ اور نجف کے راستہ پر "کربلا"، سے تین فرسخ یعنی نو شرعی میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہاں کھجور کا ایک چھوٹا سا درخت تھا جس کی مناسبت سے اس مقام کو بھی "نخیلہ"، کہتے ہیں کیونکہ "نُخَیلَہ" کے معنی ہی ہیں "چھوٹا سا کھجور کا درخت"، کتاب "الارشاد" میں "نخیلہ"، پر شیخ مفیدؒ کی یہ عبارت اشارہ کرتی ہے۔ (ترجمہ) امام حسنؑ اور معاویہ کی جنگ کے سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں کہ معاویہ، مقام "نُخَیلَہ"، پر اُترا تھا۔ محشی کتاب "ارشاد" لکھتے ہیں اور "مُعجَمُ البُلدان" وغیرہ میں بھی ہے:- "نخیلہ"، کوفہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ چھوٹا کھجور کا درخت عرصہ دراز سے ایک ہی حالت پر قائم ہے اسے بعد میں ایک عارضی قسم کی منزل کی طرح بھی استعمال کیا جانے لگا تھا۔ جہاں کچھ آبادی بھی ہو گئی تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کھجور کا درخت جس صورت پر امام حسینؑ کے زمانہ میں تھا سیکڑوں سال کے بعد بھی اسی طرح باقی رہا اور اصل حقیقت

یہ ہے کہ ایک درخت اپنی عمر طبیعی اور کہنگی کی وجہ سے تلف ہو جاتا تھا تو دوسرا اُس کی جگہ پر نکل آتا تھا اُسی قد و قامت اور اُسی شکل کا لیکن سابق زمانہ میں جب "ارابہ" یعنی گھوڑا گاڑیاں نہ تھیں تو کربلا سے کوفہ جانے والوں کی راہ میں نخیلہ نہیں پڑتا تھا بہر حال "نخیلہ" آخری حد تھی امام حسین علیہ السلام کے حملوں کی۔ ("نخیلہ" ہی میں بعض نہروانیوں سے جو حضرت علیؑ کے حامی تھے اُن کوفیوں سے زبردست جنگ ہوئی تھی جو معاویہ کے ساتھ تھے اور یہی وہ مقام ہے جہاں صلح امام حسن کے بعد معاویہ نے ایک بڑے مجمع کے سامنے کہا تھا کہ صلح کی شرطیں میرے جوتے کے نیچے ہیں)۔

غرض جنگ کربلا میں امام حسین تین مرتبہ حملہ کر کے "نخیلہ" تک ابن زیاد کی فوج کو بھگاتے ہوئے تشریف لائے تھے۔ ہر بار شیر خدا کے فرزند نے زبردست حملہ کر کے لشکر ابن زیاد کے میمنہ اور میسرہ کو تہ و بالا کر دیا اور تینوں حملوں میں یہ ٹڈی دل فوج پسپا ہو کر "نخیلہ" تک بھاگ جاتی تھی بلکہ بھاگنے والے تو کوفہ تک بھاگ جاتے تھے اور کوفہ کے حدود میں بھی ان بھاگنے والوں کو فرزند بوتراب کے ہمہموں کی گرج سنائی دیتی تھی۔ یہ شجاعت حسینی کا اعجاز بھی تھا اور دشمنوں کے دلوں میں امام حسین کی صولت جنگ کی تاثیر بھی تھی نیز فاتح خیبر کے وارث امام حسین کی ہیبت کا اثر بھی تھا جس طرح کسی خوف زدہ اور ڈرے ہوئے آدمی کو اپنے قوی ہیکل دشمن کی آواز اور صورت ہر حالت میں سنائی اور دکھائی دیتی رہتی ہے۔

فرزند حیدر کرار امام حسین کی تلوار سے (جو خود ذوالفقار ہی تھی) مقتولوں کی کثرت بھی بتاتی ہے کہ آپ کے حملے میدان

جنگ سے آگے بڑھ کر لشکر ابن زیاد کے پچھلے حصوں تک بھی پھیل چکے تھے جس کا ایک حصہ خود "نخیلہ" تک تھا اور دوسرے حصے شہر کوفہ کے حدود تک وسیع تھے۔

"مقتل" ابن عصفور (حسین بن محمد بن احمد بن عصفور البحرانی من اہل البحرین متوفی ۱۲۱۶ھ) میں ہے۔

"امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ سے جنگ کربلاء میں تین لاکھ تیس ہزار دشمن مارے گئے۔ ابن عصفور نے حضرت زینبؑ کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ اِنَّ سَیفَ اَخِی لَم یَترُکْ فِی الْکُوفَۃِ بَیْتًا اِلَّا فِیہِ بَاکِیًا وَبَاکِیَۃً وَنَائِحًا وَنَائِحَۃً" یعنی میرے بھائی حسینؑ بن علیؑ کی تلوار نے شہر کوفہ کا کوئی گھر ایسا نہیں چھوڑا جس میں اپنے مقتولوں پر کوئی رونے والا اور نوحہ کرنے والا مرد یا رونے والی اور نوحہ کرنے والی عورت موجود نہ ہو۔ (اگر علامہ بحرانی کے اس ارشاد کو مبالغہ پر بھی محمول کیا جائے جب بھی حضرت زینبؑ کے الفاظ سے لشکر ابن زیاد کے مقتولوں کی کثرت بہرحال شک و شبہ اور مبالغہ سے بالاتر ہے۔ ظاہر ہے کہ مقتولوں کی اتنی بڑی تعداد جو کم از کم ہزار ہا افراد پر مشتمل ہو صرف ایک ہی مقام پر نہیں ہو سکتی۔ اسی سے یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آجاتی ہے کہ لشکر ابن زیاد کے سرے کہاں سے کہاں تک پھیلے ہوئے تھے اور اس بنا پر پچیس پچاس ہزار کا تخمینہ ہمارے نزدیک تاریخ کے ساتھ مذاق کرنا ہے۔

اب اس کے بعد یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ بائیس ہزار وغیرہ کی جو روایتیں ملتی ہیں اُن کا حل کس طرح کیا جائے؟ اس کا جواب آسانی کے ساتھ یہ ہے کہ یہ تعداد صرف اُن سپاہیوں اور اس فوج کی ہو سکتی ہے جو حسینی فوج کے روبرو میدان کربلاء میں صف آرا تھے یعنی میمنہ اور میسرہ نیز قلب لشکر کی یہ تعداد

تھی جبکہ پورا سواد لشکر بے حد وسیع تھا۔

پھر یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ دونوں لشکروں کی اگلی صفوں کا فاصلہ تیروں کی مار سے زیادہ نہ تھا جیسا کہ کتب مقاتل میں مندرج ہے کیونکہ تیر برابر آتے اور جاتے رہتے تھے اور لوگ ان تیروں کا نشانہ بن جاتے تھے بلکہ گوپھیوں کے پتھروں سے بھی زخمی ہو جاتے تھے۔ اس بنا پر میدانِ جنگ زیادہ وسیع اور دور تک نہ تھا اور دونوں صفیں قریب قریب تھیں۔ اس کے علاوہ عمرو بن حجاج کے حملہ سے بھی اس حقیقت کو سمجھا جا سکتا ہے چنانچہ "ارشادِ شیخ مفیدؒ" میں ہے۔ وَحَمَلَ عمرو بن الحجّاج علیٰ میمنة اصحاب الحسین الخ۔ عمرو بن حجاج نے میمنۂ لشکر امام حسینؑ پر سواروں کی فوج کے ساتھ حملہ کیا تو انصار امامؑ نے حملہ آوروں کی طرف اپنے نیزے سیدھے کر دیئے۔ یہ دیکھ کر اُن سواروں کو آگے بڑھنے کی جراءت نہ ہو سکی اور پیچھے پلٹ گئے پھر تو اصحاب حسینؑ نے اُن پر تیروں کی بارش شروع کر دی جس کی وجہ سے اُن میں سے بہت سے اشقیاء ہلاک ہو گئے اور جو باقی رہ گئے تھے وہ زخمی ہو گئے۔

اس سے ایک اور حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس لڑائی میں کوئی صحیح ترتیب نہ تھی کہ میمنۂ ابن زیاد کی لڑائی میسرۂ امام حسینؑ سے ہوتی کیونکہ یہ ایک دوسرے کے مقابل تھے یا میسرۂ ابن زیاد کی جنگ میمنہ حسینی سے ہوتی اس لئے کہ یہ بھی ایک دوسرے کے سامنے موجود تھے۔

مگر ہوا یہ ہے کہ جنگ کچھ اس طرح ہو رہی تھی کہ کسی کو اس ترتیب کی خبر بھی نہ رہی اور جس طرح اور جس طرف ممکن ہوتا تھا اور موقع ملتا تھا اسی طرف ایک دوسرے کے سپاہی چڑھ دوڑتے تھے اسی لئے عمرو بن الحجاج نے جو میمنۂ لشکرِ ابن زیاد

کا امیر تھا۔ امام حسینؑ کے میسرہ کے بجائے آپ کے میمنہ پر حملہ کر دیا۔ اسی طرح شمر بن ذی الجوشن نے جو میسرۂ لشکر یزید کا امیر تھا۔ امام حسین علیہ السلام کے میسرہ پر حملہ کیا۔ (اس بات کا امکان ضرور ہے کہ میمنۂ ابن زیاد کا پھیلاؤ خود اسی کے میسرہ سے ملحق تھا اور اسی طرح میمنۂ امام حسینؑ کا اتصال آپ کے میسرہ سے تھا کیونکہ امامؑ کی فوج اس قدر قلیل اور مختصر تھی کہ یہاں اس میمنہ اور میسرہ کا تصور بھی نہیں ہو سکتا جو کسی بڑی فوج کے لئے ہوا کرتا ہے۔ اس طرح لشکر ابن زیاد کے میمنہ اور میسرہ دونوں کے لئے ہر صورت اور ہر حالت میں بہت آسان بات تھی کہ وہ امام حسینؑ کے لشکر کے کسی حصّہ پر بھی حملہ کر دے خواہ وہ میمنہ ہو یا میسرہ۔ لشکر امامؑ کیلئے تو میمنہ اور میسرہ کی اصطلاحیں صرف نام کی تھیں ورنہ بتیس ۳۲ سوار اور چالیس پیادوں کی تعداد ہی کیا تھی!

اسی طرح "ارشاد" "بحارالانوار ج ۱۰"، "جلاء العیون" اور دیگر کتابوں میں لکھا ہے۔

(ترجمہ) شمر بن ذی الجوشن نے جو میسرۂ لشکر ابن زیاد کا امیر تھا امام حسینؑ کے میسرہ پر حملہ کر دیا تو انصار امامؑ نے جم کر مقابلہ کیا اور نیزوں سے بھرپور جواب دیا پھر شمر نے لشکر حسینی پر ہر طرف سے حملہ کر دیا جس کے دفاع میں لشکرِ حسینی نے جان توڑ جنگ کی اور پوری طرح دادِ شجاعت دی۔

اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات پیش آئے جو ہر تفصیلی "مقتل" میں مذکور ہیں جہاں قطعی طور پر ترتیب اور قواعد جنگ کا خیال باقی نہ رہا۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جنگ ترتیب کے ساتھ نہ تھی بلکہ اندھا دھند اور جنگِ مغلوبہ تھی۔ اس لئے اسمیں کسی ترتیب کی توقع رکھنا کہ میمنہ، میسرہ سے لڑے گا اور میسرہ

میمنہ سے جنگ کرے گا، ممکن نہ تھا ہر ایک اسی کوشش میں تھا کہ سب سے پہلے امام حسینؑ کو شہید کیا جائے جو ساقہ لشکر یعنی اپنی فوج کے قلب میں تھے۔

کربلا کا یہ عظیم معرکہ حق و باطل روز عاشورا، (دسویں محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعہ اور ایک قول کی بنا پر روز شنبہ (سنیچر) کو قبل از ظہر شروع ہوا تھا اور صحیح ترین وقتِ شہادت امام حسین علیہ السلام "بعد عصر" ہے۔

امام حسینؑ اور آپ کے اصحابؓ کرام کے جدہائے مطہر خاک و خون میں غلطاں اور آلودہ پڑے رہے مگر دشمنوں نے اپنے کشتوں کو دفن کر دیا پھر لشکر ابن زیاد دوسرے دن یعنی گیارھویں محرم کو کربلا سے کوفہ کی طرف اسیران آل محمدؐ کو قیدی بنا کر اپنے ہمراہ انتہائی ظلم و سفاکی اور ذلت و توہین کے ساتھ، کوفہ واپس چلا گیا۔

فاقہ شکنی کا وقت

ضمناً ہم اپنے سلسلۂ بیان سے ہٹ کر "فاقہ شکنی" کے وقت پر بھی روشنی ڈالے دیتے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔
وَلْيَكُنْ اِفْطَارُكَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ بِسَاعَةٍ عَلٰى شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ الخ
تمھیں روز عاشور وقتِ نماز عصر (وقت فضیلت مراد ہے) کے ایک گھنٹہ کے بعد فاقہ شکنی کرنا چاہئے تھوڑے پانی کے ساتھ کیونکہ روز عاشورا، تقریباً اسی وقت اہلبیتؑ پر جنگ بند ہوئی تھی اور شہادت کی تکمیل ہوئی تھی۔ (ایک گھنٹہ کی مدت سے مراد دن کا بارھواں حصہ ہے خواہ وہ حسب موسم ہی ہو)

کتاب تھذیب الاحکام میں ابو حمزہ ثمالی سے روایت ہے۔ امام زین العابدینؑ نے آیہ "فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا"، (سورہ مریم ۱۹/۲۲) غرض مریم کے بطن میں خود بخود لڑکا (عیسیٰ) آ گیا پھر اس کی وجہ سے وہ لوگوں سے دور ایک جگہ پر چلی گئیں "کی تفسیر

کے سلسلہ میں فرمایا "میں ایک شب قید خانۂ دمشق سے کربلاء پہنچا اور نعش مطہر حضرت امام حسینؑ کو دفن کر کے اسی شب میں دمشق واپس چلا گیا (یہ روایت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ شہداء کربلاء کی لاشیں کافی دنوں کے بعد دفن ہوئی تھیں جبکہ قافلۂ اہلبیت دمشق پہنچ چکا تھا۔

شیخ مفید رح تدفین شہداء کی بحث میں لکھتے ہیں (الارشاد) وَهُمْ كُلُّهُمْ مَدْفُونُونَ مِمَّا يَلِي الْحُسَيْنَ الخ یعنی شہدائے کربلا سب کے سب امام حسین علیہ السلام کے پاس ہی مدفون ہیں اسی حقبہ زمین میں جہاں امامؑ کی شہادت کی جگہ ہے۔ اُن کے لئے ایک بڑا گڑھا کھودا گیا تھا جس میں سب کو دفن کر دیا گیا سوائے حضرت عباسؑ کے جنھیں اُسی مقام پر دفن کیا گیا تھا جہاں یہ وہ شہید ہوئے تھے یعنی "مُسَنَّاة" نہر (اس کے قریب) قریۂ غاضریہ کی راہ میں اور اُن کی قبر اقدس معلوم اور ظاہر ہے۔ مگر اُن کے بھائیوں کی قبروں کی جگہ معلوم نہیں۔ ان حضرات کی زیارت ہر زائر قبر مطہر امام حسینؑ کے پاس کھڑے ہو کر اور آپ کے پائے اقدس کی سمت میں زمین کی طرف اشارہ کر کے پڑھتا ہے اور حضرت علیؑ اکبر بھی ان ہی شہداء میں شامل ہیں مگر یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ علیحدہ دفن کیے گئے ہیں اور امام حسینؑ سے بہت قریب مدفون ہیں۔

پھر لکھتے ہیں۔ فَاَمَّا اَصْحَابُ الْحُسَيْنِ الخ یعنی اصحاب و انصار حسین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جو امامؑ کے ہمراہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے تھے وہ سب آپ کے گرد مدفون ہیں (یہاں تک کہ انھوں نے کہا) ہمیں اس بات میں کوئی شک و شبہہ نہیں کہ "حائر" کا رقبہ ان سب شہداء پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام اقرباءِ امام حسینؑ ایسی جگہ مدفون ہیں جو آپ کے پاہائے اقدس سے نزدیک ہے، سوائے حضرت ابوالفضل العباسؑ کے جو راہِ "غاضریہ" میں "مُسنّاۃ" کے نزدیک دفن کئے گئے۔ پھر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ولما رحل ابن سعد الخ جب ابن سعد نے کربلا سے کوچ کیا اور کوفہ چلا گیا تو "بنواسد" کے کچھ لوگ جو قریۂ "غاضریہ" میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ شہداء کی لاشوں کے پاس حاضر ہوئے، اُن پر نمازِ میّت پڑھی اور انھیں دفن کرنے کی عزّت حاصل کی۔ اور امام حسینؑ کو اُسی مقام پر دفن کیا جہاں اس وقت آپ کی قبر مطہر ہے۔ پھر حضرت علیؑ بن الحسینؑ "اصغر" کو امام حسینؑ کے پاہائے اقدس کے نزدیک دفن کیا (بظاہر علیؑ بن الحسینؑ الاصغر سے مراد حضرت علیؑ اکبر ہیں کیونکہ بعض روایات میں انھیں "الاصغر" امام زین العابدینؑ کی نسبت سے لکھا گیا ہے۔ اولادِ امام حسینؑ میں "اکبر" وہی تھے اس لحاظ سے اُنکی نسبت سے حضرت علیؑ اکبر کو "اصغر" کہا گیا مگر چونکہ حضرت علیؑ اصغر جو شیرخوار تھے ان کے مقابلہ میں بہت کم سن تھے اس بنا پر اُن کی بنسبت سے انھیں "اکبر" کہا گیا۔ مؤلف) اس کے بعد اصحابؓ و انصارؓ کے لئے ایک وسیع گڑھا کھودا گیا۔ قبر امام حسینؑ کے پائنتی اور اُس کے نزدیک اور تمام انصار کی لاشوں کو جمع کر کے ایک ہی جگہ دفن کر دیا گیا مگر حضرت عباسؑ کو اُن کی شہادت گاہ ہی میں دفن کیا گیا۔

اس روایت سے بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) حضرت علیؑ اکبر امام حسینؑ کے پائنتی مدفون ہیں (حضرت علیؑ اصغر شیرخوار کو تو امام حسینؑ نے خود اسی رقبۂ زمین میں کسی قریب ترین جگہ پر دفن کر دیا تھا جہاں سے اُن کی لاش کو ہٹائے جانے کا نہ کوئی شرعی جواز تھا اور نہ کوئی عقلی و تاریخی

امکان اور نہ کسی واحد روایت میں بھی اس کی طرف کوئی اشارہ پایا جاتا ہے۔ مؤلف)

(۲) قبیلہ "بنو اسد" کے کچھ لوگ امورِ تدفین شہداء کے متکفل ہوئے تھے۔

(۳) مدفن حضرت عباسؑ "غاضریّہ" کے راستہ میں "مُسنّاۃ" کے قریب واقع ہے۔ اور تمام شہداء یعنی اقرباء و انصار امام حسینؑ ایک ہی جگہ یہ قبر امامؑ کے پائینتی مدفون ہیں۔

(۴) قبیلۂ بنو اسد کے اُن لوگوں کا قیام جنہوں نے شہداء کرام کو دفن کرنے کی عزت حاصل کی، غاضریّہ میں تھا۔

(۵) تدفین شہداء بارھویں محرم ۶۱ھ کو ہوئی تھی یعنی لشکر ابن سعد کی واپسی کوفہ کے بعد جو گیارھویں محرم کو ہوئی تھی اُس کے دوسرے ہی روز قبیلۂ بنو اسد نے شہداء کو دفن کرنے کی سعادت حاصل کی۔ (یہ بات اُس روایت کے خلاف ہے جس میں بتایا گیا تھا کہ تدفین کا کام اُس وقت عمل میں لایا گیا جب اسیرانِ آلِ محمدؐ دمشق پہنچ گئے تھے، حالانکہ "دمشق والی" روایت کی تصدیق اُس تاریخی خطبہ سے بھی ہوتی ہے جو حضرت زینبؑ نے دربارِ یزید میں ارشاد کیا تھا۔ جس کا یہ حصّہ حسب ذیل ہے:

وَتِلْكَ الْجُثَثُ الطَّوَاهِرُ الزَّوَاكِي تَنْتَابُهَا الْعَوَاسِلُ وَتَعْفِرُهَا أُمَّهَاتُ الْفَرَاعِلِ، "اے یزید! تجھے اُن پاک و پاکیزہ لاشوں کی کچھ خبر ہے! جنکی زیارت جنگل کے بھیڑیئے یکے بعد دیگرے کرتے رہتے ہیں اور صحرائی درندے (ضبع) بجو" انھیں خاک میں چھپاتے ہیں (یہاں ترجمہ بڑی احتیاط سے کیا گیا ہے۔ مؤلف) حضرت زینبؑ بنت امیرالمومنینؑ کے اس ارشاد سے بھی اس بات کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ

لاشہائے شہدائے کربلا اُس وقت تک دفن نہ ہوسکے تھے۔

اب ہم تدفین شہدائے کربلا سے متعلق دوسری روایات بھی نقل کرتے ہیں "روضۃ الجنان" صفحہ ۱۱۸ پر ہے۔ تین روز اور بروایتے دس روز تک امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب و انصار کی لاشیں مقتل میں اور خیمہ گاہ کے قریب پڑی رہیں اور دفن نہ ہوئیں۔ آخر تیسرے روز (مشہور تین روز ہی کی روایت ہے۔ مؤلف) قبیلۂ بنی اسد کی عورتیں میدان کربلا کی طرف آئیں یہ دیکھنے کے لئے کہ جنگ کا نتیجہ کیا ہوا۔ جب یہ عورتیں مقتل میں پہونچیں تو دیکھا کہ شہداء کی تمام لاشیں زمین پر جابجا پڑی ہوئی ہیں۔ اور اُن کے زخموں سے تازہ تازہ خون بہہ رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ابھی ابھی انھیں قتل کیا گیا ہے۔ "فَتَدَاخَلَ النِّسَاءَ مِنْ ذَلِكَ الْعَجَبُ" یہ دیکھ کر انھیں بڑی حیرت ہوئی۔ میدان جنگ سے واپس جاکر یہ تمام صورتِ حال انھوں نے اپنے شوہروں سے بیان کی اور کہنے لگیں جب قیامت میں تم لوگ رسول اللہؐ اور علیؑ و فاطمہؑ کے حضور میں جاؤ گے تو اُس وقت کیا عذر پیش کرو گے اور جب وہ تم سے پوچھیں گے کہ تم لوگوں نے میرے فرزند کی مدد نہ کی تو کیا جواب دوگے؟ اُن کے شوہروں نے کہا:- ہم بنی اُمیّہ کے لشکر سے ڈر گئے اور پھر ہم میں اُن سے لڑنے کی ہمّت نہ رہی اور اب ہم اپنے اس عمل پر بے حد نادم ہیں۔ پھر ان عورتوں نے اُنھیں شرم دلائی اور جو کچھ کہہ سکتی تھیں سب کچھ کہا۔ قبیلہ والوں کی گردنیں ندامت اور افسوس سے جھکی ہوئی تھیں اور کوئی جواب بن نہ پڑتا تھا۔ عورتیں رو رو کر اپنے مردوں سے کہہ رہی تھیں پھر اگر تم نصرت فرزندِ رسولؐ نہ کر سکے اور اولادِ علیؑ و فاطمہؑ کی امداد کیلئے نہ جاسکے تو اب اُٹھو اور وہاں جاکر کم از کم اُن کی لاشوں کو جو بے گور و کفن پڑی ہیں دفن کرنے کی سعادت و عزت حاصل کرو (شہید کے کپڑے ہی اس کا کفن ہوتے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ سفّاک فوجِ یزید شہداء کا

لباس تک لوٹ لے گئے تھے) اس کے بعد اُن عورتوں نے سیاہ پرچم بلند کئے اور حسینؑ حسینؑ کہتی ہوئی قبیلہ میں چاروں طرف دوڑنے لگیں اور برابر فریاد کرتی تھیں۔ اے بنی اسد! اگر تم نے حضرت حسینؑ میں کوتاہی کی تو اب چلو اور حسینؑ بن علیؑ اور اصحاب و اقرباء حسینؑ کی لاشوں کو دفن کردو اور یہ ننگ و عار جو تم پر آگیا ہے اس کو دور کردو اے بنی اسد عمر بن سعد نے اپنے تمام کشتوں کو دفن کرا دیا ہے۔ مگر فاطمہؑ اور علیؑ مرتضےٰ کے جگر کے ٹکڑے یوں ہی زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ تمہاری غیرت کس طرح اس بات کو قبول کر رہی ہے کہ تمہارے ہمسایہ میں اور تمہارے قبیلہ کے قریب رسول اللہؐ کا فرزند ہو اور تم نے اس کی مہمانی کا کوئی حق بھی انجام نہ دیا اور اب اُن کی لاشیں تک دفن نہیں کرتے۔ اُٹھو! اُٹھو! اور قیامت تک کے لئے اس عار و ننگ کو دور کردو، بچوں نے اپنی ماؤں کی جب یہ فریاد سُنی تو بیلچے اور کدالیں اُٹھا کر مقتل کی طرف دوڑے۔ حسینؑ حسینؑ! پکارتے ہوئے پھر ماؤں سے کہنے لگے۔ تم گھبراؤ نہیں! ہم سب ملکر ان لاشوں کو دفن کر دیں گے۔ عورتوں نے کہا تمہارے ساتھ ہم بھی چلتے ہیں۔ بچوں نے کہا: ہم مرنے سے نہیں ڈرتے، اگر ابن زیاد ہمیں قتل کرا دے گا تو ہم بھی علیؑ اصغر شیرخوار کے خادم ہیں۔ اپنی جانیں نثار کر دیں گے مگر دفن ضرور کر دیں گے۔ یہ دیکھکر مردوں کو بھی غیرت آگئی اور سب کے سب جوش اور ولولہ کے ساتھ اُٹھے اور میدان کربلا کی طرف دوڑے۔ آگے آگے بچے، اُن کے پیچھے عورتیں اور اُن کے پیچھے قبیلۂ بنی اسد کے مرد تھے۔ یہ سب زمین کھودنے کے آلات اُٹھائے ہوئے تھے۔

فَجَعَلُوْا یَنْظُرُوْنَ الْجُثَثَ فِی الْمَعْرَکَۃِ الخ۔ میدان کارزار میں پہنچ کر بہت غور کیا مگر کسی لاش کو پہچان نہ سکے کیونکہ وہ سب لاشیں بغیر سر کے تھیں اور دھوپ کی شدت سے متغیر بھی ہوگئی تھیں

اور جتنی بھی لاشیں تھیں وہ سب گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال اور
ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ تھیں اور سب کا لباس بھی لوٹ لیا گیا تھا
(کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صرف امام حسینؑ کی لاشِ اقدس ہی کا لباس
لوٹا گیا تھا کسی اور کا نہیں مگر اُس قوم سے اس کی توقع کس
طرح کی جا سکتی تھی کہ اُس نے کسی کا بھی لباس چھوڑ دیا ہوگا
جس کے ایک سفّاک اور ظالم شخص نے اپنا وہ تیر عبداللہ بن مسلم بن
عقیل کے سرِ اقدس سے گھسیٹ لیا تھا جس سے اُن کی شہادت
واقع ہوئی تھی کہ یہ تیر کسی دوسرے موقع پر کام آئے گا۔ جو لوگ
ایک تیر کو بھی نہ چھوڑیں وہ شہدائے کرام کا لباس اور اُن کے
اسلحے کیونکر چھوڑ سکتے تھے (شہادت عبداللہ بن مسلم بن عقیل
ہماری دوسری جلد میں بیان ہوگی۔ مؤلف) غرض شہداء
کی تمام لاشیں ایسی حالت میں دیکھکر بنی اسد کسی بھی لاش کو
پہچان نہ سکے اور حیران و پریشان تھے کہ کس کو کہاں دفن کریں۔
وَبَیْنَاهُمْ کَذٰلِکَ اِذْ بِفَارِسٍ الخ یہ لوگ اسی مایوسی اور حیرانی
کے عالم میں تھے، دفعتہً دور پر ایک گھوڑے سوار کو شہر کوفہ
کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ یہ لوگ ڈر گئے اور آپس میں کہنے
لگے۔ کہیں یہ ابن زیاد کا کوئی جاسوس تو نہیں ہے! جو اُسے خبر
دیدے اور ہم سب مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ یہاں تک کہ وہ سوار
نزدیک آگیا تو ان لوگوں نے دیکھا کہ وہ ایک بیمار مسافر معلوم
ہوتا ہے، ساتھ ہی اُس کے چہرے سے نور جھلک رہا ہے اور
وہ کچھ رنجیدہ اور غمزدہ بھی نظر آتا ہے۔ (گلے کے زخموں سے
خون رِستا ہوا، ہاتھوں اور پیروں پر ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے زخم)
جب وہ سوار قریب آگیا اور بنی اسد نے اُس حالت کا مشاہدہ
کیا تو اُن کا خوف جاتا رہا اُس سوار نے ان لوگوں سے دریافت
کیا۔ تم لوگ یہاں اس طرح کیوں پریشان اور حیران کھڑے ہو۔ کس لئے

سرگرداں ہو، تم پر کیا مصیبت آپڑی ہے؟ اس گفتگو سے بنی اسد کے دل ٹھہر گئے اور جب انھیں پورا اطمینان ہو گیا کہ یہ کوئی جاسوس نہیں ہے تو کہنے لگے ہم یہاں صرف اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ حسینؑ بن علیؑ اور ان کے رشتہ داروں اور اصحاب و انصار کی لاشیں دفن کر دیں لیکن مشکل یہ ہے کہ کسی لاش کا سر نہیں ہے اور لاشیں چور چور بھی ہیں اس وجہ سے ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے کہ ہم کیا کریں اور انھیں کسطرح اور کہاں دفن کریں۔ جب اُس مسافر نے یہ کلام سُنا تو وہ رونے لگے اور کہا۔ ہائے میرے بابا! کاش آپ اُس وقت ہوتے اور دیکھتے کہ ہمیں ظالموں نے کس طرح زنجیروں اور رسیوں میں جکڑ دیا تھا اور کس کس طرح ہماری توہین و تذلیل کی۔ (یہ کلام اسقدر آہستہ تھا کہ بنی اسد اُسے سُن نہ سکے۔) غرض پھر اُس مسافر نے کہا:۔ تم لوگ گھبراؤ نہیں میں تمھاری مدد کروں گا اور بتا دوں گا کہ کس کی لاش کہاں ہے اور کسے کس مقام پر دفن کیا جائے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ میں ان سب لاشوں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ (آہ! اے غریب و مسافر شہیدوں کی لاشیں دفن کرنے والو آؤ! میں مدد کے لئے موجود ہوں!) یہ کہکر وہ مسافر اپنے گھوڑے سے اُتر آئے اور لاشوں کے درمیان چلنے لگے۔ اور ہر لاش کے پاس جاکر آگے بڑھ گئے آخر ایک لاش کے پاس آئے جو بالکل ٹکڑے ٹکڑے تھی اور ایک نشیبی زمین پر پڑی ہوئی تھی یہ دیکھتے ہی اُنھوں نے اُس لاش کو اپنی آغوش میں لے لیا اور اپنا منھ اُس لاش کے سینہ پر رکھکر بے حد روئے اور آہستہ آہستہ کہتے جاتے تھے:۔ اے بابا آپ کی شہادت سے خوش ہونے والوں کی آنکھوں میں ٹھنڈک پڑ گئی اور اولادِ امیہ کو بڑی خوشی

ہوئی۔ اے بابا! آپ کے بعد ہمیں بہت غم اُٹھانا پڑے۔ اے بابا! آپ کی شہادت کے بعد ہم پر بڑی مصیبتیں پڑیں۔ اِس مُسافر کے رونے کو دیکھکر بنی اسد کی عورتیں اور مرد بھی سب رو رہے تھے پھر وہ مسافر اس لاش سے اُٹھکر چند قدم آگے بڑھے۔ اور وہاں کی زمین سے کچھ مٹی ہٹائی تو ایک قبر بالکل تیار ظاہر ہوئی۔ یہ دیکھکر آپ نے سب بنی اسد کو وہاں سے ہٹا دیا پھر خود ہی آگے بڑھے اور لاش کو اُٹھالیا اور خود ہی قبر میں اُتارا۔ بنی اسد بیان کرتے ہیں کہ دو ہاتھ قبر کے اندر سے نکلے اور لاش کو لے لیا اور قبر کی زمین پر رکھدیا۔ بنی اسد کا بیان ہے کہ وہ مُسافر اس کے بعد وہاں سے اُٹھے اور چاروں طرف گھوم کر کچھ ڈھونڈنے لگے پھر جُھک کر اس نشیبی زمین سے کوئی چیز اُٹھائی اور قبر کے قریب آگئے ان لوگوں نے غور سے دیکھا تو وہ دو کٹے ہوئے ہاتھ تھے جو جمال شقی نے امام حسینؑ کی شال کمر حاصل کرنے کی لالچ میں کاٹ دیئے تھے کیونکہ یہ ہاتھ مضبوطی سے شال کمر پر جمے ہوئے تھے (تفصیل دوسری جلد میں آئے گی۔ مؤلف) وہ مسافر اُن کٹے ہوئے ہاتھوں کو اُٹھاکر لائے اور انھیں قبر کے اندر لاش کے پاس رکھدیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ مسافر پھر اُٹھے اور چاروں طرف ڈھونڈھ کر کوئی چیز اُٹھائی جب ان لوگوں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کٹی ہوئی ایک اُنگلی تھی (امام حسینؑ کی یہ انگشت مبارک بجدل کلبی نے ایک انگوٹھی لوٹنے کی لالچ میں کاٹ دی تھی تفصیل آئے گی۔ مؤلف) اس انگشت مبارک کو بھی مُسافر نے لاش کے پاس رکھدیا۔ پھر قبر کو بند کر دیا۔ جب قبر تیار ہوگئی تو بنی اسد کہتے ہیں کہ مُسافر نے اپنی انگلی سے مٹی پر لکھا:-

"ھٰذا قَبْرُ الحُسَیْنِ بْنِ عَلِیّ بْنِ اَبِیطَالِب"، یہ حسینؑ بن علیؑ بن ابیطالب کی قبر مُبارک ہے"، پھر انھوں نے بنی اسد کو حکم دیا کہ

ایک بڑا سا گڑھا کھودیں جب وہ تیار ہو گیا تو پھر حکم دیا کہ تمام شہداء کی لاشیں لاؤ۔ بنی اسد ایک لاش لائے اور مسافر سے پوچھا یہ کس کی لاش ہے؟ جواب ملا۔ حبیب بن مظاہر کی ہے پھر دوسری لاش آئی۔ کہا۔ یہ مسلم بن عوسجہ کی ہے۔ تیسری آئی تو کہا علیؑ بن مظاہر کی لاش ہے۔ جو لاش لائی جاتی تھی اس کا نام بتاتے جاتے تھے۔ یہ فلاں کی لاش ہے۔ یہ فلاں کی ہے پھر ایک لاش آئی جو بالکل پاش پاش اور ٹکڑے ٹکڑے تھی جیسے ہی مسافر کی نگاہ اُس لاش پر پڑی تو بڑی بے چینی سے تڑپ گئے بنی اسد نے عرض کی یہ لاش کس کی ہے؟ فرمایا یہ شبیہہ رسولؐ علیؑ بن الحسینؑ کی لاش ہے۔ پھر بنی اسد ایک تیرہ سال کے بچہ کی لاش لائے اس کا بدن بھی پارہ پارہ تھا اور گھوڑوں کی ٹاپوں نے اُسے پامال کر ڈالا تھا۔ بنی اسد کے پوچھنے پر بتایا۔ یہ یادگار حسنؑ مجتبیٰ قاسمؑ بن حسنؑ کا لاشہ ہے جب ان لاشوں کو دفن کرنے سے فراغت ہوئی تو وہ مسافر اُٹھکر نہر فرات کی طرف روانہ ہوئے اور ایک لاش کے پاس بیٹھے جس کا ہر عضو الگ تھا۔ بنی اسد سب لاشوں کی تدفین کے بعد اپنے قبیلہ کی طرف جانے ہی والے تھے کہ مسافر نے فرمایا، ابھی نہ جاؤ اس لاش کو بھی دفن کر دو پھر چلے جانا لاش کے دونوں ہاتھ جدا کر دیئے گئے تھے۔ اور سارا بدن چور چور تھا وہاں ایک چھوٹی سی مشک بھی پڑی تھی جس میں تیر سے شگاف پڑ گیا تھا اور اُس کا پانی بہہ چکا تھا۔ صاحب روضۃ الجنان لکھتے ہیں کہ وہاں ایک علم بھی زمین پر پڑا تھا۔ مشک تو بیکار سمجھکر ظالموں نے چھوڑ دی ہو گی مگر علم لشکر حسینی لوٹ سے کیونکر بچا یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ (ہو سکتا ہے کہ جس طرح ذوالفقار بطور اعجاز لوٹ سے محفوظ رہی اسی طرح یہ علم سپاہ حسینی بھی محفوظ رہ گیا ہو اور اب یہ ذوالفقار، ذوالجناح اور علم عباسؑ

اُس وقت ظاہر ہو گا جب ان چیزوں کا حقیقی وارث پردۂ غیبت سے نکلے گا۔ اچھا اگر علمِ فوجِ حسینی حضرت عباسؑ کی لاشِ اقدس کے پاس رہ گیا تھا تو کیا امام حسینؑ نے بھی اس علم کو وہیں پڑا رہنے دیا۔ حضرت عباسؑ نے تو اپنی لاش کے لئے وصیت کی تھی کہ اے میرے آقا! خدا کا واسطہ آپ مجھے خیمہ میں نہ لے جائیے گا۔ مجھے اپنی بھتیجی سکینہ سے شرم آتی ہے، میں نے پانی پہنچانے کا جو وعدہ اُس سے کیا تھا وہ پورا نہ کر سکا اُس کے سامنے کیونکر جاؤں!

غرض ایک تو حضرت عباسؑ کی لاشِ اقدس چور چور تھی دوسرے وصیّت بھی تھی اس لئے اُن کی لاش کو امام حسینؑ خیمہ میں نہیں لائے لیکن علم کو وہاں چھوڑ دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے! ہو سکتا ہے کہ امامؑ نے یہ دو چیزیں اس لئے چھوڑ دی ہوں کہ لاشِ عباسؑ کو اچھی طرح پہچانا جا سکے اس لئے کہ وہ اسقدر پاش پاش تھی کہ اس کا نشانی سے کسی شخص کے لئے بھی پہچاننا بے حد مشکل تھا۔

دوسری بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر امام حسینؑ خالی مشک جو تیر سے چھدی ہوئی تھی اور علمِ عباسؑ باوفا خیامِ اہلحرم میں لیجاتے اور ساتھ خود حضرت عباسؑ نہ ہوتے تو مخدرات اور بچے گریہ و بکا سے بے حال ہو جاتے جس کا تصوّر کرنا بھی ہمارے لئے ممکن نہیں ہے اس وجہ سے امامؑ نے غالباً مشک و علم کو لاشِ حضرت عباسؑ کے پاس ہی رہنے دیا۔ اور اس طرح اس عظیم بہادر اور یگانۂ روزگار ہنر بیشۂ شجاعت و وفا کے نام نامی کے ساتھ مشک سکینہ، علم لشکرِ حسینؑ اور سقائی و وفاداری کا نام قیامت تک کے لئے باقی رہ گیا۔

مشک و علم عباسؑ کے سلسلہ میں ہم اُس وقت بھی تبصرہ

کریں گے جب شہادتِ حضرت عباسؑ کا تفصیلی تذکرہ کیا جائے گا اور اس سے متعلق جو روایات یہاں بیان نہیں کی گئی ہیں، اُن کو بھی تحریر کیا جائے گا۔ مؤلف)

الغرض! جب اُس مسافر کی نظر نہرِ فرات کے کنارے "غاضریہ" کی راہ میں اس لاشِ اقدس پر پڑی تو انھوں نے بے تحاشا رونا شروع کر دیا اور اسی طرح بے چین ہو کر گریہ کیا جس طرح لاشِ امام حسینؑ کو دیکھ کر کیا تھا۔ وہ مسافر اس لاش سے خطاب کر کے کہہ رہے تھے:۔

"اے چچا جان! کاش آپ نے اہلِ حرم کی حالت دیکھی ہوتی جب خیموں میں آگ لگی اور انھیں انتہائی توہین کے ساتھ قید کیا گیا اور اسی حال میں کوفہ کے بازاروں میں پھرایا گیا اور اُن پر کس طرح ظلم و ستم کئے گئے۔

اے میرے چچا! آپ کی جُدائی سے بیکسوں کے تمام سہارے ٹوٹ گئے، آپ کی بہنوں اور بھتیجیوں کے سروں سے چادریں اتاری گئیں انھیں تازیانے مارے گئے اور جب وہ روتی تھیں تو ستمگر اُنھیں نیزے چبھوتے تھے۔"

آخر اس مسافر نے آنسوؤں کے سیلاب کے ساتھ عباسؑ بن علیؑ کی لاشِ اقدس کو بھی وہیں دفن کر دیا۔ اس کے بعد حضرت حرؒ کی لاش کے قریب آئے اور بنی اسد کی مدد سے اُس کو بھی دفن کر دیا۔ (تدفین حضرت حرؒ سے متعلق ہم اس سے قبل یہ روایت درج کر چکے ہیں کہ انھیں ان کی والدہ اور اُن کے قبیلہ والوں نے دفن کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی صحیح و مصدّق روایات میں ہے کہ اُن کی لاش سے سر الگ نہیں کیا گیا تھا کیونکہ اُن کی والدہ اور اُن کے قبیلہ نے عمر بن سعد سے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا تھا۔ لاشوں کی پامالی کے وقت اُن کی والدہ نے جو

لشکر میں اُن کے ساتھ آئی تھیں اور اُن ہی کے خیمہ میں جب لشکر
ابن زیاد میں وہ سرداری کے منصب پر تھے، موجود تھیں، اُنکی
لاش کو پامالی سے بچالیا تھا اور اپنے خیمہ میں لے آئی تھیں۔
مزید تفصیلات آئندہ لکھی جائیں گی جب شہادتِ حضرت حرؑ کا
ذکر ہوگا۔ مؤلف)

مختصر یہ کہ جب وہ مُسافر اور بنی اسد تمام لاشوں کی تدفین
سے فارغ ہوگئے تو "راکبُ الفارسُ جوادہٗ"، وہ مُسافر سوار
اپنے گھوڑے پر سوار ہوگئے واپس جانے کے ارادہ سے!
فتعلّق بہٖ الاسدیّونَ فقالوا بحقّ من وارَیتہٗ بیدکَ
من انتَ"، بس فوراً بنی اسد نے اُنکا دامن پکڑا اور عرض کی:- اُسی
لاش اطہر کا آپ کو واسطہ جسے آپ نے اپنے ہاتھوں سے دفن
کیا اور اُس کی تدفین میں ہمیں شریک نہ ہونے دیا۔ اتنا ہمیں
بتادیجئے کہ آپ خود کون ہیں۔ یہ سُنکر مُسافر نے فرمایا۔
"انا حُجّۃُ اللہِ علیکم انا علیُّ بنُ الحُسینِ جئتُ لاُوارِیَ
جُثّۃَ ابی و من مَعَہٗ من اِخوانی و اَعمامی و
اَولادِ عُمومتی و اَنصارِہم الّذین ہُم لَو اَمہجعُہم دُونَہٗ"

میں ہی علیؑ بن الحُسینؑ (زین العابدین) ہوں اور تم پر خدا
کی حُجّت اور اس وقت تمہارا امام ہوں۔ میں یہاں پر اُسی
غرض سے آیا تھا کہ اپنے والدِ محترم کی لاش کو دفن کروں اور
اپنے بھائیوں اور جتنے میرے چچا تھے اور اُن کی اولاد تھی اور
جسقدر بھی میرے بابا کے انصار و اصحاب تھے اُن سب
کی لاشوں کو دفن کردوں جنھوں نے راہِ خدا میں اپنا خون
بہا کر شہادت کا درجہ حاصل کیا ہے اور اب میں عُبیداللہ
بن زیاد کے قید خانے میں، کوفہ واپس جارہا ہوں جہاں
ہم سب آلِ محمدؐ مُقید ہیں۔

اے بنی اسد! ابھی ہماری مصیبتیں ختم نہیں ہوئی ہیں۔ ہمیں کچھ اور ابھی کوفہ کے قید خانے میں رہنا ہے اور یہاں کے مصائب جھیلنا ہیں پھر راہِ شام اور خود شام کی سختیاں برداشت کرنا ہوں گی اے بنی اسد! ہمیں جس طرح دربار ابن زیاد میں ذلیل کیا جا رہا ہے اس کے بعد شام میں یزید کے دربار میں لے جایا جائے گا اور ہمیں وہاں کی ذلّت و توہین کا سامنا کرنا ہوگا۔

اے بنی اسد! تمھیں خدا جزائے خیر عطا کرے کہ تم نے ان مقدس لاشوں کو دفن کر دیا اور ان کی تدفین میں میری مدد کی۔ تمھارا نام اب صفحۂ ہستی سے محو نہ ہوگا مگر اسی کے ساتھ استقلال سے کام لینا اور ہر مصیبت پر صبر کرنا یہ فرما کر نگاہوں سے غائب ہو گئے اور چند لمحوں میں اسی قید خانے میں تشریف لے آئے جہاں پھوپھیاں اور بہنیں اسیر و مقیّد تھیں۔

(ہم نے روضۃ الجنان کی اصل عبارت کی جا بجا موقع کے لحاظ سے کچھ تشریح بھی کی ہے۔ مؤلف)

امام زمانہ علیہ السلام سے جو سلام شہداء کربلاؑ اور مخدّرات عصمت و طہارت کے لئے منقول ہیں اور جنھیں معتبر محدثین نے تحریر کیا ہے ان میں بھی ایک جملہ سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ امام حسینؑ نیز آپ کے اصحابؓ کرام کی تدفین کا کام "کربلاؑ" کے قریب کی آبادی کے کسانوں اور غریبوں نے انجام دیا تھا چنانچہ حضرت صاحب العصر علیہ السّلام فرماتے ہیں:-

"اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنْ تَوَلّٰی دَفْنَہٗ اَھْلُ الْقُرٰی،، میرا سلام ہو اُس ذاتِ اقدس پر جنکی لاش کو دیہاتی کسانوں غریبوں اور مزدوروں نے دفن کیا تھا۔

(یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک خاص امر کی طرف اشارہ کریں۔ امام زین العابدینؑ جس گھوڑے پر سوار ہو کر کوفہ

آن واحد میں "کربلا" پہنچ گئے تھے، وہ کونسا گھوڑا تھا اور اسی نے چند لمحوں میں آپ کو کوفہ واپس بھی کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بات نہ بھولنا چاہئے کہ وہ گھوڑا ذوالجناح (مُرتجز) جو خیام حسینی پر امامؑ کی خبر شہادت اپنی زبان حال سے دے کر (ایک روایت کی بنا پر) نہر فرات میں اپنے کو ڈبو کر غائب ہو گیا تھا اور پھر اس کا پتہ نہ چل سکا کہ وہ کدھر چلا گیا کیونکہ جو گھوڑے امام حسینؑ اور آپ کے انصار کے گرفتار کئے گئے تھے اُن میں ذوالجناح کا کسی جگہ بھی ذکر نہیں پایا جاتا درآنحالیکہ وہ رسول اللہؐ کی سواری کا مشہور گھوڑا تھا اور حضرت امیرالمؤمنینؑ نے بھی اسی پر سوار ہو کر اپنی خلافت کے دور میں جنگیں لڑی تھیں۔ اس لئے یہ ایک تاریخی گھوڑا تھا اور اس کا ذکر لازمی طور پر مؤرخین کو کرنا چاہئے تھا مگر کسی نے بھی اس کا گرفتار شدہ گھوڑوں میں ذکر نہیں کیا جسکی وجہ سے یہ روایت بالکل درست معلوم ہوتی ہے کہ یہ گھوڑا نہر فرات میں اُتر کر غائب ہو گیا تھا۔ علماء کے دوسرے مقامات پر بعض اقوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب قائم آل محمد علیہ السلام ظہور فرمائیں گے تو ذوالفقار ہی سے جنگ کریں گے اور اسی ذوالجناح پر سوار ہوں گے۔ اس سے پتہ چل سکتا ہے کہ امام زین العابدینؑ بھی اسی معجز نما گھوڑے پر سوار ہو کر کوفہ سے کربلا، اور کربلا سے کوفہ چند لمحوں میں تشریف لے گئے تھے۔ کیوں نہ ہو، اس گھوڑے کی نیابت ہمیشہ زیر رسالت و امامت رہی۔ اگر اس میں اس قسم کی کرامت ظاہر ہو تو کوئی حیرت نہیں ہو سکتی ہے۔ مؤلف)

بہرحال اس روایت سے اس کا انکشاف ہوتا ہے کہ تدفین شہدائے کربلا ۱۲ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ کو ہوئی تھی جبکہ اسیران آل محمدؐ کوفہ کے قید خانہ میں تھے اور اس تدفین کے کام میں

امام زین العابدین کی ہدایت اور بنی اسد کے مردوں، عورتوں اور بچوں کی محنت شامل تھی۔ کتاب "مدینۃ العلم" جزائری سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے جیسے علامہ دربندی نے بھی "اسرار الشہادۃ" کے صفحہ ۲۹۱ پر لکھا ہے۔ مضمون واحد ہونے کی وجہ سے ہم اس کا ذکر متروک کرتے ہیں۔ البتہ صرف ایک آدھ مقام پر کچھ فرق ہے مثلاً "مدینۃ العلم" جزائری کی روایت میں اس کی صراحت ہے کہ حبیب بن مظاہر اسدی کو گنج شہیداں میں دفن نہیں کیا گیا کیونکہ اُن کے وہ رشتہ دار جو قبیلۂ بنی اسد سے تعلق رکھتے تھے اس بات پر اصرار کر رہے تھے کہ انھیں نمایاں طور پر الگ دفن کیا جائے اس بنا پر امام زین العابدین کے حکم سے انھیں تھوڑا ہٹ کر دفن کیا گیا۔ باقی مضمون دونوں روایتوں کا ایک ہی ہے۔

اس بحث کا نتیجہ مختصر الفاظ میں یہ نکلتا ہے کہ تدفین شہداء رض کربلا کے وقت اور زمانہ کے متعلق روایات میں اختلاف ضرور پایا جاتا ہے لیکن مشہور ترین روایت وہی ہے جو اسرار الشہادۃ اور مدینۃ العلم میں مذکور ہے یعنی ۱۲ر محرم سنہ ۶۱ھ جب کہ اسیران آل محمد ص کوفہ میں مقید تھے۔

بحث تدفین شہداء رض پر ایک جامع نظر

گیارھویں محرم الحرام سنہ ۶۱ھ کو بعد از ظہر اہل حرم کو قید کر کے عمر بن سعد اپنے ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہو گیا تھا قبیلہ بنی اسد نے جب یہ دیکھ لیا کہ وہ اور اُس کی فوج کربلاء سے چلی گئی تو یہ لوگ اپنے قریۂ غاضریہ سے باہر نکلے اور بارہویں محرم کو کربلاء میں آئے اور تمام شہیدوں پر نماز جنازہ پڑھی۔ (امام زین العابدین

کی اقتدا رہیں) پھر انھیں دفن کیا۔ شیخ مفیدؒ کے نزدیک (بلکہ سب ہی کے نزدیک) قبر اقدس امام حسینؑ اسی جگہ پر ہے جہاں ہم اُس کی زیارت کرتے ہیں۔ حضرت علی اکبرؑ آپ کے پائنتی مدفون ہیں۔ اور تمام شہداءؓ قبر امامؑ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک جگہ دفن کئے گئے ہیں۔

حضرت عباسؑ راہ غاضریہ میں مدفون ہیں جہاں اسوقت اُن کا روضہ ہے۔ علامہ ابن شہر آشوبؒ نے مناقب میں لکھا ہے کہ شہداءؓ کی قبور پہلے سے تیار ظاہر ہوئی تھیں یہ بھی لکھا ہے کہ سفید پرندے ان لاشوں پر طواف کرتے رہتے تھے (یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام شہداءؓ کو ایک ہی بڑی قبر میں دفن کیا گیا ہو بلکہ روایات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ شہداءؓ ایک ہی جگہ مدفون ہیں۔

حبیب بن مظاہر اسدی اور حُر بن یزید ریاحی الگ الگ مدفون ہیں۔ جون غلام حضرت ابوذر (صحابیٔ رسولؐ) کو دس روز کے بعد دفن کیا گیا (ایک روایت کی بنا پر) اور اس وقت تک اُن کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ شہداءؓ کی زیادہ تعداد کو بر بنائے شہرت بارہویں محرّم الحرام یعنی شہادت کے تیسرے روز دفن کیا گیا تھا۔ مگر احادیث صحیحہ کی بناء پر یہ امر طے شدہ ہے کہ امامؑ کے دفن و کفن اور نماز کا متکفل امامؑ ہی ہو سکتا ہے اسی لئے امام زین العابدینؑ نے تدفین امام حسینؑ اور نماز میّت کے فرائض خود انجام دئیے چنانچہ عبداللہ بن محمد رضا الحسینی نے کتاب "جلاء" میں امام محمد باقرؑ علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ امام زین العابدینؑ اس اقتدار کے ذریعہ جو انھیں اللہ نے عطا فرمایا تھا۔ کربلا میں کوفہ سے تشریف لائے اور آپ ہی نے اپنے پدر محترم کے جنازے

پر نماز ادا کی اور تدفین و تکفین کے تمام فرائض انجام دیئے اس کے بعد کوفہ اپنے قید خانہ میں واپس چلے گئے۔

علامہ مجلسیؒ نے بھی بحار الانوار میں یہی لکھا ہے۔

شیخ کشیؒ نے "رجال" میں تحریر کیا ہے کہ علیؑ بن حمزہ، ابن السراج وغیرہ امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی امامت کے متعلق بحث کرنے لگے اور بڑی بحث کے بعد ان لوگوں نے عرض کی: ہم نے آپ کے آباؤ اجداد سے سُنا ہے کہ امام کو سوائے امام کے کوئی دفن نہیں کرتا اور نہ نماز میت اور تکفین کے فرائض انجام دے سکتا ہے پھر آپ کے والد امام موسیٰؑ بن جعفرؑ نے تو بغداد میں وفات پائی تھی اور آپ مدینہ میں تھے تو انھیں کس نے دفن کیا ہوگا اور اُن کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی ہوگی؟

آپ نے جواب دیا کہ امام حسین علیہ السّلام کو تم لوگ جانتے ہو؟ انھوں نے عرض کی بیشک وہ امام تھے۔ یہ سُنکر آپ نے کہا، جب وہ شہید ہوئے تو اُن کے امور تکفین و تدفین کس نے انجام دیئے تھے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ حضرت علیؑ بن الحسینؑ نے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو کوفہ میں ابن زیاد کی قید میں تھے۔ ان لوگوں نے عرض کی کہ وہ امامت کی اعجازی قوت سے کربلا گئے تھے۔ امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا۔ اگر وہ زور امامت کی بنا پر کوفہ سے کربلا جا سکتے تھے تو کیا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ جو بھی صاحب امر امامت ہو وہ مدینہ سے بغداد جا سکے۔ اور اپنے والد کی تجہیز و تکفین کر سکے۔ بہر حال لاش امام حسینؑ کو جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو چکی تھی اور چور چور تھی دفن کر دیا گیا۔ گھوڑے دوڑانے کی روایات بھی مختلف ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت فضہؑ کنیز حضرت سیّدۂ عالم اور شیر کی روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ

اُس شیر نے لاشِ امامؑ کو پامالی سے بچالیا تھا لیکن پامالی کی روایات اس قدر کثرت سے موجود ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔
بحار الانوار ج (۱۰) میں بھی تدفین شہداء کی وہی تفصیل ہے جو ہم نے مدینۃ العلم وغیرہ سے نقل کی ہے۔
اب ہم اسرار الشہادۃ مولفہ علامہ دربندیؒ سے تدفین کے حالات نقل کرتے ہیں جنھیں اُنھوں نے "مدینۃ العلم" کے حوالہ سے لکھا ہے ("مدینۃ العلم" ہمارے جدِّ محترم حضرت علامہ نعمت اللہ جزائریؒ کی تصنیف کردہ ہے۔ مؤلف) اس میں بھی تقریباً مضمون وہی ہے جو سابق میں نقل کیا گیا مگر اندازِ بیان بدلا ہوا ہے اس لئے ناظرینِ کتاب کی معلومات میں ضرور کچھ نہ کچھ اضافہ ہوگا۔
وہ لکھتے ہیں عبداللہ بیان کرتا ہے کہ نہرِ علقمہ کے کنارے (ہم نے نہرِ علقمہ سے متعلق جو کچھ تبصرہ ممکن تھا اس سے قبل کردیا ہے) کچھ لوگ قبیلۂ بنی اسد کے رہا کرتے تھے ان لوگوں کی عورتیں لشکر ابن سعد کی واپسی کے بعد جب میدانِ جنگ کی طرف آئیں تو دیکھا کہ اس صحراء میں فرزندانِ رسولؐ اور اولادِ علیؑ و بتولؑ کی لاشیں جابجا پڑی ہیں۔ اور اُن کے زخموں سے خونِ تازہ جاری ہے جیسے کہ وہ سب کے سب ابھی قتل ہوئے ہیں وہ عورتیں یہ ماجرا دیکھکر اپنے گھروں میں آئیں اور اپنے مردوں سے تمام کیفیت بیان کرکے کہنے لگیں۔ افسوس! تم لوگوں نے اولادِ رسولؐ اور فرزندِ فاطمہؑ کی کوئی خبرگیری نہ کی اور نہ تلوار، نیزوں اور تیروں کے ذریعہ سے اُنکی نصرت کی۔ اب قیامت کے دن جب رسول اللہؐ، علیؑ مرتضیٰ اور فاطمہؑ زہراء کی جانب سے بازپرس ہوگی اور یہ حضرات تم سے دریافت کریں گے۔ کیوں بنی اسد! ہمارا فرزند تمہاری بستی کے قریب قتل کیا گیا مگر تم نے اس کی کسی طرح بھی مدد نہ کی تو اس وقت تم کیا جواب دوگے۔ اُن لوگوں نے

کہا:۔ ہم بنی اُمیہؓ کے ڈر سے کچھ نہ کر سکے اور اب بہت نادم اور شرمندہ ہیں لیکن اب کیا ہو سکتا ہے!
عورتوں نے کہا۔ اگر تم ان کی نصرت نہ کر سکے تو اب یہ تو کرو کہ اُن کی لاشیں دفن کر دو جو ریت پر پڑی ہوئی ہیں۔ عورتوں کے غیرت دلانے سے بنی اسد مقتل میں آئے اور چاہا کہ سب سے پہلے امام حسینؑ کی لاش اقدس کو دفن کر دیں اور باقی شہداء کو اس کے بعد دفن کریں۔ یہ سوچ کر چاروں طرف امام عالی مقام کی لاش مطہر ڈھونڈ رہے تھے مگر چونکہ تمام لاشیں بغیر سر کے تھیں اور تیز دھوپ کی وجہ سے متغیر بھی ہو گئی تھیں اس لئے امام علیہ السّلام کی لاش کو پہچان نہ سکے وہ سب حیران و پریشان کھڑے تھے اتنے میں ایک سوار کوفہ کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا۔

اس روایت میں بھی یہی ہے کہ حبیب بن مظاہر کی لاش کو علیحدہ دفن کیا گیا اور وہ گنج شہیداں میں نہیں ہیں۔ اس روایت میں حرؑ کی لاش کے متعلق لکھا ہے کہ اُسے بھی امام زین العابدینؑ کے حکم کے مطابق دفن کیا گیا(مگر یہ بات بیشتر محققین نے لکھی ہے کہ حضرت حرؑ کا سر اُن کے بدن سے الگ نہیں کیا گیا تھا اور نہ اُن کی لاش پامال کی گئی کیونکہ ان کی ماں اور ان کے قبیلہ کے لوگوں نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ اور عمر بن سعد کو دھمکی دی کہ اگر حرؑ کی لاش کے ساتھ یہ حرکت کی جائے گی تو وہ اپنے سردار کی عزت کا تحفظ کرنے کے لئے جنگ کریں گے۔ جس کے بعد ابن سعد نے حکم دے دیا کہ نہ اُن کا سر کاٹا جائے اور نہ اُسے پامال کیا جائے۔) پھر اس روایت میں بھی وہی تفصیلات ہیں جو ہم نقل کر چکے ہیں۔

خطۂ کربلا پر مزید تبصرہ! بعض معاصرین نے لکھا ہے کہ خطۂ کربلاء "بابل" میں واقع ہے (یہ

یاد رہے کہ "بابل" کی مملکت کو "کلدانیہ" کہتے ہیں جو اس زمانہ میں "مملکتِ عراق" کے نام سے موسوم ہے۔ (مؤلف)

طوفان نوحؑ میں کشتی نوح اسی خطہ میں کوہ جودی پر ٹھہری تھی پھر اولادِ نوحؑ بھی اسی سرزمین میں پھیلی۔ نمرود بھی اسی خطہ کا مطلق العنان بادشاہ تھا جس کی پیدائش غالباً اسی خطہ میں کوفہ کے قریب ایک قریہ کوثاریا (یا کوثی) میں ہوئی کیونکہ اس کا محل بھی وہیں تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی ولادت بھی "کوثاریا" ہی میں ہوئی تھی۔

نہر فرات کی وہ شاخ جو رضوانیہ سے نکل کر کربلا کے شمال مشرقی جانب کے ریگستان سے ہوتی ہوئی ہندیہ کے اطراف سے گزرتی ہوئی، ذوالکفل کے مغربی شمالی حصّہ سے گزر کر اس مقام سے گزرتی تھی جہاں پر روضہ حضرت عبّاسؑ موجود ہے پھر اصل نہر فرات سے مل جاتی تھی اس کا نام نہر "علقمہ" تھا۔ اس نہر "علقمہ" کے کنارے کو جس پر کربلا واقع ہے "طف" کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے کہ "نہر علقمہ" نہر فرات کی ایک شاخ تھی وہ خود بھی "فرات" کہی جاتی تھی۔

زمینِ کربلا کا نام امام محمّد باقرؑ کی روایت کی بنا پر "عمورا" بھی تھا۔

اب ہم پھر پچھلی بحث کی طرف لوٹتے ہیں۔

مختلف روایتوں کے جمع کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام حسینؑ کے دونوں صاحبزادوں یعنی حضرت علیؑ اکبر اور حضرت علیؑ اصغر شیر خوار کی تدفین امام عالی مقام کے پائنتی ہوئی تھی اور یہی وجہ ہے کہ زائرین ضریح اقدس امام حسینؑ کے پائینِ پا، ان دونوں شاہزادوں کی زیارت پڑھتے ہیں۔

دوسری بات جو روایات کو جمع کرنے سے ظاہر ہوتی ہے وہ

یہ ہے کہ تمام اقربا٫ و انصارِ امام حسینؑ کا مدفن پائین پائے اقدس نزدیک ترین جگہ پر ہے۔ سوائے حضرت عباسؑ، حضرت حبیب بن مظاہر اور حضرت حُرؒ کے جن کی تفصیل گزر چکی۔

صاحب "اکسیر عبادت" شیخ مفیدؒ سے نقل کرتے ہیں۔
اِنَّ الحُفَیرَةَ الَّتِیْ فِیهَا اَهلُ البَیتِ الخ وہ بڑی قبر جس میں اہلبیت کرام یعنی اولادِ امام حسینؑ، آپ کے سب بھائی، آپ کے برادر بزرگ امام حسنؑ کی اولاد اور آپ کے تمام چچا زاد رشتہ دار اُس گڑھے اور بڑی قبر کے علاوہ اور اُس سے الگ ہے جس میں اصحابؓ و انصار امام حسینؑ کی لاشیں مدفون ہیں۔

روایات کا یہ تناقض اور اختلاف اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ ایک روایت کو اجمال پر محمول کیا جائے اور دوسری کو تفصیل پر۔ پھر بعض روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انصار امام حسینؑ، مرقدِ حسینی کے گرد دفن ہیں۔ اس تمام اختلاف روایات کے باوجود شیخ مفیدؒ نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ "حائر"، سب انصار و اقربا٫ کے مدفنوں پر محیط ہے یعنی جسقدر بھی شہدا٫ تھے وہ سب "حائر" کے اندر ہیں اُس کے باہر کوئی بھی نہیں ہے۔
"حائر" کے معنی بیان کئے جا چکے ہیں کہ اصل میں یہ لفظ اُس جگہ کے لئے بولا جاتا ہے جہاں پانی جمع کر دیا جائے۔ مگر جب "کربلا٫" سے متعلق اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے مُراد شہادت گاہِ حسینی کا احاطہ ہوتا ہے۔ یعنی وہ پورا خطۂ زمین جس کو روضۂ اقدس کی دیوار گھیرے ہوئے ہے اور کلام شیخ مفیدؒ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے فرمایا ہے کہ "حائر" تمام شہدا٫ؓ کی خوابگاہوں پر جو روضۂ اقدس کے حدود میں ہیں محیط ہے اور مزار حضرت حبیب بن مظاہر اسدی جو رواقِ روضۂ اقدس میں واقع ہے نیز قتل گاہِ امام حسینؑ جو اُسی رواق میں قبر حضرت حبیب

بن مظاہر سے مغرب و جنوب کے گوشہ میں ہے ۔ یہ سب "حائر" کے اندر شمار ہوتے ہیں ۔

صاحب شعور المؤمنین مجلس ۲۷ میں شہداء کرام کی قبروں سے متعلق بیان کرتے ہیں ۔ جد اطہر امام حسینؑ پارہ پارہ ہونے کی وجہ سے ایک چٹائی میں رکھکر دفن کر دیا گیا تھا ۔ قبور حضرت عباس، حبیب بن مظاہر ۔ حرؑ بن یزید الریاحی ایک دوسرے سے جدا گانہ اور الگ الگ واقع ہیں ۔ اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ کثرت جراحات کے سبب حضرت عباسؑ کی لاش اقدس اپنی جگہ سے اٹھائی نہ جا سکی تھی اس لئے انھیں اسی جگہ پر دفن کر دیا گیا ۔ حبیب بن مظاہر اسدی کو ان کے رشتہ داروں نے علیحدہ دفن کیا ۔ رہے حضرت حرؑ تو ان کی تدفین کے متعلق ہم کسی قدر تشریح کے ساتھ لکھ چکے ہیں

حائر حسینی کے متعلق مزید بحث

"حائر" کی بحث سے قبل چند جملے زمین "کربلا" اور حرم کربلا کے متعلق لکھے جاتے ہیں ۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ۔ حرم حسینی وہ رقبہ ہے جو امامؑ نے خریدا تھا اور وہ چاروں طرف سولہ[۱۶] میل تک ہے ۔

حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ خلقت زمین کعبہ سے چوبیس[۲۴] ہزار سال قبل زمین کربلا کی تخلیق ہوئی تھی ۔ علامہ مجلسیؒ بحار الانوار میں لکھتے ہیں: ۔ یہ زمین با برکت ہے ۔ علاج کے لئے اس کی خاک کھانے کی اجازت ہے اس لئے کہ یہ خاک شفا ہے ۔ اس زمین کی خاک کے علاوہ کسی اور نبیؑ یا امامؑ کی تربت کی خاک کھانا جائز نہیں ہے ۔ (تحفۃ الزائر)

حائر حسینی: ۔ سفینۃ البحار ج اول کا خلاصہ: ۔

"حائر حسینی" کے حدود میں علماء امامیہ کے کئی قول ہیں: ۔

(۱) روضۂ اقدس کے صحن کی چہار دیواری اور وہ عمارتیں جو قُبّۂ منوّرہ سے متصل ہیں اور جو مسجد اُن کے پیچھے ہے۔
(۲) "حائر" صرف وہ مقام ہے جو قُبّۂ مبارکہ کے حدود میں ہے۔
(۳) قُبّۂ مبارکہ اور جو عمارتیں اس کے متصل ہیں جیسے مسجد و مقتل اور خزانہ وغیرہ۔ ان اقوال میں پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔
(۴) علامہ ابن ادریسؒ نے کتاب "سرائر" میں کہا ہے۔
"حائر" سے مراد وہ رقبہ ہے جو شہادت گاہِ حسینی اور مسجد پر مشتمل ہے۔
شہیدؒ نے کتاب "ذکریٰ" میں فرمایا ہے۔ "حائر" اُس مقام کا نام ہے جہاں پانی آکر گھومنے لگا تھا اور قبر امام حسینؑ کے قریب نہیں گیا۔ یہ زمانہ متوکل عباسی کا تھا جس نے حکم دیا تھا کہ نہر فرات کا رُخ قبرِ حسینی کی طرف موڑ دیا جائے تاکہ اس قبر کا نشان مٹ جائے اور پھر کوئی شخص اس کی زیارت کے لئے نہ آسکے۔
اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:- زیادہ واضح یہ بات ہے کہ "حائر" کے اندر "قدیم صحن اقدس" کا رقبہ شامل ہے نہ کہ وہ اضافے جو صفوی حکومت ایران کے دور میں کئے گئے تھے۔
(عہدِ متوکل کے واقعات کی کچھ تفصیل ہم ابھی لکھیں گے۔
مؤلف)
مجمع البحرین (لغت) کے صفحہ ۲۴۴ پر ہے:- "حائر" اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو جائے۔ یا جمع کر دیا جائے لیکن واقعات "کربلا" کے سلسلے میں "حائر" سے مراد "حائرِ حسینی" ہوتا ہے۔ اور یہ وہ رقبہ ہے جیسے قُبّۂ مطہرہ کی چہار دیواری گھیرے ہوئے ہے۔ اس لفظ کی تخفیف کرکے اس کو "حیر" بھی کہتے ہیں۔ جس احاطہ میں حضرت ابراہیمؑ کو جلانے کے لئے آگ جمع

کی گئی تھی اُسے بھی "حَیر" کہا گیا ہے۔ تاریخ طبری وغیرہ میں خود "کربلاء" کے لئے بھی لفظ "حائر" استعمال ہوا ہے۔ علامہ یاقوت حموی۔ "معجم البلدان" میں لکھتے ہیں:۔ "حائر" سے مراد قبر حسینؑ بن علیؑ ہے۔"

پھر لکھتے ہیں:۔ جب لوگ "حَیر" کہتے ہیں تو اُن کی مراد "کربلاء" ہوتی ہے۔ لہٰذا "حائر" خاص قبر مطہر اور اس کے قریبی اطراف کا نام ہے۔ اور لفظ "حَیر" سے شہر کربلاء مراد ہے۔ اور یہی صحیح بھی ہے حالانکہ طبری نے اس فرق کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔

"لسان العرب" میں ہے:۔ "حَیر" ایک محدود "احاطہ" کو کہتے ہیں اور کربلاء سے متعلق بھی لفظ "حَیر" اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

تاج العروس میں ہے "حائر" ایک خاص مقام کا نام ہے۔ جہاں امام حسینؑ کی قتل گاہ ہے "حائر" کی تعیین کے لئے ائمہؑ کرام کی روایات کی طرف رجوع کرنا بہرحال ضروری ہے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ بیس ہاتھ کو بیس میں ضرب دینے سے جو رقبہ ظاہر ہوتا ہے جہاں قبر امام مظلوم ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

دوسری روایت میں بیس کے بجائے پچیس ہاتھ کا ذکر ہے۔

ڈاکٹر عبدالجواد "تاریخ کربلاء" ص۱۴۲ میں لکھتے ہیں:۔ تاریخی قرائن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "سور المشہد الحسینی" سے داخلی چہار دیواری مراد ہے روضۂ اقدس کی۔ جو اس وقت حرم اطہر اور مسجد کو گھیرے ہوئے ہے جس کی تعبیر علامہ ابن ادریسؒ نے "مشہد و مسجد" کے جملہ سے کی ہے۔" اس قول کے پیش نظر "حائر" میں

حرم اقدس اور مسجد کا وہ قدیمی حصّہ شامل ہو گا جو دسویں صدی ہجری میں اضافہ و توسیع سے قبل تھا۔

"حائرِ حسینی" کی بحث کے سلسلے میں ایک خاص مسئلہ بھی قابل ذکر معلوم ہوتا ہے۔

مشہور ترین قول علماء امامیہ کا یہ ہے کہ "اماکن اربعہ" یعنی مسجد الحرام، مسجد النبیؐ، مسجد کوفہ اور "حائرِ حسینی" ہیں اُس شخص کے لئے جو مسافر کے حکم میں ہو اُسے اختیار ہے کہ نماز قصر کرے یا اِتمام کرے یعنی پوری پڑھے۔ مسجد نبیؐ سے مُراد اُس کے قدیم حدود ہیں نہ کہ توسیع شدہ حدود۔ اسی طرح حائرِ حسینی میں تحت قُبّہ "اتمام" بھی کیا جا سکتا ہے اور قصر بھی۔ لیکن مسجدِ نبیؐ کے قدیم حدود سے ہٹکر اور یوں ہی قبۂ حسینی سے دور رہ کر نماز قصر ہی کرنا چاہیئے (اُس شخص کو جو شرعی طور پر مسافر کے حکم میں داخل ہے)

ہجرت کی چھٹی صدی کے آخر تک لوگوں کے ذہن اس سوال سے بے تعلق رہے۔ پھر ۵۸۸ھ میں علامہ ابن ادریسؒ (محمّد بن احمد بن ادریس حلّی متوفیٰ ۵۹۸ھ) نے اپنی مشہور کتاب "السّرائر" کے باب "صَلٰوۃ" میں اس مسئلہ پر پوری تفصیلی نظر ڈالی۔ وہ لکھتے ہیں (ترجمہ) "حائر" سے مراد وہ رقبہ ہے جس کے گرد شہادت گاہِ حسینی کی چہار دیواری ہے نہ کہ وہ رقبہ جس کے گرد شہر کربلا کی چہار دیواری ہے۔

شہید اوّلؒ نے اپنی کتاب "الذکریٰ" میں شیخ یحییٰ بن سعید سے نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔ شیخ نجیب الدین یحییٰ بن سعید چار شہروں یعنی مکّہ، مدینہ، کوفہ، کربلاء میں مسافر کو نماز کے اتمام اور قصر کا اختیار دیتے ہیں۔ اور اسی سلسلہ میں اُنھوں نے لکھا ہے حَرَمُ الحُسَینِ وَقُدِّرَ بِخَمسَۃِ فَرَاسِخَ وَاَربَعَۃٍ وَبِفَرسَخٍ وَاحِدٍ یعنی حرم حسینی کا رقبہ پانچ فرسخ (۱۵ شرعی میل) یا چار فرسخ (۱۲ شرعی میل) یا ایک فرسخ (تین شرعی میل) بتایا گیا ہے

پھر لکھتے ہیں :- یہ سب رقبہ یعنی ۱۵ میل شرعی حرم حسینی ہے ۔ اگرچہ قرب و بعد کے لحاظ سے فضیلت میں فرق ہے ۔ بعض روایتوں میں اس طرح وارد ہوا ہے :- حرم حسینی ایک فرسخ (۳ میل شرعی) ہے قبر مبارک کے ہر پہلو اور ہر سمت سے ۔

بعض دیگر احادیث میں اس طرح ہے :- حرم حسینی ، قبر امام کے چاروں طرف چار فرسخ (۱۲ میل شرعی) کا رقبہ ہے ۔

شہید اوّل رح (شمس الدین محمد بن مکی متوفی ۷۸۶ھ) اپنی کتاب "الذکریٰ" میں لکھتے ہیں ۔ "متوکل عباسی نے ۲۳۶ھ ارادہ کیا کہ نہر فرات کو کاٹ کر اس کا رخ حضرت امام حسینؑ کی قبر مطہر کی طرف موڑ دے تاکہ اس کا نشان تک باقی نہ رہے ۔ لیکن جب فرات کا پانی اس طرف بہنے لگا تو بجائے اس کے کہ وہ قبر اقدس کی طرف جاتا ، اس کے چاروں طرف پھیل گیا جیسے کوئی مسافر حیران و پریشان ہو کر راستہ بھول جاتا ہو ۔ اسی بناء پر اس مقام کو "حائر" کہا جانے لگا ۔ (ہم عنقریب اس کی مزید تفصیل لکھیں گے ۔ مؤلف)

گیارھویں صدی ہجری میں علامہ مجلسی رح بحار الانوار کی اٹھارویں جلد میں اس موضوع پر لکھتے ہیں :- پہلے انھوں نے علماء کے اقوال نقل فرمائے ہیں پھر لکھا ہے ۔ مسافر کو چار رکعتی نمازوں میں قصر و اتمام کا اختیار "بلدان اربعۃ" یعنی چار شہروں میں نہیں ہے ۔ (جیسا ابھی ہم نے یہ قول نقل کیا) بلکہ "اماکن اربعہ یعنی چار مقامات (جگہوں) پر ہے ، مسجد الحرام ، مسجد النبیؐ ، مسجد کوفہ اور "حائر حسینی" ۔ شیخ جعفر شوستری نے خصائص حسینیہ صفحہ ۱۹۰ پر لکھا ہے :- "حدودِ حائر" میں علماء کی رائیں مختلف ملتی ہیں ۔ بعض پورے صحن اقدس کو "حائر" کہتے ہیں ۔ کچھ لوگ صرف قبۂ مبارکہ کو اور بعض کے نزدیک "حائر" سے مراد ہے روضۂ اقدس اور وہ قدیم احاطہ جو رواق اور شہادت گاہ کا احاطہ کئے

ہوئے ہے۔
علامہ مجلسی رح کی رائے ہے کہ "حائر" وہ رقبہ ہے جو صحنِ قدیم پر مشتمل ہے نہ کہ وہ حصّہ جو بعد میں بڑھا دیا گیا ہے۔

حرم اور حائر حسینی

احادیث و روایات کے پیش نظر "حرمِ حسینی" اور "حائرِ حسینی" میں فرق ہے کیونکہ "حرم" بہ نسبت "حائر" کے وسیع تر ہے۔

"حرمِ حسینی" کے متعلق علماء نے حسبِ ذیل تصریح کی ہے۔
حَرَمُ قَبْرِ الْحُسَیْنِ فَرْسَخٌ فِیْ فَرْسَخٍ مِنْ اَرْبَعَۃِ جَوَانِبِہٖ" (الحدائق)
یعنی حرمِ حسینی آپ کی قبر مبارک سے چاروں طرف ۹ میل کا رقبہ ہے (ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہوتا ہے۔ ۹ = ۳×۳) بعض لوگ چاروں طرف ۱۵ میل کا رقبہ بتاتے ہیں (ہر قول کے ساتھ استدلال میں کوئی نہ کوئی روایت موجود ہے) بہرحال بعض تصریحات کی بنا پر "حرمِ حسینی" سے مراد وہ خطۂ زمین ہے جس کی پیمائش چار مربع میل ہے۔

جب امام حسینؑ زمین کربلا میں تشریف لائے تو آپ نے ساٹھ ۶۰ ہزار درہم میں یہ خطۂ زمین "غاضریہ" اور "نینویٰ" کے رہنے والوں سے خریدا تھا۔ پھر بعض شرائط پر مثلاً شہداءؑ کی قبریں بنانا، زائروں کی میزبانی کرنا، وغیرہ، اس زمین کو اپنی طرف سے اُن لوگوں کے نام ہبہ کر دیا تھا۔ جیسا کہ علامہ ابن طاؤس رح وغیرہ نے لکھا ہے۔ (ہم اس کی بھی کچھ مزید تفصیل عنقریب لکھیں گے۔ مؤلف)

محمد بن احمد بن داؤد قمّی نے کتاب الزیارات میں اور علامہ بہاء الدین عاملی نے "کشکول" صہ ۱۰۳ پر اسے لکھا ہے اور روایات بھی نقل کی ہیں۔
علماء نے اس بات کی تشریح کی ہے کہ امامؑ عالی مقام نے

نے اس زمین کو اہلِ غاضریّہ کے نام ھبہ کرنے میں جو شرطیں معیّن کی تھیں چونکہ ان لوگوں نے اُن کو پورا نہ کیا اس لئے وہ ھبہ بھی شرعاً ختم ہو گیا اور اب وہ زمین ھبہ نہ رہی بلکہ امامؑ کی اولاد کی ملکیت ہو گئی۔

علامہ سید محمد کاظم طباطبائیؒ عروۃ الوثقیٰ میں لکھتے ہیں :۔

مسافر کو (یعنی جو دس روز سے کم ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہو) چار مقامات پر چو رکعتی نماز میں قصر کرنے یا اتمام کرنے کا اختیار رہے وہ مقامات یہ ہیں ۔ مسجد الحرام (مکّہ) مسجد النبیؐ (مدینہ) مسجدِ کوفہ، حائرِ حسینی ۔ لیکن اتمام یعنی پوری نماز پڑھنا افضل ہے ۔ اگرچہ احوط قصر ہے ۔ جہاں تک ان خصوصی جگہوں کا تعلق ہے، یہ حکم یقینی ہے البتہ اس کا امکان ہے کہ یہ حکم ان چار شہروں کا بھی ہو یعنی پورا شہر مکّہ، مدینہ، کوفہ، اور کربلاء ۔ مگر اس مقام پر احتیاط سے کام لینا ضروری ہے ۔ خصوصاً کوفہ اور کربلاء کے شہروں کے متعلق یعنی یہاں نماز ایک مرتبہ قصر کی نیّت سے اور دوسری مرتبہ اتمام کی نیت سے پڑھی جائے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ دوسرے مشاہدِ مقدّسہ میں یہ اختیار نہ ہوگا اور تینوں مسجدوں یعنی (مسجد الحرام، مسجد النبیؐ، مسجد کوفہ) میں بھی یہ اختیار انکے قدیمی حدود سے متعلق ہوگا نہ کہ اُن اضافات سے جو بعد کی گئی ہیں۔

اسی طرح "حائرِ حسینی،، میں بھی احتیاط اسی میں ہے کہ اس اختیار میں "القصر او الاتمام" کا حکم اسی رقبہ کے ساتھ مخصوص رکھا جائے جو ضریح حضرت امام حسینؑ کے گرد ہے ۔ (عروۃ الوثقیٰ باب الطہارۃ)

"شرح لمعہ،، میں شہید ثانیؒ (زین الدین بن علیؒ عاملی متوفّی ۹۶۶ھ) تحریر فرماتے ہیں :۔ چار مقامات اور جگہیں جہاں مسافر نماز میں قصر و اتمام کا اختیار رکھتا ہے یعنی چو رکعتی نماز (ظہر و عصر و عشاء) کو

چاہے قصر کرے یا پوری پڑھے۔ دونوں طرح جائز اور صحیح ہے لیکن نماز پوری پڑھنا افضل ہے۔ وہ چار مقامات یہ ہیں:۔
مسجد الحرام (مکہ) مسجد النبیؐ (مدینہ) اور مسجد کوفہ نیز "حائر حسینی"
"حائر" سے مراد وہ رقبہ ہے جسے مشہد حسینی کی چہار دیواری گھیرے ہوئے ہے۔ اس مسئلہ کی تائید میں کثیر روایتیں موجود ہیں مگر علامہ ابوجعفر محمد بن بابویہؒ اس اختیار کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس کے قائل ہیں کہ ان مقامات میں بھی مسافر کو قصر ہی کرنا چاہیئے مثل دیگر مقامات کے۔ مگر روایاتِ صحیحہ اُن کے اس مسلک کے خلاف ہیں۔ اس کے برخلاف علامہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ اور علامہ ابن الجنیدؒ اس کے قائل ہیں کہ اس اختیار کی تخصیص صرف مذکورہ چار مقامات ہی سے نہیں بلکہ یہ اختیار تمام مشاہد مقدسہ میں بلا استثناء ہے جیسے نجف، کاظمین، سامرہ، اور مشہد امام رضاؑ (خراسان) وغیرہ۔ مگر ان حضرات نے یہ فیصلہ کن روایات اور دلائل سے کیا ہے، اس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ بعض علماء نے اس حکم میں مزید توسیع کردی ہے اور کہا ہے کہ یہ اختیار مسافر کو محض ان مخصوص جگہوں ہی میں نہیں ہے بلکہ اُن شہروں میں بھی ہے جہاں یہ متبرک مقامات واقع ہیں۔ یعنی پورا شہر مکہ، شہر مدینہ، شہر کوفہ اور شہر کربلاء۔

ایک دوسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ یہ اختیار صرف شہر مکہ اور شہر مدینہ تک محدود ہے۔ شہر کوفہ اور شہر کربلاء اس وسعت میں داخل نہیں ہیں۔

ایک اور گروہ اس کا قائل ہے کہ اس توسیعی حکم میں شہر کوفہ بھی داخل ہے مگر صرف شہر کربلا داخل نہیں۔ اس آخری قول کی طرف شہید اول (محمد بن مکی عاملیؒ) نے اپنے رجحان کا اپنی کتاب "الذکریٰ"

میں اشارہ فرمایا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک اور بیان بھی ہمارے سامنے ہے۔ علامہ محمد بن مرتضی ملقب بہ محسن اپنی کتاب "مفاتیح الشرائع" (قلمی) میں خاکِ شفا کے استعمال کے بیان میں لکھتے ہیں۔

"قبر امام حسینؑ کے گرد چار فرسخ (۱۲ میل) تک "حائر" ہے۔

حائرِ حسینی پر مزید تبصرہ

علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) ۲۳۶ھ میں متوکل عباسی (ہارون الرشید کا پوتا: جعفر بن محمد المعتصم باللہ) نے روضۂ حضرت امام حسینؑ اور دیوارہائے حرم اقدس کو گرا دینے کا حکم دیا اور یہ کہ اس زمین پر زراعت کی جائے نیز زائروں کو زیارت سے بالکل روک دیا جائے اور اس جگہ کو ایسا کر دیا جائے کہ وہاں کبھی قبر کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔

متوکل عباسی، ناصبیت اور دشمنی اہلبیت رسولؐ اللہ میں بہت مشہور تھا۔ تمام مسلمان اس کے اس عمل سے بہت رنجیدہ ہوئے اور اہل بغداد نے تو مساجد اور شہر کی دیواروں پر اسکے خلاف سخت ترین دشنام کے جملے تحریر کئے اور شاعروں نے بھی اپنے اشعار میں اس کی بے حد مذمت کی۔ اسی قسم کے اشعار میں سے یہ شعر بھی ہیں:۔

تَاللّٰهِ اِنْ كَانَتْ اُمَيَّةُ قَدْ اَتَتْ ‏ قَتْلَ ابْنِ بِنْتِ نَبِيِّهَا مَظْلُوْمًا

فَلَقَدْ اَتَاهُ بَنُوْ اَبِيْهِ بِمِثْلِهٖ ‏ هٰذَا لَعَمْرِيْ قَبْرُهٗ مَهْدُوْمًا

اَسِفُوْا عَلٰى اَنْ لَا يَكُوْنُوْا شَارَكُوْا ‏ فِيْ قَتْلِهٖ فَتَتَبَّعُوْهُ رَمِيْمًا

(ترجمہ) خدا کی قسم اگر بنو امیہ نے اپنے نبیؐ کے نواسہ کو شہید کر دیا جب کہ وہ مظلوم اور بے گناہ تھے تو آج رسولؐ اللہ کے جد کی اولاد نے یعنی اولادِ عباس بن عبدالمطلب نے بھی کم ظلم وستم کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ یہ قبر حسینؑ کھدی ہوئی اور منہدم

ہمارے سامنے موجود ہے۔ بنی عباس کو اس بات پر افسوس اور رنج ہے کہ وہ قتلِ حسینؑ میں یزید اور ابن زیاد کے ساتھ کیوں شریک نہ ہو سکے۔ اور کیوں اس کام سے محروم رہ گئے تاکہ بنو امیہ کی مدد کر سکے امام حسینؑ کے مقابلہ میں اس لئے اب وہ آپ کی قبر کی بے احترامی سے اسکی تلافی کر رہے ہیں

"حبیب السیر" میں لکھا ہے:۔ اسی سال یعنی ۲۳۶ھ میں متوکل عباسی نے اپنی انتہائی شقاوتِ قلبی کی وجہ سے قبر امام مظلوم اور دیگر قبورِ مقدسہ کی زیارت سے لوگوں کو منع کر دیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ اس قبرِ اطہر پر زراعت کی جائے اور اس کا نام ونشان محو کر دیا جائے۔ مگر متوکل کے تمام عمال نے بڑی سعی و کوشش کی کہ اس کے اس حکم کی تعمیل کریں مگر وہ لوگ کامیاب نہ ہو سکے۔ نہر فرات کے پانی کو ہر صورت سے ادھر لانے کی کوشش کی گئی مگر پانی قبر اقدس تک نہ آیا۔ دیگر قبور جو قبر امامؑ کے نزدیک تھیں ان پر بھی نہ گیا۔ نہر فرات کا پانی اس پورے رقبہ کے گرد گھومتا رہا اور اس کی حد میں داخل نہ ہوا۔ اسی لئے اس رقبہ کا نام "حائر" رکھ دیا گیا۔

جناب شیخ صدوقؒ نے کتاب "امالی"، قاسم بن احمد اسدی سے روایت کی ہے۔

متوکل عباسی (جعفر بن معتصم) کو یہ خبریں ملیں کہ گرد و پیش اور دور دور کے خطوں سے لوگ قبر امام حسینؑ کی زیارت کے لئے آنے لگے ہیں اور وہاں بڑا مجمع ہونے لگا ہے زائرین کا تو اس نے اپنی فوج کے ایک سردار کو کربلا روانہ کیا ایک بڑے لشکر کے ساتھ تاکہ وہ قبر حسینؑ کو مسمار کر دے اور تمام لوگوں کو زیارت کے لئے آنے سے روک دے۔ وہ سردار اس کے حسب الحکم کربلا گیا اور حکم خلیفہ کی تعمیل میں اس نے قبر اقدس کو منہدم کر دیا۔ یہ ۲۳۷ھ کا واقعہ ہے مگر اس کے باوجود لوگوں کو زیارت کرنے سے

نہ روک سکا کیونکہ زائرین کا ہجوم اسقدر زبردست اور کثرت کے ساتھ ہوتا تھا کہ اسے روک دینا ممکن نہ تھا جب، وہ سردار لوگوں کو منع کرتا تھا تو وہ اس سے کہتے تھے۔ ہم کسی حال میں بھی زیارت کو ترک نہیں کر سکتے جب تک ہم میں سے ایک متنفس بھی زندہ رہے گا۔ چنانچہ اسی جگہ "اَمالی" میں مذکور ہے:۔ اگر ہمارا کوئی ایک فرد بھی باقی رہ جائے گا جب بھی ہم زیارت قبر امام حسینؑ سے باز نہ آئیں گے۔ اس سے پہلے زائرین شام و عراق کے اکثر و بیشتر مقامات سے آیا کرتے تھے۔

"مقتل ابی مخنف" میں ہے:۔ پورے ملکِ عراق و شام میں اہلبیتؑ کی مظلومیت کا اثر پھیل چکا تھا کیونکہ واقعۂ شہادت کے بعد جب اہلبیتؑ کرام کو اسیر کر کے دمشق بھیجا گیا تھا تو راستہ میں جن آبادیوں کی طرف سے خاندانِ نبوت کے اسیروں کا یہ قافلہ گزرتا تھا وہاں کے لوگ ظالموں کے مقابلہ کے لئے اپنے گھروں سے نکل آتے تھے اس طرح اس سانحۂ عظیم کی ہر طرف شہرت بھی ہو گئی اور عوام میں جوشِ انتقام بھی پرورش پاتا رہا۔

"کتاب" امالی" میں مذکور ہے:۔ غرض اُس سردار نے جسے متوکل عباسی نے قبر امام حسینؑ کھودنے اور اسے مٹا دینے پر مامور کیا تھا، متوکل کو ان حالات کی خبر دی جس کے بعد اُس نے اپنے فوجی سردار کو لکھا کہ لوگوں کو زیارتِ قبر امام حسینؑ سے منع کرنے کی کوشش ترک کر دے اور کوفہ واپس چلا آئے۔ اور ظاہر یہ کرے کہ ہم صرف انتظامِ رعیت کے لئے آئے تھے دوسری کوئی غرض نہ تھی۔

یہاں تک کہ ۲۴۷ھ میں متوکل کو پھر خبر ملی کہ دیہات اور خود کوفہ کے لوگ بھی قبر امامؑ کی زیارت کے لئے جمع ہونے لگے ہیں، بازاریں لگائی جاتی ہیں اور بڑی خلقت جمع ہوتی ہے۔ یہ حالات سُنکر اُس کی رگِ ناصبیت پھر متحرک ہو گئی۔ آخر اُس نے

ایک دوسرے سردار فوج کو بھیجا جس کا نام ابراہیم بن دیزج تھا جو ایک بڑی فوج کے ساتھ کربلا پہنچا۔

ہارون معری جو متوکل کے امراء سلطنت میں سے تھا، اس سردار کے ہمراہ تھا ساتھ ہی جعفر بن عمار قاضی کوفہ کے نام ایک خط بھی لکھا جس کا مضمون یہ تھا "میں ابراہیم کو قبر حسینؑ کے انہدام کے لئے روانہ کرتا ہوں اور یہ لوگوں کو زیارت قبر سے بھی روکے گا اس لئے اس کی پوری نگرانی رکھنا تاکہ وہ اس فریضہ میں کوتاہی نہ کر سکے"۔

ابراہیم کربلا پہنچ گیا اور فوراً منادی کرا دی کہ جو شخص بھی زیارت قبر حسینؑ کے لئے جائے گا اُس کے خون سے میں بری الذمہ ہوں اور اُس کے خون کی کوئی بازپرس نہ ہوگی کہ وہ کیوں قتل ہوا اور کس نے اُسے قتل کر دیا۔ پھر اس نے قبر مطہر کو کھدوا ڈالا اور اس پر زراعت کرا دی اور جس قدر بھی ظلم و تشدد کر سکتا تھا سب کچھ کیا۔

"امالی" میں لکھا ہے کہ قاضی کوفہ نے اُس سردار سے سوال کیا کہ اُس نے کیا خدمات انجام دیں تو اُس نے جو کچھ کیا تھا وہ سب بتا دیا اور کہا کہ قبر حسینؑ کھودنے کے بعد مجھے تو قبر کے اندر کچھ بھی نظر نہ آیا۔

قاضی نے کہا کہ تم نے قبر کو خوب گہرا کیوں نہ کھدوایا۔ ابن دیزج نے جواب دیا: اس کے باوجود کہ میں نے قبر کو بہت ہی گہرا کھدوایا تھا مگر پھر بھی اُس میں کوئی چیز نظر نہ آئی۔ قاضی نے یہی بیان متوکل عباسی کو لکھ کر بھیج دیا کہ ابراہیم بن دیزج میرے پاس آیا تھا، اس نے بیان کیا کہ اس کے حکم سے قبر حسینؑ کھودی گئی مگر اس کے اندر کوئی چیز نظر نہ آئی پھر اس نے وہاں ہل بھی چلوا دیئے اور کھیت لگوا دیئے۔ اور اس طرح وہ سب حکم پورے ہو گئے جو دربار خلافت سے اس کو دیئے گئے تھے۔

لیکن دوسری عبارت "امالی" کی یہ ہے: ابو علی العماری کہتے ہیں :- مجھ سے ابراہیم بن دیزج نے بیان کیا کہ میں خود اپنے مخصوص افسروں کے ساتھ قبر پہ گیا تھا۔ میں نے قبر کھدوائی تو دیکھا کہ ایک چٹائی پر جو بالکل تازہ اور جدید تھی جسد اطہر امام حسینؑ رکھا ہوا تھا اور اس سے مشک کی خوشبو مہک رہی تھی۔ یہ دیکھکر میں نے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور حکم دے دیا کہ قبر کو بند کر دیا جائے اور اس پر نہر فرات کا پانی جاری کر دیا جائے نیز قبر پر ہل چلایا جائے۔ لیکن ہل چلانے کے لئے جب بیل اس طرف ہنکائے جاتے تھے تو وہ اپنا رخ پھیر کر دوسری طرف چلے جاتے تھے اور کسی حالت میں بھی قبر پر نہیں جاتے تھے یہ دیکھکر میں نے اپنے غلاموں کو سختی کے ساتھ منع کر دیا کہ اس واقعہ کا ذکر کسی شخص سے بھی نہ کریں ورنہ انھیں قتل کر دیا جائے گا۔

عبداللہ بن رابیہ طوری سے منقول ہے کہ سنہ ۲۴۷ھ میں وہ حج کے لئے گئے جب وہ عراق پہنچے (یہ متوکل کی خلافت کا آخری سال تھا) تو متوکل کے خوف سے بڑی خاموشی کے ساتھ نجف اشرف گئے اور امیر المومنین کی قبر مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے پھر کربلاء گئے۔ وہاں جاکر دیکھا کہ قبر مطہر پر زراعت ہو رہی ہے۔ اور ہل چلائے جا چکے ہیں اور نہر فرات کا رخ اسی طرف کر دیا گیا ہے۔ ابن رابیہ بیان کرتے ہیں کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب کبھی بیلوں کو ہل چلانے کے لئے لوگ چھوڑتے تھے تو وہ قبر اقدس پر پہنچکر داہنے بائیں ہٹ جاتے تھے اور قبر مطہر پر قدم نہیں رکھتے تھے حالانکہ لوگ انھیں بے حد مارتے تھے مگر مارنے کا ان پر مطلق اثر نہ ہوتا تھا اور وہ کسی طرح

بھی قبر پر نہیں جاتے تھے وہ کہتے ہیں کہ ان حالات میں مجھے زیارت کا شرف پوری طرح حاصل نہ ہوسکا اور میں بغداد واپس آگیا۔
اس طرح کی ایک روایت محمد بن جعفر بن محمد بن فرج سے بھی منقول ہے وہ کہتے ہیں :- میرے چچا عمر بن فرج نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ متوکل عباسی کے حکم سے قبر امام حسینؑ کو کھدوانے کے لئے گئے تھے - قبر اقدس پر ہل چلانے میں بیلوں کا واقعہ اس روایت میں بھی مثل سابق مذکور ہے۔
خلیفہ متوکل عباسی کے دور میں جب وہ قبر امام مظلوم پر اس قسم کے ظلم و ستم کر رہا تھا عجیب عجیب حالات رونما ہوتے رہے ۔
علامہ سیوطی کی تاریخ الخلفاء میں ہے :عراق میں اس زمانہ میں "بادِ سموم "، یعنی زہریلی ہوائیں چلتی رہیں یہاں تک کہ کوفہ ، بصرہ اور بغداد کی پوری زراعت جل کر فنا ہوگئی تھی ، ہزارہا مسافر ان زہریلی ہواؤں سے مرگئے ۔ یہ "بادِ سموم "، پچاس روز تک طوفانی شکل میں چلتی رہی ۔ پھر یہ زہریلی آندھیاں "ہمدان "،(ایرانی علاقہ میں) پہنچی اور وہاں کے بھی تمام مویشی اور کھیتیاں ختم ہوگئیں پھر اس کا اثر موصل اور سنجار پر بھی ہوا - بازاریں بند ہوگئیں ۔ کاروبار ختم ہوگئے اور بے حد اموات واقع ہوئیں ۔ اس دور میں دمشق میں انتہائی ہولناک زلزلہ آیا ، تمام عمارتیں گر گئیں ۔ جس سے جان و مال کا نقصان عظیم ہوا ۔ صرف "موصل "، میں اس وبا کی وجہ سے پچاس ہزار آدمی ہلاک ہوگئے ۔"عسقلان" میں (جو فلسطین میں اس کے جنوبی ساحل پر واقع ہے) آتشزدگی کے واقعات کثرت سے ہوئے اور غذا کی چیزوں کے بڑے بڑے گودام جلکر خاک ہوگئے جسکی وجہ سے پورے ملک میں قحط پڑ گیا اور بے حد نقصان جان و مال ہوا شہر "خلاط "، میں ایک زبردست چنگھاڑ کی آواز سنی گئی جس سے بڑی تعداد

ہیں جانور اور لوگ مر گئے۔ عراق میں اولے کی زبردست بارش ہوئی اور مرغی کے انڈوں کے برابر اولے گرتے رہے جس سے تمام ملک کی زراعت تباہ ہوگئی۔ اور بے حد جانی اور مالی نقصان ہوا۔ عراق کے مغربی حصوں میں تیرہ[۱۳] دیہات پورے زمین کے اندر دھنس گئے۔ اس کے ساتھ ہی دنیا بھر میں کثرت سے ستارے ٹوٹتے رہے نیز شہاب ثاقب بکثرت دیکھے گئے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ "شہاب ثاقب" اس طرح لوٹتے ہوئے نظر آتے تھے۔ جیسے ٹڈیوں کے دل ہوا کرتے ہیں۔ کبھی اس سے پہلے اس قسم کے مناظر ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ اس زلزلہ کے بعد مشرقی ممالک میں دوبارہ زلزلہ آیا جس سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور زمین جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی مصر کے علاقوں میں آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی تھی۔ جو پتھر گرتے تھے اُن میں سے بعض کا وزن دس دس رطل کے برابر ہوتا تھا۔ (ایک رطل آدھ سیر کے برابر ہوتا ہے)۔

شہر "حلب" میں ایک چھوٹا سا سفید رنگ کا پرندہ ظاہر ہوا تھا جو بالکل صاف زبان میں کہتا تھا۔ یَا مَعَاشِرَ النَّاسِ اِتَّقُوا اللہَ، اللہَ اللہَ، جس کا ترجمہ یہ ہوا۔

اے لوگو! ڈرو تم اللہ سے، اللہ سے، اللہ سے! اسی طرح وہ پرندہ چالیس مرتبہ بولتا تھا اس کے بعد اُڑ کر غائب ہو جاتا تھا اور دوسری صبح کو پھر آجاتا تھا۔

اس پرندے کو ہزاروں آدمیوں نے دیکھا تھا۔ زلزلے جب آنا شروع ہوئے تو اُن کا کبھی ایک سلسلہ بندھ گیا۔ شہر کے شہر، دیہات، پہاڑ، آبادیاں۔ غرض ہر چیز دنیا بھر کی ویران اور تباہ ہوگئی تھی۔ اسی زمانہ میں کوہِ انطاکیہ، سمندر میں گر گیا تھا۔ آسمان سے ہولناک آوازیں آتی رہتی تھیں۔

یہ واقعات علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں متوکل عباسی کے

دورِ خلافت کے تذکرے یوں لکھے ہیں۔ کتاب "امالی" میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ جب متوکل نے تخریب قبرِ امام حسین کا حکم دیا اور نہرِ علقمی، کا پانی اس طرف جاری کیا گیا تو "زید مجنون"، اور بہلول ؑ دانا، دونوں کربلا گئے تھے اور وہاں دیکھا کہ قدرتِ خدا سے قبرِ مطہر ہوا پر معلق ہے۔ زید مجنون نے یہ دیکھکر قرآنِ پاک کی آیت تلاوت کی جس کا مفہوم یہ ہے:-

"لوگ اللہ کے نور کو بجھانے کی سعی کرتے ہیں اپنے منہ سے لیکن اللہ نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ کافروں کی تمنا کے خلاف اپنے نور کو تمام اور کامل کرے گا۔"

تاریخ کے شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ مرتبہ قبرِ امام مظلوم پر ہل چلائے گئے اور زراعت کی کوشش ہوئی لیکن جب بھی قبرِ اقدس کو دیکھا جاتا تھا تو وہ اپنی اصلی حالت میں بالکل درست نظر آتی تھی اور ایک روایت تو یہ بھی ہے کہ ستائیس مرتبہ ہل چلانے کی سعی کی گئی اور بالآخر مزارعین نے یہ طے کر لیا کہ اب وہ ایسی حرکت نہ کریں گے۔ مگر پھر بھی متوکل عباسی اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور اس نے تمام مزارعین کو قتل کرا دیا۔

کتاب "امالی"، میں لکھا ہے متوکل عباسی نے بائیس سال تک متواتر اس کی جان توڑ کوشش کی کہ قبرِ فرزندِ فاطمہ ؑ بنتِ رسول ؐ امام

ع بہلول بن عمرو کی وفات ۱۹۰ھ میں ہوئی اور متوکل عباسی کی پیدائش ۲۰۶ھ میں ہوئی تھی جب کہ اس کی تخت نشینی ۲۳۲ھ میں ہوئی اس لئے بہلول کا متوکل کے دور میں ہونا بظاہر ممکن نہ تھا لیکن منتخب طریحی اور بحار الانوار وغیرہ میں اسکو نقل کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عام مورخین نے ان کا سال وفات غلط لکھا ہو۔ اور یہ عہدِ متوکل میں موجود ہوں۔ "مولف"

حسینؑ کو مٹا کر وہاں زراعت کرا دے لیکن اس کے باوجود قبرِ مبارک بجلینہ اپنی جگہ پر باقی رہی اور اس میں کوئی تغیّر واقع نہ ہو سکا اور نہرِ فرات کا پانی وہاں تک پہنچ سکا۔

کتاب "جلاء العیون" میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے کہ زیارہ مجنون، تخریب قبرِ امام حسینؑ کی خبر سُن کر مصر سے برھنہ پا بلا مرکب و توشۂ سفر کوفہ کی سمت روانہ ہو گئے اور بالآخر وہاں پہنچ گئے۔ اور بہلول دانا کے ساتھ کربلائے معلّٰی میں حاضر ہوئے وہاں دیکھا کہ اُس مقامِ مقدّس میں نہر کا پانی لایا گیا ہے مگر قدرتِ خدا سے پانی "حائر" کی حد کے گرد گھومتا ہے اور اندر داخل نہیں ہوتا۔ اور چاروں طرف پانی کی بلند دیواروں کے باوجود قبرِ مطہّر صاف نظر آ رہی تھی۔ اُس وقت وہی آیت پڑھی جس کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔

مزارعین کا وہ سردار جو مدّتوں سے قبرِ مبارک پر ہل چلانے کی کوشش کر رہا تھا اور نہرِ علقمی کا پانی پہنچانے کی سعی میں مشغول تھا۔ (تمام اس قسم کی روایتوں سے نہرِ علقمی کا وجود واقعۂ شہادت کے بعد کی صدیوں میں ملتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نہرِ فرات سے جو شاخ نکالی گئی ہو اور قبرِ امامؑ کو مٹانے کے لئے فرات کی اس شاخ کو استعمال کیا گیا ہو، اسی کا نام نہرِ علقمی ہو ورنہ ۶۱ھ میں محقّق یہی ہے کہ سوائے نہرِ فرات کے خطۂ کربلا میں کسی اور نہر یا اس کی شاخ کا وجود نہ تھا جیسا کہ ہم اس پر بحث کر چکے ہیں۔ مؤلّف)

جب اُس نے زید مجنون اور بہلول کو دیکھا تو زید سے کہا کہ اے شیخ تم کہاں سے آتے ہو۔ زید نے کہا میں مصر سے آ رہا ہوں۔ اُس نے پوچھا تم یہاں کس غرض سے آئے ہو؟ یہاں تو آنے والوں کے لئے خلیفہ نے قتل کا حکم دیا ہے۔ زید نے کہا

میں اسی ارادہ سے آیا ہوں کہ مجھے قتل کر دیا جائے۔ یہ سُننا تھا کہ وہ شخص زید کے قدموں پر گر پڑا اور ان کے پیروں کو چومنے لگا۔ پھر کہنے لگا۔ میں بڑی مدت سے کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ ان لنبر خدا کو بجھا دوں مگر کسی صورت سے بھی کامیاب نہ ہو سکا آپ کے آنے سے اب مجھے ہدایت حاصل ہوئی ہے اور اس فعل سے توبہ کرتا ہوں۔ اب میں متوکّل کے پاس جاؤں گا اور تمام واقعات یہاں جو گزرے ہیں اس سے بیان کروں گا چاہے وہ مجھے کچھ بھی سزا دے۔

یہ کسان اپنے ارادہ کے مطابق خلیفہ متوکّل عباسی کے پاس گیا اور اُس سے کُل واقعات بیان کر دیئے۔ ان معجزات اور واقعات کو سُنتے ہی اس نے حکم دیدیا کہ اس کسان کو فوراً قتل کر دیا جائے اور اس کی لاش کے پیروں میں رسّی باندھ کر اسے بازاروں میں گھسیٹا جائے۔ یہ سب کچھ ہونے کے بعد اس کی لاش دار پر دوسروں کی عبرت کے لئے لٹکا دی گئی۔ تاکہ آئندہ کوئی شخص بھی آلِ محمدؐ کے فضائل بیان کرنے کی جراءت نہ کر سکے۔ جب زید مجنون کو اُس کے قتل ہونے کی خبر ملی تو وہ سامرّہ میں گئے جہاں وہ قتل ہوا تھا اور اس کی لاش حاصل کر کے اُسے غسل و کفن دیا اور نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ پھر تین روز تک متواتر اُس کی قبر پر تلاوتِ قرآن پاک کرتے رہے۔ تیسرے روز اُن کے کانوں میں رونے اور نوحہ و بکا کے ایک زبردست شور کی آواز آئی اور ایک بڑے مجمع کو دیکھا کہ وہ اپنے گریبان پھاڑے ہوئے ماتم کر رہے ہیں اور رو رہے ہیں اور سب کے سب سیاہ لباس پہنے ہوئے ہیں۔ غور سے اُنھوں نے دیکھا کہ وہ سب ایک جنازے کے ساتھ تھے اور اپنے ساتھ بہت سے سیاہ علَم بھی اُٹھائے ہوئے تھے اس زبردست مجمع کی وجہ سے تمام

راستے بند ہو گئے تھے۔ زید مجنون نے فوراً ہی سمجھا کہ خلیفہ متوکل عباسی مرگیا ہے اور اسی وجہ سے اسقدر شدت کے ساتھ غم منایا جارہا ہے مگر جب انھوں نے کسی سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ جنازہ متوکل عباسی کی کنیز "ریحانہ" کا تھا جسے خلیفہ بہت چاہتا تھا۔

"ریحانہ" کو لوگوں نے دفن کردیا اور اس کی قبر میں مشک و عنبر اور کثرت سے پھول رکھے گئے۔ پھر اس قبر پر عالیشان مقبرہ تعمیر کیا گیا یہ صورت حال دیکھکر زید مجنون نے اپنے سر پر خاک ڈالنا شروع کی اور فریاد کرنے لگے:۔

"ایک کنیز کا تو غم اسقدر کیا جائے اور نواسۂ رسولؐ حسینؑ بن علیؑ کو صحرائے کربلا میں بھوکا اور پیاسا ذبح کیا گیا۔ ان کے اہلحرم اور ذریت سرورِ کائنات کو اسیر کرکے بازاروں اور درباروں میں پھرایا گیا۔ لیکن اُن پر ان میں سے کسی کے آنسو نہ نکلے بلکہ اب یہ کوشش ہے کہ اُن کی قبر کا نشان تک مٹا دیا جائے۔"

زید مجنونؒ نے اسی مضمون کے کچھ اشعار کہکر خلیفہ متوکل کے ایک قریبی خدمتگزار کو دیئے کہ وہ انھیں متوکل تک پہنچا دے۔ خلیفہ نے جب ان اشعار کو پڑھا تو غصّہ سے کانپنے لگا۔۔۔ اور زید کو بُلا کر کہا کہ تم اپنی اِن حرکتوں سے باز آجاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ زید نے اُسے کچھ نصیحت کرنے کی کوشش کی۔ آپس میں کلام کی ردّوبدل ہوتی رہی اور فضیلتِ آل محمدؐ کے معاملے بھی خوب بحث ہوئی۔ بالآخر متوکل نے زید مجنون کو گرفتار کرادیا اور پھر قید خانے میں ڈال دیئے گئے۔ شب کو متوکل نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اُس کے سرہانے آیا ہے اور اسے ٹھوکر مارتا ہے اور کہتا ہے کہ زید کو فوراً رہا کردو ورنہ میں تجھے ہلاک کرڈالوں گا۔"

متوکل کی آنکھ کھلی تو جلدی سے زید مجنون کو قید خانہ سے طلب

کیا اور خلعت وانعام دے کر قید سے رہا کر دیا اور کہا اگر تمہیں کوئی ضرورت و حاجت ہو تو بیان کرو تاکہ میں اُسے پورا کر دوں۔

زید نے کہا کہ میری حاجت تو صرف یہی ہے کہ تو مجھے اجازت دے کہ میں مرقدِ حسینی پر عمارت بناؤں اور زائروں کو زیارتِ حسینؑ سے منع نہ کر۔

متوکل نے اسی خواب کے خوف سے فوراً زید کو اس کی اجازت دے دی اور یہ خوش خوش دربار سے واپس ہو کر شہر بہ شہر ندا دیتے ہوئے پھرنے لگے کہ جو شخص بھی چاہے اب زیارت قبر حسینؑ کو جا سکتا ہے، اُس کے لئے امان ہے اور کسی قسم کی کوئی بازپرس نہ ہو گی۔ یہ واقعہ متوکل کی خلافت کے آخری دور کا ہے۔ اسی ۲۴۷ھ میں منتصر باللہ نے جو اس کا فرزند تھا، متوکل کو حضرت فاطمہ زہراؑ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتے ہوئے سُنا تو اُس نے ایک عالم دین سے فتوی حاصل کیا کہ اس قسم کی گستاخی کرنے والا واجب القتل ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ کہ جو شخص اپنے باپ کو قتل کرتا ہے اس کی عمر بہت ہی مختصر ہوتی ہے۔ پھر وہ زیادہ عمر نہیں پاتا۔ منتصر باللہ نے کہا کہ خدا کی اطاعت کرنے میں درازیِ عمر کی مجھے کوئی خواہش نہیں ہے۔

غرض منتصر نے اپنے باپ متوکل کو قتل کر دیا (یہ واقعہ جلاء العیون میں علامہ مجلسیؒ نے لکھا ہے اور ابو الفضل شیبانی سے نقل کیا ہے۔)

علامہ سیوطی نے بڑی احتیاط اور سیاست سے متوکل کے قتل کا واقعہ لکھا ہے وہ لکھتے ہیں۔

(ترجمہ) متوکل نے اپنے بیٹے منتصر کے لئے لوگوں سے ولیعہدی کی بیعت حاصل کی تھی پھر اس کے بعد اپنے دوسرے فرزند "معتز" کے لئے پھر تیسرے بیٹے "مؤید" کے لئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد بجائے

منتصر کے اپنے دوسرے بیٹے "معتز" کو پہلا ولیعہد بنانا چاہا تو منتصر نے ترکوں کی مدد حاصل کر کے اپنے باپ کو قتل کر ڈالا کیونکہ اس وقت ترک بھی متوکل کے مخالف ہوگئے تھے۔
علامہ سیوطی نے اصلی سبب قتل کو چھپانے کی کوشش کی ہے ہوسکتا ہے کہ اس اصلی سبب کے ساتھ یہ جذبہ بھی کارفرما رہا ہو۔ مؤلف)

غرض اس کے بعد منتصر باللہ نے خلافت کی مسند سنبھالی اور اولاد حضرت ابو طالب پر سے ہر قسم کی پابندی دور کردی اور جو کچھ بھی زحمتیں اور تکلیفیں تھیں وہ سب دفع کر دیں۔ اس نے زائرین امام حسینؑ پر سے بھی تمام پابندیوں کو اٹھا لیا اور اولادِ امامؑ کو "فدک" بھی واپس کر دیا۔

غالباً یہی سبب تھا کہ زید مجنون شہر بہ شہر اور دیار بہ دیار چیختے پھرتے تھے کہ لوگ اب آزادی کے ساتھ زیارتِ امام حسینؑ کو جائیں۔ اب کوئی پابندی نہیں ہے۔

زید نے جو اجازت تعمیر مقبرۂ امام حسینؑ کے لئے حاصل کی تھی اس کا ظہور بھی منتصر ہی کے زمانہ میں ہوا تھا۔ چنانچہ ناسخ التواریخ میں مقاتل الطالبین سے نقل کرکے لکھا گیا ہے محمد بن حسین آشنانی اور ایک مرد عطار کوفہ سے زیارت امام حسینؑ کی غرض سے مخفی طور پر روانہ ہوئے تاکہ متوکل کے جاسوسوں کو خبر نہ ہو۔ (جس زمانہ میں زیارت ممنوع تھی) یہ لوگ "غاضریہ" پہنچے۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ پاسبان سو رہے تھے۔ یہ دونوں قبر مطہر پر پہنچے تو دیکھا کہ صندوقِ قبر کو علیحدہ کر کے جلا دیا گیا ہے اور نہر علقمی کا پانی اس طرف لایا گیا ہے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اطراف قبر مبارک پر کچھ مخصوص نشانات قائم کر دئیے اور کوفہ واپس آ گئے۔ پھر جب ہمیں اس کا علم ہوا کہ متوکل عباسی

قتل کر دیا گیا ہے اور تمام پابندیاں ختم ہو چکی ہیں تو ہم لوگ مع ایک جماعت کے (جن کا نسبی تعلق حضرت ابو طالب سے تھا) نیز کچھ دوسرے معتقدین آلِ محمدؐ کو اپنے ساتھ لے کر کربلا گئے اور اُن ہی نشانات پر جو ہم نے پہلے سے بنا دیئے تھے روضۂ اقدس کی تعمیر کی جیسا کہ وہ اس سے قبل تھا۔

اِن واقعات کے پیش نظر اُس وقت کی تعمیر اسی وجہ سے ہو سکی تھی کہ مُنتصِر باللہ نے قبر اقدس امام حسینؑ سے متعلق تمام پابندیاں اٹھالی تھیں۔ زید مجنونؔ بھی تعمیر کرنے والے گروہ کے ساتھ شریک تھے۔ متوکّل کو شوال ۲۴۷ھ میں قتل کیا گیا تھا اور اس تعمیر کا کام اسی سال یا ۲۴۸ھ میں ہوا تھا۔ کیونکہ مُنتصِر بھی سات ماہ سے زیادہ سلطنت نہ کر سکا۔ اور اس قلیل مدّت کے بعد ہی وفات پا گیا۔

متوکّلِ عبّاسی کے مرنے کے بعد زائرین کا زبردست ہجوم شروع ہو گیا اور شام و حجاز و مصر و ایران وغیرہ سے لوگ پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ پھر اس دور کے بعد وہ زمانہ آگیا کہ عبّاسی خلفاء کو خود اپنی سلطنت کے لالے پڑ گئے۔ اُنھیں پھر اتنی فرصت کہاں تھی کہ مقبرۂ امام حسینؑ کے معاملات کی طرف توجہ کرتے کیونکہ ترکون اور دوسرے قریبی ممالک کی فوجوں نے عبّاسیوں کے چھکّے چھڑا دیئے تھے اور اُن کا خواب و خور حرام ہو گیا تھا اور اس طرح مُستعین باللہ، مُعتز باللہ اور مُعتمد وغیرہ کے ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے تھے۔ خلافتِ عبّاسیہ کی چولیں ہل چکی تھیں بعض خلفاء کو تو ترکوں نے معزول کر دیا تھا۔ اور کچھ کو قتل کر ڈالا تھا اور بعض خلفاء پے در پے جنگوں کی وجہ سے بے حد کمزور ہو گئے تھے۔

لیکن معتضد باللہ العبّاسی (احمد بن طلحۃ الموفّق باللہ بن المتوکّل) متوفی ۲۸۹ھ مطابق ۹۰۲ء، اپنی سیاست اور سخت گیری

اور رعیت پر اپنے سخت دباؤ اور گرفت کی وجہ سے اپنے وقت کا دوسرا "ابوالعباس سفّاح" کہا جاتا تھا مگر ساتھ ہی اُس عہد میں علویّین کی تعداد اسقدر بڑھ گئی تھی کہ خلیفہ معتضد خود اُن سے خائف رہتا تھا۔ یہاں تک کہ "آلِ بُویہ" کی حکومت قائم ہوگئی اور اُس کا عروج ہوگیا۔ یہ سلطنت ایک ایرانی "ابوشجاع بُویہ اور اُسکی اولاد نے قائم کی تھی۔ یہ لوگ اصفہان، شیراز، کرمان اور بغداد وغیرہ پر پوری طرح مسلّط ہوگئے تھے۔ ۳۳۴ھ میں انکی سلطنت کو بڑی طاقت حاصل ہوگئی۔ مُعِزّ الدّولہ دَیلمی (احمد بن بُویہ بن فَنّا خُسرو) اور تمام سلاطین دیالمہ کے زمانہ میں خلفاءِ عبّاسیہ کی کوئی حیثیت باقی نہ رہی تھی۔ اور وہ سب بے حد بے اعتبار ہوکر رہ گئے تھے۔

مُعِزّ الدّولہ (احمد بن بُویہ بن فَنّا خُسرو دَیلمی متوفی ۳۵۶ھ مطابق ۹۶۷ء) امامیہ مسلک کا معتقد تھا اور کہتا تھا کہ خلافت ساداتِ بنی فاطمہؑ کا حق ہے۔

تاریخ الخلفاء میں علامہ سیوطی نے "مطیع للہ"، خلیفہ عبّاسی کے تذکرہ میں ۳۵۱ھ کے ذیل میں لکھا ہے:۔ وَفِي سَنَةِ إِحْدَىٰ وَخَمْسِينَ وَثَلَٰثِمِائَةٍ كَتَبَ الشِّيعَةُ بِبَغْدَادَ الخ (ترجمہ) یعنی ۳۵۱ھ میں شیعیانِ علیؑ نے شہر بغداد کی مسجدوں کے دروازوں پر معاویہ اور غاصبانِ حقوقِ حضرت فاطمہؑ بنتِ رسولؐ اور اسی طرح جن لوگوں نے امام حسنؑ کی میّت کو پہلوئے رسالتمآبؐ میں دفن نہ ہونے دیا نیز جن لوگوں نے حضرت ابوذر صحابی رسولؐ کو شہر بدر کیا، ان سب کے خلاف انتہائی سخت سبّ و شتم کے الفاظ لکھے تھے۔ مگر جب رات ہو جاتی تھی تو کچھ لوگ ان الفاظ کو مٹا دیا کرتے تھے۔ مُعِزّ الدّولہ نے چاہا کہ ان جملوں کو دوبارہ لکھا جائے اس پر اُس کے وزیر نے مشورہ دیا کہ ان الفاظ کی جگہ صرف یہ لکھدیا جائے کہ "اللہ آل

رسول اللہ پر ظلم و ستم کرنے والوں پر لعنت کرے۔ کسی کا نام نہیں لکھا
گیا سوائے معاویہ بن ابی سفیان، کہ اُن کا نام پوری صراحت اور
وضاحت کے ساتھ لکھا گیا۔

پھر ۳۵۲ھ کے یوم عاشوراء کے موقع پر "معز الدولہ" نے
لوگوں کو حکم دیا کہ اس روز تمام بازاریں بند رہیں، کسی قسم کا تجارتی
لین دین اور کاروبار نہ کیا جائے، تنور خانے اور ہوٹل وغیرہ
بھی بند رہیں اور تمام سڑکوں پر جا بجا خیمے نصب کر دیئے جائیں
اور اُن پر بالوں سے بنی ہوئی چادریں ڈالدی جائیں اور پردہ پوش
عورتیں پردہ کے پورے لوازم کے ساتھ جلوس کی شکل میں
عام شاہراہوں پر غم حسین میں نوحہ و ماتم کریں اور عزائے امام
حسین کا پورا اور شایان شان انتظام کیا جائے۔

تاریخ کا یہ پہلا دن تھا جب بغداد کی شاہراہوں اور ہر گلی کوچوں
میں عام طور پر امام حسین کے غم میں ماتمی جلوس نکالے گئے اور
سڑکوں پر جلوس کی صورت میں ماتم برپا کیا گیا۔ اسی طرح ۱۸ ذی الحجہ
کو معز الدولہ کے حکم سے اعلان ولایت حضرت امیر المؤمنین
کے سلسلہ میں خوشیاں منائی جاتی رہیں۔

بہرحال چوتھی صدی ہجری میں روضوں کو تعمیر شروع ہوئی
اور شیعہ سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ سلاطین آل بویہ، معز الدولہ
عضد الدولہ، رکن الدولہ نے روضوں کی عالیشان عمارتیں بنوائیں
آل بویہ کے سلاطین کی قبریں روضۂ اقدس امام حسین کے
مشرقی دروازے کے چھوٹے صحن میں برآمد ہوئی ہیں۔ ان قبروں
کے پتھروں پر جو کتبے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں
کی میتیں اپنے اپنے مقامات سے یہاں لاکر دفن کی گئی تھیں۔

کتاب "حبیب السیر" میں ہے: "عضد الدولہ نے ۳۶۸ھ
میں بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرائیں ان عمارتوں میں سے ایک عمارت

وہی ہے جو نجف اشرف میں روضۂ اطہر حضرت امیر المومنین کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں :۔ عضد الدولہ کا مدفن نجف اشرف ایں ہے، روضۂ امیر المومنین میں پائین پا کی طرف پھر انھوں نے بہاء الدولہ نبیرہ عضد الدولہ کا حال نقل کیا ہے اور لکھا ہے :۔ امراء و سلاطین دیلم نے ان کی میت کو نجف اشرف میں پہنچایا اور وہیں دفن کر دیا۔ حالانکہ اب ان سب بادشاہوں اور سلاطین کی قبریں کربلائے معلیٰ میں دستیاب ہو گئی ہیں۔ یہ بات نظرِ عبرت سے دیکھنے کی ہے کہ لشکرِ یزید کے مقتولوں کی قبروں کا کربلا میں کہیں نام و نشان تک موجود نہیں رہا۔ اور اقربا و انصار و اصحاب امام حسین علیہ السلام اور خود امام مظلوم کی قبور کے نشانات سعی و کوشش کے باوجود کسی طرح محو نہ ہو سکے۔ اور آج تک مرجعِ خلائق بنے ہوئے ہیں۔

(اس کے بعد مزید حالاتِ کربلا ہم اپنی دوسری کسی جلد میں لکھیں گے جہاں کربلا کی آبادی وغیرہ سے بحث کی جائیگی۔ مؤلف)

بہلول دانا اور زید مجنون

یہاں ہم ان دونوں شخصیتوں پر مختصر طور پر تبصرہ کرنا چاہتے ہیں :۔

"بہلول بن عمرو کوفی ،، خاص اور مخلص محبان آلِ محمدؐ میں سے تھے لیکن "تقیتاً ،، یعنی جان و مال اور عزت آبرو کی حفاظت کی خاطر اپنے آپ کو "مجنون ،، بنا رکھا تھا۔ ان کی پیدائش کا سال معلوم نہیں ہو سکا لیکن وفات ۱۹۰ھ مطابق ۸۰۶ء میں ہوئی۔ یہ کوفہ میں پیدا ہوئے اور وہیں بڑھے پلے تھے۔ بغداد میں ان کا مدفن ہے۔ ان کے تفصیلی واقعات روضات الجنات مولفہ میرزا محمد باقر خوانساری اصفہانی صفحہ ۱۳۷ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

ان کے والد "عمرو"، خلیفہ ہارون الرشید کے چچا تھے۔ اس بنا پر یہ خلیفہ کے چچازاد بھائی تھے۔ بہلول بن عمرو، امام جعفر صادق کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور تمام ادبی و فقہی فنون میں بلند درجہ کے مالک اور بے حد عقلمند اور بڑے محقق تھے، ان کی قابلیت کے معترف عام اہل اسلام بھی تھے نیز حکومت میں بھی بڑی عزت رکھتے تھے۔ قابلیت اتنی تھی کہ اس عہد کے مفتیوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ لیکن خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے جب بھی کوئی فتویٰ دیا تو ہمیشہ حق کے مطابق اور احکام اہلبیتؑ رسولؐ کے تحت دیا۔ اس بنا پر یہ انتہائی "دانا"، یعنی عقلمند تھے مگر اپنے آپ کو دشمنوں کے خوف سے "مجنون"، بنا رکھا تھا۔ تو مجنون مشہور ہو گئے تاکہ "مجنون"، ہونے کی وجہ سے ان کے کسی قول و فعل پر بازپرس نہ کی جاسکے۔ ھارون الرشید نے بہت چاہا کہ انھیں بغداد کا قاضی بنا دیا جائے مگر انھوں نے کسی صورت سے بھی یہ عہدہ قبول نہ کیا اور کہا: میں دیوانہ ہوں نہ معلوم کیا حکم دے دوں اس لئے میں اس عہدہ کو قبول نہیں کرسکتا اور اس طرح اس اہم خطرہ سے چھٹکارا حاصل کرلیا۔

ابوحنیفہ (نعمان بن ثابت) سے ان کے علمی مناظرے مشہور ہیں۔ انھوں نے ابوجعفر المنصور العباسی (عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب) کی خلافت کا دور بھی دیکھا جنکی وفات ۱۵۸ھ میں ہوئی تھی اور ہارون الرشید بن محمد المہدی بن ابی جعفر المنصور کا بھی دور خلافت دیکھا تھا۔ ہارون الرشید ابوجعفر المنصور (ابوالعباس سفاح کا بھائی) کا پوتا اور محمد المہدی کا فرزند تھا۔

ھارون الرشید کی ولادت ۱۴۹ھ میں اور وفات ۱۹۳ھ میں ہوئی تھی۔

ابو حنیفہ (نعمان بن ثابت) کا انتقال ۱۵۰ھ میں اور امام جعفر صادق کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی تھی۔

بہلول کے علمی مناظرے ابو حنیفہ کے ساتھ ظاہر ہے کہ ۱۵۰ھ سے قبل ہی ہوئے ہوں گے اس لئے صاحب "روضات الجنات" علامہ محمد باقر اصفہانی اور دوسرے علماء نے "ابو حنیفہ" سے ان کے ایک مناظرہ میں ہارون الرشید کا اس طرح حوالہ دیا ہے کہ بہلول نے ابو حنیفہ کو اپنے شاگردوں سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت جعفرؑ صادق کی تین باتیں غلط اور ناقابل قبول ہیں (یاد رہے کہ ابو حنیفہ حضرت امام جعفرؑ صادق سے تلمذ کا شرف بھی رکھتے تھے) ایک یہ کہ شیطان جہنم کی آگ میں جلایا جائیگا۔ دوسرے یہ کہ بندے اپنے افعال میں بااختیار ہیں مجبور نہیں اور تیسری بات یہ کہ خدا دکھائی نہیں دے سکتا۔ یہ سنتے ہی بہلول نے اپنے پاگل پن میں ایک مٹی کا مضبوط ڈھیلا اٹھاکر ابو حنیفہ کی طرف زور سے مارا جو اُن کے سر پر پڑا۔ چونکہ خلیفۂ وقت سے انکی رشتہ داری تھی اس لئے وہ یا اُن کے شاگرد انھیں سزا تو نہ دے سکے مگر سیدھے دربار خلافت میں پہنچے (بقول علامہ خوانساری وغیرہ کے) اور ہارون الرشید سے شکایت کی۔ اُس نے بہلول کو بلوایا اور اس حرکت کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے کچھ پاگل پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ڈھیلا نہیں مارا۔ ابو حنیفہ اور اُن کے شاگردوں نے کہا یہ جھوٹے ہیں یقیناً ان ہی نے مارا۔ انھوں نے جواب دیا کہ تم تو کہتے ہو کہ بندہ مجبور ہے جو کچھ بھی کرتا ہے وہ خدا کرتا ہے پھر درد کدھر ہے، دکھاؤ ورنہ تم جھوٹے ہو۔ ابو حنیفہ نے کہا:- عجیب پاگل آدمی ہو! درد بھی کہیں دکھایا جاسکتا ہے! انھوں نے کہا کہ تم کہتے ہو کہ جو چیز بھی موجود ہوگی وہ ضرور دیکھی جاسکتی ہے اس لئے خدا کا دیکھنا بھی ممکن ہے

تو پھر اپنے درد کو بھی دکھا دو۔ اور تیسری بات یہ کہ ڈھیلا تو مٹی کا تھا اور یہ بھی تم، تو مٹی سے تم بھی پیدا ہوئے ہو، پھر مٹی سے تمھیں تکلیف کیوں پہنچی کیونکہ تم تو کہتے ہو کہ شیطان آگ سے بنا ہے اس لئے جہنم کی آگ اس پر اثر نہیں کر سکتی۔

خلیفہ یہ جوابات سُنکر مسکرا دیئے اور ابو حنیفہ اور اُن کے شاگرد بے بس نظر آنے لگے۔

اس سلسلہ میں یہ بات قطعی طور پر غلط ہے کہ یہ یا اس قسم کے دوسرے واقعات اور مناظرے جو ابو حنیفہ کے ساتھ بہلول کے ہوئے وہ عہد ہارون الرشید میں ہوئے تھے کیونکہ ابو حنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہو گئی تھی جب ہارون الرشید دودھ پیتے تھے اور گود میں تھے اور امام جعفر صادق کی وفات اس کے دو سال قبل یعنی ۱۴۸ھ میں ہو چکی تھی تو یقیناً یہ مناظرے عہد ابو جعفر المنصور میں ہوئے تھے جن کی وفات ۱۵۸ھ میں ہوئی۔ محدثین اور سیرت نگاروں نے اس جگہ بغیر تحقیق کئے ہارون الرشید کا نام لکھدیا ہے جو کسی طرح درایت و تحقیق کی رو سے درست نہیں ہو سکتا۔

دوسرا امر یہ ہے کہ متوکل عباسی کی ولادت ۲۰۶ھ میں ہوئی تھی اور جیسا کہ "الاعلام للزرکلی" وغیرہ میں ہے کہ بہلول کی وفات ۱۹۰ھ میں ہو چکی تھی اس لئے علامہ مجلسی رح نے بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۹۵ پر یہ جو روایت لکھی ہے:-

وَرَوَی جَمَاعَۃٌ مِنَ الثِّقَاتِ الخ (ترجمہ) قابل وثوق و اعتماد لوگوں کی ایک جماعت نے روایت بیان کی۔ ہے کہ جب متوکل عباسی نے قبر امام حسین کو کھودنے کا حکم دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ نہر علقمی کا پانی قبر کی طرف بہا کر اس کے نشان کو محو کر دیا جائے تو یہ خبر سُنکر "زید مجنون" اور بہلول

مجنون کربلا میں آئے اور دیکھا کہ قبر اقدس قدرتِ خدا سے ہوا میں معلق ہے تو زید نے فوراً اس آیت کی تلاوت کی۔

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِہِمْ ط وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (سورۃ الصّف ۶۱/۸)

یہ لوگ اپنے منھ سے پھونک مار کر اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو تمام اور کامل کر کے رہے گا۔ اگرچہ کافر اسے پسند نہ کریں"۔

واقعہ یہ تھا کہ کسان نے سترہ ۱۷ بار قبر پر زراعت کرنے کے لئے کھیتی لگائی اور زمین کو گوڑ ڈالا مگر جب بھی وہ صبح کو دیکھتا تھا تو قبرِ مبارک اپنی اصلی حالت میں ملتی تھی۔ آخر اس نے بیلوں کو کھولدیا اور زراعت کا کام بند کر دیا۔

(اس روایت میں فقط اسقدر بتایا گیا ہے کہ زید مجنون کیساتھ آنے والے بھلول مجنون بھی تھے حالانکہ عام طور پر مورخوں نے بھلول کا سال وفات ۱۹۰ھ لکھا ہے جبکہ متوکل پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ تو اس میں تین ۳ ہی صورتیں ممکن ہیں۔

(۱) لکھنے والوں نے اس کو بغیر تحقیق کے لکھدیا۔ اور یہ نہ دیکھا کہ حساب کے لحاظ سے یہ درست نہیں ہو سکتا۔

(۲) یہ کوئی دوسرے بھلول ہوں گے۔

(۳) ان کی تاریخ وفات کو مورخوں نے غلط لکھا ہے۔

علامہ مجلسیؒ کی روایت میں جیسا کہ ہم نے لکھا ہے اس کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے کہ زید مجنون اور بھلول مجنون جب کربلا آئے تھے تو کہاں سے آئے تھے لیکن "ساد مناتُ الجنات" میں خوانساری نے صفحہ ۱۴۰ پر کسی قدر تفصیل لکھی ہے وہ لکھتے ہیں۔

وَفِی مُنْتَخَبِ الطُّرَیْحِی وَغَیْرِہٖ الخ (ترجمہ) منتخب طریحی وغیرہ میں ایسی روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بھلولِ مجنون

متوکل عباسی کے عہد تک باقی رہے تھے۔ چنانچہ جب متوکل نے قبر امام حسینؑ کو کھودنے کا اور اُس پر نہر کا پانی جاری کرنے کا حکم دے دیا تھا تاکہ قبر کا نشان محو ہو جائے تو یہ خبر ایک مردِ مومن کو جن کو زید مجنون کہا جاتا تھا پہنچی (حالانکہ وہ بھی بڑے عالم اور عابد و زاہد تھے مگر مصلحت کے پیشِ نظر مجنون بن گئے تھے)۔ زید مجنون اُس وقت مصر میں تھے پس یہ خبر سُنتے ہی زید مصر سے ننگے پیر اور ننگے سر روتے پیٹتے ہوئے کوفہ آئے جہاں ان کی بہلول مجنون سے ملاقات ہوئی۔ زید نے یہ خبر انھیں بھی سُنائی بالآخر یہ دونوں کوفہ سے روانہ ہو کر کربلا پہنچے تو دیکھا کہ قبرِ مبارک اپنی اصلی حالت میں ہے مگر اس کی بنیادیں کھود ڈالی گئی ہیں۔ اور اس کی بھرپور کوشش ہے کہ نہر علقمی کے پانی کا رُخ قبر کی طرف موڑ دیا جائے اور قبر کے سب آثار فنا ہو جائیں مگر پانی یا تو زمین میں غائب ہو جاتا ہے اور قبر تک نہیں جاتا اور کبھی چاروں طرف قبر کے گرد گھومنے لگتا ہے اور حدود "حائر" کے اندر داخل نہیں ہوتا۔

اس سلسلہ میں بھی ہماری وہی تفصیل پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ یہ بہلول مجنون کوئی دوسرے شخص تھے اور اصلی بہلول کے ہمنام تھے یا مورخوں نے سالِ وفات اِن کا غلط لکھا ہے بلکہ یہ عہدِ متوکل اور اُس کی تخت نشینی یعنی ۲۳۲ھ کے بعد تک زندہ رہے تھے، یا یہ کہ اس بات پر غور و تحقیق سے کام ہی نہیں لیا گیا۔

(اس روایت سے جو اوپر نقل کی گئی معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے آنے والے زید مجنون تھے اور بہلول کوفہ میں تھے)

امام حسینؑ کے وُرودِ کربلا پر مزید تبصرہ

اب ہم امام حسینؑ کے ورودِ کربلا پر کچھ مزید تبصرہ کرتے ہیں اور کچھ واقعات تحریر کر کے اپنی اس پہلی جلد

کو تمام کر دیں گے۔ روزِ عاشورا اور اُس سے قبل کے حالات نیز شہداء کرام کی شجاعت و بہادری اور عزم و استقلال اور میدانِ جنگ کے تمام تفصیلات ہماری دوسری جلد میں دیکھئے گا۔
غرض امام حسینؑ دوسری محرم الحرام ۶۱ھ کو سرزمینِ کربلاء میں تشریف لے آئے تھے۔

امامؑ عالی مقام کے ورود کربلاء کے دن اور تاریخ پر ہم اس سے قبل بھی روشنی ڈال چکے ہیں اور اب دوبارہ بھی لکھیں گے۔ غرض جب آپ کربلاء کے قریب پہنچے تو آپ کا گھوڑا خود بخود ٹھہر گیا اور کوشش کے باوجود آگے نہ بڑھا یہاں تک کہ آپ نے چھ گھوڑے بدلے (ہم نے آٹھ گھوڑوں تک کی روایت بھی اس سے قبل لکھی ہے) مگر کوئی گھوڑا آگے نہ بڑھا آپ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس زمین کا نام کیا ہے؟ اصحاب نے عرض کی:۔ حضور! اس زمین کا نام دریافت نہ کریں اور یہاں سے کسی نہ کسی طرح آگے روانہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے میرے انصار باوفا! میں تمھیں اللہ اور رسولؐ کی قسم دیتا ہوں کہ تم مجھے اس مقام کا نام بتا دو۔ یہ سُنکر لوگوں نے عرض کی اس زمین کا نام "نینویٰ" ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کوئی اور نام بھی ہے عرض کیا گیا اسے "شاطئ الفرات" بھی کہتے ہیں۔ آپ نے پھر دریافت کیا۔ کوئی اور نام! لوگوں نے عرض کی، اسے زمین "کربلاء" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سُنتے ہی "تَنَفَّسَ الصُّعَدَاءَ" امامؑ عالی مقام نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "وَبَکٰی بُکَاءً شَدِیْدًا" اور بہت شدت سے روئے۔ پھر فرمایا۔ ایک مٹھی خاک اس زمین کی مجھے دیدو امام حسین نے مٹی کو ہاتھ میں لیا اور ساتھ ہی اپنی جیب سے بھی کچھ مٹی نکالی اور دونوں کو ملا کر دیکھا تو دونوں ایک ہی طرح کی تھیں۔ اپنی جیب کی خاک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ وہ خاک ہے کہ جس شب کو میری ولادت ہوئی تھی، اسی شب میں جبرئیلؑ

امین میرے جدِ رسول اللہؐ کے پاس یہ مٹی لے کر آئے تھے اور ان کی خدمت میں عرض کی تھی۔ یا رسول اللہؐ! یہ اُس جگہ کی خاک ہے جہاں آپ کے اس نواسے کی قبر بنے گی۔ خُدا کی قسم یہی زمین ہے جس کا ذکر جبرئیلؑ نے میرے نانا سے کیا تھا کیونکہ یہاں کی مٹی میں اور اس مٹی میں جو فرشتہ لایا تھا کوئی بھی تو فرق نہیں ہے۔

یہ فرما کر تمام سواریوں کو ٹھہرنے اور رُفقا کو وہیں اُترنے کا حکم دیدیا اور ساتھ ہی حرؑ نے بھی اسی مقام پر اپنی فوج اُتار دی۔

جہاں تک اس شبہ کا تعلق ہے کہ گھوڑوں نے زمین کربلا کو کیونکر پہچان لیا اور کیوں آگے نہ بڑھے تو اس شک و شبہ کو رسول اللہؐ کی ناقہ "قصوا" کے واقعہ کو سامنے رکھکر دور کیا جا سکتا ہے جس پر "قبا" سے سوار ہو کر حضورؐ انور مدینہ میں تشریف لائے تھے اور حکم دیا تھا کہ اس ناقہ کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ یہ ناقہ اسی مقام پر ٹھہرے گا جہاں ٹھہرنے کا اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔ اور وہی میری بھی منزل ہو گی چنانچہ وہ ناقہ سب سے پہلے مسجد بنی سالم کے پاس ٹھہرا جبکہ ظہر کا وقت، اور زوال ہو چکا تھا وہیں آپ نے پہلی مرتبہ نماز جمعہ پڑھائی۔ نماز کے بعد ناقہ پر سوار ہوئے جو کچھ دور چل کر ابو ایوب انصاری کے مکان پر ٹھہر گیا جو آپ کے ننھیالی رشتہ دار تھے اور اُن ہی کے مکان میں آپ نے سات ماہ تک قیام فرمایا بہرحال جس طرح ناقۂ رسول اللہؐ اپنے ٹھہرنے کی صحیح جگہ بہ الہامِ خداوندی جانتا تھا اسی طرح امام حسینؑ کی سواری کا خاص گھوڑا "مرتجز"، جو حقیقتہً خود رسول اللہؐ کی سواری کا گھوڑا تھا، اپنی منزل جانتا تھا اور اسی طرح دوسرے گھوڑے جنھیں امامِ عالی مقام نے بار بار بدلا تھا۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رہنا چاہیئے کہ قرآنِ پاک میں جابجا اس کا ذکر ہے کہ اللہ شہد کی مکھی اور چیونٹی کو بھی الہام

فرماتا ہے اور اپنے حکم سے باطنی طور پر مطلع فرما دیتا ہے تو ان گھوڑوں کو بھی اسی قسم کے الہام کے ذریعہ زمینِ کربلا کی معرفت اور مقتل حسین بن علیؑ کی شناخت کی صلاحیت عطا فرما دی ہوگی۔ (مؤلف "منتخب طریحی" میں اس طرح ہے: "قِفُوا وَلَا تَبْرَحُوا فَهَاهُنَا وَاللّٰهِ مُنَاخُ رِكَابِنَا وَهَاهُنَا وَاللّٰهِ سَفْكُ دِمَائِنَا وَهَاهُنَا وَاللّٰهِ تُذْبَحُ اَطْفَالُنَا وَهَاهُنَا وَاللّٰهِ تُسْبٰى حَرِيْمُنَا"۔ بس اب یہیں ٹھہر جاؤ۔ آگے نہ بڑھو! اللہ کی قسم یہی ہماری سواریوں کے اترنے کی منزل ہے! یہی وہ مقام ہے جہاں ہمارے خون بہائے جائیں گے، ہمارے بچے ذبح کئے جائیں گے اور ہمارے اہلحرم اسیر کئے جائیں گے۔ " وَهَاهُنَا وَاللّٰهِ مَحَلُّ قُبُوْرِنَا وَهَاهُنَا وَاللّٰهِ مَحْشَرُنَا وَمَنْشَرُنَا وَهَاهُنَا وَعَدَنِیْ جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَا خُلْفَ لِقَوْلِهٖ ثُمَّ نَزَلَ عَنْ فَرَسِهٖ"۔ اللہ کی قسم یہی وہ مقام ہے جہاں ہماری قبریں ہوں گی اور یہیں سے ہم روز حشر اٹھائے جائیں گے اور ہم داور محشر کے سامنے حاضر کئے جائیں گے اور میرے نانا نے اسی جگہ کا مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور ان کے وعدہ میں کوئی غلطی ممکن نہیں ہو سکتی۔ یہ سب کچھ فرما کر گھوڑے سے اتر پڑے۔ ساتھ ہی تمام اہلحرم اور ساتھیوں کو بھی اترنے کا حکم دے دیا۔ خیمے لگائے گئے، زمین کو ہموار کیا گیا اور تمام ضروری انتظامات کی تکمیل ہوئی۔

ابو مخنف لکھتا ہے کہ جب امام حسینؑ کربلا پہنچ گئے تو عبید اللہ بن زیاد گورنر نے آپ کے نام فوراً ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ "اَنَّ یَزِیْدَ قَدْ اَرْسَلَ اِلَیَّ اَنْ لَا تَشْبَعَ بِالْفَطِیْرِ وَلَا تَوَسَّدَ بِالْوَتِیْرِ حَتّٰی اُلْحِقَكَ بِاللَّطِیْفِ الْخَبِیْرِ اَوْ تَرْجِعَ اِلٰی حُكْمِیْ وَحُكْمِ الْاَمِیْرِ"

یزید نے مجھے لکھا ہے کہ میں اس وقت تک نرم اور تازہ

نہ کھاؤں اور نرم و نازک تکیہ پر سر نہ رکھوں جب تک آپ کو لطیف و خبیر اللہ سے نہ ملا دوں (یعنی آپ کو قتل نہ کر دوں) یا پھر آپ میری اور یزید کی اطاعت قبول کر لیں۔

فَمَزَّقَ الْحُسَیْنُ وَرَمَاهُ عَلَی الْاَرْضِ "یہ مضمون پڑھکر امامؑ نے اس خط کو پھاڑ ڈالا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین پر پھینک دیا۔ ابن زیاد کے قاصد نے عرض کی۔ اس خط کا جواب عنایت کیجئے گا؟ آپ نے فرمایا۔ ان لوگوں کے لئے خدا کا عذاب مقرر ہو چکا ہے یہ لائق جواب نہیں ہیں۔

"مناقب" میں علامہ ابن شہر آشوبؒ نے اور دوسرے مصنفین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

امام حسین علیہ السّلام بدھ یا جمعرات کو کربلاء پہنچ گئے تھے اور وہ محرم ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی (ہم اس سے قبل بھی "تاریخ وُرود امام حسین در کربلاء" پر بحث کر چکے ہیں۔)

علامہ شیخ بہاءالدینؒ نے "کشکول" میں محمد بن احمد قمیؒ کی کتاب "الزیارات" سے نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ جب سرزمین کربلاء میں تشریف لائے تو اسی وقت آپ نے "قریہ نینوی کے رہنے والوں کو اور اہل غاضریہ کو طلب کیا جو اس خطّہ کے زمیندار اور اس زمین کے مالک تھے۔ جب وہ سب کے سب حاضر ہو گئے تو آپ نے فرمایا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمہاری اس زمین پر قیام کریں اور یہیں رہنے لگیں اس لئے کہ یہ جگہ ہمیں بہت پسند ہے۔ اگر تم لوگ اس زمین کو ہمارے ہاتھ فروخت کر ڈالو تو یہ بات ہماری خوشنودی اور مسرت کا باعث ہوگی۔ یہ سُنکر انھوں نے دست بستہ عرض کی کہ یا بن رسول اللہ ہماری جانیں آپ پر قربان ہو جائیں لیکن ایک بات کہنے کی اجازت عطا ہو وہ یہ کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے سُنا ہے کہ جب حضرت آدمؑ و نوحؑ

دابراہیمؑ اور جو کوئی نبی یا وصی اس سرزمین پر آیا تو وہ ضرور کسی نہ کسی مصیبت اور بلا میں مبتلا ہو گیا۔ اس لئے ہماری استدعا ہے کہ حضور اس زمین پر رہنے کا ارادہ نہ فرمائیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ جب سے خدا نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا ہے اسی دن سے اس صحرا کو ہمارا مسکن مقرر کر دیا ہے۔ اس بناء پر یہ بات کیونکر ہو سکتی ہے کہ ہم اس سرزمین کو اپنا مسکن نہ بنائیں۔

اس گفتگو کے بعد فرزند رسولؐ نے یہ زمین چار میل کے رقبہ پر مشتمل خریدلی جو برکت و شفا سے بھری ہوئی ہے اور اس کی قیمت ساٹھ ہزار درہم ادا کر دی۔

ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهَا عَلَيْهِمْ مُشْتَرِطِيْنَ الخ (ترجمہ) خریداری مکمل ہو جانے کے بعد آپ نے وہ پوری زمین اُن ہی لوگوں کو دو شرطوں کے ساتھ ھبہ کر دی۔ ایک شرط یہ تھی کہ ہماری قبروں پر تم لوگ زراعت نہ کرنا تاکہ قبروں کا نشان نہ مٹنے پائے اور دوسری شرط یہ کہ جب کوئی مومن ہماری قبر کی زیارت کے لئے آئے تو اس کو تین روز تک مہمان رکھنا تاکہ اسے زحمتِ سفر سے آرام و راحت مل سکے۔ غاضریہ اور نینوی کے لوگ ان شرطوں پر راضی ہو گئے اور روتے ہوئے اپنی بستیوں کی طرف چلے گئے۔

یہ واقعہ دوسری محرم سنہ ۶۱ھ کا ہے جس روز امام عالی مقام کربلاء پہنچ گئے تھے۔ غرض امام عالی مقامؑ نے زمینِ کربلاء چار مربع میل تک خریدلی اور پھر وہاں کے باشندوں کو ھبہ کر دی۔

اپنے مدفن کی زمین خریدنا انبیاءؑ و مرسلینؑ اور ائمہؑ کرام کا طریقہ رہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنی قبر کے لئے اور اپنے گھر والوں کی قبروں کے لئے فلسطین میں قریہ "حبرون" کی ایک زمین خریدی تھی جو بیت المقدس کے خطہ میں واقع ہے اور اسی جگہ

اُن کی قبر اقدس اور حضرت سارۃ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی قبور ہیں۔ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد النبیؐ کیلئے جو دو یتیموں سے زمین خریدی تھی اُسی جگہ آنحضرتؐ کی قبر اقدس ہے۔ حضرت امیر المؤمنینؑ نے اطراف کوفہ میں جو زمین خریدی تھی اسی میں آپ کا مدفن ہے۔ جو جگہ اب "نجف اشرف" کہلاتی ہے۔

زیادہ تر مصنّفین نے کربلاء میں امام حسینؑ کے وُرود کا دن پنجشنبہ لکھا ہے اور دوسری محرّم الحرام سنہ ۶۱ھ جو ۲ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء کے مطابق تھی۔ عراق میں اکتوبر کا مہینہ بے حد گرم ہوا کرتا ہے۔

کتاب "امالی" میں عبد اللہ بن عبّاس سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ جنگ صفّین کی مہم پر روانہ ہوئے تو میں اُن کے ہمراہ تھا راستہ میں آپ کا گزر شطِ فرات پر "نینوی" کی طرف سے ہوا تو مجھسے فرمانے لگے۔ اے ابن عباس! کیا تم اس جگہ کو پہچانتے ہو؟ میں نے عرض کی۔ حضور! میں اس مقام سے واقفیت نہیں رکھتا۔ آپ فرمائیں یہ کونسی جگہ ہے؟ فرمایا کہ اگر تم اس زمین کو میری طرح پہچانتے تو میری طرح یہاں سے بغیر روئے نہ گزرتے اور اسیطرح گریۂ و بکا کرتے جس طرح میں کر رہا ہوں۔ یہ کہہ کر دیر تک روتے رہے یہاں تک کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی اور سینہ پر بھی آنسو بہنے لگے اور بار بار فرماتے تھے اے ابو عبد اللہ الحسینؑ صبر کرنا۔ اس لئے کہ تمھارے باپ کو بھی وہی تکلیفیں دی گئی ہیں جو تمھیں پہنچائی جائیں گی۔ پھر نماز پڑھ کر آپ کی آنکھ لگ گئی جب بیدار ہوئے تو مجھ سے فرمایا۔ اے ابن عباس! میں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ اس صحرا میں سفید علم لئے ہوئے اُترے ہیں پھر انھوں نے اس زمین کے گرد ایک خط کھینچا ہے اس کے بعد میں نے دیکھا کہ یہاں کچھ درخت بھی ہیں جنکی شاخیں جھک گئی ہیں اور پوری زمین خون سے بھر گئی ہے۔ پھر

میں نے اپنے پارۂ جگر حسینؑ کو دیکھا کہ وہ خون کے اس دریا میں ڈوب رہا ہے اور اپنی نصرت کے لئے لوگوں کو بلاتا ہے مگر کوئی اس کی فریاد پر نہیں آتا۔

جو لوگ سفید علم لئے ہوئے تھے وہ میرے حسینؑ سے کہتے ہیں:-

اے فرزند رسولؐ صبر کیجئے! بدترین خلق کے ہاتھوں آپ شہید کئے جائیں گے۔ پھر وہ لوگ میرے حسینؑ کا مجھے پرسا دینے لگے۔

"ثمرات الاعواد ج ا۔ صفحہ ۱۳۸" پر سانحۂ کربلا کے ابتدائی حالات کے ضمن میں لکھا ہے:-

جب امام حسینؑ کربلا میں تشریف لے آئے تو حُر کا لشکر بھی آپ کے ساتھ ہی آگیا۔

اسی موقع پر دُور سے ایک گھوڑے سوار کو لوگوں نے دیکھا جس کا رُخ اسی طرف تھا وہ سوار پوری طرح مسلح تھا دونوں لشکر اس کا انتظار کرنے لگے مگر جب وہ قریب آگیا تو اُس نے امام حسینؑ کی طرف سے رُخ پھیر لیا اور حُر کو ابن زیاد کا خط دیا (اس خط کا ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں مگر مؤلف "ثمرات" نے اس کا ذکر ورود کربلاء کے بعد کیا ہے) اس کے بعد زھیر بن القین کی جوشیلی گفتگو بھی نقل کی ہے جسے ہم لکھ چکے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب عبیداللہ بن زیاد کو اس کا علم ہوگیا کہ امام حسینؑ کربلا پہنچ گئے ہیں اور وہیں ٹھہرے ہوئے ہیں تو فوراً مسجد کوفہ میں ایک بڑے مجمع کے سامنے منبر پر گیا اور تقریر شروع کی۔ ساتھ ہی اس کا اعلان عام بھی کر دیا کہ حسین بن علیؑ سے جنگ کے لئے تم سب کے سب روانہ ہو جاؤ۔ پھر تمام رؤساء قبائل، فوجی سرداروں اور سپاہیوں کو بلا کر بڑے بڑے انعامات تقسیم کئے اور آئندہ بھی عطیات کے خوب وعدے کئے۔

اُس وقت لشکر کی تعداد ستّر ہزار تھی۔ جب یہ پہلا لشکر تیار ہو گیا تو ابن زیاد نے اس لشکر کا امیر مقرر کرنے پہ غور کیا۔ جس کے بعد اُس نے عمر بن سعد بن ابی وقّاص کو طلب کیا اور کہا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ تجھے اس لشکر کی سرداری عطا کر دوں اور تو حسینؑ بن علیؑ کو قتل کرے۔ اور اس کارِ نمایاں کے عوض تجھے مملکت "رے" کی حکومت عطا کی جائے۔

عمر بن سعد نے کہا۔ اے امیر مجھے اتنا موقع دے کہ میں اس معاملہ پر غور کر لوں۔ یہ کہکر وہ اپنے گھر واپس آیا اور غور کرنے لگا آخر اُس نے ایک شخص کو بُلایا جس کا نام "کامل" تھا اور وہ اُس کے والد سعد بن ابی وقّاص کا دوست تھا اور اُس سے اس مسئلہ میں مشورہ کیا۔ "کامل" نے کہا:۔ اے عمر بن سعد تجھ پر خدا کی پھٹکار ہو! تو فرزندِ رسول اللہؐ اور جگر بندِ فاطمہؑ زہراؑ کو قتل کرنا چاہتا ہے! تجھ پر، تیری سرداری اور تیرے ارادہ پر خُدا کی لعنت ہو! کیا تو نے اسلام چھوڑ دیا ہے اور اس دین پر اب باقی نہیں ہے جو رسول اللہؐ لائے ہیں؟ کیا تجھے اس کا احساس نہیں کہ تو کس شخصیّت کے خلاف جنگ کر رہا ہے اور کس سے برسرِ پیکار ہونا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم! اگر مجھے دُنیا کی ساری دولت اور اقتدار مِل رہا ہو اور مجھ سے یہ کہا جائے کہ میں کسی ایک مسلمان اور اُمّتِ محمّدیؐ کے کسی عام فرد کو قتل کر دوں تو میں کبھی ہرگز ایسا نہ کروں گا۔ اور تو یہ سوچ رہا ہے کہ سرورِ کائنات کے باغ کے پھول کو توڑ ڈالے اور اُن کے نواسے کو قتل کرے! اس کے بعد جب تو قیامت کے دن خاتم الانبیاءؐ کی خدمتِ اقدس میں جائے گا اور وہ تجھ سے سوال کریں گے تو اُس وقت اُنھیں تو کیا جواب دے گا۔ اے ابنِ سعد میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تو نے حسینؑ بن علیؑ کو

قتل کر ڈالا تو دنیا میں اس عملِ بد کے بعد تیری زندگی بہت ہی مختصر رہ جائے گی۔ اور تجھے لوگ کسی حال میں بھی زندہ نہیں چھوڑینگے اور تیری حسرتیں کبھی ہرگز پوری نہ ہوسکیں گی۔

فقال عمر بن سعد افبالموت تخوفنی والی اذا فرغت من قتلہ اکون امیرا علی سبعین الف واتولی ملک الری[ع]۔ ابن سعد نے جواب دیا: اے "کامل"، کیا تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ میں جب حسین کو قتل کر چکوں گا تو کم از کم ستر ہزار فوج میری کمان میں ہوگی اور مملکت "رَی" کی حکمرانی میرے پاس ہوگی۔ اس سے بڑھکر عزّت اور عظمت اور کیا ہوسکتی ہے۔" یہ سنکر "کامل" نے کہا" اچھا میں تمھیں اے ابن سعد، ایک واقعہ سناتا ہوں۔ اسے سن لو پھر اس مسئلہ پر دوبارہ غور کرنا۔

ایک موقع پر میں تمہارے والد سعد بن ابی وقّاص کے ساتھ شام کا سفر کر رہا تھا۔ راستہ میں ایسا اتّفاق ہوا کہ میں قافلہ سے علیحدہ ہوگیا اور راستہ بھی بھول گیا۔ مجھے شدّت سے پیاس معلوم ہو رہی تھی اور پانی کا دُور دُور تک کہیں نشان اور پتا نہ تھا میں اسی عالم میں راہ طے کر رہا تھا کہ دفعتًہ مجھے دُور پر ایک راہب کی عبادت گاہ نظر آئی تو میں فوراً اُس کی طرف مڑ گیا یہاں تک کہ میں اس کے دروازے پر آیا اور آواز دی۔ وہ راہب باہر آیا اور مجھ سے دریافت کیا۔ تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا میں بہت پیاسا ہوں، تھوڑا

ع (المنجد باب الاعلام صفحہ ۲۳): "الرَّیُّ"، ایک قدیم شہر ہے۔ تہران (ایران) کے جنوب مشرق میں جسے دوسری خلافت کے عہد میں عُروہ بن زید نے ۱۸ھ مطابق ۶۳۹ء میں فتح کیا تھا اور اسی شہر میں ہارون الرشید کی ولادت بھی ہوئی تھی۔ لیکن منتہی الآمال ج ۱ ص ۲۶۹ پر ہے کہ قرظہ بن کعب نے ۲۴ھ میں شہر "رَے"، کو ابو موسیٰ کے ساتھ ملکر

پانی عنایت کیجئے اُس نے مجھے پانی دیا تو میرے ہوش درست ہوئے۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا، تم کون ہو، کیا اُمّتِ محمدؐ سے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ اُس نے پھر کہا، تم اپنے نبی محمدؐ کے نواسے کو قتل کرو گے اور یقیناً اُس کا قاتل وہ ہوگا جس پر تمام آسمانوں اور زمین کی مخلوق لعنت کرے گی۔ اور یہ بھی سن لو کہ جو شخص محمدؐ کے نواسے کو قتل کرے گا وہ پھر چند روز ہی زندہ رہے گا۔

"کامل" نے بتایا کہ میں نے اس راہب سے کہا: میں اللہ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اس گناہِ عظیم کا ارتکاب کروں اور اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤں جو نواسۂ رسولؐ سے جنگ کریں گے یہ سُنکر راہب بولا:۔ اگر تم اُس کے قتل میں شریک نہ ہوگے تو تمہارا کوئی قریبی رشتہ دار یا دوست اس گناہ کا ارتکاب کرے گا یہ کہکر اس نے اپنی عبادت گاہ کا دروازہ بند کر لیا اور دیر کے

(بہ سلسلہ سابق)

فتح کیا تھا۔ اب ہم "منتہی الآمال" کی اصل عبارت لکھتے ہیں۔

"مؤلف گوید کہ قرظہ (لبظاء معجمہ و فتحات ثلثہ) والد عمرو، از صحابۂ کبار و از اصحاب امیرالمؤمنین علیہ السلام است الخ یعنی "قرظہ" "عمرو" (جو شہدائے کربلاء میں سے ہیں) کے والد تھے اور اصحاب امیرالمؤمنین میں خصوصی درجہ رکھتے تھے اور ساتھ ہی بڑے بہادر اور شجاع تھے۔ اُنھوں نے ۲۴ھ میں "رے" کو ابوموسی اشعری کے ساتھ ملکر فتح کیا تھا جنگ صفّین میں یہ حضرت علیؑ کی فوج میں انصار کے علمبردار تھے۔ ۵۱ھ میں اُنھوں نے وفات پائی۔ اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں (۱) قرظہ صحابی رسولؐ نے ۲۴ھ میں "رے" کو فتح کیا تھا (۲) ان کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی (۳) یہ اصحاب امیرالمؤمنینؑ میں خصوصی مقام رکھتے تھے اس کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ "رے" حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں نہیں بلکہ حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت کی ابتدا میں فتح ہوا تھا کیونکہ حضرت عمر کی وفات ۲۷ یا ۲۸ ذی الحجہ ۲۳ھ میں ہو چکی تھی اور اُس وقت

اندر چلا گیا پھر میں جلدی جلدی گھوڑا دوڑا کر اپنے قافلہ تک پہنچ گیا۔ مجھے دیکھکر تمہارے والد سعد بن ابی وقاص نے مجھ سے میرا کل واقعہ سُنا اور کہنے لگے کہ تم بالکل سچ کہتے ہو۔ میں بھی اُس راہب سے مل چکا ہوں اور میری ملاقات تم سے قبل ہوئی تھی تو اُس نے مجھ سے کہا تھا۔ تیری اولاد میں ایک شخص ہوگا جو محمد صلعم رسول اللہ کی بیٹی کے فرزند کو قتل کرے گا۔

"کامل" نے کہا۔ اے عمر بن سعد خدا کے لئے اس ارادہ سے باز آجا اور قتل حسینؑ کے گناہ کا ارتکاب نہ کر۔ جب "کامل" کی اس گفتگو کی خبر ابن زیاد تک پہنچی تو اُس نے اُس کو بُلوایا اور اس کی زبان کٹوا دی جس کے بعد یہ ایک دو روز زندہ رہا پھر مرگیا غرض ابن سعد اس مسئلہ پر غور کرتا رہا یہاں تک کہ اُس نے اس کا فیصلہ کر لیا کہ وہ امام حسینؑ سے جنگ کرکے انھیں قتل کرے گا اور اس کے انعام میں "رے" کی حکومت حاصل کرے گا۔

عمر بن سعد پر مزید تبصرہ

ابو حنیفہ دینوری نے "الاخبار الطوال" میں نیز الکامل لابن الاثیر اور تاریخ طبری وغیرہ میں واقعات کی اس طرح تشریح کی گئی ہے کہ اس زمانہ میں خطہ دستبیٰ" پر (جس کی تفصیل ہم نے فٹ نوٹ میں لکھدی ہے) دیلم کے لوگوں نے حملہ کرکے قبضہ کر لیا تھا اور "وہاں ہر طرف عام بغاوت پھیلی ہوئی تھی۔ یہ خبریں سنکر

تک ۲۴ھ شروع نہیں ہوا تھا چنانچہ علامہ ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب "المعارف" کے صفحہ ۸۳ پر حضرت عثمان کے حالات میں لکھتے ہیں۔

وَبُويِعَ عُثْمَانُ غُرَّةَ الْمُحَرَّمِ سَنَةَ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ اِبْنُ تِسْعٍ وَّسِتِّيْنَ سَنَةً فَكَانَتْ اَوَّلُ غَزَاةٍ غُزِيَتْ "الرَّيَّ" فِيْ خِلَافَتِهٖ وَاَمِيْرُ الْجُيُوْشِ اَبُوْمُوْسَى الْاَشْعَرِيّ اِلٰے نصرت عمر

عُبیداللہ بن زیاد نے عُمر بن سعد بن ابی وَقّاص کو چار ہزار جنگجو فوجیوں
کمان کر دے کر اس بغاوت کو دبانے کا حکم دیا تھا تاکہ یہ وہاں پہنچ کر
سرکاری فوجوں کی امداد کرے اور باغیوں کا قلع قمع کر ڈالے۔ اس
مہم کے انعام میں ابن زیاد نے ایک معاہدہ پر دستخط کیے تھے کہ
کہ عمر ابن سعد کو شہر "رے"، اور اس کے تمام متعلقہ علاقہ کی
حکومت عطا کی جائے گی۔ عین اسی زمانہ میں جبکہ عمر بن سعد سرزمین
"دستبیٰ"، کی طرف روانگی کا ارادہ کر رہا تھا اور کوفہ کے مقام
"حمّام اعین"، پر اس نے فوج کی تنظیم کی غرض سے اپنا پڑاؤ ڈال
رکھا تھا امام حسین علیہ السلام بھی "کربلا" میں آ گئے اور ابن زیاد
پریشان تھا کہ ان دو خطروں کا ایک ہی وقت میں کس طرح

کی وفات ذیحجہ سنہ ۲۳ھ کے آخر میں ہوئی تھی اس لئے حضرت عثمان کی بیعت
پہلی محرم سنہ ۲۴ھ کو ہوئی۔ اور اس بیعت کے بعد پہلی جنگ "شہر رے"
میں لڑی گئی اور بالآخر فتح حاصل ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "رے"، کی
فتح خلافت حضرت عمر کے بجائے حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی زمانہ
میں ہوئی تھی" المنجد باب الاعلام"، سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ "رے"، کی فتح
عہد عمری میں سنہ ۱۸ھ میں ہوئی تھی۔ قرظہ خزرجی کے فرزند عمر و شہید کا ذکر
"شہداء کربلا"، کے تذکرے میں آئے گا (ہماری دوسری جلد میں) شہر "رے"
کے متعلق "معجم البلدان ج ۳ ص ۱۱۶ پر ہے:- (ترجمہ) یہ ایران کا ایک مشہور اور
قدیم خوبصورت شہر ہے۔ "نیشاپور" اور "رے"، کے درمیان ایک سو ساٹھ
فرسخ (۴۸۰) شرعی میل کا فاصلہ ہے اور "قزوین"، کے مابین ستائیس ۲۷ فرسخ
(۸۱ شرعی میل) کی مسافت ہے۔
علامہ یاقوت مصنف معجم البلدان نے بہت ہی بسط و شرح کے ساتھ "رے"
کے حالات لکھے ہیں۔
اس سلسلہ میں ص ۱۱۷ پر لکھتے ہیں:- لوط بن یحییٰ کا بیان ہے کہ حضرت عمر

مقابلہ کرے۔ وہ اس پر غور کرتا رہا پھر عُمر بن سعد کو بُلایا اور کہا کہ پر دست تم "دستبٰی" جانا اور دیلم والوں سے مقابلہ اور جنگ کا خیال چھوڑ دو بلکہ یہ کرو کہ سب سے پہلے حسینؑ بن علیؑ سے جنگ کے لئے کربلا جاؤ اور انھیں مع اُن کے ساتھیوں کے قتل کر کے پھر "دستبٰی" روانہ ہو جاؤ۔ عمر بن سعد نے پہلے معذرت کی کہ مجھے اس کام سے معاف کر دو، ابن زیاد! ــــ اور میرے بجائے یہ معاملہ کسی دوسرے کے سپرد کر دو۔ یہ سنکر ابن زیاد نے کہا:۔ اچھا اگر ایسا ہے تو

(بہ سلسلہ سابق) بن الخطابؓ نے عمّار بن یاسرؓ کو خط لکھا جبکہ "عمّار" اُن کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، یہ خط فتح "نہاوند" کے دو ماہ بعد لکھا گیا تھا۔ اس خط میں حضرت عمرؓ نے عمّار کو حکم دیا تھا کہ وہ عروہ بن زید الطّائی کو آٹھ ہزار فوجیوں پر مشتمل لشکر کے ساتھ شہر "رے" اور پورے خطّہ "دستبٰی" کو فتح کرنے کے لئے روانہ کریں۔ عمّار بن یاسرؓ نے بہت ہی جلد لشکر روانہ کر دیا۔ دیلم کے لوگوں نے "رے" کے باشندوں کی مدد کی اور عربوں سے اُن کی زبردست جنگ ہوئی مگر بالآخر عرب مسلمان فوج کو فتح حاصل ہوئی۔

علاّمہ یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ عہد عُمری کا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ۲۰ھ اور کچھ لوگوں کے نزدیک ۱۹ھ تھا۔

طبری (تذکرہ خلافتِ ثانیہ میں) لکھتے ہیں کہ "شہر رے" کو نُعیم بن مُقرّن نے فتح کیا تھا اور یہی (نُعیم بن مُقرّن) پورے خطّہ "دستبٰی" کے فاتح ہیں یہ بڑا وسیع خطّہ زمین تھا جس میں سیکڑوں آبادیاں اور قریے موجود تھے اور اس خطّہ کا ایک بڑا شہر "رے" بھی تھا۔

فتح کے سال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ واقدی کے نزدیک "ھمدان" اور "رے" دونوں ۲۳ھ میں بعہد عمری فتح ہوئے تھے۔ "فاتح" "قرظہ بن کعب" تھے۔ دوسری روایت کی بناء پر ھمدان کی فتح جمادی الاولیٰ ۲۳ھ میں ہوئی تھی لیکن خود علاّمہ طبری نے فتحِ "رے" کو ۲۲ھ کے واقعات میں

کے انعام کے اُس معاہدہ کو تم فوراً واپس
پھر حکومتِ "رے" میں اہلِ "دیلم" وغیرہ سے جنگ
کر نے تو تمہارے پاس موجود ہے کسی دوسرے کو بھیج دوں گا اور تم اس انعام سے محروم
کے لئے ہو جاؤ گے یہ دھمکی سُن کر اور دُنیا ہاتھ سے جاتی ہوئی دیکھ کر
ابن سعد راضی ہو گیا کہ میں حسینؑ سے ضرور جنگ کروں گا اور
اُنھیں قتل کر دوں گا مگر حکومتِ "رے" کے انعام کو نہیں
چھوڑوں گا۔ کیونکہ حکومت "رے" کا انعام اب قتلِ فرزندِ رسولؐ
پر موقوف اور منحصر کر دیا گیا تھا۔

پھر جب ابن سعد نے کربلا جانے اور فرزندِ رسولؐ سے
جنگ کا ارادہ مُصمّم کر لیا تو یہ اشعار پڑھنے لگا:

(۱) فَوَاللّٰہِ لَا اَدْرِیْ وَاِنِّیْ لَحَائِرٌ اُفَکِّرُ فِیْ اَمْرِیْ عَلٰی خَطَرَیْنِ

خدا کی قسم میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور میں حیران ہوں۔ غور
کر رہا ہوں کہ ان دو عظیم معاملوں میں کس کو ترجیح دوں۔

(۲) ءَ اَتْرُکُ مُلْکَ الرَّیِّ وَالرَّیُّ مُنْیَتِیْ + اَمْ اَرْجِعُ مَأْثُوْمًا بِقَتْلِ حُسَیْنٍ

کیا میں حکومت "رے" کا خیال ترک کر دوں! حالانکہ وہ تو میری
بڑی دلی آرزو ہے یا پھر حسینؑ بن علیؑ کو قتل کر کے گناہ مول لوں۔

(بہ سلسلہ صفحہ سابق)

درج کیا ہے۔ غرض فتح "رے" کے متعلق اتنے اقوال معلوم ہوئے۔
(۱) یہ سنہ ۱۸ھ میں فتح ہوا یا (۲) سنہ ۱۹ھ (۳) سنہ ۲۰ھ (۴) سنہ ۲۲ھ (۵) سنہ ۲۳ھ (۶) سنہ ۲۴ھ
میں فتح کیا گیا تھا۔ نیز اس کے فاتح (۱) قرظہ بن کعب (۲) نُعیم بن مُقرِن
(۳) ابو موسیٰ اشعری (۴) عُروہ بن زید تھے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ "رے" کی حکومت کی بڑی اہمیت تھی کیونکہ وہ ایک وسیع
علاقہ کا انتہائی اہم مرکزی شہر تھا اور وہاں کا گورنر ہو جانا بڑے امتیاز
اور بڑی عزت کی چیز تھی۔

(٣) حسین ابن عمی والحوادث جمة — لعمری ولی فی الری قرة عین

حسین یقیناً میرے ابن عم ہیں مگر زمانہ کے انقلابات کی تو کوئی حد ہی نہیں ہے اور یہ انقلابات تو ہوتے ہی رہتے ہیں مگر میرے دین و مذہب کی قسم، حکومت "رے" میں تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ میں اُسے کیونکر چھوڑ سکتا ہوں۔

(٤) وان اله العرش یغفر زلتی — ولو کنت فیها اظلم الثقلین

مجھے یقین ہے کہ عرش کا مالک اللہ میرے گناہ کو معاف کر دے گا چاہے میں تمام جنّ و انس میں سب سے بڑھ کر ظالم کیوں نہ ہوں یعنی وہ سب گناہ معاف کر دے گا۔ میں توبہ کر لوں گا۔

(٥) الا انما الدنیا لخیر معجل — وما عاقل باع الوجود بدین

دُنیا کی نعمتیں تو سب ہمارے سامنے حاضر و موجود ہیں پھر کون ایسا عقلمند ہو سکتا ہے کہ وہ نقد مال کو اُدھار کے عوض فروخت کر ڈالے یعنی دنیا کی موجودہ نعمتوں کو چھوڑ کر آخرت کے خواب دیکھتا رہے۔

(٦) یقولون ان اللہ خالق جنة — ونار و تعذیب و غل یدین

لوگ کہتے ہیں کہ خدا جنّت کا خالق ہے اور جہنّم کا بھی وہی خلق کرنے والا ہے، عذاب کا مالک بھی وہی ہے اور روز قیامت ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بھی اُسی کے حکم سے ڈالی جائیں گی۔

(٧) فان صدقوا فیما یقولون اننی — اتوب الی الرحمن من سنتین

تو اگر یہ لوگ سچ کہتے ہیں اور اپنے قول میں صادق ہیں تو پھر یہ کروں گا کہ دو برس کے گناہوں سے توبہ کر لوں گا۔

(٨) وان کذبوا فزنا بدنیا عظیمة — وملک عقیم دائم الحجلین

اور اگر یہ سب لوگ جھوٹ بولتے ہیں پھر تو ہمیں یہ عظیم دنیا ہاتھ آ جائیگی اور ایسی سلطنت اور ملک ملے گا جس میں نسب اور خاندان اور دوستی و رشتہ داری کی کوئی حیثیت و قیمت ہوتی ہی نہیں۔ کیونکہ

اس کے حصول کے لئے ماں، باپ، بھائی، شوہر، بیوی اور محبوب ترین افراد بھی قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ ملک جس کے قدموں میں ہمیشہ پازیب یعنی زیور رہا کرتے ہیں۔

عمر بن سعد یہ اشعار جھوم جھوم کر پڑھ رہا تھا کہ یکایک کسی (ھاتفِ غیبی) کی آواز سُنی اور وہ بھی کچھ اشعار پڑھنے لگا جو یہ تھے:۔

(۱) اَلَا اَیُّھَا النَّغْلُ الَّذِیْ لَیْسَ مِثْلُہٗ وَ یَمْضِیْ مِنَ الدُّنْیَا بِقَتْلَۃٍ شَیْنٍ

آگاہ ہو جا! اے فاسِدُ النَّسَب! جو عیب اور بد کرداری میں اپنی نظیر نہیں رکھتا اور جو اس دُنیا سے بڑی ذلّت و رُسوائی کے ساتھ قتل ہو کر جائے گا۔

(۲) اِذَا اَنْتَ قَاتَلْتَ الْحُسَیْنَ بْنَ فَاطِمٍ وَاَنْتَ تَرَاہُ اَشْرَفَ الثَّقَلَیْنِ

تو فرزند فاطمہؑ بنت رسولؐ سے جنگ کرے گا جبکہ تجھے خوب معلوم ہے کہ وہ تمام جنّ و انس سے افضل و اشرف ہیں۔

(۳) فَلَا تَحْسَبَنَّ الرَّیَّ یَا اَخْسَرَ الْوَرٰی تَفُوْزُ بِہٖ مِنْ بَعْدِ قَتْلِ حُسَیْنٍ

تو اس بات کا گمان بھی نہ کر۔ اے تمام خلق خدا میں سب سے زیادہ بدنصیب! کہ تو حسین بن علیؑ کو شہید کر کے حکومتِ "رے" جس کی تجھے آرزو ہے، حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے گا۔

(نوٹ) سپہر کاشانی نے ناسخ التواریخ جلد ۶ میں ہاتفِ غیبی کے اشعار کو یوں لکھا ہے۔

اَلَا اَیُّھَا النَّغْلُ الَّذِیْ خَابَ سَعْیُہٗ وَ رَاحَ مِنَ الدُّنْیَا بِبَخْسَۃِ عَیْنٍ

"بَخْسَۃُ الْعَیْنِ" سے آنکھ کا عیب مُراد ہے۔ یعنی یا تو اندھا ہو کر تو دُنیا سے جائے گا یا مُراد یہ ہے کہ جو لذتیں تجھے حاصل ہیں یا جن کی تجھے آرزو ہے اُن سے تو محروم ہو جائے گا۔

سَتَصْلٰی جَحِیْمًا لَیْسَ یُطْفٰی لَھِیْبُھَا وَ سَعْیُکَ مِنْ دُوْنِ الرِّجَالِ لَشَیْنٍ

کربلا میں ورودِ امام حسینؑ سے متعلق کچھ مزید حالات

امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں وارد ہونے کی خبر سُنکر ابن زیاد نے آپ کو جو خط تحریر کیا تھا اُسے ہم لکھ چکے ہیں۔ ابن سعد کو اس کے باپ کے دوست "کامِلُ" نے بھی قتل امام عالی مقام سے منع کیا تھا اور اُس کے علاوہ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت نے بھی اور خود اس کے بھانجے حمزہ بن مُغیرہ بن شعبہ نے بھی۔ مگر آخر میں اس کے بہی خواہوں کا مشورہ بیکار ثابت ہوا اور اس نے یہی طے کر لیا کہ یہ امام حسینؑ سے جنگ کے لئے کربلا جائے گا اور انھیں ان کے ساتھیوں سمیت قتل کرے گا اور اس طرح حکومت "رَے"، کے انعام کو حاصل کر لے گا۔

مختصر یہ کہ رات بھر خوب غور کرنے کے بعد صبح کو یہ "دارالامارۃ" پہنچا جہاں سرداری لشکر کے بہت سے اُمّید وار موجود تھے ابن زیاد نے اعلان کیا کہ دس سال تک حکومت "رَے"، کا فرمان شاہی میرے پاس موجود ہے مگر اس کی شرط یہ ہے کہ حسینؑ بن علیؑ اور ان کے تمام ساتھیوں کو قتل کرنا ہوگا۔ تم میں سے کون اِسے قبول کرتا ہے عُمر بن سعد آگے بڑھا۔ کہنے لگا: امیر! میں نے خوب غور کر لیا ہے۔ میں اس خدمت کو انجام دوں گا۔ یہ پروانہ مجھے عطا کیا جائے۔ عُبیداللہ نے وہ پروانۂ شاہی ابن سعد کو دیا اور بہت خوش ہوا۔ (اس سے قبل ہم نے بعض روایات درج کی ہیں جن سے

عنقریب تجھے جہنّم میں ڈالا جائے گا۔ جس کے شُعلے کبھی نہ بُجھیں گے اور تیری سعی و کوشش صاحب عزّ و شرف لوگوں کے مقابلہ میں بڑی شرمناک ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ خطۂ "دستبی" کی بغاوت فرو کرنے کے انعام میں ابن زیاد نے حکومت "رے" کا پروانہ ابن سعد کو پہلے ہی دے دیا تھا مگر جب امام حسینؑ کربلا پہنچ گئے تو اُس نے ابن سعد کو حکم دیا کہ وہ "دستبی" جانے کا ارادہ ملتوی کر دے اور پہلے کربلاء جاکر امام حسینؑ سے جنگ کرے۔ ابن سعد نے اس مسئلہ میں کچھ تامل اور تذبذب سے کام لیا تھا تو ابن زیاد نے دھمکی دی تھی کہ اگر تم پہلے کربلاء جاکر حسین بن علیؑ کو قتل نہیں کرو گے تو وہ پروانہ تم سے واپس لے لیا جائے گا۔ بالآخر ابن سعد نے کربلا جانا قبول کر لیا تھا۔ اس روایت سے موجودہ روایت کچھ مختلف ہے مگر حاصل سب کا ایک ہی ہے۔ (مؤلف)

پھر ابن زیاد مسجد کوفہ میں منبر پر گیا اور تقریر کی: اَیُّھَا النَّاسُ الخ (ترجمہ) تم لوگوں نے اولاد ابی سفیان کو اچھی طرح آزمالیا اور جیسا تم چاہتے اور پسند کرتے تھے انھیں تم نے ویسا ہی پایا اور اس امیر ــــ یزید کو تم اچھی طرح جانتے پہچانتے ہو کہ وہ حسن سیرت کا مالک اور قابل تعریف اور پسندیدہ خصلتیں رکھنے والا ہے اپنی رعایا سے محبت رکھتا ہے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہتا ہے اور احسان و عطا کا جو حق ہے اُسے ادا کرتا ہے۔ اُسکے عہد سلطنت میں ہر طرف امن و امان ہے اور مملکت کے تمام راستے چوروں اور ڈاکوؤں سے بالکل محفوظ ہو گئے ہیں اور یہی حال یزید کے والد معاویہ کی حکومت اور حسن انتظام کا تھا۔ اب اُن کا بیٹا یزید تمام لوگوں کی عزت کرتا ہے۔ اور اُن کی ہر طرح مال و دولت اور دوسری صورتوں سے امداد و اعانت کرتا رہتا ہے اور اس امداد میں اُس نے اب سیکڑوں گنا اضافہ کر دیا ہے اور اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سب کو مالا مال کر دوں اور تمھارے گھر دولت سے بھر دوں پھر تمھیں تمھارے امیر اور

بادشاہ کے دشمن حسینؑ سے جنگ کے لئے روانہ کردوں اس لئے تم سب کے سب میری ان باتوں کو خوب غور سے سُن لو۔ اور پوری طرح اطاعت و فرماں برداری کا اظہار کرو۔"

اس تقریر کے بعد ملعون ابن زیاد منبر سے اُتر آیا۔ خزانہ کا مُنھ کھول دیا گیا تھا۔ لاکھوں درہم و دینار فوجیوں، سردارانِ لشکر، قبائل کے سرداروں اور عوام الناس کو تقسیم ہونے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں بے دریغ طریقہ پر دولت لُٹا دی گئی جو خود کوفہ کے خزانہ میں موجود تھی اور اس میں جو کمی تھی وہ دمشق کے خزانہ سے پوری کی گئی تھی اور اس طرح مسلمانوں کا مال جو ملّتِ مسلمہ اور مملکت کے مفاد میں صرف ہونا چاہئے تھا، نواسۂ رسولؐ اور ذُرّیّت سرورِ کائنات کو قتل کرنے کے انتظامات پر خرچ کیا جا رہا تھا۔ یہ وہ خزانے تھے جو مسلمانوں کا خون چوس کر بھرے گئے تھے اور ان کا مصرف صرف عیّاشی، ذاتی مفاد پرستی اور ناموسِ اسلام کی بربادی اور تباہی تھی۔

لالچی، ذلیل طینت اور بدکردار اہل کوفہ اس دولت کے انبار کو دیکھکر اور درہم و دینار کی چمک اور کھنک سے مسحور اور بے بس ہوگئے اور حرص و ہوس کے بُت نے انھیں اولادِ رسولؐ کو تہہِ تیغ کر دینے پر مجبور بنا دیا۔

عُبَیداللہ بن زیاد نے سب سے پہلے عمر بن سعد کو علم لشکر دیا اور نو ہزار سوار اُس کے ساتھ کئے۔ (اس مقام پر روایات میں تعداد کہیں کہیں مختلف صورتوں سے ملتی ہے۔) اور اُسے کربلاء کی طرف فوراً روانہ کر دیا۔

پھر شبث ابن ربعی بن حصین التمیمی کو بلایا (یہ ابتداء میں اسلام لایا تھا پھر وفاتِ رسول اللہؐ کے بعد "سجاح" کی نبوّت

پر ایمان لایا اور اسلام کو چھوڑ دیا۔ "سجاح"، ایک عورت تھی جس نے سرورِ کائنات کی وفات کے بعد نبوّت کا دعویٰ کیا تھا اور مُدّعیِ نبوّت مُسیلمۂ کذّاب سے عقد کر لیا تھا یہ دونوں میاں بیوی بعد وفات سرورِ کائنات نبوّت کے دعویدار ہو گئے تھے۔

سجاح اُمِّ صادر قبیلۂ بنو تمیم سے تھی اور جب عہد حضرت ابوبکر میں مُسیلمہ کو مسلمانوں نے قتل کر ڈالا تھا تو یہ اسلام لے آئی تھی۔ (الاعلام للزرکلی وغیرہ) "شبث"، اپنے ارتداد کے زمانہ میں "سجاح"، کا مؤذّن رہا تھا۔ پھر اُسے بھی چھوڑ کر اسلام کی طرف واپس آیا اور اصحاب امیرالمومنین میں شامل ہو گیا پھر صفّین کی جنگ کے بعد نہروانی خارجیوں کا شریک کار بن گیا تھا۔)

غرض ابن زیاد نے "شبث بن ربعی"، کو بلانے کے لئے کسی شخص کو اس کے مکان پر بھیجا اور حکم دیا کہ کربلا جانے اور حسینؑ بن علیؑ سے جنگ کی تیاری کرے۔

اس نے کچھ عذر کرنا چاہا اور کہلوا دیا کہ میری طبیعت خراب رہتی ہے اور دربار میں حاضر نہ ہوا۔ (اس بہانے کی اصلی وجہ یہ تھی کہ "ملک رے"، کا پروانۂ حکومت اور پورے لشکر کی سرداری تو عمر بن سعد کو مل چکی تھی اس کو حسد ہوا اور اسی وجہ سے اس نے یہ بہانہ تراشا تھا۔ یہ بات ہرگز نہ تھی کہ یہ قتل امام حسینؑ کو بُرا کام اور گناہ سمجھتا تھا۔)

عُبیداللہ نے اس کا یہ عذر سُنکر اسے خط لکھا۔ امابعد فَاِنَّ رَسُولِی اَخْبَرَنِی الخ اے شبث! میرے ایلچی نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تم فرضی مریض بنے ہوئے ہو مجھے خوف ہے کہ تم کہیں اُن لوگوں میں شمار نہ کئے جاؤ جن کے لئے قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے۔ (ترجمہ) جب وہ منافقین اہل ایمان کے پاس آتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں پھر

جب اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ ہم تو اصل میں تمھارے ہی ساتھ ہیں اور مُسلمانوں سے صرف مذاق میں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔

مختصر یہ کہ اگر تم سچے دل سے ہمارے ساتھ اور ہماری اطاعت میں ہو تو فوراً ہمارے پاس حاضر ہو جاؤ"

شَبَث بن رِبعِیّ ایک طرف تو یہ چاہتا تھا کہ ابن زیاد کے فرمان کی تعمیل کروں اور دولتِ دُنیا اور حکومت کے مزے اُڑاؤں اور دوسری طرف چونکہ اپنے فرضی مریض ہونے کا اظہار کر چکا تھا اِس وجہ سے یہ بھی پسند نہ کرتا تھا کہ ابن زیاد یہ سمجھ سکے کہ یہ محض ایک بہانہ تھا اور دراصل یہ مریض نہیں ہے اِس بنا پر یہ دربار ابن زیاد میں دن کے وقت نہیں آیا۔ اور جب رات ہوگئی تو وہاں پہنچا تاکہ اُس کی صورت اور صحّت و مرض پوری طرح دیکھنے والوں کی سمجھ میں نہ آسکے۔

بالآخر جب یہ " دارالامارۃ " میں آیا تو ابن زیاد نے اس کی بڑی خاطر مدارات کی اور کہا۔ اس وقت تمھارے خدمات کی ہمیں سخت ضرورت ہے۔ اور تمہیں فوراً حسین بن علیؑ سے جنگ کرنے کے لئے کربلاء جانا ہے۔ تمہاری شجاعت و بہادری اور وفاداری ہم پوری طرح جانتے ہیں۔ پھر اُسے کثیر مال و زر اور عطیّات دیئے اور اُس کے لئے علمِ لشکر تیّار کرا دیا۔ چار ہزار سواروں کی فوج کا سردار بنا کر اسے بھی " کربلاء روانہ کر دیا۔

اس کے بعد پھر ابن زیاد نے " عُروہ بن قیس " کو بلوایا (صاحب ابصار العین نے ص۱۵ پر " عُروہ " کے بجائے " عَزرَہ بن قیس الاحمسی " لکھا ہے اور کہا ہے کہ " عُروہ " لکھنا غلط اور خلاف تحقیق ہے)

ابن زیاد نے " عَزرَہ " کو بھی چار ہزار سواروں کی فوج کا سردار

بنا دیا اور کربلاء کی طرف روانہ کر دیا۔ پھر ایک اور علم تیار کیا اور "سنان بن انس بن عمرو النخعی"، کو بلا کر ایک فوج کی سرداری دی جس میں ایک روایت کی بنا پر چار ہزار اور دوسری روایت کے مطابق دس ہزار سوار تھے۔ اور اُسے بھی کربلاء کی طرف روانہ کر دیا۔ ان سب کے بعد حُصَین بن تمیم "، کو بھی چار ہزار سواروں کا لشکر دیا اور "قادسیہ"، کی طرف روانہ کیا۔ (دوسرے بہت سے مصنفین جیسے سپہر کاشانی، — ابن اثیر، طبری وغیرھم نے اس کا نام "حُصَین بن نمیر"، لکھا ہے۔ لیکن صاحب "ابصار العین"، کا دعوٰی ہے کہ حُصَین بن نمیر"، واقعۂ کربلا میں شریک ہی نہ تھا بلکہ یہ "حُصَین بن تمیم" تھا۔ اُن کی رائے میں "حُصَین بن نمیر"، شام میں تھا۔ اور سنہ ۶۴ھ میں "جنگ حرہ" میں شریک تھا اور اُس شامی فوج کی کمان اسی نے کی تھی جسنے مکہ کا محاصرہ کیا اور جو "مسلم بن عقبہ مری"، کی مقام "قدید" پر موت کے بعد سردار لشکر بنا دیا گیا تھا۔ پہلے سردار لشکر خود مسلم بن عقبہ مری تھا۔ اسی کے ساتھ ایک بات یہ بھی یاد رہنا چاہیئے کہ حُصَین بن تمیم (یا "نمیر"،) ابن زیاد کی پولیس کا افسر اعلیٰ تھا اور صحیح روایت کے مطابق اس کو ابن زیاد نے بہت پہلے سے "قادسیہ"، پر مقرر کر دیا تھا اور اُس نے اُن تمام راستوں پر فوجی پہرا مقرر کر دیا تھا جو کسی طرف سے بھی کوفہ کی جانب آتے تھے تاکہ کوئی شخص بھی کوفہ کا رخ نہ کر سکے لیکن ان صحیح روایات کے برخلاف اُس روایت میں جو ہم نے ابھی ترتیب فوج یزید کے سلسلہ میں لکھی ہے، حُصَین کا ذکر اُن سرداروں کے ساتھ مذکور ہے جو جنگ کے لئے کربلا روانہ کئے گئے تھے۔

صحیح بات وہی ہے جو صحیح روایات میں مندرج ہے۔ مؤلف)

غرض اِن تمام سرداروں کے بعد شمر بن ذی الجوشن الضّبابی کو چار ہزار فوجیوں کے ساتھ اُن کا سردار بنا کر روانہ کیا گیا۔
(انصار العین ص۱۹ پر ہے:۔"شمر"، کی "شین" پر زبر اور "میم" پر زیر ہے یعنی یہ لفظ "شَمِر" ہے۔ مگر عوام اِسے "شِمْر" کہتے ہیں جو لُغت کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔ بہر حال "غلطِ عام"، ہونے کی وجہ سے "شِمر"، کی "شین" پر زیر پڑھنا جائز ہے۔ مؤلف)

"شمر ضبابی"، قاتل امام حسین علیہ السّلام کے متعلق مورّخوں نے لکھا ہے کہ یہ "ابرص"، تھا یعنی برص کے مرض میں مُبتلا تھا جو کوڑھی مرض"، ہی کی ایک قسم ہے۔ نیز یہ خارجی تھا۔("ابرص" عام طور پر اس مریض کو کہتے ہیں جس کے جسم پر "سفید داغ"، پیدا ہو جائیں۔)

"سفینۃ البحار جلد اوّل ص۱۱"، پر اس طرح لکھا ہے:۔(ترجمہ)
جنگ صفّین میں "شمر"، حضرت امیر المؤمنین کی فوج میں تھا۔
پھر لکھتے ہیں۔ ھشام بن محمّد بن السّائب الکلبی کی کتاب "المثالب"، میں ہے کہ "ذو الجوشن"، کی زوجہ یعنی "شمر"، کی ماں "جبّانۃ السّبیع سے جبّانہ کندہ" کی طرف تنہا جا رہی تھی ("جبّانہ"، اصل میں صحرا کو کہتے ہیں لیکن اہل کوفہ اس لفظ کو "مقبرہ"، کے لئے عام طور پر بولا کرتے ہیں۔ ان معنوں کے علاوہ شہر کوفہ میں کچھ خاص خاص بستیاں تھیں جن میں سے ہر ایک بستی کو وہاں کے لوگ "جبّانہ"، کہا کرتے تھے اور یہ خصوصی محلّے کسی نہ کسی قبیلہ کی طرف منسوب کر دیئے جاتے تھے۔ جیسے جبّانۂ کندہ، جبّانۂ سبیع، جبّانۂ میمون، جبّانۂ عرزم اور جبّانۂ سالم وغیرہ۔ معجم البلدان ج ۲ ص۹۹)
غرض "شمر"، کی ماں اُس کی پیدائش کے قبل ایک موقع پر جبّانۂ

سبیع سے تنہا نکلی اور جبانہ کندہ کی طرف روانہ ہوگئی۔ راستہ میں اسے شدّت سے پیاس لگی مگر پانی کہیں نظر نہ آیا۔ اسی اثناء میں اسنے ایک چرواہے کو دیکھا جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا اس کے پاس پانی موجود تھا۔ اس نے کہا مجھے شدّت سے پیاس لگی ہے۔ تھوڑا سا پانی مجھے دیدے۔ مگر اس چرواہے کی نیّت خراب ہوگئی اور جواب دیا کہ جب تک تو میری خواہش کو پورا نہ کرے گی میں پانی نہیں دونگا بالآخر مجبور ہو کر یہ راضی ہوگئی اور اس چرواہے کے ساتھ زنا کی مرتکب ہوئی۔ اسی زنا سے اس کو "شمر" کا حمل رہا تھا اور "شمر" دراصل اسی چرواہے کا زنا زادہ فرزند تھا۔

روزِ عاشورا امام حسین علیہ السّلام کی شان میں جب اس ملعون نے گستاخی کی تھی تو آپ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ "یَا ابْنَ رَاعِیَةِ الْمِعْزٰی اَنْتَ اَوْلٰی بِہٖ صِلِیًّا"۔ اے بکریوں کے چرانے والے کے فرزند! تو جہنّم کی آگ میں جلنے کا پوری طرح مستحق و حقدار ہے۔" (راعیۃ، یہاں مبالغہ کا صیغہ ہے)

("شمر" اپنے ایک دادا "ضِبابُ بن کِلاب" کی نسبت سے "ضِبَابی" کہلاتا تھا یوں تو لفظ "ضِبَاب" کوفہ کے ایک قلعہ کے لئے بھی بولا جاتا تھا اور بعض دوسرے مقامات کے نام بھی "ضِبَاب" تھے مگر یہاں وہی نسبت مراد ہے جیسے ہم نے پہلے لکھا ہے) "شمر" کے ظاہری باپ کا نام شراحیل یا شرحبیل تھا اور عام طور پر اسے "ذُوالجوشن" کہا جاتا تھا "جوشن" کے معنی زرہ کے ہیں۔

"شمر بن ذی الجوشن" نے حضرت ابوالفضل العبّاسؑ کے لئے جو امان نامہ ابن زیاد سے حاصل کیا تھا اور جسے عبداللہ بن ابی المحل بن حِزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر الوحید نے لکھوایا تھا

(حضرت فاطمہ بنت حزام (اُمّ البنین) والدہ حضرت ابوالفضل
کی پھوپھی ہوتی تھیں۔)
اِس عبداللہ کی پھوپھی ہوتی تھیں۔) خیامِ حسینی کے قریب گیا اور آواز دی
۔ اُسے یے کہ شمر، "اینَ بنو اُختِنا"، ہمارے بھانجے عباس بن علیؑ وغیرہ کہاں
ہیں۔ میں اُن کے لیئے امان نامہ لایا ہوں۔

اِس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ "شمر"، حضرت
عباسؑ کا ماموں ہرگز نہ تھا مگر چونکہ حضرت اُمّ البنین جس قبیلہ
سے تھیں یعنی بنو کلاب اُسی قبیلہ سے "شمر بن ذی الجوشن"
بھی تھا اور عرب کے قواعد کے مطابق اپنے قبیلہ کی عورت کو
بہن کہا جاتا تھا اور اُس کی اولاد کو بہن کی اولاد کہتے تھے اِسلیئے
حضرت اُمّ البنین فاطمہ بنت حزام اور شمر بن ذی الجوشن کے
درمیان کوئی بھی رشتۂ قرابت نہ تھا بلکہ صرف وہ آپ کا ہم قبیلہ
تھا۔ اور "بھانجا"، کہکر حضرت عباسؑ کو مخاطب کرنا بھی اُنھیں
امامؑ عالی مقام سے جُدا کرنے کی بھرپور سازش تھی جس کا منھ توڑ
جواب اُسی وقت حضرت قمرِ بنی ہاشم نے دے دیا تھا۔
البتّہ حضرت اُمّ البنین اور عبداللہ بن ابی المحل بن حزام میں
قریبی رشتہ داری تھی۔

سپہر کاشانی نے ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۴۲ پر لکھا ہے کہ "یہ امان نامہ
عبداللہ بن مُخلّد کلابی نے ابن زیاد سے یہ کہکر لکھوایا تھا کہ حضرت
اُمّ البنین میری چچازاد بہن ہیں۔ مگر حضرت عباسؑ اور آپکے
بھائیوں نے یہ امان نامہ انتہائی حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔
غرض لشکر کی تفصیل کا بیان ہو رہا تھا ــــ پھر عُبیداللہ بن زیاد
نے شمر کے بعد مضایر بن رہینۂ مازنی کو طلب کیا اور اسے تین ہزار
فوجیوں کا سردار بنایا۔ پھر یزید بن رکاب الکلبی کو دو ہزار کا لشکر ملا
نصر بن خرشہ کو دو ہزار کی فوج ۔ محمد بن الاشعث کو ایک ہزار

سپاہی۔ ان سب کے بعد خولی بن یزید اصبحی کو دس ہزار سواروں کا امیر بنایا گیا۔

عبداللہ بن الحصین الازدی کو ایک ہزار سوار دیئے گئے۔

کعب بن طلحہ کو تین ہزار سوار۔

حجار بن ابجر کو ایک ہزار سوار۔

حُر بن یزید ریاحی جب کربلا میں پہنچ گئے تو انھیں مزید فوج دی گئی اور اُن کا لشکر تین ہزار سواروں پر مشتمل ہو گیا تھا۔

تعداد لشکر ابن زیاد پر ہم نے اس سے قبل تفصیلی بحث کی ہے جس سے ناظرین کرام کو اُس کی کثرت کا پوری طرح اندازہ ہو جائیگا۔

اس جگہ اب ہم اپنی پہلی جلد کو ختم کرتے ہیں۔

امام حسینؑ، اصحابؓ و انصارؓ اور بنی ہاشمؓ کی جنگ — اور واقعات شہادت کی تفصیل اور ابتدائی مزید حالات — اور متعلقہ امور پر ضروری بیانات کا مطالعہ ہماری اس کتاب "شہادتِ کبریٰ" کی جلدِ دُوم میں ملاحظہ کیجیئے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ۔

الرَّاجِی رَحْمَۃَ الرَّبِّ الْقَوِیِّ
مُحَمَّد رَضِیّ الرَّضَوِیّ

حجۃ الاسلام علامہ سید محمد رضی مجتہد